U 5414 3-12-09.

Title – TAZKIRA HAZAR DASTAN MAROOF BA KHAMKHANA-E-JAVED.

Editor – Lala Sreeram.

Publisher – Ray Gulab Singh Press (Lahore).

Date – 1911

Pages – 564 + 52 + 12

Subjects – Urdu Shayari Tanqeed; Tazkira Shora

اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحراً

ہزار ہزار شعراءس ناظم کون ومکان کا کہ زبان اردو کے شعرائے ماضی وحال کا یہ مکمل تذکرہ

موسوم بہ

تذکرۂ ہزار داستان

معروف بہ

۱۳ ھ ۲۵

خمخانۂ جاوید

جلد چہارم

لالہ سری رام۔ ایم۔ اے منصف دہلوی خلف الصدق عالیجناب آنریبل رائے بہادر

لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر سرگباشی رئیس دہلی و لاہور کی لگاتار ۳۵ برس کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے

سنہ ۱۹۲۶ء

کتاب ہمدرد پریس دہلی میں چھپی اور سرورق گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں طبع ہوا

بار اول (۱۳۰۰) قیمت { مجلد عہ / بلا جلد للعہ

تذکرۂ ہزار داستان

المعروف بہ

خمخانۂ جاوید ۱۳۲۵ھ

مؤلفہ

جناب لالہ سری رام صاحب ایم۔اے۔

سابق منصف دہلوی خلف الصدق

عالیجناب آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب [illegible]

F.W. & Co. LAHORE.

تذکرہ ہندوستان

المعروف بہ

خمخانہ جاوید

جلد چہارم

سابق
سابق۔ قاضی غلام احمد عرف اَدُّو میاں۔ آپ بیگن پلی علاقہ مدراس میں پیدا ہوئے قوم نوابط سے ہیں۔ آپکے مورث اعلےٰ علی محمد مخدوم نابطی اودگیری علاقہ نظام کے مشاہیر سے تھے۔ مولوی غلام رسول جو آپکے والد ہیں علاقہ کوئل کنڈلہ دکن میں قاضی ہیں اُردو فارسی انگریزی تعلیم سے بہرہ ور ہیں۔ شاعری میں جناب نیساں کے شاگرد ہیں۔ کلام سے خوش فکری کا اظہار ہوتا ہے۔ دو تین شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

حرم میں نہاں ہے شان تیری تو ہیں ظاہر کمال تیرا
ہر ایک شے میں ہیں دیکھتا ہوں شہود تیرا جمال تیرا

خواہش دید کا ہے یہ حاصل
غیب سے شور لن ترانی ہے

چھوڑ کر جاؤنگا کہاں سابق
میرا سر اُن کا آستانہ ہے

ساجد
ساجد۔ مولوی حافظ ساجد علی صاحب وکیل اورنگ آباد تعلقہ کاکوری ضلع لکھنؤ کے رہنے والے

اور حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ آپکا مجموعۂ رباعیات شائع ہو چکا ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قدیم الفاظ میں جدید خیالات کو نہایت حسن و خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ بیان کی سادگی زبان کی سلاست آپ کی اخلاقی شاعری میں جان ڈالدیتی ہے رباعیات میں اسلام کے زوال و تنزل اور مد و جزر کی تصویریں آپنے کھینچی ہیں وہ عبرت آموز ہیں۔ دل میں قوم کا درد ہونا ظاہر ہے۔ یہ درد ہی تو ہے جو ایسے پُر تاثیر شعر کہنے پر مجبور کرتا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے

قطعہ

اب ہم میں کوئی صاحبِ ایماں نہ رہا
اب وہ عملِ حدیث و قرآں نہ رہا
گو نام کے ہیں بہت مگر مثلِ سراب
حق یہ ہے کہ اب کوئی مسلماں نہ رہا

جب بڑھ کے چلے کٹے شجر کی مانند
اونچے جو بڑے ہیں گرے ثمر کی مانند
سایہ کیطرح رہا عروج اور زوال
دنیا میں گھٹے بڑھے قمر کی مانند

بس گیا جب سے بتِ ہوش ربا تو دل میں
دل نہ قابو میں رہا اور نہ قابو دل میں
تولتا ہے مری الفت کو مرا تیر فگن
ناوکِ ناز ہی ہو آکے ترازو دل میں

افسوس چلے وقتِ سفر سے پہلے
خاموش پڑے ہے شمعِ سحر سے پہلے
آغازِ شباب ہی نے مارا ہم کو
دن ڈھل گیا ہائے دوپہر سے پہلے

گرمی میں بسانِ شمع ہر وقت جلے
سردی میں بسانِ برف ذرات گلے
نیرنگِ فلک کے شعبدوں سے ساجد
افسوس کہ ہم کبھی نہ پھولے نہ پھلے

انسان کو تواضع سے شرف ہوتا ہے
جب یہ ہو تو اوج ہر طرف ہوتا ہے
گرتا ہے سحاب سے جو قطرہ نیچے
آخر کو وہی دُرِ صدف ہوتا ہے

آوازِ اذاں میں پائی سُن گُن تیری
ناقوسِ برہمن میں بھی ہے دُھن تیری
اک آن میں ہو گیا قیامت کا ظہور
واللہ قیامت کی ہے اک آن تیری

تعلیم سے کچھ نہ تربیت کوشی سے
خوابِ غفلت ہی خود فراموشی ہے

کیسی تہذیب صرف نقالی ہے — سب بے پئے مست ہیں یہ بیہوشی ہے
افسانہ عجیب سر بسر اُن کا ہے — جو عیب ہے دنیا میں ہنر انکا ہے
کیا حال بیان کروں مسلمانوں کا — اعلی سے اب اسفل میں گذر انکا ہے
افسوس کہ وہ درازدستی نہ گئی — وہ شوق وہ ولولہ وہ مستی نہ گئی
وہ عمر رہی نہ وہ زمانہ ساجد — پر دل سے تری ہوس پرستی نہ گئی

ساحر

ساحر۔ قاضی محمد مقصود سلیمان صاحب ۱۹۱۱ء میں زندہ تھے قصبہ سہسرام صوبہ بہار انکا وطن ہے۔ ابتدا میں منشی سلیمان تجلی جادو سے اصلاح لی پھر مولنا شمشاد لکھنوی کے شاگرد ہوئے آپ کی طبیعت صفائی زبان اور معاملہ نگاری کیطرف مائل تھی۔ دو چار شعر جو دستیاب ہوئے ہیں نذر ناظرین ہیں ؎

کوئی گاہک نہیں ملتا ہے کہ لے مول اُسے — بیچتے پھرتے ہیں بازار میں ہم دل اپنا
کچھ تسلی دل بیتاب کی شاید ہو وہاں — لیچل اب کوچۂ جاناں میں تو لے دل مجھکو
دل زار کو ہم سنبھالینگے کیونکر — جو بن ٹھن کے وہ روز آیا کرینگے
دئیے ہیں رنج حسینوں نے انتہا کے مجھے — یہ پائینگے نہیں معلوم کیا ستا کے مجھے
یہ کھو رہا ہے کسی سے الجھار جوبن کا — حضور رکھیں گے کبتک چھپا چھپا کے مجھے
نہ آئیگی مری آنکھوں میں تا قیامت نیند — گئے ہیں خواب میں شکل اپنی وہ دکھا کے مجھے

ساحر

ساحر۔ سخنور سحر بیان۔ ناظم جادو بیان۔ صوفی روشن خیال۔ موحد عدیم المثال پنڈت امرناتھ صاحب مدن آپ رائے بہادر پنڈت جانکی ناتھ مدن رئیس دہلی کے خلف اکبر ہیں آپکی ولادت باسعادت ۲۹ مارچ سنہ ۶۳ء کو بمقام بانسبریلی ہوئی۔ اُس زمانہ میں آپکے والد ماجد وہاں محکمہ جنگی سے ملازم تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب اور انکے جانشینوں کے مشہور دیوان راجہ دینا ناتھ صاحب آپ ہی کے خاندان کے ایک معزز رکن ہوئے ہیں۔ رائے بہادر موصوف کے برادر کلاں زمانہ غدر سنہ ۵۷ء میں سرکار انگلشیہ کی فوج میں صوبیدار

تھی۔ آپ نے ایسے نازک وقت میں اپنے فرائض منصبی کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا اور متعدد حکام بالادست نے اپنی رپورٹ میں آپ کے وفادارانہ رویہ کا اعتراف کیا ہے۔ پنڈت صاحب موصوف انہیں ایام پرآشوب میں نشانۂ تفنگ اجل ہوئے۔ گورائے صاحب بہادر کی عمر اُس زمانہ میں ۷ ہی سال کی تھی لیکن سرکاری افسران فوج کی قدردانی سے انکو صغر سنی ہی میں اپنے مرحوم بھائی کا عہدہ عطا ہوا۔ ساحر صاحب بارہ برس کی عمر میں علامۂ عصر پنڈت پرشادورام رازداں کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ انکے فیض تعلیم سے تین چار ہی سال میں اردو و فارسی زبان کے ماہر ہو گئے۔ لڑکپن میں آپ کو اساتذۂ اُردو اور شعرائے فارسی کے ہزاروں اشعار یاد تھے جنہوں نے معنی باب طبیعت میں شاعری کی استعداد اور قابلیت و ذوق پیدا کر دیا۔ آپ کئی برس تک اکبرآباد میں مقیم رہے۔ میرزا مہر آغا صوفی۔ ماہ صفی جیسے سخنورانِ باکمال کے مشاعروں میں شرکت فرمائی۔ اور میدان سخن میں کوس لمن الملک بجایا۔

آپ نے شعرائے متقدمین کے نقش قدم پر چل کر سب سے پہلے فارسی زبان میں شعر کہا۔ مولانا عبدالحلیم عاصم کاشانی جو دیگر مشرقی و مغربی زبانیں جاننے کے سوا فارسی زبان کے ادیب اور زبردست شاعر تھے اُن سے فارسی میں تلمذ اختیار کیا۔ شفیق اُستاد کی توجہ سے چند ہی روز میں علم عروض و قوافی میں اعلیٰ درجہ کی مہارت پیدا ہو گئی اور عمدہ شعر کہنے لگے۔ ۲۲ سال کی عمر میں آپ اجمیر شریف تشریف لیگئے۔ اور وہاں احباب کی ترغیب سے ریختۂ اُردو پر توجہ فرمائی۔ پھر دہلی آکر پنڈت جواہر ناتھ ساقی اور منشی رام رچھپال سنگھ شیدا سے گرمی صحبت رہی اور شعر و سخن کا مشغلہ جاری رکھا۔ آپ دہلی کے گذشتہ مشاعروں میں دادِ سخن لے چکے ہیں۔ مستان شاہ کابلی۔ منشی بہاری لال مشتاق۔ میر شاہجہاں کامل آپ سے محبت رکھتے تھے۔ آپ نے سرکاری ملازمت کی اہم ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ دنوں تک شاعری کو خیرباد کہدی تھی۔ ۱۸۹۵ء میں شملہ جیسے پرفضا مقام پر قدرت کے رنگارنگ نظاروں نے آپکے شاعرانہ

جذبات کو اُبھارا۔ شوق رفتہ میں نئی روح پھونکنی چاہی مگر کار سرکاری کا ہجوم مانع سخن ہوا عرصہ دراز تک عہدۂ تحصیلداری پر ممتاز رہے۔ لیکن شاعری کا مشغلہ قایم رہا۔

اب آپ اپنے وطن دہلی میں رونق افروز ہیں اور ہر مہینہ کے اخیر ہفتہ کو مشاعرہ آپکے دولتخانہ پر منعقد ہوتا ہے۔ جسطرح آپ میدان نظم کے علم بردار ہیں اسی طرح نثر میں بھی آپ کا پایہ نہایت بلند ہے سفیر کشمیر۔ کشمیر پرکاش۔ درنہ ہمدرد وغیرہ میں آپکے اخلاقی مضامین نکلتے رہے ہیں ۱۸۸۷ء میں جو پرچہ "سحر ساحر" کے نام سے شایع ہوا تھا وہ آپکی جادو نگاری کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ آپ متعدد کتب کے مترجم۔ مولف مصنف ہیں۔ جہاں آپنے اردو میں بھگوت گیتا کے خلاصہ کو نظم فرمایا ہے پشن پران کا ترجمہ کیا ہے وہاں شعرائے انگلستان کے زرین خیالات کو بھی اپنی زبان کے سانچے میں ڈھالدیا ہے۔ آپ قصیدہ رباعی۔ قطعہ مخمس۔ مسدس۔ غرض جملہ اصناف سخن پر قادر ہیں۔ ابتدائی وسطی آخری کلام کا ذخیرہ۔ باریک بین معنی سنج اشخاص کے سامنے ہر زمانہ کے جذبات پیش کرتا ہے۔ ظریفانہ کلام بھی قابل ستایش ہے۔ بندش کی خوبی مضامین کی خوش اسلوبی قابل داد ہے۔ زبان نہایت صاف ہے آپ خط و خال شاہد و ساغر کے پیرایہ میں جو عارفانہ خیالات ادا کرتے ہیں وہ صاحبان ذوق پر وجد کا عالم طاری کر دیتے ہیں مقام فنا۔ بقا۔ تجلی وغیرہ کے مضامین سے آپ اردو زبان کو پاکیزہ بناتے ہیں بازاری جذبات اور عامیانہ مذاق سے آپکی شاعری کو کوئی تعلق نہیں۔ آپ نہایت متین مہذب با اخلاق۔ ملنسار۔ منکسر المزاج شخص ہیں۔ اب دہلی میں شاعری کا چرچا آپکے دم سے ہے بیشتر اپنا وقت شعر و سخن کی خدمت میں صرف کرتے ہیں اور سالانہ ذاتی صرف کثیر سے ایک بڑا مشاعرہ دہلی میں کرتے ہیں جسمیں بیرونجات کے مشہور شعرا بلائے جاتے ہیں۔ آپ مولف تذکرہ کے عنایت فرما ہیں راقم نے یکم جولائی ۱۹۱۴ء میں اپنی کوٹھی پر ایک جلسہ کا انعقاد کیا تھا جسمیں حاذق الملک حکیم اجمل خاں۔ سر علی امام۔ نواب سید امداد امام اثر۔ راجہ سر علی محمد خاں والی محمود آباد جیسے مشاہیر موجود تھے۔ اس موقعہ پر ساحر صاحب نے اپنا ایک قطعہ سنا کر داد سخن لی تھی جو انتخاب کلام کے ساتھ درج کیا جاتا ہے ؎

حوصلہ وجہ تپش ہائے دل وجاں نہوا
شعلۂ شمع تری بزم میں رقصاں نہوا

حسن تھا مستِ ازل جام انا لیلیٰ سے
تن کی عریانی سے مجنوں کوئی عریاں نہوا

لبِ منصور سے دی کس نے انا الحق کی صدا
تو اگر پردۂ پندار میں پنہاں نہوا

دل مٹا پر نہ مٹا حرفِ محبت دل سے
کفر اسلام ہوا مرکزِ ایماں نہوا

مرکزِ عشق ہی ہے دائرۂ ہستی میں
میرے سیارے سے ثابت ہے کہ دوراں نہوا

شب کو میرا نفسِ گرم ہے خورشیدِ فلک
ورنہ خورشید کبھی شب کو نمایاں نہوا

ہم ہیں چشمِ عنایت سے ہمیشہ محروم
دل نشیں تیرِ نظر کا کوئی پیکاں نہوا

تم ہو ارمانِ جہاں دل ہے جہانِ ارماں
تم رہے دل میں تو مجموعہ پریشاں نہوا

چشمِ جاناں ہیں ستاتے ہیں ستانے والے
موت سے آنکھ لڑانا کوئی آساں نہوا

دیدۂ بینا ہی نہیں شش جہت آئینۂ حسن
جلوۂ یار سے پیدا ہے کہ پنہاں نہوا

ہے کرشمہ مرے ساقی کا عجب ہوش ربا
کسے صاف سے غارت گرِ ایماں نہوا

دل ہے بتخانۂ اصنامِ خیالی ساحر
تو وہ کافر ہے کہ بھولے سے مسلماں نہوا

ساقیِ بزمِ ازل کب سے ہے پیمانہ بدست
کوئی اس عہد میں دردی کشِ میخانہ ہوا

دل کی تسکین کو کافی ہے پریشاں ہونا
ہے توکل تہیدا سے سروساماں ہونا

کور دیدہ ہے جسے دعوئے بینائی ہے
شرطِ اول ہے یہاں دیدۂ حیراں ہونا

اے پری رو ترے دیوانہ کا ایماں کیا ہے
ایک نگاہِ غلط انداز پہ قرباں ہونا

دور جب دل سے حجابِ شبِ عصیاں ہوگا
چہرۂ شاہدِ مقصود نمایاں ہوگا

دردِ عشق اور ہر اک شخص کا حصہ ہیہات
وہی پائے گا جو اس گنج کا شایاں ہوگا

وہ سمجھتے ہیں کہ ہے میری تمنا اس کو
ہمکو ارمان ہے ہمیں کوئی بھی ارماں ہوگا

یوں تو ہر زخمِ جگر ہے مرا لذت کشِ درد
ہر ادا میں تری ایک ایک نمکداں ہوگا

جلا ہے کس قدر دل ذوقِ کاوش ہائے مژگاں تک
کہ سو سو نشتروں کی نوک ہے ہر رگ جہاں تک

پڑا ہوگا مگر عکس عذار لالہ گوں ورنہ
یہ گستاخی ہمارا خون اور قاتل کے داماں پر

طریق عشق میں ہے رنج پہلے اور خوشی پیچھے
مدار صبح روز وصل ہے اک شام ہجراں پر

مری دیوانگی روز قیامت میرے کام آئی
قلم رحمت کا کھینچا آپنے آخر میرے عصیاں پر

اگر آپکے تغافل کو ہے دعویٰ اپنی تمکیں کا
ہماری خود فراموشی کو ہے ناز اپنے نسیاں پر

عشاق کا ضمیر ہے جام جہاں نما
مجھسے کہاں چھپینگے وہ ایسے کہاں کے ہیں

کوئی دیتا ہے تمہیں سنگدلی کا طعنہ
سخت جانی کی ندامت سے مجھے سر رہنے دو

دوستو تمکو مبارک رہے یہ شرب مدام
ہمکو لذت کش خوناب جگر رہنے دو

زاہد و یاد رہے نار جہنم کا عذاب
خیر جا ہو تو مرا دامن تر رہنے دو

ساحر اب ترک وفا شیوۂ عشاق نہیں
ہر چہ آید کے لئے سینہ سپر رہنے دو

سر عرش بریں ہے زیر پائے پیر میخانہ
کمال اوج پر ہے حسن عالمگیر میخانہ

زیارت کو چلے ہیں شیخ و زاہد فی امان اللہ
خدا کی شان ہے کچھ پھر گئی تقدیر میخانہ

پری شیشہ میں ہے ساغر میں ہے خورشید نور افگن
یہ ہے تسخیر میخانہ وہ ہے تنویر میخانہ

جو پہنچا میکدہ میں چھوڑ کر دیر و حرم ساحر
جھکا سر ذوق مستی میں یہ ہے تاثیر میخانہ

آنکھیں قصوروار ہیں دل شرمسار ہے
در پردہ در ہیں راز کے اک پردہ دار ہے

خلوت میں انجمن ہے تو جلوت میں انجمن
آئینہ سے نگاہ کسی کی دوچار ہے

قطعہ

آئی جو مجھکو نیند تصور میں ایکبار
کیا دیکھتا ہوں سامنے تصویر یار ہے

میں نے بصد سماجت و منت کہا کہ یار
کیوں میرے پاس آنے سے بوجہ عار ہے

سامان جملہ عیش مہیا ہیں تو نہیں
تیرے بغیر سینہ میں دل بیقرار ہے

آب رواں ہے کشتی مے اور جام زر
سبزہ ہے گل ہے ابر ہے باد بہار ہے

موج طرب ہے جوش طبیعی ہے رنگ شوق
سب کچھ ہی ایک صرف ترا انتظار ہے

یوں درفشاں ہوئے لب نازک کہ اے حریص
سن میرے قول کا تجھے گر اعتبار ہے

آساں نہیں ہے دولتِ دیدار کا حصول
نامحرموں پہ راز یہ کب آشکار ہے

تو معتقد ہے دیدہ و دل کی نشاط کا
بزمِ طرب میں بادہ ہے رشکِ نگار ہے

یاس و امید و بیم رجا ہے نفس نفس
دل اک قمار خانۂ لیل و نہار ہے

الفت بتوں کی جس کے بسی آب و گل میں ہے
ایسے صنم پرست کا کیا اعتبار ہے

فرصت نہیں ہے غیروں سے مجھکو تو یہ بتا
کیا واسطہ ہے مجھ سے کہ یہ انتظار ہے

میں نے کہا یہ رنگ رچا تھا ترے لئے
رنگینیوں سے تجھکو مگر ننگ و عار ہے

غیروں سے آج ہے مرا خلوت کدہ تہی
اب تو ہے میں ہوں اور دلِ امیدوار ہے

یہ سنکے مسکرا کے وہ بولا کہ واہ واہ
مطلب کا اپنے یار بڑا ہوشیار ہے

غیروں سے کب ہوا ترا خلوت کدہ تہی
پہلو میں تیرے ایک دلِ امیدوار ہے

دیکھا جو غور سے میں خود منفعل ہوا
بولا کہ لے یہ تیرے قدم پر نثار ہے

آئی صدا کہ حیف ہے تیرے شعور پر
تیری انانیت سے مجھے ننگ و عار ہے

آئی ندا جو چاہتے ہو کہ بے پردہ دید ہو
کر شوق سے کنارہ کہ پھر ہم کنار ہے

یہ سنکے ہوش و عقل بھی رخصت طلب ہوئے
حیرت کدہ میں شوق سے اب تو بکار ہے

بے جام بادہ مستی ہے بے واسطہ وصال
بے شوقِ دید جلوۂ دیدار یار ہے

ساحر ترا یہ خواب ہے رویائے صادقہ
بیداری ایسے خواب کے اوپر نثار ہے

گر تصور نہ ہو تصدیق تو ہے نقص کمال
خود چلے آئیں یہ کھنچے جذبۂ دل ہے وہی

رسوائے عشق ہے ترا شیدا کہیں جسے
عشاق میں مثال ہے رسوا کہیں جسے

ہے منزلِ فنا میں مرا ہم سفر وہ داغ
روشن چراغ گنبدِ مینا کہیں جسے

سینہ چمن ہے غنچۂ دل ہے شگفتہ دل
تیری نگاہ ہے چمن آرا کہیں جسے

غم پروریدہ ہے دلِ شوریدگانِ عشق
فرقت کی ایک رات ہے دنیا کہیں جسے

منسوب کفر دیر سے ایماں حرم سے ہے
وہ تیرہ بخت ہوں مرے ظلمت کدہ کا نور
ہم غیر معتبر سہی اور غیر معتبر
ساحر قفس وہ دام ہے جس میں کہ ہے اسیر
تو ہے اور تو ہے بیوفائی ہے
آئینہ سے نگاہ جو دو چار ہوگئی
عالم مٹا ہوا ترے نقش قدم سے ہے
غلط کہتے ہیں لوگ یک جان دو قالب
اسی کا تم کو دھوکا تھا اسی کا مجھکو رونا تھا
ہماری بت پرستی شیخ عین حق پرستی تھی

اک رہ گیا ہوں میں کہ تمہارا کہیں جسے
ہے روشنائی شب یلدا کہیں جسے
کہنا بجا ہے آپ کا جیسا کہیں جسے
موجِ رمِ خیال کہ عنقا کہیں جسے
میں ہوں اور رنگ آشنائی ہے
شبنم لطافتِ گل رخسار ہوگئی
نقشِ قضا مگر تری رفتار ہوگئی
میں تن ہوں وہ جان ہے میں جان ہوں وہ تن ہے
کہ وہ دشمن تمہارے تھے جنہیں تم یار سمجھے تھے
وہ مشرک تھے جو فرق سبحہ و زنار سمجھے تھے

ساحر

ساحر۔ مطلع خورشید سخن وری آفتاب سپہر بلاغت گستری عالیجناب معلی القاب سر مہاراجہ علی محمد خانصاحب خلف عالیجناب ممتاز الملک راجہ سر امیر حسن خانصاحب والئی محمود آباد۔ آپ صوبہ اودھ کے اُن امرائے جلیل القدر سے ہیں جو اس زمانہ میں اپنی گذشتہ شان و شوکت اور خاندانی عزت کو برقرار رکھتے ہیں۔

صوبہ جات متحدہ کے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کا سہرا راجہ صاحب موصوف ہی کے سر ہے۔ ہندوستان کی نئی زندگی کا آفتاب تو بنگال یا پنجاب سے درخشاں ہوا مگر اُسکی شعاعیں اودھ میں پھیلیں۔ آپ صوبہ مذکورہ میں سب سے پہلے لیڈر تھے جنہوں نے کانگریس اور مسلم لیگ میں اتحاد عمل پیدا کر کے سیاسی خیالات کو ایک ہی مرکز پر جمع کر دیا تھا۔ اور نیشنل کانگریس میں ایسی زبردست تقریر کی تھی کہ تمام لیڈر دنگ رہ گئے تھے۔

اگر بیگانگان ملک اور قوم کے درمیان باہمی اختلاف نہ ہوتا تو راجہ صاحب اپنی سیاسی

زندگی کو خیرباد کہکر کبھی وزارت کو ہرگز قبول نکرتے۔ مگر افسوس ہے کہ باد مخالف نے آپکو قومی کشتی کا ناخدا نہ بننے دیا۔ اور بہت جلد ملکی خدمات سے علیحدہ ہونا پڑا۔

آپ روشن خیال صائب الرائے رئیس ہیں علیگڑہ کالج کے علاوہ مختلف اسلامی مدرسوں اور انجمنوں کی امداد کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستان کے مشہور اخبارات آپکے شاندار کارناموں پر عمدہ رائے دے چکے ہیں۔ آپ کونسل واضع آئین و قوانین کے ممبر اور صوبہ جات متحدہ کے وزیر ہیں کسی زمانہ میں مسلم لیگ کے سرگرم رکن تھے۔ کانگریس کی کرسئ صدارت پر بھی رونق افروز رہے۔ راجہ صاحب موصوف فن سخن کے موروثی دلدادہ ہیں۔ آپ کے پدر بزرگوار اور جد امجد نواب علی خاں مرحوم بھی شعر کہتے تھے اور صاحب دیوان تھے اور شعرا کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ملک کے مشہور انشاپرداز علی سجاد صاحب جن کے مضامین آج تک ناظرین مخزن کے دلوں میں چٹکیاں لے رہے ہیں۔ آپکے پرائیویٹ سکرٹری رہ چکے ہیں حضرت ریاض خیرآبادی حضرت ثاقب لکھنوی کو قدردانی سخن کے سلسلہ میں ماہانہ دیا جاتا ہے۔ گورکھپور سے لکھنؤ آنے پر ریاض نے شعر کہا ؎

ریاض تھی جو مقدر میں بازگشت شباب	جوان ہونے کو پیری میں لکھنؤ آئے

اس شعر کو سنکر آپ نے بیساختہ فرمایا ؎

ہمیں حسینوں کے انداز دلبری سے کھلا	جسے عزیز ہو دل وہ لکھنؤ آئے

غزل گوئی کے سوا مرثیہ گوئی میں بھی مشاق ہیں۔ آپکے ہاں عشرہ محرم کی مجالس نہایت تزک و احتشام سے ہوتی ہیں اور ہر سال ایک مجلس میں اپنا تصنیف کردہ نیا مرثیہ پڑھتے ہیں لکھنؤ اور قرب و جوار کے سیکڑوں سامعین مجلس میں شریک ہوتے ہیں اور اُن سب کی مہانداری میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی جاتی بعض اوقات آپنے مرثیہ خوانی کے وقت ممبر پر رونق افروز ہوکر سامعین کا دل ہلا دیا ہے اور ماہرین سخن نے آپکی سحر بیانی کو تسلیم کیا ہے۔ ایک سال آپنے اپنی مجلس میں اپنا ایک تصنیف مرثیہ پڑھا تھا جسمیں گھوڑے

کی تعریف میں یہ بیت لکھی تھی ؎

باغ میں جاتا تھا معشوق پری رو کیطرح	کوئی چٹکی جو کلی اڑ گیا خوشبو کیطرح

اس شعر کا سامعین میں عرصہ تک چرچا رہا۔ آپ انداز سخن میں اپنے والد کی پیروی کرتے ہیں۔ غزل میں حضرت ریاض سے مشورہ سخن رکھتے ہیں۔ اور مرثیہ گوئی میں جناب علی محمد صاحب عارف لکھنوی سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ مراثی کی جلد تیار ہے۔ دیوان غزلیات بھی قریب الاختتام ہے۔ آپ باوجود ایک معزز رئیس ہونیکے خلیق اور منکسر المزاج زیادہ ہیں۔ آپ کا کلام ہر اعتبار سے اچھا ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ اساتذۂ لکھنؤ کی اصلاح سے مزین ہوتا ہے۔ آپ کی طبیعت صفائی زبان کیطرف راغب ہے۔ عاشقانہ سوز و گداز کا مرقع مؤثر الفاظ میں کھینچتے ہیں اگرچہ غزل بہت کم فرماتے ہیں۔ مگر جب لکھتے ہیں تو خوب لکھتے ہیں۔ راقم تذکرہ کو خدمت والا میں ہنگام قیام دہلی نیاز حاصل ہوا۔ از بس عنایت فرماتے ہیں ابھی سنہ ۲۵ء میں بتقریب جشن ولادت شاہ جمجاہ خطاب بہار جنگی سے مفتخر ہوئے ہیں۔ نمونہ کلام ہدیہ ناظرین ہے ؎

وہ بات جو حضور کو مجھ سے خفا کرے	دل میں تمام عمر نہ آئے خدا کرے
اتنا تو ہے کہ تھام لیا آپ نے ہی دل	اللہ میرے درد جگر کو سوا کرے
سچ تو یہ ہے کہ درد محبت لاعلاج ہے	یہ وہ مرض نہیں کہ مسیحا دوا کرے
آجائیں کل وہ خود مرے خط کے جواب میں	قاصد جو کہہ رہا ہے یہی ہو خدا کرے
ہو جسکو بوسہ اُس لب جاں بخش کا نصیب	وہ کیوں تلاش چشمۂ آب بقا کرے
کس کام کی بھلا شب فرقت میں چاندنی	اوڑھے بچھائے کوئی اسے لیکے کیا کرے
برسات میں پینے کا مزا اور ہی کچھ ہے	جو وقت پر اُٹھے وہ گھٹا اور ہی کچھ ہے
وہ بات کہاں لاکھ سر بزم تقاضا ہوں	خلوت میں بگڑنے کی ادا اور ہی کچھ ہے
محدود خیالوں میں کہاں وسعت تشبیہ	اس عالم بالا کی فضا اور ہی کچھ ہے
قند و شکر و شہد بہت خوب ہیں لیکن	اُنکے لب شیریں کا مزا اور ہی کچھ ہے

قصور ہے یہ تری جستجو کا اے منکر — وہ دل تک آئے نہ جو تا رگ گلو آئے
جو پی ہے شیخ تو منہ دھو کے خانقاہ میں جا — کہیں وہاں نہ اسی طرح مے کی بو آئے
علاج زخم دل اے چارہ گر جو ہو منظور — کسی کی سوزن مژگاں سیئے رفو آئے
تجھے میں سمجھوں بڑا خوش نصیب اے دل — جو اسکی بزم سے بے لاگ بچکے تو آئے
جھوٹے سہی پہ لطف کا اظہار رہنے دیجئے — جائیے بس جائیے سرکار رہنے دیجئے
حکم ہو جلاد کو مجھ سخت جاں کے قتل کا — دست نازک کیوں تھکیں بیکار رہنے دیجئے
سبزۂ خط کو نہ کیجئے دور روئے صاف سے — لوح سیمیں یوں ہی مینا کار رہنے دیجئے
اب نہیں دل میں سمائی اب نہ دیجئے رنج و غم — میں نے بھر پایا بس اے سرکار رہنے دیجئے
غیر کے گھر جا رہے ہیں آپ کیا ہو گیا ہو — دیکھئے زیب کمر تلوار رہنے دیجئے
ایک کاغذ پر صفات چشم نرگس کیا ضرور — ایک بستر پر نہ دو بیمار رہنے دیجئے
غیر کے ہمراہ آؤں تو نہ روکیں پاسباں — مجھکو یہ عزت نہیں درکار رہنے دیجئے
کوئی اتنی ہی سفارش آپ سے کر دے مری — بستر ساحر پس دیوار رہنے دیجئے

ساحر۔ مفتی افہام اللہ گوپاموی خلف مفتی انعام اللہ خاں۔ آپ جس خاندان کے چشم و چراغ ہیں اسمیں اکابر علما گذرے ہیں۔ آپکے مورث اعلی شیخ روم اول والئی ملتان کے وزیر مقرر ہوئے۔ پھر وزارت سے علیحدہ ہوکر سنہ ھ میں وارد گوپامو ہوئے۔ سنہ ۹۳۳ھ میں شہنشاہ بابر نے شیخ روم کو گوپامو کا مفتی مقرر کیا۔ نسلاً بعد نسلاً کئی پشت تک یہ عہدہ قایم رہا۔ مفتی عبداللہ شارح کافیہ بھی اسی خاندان سے تھے جنہوں نے دارا شکوہ کے حکم سے تجدید افتا کی۔ اسی طرح علامہ ابو سعید کے برادر خورد شیخ عشقی ثانی اورنگ زیب کے عہد میں محتسب رہے۔ انگریزی حکومت کے زمانہ میں بھی یہ خاندان ممتاز رہا۔ جناب ساحر کے والد کو مسٹر کلبرگ ریذیڈنٹ دہلی نے اپنے سررشتہ نظامت کا ناظم مقرر کیا اور خدمات کے صلہ میں خان کا خطاب مرحمت فرمایا۔ وہ محکمہ قضا میں مفتی بھی رہے ہیں۔ جب یہ محکمہ شکست ہوا تو صدر نظامت الہ آباد

میں وکالت شروع کردی۔ آگرہ کو صدر مقام قرار دیئے جانیکے بعد آپ وہیں تشریف لے گئے اور اقامت اختیار کی۔

حضرتِ ساحر آگرہ میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی مولوی اکرام اللہ سے علوم رسمیہ کی تحصیل فرمائی۔ فارسی میں کافی استعداد بہم پہنچانیکے بعد ڈاکٹری کے مدرسہ میں داخل ہوئے جہاں انہیں کامیابی نہوئی۔ اسی دوران میں شعر و سخن کیطرف طبیعت مائل ہوئی اور اپنے بہنوئی مولوی غلام غوث صاحب بیخبر کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ فارسی میں بھی فکرِ سخن کرتے تھے اور "افہام" تخلص تھا۔ ۱۸۷۶ء میں انتقال ہوا۔ مقام شاہ نورالزمان میں دفن ہوئے چند شعر تذکرہ شعرائے اکبرآباد اور تاریخ گوپاموے سے نقل کئے جاتے ہیں ؎

جو تاثیرِ دعا پر اس طرف تقدیر ہنستی ہے
دعاؤں کی رسائی پر اُدھر تاثیر ہنستی ہے

یہی برگشتگی دونوں میں برگشتہ سے برگشتہ
ادھر تقدیر ہنستی ہے اُدھر تدبیر ہنستی ہے

شبِ ہجراں جو اپنے بخت برگشتہ پہ روتا ہوں
تو اسکو دیکھکر یادِ بتِ بے پیر ہنستی ہے

سراپا معصیت دنیا میں کوئی ہے تو ساحر ہے
وہ عاصی ہو کہ خود پر اپنی ہی تقصیر ہنستی ہے

قاتل نہ رکھنے پائے گلے پر مرے ذرا
تیزی تو دیکھوں میں ترے خنجر کے دھار کی

نہ بر آنے دی ایک امید جی کی
فلک نے ہائے ہم سے دشمنی کی

نہ اُٹھنے ہی دیا پہلو سے ہم نے
بہت کچھ یار نے پہلو تہی کی

نقابِ یار کو بھی پھاڑ ڈالا
غضب کی لے جنوں پردہ دری کی

مریضِ ہجر کا ابتر ہے نقشہ
کوئی صورت نہیں بہبودگی کی

انہیں چھیڑا تو ہے ساحر مگر اب
کہیں شامت نہ آجائے کسی کی

ساحر

ساحر۔ خواجہ عبدالوحید ولد خواجہ عبدالستار امرتسر کے باشندے ہیں ۱۲۹۶ھ میں بمقام صاحب گنج پیدا ہوئے۔ فارسی و انگریزی زبان میں اچھی مہارت ہی پہلے وہیں کے اسکول میں ہیڈ مولوی تھے۔ اب وہاں مختار کاری کرتے ہیں۔ شاعری کا مذاق اچھا ہے

ذہین اور طباع ہیں۔ انکی بندشیں۔ تلاش مضمون بھی بری نہیں حضرت کوثر خیرآبادی سے تلمذ ہے۔ کلام یہ ہے

تو ذبح کرنیکے عوض جلاد خود تڑپا کیا　　اے نگاہِ حسرت آگئیں ہائے تو نے کیا کیا
حالتِ دل خوف سے میں عرض کر سکتا نہیں　　روٹھ جاؤ گے کہ تم نے پھر اشکوا کیا
تر دماغی مے سے کر لی رفع خشکی کیلئے　　موسم گل میں علاجِ جوشش سودا کیا
دل جلا کر عاشقوں کا اور کیا ملتا تمہیں　　کچھ یہ تھوڑا ہے کلیجہ غیر کا ٹھنڈا کیا
چل گئیں چوٹیں نگاہِ یاس و تیغ ناز کی　　میں ادھر لوٹا کیا قاتل ادھر تڑپا کیا
ہائے میرے بعد میری قدر لے ساحر ہوئی　　اپنے بیگانوں نے آکر قبر پر میلا کیا
ہماری التجائے قتل پر ہیں سینکڑوں حیلے　　عدو کہتا تو فوراً وصل کا اقرار ہو جاتا
حیا نے رکھ لیا پردہ ترا اے خوبرو ورنہ　　خریداروں کی کثرت سے مکاں بازار ہو جاتا
نگاہِ شوق نے کیا کیا بلائیں لی ہیں سوتے میں　　غضب ہوتا اگر وہ نیند سے بیدار ہو جاتا
مزہ ملتا ہے ہمکو مہوشوں کی چھیڑ خانی میں　　جو دل میں چٹکیاں لیتا وہی دلدار ہو جاتا
جو شیشہ کی پری بجلی گراتی جان توبہ پر　　بھر آتا منہ میں پانی شیخ بھی میخوار ہو جاتا
نگاہِ لطف کے گاہک تھے ہم بازارِ الفت میں　　جو دم بھر دلبری کرتا وہی دلدار ہو جاتا
وہ گل کہتا ہے پوچھے تو یہ حالت ہو ساحر کی　　جو کوئی منہ لگاتا تو گلے کا ہار ہو جاتا
اثر پڑتا نہیں ہے ایک کا دوسرے دل پر　　لگائے قہقہے پھولوں نے فریادِ عنادل پر
تڑپ کر بسملوں نے خوب ہولی کھیلی مقتل میں　　پڑی ہیں خون کی پچکاریاں دامانِ قاتل پر
صراحی دور میں گردش میں ساغر وجد میں میکش　　اثر ساقی کی آنکھوں کا پڑا محفل کی محفل پر
کسی کا سوزِ دل عشاق سے دیکھا نہیں جاتا　　بھری آتی ہیں اپنی آنکھیں حالِ شمع محفل پر
عدو کی بزم میں جانے کو مجھ سے پوچھنا کیسا　　خوشی صاحب کی میرا زور کیا ہے آپ کے دل پر
مری جانب ذرا پھر دیکھیے تو تیغ نگاہوں سے　　تصدق انکھڑیوں کا اور بھی اک تیغ بسمل پر

گردشِ چرخ سے پیکر مری مٹی نے کہا
یار کی آنکھ میں گھر کیجئے سرمہ ہو کر

خلشِ غم کی وہی چھیڑ چلی جاتی ہے
پھر لہو پینے لگا زخمِ دلِ اچھا ہو کر

یادِ مژگاں سے ہے تنکے کا سہارا ابھی بہت
ورنہ یہ اشک ڈبو دیں مجھے دریا ہو کر

دیکھئے طالبِ دیدار سے پردہ نہ رہا
رہ گیا جلوۂ رُخ آنکھوں کا تارا ہو کر

شوقِ دیدار میں سینے سے جو دل اُٹھ کے چلا
رہ گیا ناوکِ مژگاں کا نشانہ ہو کر

میں گردِ کارواں کی طرح چھوٹا ساتھ والوں سے
کبھو یادِ وطن سے آگے اب پہونچا ہی منزل تک

دور ہے بادۂ گلرنگ کا گلزاروں میں
فصلِ گل آئی کہ جان آگئی میخواروں میں

حشر ڈھائیگی لگاوٹ کی نظر یاروں میں
دیکھئے چوٹ نہ چل جائے طلبگاروں میں

بسترِ مرگ سے اُٹھے تو عدم کو پہونچے
آیا یہ زور کہاں سے ترے بیماروں میں

لختِ دل آنسوؤں کیسا تھ ہے آنکھوں سے
گندھ گئے لعل بھی ان موتیوں کے ہاروں میں

رات دن اشک فشانی نہیں اچھی ساحر
دو گھڑی بیٹھ کے ہنس بول بھی لو یاروں میں

سم ذکرِ خدا کیہ یادِ اصنام کریں
دم لینے کی مہلت ہو تو کچھ کام کریں

باتیں یہ مرگ کدر رہی ہے ساحر
جا گئے ہیں بہت حضور آرام کریں

ساحر — قاضی محمد شمس الضحیٰ صاحب قاضی پور مضافات گورکھپور کے باشندے ہیں اکثر رسائل و اخبارات میں تیس پینتیس برس سے کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ موزوں طبع ہیں۔ مگر نومشق معلوم ہوتے ہیں۔ رنگِ بیان میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ ساحر

نہ کہیں نغمۂ بلبل نہ کہیں خندۂ گل
چہچہے چار ہی دن کے تھے گلستانوں میں

لیکے یارب دلِ وحشی کو نکل جاؤں کہاں
یہ بستی میں بہلتا ہے نہ ویرانوں میں

چرخ ہے دنیا ہے قسمت ہے نگار ہے یار ہے
کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو کہ سیدھا ہم سے ہو

دل چرا کر مجھی سے کہتے ہیں
لے گیا کون کچھ پتہ بھی ہے

مدعائے دلی بتاؤں کیسا
آپ سے حال کچھ چھپا بھی ہے

احر

ساحر مفتی سید اقتدار احمد صاحب ابن مولوی سید آل محمد شاہ صاحب۔ آپ سہسوان ضلع بدایوں کے سادات کرام سے ہیں ۱۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے تاریخی نام منظور علی ہے۔ عرصہ دراز تک دہلی۔ لکھنؤ۔ رامپور وغیرہ میں طالب علمی کرتے رہے ہیں علم حدیث فقہ منطق۔ ادب میں بخوبی مہارت ہے۔ عروض و قوافی۔ معانی بیان میں کافی دستگاہ ہے بعض کتابیں ڈپٹی نذیر احمد صاحب سے بھی پڑھی ہیں۔ آپ اپنے بھائی ابوالکمال سید اعجاز احمد معجز سے تلمذ رکھتے ہیں۔ فن تاریخ گوئی میں آپ کو خاص ملکہ ہے "ہائے ضامن علی جلال مرد" جلال لکھنوی کی تاریخ وفات ہے کتب خانہ حمیدیہ ریاست بھوپال میں ملازم رہ چکے ہیں۔ آج کل اپنے وطن میں ہیں۔ آپکی تصنیفات میں سے "ملہم تاریخ" طبع ہو چکی ہے۔ بتخانہ ساحر عاشقانہ دیوان تیار ہے۔ اچھی طبیعت پائی ہے۔ خوش فکر اور خوشگو ہیں ؎

موج سے ہو گئی دم بھر میں حبابوں کو شکست
صیاد کے ہاتھوں یہ تباہی کا ہے نقشہ

دل جلانے کا نتیجہ دیکھ لو
بے چین نہ کیوں ہو دل کسی کا
ہے جلوہ گہ یار بھی کیا آئینہ خانہ

کیسے ستم ہوتے ہیں نام وفا ڈبوتے ہیں
اک میں کہ خامشی میری شکوہ سے کم نہیں
یہ ٹکڑے ٹکڑے ہے جو سے وہ غم سے پاش پاش
کیا انکو خیال آیا یہ کیا خواب میں دیکھا
یہ ہنسنا بولنا غیروں سے کیسا میرے پہلوں میں
لحد میں ہوگی روشن آتش سوز نہاں میری
بھلا اب بھی نہ سمجھو گے عزیز ہے انکو جاں میری

طرف ہستی کا تماشا لب ساحل دیکھا
ایک شاخ پہ دو دن بھی نشیمن نہیں رہتا

شمع سے باد سحر نے کیا کیا
ہے وصل میں عذر نازکی کا
ششدر ہے نظر دیدۂ حیراں سے نکل کر

غیر سے مل کے روتے ہیں میرا مزار دیکھکر
اک وہ کہ سو ستم کریں اور یہ ستم نہیں
قصہ جگر کا دل کی حکایت سے کم نہیں
وہ صبح کو جاگے ہیں تو شرمائے ہوئے ہیں
جو دو آنسو بہا لو مرنے والے کی ہنسی کیوں ہو
برنگ شمع کافوری جلینگی ہڈیاں میری
عدو سے وعدۂ وصل اور قسم ہے درمیاں میری

کہا منہ پھیر کر سو جاؤ حوریں یاد کرتی ہیں
پس مردن رہا مرقد پہ میلہ گل عذاروں کا

دم آخر جو دیکھیں بدگماں نے ہچکیاں میری
رہی ٹپکتی ہوئی فصل بہاری سی خزاں میری

زردیٔ رخ خشکیٔ لب بیخودی
کیا یہی ساحر ہے پاس عاشقی

ہو نہ ہو یہ عشق کا آزار ہے
غیر کی منت سر بازار ہے

سیہ آنکھوں میں سرمہ کی اگر تحریر ہو جائے
جو چاہو قتل عاشق تم تو یہ تدبیر ہو جائے

دل پر داغ کو دیکھو یہاں اک دن چلے آؤ
نگاہ فتنہ زا چلتی ہوئی شمشیر ہو جائے

بھویں خنجر پلک تیر سے نگہ شمشیر ہو جائے
تمہیں گھر بیٹھے سیر گلشن کشمیر ہو جائے

کیا ہزاروں کو دیوانہ اٹھتے جوبن نے
جو مصیبت ہوکے تیہر آئی ہے

عجب او ائے جنوں خیز اس شباب میں ہی
آنکھ سے بن بن کے پانی جائیگی

ذکر دشمن پر جو کچھ باتوں میں ان بن ہو گئی
پہلو نکالا ہم نے یہ تسکین کا ہجر میں

کچھ پشیمانی انہیں ہے کچھ پشیمانی سے مجھے
تصویر انکی سینہ سے لپٹا کے سو رہے

مجھ پہ کیا ہے دل تو غیر نے کبھی ہیں ٹوٹے ہوئے
تصور میں ہوئی ہے وست وحشت یہ گستاخی

ہائے کس کس سے نہ وعدے آپکے جھوٹے ہوئے
گئے ہیں پڑھ کے دامان ستم ایجاد کے ٹکڑے

وہ جاتے رہ جاتے غیر کے گھر مجھ سے کہہ گئے
جو لکھا ہے کوئی نامہ تو وہ سو بار توڑا ہے

گر رشک ہو کیسکو تو کچھ کھا کے سو رہے
ہوئی ہیں ناتوانی سے مری فریاد کے ٹکڑے

بڑھی توقیر ٹھوکر سے کسی کی
لٹکا یہ جنوں کا تھا جب ہاتھ میں جام آیا
ذکر دشمن پردہ برہم ہو گئے

سجدہ کرتی ہے باتیں آسماں سے
ہر موج مئے احمر زنجیر نظر آئی
باتوں باتوں میں لڑائی ہو گئی

ساحل

ساحل ۔ میرزا اکبر علی صاحب شاگرد میر علی اوسط رشک لکھنوی تشبیہ اور استعارہ کے وسیع میدان میں پرواز خیال کو مد نظر رکھتے تھے اور خال و خط کے مضامین ۔ الفاظ کی طلسم بندی میں خداداد ملکہ تھا ۔ اپنے رنگ میں نہایت پختہ اور صنائع بدائع کو اچھی طرح

زبان ہوتے تھے۔ عہد امجد علیشاہ اور واجد علیشاہ کے شعرا کے ہمعصر اور لکھنؤ میں رہتے تھے تذکرہ سراپا سخن اور کارنامہ سے کلام منتخب ہوا

زینت بڑھی تو گھٹ گیا اوجِ کمالِ لب
مِسّی سے آگیا ہے گہن میں ہلالِ لب

پتھر عقیق و لعل ہیں تہ ہے برگ و گل
حیرت ہے کس سے دیجئے یار مثالِ لب

دل میں خیال لائیے ہنسنے کا یار کے
شیشے میں بند کیجئے برقِ جمالِ لب

موسیٰ سے چل کے کیجئے طولِ کلامِ زلف
ہو جائے آج وادیٔ ایمن میں شامِ زلف

رات دن رہنے لگیں محوِ تماشا آنکھیں
کہیں آفت نہ کریں پھر کہیں برپا آنکھیں

ہمسری یار سے گلشن میں کیا کرتی ہے
کور ہو جائیں تری نرگسِ شہلا آنکھیں

ہر گھڑی یار پہ پڑتی ہے نظر خوف یہ ہے
کہیں ایسا نہ ہو کر دیں مجھے رسوا آنکھیں

ساحل

ساحل ۔ عبدالرحمٰن بن ابراہیم صاحب ساکن بمبئی حضرت شاغل رئیس بمبئی کے شاگرد ہیں متوسط درجہ کے شاعر ہیں۔ کلام نہ برا ہے نہ بہت اچھا۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں

دل کو ہمارے لیکر افسوس وہ ستمگر
جاتا ہے انجمن سے اپنی نگہ بدل کے

یہ دیکھ آرہے ہیں وہ دیکھ آرہے ہیں
آنکھوں سے کھو رہا ہے یہ دل مچل مچل کے

وہ قتل کرکے مجکو پچھتا رہے ہیں کیا کیا
زانو پہ رکھ کے سر کوٹتے ہیں ہاتھ مل کے

افشائے راز الفت کرتے ہیں وائے حسرت
آنکھوں سے میری ساحلؔ آنسو نکل نکل کے

ساطع

ساطع ۔ مرزا مظفر بیگ ٹھیکیدار و سوداگر ضلع ایبٹ آباد ہزارہ خلف میرزا منور بیگ آپکے آبا و اجداد امیر دوست محمد خاں کے ہمراہ افغانستان سے ہندوستان میں آئے اور کشمیر۔ راولپنڈی میں رہنے کے بعد ایبٹ آباد میں قیام کیا۔ ساطع صاحب انگریزی۔ فارسی بقدر ضرورت جانتے ہیں شعر گوئی کا شوق ہے۔ اور اس فن میں خواجہ عشرت لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ کلام میں کوئی خاص بات نہیں ہنگام ترتیب تذکرہ چند غزلیں موصول ہوئیں انکا انتخاب درج ذیل ہے

ابر ہے معشوق ہے مے ہے گل گلزار ہے
آج تو ساطع کوئی موقعہ نہیں انکار کا

مٹا ہیں عشق میں برباد ہو کر
نثار خنجر بیداد ہو کر

مرا خون ناحق اثر کر رہا ہے
کہ ہاتھوں میں شامل حنا ہو رہی ہے

جوانی چاہتی تھی بے حجابی
مگر روکا اُسے پاس حیا نے

بتوں کے حسن کو پوچھو نہ واعظ
یہاں جلوہ دکھایا ہے خدا نے

ساطع۔ سید ولایت علی زیدی الواسطی تلمیذ جناب ضیا بدایونی۔ آپ ولایت تخلص بھی کرتے تھے۔ آنولہ ضلع بریلی کے ساکن۔ نہایت خوش فکر بزرگ تھے مشق جاری نہ رکھنے پر بھی اچھے شعر کہہ جاتے تھے۔ مزاج میں آزادی اور بے پرواہی زیادہ تھی۔ کلام کبھی جمع نہ کیا۔ بہت سا حصہ ضائع ہوگیا۔ انتقال کے بعد چند غزلیں اور قطعات انکے اسباب سے برآمد ہوئے ۲۴ اپریل سنہ ۱۹۱۸ء کو بمقام رامپور انتقال کیا۔ ۶۵ سال کی عمر پائی۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

تجلی سی جس طرف کو گری کام کر گئی
تم نے نظر کو برق تجلی بنا دیا

رہتی ہے بجلی کسی گلرو کی یاد میں
جسکو تپ فراق نے کانٹا بنا دیا

تضمین بر اشعار متفرق

نہ وہ دولت نہ وہ ثروت نہ وہ چہرہ کی ضیا
دیکھکر ہوتا ہے نیرنگ جہاں سکتا سا
جام جم کا ہے نشاں اور نہ حشم دارا کا
کہیں ملتا نہیں تصویر سکندر کا پتا
سب کا منہ دیکھتا ہے آئینہ حیراں ہوکر

نہ کھلے غنچہ صفت آہ کبھی ہم دلگیر
آ کے اس گلشن ہستی میں ہوئے جب سے اسیر
شومئی بخت سے بنتی نہیں کوئی تدبیر
پھینک دو کاٹ کے جڑ نخل تمنا کی امیر
پھول کمبخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

عدم کو قافلے جاتے ہیں روز بے وسواس
گدا کو جانے کوئی واں نہ شہ کا رتبہ شناس
نہ سر پہ تاج ہے شاہوں کے نہ بدن پہ لباس
لحد یہ انکی ہے سامان حسرت و غم و یاس

ہمیشہ رہتے تھے جو شادیانے رچائے ہوئے

نہ مونس ہے نہ ہمدم ہے نہ کوئی آشنا باقی　　نہ اب جوشِ جوانی ہے نہ طفلی کا مزا باقی

ہزار افسوس پیری میں کہاں وہ حوصلہ باقی　　سوائے داغِ حسرت اب رہا سینہ میں کیا باقی

کبھی تھے ہم بھی دل والے کبھی ہم بھی رکھتے تھے

نگۂ یار غضب تھی کہ سنبھالی نہ گئی　　تیر مژگاں کی انی دل سے نکالی نہ گئی

نزع کے وقت عیادت کو وہ آئے مرے پاس　　شکر ہے آرزوئے دید تو خالی نہ گئی

ساغر

ساغر ۔ منشی کشن سروپ صاحب ۔ آپ عدالت سہارنپور میں مختار کاری کرتے ہیں معمولی فکر کے شاعر ہیں۔ کئی بار حالات دریافت کئے جب خطوط کا جواب نہ ملا تو مجبور ہو کر یہ اشعار درج کئے گئے ۔

شوخ چشموں کے تصور نہیں سونے دیتے　　آنکھ لگتی بھی کبھی ہے تو جگا دیتے ہیں

لینا دینا بھی نہیں انکا ستم سے خالی　　جس کا دل لیتے ہیں مٹی میں ملا دیتے ہیں

مے پرستوں کی کرامات نہ پوچھو ساغر　　خاکِ میخانہ سے اکسیر بنا دیتے ہیں

ساغر

ساغر ۔ جناب محمد سعید خانصاحب ۔ آپ قوم کے پٹھان اور داناپور کے رہنے والے تھے ۔ فنِ سخن میں مولوی عبدالغفور خاں نساخ کے شاگرد تھے ۔ شعر خوب کہتے تھے ۔ عین عالم شباب میں انتقال کیا ایک غزل کے چند شعر درج ذیل ہیں ؎

یاد ہر دم تری اے جانِ جہاں رکھتے ہیں　　نام ہر وقت ترا وردِ زباں رکھتے ہیں

ضعف سے اب نہیں اٹھتے ترے غمزے ہم سے　　وہ ستم جھیلیں جو کچھ تاب و تواں رکھتے ہیں

کوچۂ عشق کے کھوئے ہوئے ملتے ہیں کہیں　　نہ پتہ رکھتے ہیں کچھ اور نہ نشاں رکھتے ہیں

نہیں ملتا ہے پتا ساغرِ گم گشتہ کا　　بے نشاں لوگ کہاں نام و نشاں رکھتے ہیں

ساغر

ساغر ۔ جناب منشی صمد یار خانصاحب چشتی نظامی متوطن قدیم باندہ ۔ نوجوان شوخ طبع مرصع خیال شاعر ہیں ۔ آپکا مسکن و مولد علیگڑھ ہے ۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۰۵ء تاریخ ولادت ہے

آپکے والد جناب ڈاکٹر احمد یار خانصاحب وارثی علیگڑھ کے مشہور لوگوں میں ہیں جن کی حکیمانہ قابلیت کا شہرہ تمام علیگڑھ میں ہے۔ انکا سارا خاندان ڈاکٹر کے نام سے مشہور ہے ساغر صاحب کو زمانہ طالب علمی میں شعرگوئی کا ذوق پیدا ہوا ۱۹۱۸ء میں حضرت سیماب اکبرآبادی کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ اُستاد کی توجہ اور اپنی ذہنی۔ دماغی۔ خداداد قابلیت سے بہت جلد ترقی کر گئے۔ دور حاضرہ کی ادبیات اور انشا پردازی کے مطالعہ نے انکو جدید شاعری کے رموز سے آگاہ کر دیا چنانچہ انکے اشعار میں جہاں مشرق کی پروازِ خیال ہے وہاں مغرب کی جدت پسندی کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ قدر دانانِ سخن کی جانب سے آپ کو "نسیم الکلام" کا خطاب مل چکا ہے۔ اور تمغے بھی ملے ہیں۔ پڑھنے کا انداز نہایت دلکش ہے۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی کے عقیدتمند مرید ہیں "بزم ساغر" آپ کی پہلی تصنیف ہے جو مذاق جدید کے حلقۂ ادب میں پسند کی گئی ہے۔ کسی زمانہ میں علم طب پڑھتے تھے۔ اب آگرہ میں رسالہ پیمانہ جاری کیا ہے۔ آپکا دیوان موسومہ "میخانہ" تیار ہے۔ جو عنقریب شائع ہونیوالا ہے۔ اگر آپ نامانوس الفاظ اور مغلق فلسفیانہ ترکیبوں سے غزل گوئی کو بچاتے رہے تو آیندہ اعلیٰ درجہ کے نازک خیال شعرا میں ممتاز جگہ پائینگے۔ نمونۂ کلام یہ ہے

وہم و خیال سے بروں وہم و خیال میں بھی آ — عالم حال سے بلند عالم حال میں بھی آ
تیرے بغیر ناتمام تکملۂ حیات ہے — حدکمال سے فزوں۔ حدکمال میں بھی آ
اول و آخر ظہور تیری ضیا ہی پائے نور — پیکر بدر میں چمک۔ شانِ ہلال میں بھی آ
شعلۂ برق کیطرح۔ دور سے شوخیاں نہ کر — صورت دامن مراد۔ دستِ سوال میں بھی آ
زینتِ دورِ سادگی آبروئے شباب بن — رونقِ عہدِ کمسنی ان خط و خال میں بھی آ
دل کو مرے شہید کر آنکھ کو محوِ دید کر — رزم جلال بھی دکھا۔ بزم جمال میں بھی آ
شب غم ہے یہ سبب نیند اچٹ جانے کا — تا دم صبح بھروسہ ہے ترے آنے کا
سرِ مسکش ہیں کبھی گنبدِ گردوں میں کبھی — خود بھی گردش میں ہے چکر مرے پیمانے کا

جان کا کام یہ ہے تا دمِ آخر دے ساتھ
جانِ عاشق ہو تو اب نام نہ لو جانے کا

اہلِ عالم نے جسے حبا نہ سمجھ رکھا ہے
ہے یہ ٹکڑا مرے ٹوٹے ہوئے پیمانے کا

حسن برچھی سے نکلے جھوما جھوم کر قتل ہوا
عشق بجلی سے نکلے تڑپا اور تڑپ کر دل ہوا

قیس کی آہوں سے لیلیٰ پر پڑی لاکھوں حجاب
جو دھواں دل سے اٹھا اک پردۂ محمل ہوا

شوق ہنگامہ فروش و حسن ہنگامہ نواز
رنگِ محفل مانعِ نظارۂ محفل ہوا

سامنے آتے ہی اُن کے آنکھ پرنم ہوگئی
جانے کیا دیکھا کہ ضبطِ آرزو مشکل ہوا

ساغر نواز! میکدہ مے فروش تھا
دل میں سرورِ کیف باندازِ جوش تھا

الزامِ بیخودی یہ مری کس نے رکھ دیا
خود رعبِ حسن پردۂ نظارہ پوش تھا

شورِ صد آرزو مری رگ رگ میں تھا نہاں
میں نغمہ زارِ عشق میں سازِ خموش تھا

مستِ شباب یہ تری آنکھوں کی مستیاں
پڑتے ہی اک نگاہ نہیں تھا نہ ہوش تھا

تنہائیِ فراق کی بیتابیاں نہ پوچھ
گویا کسی کے سوگ میں عالم خموش تھا

حد سے سوا نہ پی نہ ہوا سرگراں کبھی
کیا وضع دار ساغرِ پیمانہ نوش تھا

صبحِ وصل ان کی آنکھ ترجمانِ کیف تھی
کچھ سرورِ وصل تھا کچھ خمارِ خواب تھا

ہجر میں ملالِ وصل وصل میں خیالِ ہجر
اب بھی اضطراب ہے جب بھی اضطراب تھا

ساغر ان کی ہر ادا کیوں نہ ہوتی کیف زا
مستیٔ شراب تھی نشۂ شراب تھا

دل کا حال یاس میں یوں خراب ہے گیا
جو خیال آگیا اضطراب ہوگیا

سادگی کی لذتیں کیوں وداع ہوگئیں
ہائے! عہدِ کمسنی کیوں شباب ہوگیا

انکی جلوہ گستری برقِ کوہِ طور تھی
پھر نظر سے چھپ گئی پھر حجاب ہوگیا

ہوں سبب کمال کا اہلِ حسن کیلئے
جو نظر پہ چڑھ گیا آفتاب ہوگیا

جل جلا کے بجھ گیا ساغر اپنا لختِ دل
کچھ کباب ہوگیا کچھ شراب ہوگیا

ہاتھ آتا ہی نہیں اسے شوق دامانِ بہار
آرزو کے ساتھ بڑھ جاتا ہے میدانِ بہار

ایک چھینٹا خوابگاہ عندلیب زار پر
سر برہنہ۔ گل بدامن۔ ہاتھ میں جامِ شراب

کہیں بھی میرا ٹھکانا نہیں زمانے میں
پروں میں گل بھی ہیں کانٹے بھی ہیں شگوفے بھی
بنی وہ بیل کے ساغر زمین میخانہ

وہ کرم جس میں ترا لطفِ ستم شامل نہیں
تجکو کیا معلوم انجامِ شکستِ آرزو
اے عبیر حشر کے دن کب حالِ دل کہینگے
آہوں کی بجلیاں بھی صیاد پر نہ ٹوٹیں
سوفار چھوڑ بیٹھے ناوک نکال لائے
میں ساغرِ جواں ہوں مستِ مئی مغان ہوں
دین و دنیا ہے زمین و آسمانِ آرزو
نالۂ بلبل سے کیسی وجد میں ہے شاخ گل
آرزو کے چار حرف اور وہ بھی دشمن زندگی
وسعتِ جوشِ تمنا کی کوئی حد ہی نہیں
نمک افشانیاں دیکھو تم اپنے زخم خنداں کی
کیونکر نہ قدر ہو مجھے روز وصال کی
صہبا کفِ ساقی میں اکسیر نظر آئی
جب تک طپش دل میں تاخیر نظر آئی
اے حسنِ نظر تیری تاثیر نظر آئی
مایوسیوں نے دعوت دی موت کو فرقت میں

تجھکو بوندوں کی قسم اے ابرِ بارانِ بہار
جھومتا آتا ہے وہ کوئی پریشانِ بہار
نہ آشیانے کے باہر نہ آشیانے میں
میں ہوں تو ایک گلستاں ہے آشیانے میں
ہوئی تھی صرف جو مٹی مرے بنانے میں
کیوں گوارا ہو کہ ہم رنگ مذاقِ دل نہیں
تو خدا رکھے ابھی فطرت شناسِ دل نہیں
میں نے تو شام کر دی اپنی ہی داستاں میں
اُن کو بھی کوندنا تھا میرے ہی آشیاں میں
تم نے زباں لگا دی ہر زخم کی زباں میں
ساغر نہ ہوگا مجھسا ساقی تری دکاں میں
دو جہانوں سے نہاں ہے اک جہانِ آرزو
پھول پتے سب سمجھتے ہیں زبانِ آرزو
زندگی کے چار دن اور وہ بھی جانِ آرزو
میری ہر اک آرزو ہے اک جہانِ آرزو
جگر پر زخم ہیں یا چند تصویریں نمکداں کی
یہ زندگی کا ایک ہی دن عمر بھر میں ہے
شیشے میں جوانی کی تصویر نظر آئی
شرمائی ہوئی جنون دگیر نظر آئی
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی
جب کوئی نہ جینے کی تدبیر نظر آئی

طاری ہوئے وحشت کے آثار نشیمن پر
بل کھائی ہوئی ڈالی زنجیر نظر آئی

عالم ترے جلووں سے معمورِ اثر نکلا
دنیا تیری محفل میں دلگیر نظر آئی

ساغر مرے ہاتھوں سے چھلکی مئے عشرت
ٹوٹا ہوا پیمانہ تقدیر نظر آئی

بجلی مرے نصیب کی ہے یا کوئی پھوار
کیا چیز دامنوں میں ہے بادل لئے ہوئے

وحشت کے ایک خار سبک میں یہ بار ہے
گویا ہوں سر پہ سینکڑوں جنگل لئے ہوئے

اب کر حساب بادہ کشی تو ہی محتسب
لمحہ ہوا ہے دوسری بوتل لئے ہوئے

اٹھتی ہے کچھ امنگ سی دل کے جنوں میں
جاتے ہیں کچھ بہار کے بادل لئے ہوئے

قاتل تری جفاؤں پہ تاحشر رو دے گا
بسمل کو اپنی گود میں مقتل لئے ہوئے

جاتا ہوں میں اُنکے آستاں تک
چھپ چھپ کے نگاہ آسماں سے

رگ رگ میں بھری ہوئی خلش ہے
کانٹے نکلیں کہاں کہاں سے

ساغر

ساغر۔ ڈاکٹر بجے نراین صاحب کایستھ۔ آپ اکبرآباد کے رہنے والے ہیں۔ عمر ۴۵ سال کی ہے۔ فارسی کی قابلیت بھی اچھی ہے۔ علم طب میں قانون شیخ۔ عروض و علم معانی میں حدائق البلاغت۔ معیار الاشعار مصنفہ طوسی پڑھ چکے ہیں۔ فن شعر میں جناب حکیم قتیل بھرسری کے شاگرد ہیں۔ مگر ابھی نومشق ہیں۔ آجکل شفاخانہ کیکڑی ضلع اجمیر میں متعین ہیں۔ سادہ گو اور سلاست پسند ہیں۔ مشق سخن جاری رہی تو کلام میں لطف پیدا ہو جائے گا۔ کلام یہ ہے۔

صحت ہو کیا دوا سے تری چارہ گر مجھے
عاجز مرے علاج سے لقمان ہو گیا

مئے فی المثل ہے مفت کی قاضی کو بھی حلال
میں پی گیا تو کیا مرا نقصان ہو گیا

ایک آدھ جام اور بھی ساغر کے ہاتھ سے
انکار کیوں ابھی سے مری جان ہو گیا

چڑھتے نہیں ہیں آج کسی کی نگاہ پر
کیا جانے گر کے آئے ہیں کسکی نظر سے آپ

زمانہ میں زمانہ آسماں جس کو سمجھتا ہے
یہیں تو کوئے جاناں کی زمیں معلوم ہوتی ہے

جدھر جاتے ہو برپا اک قیامت کر کے آتے ہو
تمہاری چال محشر آفریں معلوم ہوتی ہے

چمک اٹھتے ہیں ایسے اسکی تابِ حسن کے ذرّے
زمیں گویا ستاروں کی زمین معلوم ہوتی ہے
حجاب آئینہ میں دیکھتے ہیں ہم اسے ہردم
تری تصویر بھی پردہ نشین معلوم ہوتی ہے

ساغر — **ساغر**۔ مولوی مبارک حسین عظیم آباد کے رہنے والے ہیں۔ کلام صاف اور سادہ ہے سلاست کیطرف رجحان ہے۔ یہ نہ معلوم ہوسکا کہ فنِ سخن میں کسکے شاگرد ہیں۔ دو چار شعر جو ہاتھ آئے ہیں ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

غیر سے بدتر یگانہ ہوگیا
ہائے یہ کیسا زمانہ ہوگیا
بچ رہا تھا تیرِ مژگاں سے جگر
لیجئے وہ بھی نشانہ ہوگیا
خوب قاصد کو ملا خط کا جواب
کہتے ہیں پوچھیں تو کہنا کچھ نہیں
ان حسینوں کیلئے اک کھیل ہے
عاشقوں کا مرنا جینا کچھ نہیں
کسکو کہتے ہیں بے مروت آپ
بیوفائی میں نام کس کا ہے

ساغر — **ساغر**۔ مولوی اصغر علی صاحب خیرآبادی۔ شاگردِ حضرت وسیم۔ نوجوان شاعر ہیں۔ اشعار طبیعت کی تیزی۔ ذہن کی رسائی کا پتہ دیتے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

سنتا ہوں بزمِ غیر میں وہ بھی تڑپ گئے
سنکر فسانہ میرے دلِ بیقرار کا
اللہ رے دشمنی کہ صبا نے پسِ فنا
گل کر دیا چراغ ہمارے مزار کا
ٹھکرا کے میری قبر کو تو نے مٹا دیا
اب تک خیال ہے تری دل کے غبار کا
چوری گیا ہے جام مرا میکدہ میں آج
ساغر یہ کام ہے تو کسی ہوشیار کا

ساغر — **ساغر**۔ جناب میرزا محمد زکی۔ آپ مرادآباد کے ساکن ہیں۔ جناب محشر لکھنوی سے تلمذ ہے۔ ابھی مبتدی ہیں شعر کی بندشیں نومشقی کی دلیل ہیں طبیعت موزوں واقع ہوئی ہے کلام کا نمونہ یہ ہے۔

صفحۂ حیرت پہ نقطہ دیکے کاغذ رکھدیا
کھنچ سکا بہزاد سے آخر نہ خالِ روئے دوست
میرے مرنیکی خوشی کیجے حضور
دشمنوں کو آپکے یہ غم رہے

دردِ فرقت میں یہ حالت ہوگئی بیمار کی
ہو کے سب مایوس قرآں کی ہوا دینے لگے

ساقی

ساقیؔ ۔ منشی محمد محسن علی صاحب ۔ آپ نگینہ کے باشندے تھے ۔ فنِ سخن میں حضرت ناسخ لکھنوی سے تلمذ تھا ۔ بیان میں سادگی زبان میں سلاست کا جزوِ اعظم تھا ۔ الفاظ کی مینا کاری سے قطع نظر کرتے ہوئے معنیٰ پرستی کو اپنی شاعری کی روحِ رواں جانتے تھے ۔ کلام یہ ہے :-

کبھی جنت کبھی دوزخ کبھی گلشن کبھی دشت
ایسے نقشے ہوسِ خام نے دکھلائے بہت

کس مرتبہ ہے طولِ شبِ انتظار آج
شاید لباسِ شب میں ہے روزِ شمار آج

اب تو خوشی کا نام ہے ہمکو خیال و خواب
وہ دن بھی تھا نہ تھا ہمیں خوابِ خیالِ رنج

لائی تھی کھینچ یاں ہمیں صیاد کی ہوس
تھی ورنہ کس کو گلشنِ ایجاد کی ہوس

وہ ناتواں ہوں قتل سے پہلے ہی مرگیا
افسوس ہے کہ نکلی نہ جلاد کی ہوس

یوں روح کو ہے اُس بت گلرو سے ارتباط
جسطرح گل کو رنگ سے اور بو سے ارتباط

ساقی

ساقیؔ ۔ منشی شنکر لال صاحب خلف منشی خوبچند صاحب تحصیلدار ساکن سکندر آباد ۔ آپ ۱۸۶۳ء میں کلکٹری سہارنپور کے پیشکار تھے اور ملازمت کی وجہ سے وہیں اقامت اختیار کرلی تھی ۔ رندانہ مزاج ۔ صلح کل مشرب بزرگ تھے ۔ ہر وقت بادۂ سخن سے سرشار رہتے تھے ۔ اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ منشی بال مکند بےصبر شاگرد میرزا غالب آپکے زمانۂ قیام سہارنپور میں سررشتہ دار بند و بست تھے ۔ آپ انہیں سے اُردو زبان میں اصلاح لیتے ۔ اور فارسی کلام منشی ہرگوپال تفتہ مرحوم کو دکھاتے تھے ۔ بھاشا میں بھی آپکا کلام موجود ہے ۔ آخر عمر میں رعشہ کا عارضہ ہوگیا تھا چلنے پھرنے سے معذور تھے ۔ آپنے ۱۸۹۷ء میں انتقال کیا ۶۴ سال کی عمر پائی ۔

تینوں زبانوں میں کلام جمع ہوگیا تھا مگر اشاعت کی نوبت نہ آئی ۔ کلام سے شوخ مزاجی اور زندہ دلی نمایاں ہے ۔ زورِ بیان سے مشکل زمینوں میں شعر نکالتے ۔ ادائے بندش سے معمولی مضامین کو بھی آسمان پر پہونچا دیتے ۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے :-

دباتے ہم نہ دل اپنا جو چرخ پیر چٹکی میں ۔۔۔ تو پھر تجکو اڑاتے نالۂ شبگیر چٹکی میں
عجب چشم فسوں گر کی ہے یہ تاثیر چٹکی میں ۔۔۔ نشانہ اڑ گیا اور ہے نظر کا تیر چٹکی میں
جنہیں آنکھیں ملاتے بات کرتے شرم آتی تھی ۔۔۔ وہ اب ہمکو اڑاتے ہیں دم تقریر چٹکی میں
دل عاشق میں ہو تو ہو دگر نہ حضرت ساقی ۔۔۔ خدا کا نام تو اکسیر ہے اب کس کی چٹکی میں
بتا دیں۔ تھا یہ چھلا کل تمہارا کسکی انگلی میں ۔۔۔ خفا ہو گئے جو اسکا نام لیں تھا جسکی انگلی میں
اڑا لائے مسیحا بنکے شاید حضرت ساقی ۔۔۔ انگوٹھی کل یہ گرجا گھر میں تھی اک مس کی انگلی میں
دعویٰ کیا تھا کاکل مشکین یار سے ۔۔۔ آنے لگی ہے مشک ختن سے خطا کی بو

ساقی ۔ سرشار بادۂ سخن و دلدادۂ رنگ کہن پنڈت جواہر ناتھ دہلوی المخاطب "بلبل کشمیر" آپ کول فرقہ کے کشمیری پنڈتوں میں ادبی قابلیت کے اعتبار سے طرۂ امتیاز رکھتے تھے

آپکے مورث اعلیٰ راجہ پنڈت سدانند کول عہد اکبر شاہ میں وارد آگرہ ہوئے۔ ان کی بزرگی اور کمالات باطنی کے باعث شاہی دربار میں بڑی قدر و منزلت کیگئی اور پنج ہزاری امرا کے زمرہ میں جگہ دی گئی "غمخوار برادران" کے لقب سے سرفراز کئے گئے۔ انکی اولاد میں راجہ صاحب رام نواب شجاع الدولہ کے مصاحب ہو کر اودھ چلے گئے۔ اور انکے برادر خورد رائے بھولا ناتھ جو حضرت ساقی کے پردادا تھے گورنر جنرل کے میر منشی مقرر ہوئے۔ پنڈت بدری ناتھ کول میر منشی صاحب کی قابل یادگار تھے جنکو راجہ صاحب ریواڑی نے اپنے ہاں دیوان مقرر فرمایا تھا۔ ساقی صاحب کے والد پنڈت برج ناتھ صاحب کول موضع بیاس ضلع بلب گڑھ کے بسوہ دار تھے آپ کچھ دنوں تک سرکاری ملازم رہنے کے بعد راجہ جنگ بہادر والئے نان پارہ کی مصاحبت میں داخل ہوئے اور وہاں نہایت اعزاز و احترام سے رہے۔ ساقی صاحب کے نانا پنڈت رام کشن صاحب دہلوی بھی شاعر تھے جو بسمل تخلص کرتے تھے۔ اور یہ اپنے دہلی کالج میں ایک لائق اور قابل مدرس تھے۔

جناب ساقی کو پندرہ برس کی عمر میں شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ حکیم لطیف حسین صاحب

سے فارسی پڑھی۔ اور شاعری میں پنڈت امرناتھ آشفتہ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا فارسی سخنوری میں میر شاہجہاں کامل سے اصلاح لیتے رہے جب آشفتہ مرحوم پنجاب چلے گئے تو نواب سید محمد ذکریا خانصاحب زکی ارشد تلامذہ حضرت غالب سے سلسلۂ تلمذ مضبوط کیا۔ زمانہ کی بے مہری نے حضرت زکی مرحوم کو بھی دلّی میں نہ رہنے دیا۔ وہ صوبہ جات متحدہ کے مدراس میں ڈپٹی انسپکٹر ہوکر وہاں چلے گئے تو انہوں نے اپنے احباب سے مشورہ سخن رکھا۔ پنڈت امرناتھ صاحب ساحر منشی رام رچپال سنگھ شیدا سے عرصہ تک شاعرانہ صحبتیں گرم رہیں تھوڑے دنوں کے بعد مولوی محمد حسین صاحب شہید الہ آبادی کے انتقال نے انکو شاعری کیطرف سے برداشتہ خاطر کردیا مگر دہلی کے مشاعروں نے پھر ابھارا اور اس میدان میں لاکھڑا کیا۔ آپ مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں اچھے شعر نکالتے۔ تصوف معرفت۔ ویدانت سے دل کو لگاؤ تھا۔ خیالات نازک اور لطیف تھے۔ باطنی جذبات کو ظاہری الفاظ میں ادا کرنا انکا حصہ تھا۔ آپکے کلام بلاغت نظام میں بعض ایسے اشعار موجود ہیں جو قدما کی نازک خیالی کو یاد دلاتے ہیں۔ نرالی بندشوں اور نئی ترکیبوں کے برتنے میں مشاق تھے۔ وحدۃ الوجود اور مشاہدۂ حق کے مضامین شاعرانہ تخیّل میں رنگا رنگ کیفیت پیدا کردیتے۔ نہایت پرہیزگار متقی فقیر دوست۔ ملنسار۔ خوش مزاج شخص تھے۔ سادہ دل۔ جوگیوں اور صوفیوں کو دل سے عزیز رکھتے۔ ساقی صاحب مولف تذکرہ کے مہربان تھے سنہ ۱۴ میں چالیس پچاس غزلوں کا خود انتخاب کرکے مجھے دیا تھا۔ اس کے دو برس بعد ۵۲ برس کی عمر میں سنہ ۱۶ میں خفیف علالت کے بعد انتقال کیا مسودات ضخیم یادگار چھوڑے جنہیں آجکل پنڈت امرناتھ ساحر انکے رفیق دیرینہ مرتب کرکے دیوان شایع کرنے کا ارادہ کررہے ہیں۔ ساقی صاحب لاولد فوت ہوئے۔ کلام یہ ہے۔

ذوقِ نظارہ مرا دیدۂ حیراں نہ ہوا
میں جو مجذوبِ ازل تھا نہ گئی محویت

پردۂ رنج اثر چشم نگہباں نہ ہوا
صبحِ محشر سے مرا چاک گریباں نہ ہوا

ابن مریم کی صفت انھیں ہو کیونکر بانوں
جس مسیحا سے مرے درد کا درماں نہ ہوا

ہم بھی گر پڑکے گدایانہ بسر کرتے ہیں
نہ سہی سر بفلک گنبدِ ایواں نہ ہوا

ہو کے یک جان دو قالب بھی وہی وضع رہی
تم بھی ہندو نہوئے میں بھی مسلماں نہ ہوا

مجھکو خاموش جو دیکھا گلِ رعنا نے کہا
آج کیوں بلبلِ کشمیر غزل خواں نہ ہوا

کبھی تو چاہنے والوں کی بھی خبر لینا
تم اپنے بھولے ہوؤں کو بھی یاد کر لینا

یہ ساغر سرشار چھلک جائے نہ ساقی
مدہوش نہ ہو شغل مئے آشام کئے جا

رازِ درونِ پردہ کہوں تجھسے کیا ندیم
اپنا فسانہ ذکر کے قابل نہیں رہا

جو آج مدِنظر ہے وہ ہم نے جان لیا
ہمارا آپ نے سو طرح امتحان لیا

ہماری وسعتِ مشرب جنوں خیزِ تماشا ہے
نہاں دل میں یہ کیسا دامنِ صحرا نکل آیا

شراب خانے میں اب معتکف ہو ساقی
وہی یہ رند ہے مسجد میں جو امام رہا

نہاں سے عیاں ہے عیاں سے نہاں ہے
یہ جادہ ملا ہے سفر در وطن کا

کثرت سے ہے عین وحدت اہلِ مشاہدہ کو
ہے شاہدِ حقیقت آئینہ اس سخن کا

ہے رہ گذر کو آج گماں اوجِ عرش کا
یہ کون جلوہ ریزِ لبِ بام ہوگیا

دشمن کو دوست۔ دوست کو دشمن بنالیا
شیوہ ترا یہ کیا بتِ عیار ہوگیا

دوئی کا نقش مٹا دل سے اے کاش
مئے وحدت سے میں سرشار ہوتا

اٹھ گیا پردہ نظر کا جب قریب و دور کا
ہو گیا آنکھوں میں گھر اس شاہدِ مستور کا

نردبانِ عشقِ حقیقی کا ہے یہ عشقِ مجاز
دار پر چڑھنا بھی اک معراج تھا منصور کا

گر تجھے حسنِ عقیدت ہے تو ہو ہمت خواہ
جلوہ گر ہوتے ہیں خاصانِ خدا آخرِ شب

رنگ شکست کیوں نہ ہو حالِ امیدوارِ شب
تو ہی تو عشوہ گر ہوا باعثِ انتشارِ شب

درد شکیب سوز ہے۔ کرب وہی ہنوز ہے
دیکھ نہ ہو وہ بیوفا آج کہیں نثارِ شب

دن کو خیالِ وصل کا رات کو دردِ ہجر کا
شغل وہ روز کا ہوا اور یہ کاروبارِ شب

اب نہیں وقفِ انتظار رات کو لگیا نگار　　میرا کریم کارساز ہو گیا پردہ دارِ شب

اسکا شعار کیوں نہو پاسِ حجابِ عاشقاں　　شب ہے ہماری رازداں ہم جو ہیں رازدارِ شب

چھپ نہ سکا حجاب میں عشوۂ حسنِ خود نما　　آیا جو ماہ اوڑھکر چادرِ زرنگارِ شب

پیرِ مغ ساقی نے سرمست کو بے ہوش کیا　　کیوں دیا جامِ مے ہوش ربا آخرِ شب

ہے دیدۂ یعقوب ہمارا دل نالاں　　ہو جلوہ نما یوسفِ بازارِ محبت

دکھاؤں میں تمہیں یوں دن کیسے پھرتے ہیں　　کبھی تم آکے رہو میرے پاس ساری رات

اس نازکی پہ کیونکہ ہوا میرا عزمِ قتل　　تیغِ جفا کو باندھینگے کس کی کمر سے آپ

آستانِ پیرِ مغاں کا ہے جہاں میں ممتاز　　رند سرمست جو ہیں انکا ہے سرمایۂ ناز

حیرتِ خامشی فزا کب تک　　کششِ آہِ نارسا کب تک

عشوہ ہائے ستم فزا کب تک　　رنجشِ آشتی نما کب تک

آئی جو رُت بسنت کی پھبنی ہے چمپئی قبا　　ہو گئے محوِ دلبری لالہ رخانِ سبزہ رنگ

نگاہِ شاہدِ سرمست محوِ گل بازی　　سرورِ خندۂ گل ہے شرابِ خندۂ گل

فروغِ رنگِ شفق ہے حنائے پائے نگار　　فدائے نقشِ کفِ پا شبابِ خندۂ گل

ہوا ہے اسکا دل تنگ مثلِ گل خنداں　　پڑھے ہے وہ شوق سے حسنِ کتابِ خندۂ گل

بتائیں کیا تمہیں ہم حال اپنا حضرت ساقی　　عجب حالت ہماری ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

من و تو کا جھگڑا مٹائے ہوئے ہیں　　جو اُس شوخ سے دل لگائے ہوئے ہیں

ہمارے کئے کی سزا و جزا ہے　　بگاڑے ہوئے ہیں بنائے ہوئے ہیں

تیرے بیمار کی آسان یہ مشکل ہو جائے　　پہونچا چل کہ یہاں کام ہیں اٹکے لاکھوں

آج کیا پیرِ مغاں کیف کا حلقہ ہوگا　　مست میخانہ جو بیٹھے ہیں نشے کے لاکھوں

آج میخانہ میں وہ ساقی دریا دل ہے　　جام مے لینے لگے چھین جھپٹ کے لاکھوں

تیرا دلِ بلبلِ کشمیر شگفتہ نہ ہوا　　باغ میں پھول کھلے غنچے بھی چٹکے لاکھوں

ساقئ مست کو اک ساغر سرشار ملے
رندِ مے نوش یہاں پی گئے مٹکے لاکھوں

ہجر کی اب کہاں ہے تاب ہمیں
زندگی ہوگئی عذاب ہمیں
تونے دونوں جہاں سے کھویا
اے دل خانماں خراب ہمیں

جسکی صورت دیکھکر جاتی ہو اک عالم کی جان
ہم بھی اُس رعنا جواں کی دیکھنے والوں میں ہیں

اضطراب مرضِ عشق کی دیکھو تشخیص
مجھکو وحشت ہے اطبا خفقان کہتے ہیں

جما ہے اعتبارِ نالہ ان کے دل پہ کچھ ایسا
خموشی پہ بھی میری ہاتھ وہ کانوں پہ دھرتے ہیں

کیف و سرورِ عشق ہے رنگ و نورِ عشق سے ہے
جلوۂ نورِ عشق سے ہے آج میانِ میکدہ

وہ جو یہاں ہے خوش ادا کیوں نہ ہو خوش نما فضا
روضۂ دلکشا ہوا جس میں مکانِ میکدہ

جو ہے یہاں وہ مست ہے ساغر بدست ہے
ساقئ مے پرست ہے روحِ روانِ میکدہ

بڑے زوروں سے کی گو واعظو تکفیر میخانہ
رہی تائیدِ غیبی سے وہی توقیرِ میخانہ

آتے جاتے آپ ہی اک روز وہ کھل جائینگے
رفتہ رفتہ ان کو میرا اعتبار آنے تو دو

کیا ہے وعدۂ صبر آزما نے وارفتہ
قرار دل کو ہو کیا اب وداعِ تمکیں سے ہے

تمہارا جلوۂ رعنا ہوا بہارِ نشاط
نگاہِ حسن تماشا نگاہِ گلچیں سے ہے

لبِ جاناں کا اثر حسن کشش عشق کا دم
کیوں نہ ہو ہم نفس ہوش ربا نالہ نے

دلکشائی کا سبب جانتے ہیں اہل سماع
فتح بابِ رہِ دلدار ہوا نالہ نے

شیفتہ اسکے ہیں صاحب نظرانِ معنی
حرمِ دل میں یہ کرتا ہے ضیا نالہ نے

تماشا کر رہا ہے رنگِ نیرنگ فسوں گر
اشارہ غیر سے ہوتا ہے یا ہم سے ہوتا ہے

چاندنی میں سیر کر اے مہ لقا برسات کی
رات بن جائیگی صبحِ دلکشا برسات کی

کیوں نہ ہو نخلِ تمنا ابر کا اس سے ہرا
سال بھر رہتی ہے یہ نشو و نما برسات کی

خلش ناوکِ مژہ سے ہے ہنوز
تیر مارے ہیں بے خطا تم نے

لو خاک میں ہی مل گئے دل کے غبار سے
اب تو تمہارے دل میں کدورت نہیں رہی

پتہ ملتا نہ ہو جس کا کسی کو — ہماری بیخودی کا وہ نشاں ہے
جسے کہتے ہیں سب گردوں گرداں — ہماری آہ سوزاں کا دھواں ہے

کیا بتاؤں تمہیں کہتے ہیں کسے فتنۂ حشر — دو قدم دیکھ لو چل کر کہ قیامت کیا ہے
ہم تو یاں ہجر کے معنی بھی سمجھتے ہیں وصال — اور ہوں گے جو ترے وصل کے خواہاں ہونگے
شکوہ ایفا کا کبھی ان سے نہ کرنا ساقی — پھر وہی قول وہی وعدہ و پیماں ہونگے
طالب ہیں ہم بھی اک نگہ التفات کے — تیری نظر سے ایک جہاں کامیاب ہے
ہوئے ہیں یاوری بخت سے شہید وفا — مراد آج ترے تیر بے خطا نے دی
ہوا ہے کچھ اثر قلب عاشقاں پیدا — خبر یہ ہمکو دل دردآشنا نے دی
وہ آئینگے یہ نوید ایک آشنا نے دی — زہے نصیب کہ توفیق تو خدا نے دی
تماشا ہے نظر عین تماشا — ہماری آنکھ بھی کس سے لڑی ہے

ساقیؔ

ساقیؔ - منشی حامد علی خلف حکیم عابد علی کوثر خیرآبادی - آپ جناب وسیم برادر حضرت ریاض سے اصلاح لیتے ہیں - ابھی نو مشقی کا عالم ہے - زبان کہنے کی کوشش کرتے ہیں نتائج فکر کا نمونہ یہ ہے ؎

ہجوم عاشقاں دیکھا تو بولے — یہ سب کمبخت مرتے ہیں ہمیں پر
ہوا اونچا جو دود آہ سوزاں — فلک سے آگ برسے گی زمیں پر
چھوا افشاں جو تم اپنی جبیں پر — ستارے رشک سے ٹوٹیں زمیں پر
نہ کیوں قسمت پہ میں نازاں ہوں ای تیغ — مرا خوں اور اس کی آستیں پر

نہ اس نے بدنگاہی کی نہ اس نے بدزبانی کی — بگڑتے کیوں ہو نرگس سے الجھتے کیوں ہو سوسن سے
طلائی طوق ہو یا نقرئی زنجیر یا گیسو — نہ لپٹے وصل میں کوئی بھی انکی گوری گردن سے
بہت کی شست و شو گو حضرت نے اپنے ای ساقی — مگر چھوٹا نہ مے کا داغ انکے پاک دامن سے
وہ ہنستے آئیں تو مری لحد تک — رہیگی شمع گور انکو رلا کے

ہوئی توبہ مری آب آب ساقی
یہ رکھدی کون سے شیشے ساقی نے لاکے

ساقی

ساقی ۔ منشی ولی محمد خاں صاحب ۔ رئیس قصبہ ہتھگام ضلع فتحپور ۔ آپ حضرت وسیم خیرآبادی کے شاگرد ہیں ۔ خوشفکر شاعر ہیں گو زبان اور سادگی کے ساتھ ہی ساتھ تشبیہ ۔ استعارہ کی میدان میں بھی گامزن ہوتے ہیں ۔ کچھ شعر درج ذیل ہیں ؎

ملا نہ خاک میں لے چرخ خوں شدہ دل کو
کہ اسکا خون ہے پلنے نگار کے قابل

تو ایسی عمر میں اس کو نہ منہ لگا لے شیخ
نہیں ہے دختر رزتیرے پیار کے قابل

رہے نہ دل میں کدورت کسی کی جانب سے
یہ آئینہ نہیں گرد و غبار کے قابل

گل سر شک نہ ٹپکا عدو کی تربت پر
الٹے یہ پھول ہیں مرے مزار کے قابل

ساقی

ساقی ۔ سید شاہ نظام الدین احمد خلف الصدق سید شاہ قطب الدین احمد تخلص باقی آپ داناپور عظیم آباد کے رہنے والے تھے سنہ ۱۲۸۲ ہجری میں پیدا ہوئے ۔ فارسی عربی اور علم طب میں ماہر تھے طبیعت دار اور ملنسار شخص تھے ۔ سرکار انگریزی میں قانون گوئی سے تحصیلداری کے رتبہ پر پہونچے سنہ ۱۳۰۹ھ میں اپنے والد کے بعد سرکاری ملازمت کو خیرباد کہکر کسب باطن کیطرف متوجہ ہوئے سنہ ۱۳۱۱ھ میں سجادہ نشین خانقاہ مقرر ہوئے ۔ اور اس منصب کو خوبی سے انجام دیا ۔ فن شعر میں اپنے والد ماجد ہی سے تلمذ تھا ۔ شاعری میں کچھ زیادہ دستگاہ نہ تھی صرف موزوں طبع تھے سنہ ۱۳۲۶ھ میں یکم ربیع الثانی کو ۴۴ سال کے سن میں رحلت کی اور داناپور میں دفن ہوئے ۔ سید شاہ حسین احمد صاحب انکی یادگار ہیں ۔ کلام یہ ہے ۔

بیدل ہوں کچھ نہیں مری تسکیں ضرور ہے
پہلو سے میرے صورت دل تم جدا نہو

ڈرتے ہیں اپنے سایہ سے وقت خرام ناز
پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دوسرا نہو

یارب شب وصال ہے اس چشم ناز میں
شوخی سمائے اتنی کہ دخل حیا نہو

ساقی تم اپنے دل کی خبر لیجئے ہو کیا
دیکھو تو جاکے اس کی گلی میں پڑا نہو

جب نقابِ رخِ پرنور اٹھا جھپکی آنکھ	تابشِ برق تپاں جلوۂ رخسار میں ہے

ساقی

ساقی ۔ محمد احمد علی صاحب کاکوری کے رہنے والے ہیں متقدمین کا انداز پسند کرتے ہیں شعر میں تشبیہات اور تلمیحات کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ ایک غزل کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

وصل میں حسنِ رخِ یار دوبالا ہوتا	گرد اُس چاند کے رخسار کا ہالا ہوتا
کھاتا ہے دیکھ کے آئینہ میں آنکھیں وہ شوخ	ہرن آنا تو نہیں دھوپ میں کالا ہوتا
پھوڑتا دل کے پھپولے ہیں دبا کر اسکو	آسمان کاش مرے پاؤں کا چھالا ہوتا
بال کھولے ہوئے بیٹھے ہو۔جو ہنس دیتے تم	رات اندھیری تھی ذرا اس میں اُجالا ہوتا

ساقی

ساقی ۔ کوئی صاحب آرہ کے رہنے والے ہیں۔ بزم سخن گیا میں کلام شایع ہوتا رہتا ہے موزوں طبع سادہ گو ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

دل پریشاں ہوگیا زلفِ پریشاں دیکھکر	روئے ہم اپنی بربادی کے ساماں دیکھکر
پھر ہوا سر میں ساقی پھر ہوا جوشِ جنوں	پھر بڑھی وحشت مری چاکِ گریباں دیکھکر
کہہ گئے ہم ڈرتے ڈرتے حرفِ مطلب گو مگر	خود پشیماں ہو گئے اُن کو پشیماں دیکھکر
شادی و غم کا سماں آنکھوں میں میری پھر گیا	گل کو خنداں دیکھکر شبنم کو گریاں دیکھکر

ساقی

ساقی ۔ محمد جعفر صاحب گوپامئو کے باشندے تھے۔ فارسی اردو۔ دونوں زبانوں میں شعر کہتے۔ فن شاعری میں جناب صہبائی دہلوی سے تلمذ تھا ۱۸۵۵ء میں زندہ تھے۔ اُسی زمانہ کا یہ کلام ہے ۔

سو تیر لگے دل پہ مرے طرفہ فسوں ہے	سینے میں کوئی زخم نمایاں نہیں دیکھا
آبِ دمِ خنجر کو سمجھتا ہے مے ناب	ساقی دلِ مخمور سا ناداں نہیں دیکھا

ساکت

ساکت ۔ ماہر رموز سخن دانی۔ واقف اسرار نکتہ دانی مولوی ابوالحسن صاحب ساکن امروہہ ضلع مرادآباد۔ آپکے والد حکیم عبدالصمد صاحب۔ امروہہ کے قدیم شرفا میں تھے۔

آپ عربی۔ فارسی دونوں زبانوں میں دستگاہ رکھتے تھے۔ فارسی اساتذۂ رامپور اور عربی اپنے عم حکیم سید محمد حسین مرحوم سے حاصل کی تھی۔ معانی بیان عروض وقوافی میں کامل تھے حافظہ کی یہ حالت تھی کہ کوئی مضمون ہو عرصہ تک سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے تھے۔ اور ہر مسئلہ کے متعلق بیسیوں مثالیں نوک زبان تھیں۔ آپکی پھڑکتی ہوئی تقریر زندہ دلی اور ظرافت کی جان ہوتی تھی۔ دوست نواز اور وضع داری میں فرد تھے۔

آپ کسی رنگ میں بند نہ تھے۔ غزل۔ قصیدہ مخمس۔ مسدس کے سوا ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر ایسا کلام ہمیشہ دوسروں کو دیدیتے تھے۔ نہایت زود گو شاعر تھے ہمیشہ معاصرین سے معرکہ آرائیاں رہیں۔ مگر پالا انہیں کے ہاتھ رہا۔ مرد قانع اور متوکل شخص تھے شاگردوں سے اصلاح کا معاوضہ نہ لیتے تھے۔ آپ نے والئے اودے پور کی شان میں قصائد لکھکر بھیجے تھے لیکن جب وہاں سے طلبی ہوئی تو امرا کے دربار میں قصیدہ گوئی کی حیثیت سے جانا اپنے عارض کمال پر بدنما داغ خیال کیا اور اپنی رہی سہی جائداد پر قناعت کئے ہوئے بیٹھے رہے۔ اپنے ساتھ اپنی جائداد کا بھی خاتمہ کر گئے۔ دیگر فنون کے علاوہ آپکو مرغ بازی میں بھی دلچسپی تھی اور اس شوق میں ہر سال امروہہ سے بدایوں جاتے تھے۔

آپ فن سخن میں حضرت نظام رامپوری کے ارشد تلامذہ سے تھے اور استاد کا انداز بیان اختیار کرنے میں انکو کامیابی حاصل تھی مگر افسوس ہے کہ زمانہ کے انقلاب سے ہمیشہ زاویہ گمنامی میں رہے اور کلام کی شہرت نہ ہوئی۔ مرحوم غزل گوئی میں یکتا تھے حسن و عشق کی گھاتوں کو نہایت خوبی سے نظم کرتے تھے۔ ادائے بیان بے تکلفانہ تھی۔ دلی واردات کو تخیل کا جامہ پہناتے ہوئے مضمون کو بھی ہاتھ سے نہ کھوتے۔ میر کرامت علی خلش اجمیری مولوی غلام نبی شاعر ابتدا میں آپ ہی کے شاگرد تھے۔ میر جواد حسین شمیم امروہوی کو بھی آپ سے فخر تلمذ حاصل تھا۔ ۱۹۰۵ء میں وفات پائی جو کلام مولوی حکیم مظہر الہادی صاحب سہیل طبیب کوٹہ نے روانہ کیا ہے وہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے ٭

وہ یہ کہتے ہیں کہ تو کیا اور تری تقصیر کیا
ہیں یہیں منہ سے کہوں کرتے ہو تقریر کیا

دل پہ دزدیدہ نظر کی چوٹ کیا کاری لگے
اے میرے ناوک فگن ٹوٹی کماں کا تیر کیا

رنگِ شوخی کے سبب کوئی ٹھہرتا ہی نہیں
صفحۂ قرطاس پہ کھینچوں تری تصویر کیا

نہ مرجاؤں تو لاؤں لیے صدمہ کو جگر کس کا
رکھا ہے غیر کے زانو پہ دیکھیں آپ سر کس کا

یہاں سے تذکرہ انکا وہاں ذکر عدو ہر دم
بندھا ہے درمیان دونوں کو ادھر کسکا ادھر کسکا

جنہیں اپنا سمجھتا ہوں وہی اپنے نہیں ساکت
دل و جاں گر نہیں اپنے تو پھر ہوگا جگر کسکا

شفق نے رنگ اڑایا ہے ترے دستِ حنائی کا
شتاب پھرنے پہ تولیا گوری کلائی کا

رکاوٹ ہے تری جانب سے میرے دل میں اے قاتل
کہ تیری تیغ بھی دم بھر رہی ہے کج ادائی کا

طریقِ عشق میں دونوں کے دعوے ہیں برابر کے
نہیں ہے آشنائی کا نہیں نا آشنائی کا

غیر جب بزم میں مختار بنے بیٹھے ہیں
آپ کس بات پہ سرکار بنے بیٹھے ہیں

کاٹ دیتے ہیں ہر اک بات مری جھنجلا کر
آج غصہ میں وہ تلوار بنے بیٹھے ہیں

جس قدر ہم پہ ترے جور و جفا ہوتے ہیں
جو صلے ہم کو محبت کے سوا ہوتے ہیں

دم میں ہنس دیتے ہیں دم بھر میں خفا ہوتے ہیں
کبھی کیا ہوتے ہیں وہ اور کبھی کیا ہوتے ہیں

بھول جاتے ہیں خدا کو بھی بتوں سے مل کر
بت نہیں ملتے تو ہم یاد خدا کرتے ہیں

چھپکے وہ مری تمنا ہوں سے جو ٹل جاتے ہیں
بچ کے آغوشِ تصور سے نکل جاتے ہیں

سر کٹا کر میں تقاضہ سے اجل کے چھوٹا
خوب اب اپنی بسر ہوگی سبکدوشی میں

"ایک جیب کو ہراتی ہے" شل ہی ساکت
فائدہ ہم نے بھی سوچا ہے یہ خاموشی میں

ہوا بیباک کھلتے کھلتے یار آہستہ آہستہ
اتارے وصل میں پھولوں کے ہار آہستہ آہستہ

دبے پاؤں وہ آئے فاتحہ خوانی کو مرقد پہ
چھوا پھر ناز سے میرا مزار آہستہ آہستہ

گیا ہے ہلکے ہلکے اس طرح عالم جوانی کا
نشہ کا جیسے ہوتا ہے اتار آہستہ آہستہ

وہ اس انداز سے آئے شب وعدہ میرے گھر پہ
چمن میں جیسے آتی ہے بہار آہستہ آہستہ

خانۂ دل میں نہ ارماں ہیں نہ حسرت کا ہجوم — ایک جانے سے جوانی کے یہ ویرانی ہوئی

نیا انداز دیکھو آئینہ رکھکر مقابل میں — اشاروں میں وہ باتیں کر رہے ہیں اپنی چوٹی سے

تمہارے حسن کا پھولوں بھرا سنگار رہے — رہے جو ہاتھ میں گجرا گلے میں ہار رہے

کہا یہ گریہ نے شبنم پر آپ سے میری — جدا جدا مرے اشکوں کا تار تار رہے

واہ کیا بات تری لغزش گفتار کی ہے — بات اقرار میں ملتی ہوئی انکار کی ہے

مرا دل لیکے مٹھی میں وہ بولے — ہمارے ہاتھ میں بتلاؤ کیا ہے

سالک

سالک ۔ نواب سید احمد حسین خاں مرحوم خلف اصغر نواب سید علی حسین عرف نواب دولہ صاحب تمنا۔ جو نواب معتمد الدولہ وزیر شاہ اودھ کے داماد تھے ۱۲۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ بڑے معاملہ فہم اور عالی ہمت رئیس تھے معتمد الدولہ کے نواسے ہونے کے رشتہ سے وثیقہ میں گرانقدر رقم ملتی تھی۔ کانپور میں امیرانہ ٹھاٹ سے زندگی بسر کرتے تھے خلیق بامروت۔ ذی استعداد۔ علم دوست تھے۔ کتاب بوقلمون۔ بطور کشکول۔ رسالہ تحقیق اللغات خمسہ ہفت بند کاشی۔ زبدۃ المورخین۔ اسلوب الانشا۔ کلیات نظم فارسی آپکی تصنیف و تالیف سے ہیں۔ آپ نواب سید بنیاد حسین خاں جاہ رئیس اعظم مرحوم کے والد تھے ۹۲ برس کی عمر پائی۔ بعارضہ دق ۲۰ محرم الحرام ۱۲۹۹ھ کو انتقال ہوا۔ آپکی نعش کانپور سے نجف اشرف روانہ کیگئی وہیں مدفون ہوئے۔ دو شعر جو دستیاب ہوئے ہیں درج ذیل ہیں

یارب شب وصال مری مختصر نہ ہو — اتنی بڑے کہ تا بہ قیامت سحر نہ ہو

چبھو کر پاؤں میں کانٹوں کو سالک آبلے اٹھالو — کہ تم ہو بادشاہ ملک غم طبل و علم لے لو

سالک

سالک ۔ ناظم نامی سخنور گرامی۔ یکتائے اقالیم و ممالک۔ میرزا قربان علی بیگ سالک خلف نواب میرزا عالم بیگ خاں۔ آپ حیدرآباد میں پیدا ہوئے مگر آپکی شاعری کا وطن دہلی ہے۔ زندگی کا بڑا حصہ یہیں صرف ہوا۔ چھ برس کی عمر سے اسی شہر میں تعلیم و تربیت پائی۔ مہاراجہ شیودان سنگھ والئی الور کی سرکار میں عزت افزائے عہدۂ وکالت

تھے۔ انکے بھائی بھی شاعر تھے۔ رضوان تخلص تھا۔ انکا مرثیہ سالک نے بڑے زور کا لکھا ہے آپ نے سب سے پہلے حضرت مومن کو اپنا کلام دکھایا پھر مرزا غالب کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے اور اسے مدت العمر باعث افتخار سمجھتے رہے۔ استاد کی دلی توجہ کے باعث چند روز میں شاعر یگانہ اور معاصرین میں ممتاز ہو گئے۔ نازک خیالی میں فرد مضمون آفرینی میں بے نظیر تھے فصاحت بلاغت۔ کلام کا قابل داد جوہر ہے۔ بندش کی نفاست اور صفائی اپنے ساتھ سوز و گداز کو لئے ہوئے ہے۔ آپ حسن و عشق کے رموز بیان کرنے میں انسانی فطرت پر گہری نگاہ ڈالتے تھے۔ معاملہ نگاری میں عامیانہ روش سے بچتے تھے۔ آپنے عاشقانہ زندگی کے مقصد کو اپنی جدت پسند طبیعت کے سانچے میں ڈھال کر یوں بیان کیا ہے ؎

تم غیر کے ہوئے تو رہا کیا جہان میں	گویا ہمارے واسطے کچھ بھی بنا نہ تھا

حضرت سالک مبالغہ کے دشوار گذار میدان میں بھی شوخ بیانی کو مد نظر رکھتے تھے۔ طرز ادا سے شعر مزیدار ہو جاتا تھا۔ آپنے اپنے گھر کو "مایہ آفات" قرار دیتے ہوئے اس مضمون کو عجیب طریقے سے بیان کیا ہے کہ جس فتنہ کو میرے گھر کی راہ نہ ملی وہ شورش کدۂ قیامت میں داخل ہو گیا۔ فرماتے ہیں ؎

ناچار ہوا وادیٔ محشر کو روانہ	جس فتنے نے پایا نہیں رستہ مرے گھر کا

اپنی پریشانی کو دنیا بھر کے آلام سے ترجیح دے کر انتہائے بلاغت پیدا کر دی ہے۔

ایک میری ہی پریشانی نے قسمت لکھکر	تہ کیا کاتب تقدیر نے دفتر اپنا

مضمون "بے ثباتی" پر ہر ایک مصور خیال نے اپنے نگارخانہ میں ہنگامہ ہستی کو ناپائدار ٹھہرایا ہے۔ مگر آپنے عاشقانہ رنگ میں ناپائداری کے ثبوت میں جو دلیل قائم کی ہے اس میں اعلیٰ درجہ کی تخیل ہے ؎

ذرا سی ہمت اے فریاد گیتی سوز لازم ہے	عدو قائل نہیں ہے دہر کی ناپائداری کا

سچ تو یوں ہے کہ آپکا کلام دلی کی شاعری کا قابل قدر نمونہ ہے۔ نغز گوئی۔ سلاست

بلاغت کی جان ہے۔ آپ جملہ اصناف سخن پر قادر تھے اور معنیٰ بندی میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ بیسیوں شعر آپکے ایسے ہیں کہ جتنا غور کیجئے اتنا ہی مزا آتا ہے۔ زکی۔ انور۔ مجروح عالی کے ہم مشاعرہ تھے۔ بالخصوص چھوٹی بحروں میں نہایت بلیغ اور ہر مضمون پر شعر کہتے تھے۔ مرزا غالب کو انسے بڑی محبت تھی اور عزیزداری کا برتاؤ کرتے تھے۔

حضرت سالک کا قیام دکن میں بہت زیادہ رہا کیونکہ آپکے چچا رن بہادر خاں خانگی قضیوں سے مجبور ہوکر دہلی سے حیدرآباد چلے گئے اور وہاں نواب تاڑبن کی ملازمت کرنیکے بعد خانہ داماد ہوگئے۔ سالک بھی اپنے چچا کے پاس رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ حیدرآباد دکن میں آپکے تلامذہ کی تعداد کافی ہے۔ تلامذہ دہلی میں حکیم اسد علیخاں مفطر اس زمانہ کے شعرا میں اچھا کہنے والے ہیں۔ جناب سالک نے آخر ۱۸۷۶ء میں بمقام حیدرآباد دکن اس جہان فانی سے رحلت کی حضرت قدر بلگرامی نے تاریخ لکھی "نواب قربان علی سالک ہزار افسوس مرد" ۱۲۹۲ دو بیٹے یادگار چھوڑے۔ عابد فرزند کلاں کو انتقال کئے ہوئے پانچواں برس ہے دیوان میخانۂ سالک انہوں نے ترتیب دیکر شایع کیا تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

واں دخل وہم کا نہ گذر ہے خیال کا
اچھی جگہ ہے دل کو بھروسا وصال کا

جتنی کہ ما سوا کی نمایش نظر میں ہے
پتلا بنا ہوا ہے یہ وہم و خیال کا

عشاق اسکے رہتے ہیں دنیا سے بے خبر
آرام ایک نام ہے اُس کے ملال کا

وقفہ ہے ایک دم کا ولادت سے مرگ تک
گر سو برس بھی ہوں تو زمانہ ہے حال کا

اُس در پہ جبہ سا ہوں کہ اگر مری طرح
ذرّوں میں امتیاز نہ ہو مہر و ماہ کا

سمجھا ہوا ہے کنگرۂ عرش تو جسے
غافل یہ ایک گوشہ ہے اسکی کلاہ کا

جنوں میں اسقدر قائل ہوں میں توحید یزداں کا
کہ لفظ لا کی صورت چاک ہے میرے گریباں کا

نہیں یہ چھیڑ ہے صیاد کو حسرت بڑھانے کی
کہ پر توڑے مرے اور ذکر کچھ چھیڑا گلستاں کا

ترے غم میں جنوں نے ظاہر و باطن کئے یکساں
دل صد چاک سے بدتر ہے عالم جیب و داماں کا

نالہ جو دل سے نکلا شرر افشاں نکلا / گرۂ نار مرے سینہ میں پنہاں نکلا
میں نکلتا تری محفل سے اکیلا اے کاش / غم ہے ساتھ مرے عمر کا ارماں نکلا
یہ رہا مانع فریاد جہاں برہم کن / ضعف کا میرے زمانہ پہ احساں نکلا
ہیں وہ جہاں قریب تو سب ہی مجھکو رشک / تڑپا ہے اک جہان کو ناچار دیکھنا
ہمسایے میں وہ آئے ہیں لگ ہی نہ جائے آگ / کچھ روشنی سی ہے سر دیوار دیکھنا

قصۂ قیس ہے اک حرف فسانہ کا مرے / میں یہ سمجھا تھا کہ وہ بھی کوئی دفتر ہوگا
ہوں راہرو اس وادیٔ پرخوف و خطر کا / جس میں نہ ملا نقش قدم تک بھی خضر کا
دم بھر میں بگاڑا مجھے دشمن کو بنایا / اک شعبدہ ہے یہ فلک شعبدہ گر کا
پڑتا ہے تیر جس طرف اس کی نگاہ کا / اٹھتا ہے شور ادھر سے خدا کی پناہ کا
سالک صنم کدہ سے نکالے گئے کہیں / حضرت ارادہ رکھتے ہو کیوں خانقاہ کا

مجھ سے ستم رسیدہ کا ہوگا کوئی شریک / قطرہ کا نام مفت میں طوفاں نکل گیا
ہے ان دنوں میں گردش چشم بتاں کا دور / تیرا زمانہ گردش دوراں نکل گیا

جو کچھ ہے اس کی بزم میں سب بے نقش ہو / الفت نے کر دیا اسے عالم مثال کا
آج اے آہ جہاں سوز نہ رکھ کچھ باقی / غیر قائل نہیں اللہ کی یکتائی کا
میں بھی خود آپ میں آتا نہیں پھر دل ظالم / پوچھا کیا ہے مرے گوشۂ تنہائی کا
آشیانہ میں خس و خار کی رہتی تھی خلش / اک تنکے کا قفس میں سے مجھے کھٹکا نہ ہوا

وہ نالہ آج ضعف میں لب تک نہ آسکا / جو لاکھ بار داغ دل آسماں ہوا
ہجوم بلا ہائے ہجراں نہ پوچھ / تجھے کیا جو کچھ ہو گیا ہو گیا

ہزار نالے زباں پہ لاتا ہزار محشر اٹھی دکھاتا / شب جدائی اگر نہ آتا خیال اس چشم سرمگیں کا
نہ لامکاں سے گرے تخیل سدرہ پہ بجلی / مجھے خیال ہے واں آشیاں بنانے کا
یہ بھی عہد وفا سے پھر جاتا / دل ہمارا تری زباں نہ ہوا

ہے خود شکست عہد سے نفرت انہیں مگر
جذبۂ دل کا اثر دیکھ کہ کھائے سو تیر
تا ضد میں آکے مول لیں کھتا ہوں اسلئے
وہ سرد مہریاں تری نظروں میں ہیں بھری
دکان مے فروش پہ سالک پڑا رہا
الجھنا اور مجھ دیوانے سے ای حضرت ناصح
اُن سے کمان کھینچ نہ سکی جذبِ شوق دیکھ

کس کا جلوہ نظر سے گذرا ہے
پھیر دیتی چھری تو آتی ہے

نالہ اُس کا شرر افشاں مژہ اُسکی خونباز
دل وہ کافر ہے کہ مجھکو نہ دیا چین کبھی
یہ اور کون تھا جو ترا خستہ جاں نہ تھا
افسوس مرگ سالک انصاف خواہ پر
وہ دلکش ہے صورت کہ اس ظلم پر
انسان ہوس پیشہ سے کیا ہو نہیں سکتا
یہ درد ہے تیرا ہی کہ ہے جان سے شیریں
غیرت ہے جو مجھ میں تو وہ کہتے ہیں بزم
نہ شوق مجکو ہے حور عین کا نہ پاس واعظ ہے اپنے دین کا

میرے آزار دینے کو وہ شوخ
تیری تصویر کیوں نہ بول اٹھی
تیرا چیپ چیپ یہ بیٹھنا سالک

دل توڑنا پسند ہے امیدوار کا
پر کوئی توڑ کے سینہ سے نہ پیکاں نکلا
پیا ور عنبس دل کے خریدار دیکھنا
پانی بھی مانگتا نہیں مارا نگاہ کا
اچھا گذر گیا رمضان بادہ خوار کا
پھر اسپر سامنے میرے ہی دعوی ہشیاری کا
چٹکی سے تیر - تیر سے پیکاں نکل گیا

کہ مجھے کچھ نظر نہیں آتا
لطف صبا داگر نہیں آتا

تونے چھیڑا تو ہے سالک کو پر اچھا نہ ہوا
بیوفا تو بھی اسے لیکے پشیماں ہوگا
اک نعش بے کفن تھی کوئی نوحہ خواں نہ تھا
دل میں ہزار زخم تھے تن پر نشاں نہ تھا
زمانہ ترا مبتلا ہو گیا
مجبور ہے اس سے کہ خدا ہو نہیں سکتا
ہر ورد میں ظالم یہ مزا ہو نہیں سکتا
پروانہ سے جو کام ہوا ہو نہیں سکتا
جو ذکر کرتا ہی کہیں کا سنا نہ جھگڑا کہیں کہیں کا

دوسرا آسماں ہے گویا
اس میں عاشق کی جان ہی گویا
اک طرح کا بیان ہے گویا

پسند اللہ کو کیا جانے کیا آجائے اے زاہد
بہت دور پہونچیں نگاہیں دلے

تیغ کھنچتی ہے واں نزاکت سے
کہتے ہیں ہر کمال کو ہے زوال
شہدا کے لئے ہے عمر ابد

خوشی ہی انکو میں جانتا ہوں مگر میں نے کہنے کو بات اپنی
لبوں پہ ہنسا کہ جبتک اسکی امید آئی ہے مجکو باقی

عاشق ہیں اسپہ شک ہی کہتے ہیں تو نہ مل
خلقت کو یہ گماں ہی کہ خلوت عدو سے ہے
اے کاش بھولتا کہ یہی ہی نباہ سے غم
کیا محتسب کو رند لگا لائے راہ پر
فرہاد مر کے عشق کو دھبہ لگا گیا
ہم حشر میں چلے گئے بخوف اسطرح

اُدھر جا جاکے ہر رہرو کے سالک پاؤں ٹوٹا پاپوس

خلق خدا پہ رحم بھی کرنا ضرور ہے
کہتے ہو ہم ستا نہ سکے تمکو تمام عمر
ہمیں ہے حشر بپا روز یہ سالک کہیں
چڑھ جائے چاندنی سر دیوار قصر یوں
وعدے پر اسکے دیر ہوا کہ دم کی اور یوں
عمر بھر تیری گلی سے نہیں باہر ہونا
کھیل ہر بات پہ ہے فتنۂ محشر ہونا

ہے مجھے شرم گنہ تجھکو تکبر ہے عبادت کا
وہ پردہ میں اب بھی نہاں رہ گیا

دم یہاں کھینچ رہا ہے بسمل کا
مجکو رونا ہے سعئ باطل کا
دم شمشیر دم ہے بسمل کا

کہونگا اُن سے کہ بعد مردن تم آکے ماتم مرا نکرنا
کرے نہ عدۂ وفا اگر وہ تو مجھسے ایجان وفا نکرنا

معلوم ناصحوں کا مجھے مدعا ہوا
پردہ کو تم اٹھاؤ کہ یہ پردہ در ہوا
جو لطف بزم یار مجھے یاد رہ گیا
یوں میکدہ کبھی رمضان میں کھلا نہ تھا
کچھ خودکشی طریقۂ اہل وفا نہ تھا
گویا یہ فتنہ اُسکا اٹھایا ہوا نہ تھا

بتا دے گا مگر کوئی تو رستہ کوئے جاناں کا

مت دیکھنا کسیکو خبردار دیکھنا
بارے خیال رکھتے ہو تم بھی نباہ کا
کون سے حشر میں دیدار تمہارا ہوگا
افسوس کوئے یار میں ہیں پاسباں نہ تھا
ایجان تو لبوں پہ رہے یہ گماں نہ تھا
خاک ہونا مگر اس خاک میں ملکر ہونا
اور ابھی چاہتے ہیں آپ ستمگر ہونا

توبھی گر لب سے خموشی میں نہ نکلے گا ہے
حسرت مردہ کو دم بھر میں جلا لیتا ہوں
کیوں نہ سالک مری حیرت پہ جہاں ہو حیراں
بے مروت ہیں یہ بت جھوٹ ہو کہنا انکا
آدمی آپ تماشائے جہاں بنتا ہے
دل کو کیا جانے کیا ہوا سالک
نالہ کہ لب سے مہر خموشی اٹھائیں ہم
وہ عقدہ مرے کام میں تقدیر نے ڈالا
کھلنے پہ چلے دل کے عبث یہ بھی چلا نا
سالک نکل کے میکدہ سے آ گئے کدھر
عجب ہے سالک بھی ندمشرب کہ چھو کے بیٹھا ہے ملتیں سب
جسکو کہتے ہیں قضا ہے نگہ ناز ان کی
یہ تقوی جوانی میں سالک مگر
واہ کس شان سے سالک کو نکالا تم نے
غبار ناتواں عاشق دل خستہ سے انکو
نہ کی بات سے آتی ہو کدورت دلبر
ملے گا اجر جس دن شیخ کو طاعت گذاری کا
نکالے جا چکے ہیں سینکڑوں اس بات پہ سالک
کافر ہو گر سنا ہو کہ واعظ نے کیا کہا
ظلم کا شوق ہو مرنے نہیں دیتے مجھکو
سالک اور تو یہ کیا ہی جو گھر سے اپنے

مجھپہ لے آہ نہ اطلاق ہو گویائی کا
آپ کیا مجھکو بھی دعوی ہے مسیحائی کا
محو حیرت ہوں ہیں کس محو خود آرائی کا
دے قیامت کی خبر وعدۂ فردا انکا
بھول کر دیکھنے جائے جو تماشا ان کا
چین کیوں رات بھر نہیں آتا
دیگا جواب کون ہمارے سوال کا
جو ناخن تدبیر سے وا ہو نہیں سکتا
گمراہ کبھی راہ نما ہو نہیں سکتا
ساغر کو پھینکو ہاتھ سے باز آ گیا
نہ مانتا ہی کسیکا مذہب ہو یہ پابند اپنے دین کا
ملک الموت سے وابستہ ہے ایمان کا
بڑے وقت میں پارسا ہو گیا
خوش رہو ہم بھی سنے جاتے ہیں بستر اپنا
نزاکت نے چھڑا کر دیا دشوار داماں کا
آئینہ بھاپ سے ہوتا ہے مکدر اپنا
تو یارب پاس رکھنا کچھ ہماری جبہ سائی کا
نہ لینا نام اسکے کوچہ میں مطلب برآری کا
یاں بھلے بزم وعظ میں تھی گفتگو ہے دوست
طول آزار کو دیتے ہو مسیحا ہو کر
توڑا کر کے پھینکدے شیشہ و ساغر یا پھر

کیوں چلا آتا ہے ہر بات پہ رونا سالک
وصل کی رات ہے اور بیم سحر ہے دل میں
کسکو دل دیتے ہو کیا کرتے ہو دیکھو سالک
تیری رفتار سے کیا جانے رہے کیا ہو کر

مجھ ناتواں پہ حشر میں وہم وفغاں غلط
تم بھی وہی کہو تو کہیں سب بجا درست
گرمی سے اُسکے حسن کی کسکا جگر جلا
کہیے اسیر خواہش سنبل کوئی ہوا
سچ ہے کہ آدمی کو غرض آدمی سے ہے
کھکر تمام سالک غمگیں کا ماجرا

کھویا برہنگی کو مری سر سے پاؤں تک

یہی طول شب غم ہے تو سالک
سینہ میں اک کھٹک تو ہے گو اور کچھ نہیں
کھو دیا کرتے ہیں عشاق اسی طور سے جاں
کام سالک نکل آتا ہے وہ نادانوں سے

ہو جائے گر وصال بتاں کی دعا قبول
چپ چپ پڑے ہوئے تھے ابھی خانقاہ میں
یہاں بھی زمیں پر نہ ٹکے پاؤں ایک جا
مایوس و ناامید ہیں کیا مدعا سے ہم
کاش اے سپہر تجھسے بھی رکھتے تو سہل تھیں
تم آ گئے تو ہوش کہاں میزباں ہو کون

آج اُس کوچہ سے آیا ہے مگر تو ہو کر
عیش بھی ہمکو ملا ہے غم فرسا ہو کر
ہائے نادان بنے جاتے ہو دانا ہو کر
کچھ قیامت نہیں رہ جائے جو بر پا ہو کر

میں گفتگو کی تاب رکھوں یہ گماں غلط
میں بھی وہی کہوں تو کہے اک جہاں غلط
تشبیہ مہر و رخ سے نکوے بتاں غلط
دینی مثال کاکل عنبر فشاں غلط
واعظ بیان دلکش حور جناں غلط
میں نے کہا غلط ہے تو بولے کہ ہاں غلط

کیا ٹھیک آ گئی مرے تن پر قبائے داغ

قیامت ہمپہ گذرے گی سحر تک
اے چشم وچشم یار کہیں یہ نہ جائے دل
تم نے پروانہ کے جلجانیکو سمجھا مشکل
جان لیتے ہیں جسے مردم دانا مشکل

ساری خدائی مانگ لیں سالک خدا سے ہم
کچھ کچھ کھلے ہیں بیعت پیر مغاں سے ہم
گردش میں کم رہے نہ کبھی آسماں سے ہم
کھنچے ہیں اور کھنچتے ہیں کس التجا سے ہم
وہ خواہشیں جو کھتے ہیں اس بے وفا سے ہم
آج آپ اپنے گھر میں ہیں کچھ میہماں سے ہم

دل جہان سے اٹھائے بیٹھے ہیں
سبکو دیکھے دکھائے بیٹھے ہیں

چاک دامن یہ کہہ رہا ہے کہ ہم
دل کے ٹکڑے اڑائے بیٹھے ہیں

یہ بھی ہوگا اے ستم ایجاد تجھسا ہی کبھی
شوخیاں ابتک جوانی کی ہیں چرخ پیر میں

دیدۂ طوفاں فشاں اتنی تو فرصت دے کہ میں
خشک کرلوں سوزش داغ جگر سے آستیں

ماجرائے اشک خونیں کب ہوا سالک رقم
باندھ دی بازوئے مرغ نامہ بر سے آستیں

کب دیکھنے قفس سے رہائی نصیب ہے
کیا آمد بہار کی ہم آرزو کریں

یاں مثل گل ثبات ہے یکدم ذرہ اے نسیم
باغ جہاں میں کیا ہوس رنگ و بو کریں

جنون عشق ہی مجکو خجل کیا ہوں ندامت سے
گریباں ہی نہیں ناصح کہ منہ ڈالوں گریباں میں

تری صورت نہ تھی گر نقش ای عالم فریب اسمیں
تو کیا تھا پھر نگین خاتم دست سلیماں میں

سر شک افشانیوں نے جوش وحشت کا ہر اکھو یا
کسی جا خاک اڑانے کو نہیں ملتی بیاباں میں

بنا ہیں آدمی اس خاک سے تو حال ظاہر ہے
کہ کیا کیا حسرتیں مٹی ہوئی ہیں کوئے جاناں میں

سر لگا ہے انکے قدموں سے مرا حیران ہوں
اپنے سجدہ کا نشاں یا انکا نقش پا کہوں

وسعت آباد دل مشتاق - وصل یار - کو
"آرزو کا یک جہاں" "امید کی دنیا" کہوں

شگاف ڈالے ہیں سیلاب گریہ نے یاں تک
کہ فرق اب مرے دیوار و در میں خاک نہیں

اڑائی خاک یہاں تک جنون الفت میں
کہ لوگ کہتے ہیں سالک کے گھر میں خاک نہیں

اب اجل کیونکر آئیگی دیکھوں
وہ عیادت کو آئے بیٹھے ہیں

کرتے ہیں یوں دعا کہ ہم گویا
ہاتھ اثر سے اٹھائے بیٹھے ہیں

تم بھی کر جاؤ پائمال کہ ہم
نقش ہستی مٹائے بیٹھے ہیں

یوں پوچھتے ہیں حال کہ سمجھے نہیں گویا
ہم خوب سمجھتے ہیں کہ سمجھائے ہوئے ہیں

جب تھک کے تری راہ میں بیٹھے تو کہا چال
جو کھوئے گئے ہیں وہی کچھ پائے ہوئے ہیں

زانو پہ ہے سر بیٹھے ہیں دروازہ پہ سالک
کیا محفل جاناں سے نکلوائے ہوئے ہیں

زہد میرا ہی تو ریائی ہے — سچ ہے زاہد گناہ گار ہوں میں
فرقت میں ہوا ہوں زندہ درگور — عیسیٰ سے کہو مجھے جلائیں
آجائے گا فرق نازکی میں — محفل سے مجھے نہ وہ اٹھائیں
رکھی تھی ایک "چھیڑ" اسی دل میں خراش کے — تیشہ کے زخم میں یہ مزا کوہکن کہاں
قیمت دل چاہئے بوسہ کئی — آگئے جو آپ سے ترے ایمان میں
پوچھتا کیا ہے ہماری زندگی — جیتے ہیں پر موت کا ارمان ہے
اعتبار نگہ ناز ہے کیا کیا انکو — قتل کو آتے ہیں پر ہاتھ میں شمشیر نہیں
رخصت اک دم کی اسیران قفس کو صیاد — کہ اب آجاتے ہیں اتنا تو چمن دور نہیں
بدگماں مرگ سے ہے چارہ حرماں مطلب — ہوس خلد نہیں آرزوئے حور نہیں
کیا کہوں حالت بتائے امید جواب — کوئے جاناں میں چلا جاؤں مقید تو نہیں
کبھی لکھتا ہوں کہ قاصد کو کیا قتل اس نے — کبھی لکھتا ہوں کہ ایسا کہیں دستور نہیں
دل کے دو حرف ہیں اور وہ بھی جدا آپس میں — چاہتی مجمع احباب کو تقدیر نہیں
پوچھتے ہیں کہ مجھے غیر کے گھر دیکھا تھا — جان کے خوف سے کہدیتے ہیں - "مجبور نہیں"
پائے جاتے ہیں ترے داغ جگر کے اطوار — گرچہ اب تک ہی کھٹکتے ہیں کہ ناسور نہیں
ہوں وہ خود رفتہ خدا جانے کہاں دل کھویا — یاد آیا ہے تو اتنا کہ مجھے یاد نہیں
سو گئے پاؤں بھی کیا تیری طرح سے اے بخت — یہ در یار ہے اور طاقت رفتار نہیں
ظلمت بقدر سایہ بڑھی اور بخت میں — ہوتی ہے یاں سعادت ظل ہما کہیں
کاروائی قضا دیکھئے کیا کرتے ہیں — روز ہم "روز جزا - روز جزا" کرتے ہیں
کٹ گئی عمر یوں ہی حضرت ناصح افسوس — ہم سنا کرتے ہیں اور آپ کہا کرتے ہیں
یاں وہ آزار پسندی ہے کہ اس قسمت پر — چرخ سے ہم گلۂ بخت رسا کرتے ہیں
جنکو تقدیر نے دی روشنئ تیرہ بخت — شمع کو وقف رہ باد صبا کرتے ہیں

یہ وفا اپنی وہ ظلم آپ کے سب جان گئے
جسکو ہم راز سمجھتے ہیں وہ اب راز نہیں

شب غم زمزمہ سنجان سحر کیوں ہیں خموش
گر مرا لخت سیہ سرمۂ آواز نہیں

جو نہ مانی سے کھنچے ہے وہ نظر میں اپنی
تیری تصویر کو کچھ حاجت پرواز نہیں

کچھ تغیر مرے احوال پریشاں میں نہیں
ایسے عالم میں ہوں جو عالم امکاں میں نہیں

صبح محشر بھی دکھائی نہیں دیتی یارب
روز بد بھی تو نصیب شب ہجراں میں نہیں

وحشت عشق کو ثابت قدمی بھی ہے ضرور
قیس کا نقش قدم تک بھی بیاباں میں نہیں

ہوگیا ذوق فزائے خلش یاد مژہ
کون کہتا ہے کہ لذت ترے پیکاں میں نہیں

دشت وحشت میں اڑے پھرتے ہیں آرام سے ہم
جو صفت ضعف میں ہے تخت سلیماں میں نہیں

دیکھنا شوق شہادت میں اور اُن سے یہ کہوں
آپ سی لاکھوں لئے پھرتے ہیں خنجر ہاتھ میں

چاہیئے اتنا تو چشم مست ساقی کا اثر
ہاتھ سے اس کے لیا جائے نہ ساغر ہاتھ میں

ہوتی ہے رحم و نزاکت میں لڑائی کیا کیا
سر بیمار جو زانو پہ وہ دھر لیتے ہیں

پھرتے ہیں داد خواہ ترے حشر میں خراب
تو پوچھتا نہیں تو کوئی پوچھتا نہیں

اُسکے کوچہ میں جو سالک گئے کچھ نالے
سنکے بولا کہ یہیں ہوں فلک پیر نہیں

کھلنے کا غیر کے تو کسی کو یقیں نہیں
پر تیری آنکھ راز کی تیرے امیں نہیں

تو ہمارے ساتھ ہے ہر حال میں
ہمکو خلوت میں بھی تنہائی نہیں

بند تھیں آنکھیں تو کچھ پروا نہ تھی
کھل گئیں آنکھیں تو بینائی نہیں

یار سمجھے ہیں ہم اسے کہ جسے
چاہیے عمر یار ہونے کو

رگ رگ میں نیش عشق ہے اے چارہ گر مری
یہ درد وہ نہیں کہ کہیں ہو کہیں نہ ہو

اپنے ہاتھوں سے اگر قتل کرو تم مجھکو
نہ سنوں حضرت عیسیٰ جو کہیں تم مجھکو

دیکھلو اُسکو کہ ہے مجھسے سوا گردش میں
آسماں ہو کے ستانا نہ کہیں تم مجھکو

آپ ہی سوچ کے برسوں میں نکالوں تدبیر
اور پھر آپ ہی پھر دوں ہو تبسم مجھکو

میرے سینہ میں جگہ پانی بہت دشوار تھی
خط پیشانی نہیں مٹتا مٹائیں لاکھ ہم

سالک جو صبح تک نہ کئے جاویں فغاں
ٹوٹے اگر فلک تو نہ ہو سرنگوں کبھی

کہوں احوال یا دیکھوں کروں کیا
شام ہی سے مجھکو مرنا تھا کہ سالک اُڑ گئی

جب سے یہ سن چکے ہیں کہ ہم خاک میں ملے
شرمندۂ بتاں نہ ہوئے لاکھ لاکھ شکر

نہ ڈریں خلد میں جو جاتے ہیں کہ ہو رضواں سے
محشر غدر سے بھی مٹ نہ سکا اسکا وجود

مٹ گئے پھر بھی تو ملتا نہیں دلّی کا جواب
غالب و شیفتہ ثاقب سے بنا ہے گویا

کیا شے ہے عشق بھی کہ گیا دل گرہ سے اور
سالک اگر ہے سانس تو باقی ہو آس بھی

کنج مزار میں بھی وہی اضطراب ہے
بے پردہ میرے سامنے آتے ہیں اسطرح

اے نالہ پردہ ہائے فلک کھوج بکدے تمام
لاغر یہ ہوں کہ شب ترے در پر پڑا رہا

جتنی آہیں لب سے نکلیں اُسقدر مطلب نہ تھے
اس ضعف میں اٹھ کر ترے کوچہ سے چلا ہوں

دیکھوں گا تیرے فتنۂ رفتار کا عالم

تیرے مژگاں کی نہ صورت گر بناتی تیر کو
مل گئی تھی کیا سیاہی کاتب تقدیر کو

بیدار شب کو زاہد خلوت گزیں نہ ہو
جنکی نظر میں جلوۂ بالائے بام ہو

قیامت سامنے ہو تم کہاں ہو
نیند اسکی شیون اہل عزا سے رات کو

نیچی نگاہ بھی نہیں کرتے حیا کے ساتھ
سالک خدا نے ہم کو اٹھایا دغا کے ساتھ

اسکے دروازے پہ رک جائیں خبردار کیساتھ
ہے الگ عالم فانی سے جہان دہلی

کوئی ڈھونڈے تو اسی پر ہو گمان دہلی
بلّی ماروں کا محلہ صفاہان دہلی

بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے شرمسار سے
مایوس ہو نہ رحمت پروردگار سے

دل ہے کہ اک فرشتۂ قہر و عذاب ہے
گویا کہ انکے دیکھنے کی مجھ میں تاب ہے

کچھ تو اُدھر کا حال بھی ہوتے عیاں مجھے
ڈھونڈا کیا چراغ لئے پاسباں مجھے

میں نے کیا اظہار درد ہجر میں تقریر کی
شاید مرے مریگی بھی وال تک خبر جائے

ہر چند قیامت ہی مرے سر پہ گذر جائے

اس علوِ شان کی کیا انتہا ۔۔۔ وہ کبھی اُترے نہ میری یاد سے
اب بھی زباں نہ بند ہو ناصح ہزار حیف ۔۔۔ ٹکڑے ہزار میرے گریباں کے ہو چکے
آجاؤ اب بھی لب پہ نہ آجائے اور کچھ ۔۔۔ شکوے تمام گردشِ دوراں کے ہو چکے
اٹھو اٹھیں گے حشر اٹھا کر ہم ۔۔۔ کیوں نظر سے گرا دیا تو نے
یوں وفا کی کہ خود وہ بول اٹھے ۔۔۔ کس ستمگر سے کی وفا تو نے
پہونچے عدو کے گھر میں تو دامن جھٹک دیا ۔۔۔ ہم خاک بھی ہوئے ہیں تو مٹی خراب ہے
نہ پوچھو مجھسے نالہ کو کہ کیا ہے ۔۔۔ شکستِ شیشۂ دل کی صدا ہے
سنے اور بگڑے جو با تو نہیں تیری ۔۔۔ وہ اپنے خانۂ دل کی بنا ہے
دوست کے نامہ میں دشمن کی بدی تحریر کی ۔۔۔ جان سے بیزار تھا مرنے کی یوں تدبیر کی
مرگِ عاشق کی سنکے سب روداد ۔۔۔ پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا آگے
ہنسو بولو کھلے خوبی زباں کی ۔۔۔ خموشی بات کھوتی ہے وہاں کی
گویا کہ بنا ہی نہیں کچھ اور جہاں میں ۔۔۔ آتا ہے نظر وہی جہاں تک کہ نظر جائے
پروانے جلکے خاک ہوئے شمع رو چکی ۔۔۔ تاثیرِ حسن و عشق جو ہونا تھی ہو چکی
کہتا ہوں اپنا حال بہت اختصار سے ۔۔۔ آگاہ ہوں درازیٔ روزِ شمار سے
دستِ کلیم سوزِ دردِ دل کا گواہ ہے ۔۔۔ ممکن نہیں کہ رازِ محبت نہاں رہے
ہو چکی تعظیم دشمن کی کہیں ۔۔۔ لے زیارت گاہ محشر دیکھیے
بار ورنہ تک بھی نہیں اور شوق یہ ۔۔۔ بزم میں اُنکی برابر بیٹھیے

سالک

سالک ـ منشی عبدالحمید خاں ـ آپ بٹالہ ضلع امرتسر کے باشندے ہیں۔ فن سخن میں منشی حیات بخش رسا مرحوم کے شاگرد ہیں طبیعت شوخ پائی ہے۔ اگر مشق سخن قائم رہی تو آئندہ اچھا کہنے لگیں گے۔ ابھی محض مبتدی ہیں۔ کلام یہ ہے۔

زباں کو کاٹ دو قلبِ حزیں کو کیوں جلاتے ہو ۔۔۔ بھلا تقصیر کیا ہے اے بتو اس بے زباں کی

چمن ہی یار ہے ساقی ہے اور ابر بہاری ہے	تمنا آج پوری کرسکے اے پیر مغاں لکی

سالک

سالک منشی سالک بی اے ۔ آپ قصبہ گڑوا ضلع بلیا کے رہنے والے ہیں منشی لکھپت لال صاحب سریواستو کایستھ کے صاحبزادہ ہیں اور خود تحصیل غازی پور میں سپرو رائزرو قانون گو ہیں ۱۸۶۱ء سال پیدایش ہے مدرسۂ چشمۂ رحمت میں تعلیم پاکر ۱۸۸۰ء میں کچھ انگریزی بھی پڑھی فن شعر میں حضرت تمنا لکھنوی سے تلمذ ہے اور انکے ارشد تلامذہ سمجھے جاتے ہیں ۔ زبان میں متانت ہے ۔ خیالات میں حسن و عشق کیساتھ اخلاق کی چاشنی بھی پائی جاتی ہے ۔ بلند مضامین کو سادہ بندشوں میں ادا کرتے ہیں ۔

آپکی تصنیفات سے دیوان ریختہ اور کلام نعت شایع ہوچکا ہے ۔ تاریخ میں بھی اچھی مہارت ہے ۔ منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم کی وفات کا مادہ تاریخ یہ نکالا ہے ؎ از جہاں رفت بلبل شیراز ۔ آپ مضمون آفریں ۔ نازک طبع شاعر ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

اثر اعجاز دکھلائے اگر بیتابی دل کا	بتوں کی بیوفائی میں ہوا عالم مرغ بسمل کا
چرا کر لیگئی کس کی نگاہ ناز سینہ سے	خدا جانے ہوا کیا کچھ پتا چلتا نہیں دل کا
عدو جبتک نہ دے گا صبر ہم راحت نپائینگے	تمنا حشر تک پیچھا نہ چھوڑیگی مرے دل کا
طائر دل تیر مژگاں کا نشانہ ہو گیا	خوں رونے کیلئے مجھکو بہانہ ہو گیا
نہیں مشکل زبان شمع یارا جنکو کہنے کا	وہ دل ہی دل میں گھٹا کرتے ہیں ہر شب اپنے جینے کا
یہ عقدہ ہوگیا حل جب کھلا یہ از ہستی کا	کہ عالم اک مرقع ہے بلندی اور پستی کا
تصدق کرسکے نعمت الوان غریبوں پر	اگر چکھ لے مزا اک روز خوان فاقہ مستی کا
پڑے ہیں لاکھوں اہل تاج جسکا ایک کونے میں	میں سالک رہنے والا ہوں اسی آبادبستی کا
ملوں گا خاک میں بھی تو رہوں گا رہنما ہو کر	بتاؤں گا میں سب کو راہ سالک نقش پا ہوکر
دوست تو دوست ہی دشمن سے بھی ہو ربط مجھے	دل میں ہر شخص کے رہتا ہوں تمنا ہوکر
جی میں ہے مرمٹوں لیکن نہ جگہ سے اٹھوں	تیرے کوچہ میں رہوں نقش کف پا ہوکر

ہرگز نہ تڑپ لے دلِ مضطر تہِ خنجر
جی بھر کے تجھے دیکھ تو لوں ہیں دمِ آخر

لگاتے ہیں گلے عاشق کو محشر میں خوشامد سے
نگاہِ ناز اُدھر اٹھتی نہیں قہر و تکبر سے

جوانی کی امنگوں پہ عبث الزام ہو سالک
دم ہی تک سب کچھ ہے سالک دم نہیں تو کچھ نہیں
ساری دنیا کی مسرت بھی جو حاصل ہو تو کیا

انصاف کی کسی سے توقع نہیں اگر
ناز و ادا سے پوچھوں کہ ترچھی نگاہ سے

کر وہ کام ہرگز جو تری طاقت سے باہر ہو
آتا ہے ہر کمال مصیبت اٹھا کے ہاتھ

کیا حال پوچھتے ہو بتوں کے غرور کا
برنگِ بدر گو کیسا ہی کامل کیوں نہ ہو کوئی
یہ سب کس طرح گھر کیے ہیں اک عالم کی آنکھوں میں

مر رہے ہیں پاس ہم کن کے لیے
دل لگایا نوجوانی میں تو کیا
ایک بوسہ جو نہ دیتے تھے کبھی
خلق میں بدنام ہم کو کر گئی
لگا کر دل پشیمانی نہ ہوتی

فلک پر دیکھ کر تارے شب فرقت یہ ہم سمجھے
رخِ پرنور کی رونق بڑھی ہے جیسی بالوں سے

یہ شہرِ طرزِ وفا ہے نہ ہلے سر تہِ خنجر
دم لینے دے قاتل مجھے دم بھر تہِ خنجر

لہو کا جب وہ دھبا دیکھتے ہیں اپنے دامن پر
ادھر چشمِ کرم سے التجائیں ہوتی جاتی ہیں
ضعیفی میں بھی جب ہم سے خطائیں ہوتی جاتی ہیں

ساری دنیا ہو تو کیا جب ہم نہیں تو کچھ نہیں
آدمی کے دل میں تیرا غم نہیں تو کچھ نہیں

لب آشنائے شکوۂ بیداد بھی نہیں
دل کون لے گیا ہے مجھے یاد بھی نہیں

وہیں تک پاؤں پھیلانا ہے لازم جتنی چادر ہو
پایا کلیم نے یدِ بیضا جلا کے ہاتھ
لیتے نہیں سلام کسی کا اٹھا کے ہاتھ

لگا دیں داغ کچھ ایسے جو پوچھو عیب بینوں سے
کسی دوست کو تو چھپا جائے پردہ نشینوں سے

جان لینا کھیل ہے جن کے لیے
جو کریں زیبا ہے اس سن کے لیے
رات بوسے انکے گن گن کے لیے
نوجوانی آ گئی دو دن کے لیے
سمجھ لیتے تو نادانی نہ ہوتی

کہ چلتے چلتے پاؤں چرخ میں چھالے پڑے ہونگے
نہ اس خوبی سے گرد مہر و مہ چھالے پڑے ہونگے

ہنر سے تو خالی ہیں دنیا میں لاکھوں	مگر عیب سے کوئی خالی نہیں ہے

سالک

سالک ۔ ارشاد علی صاحب ۔ آپ بھوپال کے باشندے تھے ۔ غدر سے پہلے لکھنؤ میں عرصہ تک رہے اور وہیں میر ہادی علی صاحب بیخود مرحوم سے تلمذ اختیار کیا ۔ تذکرہ سراپا سخن سے کلام منتخب ہوا ۔

کس طرح آئے اُس بت چیں کی نظر کمر	چینی کے بال سے بھی ہے باریک تر کمر
یادِ میانِ یار میں روؤں جو ایک پل	بھر جائے صحن خانہ میں پانی کمر کمر
سالک کوئی خطا میری ثابت نہیں ہوئی	باندھی ہے ترک چشم نے کیوں قتل پر کمر
نہ ہوں میں کبھی نظروں میں حسینوں کی ذلیل	چھوڑ دیں حسن پرستی کا جو لپکا آنکھیں
محو خوباں کبھی کرتی ہیں رلاتی ہیں کبھی	آفتیں لاتی ہیں انساں پہ کیا کیا آنکھیں
چند روزہ ہے بہار چمنستان جہاں	کھول نرگس کی طرح بھر تماشا آنکھیں
ابر کی طرح جو ہمیشہ آنسوؤں کا برسا دیں	پاٹ دریا کا کریں دامن صحرا آنکھیں
اب کھلا حالِ پریشان نظری اے سالک	رکھتی ہیں گیسوئے پُرپیچ کا سودا آنکھیں

سالم

سالم ۔ عالیجناب معلی القاب نواب میرزا محمد جعفر علیخاں بہادر تعلقہ دار و نواب شیش محل " رئیس اعظم لکھنؤ ۔ آپ بڑے عالی خاندان رئیس ہیں ۔ آپکے والد ماجد شرف الدولہ نواب میرزا محمد امجد علی خاں بہادر کے دربار شاہی میں جنرل فوج تھے اور جد اعلیٰ منتظم الدولہ حکیم مہدی محمد علی شاہ و امجد علیشاہ شاہان اودھ کے زمانہ سلطنت میں وزیر اعظم تھے ۔ آپ حسین آباد سے پانچسو روپیہ ماہوار کا وظیفہ پاتے ہیں ۔ نواب باقر علیخاں جو آپکے بھائی ہیں انکی ریاست میں دس سوا دس گانو کے قریب شامل ہیں اور آمدنی دو لاکھ سے متجاوز ہے ۔ لکھنؤ میں اس خاندان کا تمول ضرب المثل ہے ۔

نواب صاحب موصوف بڑے مخیر آدمی ہیں ۔ کئی بار حج اور زیارت کربلا و نجف سے مشرف ہو چکے ہیں ۔ آپکے خاندان کا جو اعزاز و وقار گورنمنٹ کی نگاہ میں ہے وہ اظہر من الشمس

ہے۔ آپ آرم ایکٹ سے مستثنے ہیں۔ ۶۶-۶۷ برس کی عمر ہے۔

آپ خلیق و ملنسار ہیں۔ علم دوست ہیں۔ عربی فارسی کے سوا انگریزی۔ ناگری میں دخل ہے شعرگوئی کا از حد شوق ہے۔ شکار کے دلدادہ ہیں۔ اکثر فنون سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ کلام میں گرمیٔ تاثیر۔ لطف زبان۔ مضمون آفرینی۔ متانت۔ سلاست۔ سب کچھ موجود ہے۔ سخن آفرینی کی جدت اشعار ذیل سے ظاہر ہوتی ہے۔

زبان نے پرسش اعمال میں کیا مجبور
خدا کے سامنے نام بتاں نکل آیا

جو یاد آگئے احباب شب غربت میں
جگر سے آہ تو منہ سے دہواں نکل آیا

پلائی ساقیٔ مہوش نے تند مے ایسی
گری بھی بوند جو منہ سے دہواں نکل آیا

تاریخ انتقال پر ملال شہزادہ سلیمان قدر بہادر مرحوم و مغفور

خسرو عالی ہمم رشک سلیمان زمن
قدر سے جسکی فزوں تھی عزو شان سلطنت

چھوڑکر اسنے جہاں خلد بریں کی راہ لی
زینت تخت شہی تھا وہ نشان سلطنت

فکر جو سالم نے کی آئی صدائے غیب سے
لکھ یہی تو رحلت جان جہان سلطنت

صاف آیا مادہ خبر کا کیا جو تخرجہ
آج او دھ سے مٹ گیا نام نشان سلطنت

کسکے گیسوئے شب رنگ جب ہم یاد کرتے ہیں
دہواں منہ سے نکل جاتا ہے یوں فریاد کرتے ہیں

شگفتہ جو رہا باد خزاں میں بھی میں وہ گل ہوں
وہ بلبل ہوں کہ جسکی پرورش صیاد کرتے ہیں

جو ہچکی موت کی غربت میں کچھ بیمار کو آئی
تو یہ سمجھا کہ یاران وطن اب یاد کرتے ہیں

تن سے سدھاری جان حزیں دل اداس ہے
وہ کارواں لٹا ہے کہ منزل اداس ہے

کیونکر کہوں کہ یار کی محفل اداس ہے
کوئی نہیں اداس مرا دل اداس ہے

غصہ میں آکے اسنے مجھے قتل تو کیا
پر دیکھ لو کہ چہرۂ قاتل اداس ہے

دل سوز گر ہماری لحد پر نہیں کوئی
اے کاش اک چراغ ہی شب بھر جلا کرے

مری آہوں پہ بولے منہ بنا کے
یہ کیسے گرم جھونکے ہیں ہوا کے

قیامت ہے اگر قاتل نہیں ہو
مری تربت کو ٹھکرا دو تو آ کے

کیا تو اس نے جھنجھلا کر مجھے قتل
مگر تا دیر رو یا سر جھکا کے

کسی نے سوز ہجراں کو جو پوچھا
تو میں نے شمع دکھلا دی جلا کے

کیا یوں کشتہ اک تیر نظر نے
قضا چلائی قرباں اس ادا کے

ڈبویا نام عشق اے سخت جانی
گیا قاتل پسینہ میں نہا کے

جو سیر کو مرے دل میں وہ لالہ رو آئے
وفا کی ہر گل داغ جگر سے بو آئے

یہ ڈر مزاج سے اس تند خو کے ہے یارب
کہ وصل میں نہ جدائی کی گفتگو آئے

جو آپ آئیں تماشہ کو میری فصد کیوقت
تو سب رگوں سے مرے بجائے لہو آئے

وہ بد نصیب ہیں کشتاں نہ ہو سر سبز
جلائے برق اسے جب ہم سم نمو آئے

بگڑ نہ جائے شب وصل میرا کام کہیں
تجھے خدا کی قسم اے حیا جو تو آئے

سنا ہے خلد میں حوریں ملینگی انساں کو
خدا کرے مرے حصہ میں یار تو آئے

سالم

سالم ۔ نواب میرزا مبارک حسین خاں خلف نواب بندہ علیخاں زیبا مرحوم لکھنوی ۔ آپ خاندانی شاعر ہیں قدیم مذاق پر لوٹ ہیں تخیل خاصی اور نشست الفاظ پاکیزہ ہے ۔ غالباً اپنے والد سے تلمذ ہے ۔ کلام یہ ہے ۔

کیوں تھم گیا ہے درد جگر ہجر یار میں
قسمت میں میری لذت آزار بھی نہیں

دل سے مذاق عشق میں رہتی ہے دل لگی
گر کام کا نہیں ہے تو بیکار بھی نہیں

قتل کے سامان نظر آتے ہیں یارب خیر ہو
غنڈا میں بل کھا رہے ہیں دوش پر گیسو کے دو

عشق کے عالم سے پھر تا دیر آنے ہوش ہیں
زیر سر قسمت سے ملجائے اگر زانوئے دوست

سامان

سامان ۔ میر محمد ناصر آپ کا اصلی وطن جونپور تھا ۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں وارد شاہجہاں آباد ہوئے تھے ۔ تذکرہ شعرائے ہند شوق میں انکے دو شعر درج ہیں جو یہ ہیں ۔

اٹھیں کیونکر نہ اس دل میں بھبو کے
کبھی آشنا تھے ہم کنو کے

رقیب اسطرح جلتے ہیں ہمیں دیکھ	گویا رشتہ میں ہیں اُس شمع رو کے

سائل ۔ جلیل شاہ خلف شاہ پیارے لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ شاہ بدیع الدینؒ کی درگاہ کے خدام سے تھے۔ میر سوز کی طرز میں شعر کہنے کا شوق تھا طبیعت اس فن کے مناسب اور درد انگیز پائی تھی۔ کلام میں محاورے زیادہ لکھتے تھے بعض بعض مصرعوں میں پوری ضرب المثل نقل کر دیتے تھے۔ شوق کے تذکرہ میں کچھ شعر نظر سے گذرے ہیں جنکا انتخاب درج ذیل ہے ؎ سائل

برنگ آب تو ہر رنگ میں فنا ہو جا	اگرچہ غیر بھی ہووے تو آشنا ہو جا
نہ پاوے آپکو اپنے میں ڈھونڈنے سے آپ	حباب وار یہاں جسکی آنکھ وا ہو جا
جب سے بیٹھا گوشۂ خاطر میں پھر نکلا نہ اُف	کس کمان ابرو کا ایسا جا کے دل پہ تیر تھا
نالہ کیسا کہ مڑ نہ دیکھا	کیا تھا جو ہم نے کر نہ دیکھا
ادہر ہوے جب خجستی سے اپنی	پھر آپ سے کچھ ادہر نہ دیکھا
چشم ساقی سے کبھی بھر کے اشارہ نہ ہوا	دور اس جام کا افسوس دوبارہ نہ ہوا
نہ ہوگی جوانی نہ یہ سوز فردا	کوئی دم میں ہو ویگا امروز فردا
کہاں تک کروں صبر وعدوں پہ تیرے	وہ ہو ویگا امروز کس روز فردا
ترے بیقراروں کو بن دید ہرگز	نہ امروز شادی نہ امروز فردا
غنیمت ہے سائل کوئی دم کی فرصت	خدا جانے کیا ہووے امروز فردا
اک عمر ہوئی صرف ہمیں سیر میں لیکن	جوں موج وطن سے کہیں آگے نہ گئے ہم
کس فکر سے جنگل میں پھرتا ہے تو آوارہ	جو دم ہے سو لے ناداں ہے کوچ کا نقارہ
کیا پوچھے ہے تو مجھسے جو چاہے سو کر ظالم	ناچاروں کی کیا قدرت بے چاروں کا کیا چارہ
بسان نقش قدم یہ قدم نہ چھوڑینگے	چلے چلو مرے صاحب جدھر کو جی چاہے
منظور نظر اس بت گلفام کے ہوتے	اے کاش اگر ہم بھی کسی کام کے ہوتے

کس کی الفت نے یہ اپنا ہمیں پابند کیا
یاں سے سو بار اٹھے اٹھ کے چلے بیٹھ گئے

جس گھڑی بام پہ دیکھا تجھے رشک خورشید
سایہ ساں ہم وہیں دیوار تلے بیٹھ گئے

کوئی دم اور نہ آتے تو نہ پاتے ہم کو
ہم تو گھر آ کے چلے تھے پہ بھلے بیٹھ گئے

پھرا خدا ہی سے جب وہ تو پھر کیا ہوں میں
قرار تھا کہ جو تجھ سے پھرے خدا سے پھرے

ملول آتے ہیں کس طرح حضرت سائل
کہاں گئے تھے خدا جانے کچھ خفا سے پھرے

رباعی

کیا فرقت اسیران بلا ہوتی ہے
آرام و قرار و صبر سب کھوتی ہے
سائل نہیں جنبش مژہ یہ واللہ
ملتے ہی یہ آنکھ ہاتھ بھر روتی ہے

دیگر

یہ مہر تاباں ہے خوب ہر چند ولے
ہے سحر میں کس کو تاب جو ہاتھ ملے
کیا دید بتاں کو جانے سائل کوئی
روزے کو گئے نماز پڑتی ہے گلے

اسکو غیروں ساتھ صحبت گرم دن اور رات ہے
ہم سے اب صاحب سلامت ملنے کی بات ہے

تجھ سوا ہم بیکسوں کا کون ہے اے بیکسی
آشنا یا دوست جو کچھ ہے سو تیری ذات ہے

تنہا چمن میں کیا کریں ہم رہ کے اے صبا
مشفق گئے شفیق گئے آشنا گئے

میاں خوش رہو کیوں عبث ہو خفا سے
جو کچھ تم سے ہوگا سو ہوگا خدا سے

امید وفا محض بے دانشی ہے
کسی دوست سے یار سے آشنا سے

نہ پوچھا کبھی تو نے احوال سائل
مرد یا جیو کوئی تیری بلا سے

باطن کی تو حق جانے ہے ظاہر اسباب
اس دم تو ہماری روح تازی کر دی

معلوم ہوا القول شخصے۔ لیکن
”دے دوست بمن زمانہ سازی کر دی“

اُسے کر کے رخصت بہت روتے آئے
سر شکوں سے تخم وفا بوتے آئے

نہ تھا آج کوچے میں اُس بت کے کوئی
ہمیں اور سائل۔ ابھی ہوتے آئے

واقف نہ تھے ہم یاں کے غم و رنج والم سے
ہستی ہمیں پھسلا کے لے آئی ہے عدم سے

افسوس کہ یک چند بھی تو نے نہ نباہی
سائل کو تو کیا کیا نہ گماں تھے ترے دم سے

معلوم حال حضرتِ سائل نہیں ہمیں — کیا جانیے یہاں ہی رہتے ہیں تشریف لے گئے

سائل

سائل - منشی کنھیا لال صاحب - آپکا وطن بلند شہر ہے - سیدھا سادہ کلام ہے مگر زبان میں تاثیر کی جھلک پائی جاتی ہے - یہ اشعار آپ کی فکر کا نتیجہ ہیں -

کیا سبب کیوں مری تقدیر نہ جاگی اب تک — میرے نالوں نے تو سوتوں کو جگا رکھا ہے
ساغرِ مے کی تمنا نہیں مجھکو ساقی — انکھڑیوں نے تری بے ہوش بنا رکھا ہے
بہرِ تسکینِ دلِ زار شبِ غم ہم نے — انکی تصویر کو چھاتی سے لگا رکھا ہے
اسلیئے نالہ کناں ہوں کہ قیامت ہوجائے — وصل کو حشر پہ اُس بت نے اُٹھا رکھا ہے
مجھکو اس رشک کے صدمے نے گھلایا سائل — ان کو دشمن کی محبت نے ستا رکھا ہے

سائل

سائل - حکیم عبد الحق صاحب خلف شاہ ابو الحسن قادری - آپ موضع بچھنیہ ضلع مونگیر کے ساکن اور خواجہ وزیر و حضرت امیر مینائی لکھنوی کے شاگرد تھے عرصہ ہوا کہ آپکا انتقال ہوگیا چند شعر ہدیہ ناظرین ہیں جن سے آپکی کہنہ مشقی ظاہر ہوتی ہے -

شوق ہی اپنے گنہگار دل کو چو رنگ کریں — نیچے یار کے ابرو میں تو خنجر پلکیں
کھیل مرغِ دلِ وحشی کا شکار ہے صیاد — دو نو آنکھیں تری شہباز ہیں شمشیر پلکیں
سوزشِ عشق سے جلتی ہیں یہ آنکھیں اپنی — پنجِ شانے کیطرح کھلتی ہیں شب بھر پلکیں

سائل

سائل - بندہ علی جناب لائق کے شاگرد ہیں - نو مشق معلوم ہوتے ہیں معمولی فکر کے شاعر ہیں - چند شعر درج کیئے جاتے ہیں -

کب تری ابرو نے خدا لگتے کاٹے نہ گلے — کب ترا تیرِ نظر دل کے مرے پار نہ تھا
اثر جادو کا ہے ان کی نگہ میں — ملاتے ہی نظر جاتا رہا دل
وعدۂ وصل آگیا نزدیک — دل نکر اضطراب کی باتیں

سائل

سائل - مشہور دیار و امصار سخنور جادو نگار شفیقی محبی - نواب مرزا سراج الدین احمد خانصاحب خلف الصدق سوم نواب شہاب الدین احمد خان ثاقب مغفور - ابن جناب نواب ضیاء الدین احمد

خاں صاحب نیّر مہر و رجاگیردار لوہارو۔

آپ ۲۰ شوال ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ چار برس کے ہوں گے کہ سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا اپنے جد بزرگوار کے سایۂ شفقت میں تعلیم و تربیت پائی اور فارسی کی درسیات خود ان سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ چنانچہ فارسی کی استعداد قابل داد ہے۔ اس خاندان کی شرافت اور علم و فضل کے اوصاف غیر محسوب ہیں۔ پہلے نواب ممتاز حسین خاں مرحوم سابق ریاست پاٹودی کی حقیقی بہن حضرت سائل سے منسوب تھیں پھر دوسرا نکاح نواب فصیح الملک میرزا داغ دہلوی کی متبنّیٰ دختر سے ہوا نیّر رخشاں کی وفات کے بعد ۱۸۸۵ء میں ریاست لوہارو سے سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوا تھا۔ اب عم نامدار نواب میرزا احمد سعید خاں صاحب طالبؔ کی (جو انکی شاخ خاندان کے رئیس تھے اور لاولد فوت ہوئے) وفات کے بعد لوہارو سے اڑہائی سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی بیگم صاحبہ کو سرکار نظام سے تین سو روپیہ ماہوار کا منصب ملتا ہے۔

آپ کو لڑکپن میں شاعری کا شوق ہوا تو شاہزادہ میرزا عبد الغنی ارشد مرحوم کے شاگرد ہوئے۔ پھر جناب داغ سے استفادہ حاصل کیا۔ اردو کے سوا فارسی کا کلام بھی اچھا ہوتا ہے بزم مشاعرہ کی طرز غزل سرائی قابل شنید ہے۔ اور اُسکی تقلید اکثر شعرا کرنے لگے ہیں اور انداز غزل خوانی کی پیرو ہیں

فصاحت اور بلاغت آپکے شاہد کلام کے چہرہ کا گلگونہ ہے۔ اور زبان کی سلاست دہلی کے روزمرہ کا اعلیٰ نمونہ۔ ہر صنف سخن میں آپکی دشوار پسند طبیعت نے گل کاریاں کی ہیں۔ بڑے بڑے مضامین کو چھوٹے چھوٹے لفظوں میں اسطرح نظم کیا ہے کہ پڑھکر حیرت ہوتی ہے آپ نے ہندوستان کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہو کر اپنی زباں دانی اور خوش بیانی کا سکہ جمایا ہے۔ اور جس مشاعرہ کی شرکت فرمائی ہے اس کو اپنا کر کے چھوڑا ہے ۱۹۱۲ء سے بزم سخن یعنی مشاعرہ جناب ہاشمی اس بات پر شاہد ہے کہ اُدہر تمام شعراے لکھنؤ کی

ٹولی اودا دہر صرف ایک مرد میدان سخن جناب سائل تھے لیکن پالا آپ ہی کے ہاتھ رہا۔ اور جماعت بندی کے ہوتے ہوئے بھی آپ ہی کی غزل پر بے اختیار ہوکر ہر مخالف اور موافق نے داد دی۔ آپ کا بیان ہے کہ میں نے شعر لکھکر کبھی نظر ثانی نہیں کی ہے کیونکہ میرے کلام میں نہ فلسفہ ہے۔ نہ الہیات۔ نہ استعارہ ہے نہ تشبیہات ہیں تو صرف اپنے گھر کی زبان اور اپنے شہر کی بولی ٹھولی ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں ادا کر دیتا ہوں۔ آمد کا یہ حال ہے کہ مشاعرہ کی غزل عین وقت پر لکھ لیتے ہیں۔ آپ علم عروض بیان معانی کو اچھا جانتے ہیں۔ الغرض فن سخن کے متعلق آپ کی معلومات نہایت وسیع اور مبسوط ہیں۔ شعرائے دہلی میں آپ ہر پہلو سے ممتاز اور سربرآوردہ سمجھے جاتے ہیں۔ کئی برس سے اصلاح کا سلسلہ جاری ہے۔ سو ڈیڑھ سو نومشق آپ سے فیض سخن حاصل کرتے ہیں۔

آپ غیور طبع بھی واقع ہوئے ہیں جیسا ایک غزل کے مقطع میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

تخلص میں معانی کا اگر کچھ پر تو ا ہوتا	تو سائل آپ میں یہ شان شوکت کہاں ہوتی

ایک شعر اسی پیمانہ کا اور ملاحظہ ہو ؎

سائل کو تم نہ چشم حقارت سے دیکھنا	نواب پانچ پشت سے اُسکا خطاب ہے

حضرت داغ کی آخر زندگی میں انکے پاس قیام رہنے کے باعث تمام تلامذہ مرحوم سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور اکثر نومشق شعرا کی خدمت اصلاح آپ سے متعلق تھی۔ مشاہیر تلامذہ مثل بیخود بدایونی۔ نسیم بھرتپوری۔ رشک۔ احسن۔ رسا۔ نوح سے انکے تعلقات ہمیشہ شگفتہ ہے بعض تلامذہ نے استاد کی وفات کے بعد انہیں جانشین بنانیکی تجویز بھی کی مگر چونکہ متعدد شاگرد اس منصب کے دعویدار پیدا ہوگئے اور خود حضور نظام نے کسی کی خاص طور پر اس سلسلہ میں پرورش نہیں فرمائی۔ اسلئے یہ تجویز بار آور نہ ہوئی۔

افسوس ہے کہ اب دہلی کی سرزمین میں شعر و سخن کی نشو و نما و ترقی کی صلاحیت نہیں رہی جو کچھ تھوڑا بہت مذاق باقی تھا۔ اسے مشاہیر کی تنگ خیالیوں اور آپس کی رقابتوں اور رشکوں

نے مٹا دیا چنانچہ اسکا نتیجہ ہے کہ بہت کم جلسے ایسے ہوتے ہیں کہ جنمیں سب مشاہیر شریک ہوسکیں اور باہم داد خوش گوئی دیں۔

آپ وضعداری میں اپنے اسلاف کا نمونہ ہیں جس شخص سے پہلے دن جسطرح ملتے ہیں عمر بھر تک اسی طرح نباہ دیتے ہیں ایسے مقدس نفوس کہاں نظر آتے ہیں۔ مولانا شاہ دلدار علی مذاق شاگرد خاقانی ہند ذوق مرحوم سے آپ کو بیعت ہے ۔ ۱۹۰۸ء میں گلدستہ معیار الانشاد آپکے اہتمام سے نکلتا تھا۔ مگر حضرت داغ مرحوم کے انتقال ہونیکی وجہ سے بند ہوگیا۔

آپ راقم تذکرہ کے صادق الولا دوست ہیں۔ اور عرصہ دراز سے آپ سے مراسم برادرانہ ہیں۔ دہلی میں جو ایشیائی تہذیب کے دلدادہ اب چند نفوس رہ گئے ہیں۔ ان میں آپکا دم غنیمت ہے۔ آپ کے ہر ہر جملہ سے صدق و اخلاص کی بو آتی ہے۔ آپ کی تصانیف سے دو دیوان مکمل ہوچکے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تر انتخاب نذر ناظرین کیا جاتا ہے۔

جوش و خروش بلبل شیریں نوا سے پھر — لب آشنائے نالہ و آہ و فغاں ہوا
صیاد کی نگاہ پڑی مرغ دل پہ پھر — برق جمال یار کی نذر آشیاں ہوا
پھر چشم تر ہے کاشف احوال واقعی — راز نہفتۂ دل عاشق عیاں ہوا
پھر بھی ہو کاش یوں ہی وفا وعدۂ وصال — میں خواب میں بھی دل کے بہت شاداں ہوا
پھر ہے بہار ناز ستمگر کی آرزو — سینہ وفور داغ سے پھر گلستاں ہوا
پھرتے ہو ڈھونڈتے ہوئے پھر جادۂ سلوک — سائل وہ رنج راہ روی رائیگاں ہوا
کل شب کو بزم مے میں عدو میہماں نہ تھا — بگڑو نہیں خفا نہ ہو جانے دو ہاں نہ تھا
موسیٰ سے کیوں کھلا وہ کیا ہم سے کیوں حجاب — ذوق جمال یار یہاں تھا وہاں نہ تھا
دے کر شگاف سینہ کو بولا ستم ظریف — دل میں تمہارے درد کہاں تھا کہاں نہ تھا
دسواں فلک بنا ہے مری دود آہ کا — ظالم بقدر ظرف کوئی آسماں نہ تھا
دل لے گیا چرا کے زلیخا کا خواب میں — یوسف سے پارسا پہ ہمیں یہ گماں نہ تھا

نگہ کے تیر چھلنی کر دیا کرتے ہیں سینوں کو
جدھر وہ دیکھ لیتے ہیں اُدھر دیکھا نہیں جاتا

سودائے زلف و کاکل جب سے ہوا ہے تیرا
مجنوں لقب ہے اپنا دیوانہ نام پایا

خموشی میں ہے عرضِ حال کیا کیا
کوئی سمجھے ہمارا مدعا کیا

برابر ہے جفا کیا ہے وفا کیا
جو دل آیا تو پھر اچھا برا کیا

مجھے حیرت ہے خود لے داد نشتر
کہ مشتِ استخواں کا خوں بہا کیا

نمک پاشِ جراحت جب نہ ہو تم
تو ایسے زخم کھانے میں مزا کیا

مآلِ ہجر ہے جانکا ظلم
امیدِ وصل ہو راحت فزا کیا

پھر آئی یادِ چشمِ سرمہ آلود
ملے پھر خاک میں ارمان کیا کیا

وہاں بھولے سے بھی وعدہ کا ایفا ہو نہیں سکتا
یہاں فرطِ محبت سے تقاضا ہو نہیں سکتا

مٹایا ہے دوئی کو اسقدر تیرے تصور نے
کہ میرا عکس آئینہ میں پیدا ہو نہیں سکتا

ادب دانِ رموزِ عشق مجھسے راز لیتے ہیں
کہ اُس کوچہ میں ہو سکتا ہے کیا کیا ہو نہیں سکتا

لیکے دل مجھسے کہا میرا ہے یہ یا آپ کا
مضطرب دل ہو کے ان سے خود ہی بولا "آپکا"

بزم میں عشاق کی ساقی نے خود کر دی تمیز
جام بھر کر رکھدیا۔ تیرا۔ تمہارا۔ آپ کا

جب سنا میں نے۔ بولی چل کے ہوں خاکِ وطن
آپ کے جانے سے کیا سُونا وطن ہو جائیگا

عاشقی کا پھل یہی ہے دکھا رہا ہوں شوق سے
تن پہ جو ناوک لگے گا جزوِ تن ہو جائیگا

کسکا کوچہ کیسی محفل کس کا وعدہ کسکا وصل
سب بلائیں ٹل گئیں جب دل پہ قابو ہو گیا

مردمِ دیدہ تمہارے کیا قدر انداز ہیں
دل پہ جو ناوک لگا یا وہ ترازو ہو گیا

تھا تصور میں دُردِ دنداں جب آنکھیں بند تھیں
آنکھیں کھلتے ہی آنکھوں میں آنسو ہو گیا

فقرے فریب دیکھے دل بہلا لیا
مجکو غریب جان کے تم نے بنا لیا

اتنا کسے دماغ ہے کرتے پھریں حساب
کیا جانے مے فروش نے کتنا دیا لیا

دل میں ہے درد داغ کلیجہ میں لب پہ آہ
سائل کو جو نصیب سے ملتا گیا لیا

کرتے ہیں وہ معاملہ میں دل لگی کی بات
مطلب اڑائے دیتی ہے سارا ہنسی کی بات

پیرِ مغاں کی طرزِ سخن لاجواب ہے
زاہد کی جب سنو گے وہی روکھی پھیکی بات

وعدہ کیا تھا آپ نے اور پھر مکر گئے
دم بھر کا تذکرہ ہے یہ آدھی گھڑی کی بات

مے پیکے وعظ سنتا ہوں حرمت ضرور ہے
منظر کیے گو خلاف ہے شیخ جی کی بات

ایفائے عہد چاہیے اب وہ بھی یاد ہے
جھوٹے کا قول کرہ کا وعدہ گلی کی بات

سائل سوال کرکے نہ کھوتا تم آبرو
دنیا میں ایک چیز ہے بس آدمی کی بات

دم میں جب تک میرا دم ہے میں ہوں اور تیری گلی
عکس بر دیوار شب ہوں نقش بر دیوار صبح

وہ آشوبِ تجلی ہنس رہا ہے گو پسِ پردہ
مگر عکس تبسم آ پڑا ہے سارا چلمن پر

ہمیشہ خونِ دل رویا ہوں میں لیکن سلیقہ سے
نہ قطرہ آستیں پر ہے نہ دھبا جیب و دامن پر

ہوئے زمانہ میں مشہور دہر میں رسوا
نگاہِ ناز سے تم چشم اشک بار سے ہم

ہمیشہ رہتے ہیں داغِ جنوں ہرے اپنے
خزاں کی رت میں بھی رہتی کس بہار سے ہم

جو ہم ہیں شوق سے بیتاب تو وہ شوخی سے
قرار سے نہ وہی ہیں نہ ہیں قرار سے ہم

یہ اودی اودی بدلی ہے یہ بادل کالے کالے ہیں
دریغا نہ برسو برس کے پینے والے ہیں

گلے میں لے لئے گریباں کہاں طفیلِ جنوں
نفس کے ہاں کوئی دو چار تار رکھتے ہیں

غلط ہیں نامۂ اعمال سب بروزِ حشر
ہم اپنی معصیتوں کا شمار رکھتے ہیں

خدا جوئی ہے زاہد میں خدا سازی برہمن میں
ہیں دو رشتہ تعلق کے پڑے دونوں کی گردن میں

بھلائی کیا ہے زاہد میں برائی کیا برہمن میں
جو رشتہ دوش پر اسکے ہے وہ ہے اسکی گردن میں

نہ رکھ محروم مجھکو جلوۂ دیدار سے یارب
پڑا ہوں ڈیرے ڈالے مدتوں سے دشتِ ایمن میں

نہ کہتے تھے کہ بالآخر یہ وحشت رنگ لائیگی
حمائل دستِ لیلیٰ ہو گئے مجنوں کی گردن میں

صدا دیتا ہوں سر در پر کہ ہے کوئی سخی ایسا
بھرے تاثیر کے ٹکڑے مرے کجکولِ تستون میں

ترے اقرار دل میں تاثیرِ حیاتِ جاوید
لذتِ مرگ ودیعت ترے انکارِ دل میں

پارہ ہائے دلِ پرسوز میں کیا خاک رہی
تیر سینہ سے نکالو تو سلیقہ سے ذرا

درد دل سامنے اُن کے نہواُ مجھسے بیاں
مجھسے بے مہر نے دشمن سے کئے گلے ٹھیک نہیں

شیخ میخانہ میں ہشیار ذرا سے چلئے گا
اُٹھتی ہی نہیں آنکھ ترے رونے کو سے
پیر مغاں نے تیز کیا نرخ مے اگر

خیر پر بے حد عنایت ہوا اِدہر کچھ بھی نہو
التجا شوق شہادت کی ہے تیغ یار سے

تم جدہر ہو اُس طرف پھر جائیں آنکھیں وقت نزع
نجا وسیر گلشن کو اِدہر دیکھو اُدہر دیکھو

چمن میں گل ہو تم ہو بام پر اور شمع محفل ہیں
تمہارے تیر کا پیکاں نہیں نکلا مرے دل سے

بڑی مشکل پڑی آئینہ کیا سے ہیں دکھا دینگا
نزاکت پر یہ دعویٰ ہے کہ ہم تلوار اپنے ینگے

قضا کا دن نہیں ہے اور اسدن کی بھی شبِ ساتے ہے
وہ فرماتے ہیں ہم تمکو دکھا دینگے مسیحائی

سرہانے کھڑے ہیں اپنے بیمار محبت کے
دن رات سینکتے ہیں وہ مہندی لگا لگا کر

تم نہ قائل ہو نہ ہونگے نالۂ شبگیر کے
یہ بھی کوئی رونا ہے کہ دو دو اشک بھر آتے

ڈہونڈتے پھرتے ہو تم تیر کو انگاروں میں
لختِ دل نوک سے پیکاں کی لپٹ جاتے ہیں

حرف جو منہ سے نکلتے ہیں وہ کٹ جاتے ہیں
چاہنے والوں کے دل یوں ہی تو پھٹ جاتے ہیں

منہ کے بل گرتے ہیں جب پیر ریٹ جاتے ہیں
کیا ضعف ہے اللہ رے مری پائے نظر میں
میخانہ لُٹ ہی جائیگا فصل بہار میں

ایک پر اتنا تلطف ایک پر کچھ بھی نہ ہو
سینۂ دل دست و پا از دوسر کچھ بھی نہو

حسرت دیدار اتنی ہو اگر کچھ بھی نہو
دل پر داغ دیکھو صورت زخم جگر دیکھو

بلا سے جان عاشق ہے جدہر جاؤ اُدہر دیکھو
اسی میں چاہئے ہونا ادہر دیکھو اُدہر دیکھو

ہے تم سا اور بھی اچھی طرح تم بن سنور دیکھو
تم ادہ چھپے ہو تمہارا ہاتھ بھی لاکھوں میں اونچا

یہ استغنا محبت کے کہ جب جی چاہے مر دیکھو
نہیں آتا یقیں تمکو تو تھوڑی دیر مر دیکھو

نظر سے لاش پر اور ہاتھ سے آنا وہ نا تم کو
نازنظر سے باندھے ہیں وہ حنا کے ہاتھ

تم نے راتوں کو نشانے کب لگائے تیر کے
آنکھوں میں لہو ٹپکے دل آئے جگر آئے

اب دیر سے ہم سوئے حرم جائیں تو کیونکر — اپنا ہے یہ مشرب جدھر آئے اُدھر آئے
ہو قدر تجھے جب مری بیتابیِ دل کی — تجھکو مری صورت تری صورت نظر آئے

اب ہوگیا ہے انکا تہیہ بناؤ کا — یہ دیکھنا ہے تن کے وہ کس پر بنینگے
ادا کرکے دکھا دیجے کہ اسپر لوگ مرتے ہیں — لگاکر یہ جتا دیجے کہ یوں مرتے ہیں ٹھوکر سے

بڑھکر ہو کہیں حور سے بہتر ہو پری سے — سیرت اگر اچھی ہو تو اچھے ہو سبھی سے
ساقیٔ تنگ ظرف ایک ہی جام — وہ بھی اُترا ہوا کناروں سے

کیا حال بیقراریِ خاطر بیاں کروں — اِس نامراد دل کا سکون اضطراب ہے
کل ہوگی جنکو ہوگی سزا جرم عشق کی — بنتے ہیں آج انجمن انتخاب ہے
اب امتحانِ ضبط ہے اے دل سنبھل ذرا — نظارہ جمالِ رخِ بے نقاب ہے

عرصۂ حشر میں کچھ گل نہ کھلا دے کوئی — داورِ حشر پہ تہمت نہ لگا دے کوئی
بیکسی پوچھ نہ بیماروں کی اپنے ظالم — اُنکو تسکین کوئی دے نہ دوا دے کوئی
غم قیامت کا اگر ہے تو فقط اتنا ہے — داورِ حشر کو صورت نہ دکھا دے کوئی
مے گسارو مری توبہ کا بھروسا کیا ہے — ابھی پی جاؤں اگر ضد سے پلا دے کوئی
میں اگر شوق سے مے پیتا تو بیشک تھا گناہ — میرا کیا بس ہے اگر منہ سے لگا دے کوئی
مہ جبینوں کی گلی میں ہے یہ سائل کی صدا — "ایک دو بوسۂ لب بہر خدا دے کوئی

ترکِ الفت ہم سے ہو دشوار ہے — یہ نہیں تو زندگی بیکار ہے
مان جاؤ مرا کہنا تو میں اب بھی کہدوں — داورِ حشر مرا دعویٔ خوں باطل ہے

عیش میں کٹتی شب غم رنج میں اب کٹ گئی — مدعا یہ ہے کہ ہم نے صبح کردی شام سے
بن گئے سائل تو کیا شانِ انات مٹ گئی — دیکھنے والے نہیں کھاتے ہیں دھوکا نام سے

اُٹھی نقاب منہ سے نہ اسطرح روزِ حشر — موسیٰ کی جیسے طور پہ حالت تباہ کی
آیا کبھی رحم تجھکو کسی خستہ حال پہ — تو نے کبھی سُنی بھی کسی دادخواہ کی

ترے رخ نے ضیائے نورِ عالمگیر کم کردی
ترے عارض نے مہر و ماہ کی تنویر کم کردی

کمر پر بار تھا اُس کا رہا زیبِ کمر خنجر
بہت اچھا کیا سفاک نے شمشیر کم کردی

گلے ملنے کی جلدی میں کسی رہتے ہیں یاد ارکاں
نمازِ عید میں یاروں نے اک تکبیر کم کردی

دبایا چارہ گر نے جس قدر اتنی بڑہی وحشت
ذرا سا پاؤں پھیلا دو کڑی زنجیر کم کردی

پسِ شہرت بدلنا نام کا لکھنے سے بہتر ہے
تری تشہیر نے سائل تری توقیر کم کردی

بلائے جان ہیں جوانی کے دن سبھی کیلئے
نہیں ہیں حسن کی رسوائیاں اُسی کیلئے

تمنا اپنے زخموں کی کروں کسطرح سی پوری
کہاں سے لاؤں ان سب کیلئے شمشیر کے ٹکڑے

پئے مشقِ ستم آیندہ یہ بھی کام آئیں گے
ہیں جُن لوں ٹکڑے دل کے اور تم شمشیر کے ٹکڑے

یہاں تم مجھے دل کا وہاں تلوار کا رونا
ادہر بیتیں نظر دل کے اُدہر شمشیر کے ٹکڑے

تری سفاکیوں نے تجکو عالم میں کیا رسوا
ملا کرتے ہیں رستوں میں تری شمشیر کے ٹکڑے

چبالے تیں ہیں چنے لوہے کے سب الفت میں اے سائل
مگر کچلوں میں تیری تو ہیں شمشیر کے ٹکڑے

ہوا پر ہو لئے جس دن مری فریاد کے ٹکڑے
اڑا ڈالینگے اُس چرخِ ستم ایجاد کے ٹکڑے

تعجب ہے کہ اُس کے کان تک پہنچا نہیں کوئی
ہوا میں اُڑتے پھرتے ہیں دلِ ناشاد کے ٹکڑے

مجھے دیوانہ جو کہتے ہیں وہ ہیں خود ہی دیوانے
چُنا کرتا ہوں تنکے یا دلِ ناشاد کے ٹکڑے

تم اپنے ابروئے پرخم کو آخر کیا سمجھتے ہو
یہ چھریاں ہیں یہ خنجر ہیں یہ ہیں فولاد کے ٹکڑے

از دیوانِ دوم

بچپنے کے یہ ستم ہیں تو جوانی میں نہیں
ہو نہ جائے ترا دل سیم بدن پتھر کا

ارشاد ہوا اُن کے یہ افسانہ کسی کا
قابو میں نہیں ہے دلِ دیوانہ کسی کا

آسان نظر آئے ہر اک مشکلِ دنیا
دے ساتھ اگر ہمتِ مردانہ کسی کا

معلوم نہیں کس سے کہانی مری سن لی
بھاتا ہی نہیں اب انہیں افسانہ کسی کا

زاہد کی رہ و رسم سے ہے توبہ کا خطرہ
میخوار سے بہتر نہیں یارانہ کسی کا

حور کو بھی بت کہو تو بغضِ للّٰہی کریں
عمر بھر میں ایک تو پہچان ہم کو ہو گئی
جذبِ دل میرا انہیں کر دیگا قائل خود بخود
جان لینا بس انہیں کو عاشقِ خانہ خراب
حرفِ مطلب سنکے سائل کا شرارت سے کہا
ہمتو سوز و تاب و تب کی آفتوں سے بچ گئے
کل نہیں معلوم کیا تہمت لگائی جائیگی
عشق میں سمجھے تھے مر جائینگے جب گھبرائینگے
بزمِ خلوت میں نظر نیچی تری کیوں ہو گئی
نامرادی کا الم سب پی گیا تن کا لہو
تمکو میرے سوزِ دل کا کسطرح سے ہو یقیں
سونے خنجر دیکھتا ہے مجھکو قاتل دیکھکر
ناامیدی جلوہ ریزی کی جو تھی وہ اب نہیں
پہلے عاشق کش لقب تھا اب ہے عاشق سوز عرف
تمکو فرصت کب ملیگی مجلسوں سے غیر کی
تسلی بخش مرہم ہے خلش گر تیر چٹکی میں
بھلا وہ تیر کیا ماریگا کاٹے گا گلا کیوں کر
قدر اندازیاں سمجھو کہ جذبِ دل کی تاثیریں
چٹکیں چٹکی سے تو پوچھیں کہاں بیٹھیں کہاں نکلیں
کبھی تو لیے توقع آکے وہ سوتے میں لے چٹکی
یہاں کیا دیر ہے دل سامنے رکھدینگے ناوک کے

کس قدر ہیں ہٹ دھرم سب اہلِ ایماں دیکھنا
اسکو عاشق جان لینا جسکو حیراں دیکھنا
باندھ لو جب شست پھر ناوک میں پیکاں دیکھنا
بستیوں میں جنکے گھر برباد و ویراں دیکھنا
انکی صورت انکی جرات انکا ارماں دیکھنا
تم بتاؤ چھین کر دل تم کو کیا حاصل ہوا
آج قائم خیر سے الزامِ جذبِ دل ہوا
وقت سے پہلے نہ مرنا اور بھی مشکل ہوا
اٹھ کے سو پردے حیا کا پردہ کیوں حائل ہوا
جونک کی صورت سے ہی لپٹا ہوا دل کے قریب
تمنے اپنا ہاتھ کیوں رکھا مرے دل کے قریب
ہستیں گردان کر بیتابیِ دل دیکھکر
شام وعدہ آئینہ انکے مقابل دیکھکر
بڑھ گئے وہ اور جو رشمعِ محفل دیکھکر
کیا کروگے تم کسی دلگیر کا دل دیکھکر
نئی دیدی ہے یہ اللہ نے تاثیر چٹکی میں
رکھے جو تیر مٹھی میں جھلے شمشیر چٹکی میں
وہی دل میں اتر آیا ایسا جو تیر چٹکی میں
لب سوفار کر سکتے ہیں کیا تقریر چٹکی میں
کبھی تو جاگ جائے میری بھی تقدیر چٹکی میں
کماں مٹھی میں ہے تو لے لے اٹھا لے تیر چٹکی میں

وفا کا مدعا کیا جز جفا معلوم ہوتا ہے
بلانا اُنکا پیغام قضا معلوم ہوتا ہے

بتان سنگدل کی ہنسنے کا فرکیشیاں دیکھیں
جسے دیکھو معاذ اللہ خدا معلوم ہوتا ہے

ہنسی اڑتی ہی رونے پر ہمارے اُنکی محفل میں
دل آزاری کا ہر پہلو بھلا معلوم ہوتا ہے

بہار خونچکاں سے دل بہلتا ہی جفا جو کا
لہو بہتا ہوا اُس کو بھلا معلوم ہوتا ہے

مرادف موت کا فرما رہا ہی عشق کو ناصح
ہمیں یہ زندگی کا آسرا معلوم ہوتا ہے

قدم رکھتے ہی میخانہ میں یہ کھلنا پڑا ہم کو
یہ دنیا اور عالم دوسرا معلوم ہوتا ہے

کسی کو کیا خبر ہوگی کسیکے درد کی دکھ کی
تمہیں پہچان لو نالہ پس دیوار کس کا ہے

یہ میخانہ میں کس کے رہن کا چرچا ہی مے نوشو
لب پیر مغاں پر قصہ دستار کس کا ہے

آخر آنے لگی پہلو سے یہ آواز مجھے
پھونکے دیتی ہے مری پردگی راز مجھے

اس قدر لطف اسیری کا بلا ہے صیاد
یاد مطلق نہ رہا مقصد پرواز مجھے

دل میں آنکھوں میں جگہ آپ عدو کی ہوگی
کم نگاہی نے کیا جب نظر انداز مجھے

کیا کروں کیوں کروں پھر جرات عرض مطلب
منع کرتی ہے جب انکی نگۂ ناز مجھے

کیوں یہ فرماتے ہو دل کا درد کم ہونیکو ہے
صاف کہدو تم کہ قصہ مختتم ہونیکو ہے

شام وعدہ جی کڑا کر کے یہ لکھ بھیجا انھیں
جھوٹے وعدہ کی طرح جھوٹی قسم ہونیکو ہے

جا رہے ہیں سوئے مقتل آج وہ خنجر بکف
کس کی شامت آئی کسکا سر قلم ہونیکو ہے

اسیکا نام ذوق بادہ سر جوش ہوتا ہے
کہ بیہوشی کی دھن رہتی ہی جبتک ہوش ہوتا ہے

نظارہ کی ہوس پر جلوہ ریزی نے کیا بیخود
نہیں معلوم کتنے دن میں جا کر ہوش ہوتا ہے

دم رفتار کرنا ذوق پامالی کا اندازہ
کہ کس کس کا دل و دیدہ تہ پاپوش ہوتا ہے

عدو کو کچھ نہیں کہتے جو سنتی بھی پڑے تم کو
اُسی کو گالیاں ملتی ہیں جو خاموش ہوتا ہے

نئی کیفیتیں دیکھی ہیں ہم نے بادہ خواروں کی
یہ آپے میں نہیں ہوتے انہیں جب ہوش ہوتا ہے

بہار آئی تو وحشت میں نہ ہو کسطرح افزایش
اُمنگوں کا زمانہ ہے لہو میں جوش ہوتا ہے

نیچی نظر کے ناز ملاتے ہیں خاک میں
کہنا یہ تجھ سے تھا نگہ سرمہ سا مجھے

ساقی نے بادہ خوار کو دی مے نہ شیخ کو
اُس نے کہا مجھے ملے اُسنے کہا مجھے

تم شیخ رات کو تو بنے پیر میکدہ
دن کو دکھائی دینے لگے پارسا مجھے

مٹھی میں جا کے دل نہ ملیگا خبر نہ تھی
لوٹے گا دونوں ہاتھ سے دزدِ حنا مجھے

سر پر بٹھائے رکھتا ہی ایک ایک کو مدام
ہیں نقشِ پا کو تیرے ترا نقشِ پا مجھے

اگر ہم تمکو نذر اپنا دل بے مدعا کرتے
ہمیں سچ سچ بتا دینا کہ تم اُس دل کا کیا کرتے

بتا دیں کام کیا کرتے جو تیرے پاس ہم ہوتے
وہ کرتے جو ترے تن پر ترے بند قبا کرتے

آنکھ اپنی لڑ گئی ہے اُس ستم ایجاد سے
ایک بھی جسکی ادا خالی نہیں بیداد سے

غم غلط شب ہائے تنہائی کا ہو جاتا ہی کچھ
دل بہل جاتا ہے شغل نالہ و فریاد سے

سخت جانی کو نزاکت نے تری سمجھا ہی کیا
"بال بھی بیکا" نہو گا خنجر فولاد سے

سائل

سائل ۔ جناب شیخ نبی بخش صاحب ۔ آپ امروہہ ضلع مراد آباد کے باشندے ہیں حضرت قوی امروہوی کے شاگرد ہیں ۔ نومشق شاعر ہیں ۔ مگر کلام اچھا ہے ۔ مندرجہ ذیل اشعار آپکی جدت طبع کے شاہد ہیں ۔

مزا کیا خاک ہمکو نالۂ بلبل سے آئے گا
نہ جس میں سوز کے ٹکڑے نہ جس میں ساز کے ٹکڑے

ترے دامن کے دھونے سے چھپیگا خون کب قاتل
کہ خود بولینگے محشر میں شہید ناز کے ٹکڑے

جگر ہی پارہ پارہ اور دل ہے پاش پاش اپنا
جو ہیں یہ ناز کے ٹکڑے تو وہ انداز کے ٹکڑے

کسی کو ذبح کر ڈالا کسی کو زندگی بخشی
اثر رکھتے ہیں کیا کیا آپ کی آواز کے ٹکڑے

بہت کچھ ہیں مری کشکول میں باقی ابھی سائل
نرالی وضع کے ٹکڑے نئے انداز کے ٹکڑے

سائف

سائف ۔ ابو محمد سید اسمٰعیل خاں معروف بہ حکیم افصح الدین خلف حکیم صغیر حسین کاشف پہلے لکھنؤ میں بود و باش رکھتے تھے ۔ اب بریلی میں مطب کرتے ہیں ۔ فن سخن کے شیدائی ہیں شعر معمولی

لکھتے ہیں مگر اپنے کلام کو زور دار بناتے ہیں کو شاں ہیں نتیجہ فکر یہ ہے

سرمست ذوق بادۂ الفت کو چاہئے
بھر سکوت شیشۂ مینا کہیں جسے
پستی نصیب عاشق بیدل کہاں سے لائے
ایسا مکان کہ عرش علی کہیں جسے
مجھسے قضا نصیب کے کام آتی جب ہے بات
معجز نما وہ لب کہ مسیحا کہیں جسے
عاشق کو ایک آبلہ دل کے واسطے
نوک مژہ وہ چاہئے کانٹا کہیں جسے
دیکھئے تو کتنے آکر گلے کٹوائیں گے
میان سے باہر ذرا تلوار رہنے دیجئے
سن چکا ہوں میں بھی قصۂ واقعۂ فرہاد کا
میرے آگے ہمت اغیار رہنے دیجئے
لذت دردآشنا تندکر رہ ریز ہے
زخم کے منہ میں لب سوفار رہنے دیجئے

سبحان — سبحان شاہ خاں جمعدار سورگاؤں حیدرآباد دکن۔ مولوی نادر علی برتر کے شاگردوں میں ہیں۔ فن سخن میں کوئی خاص پایۂ امتیاز نہیں رکھتے۔ کلام یہ ہے۔ سبحان

بنائے جاتے ہیں حلقے جو کاکل میں سنگ کا ہے
پھنسا نیکو دل بیتاب کے زلف سیاہ کم بھی
ستمگر دست نازک کو عبث تکلیف دی تو نے
ہمارے قتل کرنے کو تری تیغ ادا کم تھی
کیا بدنام غیروں میں یہیں نیچی نگاہوں سے
بہت اچھے تھے تم جبتک ان آنکھوں میں حیا کم تھی

سبقت — میرزا مغل خلف میرزا علی اکبر کشمیری۔ آپ دلی میں شاہ عالم ثانی کے عہد میں پیدا ہوئے۔ اور یہیں رہے۔ شباب میں لکھنؤ گئے تھے۔ شیریں گفتار۔ خوش فکر معاملہ بند شاعر تھے۔ حضرت جرأت سے فیض سخن حاصل تھا۔ چنانچہ انکی جدت طرازی اور معاملہ بندی کا تصور انکے ہاں بھی اپنی جھلک دکھا رہا ہے۔ قدرت اللہ شوق اور شرف الدین میرٹھی کے قدیم غیر مطبوعہ تذکروں میں میرزا صاحب کا کلام نظر سے گذرا اسکا انتخاب سرمۂ چشم ناظرین کیا جاتا ہے۔ سبقت

خوبان رخ پر ڈالے زلفیں سانجھ سویرے پھرتے ہیں
دل کو لے نادان چھپا رکھیاں تو لوٹیری پھرتے ہیں
دیکھ کے مجھکو کہتا ہو وہ کس کس پر میں رحم کروں
تجھسے پریشاں حال دکھاتے یاں بہتیری پھرتے ہیں

زلف کو لیکر ہاتھ میں پیارے کھیلا مت کر یوں عبث تار
نشتر تیرے تھے اس انگن پر بہت سپیری پھرتے ہیں

غم نہیں کچھ شیشۂ دل گر بنے اور ٹوٹ جائے
ہے الم اسکا جو تنے پتھر بنے اور ٹوٹ جائے

قصد مجھ سے بے گنہ کے ذبح کا جب دل میں ہو
کیوں نہ پھر قاتل کا نت خنجر بنے اور ٹوٹ جائے

روئے نت جوں ابر نیساں کیوں نہ پھر یہ چشم زار
اسکا ہر اک اشک جب گوہر بنے اور ٹوٹ جائے

گر کرے احوالِ دل ظاہر نہ تھوڑا سا مرا
تو حباب بحر گوں اکثر بنے اور ٹوٹ جائے

دیکھکر رخ کی صفائی تیری اے آئینہ رو
کیا عجب ہے آئینہ سکندر بنے اور ٹوٹ جائے

پوچھے اُس سے کوئی حالت کو ہماری دل کی آہ
ایک مدت بعد جسکا گھر بنے اور ٹوٹ جائے

سوچ میں رہیئے نہ کیونکر قالب انساں کو دیکھ
خاک کے پتلے کا یوں پیکر بنے اور ٹوٹ جائے

عالم کو کیوں نہ اُس کی گفتار مار ڈالے
جنبش نے لب کی جس کی دو چار مار ڈالے

سوز پروانہ ہویدا ہے سبھوں پر سبقت
پر کسی پر نہیں ظاہر غم پنہانے شمع

ٹھنی ہے اب یہی دل میں کہ کم کسی سے ملیں
نہ کوئی ہم سے ملے اور نہ ہم کسی سے ملیں

اٹھا دینی ہے بنیاد تیرے بن ہم جہاں بیٹھیں
کہیں لگتا نہیں ہے جی کدھر جاویں کہاں بیٹھیں

قیامت ہو ابھی برپا اُٹھے ہنگامۂ محشر
سر اپنا رکھ کے زانو پہ جو ہم کرنے فغاں بیٹھیں

مت یاد دلاؤ وصل کی راتوں کو
پوچھو کوئی نہ اُن ملاقاتوں کو

پھرتا ہوں ہی نہیں بات نکلتی منہ سے
کرتا ہوں جب اسکی یاد میں باتوں کو

سپہر

سپہر۔ میر مہدی۔ خلف سید مہدی مرحوم۔ آپ خواجہ وزیر لکھنوی کے شاگرد رشید تھے۔ اور سید محسن علی مؤلف تذکرہ سراپا سخن کے خواہرزادہ تھے۔ طبع رواں صاف اور پاکیزہ زبان پائی تھی۔ فکر میں بلند پروازی تھی۔ صاحب فن اور خوش کلام و سخنور تھے۔ تحقیق کا شوق نقادی کا ذوق تھا۔ کلام یہ ہے ؎

وہ شمع رو جو نہ لائے سر مزار چراغ
ہیں دل میں داغوں سے روشن کم داں نہ چراغ

یقیں ہے کہ وہ گل آئے گا خوشی ہوگی
کہ پھول جھڑتے ہیں ہنستا ہے بار بار چراغ

یہ شرم آئی کہ فانوس میں چھپائے وہ منہ
جو دیکھے اُس رخِ روشن کو ایکبار چراغ

جور و جفا میں دیکھئے ثابت قدم ہو کون
تم دل کو آزماؤ تمہیں آزمائے دل

زلفیں دکھائیں تم نے جو آکر کھڑی کھڑے
ناحق بلا میں پھنس گیا بیٹھے بٹھائے دل

اب شہرِ عشق میں یہ منادی ہوائے سپہر
اُس ماہ رو سے کوئی نہ اپنا لگائے دل

اس کے زانو پہ جب رکھا سر کو
ہنس کے بولا اجی ذرا سرکو

سرو آہیں بھر رہا ہوں کچھ یہ آنسو ہیں رواں
انتہا جاڑے کی ہے اور ابتدا برسات کی

نہ جہاں وہم فرشتہ کسی عنوان پہونچے
فضلِ خالق سے وہاں حضرت انسان پہونچے

سچ ہے ہمدرد کو ہمدرد کا ہوتا ہے خیال
قیس یاد آیا جو نزدیک بیابان پہونچے

ہم صفیرو ہوں وہ بلبل کہ قفس میں مجھ تک
بوئے گل پھاند کے دیوارِ گلستاں پہونچے

جو فقیری میں مزا ہے وہ کہاں شاہی میں
کب مرے بوریے کو مسندِ سلطاں پہونچے

ہو سپہر جگر افگار کو جو شئے درکار
وہ اُسے غیب سے یا حضرتِ سبحاں پہونچے

سپہر — سپہر۔ آفتاب سپہر سخن گستری۔ نیر چرخ ہنروری منشی شہاب الدین خاں صاحب دہلوی شاگرد میرزا صابر دہلوی۔ آپ عدالت دہلی میں سررشتہ دار تھے۔ اور عاشقانہ رنگ کی شعر گوئی میں شہرۂ روزگار۔ زبان میں بیساختہ پن۔ بیان میں روانی تھی۔ اشعار میں دلآویزی تھی اور طبیعت میں مضمون نیزی۔ جو کہتے تھے خوب کہتے تھے۔ کلام میں درد اور سوز و گداز ہے۔ انکے بعض شعر مقطوع الجواب ہیں اور وہ ایک ایک دیوان کا جواب ہیں مثلاً ؎

اس بُرے لکھے کی مجکو گر خبر ہوتی تو میں
تھام لیتا ہاتھ لینے کاتب تقدیر کا

نشست الفاظ اور بندش کی خوبی نے نازک خیالی میں چار چاند لگا دئے ہیں۔ کلام کا انتخاب نذر شائقین ہے۔

مے کے پینے سے خدا کا میں گنہگار رہا
محتسب تو مرے کیوں در پئے آزار رہا

خون ہو کے بہا دل تو بلا سے لیکن
سرخ رو مجھسے تو لے دیدۂ خونبار رہا

کیا تماشا ہے کہ پہونچا ترے دل تک وہ غبار / تیرے دامن تک پہنچنا جسکو اک دشوار تھا

اُسکو ظالم جو کہا میں نے تو سنکر بولا / تجکو ظالم بھی میسر کوئی سمجھا نہوا

ہو غریق رحمت حق وہ عجب انسان تھا / میکدہ کی ــ پہلے جو موجود ہوا تعمیر کا

رکھا یاد تم نے مرے بھولنے کو / عجب لطف کا ہے یہ نسیان تمہارا

بے حوصلہ سمجھ کے وہ ہنستا ہے اے سپہر / روتا ہوں جس کے سامنے گھبرا کے ہائے دل

کیوں نہ ہو افزائش دشمن کہ قاتل وقت قتل / ہو گئے ایک ایک کے دو دو ترے سر وار ہیں

غصہ کیا اُترا کہ بل ابرو کے سارے مٹ گئے / عارضی جو ہر ہیں اے قاتل تری تلوار میں

اپنے زخم دل کو ہم دہو لیں کبھی جی کھول کر / آب اتنی بھی نہیں قاتل تری تلوار میں

اسطرح دی مجکو گردش چشم میگوں نے سپہر / نشہ ہے جس طرح گردش ہو سر میخوار میں

تکلیف نماز اور ہمیں - زاہد سے عجب ہے / بیٹھے ہیں کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

بیکاریوں میں نالہ کریں اور بکا کریں / یہ بھی نہ ہم کریں تو بھلا اور کیا کریں

ہوتا ہے کیوں تلاش بتاں میں خراب دل / چل اپنے گھر میں بیٹھ کے یاد خدا کریں

دل جو مل جائے تو ہے آنکھ ملانے کا مزا / اس سے کیا ہوتا ہے گر تم نے ملائیں آنکھیں

ساغر کشی سے ہاتھ اٹھاؤں میں کسطرح / زاہد نہیں ہیں شیخ نہیں پارسا نہیں

ہم لطف سے تو گذرے پہ تیرا جفا شعار / یہ بھی بڑا ستم ہے کہ ہم پر ستم نہ ہو

لیتا ہے امتحاں تو اب لے کہ پھر کہیں / تو آئے تیغ کھینچ کے اور ہم میں دم نہ ہو

بہائے اشک تو ملجائیں خاک میں افسوس / اور انکے سینہ پہ یوں موتیوں کا ہار رہے

گر انکے نام پہ مٹ کر میں خاک ہو جاؤں / مرا غبار طبیعت پہ ان کی بار رہے

سپہر کو نہ چھڑا شغل ہرزہ گردی سے / کہ چرخ اسکے تعلق بھی کوئی کار رہے

کہو سپہر سے کہ جائے شراب خانے سے / نہ میرے سر پہ چڑھا صورت خمار رہے

سپہر - منشی سید شرف الدین صاحب - آپ سید امیر حسن صاحب فروغ لکھنوی کے زمرۂ

سپہر

تلامذہ سے ہیں لکھنؤ کی قدیم شاعری کی جانب رجحان ہے اور خط و خال کے مضامین پر فریفتہ ہیں بعض شعر اچھے نکال جاتے ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

سوتی ہوئی تقدیر مری قبر کی جاگی
زخم جگر و دل کا سبب کوئی نہیں اور
عاشق کی ترے اٹھتی ہے میت ترے در سے
نکہ ہے جسکی بلا آنکھ فتنۂ عالم
تیرے رخ و گیسو کا ہے سودا مرے سر میں
ڈوبا تھا مرے دل میں نکلا ہی جگر میں
سایۂ رحمت ہے سر پر روز حشر
کیوں تڑپ کر رہ گئے قلب و جگر
مزا الفت کا ہے معشوق کی بے اعتنائی سے
یہ کہتا تھا کہ میرا خون ناحق رنگ لائے گا
کوئی کمبخت مر جائے تو مڑ کر بھی نہ یہ دیکھیں

صدقے ترے ٹھوکر کوئی لے ماہ جبیں اور
ناوک ترا ڈوبا ہے تو نکلا ہے کہیں اور
اب روٹھ کے جاتا ہے یہاں سے یہ کہیں اور
چلے ہیں ملنے اس آشوب روزگار سے ہم
کٹتی ہے مری عمر اسی شام و سحر میں
کیا سحر تھا سفاک ترے تیر نظر میں
مجرم آئے ہیں بڑے اعزاز سے
کس نے یہ دیکھا نگاہ ناز سے
عبث نالاں ہے بلبل باغ میں گل کی جدائی سے
وہ مٹی دینے آئے ہیں مجھے دست حنائی سے
کلیجہ ہو گیا چھلنی بتوں کی کج ادائی سے

سپہری

سپہری ۔ مولوی محمد احمد صاحب خلف مولوی خواجہ انتظام علی ساکن سہاپور ہتہم کوتوالی ملکر نظام دکن۔ اپنے والد کے قیام دکن کی وجہ سے اکثر وطن سے دور رہے اور حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی۔ فارسی زبان میں شعر کہنا شروع کیا۔ اور مولانا فضل رب عرشی سے اصلاح لینے لگے اور انہیں کی رعایت سے سپہری تخلص اختیار کیا۔ عربی فارسی کی استعداد عالمانہ پایہ کی تھی۔ دری زبان میں اچھا دخل تھا طبیعت میں شوخی۔ رنگینی بلا کی تھی اور فطرتی طور پر سخن گوئی کا مادہ تھا۔ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس تھے۔ ہر قسم کے خطوط۔ نسخ نستعلیق شفیعہ۔ ریحاں وغیرہ پر کامل دسترس تھی۔ دوست نوازی۔ مروت۔ زندہ دلی نے انکو مرجع احباب بنا رکھا تھا سنہ ۱۳۲۰ھ میں مالک کارخانہ فنون حیدرآباد سے کچھ صحبت آپڑی تو آپ نے ایک ناٹک "قران السعدین"

سے کے نام سے لکھا۔ ایک اردو فسانہ موسوم بہ فسانہ محبوب بھی لکھنا شروع کیا تھا۔ مگر وہ ناتمام رہا۔ ۱۸۹۵ء میں بمقام بیدر علاقہ دکن بحیات والد بزرگوار زیب خاک ہوئے۔ ۲۸ برس کی عمر پائی۔ اُردو کے مقابلہ میں فارسی کلام پختہ تھا۔ ریختہ اردو کا نمونہ یہ ہے ؎

تازہ ستم ہے یار کا مجھ سے خفا ہے اسلئے — ذبح کے وقت دست و پا تونے عبث ہلائے کیوں
غضب یہ ہے مرا قاصد یہ مجھ سے کہتا ہے — خطا معاف عبث ہیں جناب کی باتیں
بند ہوتی نہیں دم آخر — کسکا کرتی ہیں انتظار آنکھیں
نکالو تیغ ستم کو نہ امتحاں کے لئے — نگاہ ناز ہی کافی ہے اک جہاں کیلئے
رونے سے میرے بزم محبت میں ہر طرف — غل ہے خموش ہائے کلیجے نکل گئے

ستم

ستم۔ منشی درگا پرشاد خلف اکبر لالہ ہیرالال۔ آپ صاحب گنج کے رئیس تھے ۱۸۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ فن شعر میں مولوی حکیم منیرالدین صاحب کیفی کے شاگرد تھے۔ زبان انگریزی سے واقف اور کسی قدر طب جانتے تھے۔ پہلے سرکاری محکمہ جات میں مختلف خدمات پر مامور رہے۔ پھر دنیا سے دل بیزار ہوگیا۔ سلسلہ نانک شاہی میں فقیرانہ اور آزادانہ زندگی بسر کی۔ علما و فقرا سے ربط رہا۔ کبھی کبھی مجلس وعظ و سماع میں بھی شریک ہو جاتے تھے۔ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے۔ آپ نے ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا۔ فقرائے اسلام کی صحبت کے باوصف تناسخ کے قائل تھے اور کلام سے تصوف اور معرفت کی بو آتی ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

ہر رنگ میں تمہارے ہیں ہم صورت آشنا — دہوکا اُسے ہو جو تمہیں پہچانتا نہ ہو
کہتا تھا ہائے ہجر کا مارا ہوا کوئی — دشمن بھی اپنے دوست سے یارب جدا نہ ہو
ہمیشہ جا جا کے پھر پھر آنا یہی تماشے ہوا کرینگے — ہوا رہیگی خلاف جبتک تو لٹتے دریا بہا کرینگے
جو دل پھٹا ہے تو کچھ نہیں غم کہیں رفو گر کو جانتے ہم — پیا رانکو کا کچھ نہیں کم جئیں گے جبتک سیا کرینگے

ستم

ستم۔ میرزا محمد عسکری صاحب باشندۂ لکھنؤ۔ آپ جناب یکتا سے تلمذ رکھتے ہیں۔ رسمی قابلیت کے شاعر ہیں ۱۸۹۹ء کے گلدستہ پیام یار میں ان کی ایک غزل شایع ہوئی تھی جس کا

انتخاب یہ ہے ؎

دے آسماں دھوئیں میں عاشق کی آہ کے	ٹکڑے اُڑے ہیں بنکے جو ابر سیاہ کے
تربت ہماری سایۂ نرگس میں چاہیئے	مارے ہوئے ہیں ہم کسی چشم سیاہ کے
سینے میں قتل ہوتا ہے دل۔ دل میں آرزو	جوہر غضب کے ہیں تری تیغ نگاہ کے
دل کو ستم کے لے کے مگر جائینگے ضرور	تیور یہ کھر رہے ہیں کسی کی نگاہ کے

سجاد۔ جھنجانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ایک زندہ دل۔ مذاق پسند سخن سنج تھے نام معلوم نہ ہوا۔ انکے بڑے بھائی حکیم ساجد علی اٹھارویں صدی کے اخیر میں اپنے ہمعصروں میں خوش خلقی اور نیک طینتی کے باعث ممتاز تھے۔ یہ خود بھی قابل اور صاحب استعداد تھے۔ بار باش تھے۔ فن تاریخ اور موسیقی میں کمال حاصل تھا۔ مرثیہ گوئی کا بھی شوق تھا۔ مگر طبیعت ہزل اور فحش گوئی سے مانوس تھی۔ شاعری کی تمام کائنات میں ہجووں کا انبار ہے جو فحش ہونیکی وجہ سے قابل اندراج نہیں۔ تاہم انکے کلام میں ابتدائی اردو اور لگلے وقتوں کے الفاظ موجود ہیں ۱۲۹۶ھ میں زندہ و سلامت تھے۔ دو شعر تبرکاً درج ہیں ؎

جو ہمارے سر پہ گذری منہ سے کہنا ہے عبث	تیغ سے قاتل کے جا پوچھو ہماری سرگذشت
سو وتا کیا ہے زلف منہ پہ رکھے	اللہ میاں دونوں وقت ملتے ہیں

سجاد۔ صورت آشنائے معانی۔ رمز شناس سخن دانی۔ جناب علی سجاد صاحب عظیم آبادی دور جدید کے مشہور مضمون نگار اور نامور علمی طبقہ میں انکا شمار رہے ہے۔ آپ سرکاری ملازمت کی حیثیت سے بغداد میں بھی رہ چکے ہیں۔ اردو کے مشہور رسالہ مخزن میں "یلدرم" کے نام سے جو مضامین نکل چکے ہیں وہ آپ ہی کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ اب اُن مضامین کا مجموعہ خیالستان کے نام سے شایع ہو چکا ہے۔ کتاب محل خانہ جو آپنے مراۃ العروس کے طرز پر لکھی ہے طبقہ نسوان میں مقبول ہے۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں دوران قیام کلکتہ میں راقم تذکرہ سے آپکی ملاقات ہوئی تھی اُسوقت آپکی عمر ۳۷ برس کی ہوگی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آپ واجد علیشاہ اور مٹیا برج

کے حالات میں ایک تاریخ لکھ رہے تھے ۔ یوں تو آپ سخنور سحر مقال اور مرقع رنگین بزم خیال ہیں بندش چست اور شعر ہر پہلو سے درست ہوتا ہے ۔ مگر ادبی حلقوں میں آپ کی وہ شاعرانہ نثر ،، کا پایہ نظم سے زیادہ بلند ہے ۔ ہندوستان میں سب سے پہلے مولف تذکرہ کو یہ فخر حاصل ہوا ہے جو آپ کا بہترین کلام ملک کے سامنے پیش کر رہا ہے ۔

آپ راجہ صاحب محمود آباد کے پرائیویٹ سکرٹری بھی رہ چکے ہیں ۱۹۰۸ء میں بمقام کلکتہ سکونت پذیر تھے ۔ اب ترک سخن کر دیا ہے ۔ رسائل میں مضامین بھی نظر نہیں آتے جواہر افکار یہ ہیں سہ

ساتھ غیروں کو جو اُسکے سرِ محفل دیکھا
دل نے دیکھا مجھے میں نے طرفِ دل دیکھا

جواب کچھ نہ دیا سر سے پائوں تک دیکھا
دبی زبان سے جو کل اک سوال ہمنے کیا

فراق ساقی مہوش میں خون پیتے ہیں
یہ وہ شراب ہے جسکو حلال ہم نے کیا

آج شورشِ نے مے نے کیا افسوں کیا
گل نہ میں گستاخ تھا اتنا نہ وہ بیباک تھا

آپ نے دیکھا کہ ہم بے تیغ و خنجر مر گئے
بیچ اک جنبشِ مژگاں میں قصہ پاک تھا

ہوتی ہے سجاد ہر شے اصل کی جانب رجوع
خاک میں کیونکر نہ مل جاتا کہ آخر خاک تھا

حضرتِ دل نے مرے پایا ہے بچّوں کا مزاج
جو میسر نہ ہوا اُس چیز کا مائل دیکھا

کسی کے دوش پر گیسو پریشاں ہوتے جاتے ہیں
نئے سر سے مری وحشت کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

نہیں آتے ہیں وہ اُنکا خیال آتا ہے رہ رہ کر
اسی صورت سے مجھپر اُنکے احساں ہوتے جاتے ہیں

وہی ساماں جو پہلے باعثِ رنج و مصیبت تھے
عزیز خاطرِ قیدیٔ زنداں ہوتے جاتے ہیں

یہی نیرنگیٔ عالم ہے تو اک دن اندھیرا ہی
زمیں میں کیسے کیسے چاند پنہاں ہوتے جاتے ہیں

سبب کیا ہے کلی دل کی ہمارے کیوں نہیں کھلتی
بہار آئی چمن میں گل بھی خنداں ہوتے جاتے ہیں

مریضِ ہجر ہوں سجاد دم بدم غنیمت ہے
بہت مایوس سے اہلِ دل ویراں ہوتے جاتے ہیں

تمہیں سے آگ بھی تھوڑی سی جلا دے اے ہمدم
میری تربت کی جگہ گورِ غریباں میں نہیں

کام آجائے تری راہ میں جب ہم جانیں
گل سے بدن کا رنگ نکلا ہی پھوٹ کر

کیوں آپ سر جھکاتے ہیں ذکرِ وصال پر
جو دل میں آتے آتے زباں تک شغل ہو

شاید بر آئی ہو کوئی اس دل کی آرزو
اک سانحۂ عظیم ہوا آج شہر میں

اُنکی الفت کی نگاہیں بھی ستم پرور ہیں
میں یہ سمجھا کہ میرے حال پہ جنگل بھی روتا ہے

بہت آسان ہے عرضِ مدعا کو طول دے دینا
وہ جلسے لکھنؤ کے یاد اے سجاد آتے ہیں

بلبل نہ ہواں گلوں پہ مغرور
نہ افسردہ نہ وہ اندوہگیں ہے

شبنم نہیں ہے اشک ہیں دیکھو قریب سے
وارفتگی نے اب نہ رکھا کچھ بھی امتیاز

بت پھر گئی بلا سے خدا تو پھرا نہیں
مجھسے نہ آپ حضرت موسیٰ چھپایئے

جاتا رہے گا سارا مزا دردِ عشق کا

خبر مرنیکی سنکر میری بولے
کسی کی شکل جب دیکھلی ہے
مریضِ غم سنبھل جائے تو جانیں

مرحلہ عشق کا آسان ہوا مشکل سے

یوں تو کہنے کے لئے وہ دوش پہ سر رکھتے ہیں
پہنے ہوئے وہ شوخ گلابی قبا نہیں

میں نے تو منہ سے نام کسی کا لیا نہیں
وہ غیر کی دعا ہے ہماری دعا نہیں

مجھکو تو یاد ہے کبھی ایسا ہوا نہیں
سجاد مر گیا ارے ظالم سنا نہیں

مصلحت بیں ہیں عجب طرز نظر رکھتے ہیں
جو دیکھا دامن صحرا میں ہنستے آبشاروں کو

وہ تنہا ملے گئے گر راہ میں امیدواروں کو
یہ آنکھیں ڈھونڈتی ہیں رات دن ان دو ستاروں کو

رہنے کا نہیں حسن ہمیشہ
مرا مرنا مگر مرنا نہیں ہے

روئی بہار مل کے گلے عندلیب سے
کہتے ہیں اس کا حال ہم اپنے رقیب سے

ہے جائے شکر گر ہے شکایت نصیب سے
سنتا تھا میں جو ہوتی تھیں باتیں قریب سے

اچھا یہی ہے حال نہ کہنا طبیب سے

کوئی دنیا میں کیا مرتا نہیں ہے
طبیعت میری قابو میں نہیں ہے
سنا ہے کل ہی حال اچھا نہیں ہے

دم نکلنے کو تو نکلا پہ ذرا مشکل سے

اپنی صد سالہ عبادت پہ نہ جا نا زاہد
کیا کہوں بے اثری سے مجھے شرم آتی ہے

تیغ بھی تیز سہی ہاتھ بھی چالاک سہی
پھر الفت کا عجب کال پڑا ہے سجاد

نہ ہوگی بعد مرے ان کو قدر آرائش
مجھے بھی آج وہ مقتل میں سرفراز کریں

وہ اپنی تیغ زنی پر کمال نازاں ہیں
چمکا جو نہ آئینگی خورشید کو اس آتش رو سے

یہ حالت ہے کہ دشمن کا کلیجا منہ کو آتا ہے
کہاں نصیب جو اس در تلک رسائی ہو

یہ دل ہے شیشہ سے نازک ذرا خیال رہے
نہ کر صیاد اتنا ظلم طاقت ہی کہاں غم سے

یہ کیسی زندگی ہے روز جیتا اور مرتا ہوں
ہوئے واں زینت افزائے بساطِ عیش وہ دشمن

اگر ہے دید کا طالب نگاہِ شوق پیدا کر
طلب گر نعمت اعلیٰ کی ہے کم پر قناعت کر

خدا بخشے بیابانِ جنوں میں گو اکیلا تھا
جلوۂ حسن صنم اپنی دکھائے جو کشش

ایک کے دم سے یہ سب دشت کی آبادی تھی
ختم کی ہے خیر کوئی جام ادھر اے ساقی

پڑے ہے جا کے کسی ٹوٹی ہوئی مسجد میں
اس ریاضت میں بھی ملتا ہی خدا مشکل سے

دونوں ہاتھ اٹھتے ہیں اب بھر دعا مشکل سے
دیکھنا پھر بھی کٹے گا یہ گلا مشکل سے

آج کل ملتے ہیں ارباب وفا مشکل سے
کروں سلام جو آئینہ روبرو ہو جائے

خدا کرے کہ شہیدوں میں آبرو رہ جائے
عجب مزا ہو جو ثابت رگ گلو رہ جائے

ہلالِ عید کٹ جائیگا اب شمشیر ابرو سے
رہیگا یا دبرسوں دل کا چھٹنا اپنی پہلو سے

ملے جو رستے [illegible] میں سلام کر لینگے
لگی جو چھٹیں تو پھر تم سے دام کر لینگے

قفس کو لیکے کیا اڑ جائینگے بےبال و پر ہم سے
کسی کے وصل کی امید ہی اور ہجر کے غم سے

گلے مل مل کے یاں روئی تمنا رات بھر ہم سے
نہ تو باہر ہے عالم سے نہیں باہر ہوں عالم سے

گلوں کو دیکھ پیاس اپنی بجھا لیتے ہیں شبنم سی
بڑی رونق تھی اے سجاد پھر بھی قیس کے دم سی

بت نکل آئیں ابھی دیدکو بتخانے سے
اب وہ رونق نہ رہی قیس کو مرجانے سے

تشنہ لب آج ہمیں جاتے ہیں میخانے سے
رات کو ہم جو نکالے گئے میخانے سے

چلوؤں غم سے گھٹا خون مرے دشمن کا
ان حسینوں کو نہ رحم آئیگا ہرگز سجاد

بڑے ریاض سے سینے میں دلکو پالا ہے
بہار دیکھ تو تارِ نظر میں اشکوں کی

دکھائی دیتے ہیں سب ایک رنگ میں ڈوبے
یہی تو وصف ہی سب اپنے رنگ میں ہیں ایک

خدا زیادہ کرے داغ سینۂ عشاق
تمہاری یاد میں تھا رخنہ زن خدا شاہد

زبان تیغ سے بیجا نہیں ہے پرسش حال
ٹھہر ادب سے ذرا قتل کر مجھے قاتل

مریض غم کی اجل آ چکے تو وہ آئیں
نوید امن ہے سجاد دشمنی اُن کی

بعد مدت کے جو زندان بلا سے چھوٹا
اک سہارا ترے ملنے کا تھا وہ بھی نہ رہا

مے جو دی اُس نے چھلکتے ہوئے پیمانے سے
سر ٹپکنے سے نہ کچھ ہوگا نہ مر جانے سے

اندھیرے گھر کا ہمارے یہی اجالا ہے
عجیب بیش بہا موتیوں کا مالا ہے

ترے دیار میں گورا نہ کوئی کالا ہے
تمہارے باغ میں جو پھول ہے نرالا ہے

نظر اُٹھا کے جدھر دیکھئے اُجالا ہے
خیال غیر کو کس طرح سے ٹالا ہے

وہ راہ کرتے ہیں دل میں کہ آرزو نکلے
غضب ہو گر وہ قریب رگِ گلو نکلے

بدن سے جان نکل لے تو آرزو نکلے
وہ جبکہ دوست ہوئے اسکے سب عدو نکلے

دیر تک پاؤں سے لپٹی رہی زنجیر مری
آہ کھتی ہے کدھر اڑ گئی تاثیر مری

سجاد

سجاد ۔ شیخ سرفراز علی ولد شیخ سجاد علی ۔ ابن شیخ مراد علی داروغہ نواب امین الدولہ بہادر شمشیر الملک قایم جنگ ۔ ناوان محل لکھنؤ میں بود و باش رکھتے ہیں ۔ ۵۵ برس کی عمر ہے ۔ وجیہ خوبصورت رنگین مزاج ہیں ۔ مثنوی شعلۂ عشق ۔ شگوفۂ عشق ۔ گلشن عجائب وغیرہ زمانہ شباب کے کارنامے ہیں جنمیں آپ بیتی حسن و عشق کی داستانوں کو بیان کیا ہے ۔ دیوان کے علاوہ نصیحت اطفال قصہ عاقل وزیر کے بھی مصنف ہیں ۔ جوانی کا زمانہ فیض آباد میں کٹا ہے معلمی کے ذریعہ بسر اوقات ہوتی ہے ۔ عملیات اور نجوم کا شوق ہے ۔ تاریخ گوئی کیطرف بھی متوجہ ہیں ۔ فن سخن میں خواجہ عبد الرؤف عشرت سے تلمذ ہے ۔ غربت سے بسر ہوتی ہے

لیکن خوددار اور قانع شخص ہیں۔ مضمون آفرینی خیال آرائی کو معاملہ بندی پر مقدم سمجھتے ہیں انکا دیوان تیار ہے چند شعر درج ذیل ہیں۔

حال کھلتا ہی نہیں تقدیر کی تحریر کا	کیا قلم ٹوٹا ہوا تھا کاتب تقدیر کا
گیسو ورخ کی اگر آٹھ پہر یاد نہ ہو	دن کو یہ آہ نہ ہو رات کو فریاد نہ ہو
پس دیوار جو ہیں نالہ کناں جا نکلا	ہنسکے فرماتے ہیں دیکھو کہیں سجاد نہ ہو
باتیں نکر سکے دم مرگ آشنا کے ساتھ	آنسو کی طرح دم نکل آیا صدا کے ساتھ

سجاد ۔ میر علی سجاد صاحب خلف میر حیدر علی باشندۂ موضع کھڑا پرگنہ بلیہ۔ آپ الہ آباد میں محافظ دفتر کلکٹری تھے۔ میر علی اوسط رشک کے شاگرد تھے۔ ایک دیوان ان کی یادگار تھا۔ معلوم نہیں کہ شایع ہوا یا گمنامی کی نذر ہو گیا۔ طرز بیان میں اپنے استاد کے نقش قدم پر چلتے ہیں ؎

صدقہ ترے قد پہ لاکھوں خوش قد	آنکھوں پہ فدا ہزار آنکھیں
گلرنگ ہیں آستین و دامن	دکھلاتی ہیں کیا بہار آنکھیں
دو دن میں یہ گھٹ گئی محبت	کرتے نہیں مجھسے چار آنکھیں
ان آنکھوں پہ دم نکل رہا ہے	پھیر نہ نکال یار آنکھیں
روئیں یہ لہو ستم کی خاطر	سجاد کی ہیں فگار آنکھیں

سجاد ۔ صاحبزادہ محمد سجاد علیخاں صاحب نبیرہ صاحبزادہ ہادی علیخاں۔ آپ نواب صاحب رامپور بہادر کے خاندان سے ہیں حضرت احسان رامپوری تلمیذ حضرت داغ کے شاگرد ہیں۔ موزوں طبع۔ قافیہ پیما ہیں اور خاصہ شعر کہہ لیتے ہیں۔ کلام یہ ہے۔

کیں منتیں بھی ہاتھ بھی جوڑے وصال میں	آئی نہ میری بات پر ان کے خیال میں
سجاد بھول کر نہ کیا اس نے مجکو یاد	آٹھوں پہر گذرتے ہیں جنکے خیال میں
صدمہ ہو دل پہ کیوں مرے لب پر فغاں نہ ہو	ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو

زاہد بتائیں راہ تمہیں ہم ثواب کی | بازار میں لگا دو سبیل اک شراب کی

سجاد - نواب میرزا محمد سجاد علیخاں عرف نواب منے صاحب خلف دوم نواب میرزا محمد جعفر علیخاں بہادر نواب شیش محل - آپ نہایت طباع اور ذہین ہیں - عربی فارسی انگریزی میں دستگاہ حاصل ہے - ابتدائے سن شعور سے طبیعت شعر گوئی کیطرف مائل ہے مشاعروں میں شریک ہو کر اپنے کلام بلاغت نظام سے سامعین کو محظوظ کیا کرتے ہیں شعر گوئی میں حضرت مشتاق لکھنوی سے تلمذ ہے - نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج شخص ہیں وہ لکھنو کی ٹکسالی زبان پر قادر - روزمرہ محاورات کو برتنے میں طاق ہیں - طبیعت میں آمد زیادہ اور آورد کم ہے - معاملہ بندی کیطرف میلان خاطر ہے - اگرچہ شعر کم کہتے ہیں مگر جتنا کلام ہے خوب ہے - طبع عالی کا نمونہ یہ ہے ؎

شباب گلشن ہستی میں خواب تھا گویا | کھلی جو آنکھ تو پھر موسم بہار نہ تھا
لب تک آ آ کے شب ہجر رکا تھا نالہ | منہ سے کس طرح نکلتا کہ ترا راز بھی تھا
ترا تو تھا مرا سر تھا جو ہنگام غشی | عشق کو حسن پہ اسوقت بڑا ناز بھی تھا
بڑھیگی تیرگی شام تربت عاشق | ہوا سے گل نہ کہیں ہو چراغ مدفن کا
شباب کھتا ہی ملکہ اسکی طفلی سے | بدلتا جاتا ہے اب طور تیری چتون کا
زمین اس جا سے شق ہو جائیگی صحرائے وحشت کی | پڑیگا عکس جس جا پر مرے چاک گریباں کا
سامنے ہے آئینہ تیغ نظر ہوتی ہے صاف | کچھ خبر اسکو نہیں ہے کون بسمل ہو گیا
کوئی کہدے یہ اب اُسے مسافر کو کرو رخصت | رگوں سے کھنچکے آنکھوں میں رکا ہو آکے دم میرا
تلاش یار میں صحرا نوردی ایسی کی میں نے | کہ سر پھرتا ہے وحشت میں جو رکتا ہو قدم میرا
وطن چھوڑا بسایا دشت غربت انکی خاطر سے | اب آگے حضرت دل دیکھیں کیا ارشاد کرتے ہیں
بتوں سے کے نیچ بیٹھکر ہم خدا کو یاد کرتے ہیں | کبھی خاموش رہتے ہیں کبھی فریاد کرتے ہیں
مونس نہیں رفیق نہیں ہم نفس نہیں | کوئی شب فراق میں فریاد رس نہیں

جب دیکھو حسنِ حور کا ہمسر نہ دیکھے
بلبل یہ بولی آہ شرربار کھینچ کر
مجھکو تو دل سے بھائی ہے ساقی کی چشم مست
ہوچکے ایسے بہت اقرار رہنے دیجئے
چودہواں سال ہے باہر نہیں نکلے گھر سے
آج کی شب یہیں رہ جائیے اے بندہ نواز
سجاد وصلِ یار مبارک ہو آپ کو
نہ ہو ذرا سا بھی غم مجھکو گر ہوں سب دشمن
اگر میں غیر سے ملتے ہوئے اسے دیکھوں
تکے منہ در ہے ہستی پہ اپنی رو غافل
بوتل سے یہ ابلی نہیں بزم میں ساقی
حوادث سے ڈریں کیا وحشی عشق

واعظ سا بھی جہاں میں کوئی بوالہوس نہیں
اب آج یا تو ہم نہیں یا یہ قفس نہیں
وہ دیکھنے کی آنکھ ہے جسمیں کہ رس نہیں
منہ نہ اب کھلوائیے اے یار رہنے دیجئے
آپ کیا جانیں ابھی دردِ مصیبت کیا ہے
کل چلے جائیگا ایسی بھی عجلت کیا ہے
برسوں کے ایک رات میں ارمان نکل گئے
جو ایک دم کیلئے میرے پاس تو آئے
بجائے اشک مری آنکھ سے لہو آئے
کوئی حباب نظر جب کنارے جو آئے
اڑنے کا ارادہ کیا شیشے کی پری نے
سپلے دامن میں صحرائے بلا کے

سجاد ۔ منشی سجاد علی حیدرآبادی۔ حضرت ظہیر دہلوی مرحوم کے تلامذہ سے ہیں۔ طبیعت رسا ہے ذہن میں جولانی ہے۔ رسالہ کمال دہلی ۱۹۱۲ء سے چند شعر منتخب کئے ہیں جو خیال کی رفعت اور شوخی طبع کی دلیل ہے ؎

اثر اب بھی ہے اتنا اضطرابِ جوشِ وحشت کا
کہ اڑ جاتا ہے کھنچتے کھنچتے نقشہ مری صورت کا
دغا کیسی کہاں کا عشق سب کہنے کی باتیں ہیں
بھرم دو دن میں کھل جائیگا غیرِ دنی کی محبت کا
سمجھ ایسے شوق سے رکھدیتے ہیں گردن زیرِ خنجر
قضا منہ چوم لیتی ہے شہیدانِ محبت کا

سجاد ۔ صاحبِ طبع نقاد۔ نواب سید سجاد میرزا صاحب سجاد دہلوی خلف الصدق معین الدولہ صدر الملک ذوالفقار الدین حیدر ذوالفقار جنگ بہادر المعروف نواب ناظر حسین میرزا مرحوم ابن نواب حسام الدین حیدر خان نامی۔ آپ کو اوائل عمر میں میرزا غالب

سے مشورہ رہا پھر میرزا قربان علی بیگ سالک کے شاگرد ہوئے ۱۲۸۱ھ میں جب کہ آپ صاحب کمشنر کے ہمراہ تھے۔ گھوڑے سے گر کر انتقال کیا۔ میرزا عبدالغنی ارشد اور میر شاہجہان کامل نے وفات کی تاریخیں کہیں "بیٹھکر رنج و غم سے کہتے ہوں آہ" "ہے ہے از پشت اسپ افتادہ" ان مصرعوں سے مادۂ تاریخ نکلتا ہے۔ حضرت سجاد کے والد نے لڑکپن سے عالم پیری تک غالب مرحوم کی مصاحبت میں معتدبہ علمی فوائد اٹھائے۔ اور انہیں سے فارسی پڑھتے رہے۔ گو وہ سخنور نہ تھے۔ مگر سخن فہمی میں بے نظیر تھے اور بادشاہ کے ساتھ خواصی میں بیٹھنے والے خاندانی امیر۔ آخر اپنے چاہتے بیٹے کے غم میں دیوانہ ہوکر مر گئے۔ انہیں مرثیہ خوانی میں بھی کمال حاصل تھا۔

میرزا سجاد نہایت پاکیزہ خیال۔ جادو مقال شاعر تھے حسن صورت بھی رکھتے تھے پیرایۂ بیان دل گداز اور تخیل کرشمہ ساز تھی اگر کچھ دنوں اور زندہ رہتے تو کشور شعر اور پختگی زر قلمرو سخن میں اپنے نام کے ڈنکے بجاتے۔ آپ کی معدن فکر کے گوہر ذرا ناظرین ہیں۔

آئینہ خانہ میں ہے محو خود آرائی کا
واہ کیا خوب ہے دعویٰ اسے یکتائی کا

غیر کا کوچہ ہو اور گرد ہو لڑکوں کا ہجوم
ہو محبت میں یہ سامان جگر سودائی کا

آپ کے پند و نصائح ہیں بجا سب واعظ
عقل اس وقت ہیں اک نام ہے رسوائی کا

انگلیاں شہر میں اٹھتی ہیں جدھر جاتا ہوں
اور ابھی دور ہے عالم مری رسوائی کا

کچھ بھی غیرت ہے تو رو رو کے بکھر جائیگا غم
دیکھکر نقش مری ناصیہ فرسائی کا

اب تصور میں بھی مجھکو نظر آتے نہیں ہم
ماجرا پوچھتے کیا ہو شب تنہائی کا

غیر کو ڈھونڈنے اس رہ چلے جاتے ہیں
ہے انک کو تو ڈالا ہے شناسائی کا

یہ جو دیوانہ سا پھرتا ہو دہی ہے سجاد
شہر میں شور تھا جس شخص کی رسوائی کا

یعنی غیر ہے کہ نہیں مجھکو رشک غیر
جسمیں کچھ شکل و شمائل مری ملتے دیکھی

یوں مجھ سے رہتے ہوں کہ نہ ہم آ زرے دوست
انکو دیکھے ہے تنے قتل کیا میرے بعد

میرے سیاہ حال کی تقریر ہے وہ زلف	روز سیاہ نالۂ شبگیر ہے وہ زلف

سجاد

سجاد۔ حکیم میر سجاد اکبرآبادی ولد میر محمد اعظم شعرائے قدیم میں سے ہیں۔ شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے۔ فکر شگفتہ اور استعداد علمی معقول تھی۔ قدرت اللہ شوق اپنے تذکرہ میں رقم طراز ہیں کہ انکا کلام نہایت شیریں اور دلفریب ہوتا تھا۔ کلام میں متانت پختگی کے علاوہ غضب کی ہمواری ہوتی تھی۔ اپنے زمانہ کے اعتبار سے واقعی اچھا شعر کہتے تھے۔ مگر خیالات میں زیادہ پرواز نہ تھی۔ جسقدر کلام دستیاب ہوا اُسکا انتخاب یہ ہے۔

تجھکو اے سجاد غیر از خنجر بیداد کے
اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

یار سے دل ملا وہ غیر سے
نہ دل اپنا ہوا نہ یار اپنا

جان و دل سب قبول ہے جانا
پر گلی میں تری مجھے آنا

جلنے سے صدق دل کے سب بچ گیا خلیل
وہ بات ہوگی سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

پیوہواں سا فلک ستاروں ساتھ
نظر آتا ہے اک جلا کاغذ

دل کی جمعیت نہ کھو دل کھول کر
ہوئے ہے غنچہ پریشاں بول کر

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لیجائے لٹے
خواہ زلفیں خواہ ابرو خواہ مژگاں خواہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں
سب مزے در کنار ہوتے ہیں

اسکو ہم نے کیا گریباں چاک
تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

کس طرح کوہ کن پہ گذریں تھیں
ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی یا رسی بھری ہوئیں
آنکھیں فتنہ کے بیچ تمہاری گلابیاں

جب کرے ہے ترے دہن کا بیان
منہ سے غنچہ کے پھول جھڑتے ہیں

لب شیریں پہ اس کی حرتا ہو لب
زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

عشق میں جان کا کہیں مارا
بے طرح دل ہوا ہے آوارہ

بے تکلف ہو بنت سیر پہنچی ہو سجاد
چشم زنگی عجب طرح کی مستانی ہے

عاشقوں کا سجن لہو پی پی	دم بدم تیری تیغ اُگلے ہے
پانوں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں	کیا بگولوں نے سر اٹھایا ہے
بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے	یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے
رات اور زلف کا یہ افسانہ	قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

سجاد

سجاد - جناب مستطاب منتظم السلطنت جنرل برادر السلطان نواب ذوالفقار الدولہ سید محمد سجاد علیخانصاحب بہادر تیغ جنگ رئیس لکھنؤ۔ آپ مٹیا برج کلکتہ میں بادشاہ کے ہمرکاب تھے۔ انکی ہمشیرہ نواب نشاط محل بادشاہ کے ممتاز محلوں میں سے تھیں۔ آپ کو شاعری کا شوق تو لڑکپن سے تھا۔ مگر بادشاہ کی صحبت نے سیف طبع پر اور بھی صیقل کردی اور اچھے خاصے شاعر بن گئے۔ آپ ایک غزل کے مقطع میں خود ارشاد فرماتے ہیں ؎

قرب سے اختر کے اے سجاد یوں چمکتا ہیں	جسطرح تاباں ستارہ ہو مہ کامل کے پاس

کلام بلاغت نظام یہ ہے ؎

پھر پرسش جب نہ ٹھیرا وہ تن بسمل کے پاس	کر دئیں لیتا ہوا لاشہ گیا قاتل کے پاس
کم سنی کہتے ہیں اسکو ذبح کرکے ڈر گیا	خوف سے آتا نہیں قاتل تن بسمل کے پاس
یہ کسکے نور سے معمور ہے تصویر مٹی کی	کہ چشمک زن ہے مہر و ماہ پہ تنویر مٹی کی
بہت دشوار ہے تربت میں ٹھیری اعضا اپنا	ہوا ہے کوچۂ جاناں ہے دامن گیر مٹی کی
جنوں میں پنجۂ وحشت نے ایسا زور بخشا ہے	کہ میرے سامنے ہے آہنی زنجیر مٹی کی
محبت کا مزا ہے جان جاتی ہے حسینوں پر	کوئی اسکا مداوا کیا کرے تاثیر مٹی کی
ہماری قبر پر وہ فاتحہ پڑھنے کو آتے ہیں	صلا کر ہمکو جاگی ہے مگر تقدیر مٹی کی
اُڑایا ذرہ ذرہ کرکے میری خاک تربت کو	یہی لازم تھا انکو خوب کی توقیر مٹی کی

سجاد

سجاد - میر سجاد حسین صاحب جاگیردار بڑودہ۔ انکے بزرگ سہوان کے رہنے والے اور سرکار بڑودہ میں اپنی سپاہیانہ کارگذاریوں کی بدولت صاحب سوخ ممتاز تھے سرکار

بڑودہ سے ابتک انہیں جاگیر ملتی ہے۔ موزوں طبع ہیں بعض شعر اچھے نکال جاتے ہیں۔

رکتی ہے روکنے سے بھی انکی زباں کہیں ۔ باتیں سنائیں فقرے کسے پھبتیاں کہیں
فرقت میں اسقدر ہوئے ہم خوگر ستم ۔ اب خوف ہے وہ پھر نہوں مہرباں کہیں
آتا ہے شوخیوں کا مزہ بھولے پن کیساتھ ۔ ہو جائیں بچپنے میں وہ یارب جواں کہیں
لطف ہے جو بات کی درپردہ وہ بیداد کی ۔ مرحبا کیا بات ہے ظالم تری ایجاد کی
جان شیریں دیتے ہی شیریں کو اپنا کرلیا ۔ قسمت خسرو سے کوشش بڑھ گئی فرہاد کی

سجاد **سجاد** ۔ منشی سجاد حسین نائب سرشتہ دار تحصیل ضلع مرزا پور۔ آپ میرزا فائز بنارسی کے شاگرد ہیں
انداز بیان سے کہنہ مشق معلوم ہوتے ہیں۔ زبان بھی سلیس ہے۔ خلاصہ افکار یہ ہے۔

تمہارا حسن ہے بس اعتبار کے قابل ۔ ہزار ہیں پہ نہیں اک شمار کے قابل
ہزار تم کہو آؤں گا میں نہ مانوں گا ۔ یہ کوئی بات بھی ہے اعتبار کے قابل
برا ہو الفت خاک دیار قاتل کا ۔ کہ میری لاش کو رکھا نہ چار کے قابل
دیے ہیں داغ فلک نے یہ سوچکر دل میں ۔ یہی تو باغ ہے اس لالہ زار کے قابل
ٹپکتے اشک جو دیکھے تو پیار سے بولے ۔ ہے ایک ایک گہر اسکا ہار کے قابل
گلے کا ہار نہ ماتم میں میرے توڑ کے پھینک ۔ ارے یہ پھول ہیں میرے مزار کے قابل
ہزار بار گلے پر لگا کے تیغ تھکے ۔ مجھے سمجھتے تھے وہ ایک وار کے قابل
نہ فکر تم کرو سجاد شعر گوئی کی ۔ یہ سختیاں ہیں کہاں جان زار کے قابل

سحاب **سحاب** ۔ کنور گوپال سنگھ صاحب مرحوم خلف الرشید راجہ سالگرام و برادر زادہ لالہ دینی سنگھ
مدار المہام وزیر اکبر شاہ ثانی دہلی کے مشاہیر عمائد اور اپنے وقت کے ممتاز وکیلوں میں شمار کئے
جاتے تھے۔ آپکے دادا راجہ جیکھ رائے اکبر شاہ ثانی کے عہد میں اور والد اور چچا اوائل عہد
بہادر شاہ ثانی کے زمانہ میں مقرب و مختار شاہی رہے۔ راجہ دینی سنگھ اپنے وقت کے منشی
بے بدل اور زریں رقم متصور کئے جاتے تھے۔ تحریر شکستہ بالخصوص طور پر انکے زور قلم اور

جواہر نگاری کا نمونہ ہے۔ کنور صاحب نے قدیم رسم و نقطۂ خیال کے بموجب گھر پر امیرانہ طریقہ کی تعلیم پائی تھی۔ لالہ رام جیداس گڑ والہ کی صاحبزادی ان سے منسوب تھیں جو موجودہ سرپرست خاندان رائے بہادر لالہ سری کشن داس کی پھوپی تھیں آشوب غدر اور قلعہ شاہی کے بگڑ جانے سے معیشت کی طرف سے وہ آسودگی اور فراغ البالی جو پشتوں سے حاصل تھی نہ رہی کئی لاکھ روپیہ جو بادشاہ سے لینا تھا وہ سب تباہی قلعہ میں کار انگریزی نے ضبط کر لیا۔ تاہم کنور صاحب نے اپنی لیاقت سے دو تین ہی برس میں وکالت کی سند حاصل کر لی اور اچھے کامیاب وکیل ہو گئے اور بزرگوں کی امارت کو ایسا چمکایا کہ "آب رفتہ بجوے آمد" کے مصداق ہو گئے اور بزرگوں کی جائداد دوبارہ خرید کر لی۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے کنور منوہر لال۔ کنور سری رام افسوس ہے کہ ان دونوں کا انتقال ہو گیا۔ کنور جواہر سنگھ خلف راجہ دیبی سنگھ اب اس خاندان کی یادگار ہیں جو راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں۔ کنور صاحب شعر قابل تحسین فرماتے۔ امیرانہ وضعداری زندہ دلی۔ دوست نوازی میں فرد تھے۔ انگریزی میں دستگاہ اچھی تھی خلق و مروت طینت میں داخل تھا۔ مولف تذکرہ کے والد سے دوستانہ تعلقات تھے ۱۸۸۷ء میں انتقال فرمایا۔

گو کبھی کبھی شعر کہتے تھے مگر یایں ہمہ حق سخن ادا کر دیتے تھے حکیم غلام مولیٰ بخش قلق ارشد تلامذہ حضرت مومن دہلوی سے اصلاح لیتے تھے۔ کلام میں سوز و گداز۔ درد تھا۔ یہ دو شعر ان کی طبع سلیم کا نتیجہ ہیں۔

شمع رو ورد کے سر نرم یہ کہتی ہو کہ ہائے اے دل رفتہ مگر جان پہ کچھ آن بنی ہے	خاک کرتی ہے مری گرمی بازار مجھے چارہ گر اب نظر آتے ہیں عزادار مجھے

سحاب

سحاب - محمد اللہ یار خاں خلف ہارون خاں۔ آپ خیر آباد کے باشندے اور فوج میں رسالدار تھے۔ فن سخن میں میرزا محمد رضا برق سے تلمذ تھا ایک دیوان انکی یادگار ہے۔ طبع رواں کے جوہر یہ ہیں۔

آتش رنگ حنا سے کیا بھبو کا پاؤں ہے	اے پری نظروں میں اپنی صاف شعلہ پاؤں ہے

ہر ستارہ تیری چوٹی کا ہے رشکِ آفتاب
شعلے نقشِ پائے جاناں سے نکلتے ہیں سحاب

نور کے سانچے میں کیا خالق نے ڈھالا پاؤں ہے
اس تماشا گاہ میں اُس کا تماشا پاؤں سے ہے

سحاب

سحاب منشی نصیر احمد خانصاحب خلف محمد سعید خانصاحب رامپوری۔ آپ حضرت منیر شکوہ آبادی کے شاگرد تھے ۱۲۶۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ آغاز عمر سے شاعری کا شوق تھا۔ گوہر باری طبع کی تراوش یہ ہے سہ

گل ہے باغوں میں یہ بت شمع ہے کاشانوں میں
سودا ہے کسکی زلفِ پریشاں کا اے سحاب
دل بھی حاضر ہے جگر بھی آنکھ اُٹھا کر دیکھ تو
مصیبت ناخدائے عشق ہے دریائے عالم میں

دن کو ہم بلبلوں میں رات کو پروانوں میں
پھرتے ہو ساری رات جو آشفتہ حال سے
دو نشانے ہیں ترے تیرِ نظر کے واسطے
اسی کشتی کا بیڑا پار ہوتا ہے تباہی سے

سحاب

سحاب سید منور علیصاحب آپ حضرت احسان شاہجہانپوری مرحوم سے تلمذ رکھتے ہیں معاملہ بندی مضمون آفرینی۔ زبان کیطرف راغب ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

گالیاں سنوائیں لیجا کر ہمیں
ہم تو مر جانیکو آمادہ ہیں اک مدت سے
درد اُٹھ اُٹھ کے کہتا ہے دل سے
غیر سے کھد و خوش ہو شبِ وصل
دخترِ رز شیشے سے کیوں باہر ہوئی

حضرت دل یہ سلوک اچھا کیا
دیر اتنی ہے کوئی کوسنے والا ہوتا
کیوں مزہ چکھا آشنائی کا
آگے آتا ہے دن جدائی کا
آگیا دل کیا کسی مے خوار پر

جوانی آگئی کیا بھولے بیٹھے ہو لڑکپن پر
جو دل کہتا ہے ہم سے ہم وہی کرتے ہیں کچھ بھی ہو
اسی امید پہ ہمکو خوشی ہے اپنے مرنے کی
ابھی ننھا سا دل ہے ڈر نجاؤ مجھکو یہ ڈر ہے
ابھی تو فیصلہ ہوتا ہے میرے مرنے جینے کا

مجھے ڈر ہے کوئی قبضہ نہ کر لے اٹھتے جوبن پر
ہمیں تو اعتبار دوستی ہے اپنے دشمن پر
کہا تھا ایک دن اُسنے کہ ہم آئینگے مدفن پر
اندھیرے میں اکیلے جاتے ہو دشمن کے مدفن پر
چھری وہ رکھ بھی دیں تکبیر کہکر میری گردن پر

مجھے پلوائی ہے زاہد کی ضد نے اب تیا ساقی
عذاب آخرت کا بار ہو گا کس کی گردن پر

ہمارا چار دن بھی باغ میں رہنا نہ خوش آیا
فلک نے خوب جل کر آگ برسائی نشیمن پر

تمنا ٹھوکریں کھانے کو لائی
قیامت کو بھی آج اسکی گلی میں

فکر دشمن مرے آگے شب وعدہ کیا خوب
دل میں جو کچھ ہے تمہارے وہ سمجھتا ہوں میں

وہ کہہ رہے ہیں جو اچھی نہ میری خو ہوتی
تو کیوں زمانے کو ستانے کی آرزو ہوتی

صدائے لن ترانی ہو چکی اب ہم نہیں سنتے
دکھا دو ہم کو بھی جو تم نے موسیٰ کو دکھایا ہے

سحاب - میرزا کاظم حسین صاحب لکھنوی - آپ حضرت فصاحت لکھنوی کے شاگرد ہیں طبیعت میں بلند پروازی اور جولانی ہے - زبان بھی سیدھی سادی ہے - بارش فکر کی دُر افشانی یہ ہے -

بازار عشق صبح شب وصل سرد تھا
فریاد بھی نہ آہ پسینہ میں درد تھا

وحشت نے جان قالب بیجاں میں ڈالدی
کانٹا بھی میرے ساتھ بیاباں نورد تھا

دم آخر مرے بالیں پہ وہ آ بیٹھے ہیں
سختی نزع کا مشکل ہے اب آساں ہونا

آج پیر دانع ہی کل خاک اُڑیگی دل میں
اس گلستاں کی ہے قسمت میں بیاباں ہونا

کسی کا شعر اچھا سنکے دل سحر کی جس سے
اُٹھے محفل میں ہم سے اے سحاب اہل نظر جانا

پامال کون ہو گیا ٹھوکر کے لگی
اتنا تو جھک کے دیکھ تو کیا رہگذر ہے

سحر - نیر سپہر قستان معانی سر دفتر بیاض نکتہ دانی - سر آمد ارباب ہنر شیخ امانی لکھنوی خلف شیخ محمد امین - پہلے آپ خرمن ناسخ کے خوشہ چینوں میں داخل ہوئے - پھر محمد رضا برق لکھنوی سے استفادہ حاصل کیا - ایک موقع پر آپ اپنی عقیدت مندی کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں

ہو فصاحت شعر میں اپنے نہ کیونکر اے سحر
مدتوں صحبت اٹھائی ناسخ مغفور کی

دنیا بھر کے بکھیڑوں سے کوسوں دور بھاگتے تھے - پدری وراثت سے بے محنت ذکر ارو سردار ہو جانا قانع ہونیکی دلیل تھا - شاعری اور نازک خیالی نے امجد علیشاہ اور واجد علیشاہ کی سرکار میں سرافراز کیا تھا - اور معاصرین میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے - چند ماہ نواب محمد حسن

خاں کی ملازمت میں رہے۔ وزیر۔ صبا۔ اسیر وغیرہ کے ہم مشق تھے۔ آپ ہمیشہ سجیلے جوانوں کیطرح نک سک سے درست رہتے تھے۔ فوق البھڑک لباس حسن صورت کی خوبیوں کو دونا کردیتا تھا اور "ایک نور آدمی ہزار نور کپڑا" والی مثل انکی جامہ زیبی پر صادق ہوتی تھی۔ اکثر رنگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اپنے اُستاد کی تقلید میں کمبل کا لباس بھی زیب تن کر لیتے تھے۔ جبتک لکھنؤ رہے آٹھویں روز اپنے گھر پر مشاعرہ کرتے رہے۔ فرد مشاعرہ پر یہ شعر درج کر دیا کرتے تھے۔

کفش خانی کو جو احباب سرافراز کریں ۔۔۔ آٹھویں روز اسیطرح کا جلسہ ہو جائے

سنہ ۵۷ء کے پرآشوب غدر نے جس طرح دیگر اہل کمال کو آوارہ و سرگشتہ رکھا اسی طرح آپ کو بھی طرح طرح کی مصیبتیں بھگتنی پڑیں۔ عرصہ تک پیادہ پا بیابانوں کی راہ ناپتے رہے۔ کچھ دنوں کاکوری۔ بلگرام۔ فتح آباد میں پناہ گزین رہے۔ آخر کار شورش ختم ہو جانیکے بعد لکھنؤ کی سرزمین پر قدم رکھنے کا قصد کیا مگر صبح وطن کی شعاعیں بھی ابھی نہ دیکھنے پائے تھے کہ اثنائے سفر میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

خوش قسمتی سے آپ کو تلامذہ لائق اور قابل دستیاب ہوئے۔ حضرت قدر بلگرامی نے انکا نام روشن کر دیا۔

آپ کی شاعری میں لکھنؤ کے گذشتہ شاعرانہ مذاق کی جیتی جاگتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ رعایت لفظی۔ ضایع بدایع ضلع جگت میں حضرت امانت مرحوم سے دو چار قدم آگے ہیں تو۔ محاورہ بندی۔ سلاست سادگی میں رند۔ اور صبا کے ہم قدم ہیں۔ لکھنؤ کی کوچہ گردی بے پردہ حسن بیباکانہ معاملوں کا نقشہ اور دلی واردات انکے واسوخت میں ہیں۔ بازاری سے ہفت ہزاری تک اس شعر کو مزے لے لے کر پڑھتے تھے

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہے ۔۔۔ تہِ خاک سب کچھ ہوا ہم اکیلے رہے

غزل گوئی کے سوا رباعی۔ قطعات۔ قصائد بھی کہتے تھے۔ اکثر قصیدوں کی تشبیب خوب ہے۔ دیوان جو شایع ہو چکا ہے۔ اپنے رنگ میں لاجواب ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

موسیٰ نے طور ہی پہ دیکھا تھا نور تیرا

وہی ہیں آنکھیں دیکھنے کیواسطے

جو کچھ ہوا سو ہوا بس "گذشتہ را صلواۃ"

قبر میں رہ رہ کے جی گھبرائے گا

احباب کی صحبت سے دل اپنا نہ اُٹھے گا

منہ سے جب حرف ناسزا نکلا

ہیٹری سودائی ہوں ہمیشہ کا

لب رنگیں سے جو کیں نوک کی باتیں ہمنے

صحبت سے کا مزا ساقیِ دوراں تک تھا

نہ گئی جوش جنوں میں بھی وہ مزا نشی

ملے نہ دل سے ہمیشہ فراق میں رکھا

جام قسمت کا بہر کیف ملیگا کہیں ہوں

زمانہ دیکھا ہے اے خضر ابتدا سے مگر

دو دن کی زندگی تھی کس لطف سے گذرتی

لے لیا دل تو مال اپنا تھا

چشم مخمور نے گردش جو دکھائی ہوتی

فائدہ روز نکھرنے سے بت پردہ نشیں

چمک رہا ہے ستارہ آج کل اک ماہ تاباں کا

دیکھکر حال دل غم زدہ بس رو دوگے

میکدہ سے اٹھا ہے ابر بہار

جب جان گئی اپنی پھر وصل ہوا تو کیا

ہر شے میں دیکھتے ہیں عاشق ظہور تیرا

دیکھیں گے جو کچھ خدا دکھلائیگا

کہاں تلک کوئی رویا کرے گلہ دل کا

یار کا گھر بہت یاد آئے گا

لکڑی کا کبوتر ہے اکیلا نہ اٹھے گا

پھر لطیفے کا لطف کیا نکلا

آج اس کوچہ میں بھی آنکلا

اے پری رو رگ یاقوت پہ نشتر مارا

جام کو مرقد جمشید پہ جاکر مارا

بات اگر سخت سنی سمجھے کہ پتھر مارا

تمام عمر غرض اشتیاق میں رکھا

کون سا فرض ہے میخانہ میں ہونا اپنا

ابھی دکھائیگی یہ عمر جاوداں کیا کیا

تم مجھسے انس کرتے ہیں تم کو پیار کرتا

زلف کی کچھ گرہ کا کھول لیا

دست جمشید میں مٹی کا پیالا ہوتا

لطف جب تھا کہ کوئی دیکھنے والا ہوتا

خط تقدیر کے نقطوں میں بھی عالم ہے افشاں کا

تم سے اب اور تو لے دیدۂ تر کیا ہوگا

میرے دل کی لگی بجھا دے گا

اس جا سے ور گذرا اس پیار سے باز آیا

منتظر کب سے ہیں صبوحی کے
ذکرِ گیسو پہ یار سے بگڑی

کچھ ضرورت نہیں اُس بزم میں ہونا اپنا
آبرو خلق میں مانند گہر پیدا کی

مرتبہ عشق میں حاصل ہے انا لیلیٰ کا
زاہد و منبر سے بت بھی کہیں پڑھتے ہیں نماز

دریار پہ تو ٹکر یا تو ں بیٹھے
اٹھتی ہی دریار پہ اب پردے کی دیوار
کس ناز سے کھتے ہیں جنازہ پہ سحر کے

رکھتے ہیں راہِ شرع میں اس شرط سے قدم

ان بتوں کو جس نے پہچانا
گرد رہتا ہے حلقۂ احباب

وادیٔ وحشت بڑا ہے سنراوں تک بے چراغ
غصہ میں کوئی دیکھے دندان و لب کا عالم

عاشقِ کامل کی صورت سے قمر چھپتی نہیں
ایک بوتل کا نشہ ہے ایک تو ڑے میں سحر

اس محبت کے مزے سے جو کوئی واقف ہوا

حور ہے قبر میں وہ پاس نہیں
امتحاں اپنا بھی ہو جائیگا جاری کیا ہے
ساقی ہے نوجواں ابھی کم سن ہیں مغبچے
دستِ سبو سے ہاتھ ملے جاوے کند

آفتاب اب تو سا قیا نکلا
یہ لڑائی کا سلسلہ نکلا

دلکشا سے ہے زیادہ ہمیں کونا اپنا
آپ منظور ہوا ہم کو ڈبونا اپنا

دل سے اٹھتا ہے دھواں کاکل پیچاں ہوکر
ہاتھ رکھتے ہیں مرے نام سے وہ کانوں پر

نہ آنے کے قابل نہ جانیکے قابل
کس کا سرِ شوریدہ ہے ٹکرانیکے قابل
یہ سن تو نہیں تھا ابھی مرجانیکے قابل

میخانہ میں بھی جائیں گے چھپ کر ضرور ہم

سچ کہوں وہ خدا شناس نہیں
فکرِ کونین آس پاس نہیں

آدمی کیسا یہاں تو غولِ صحرائی نہیں
موتی سے پس رہے ہیں یاقوت کی کھرل میں

چاہ کی حیثیت محبت کی نظر چھپتی نہیں
لاکھ دولت کو چھپائیے مگر چھپتی نہیں

زندگی کی اُسکو لذت عمر بھر ملتی نہیں

بندہ اتنا تو بدحواس نہیں
ابھی تو نام خدا مشقِ جفا کرتے ہیں
چلکر شراب پیجیٔے پیرِ مغاں کے ساتھ
جبتک کہ پائے خم کا قدم درمیاں رہے

اپنی کہتے ہیں نہ سنتے ہیں کسی عاشق کی
آج تک موت کی ہچکی نہ کبھی آئی تھی

دم نزع ہیں اشاروں میں باتیں
سامان عیش سب ہیں بس ایک شئے "نہیں" ہے

نالہ کیا ہے اُس بت ترسا کی سامنے
تم کہا کرتے تھے میرا کوئی ہمسر اور ہے

رو دیا کئے کہ ہجر میں نالے کیا کئے
بن گئے انجان کیسے جان کے
ہے جنازہ بھی چھپر کھٹ ہجر میں

توبہ کی ہے تو شراب آپ پینے کے نہیں
زاہد و پیری مریدی سے نہیں ملتا بہشت

فقط نام ہی سنلو حور و پری کا
رنج فرقت کو پہنچی نہیں ایذا کوئی

راحت کی خوشی رنج کا کچھ غم نہیں رکھتے
بے نہائے ہوئے سے ملتے ہیں کہیں گل بوٹے

چلے تھے تو مڑ کر ادھر دیکھ لیتے
رنج و غم ہجر کے گذر بھی گئے
تیرے آتے ہی جی اٹھے مردے
وا ہوئے پیچ و تاب گیسو کے
آج واں یاد عاشقوں کی ہوئی

نالہ و آہ سے فرصت انہیں کب ہوتی ہے
یوں تو قاتل نے کیا یار کئی بار مجھے

دکھا دو "انہیں" اب تو آنکھوں میں دم ہے
کیونکر نہ دل بھر آئے شیشہ میں "مے" نہیں ہے

سولی کھڑی ہوئی ہے مسیحا کے سامنے
دیکھ لو آئینہ میں اک ماہ پیکر اور ہے

اپنی کہو ہماری تو یوں بھی گذر گئی
جان کھوئی دل کا کھا مان کے
خوب سوئے منگے دوشالہ تان کے

منتیں کر کے پلائیں گے پلانے والے
ہاتھ کیا آیا قدم سارے زمانے کے لئے

نہ صورت تمہاری نہ سیرت تمہاری
دلیں بیٹھا ہوا ملتا ہے کلیجہ کوئی

طالب ہو کسی شے کا وہ دل ہم نہیں رکھتے
اس چمن کا ہے مقرر حسن آرا کوئی

کہ ہم اور بھی اک نظر دیکھ لیتے
اب تو وہ ہیان سے اتر بھی گئے
مرنیوالے ہزاروں مر بھی گئے
بال بکھرے بھی اور سنور بھی گئے
کوئی کہتا تو تھا سحر بھی گئے

واسوخت

خود آپ مر رہے ہیں کسی پر مرینگے کیا | دل تک نہیں ہے پاس محبت کرینگے کیا
بے دم ہیں آپ اور کا ہم دم بھرینگے کیا | دھڑکا تھا ہجر کا وہ ہوا اب ڈرینگے کیا
زنجیر پہنی پاؤں میں کیا کیا کڑی سہی
ایسے اذیت شب فرقت بڑی سہی

ہر حال میں ہیں خوش بخدا وہ بشر ہیں ہم | لاکھوں بنا کے چھوڑ دئے ہیں سحر ہیں ہم
ہر چند اہل دل ہیں مگر بے جگر ہیں ہم | ہو جائے حشر بھی تو جدھر ہیں اُدھر ہیں ہم
تعریف کر چکے ہیں بُرا کیا بھلا کہیں
صحبت کے لوگ خوب ہیں تمکو تو کیا کہیں

واقف ابھی نہیں ہو ہمارے مزاج سے | بدلیں کلاہ کو نہ سلیماں کے تاج سے
کچھ بات اور پائی گئی امتزاج سے | کافر ہو اُس گلی میں بھی آئے جو آج سے
اپنی جگہ پہ دیکھ سکیں گے نہ غیر کو
جائینگے چوک اور ہی رستے سے سیر کو

دو پھول جس نے لاکے دیئے باغ باغ ہو | اتنا تو ہم کہیں گے کہ خالی دماغ ہو
آج سے بات نکرنا یہ کہے دیتے ہیں | بات کرتے ہوئے ڈرنا یہ کہے دیتے ہیں
دم محبت کا نہ بھرنا یہ کہے دیتے ہیں | اب اُنہیں لوگوں پہ مرنا یہ کہے دیتے ہیں
خوب صحبت سے ہے تمہیں واہ اسی قابل ہو
اپنے قابل نہیں واللہ اسی قابل ہو

قصیدۂ ظریفانہ

گردش چرخ سے ابتر ہے زمانہ کا حال | ذرۂ خاک ہیں پستی سے نجوم اقبال

ہیں عطارد کی طرح اہل قلم چکر میں
صورتِ بدر ہیں گردش میں تمام اہل کمال

شادی نایاب ہی گا نا ہے جہاں میں عنقا
ناچنا طائفوں کا صورت زہرہ ہے محال

نیستی پھیلی ہے اب شہر میں گنگلوں کی طرح
لوگ واقف نہیں دینے سے بجز حرفِ سوال

دینے والا نہیں ملتا ہے کوئی دنیا میں
جمع ہیں قبر پہ حاتم کی ہزاروں کنگال

مدتوں سے نہیں دیکھی ہی روپے کی صورت
لوگ سب بھول گئے سبز تھی رنگت یا لال

لال کہتا ہے کوئی۔ کوئی بتاتا ہے سبز
رات دن رہتی ہے آپس میں یہی قیل و قال

شرطیں بد بد کے روپے دیکھنے کو جاتے ہیں
چوک میں پوچھتے پھرتے ہیں کہاں ہے ٹکسال

ہیں جو کچھ اہل دول انکو یہی رہتی ہے فکر
ہاتھ آجائے کسی طرح سے قاروں کا مال

کوئی مرتا ہے جو انہیں سو تو خوش ہوتے ہیں سب
نعش پر رکھتے ہیں ہنس ہنس کے تمام اہل عیال

آمد و رفت نفس بند ہے دیکھو دیکھو
ہے یہ ادنیٰ سا دلِ تنگ کی تنگی کا کمال

نام کیا لوں میں انہیں میں سے کوئی صاحب ہیں
بندہ تھا انکی ملاقات کا مشتاق کمال

لے گیا انکے لئے ایک قصیدہ لکھکر
ڈیوڑھی پر جاکے کیا آگے جو بڑھنے کا خیال

چوبداروں نے کہا دیکھ کے میری صورت
آپ کیوں اوڑھ کے آئے ہیں دوشالہ و شال

کیا کہیں آپکے گھر میں نہیں رکھنے کی جگہ
یہ بڑا موذی ہے قبلہ یہ بڑا ہے چنڈال

کپڑے کیسے کہ کفن تک نہیں بچتا ان سے
تم تو زندہ ہو یہ لے لیتا ہے مردوں کا مال

ڈرتا ڈرتا ہوا اندر تو گیا میں لیکن
پھر یہ پر رکھ کے گیا اپنا دوشالہ رومال

دیکھتا کیا ہوں کہ بیٹھے ہوئے ہیں وہ میں حضور
جیسے دوکان میں بیٹھے کوئی بنیا بقال

میں نے جاتے ہی کہا قبلہ و کعبہ مجرا
آپ کہنے لگے اچھا ہے طبیعت کا حال

مجھکو نفرت ہوئی سمجھا میں بڑا الو ہے
کر کہا اسکا جواب اور کہا میرا سوال

جانے کی شرم سے میں نے وہ قصیدہ تو پڑھا
کیا کہوں میں کہ جو کچھ مجھکو ہوا رنج و ملال

سن چکے سارا قصیدہ تو یہ ارشاد ہوا
"آپنے خوب پڑھا حضرت جز کا احوال"

بے تمیزی کا امیروں کی تو یہ عالم ہے　　کیا کریں اور کہاں جائیں بھلا اہلِ کمال
رات دن جوتے اچھلتے ہیں عجب صحبت ہے　　ڈھول دہنے کے سوا اور نہیں کوئی خیال
ٹماٹہتما سے رہا کرتی ہے صحبت ہر دم　　"بہ جلے خجلے" تو مصاحب ہیں تجا اہلِ کمال

سحر ۔ ناظم عالی مقام سخنور شیریں کلام ۔ ہنگامہ طراز رطب اللسان معنی پرداز سحر بیان عالی جناب راجہ نواب علیخاں بہادر جنگ مرحوم سابق والی ریاست محمود آباد اودھ ۔ آپ سلطان عالم واجد علیشاہ بادشاہ لکھنؤ کے مقربان خاص اور مشیران بالاختصاص میں سے تھے ۔ اول حضرت ناسخ مرحوم سے استفادہ سخن حاصل کیا پھر کچھ دنوں تک میرزا فرخ سے مشورہ لیتے رہے ۱۲۷۶ھ میں بمقام سیوتھہ دارفانی سے عالم جاودانی کی راہ لی ۔ آپکا کلام مجر نظام لکھنؤ کے قدیم تمدن کا آئینہ ہے جسمیں شوکت الفاظ کے ساتھ قدرت کی حقیقی تصویریں کہیں کہیں اپنی جھلک دکھا جاتی ہیں ۔ صنایع بدایع کے ساتھ ہی ساتھ سادگی اور بندش کی صفائی مضامین کو معراج کمال پر پہنچا دیتی ہے ۔ رعایت لفظی تشبیہات ۔ استعارات تلمیحات یہ سب سخن کی زیبایش ہیں طبیعت میں شوخی اور ظرافت حد سے زیادہ تھی ۔ ذہن کی رسائی اور فکر صائب کی عرش پیمائی ہر شعر سے ظاہر ہوتی ہے آپنے واجد علیشاہ کے مشاعروں میں شرکت فرمائی تھی اور بارہا شرکت دربار کا شرف حاصل ہوا تھا جیسا کہ اس مطلع سے ہویدا ہے ۔

جب ور سلطان عالم پر گذارا ہوگیا　　اوج پر اقبال کا اپنے ستارہ ہوگیا

ایک مقطع میں بادشاہ کیطرف اپنی حسن عقیدت کا اظہار یوں کیا ہے ۔

یارب سحر کے سر پہ سلامت رہیں حضور　　فرماں روا جہاں میں رہیں تا جہاں ہو

الجھی ہوئی ترکیبوں کی خار دار جھاڑیوں سے آپکا دامن سخن محفوظ ہے ۔ دقیق اور بلند خیالات کو سیدھی سادی زبان میں ادا کرنا آپ کی تیغ مقال کا جوہر ہے ۔ تخیل کی پاکیزگی ملاحظہ ہو ۔

جب بے نقاب وہ چاند سا رخسار ہوگیا　　تارا ہر ایک روزن دیوار ہوگیا

دیکھئے پرواز خیال اور واقفیت کو ملحوظ رکھا ہے ہر ایک تارے کا لمعۂ حسن سے ماند ہو کر روزن دیوار بن جانا تیز روشنی کے سامنے ہلکی روشنی کا بے قدر ہونا۔ یہ تمام باتیں دائرہ قدرت سے الگ نہیں ۔

آپ عشق مجازی کا عبرت ناک نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں ؎

جلا دل۔ تن گھلا لب خشک گال کو بھی پڑا پایا	بس اے عشق بتاں اپنے کئے کو خوب بھر پایا

شعر مندرجہ بالا میں "بھر پایا" نے چوٹ کھائے ہوئے دل کی درد انگیز صدا پیدا کر دی ہے۔ مصرعۂ اول نے ایک بدنصیب کی ذات میں جن باتوں کا اجتماع کیا ہے۔ وہ سب سوز و گداز کو بڑھانے والی ہیں۔

محاورہ کی صحیح کھپت۔ زبان کا لطف مضامین کی جدت۔ راجہ صاحب مرحوم کا حصہ تھا اور مبداء فیاض سے نورانی طبیعت پائی تھی۔ اکثر غزلیات میں مطلع ایسے نادر کہے ہیں جو ایوان معنی میں خیال کی روشنی پھیلا دیتے ہیں۔ مرصع الفاظ زور بیان سے بلاغت کا مرتبہ بڑھا دیتے ہیں۔ آپ کا ضخیم کلیات ۱۲۹۳ھ میں شایع ہو چکا ہے۔ بہارستان فکر کی گلچینی یہ ہے ؎

صاعقہ حسن ہے رخسار خود آرائی کا	شعلۂ طور ہے جلوہ تری یکتائی کا
دل تری زلف مسلسل کا گرفتار ہوا	سلسلہ مل گیا زنجیر سے سودائی کا
شانہ و آئینہ اب ہاتھ سے چھٹتا ہی نہیں	خود نمائی سے بڑھا شوق خود آرائی کا
سحر تمام نہ ہو شام روز محشر تک	بیاں کروں جو شب ہجر کی درازی کا
شب جو مہتابی پہ وہ مہ بزم آرا ہو گیا	چاند کا ہیدہ ہوا آتنا کہ تارا ہو گیا
حشر کرتا ہے یہ کھنا آپکا بالائے بام	لو سوا نیزے پہ سورج آشکارا ہو گیا
وائے ناکامی تب آیا ساقی پیماں شکن	جب ہماری عمر کا لبریز ساغر ہو گیا
عمر گذری انتظار وعدۂ دیدار میں	منہ دکھایا جب کہ جب وعدہ برابر ہو گیا

قتل قاصد کو کیا خط پھاڑ کر پھنکوا دیا — تھا یہی پاسخ ہماری شوق کی تحریر کا
جس مرقع میں ہو تیری روے روشن کی شبیہ — ہو ید بیضا سے روشن ہر ورق تصویر کا

ناز تازہ مرے دلدار نے ایجاد کیا — جسکا دل ہاتھ میں آیا اُسے برباد کیا
تو ملا جبکو زمانہ میں ہوا بیگانہ — خود فراموش ہوا جس نے تجھے یاد کیا
ہوں میں وہ صید کہ خود دام مصیبت میں پھنسا — کبھی آزردہ نہیں نے دل صیاد کیا
ربط باہم ہو نہ کیوں روز ازل سے حق نے — مجھکو دیوانہ کیا تجھکو پری زاد کیا

جاتی ہے اک خلق عاشق کے جنازے کو لئے — دو قدم ساتھ آؤ گے تم بھی تو کیا ہو جائے گا

ہوں میں وہ ثابت قدم راہ وفا میں جان جاں — دیکھکر تلوے کو تیرے منہ نہ دیکھوں حور کا
لی جو انگڑائی کھڑے ہو کر تو پیدا ہو گیا — گرد اُس کے چاند سے مکھڑے کے ہالہ نور کا
گلا ہے اک بیاض نور اُس خورشید ناطق کا — کیا گوے گریباں کو ستارہ صبح صادق کا

سنکر سوال وصل پہ کی تھی نہیں نہیں — انکار میں کنایۂ اقرار ہو گیا
آغوش سے جو وہ بت گلرو جدا ہوا — بدہی کا زخم حلقۂ زنار ہو گیا

مہر شرما کے سوئے شرق پھر آیا الٹا — صبح اُس ماہ نے منہ سے جو دوپٹا اُلٹا
اچھا ہوتا نہیں بیمار تری آنکھوں کا — یہ وہ جادو ہے کسی سے نہیں جاتا اُلٹا
الفت پردہ نشیں سے ہے جو چھپانی منظور — آکے لب تک مرے پھر جاتا ہے نالہ الٹا
راہ گھر کی مرے کترا کے نکل جاتے ہیں — پھیر کھاتے ہیں مگر چلتے ہیں رستا الٹا
جس طرف مل گئے ابرو ہوئی اک خلق شہید — نیچہ کاٹ میں یکساں ہے یہ سیدھا الٹا
شاعری کا نہیں دعویٰ ہے سحر کو لیکن — نظم کر لیتا ہے مضموں کوئی سیدھا الٹا

شہپر باز اجل ہے پر خدنگ ناز کا — مرغ جاں ہی صید میرے ترک تیر انداز کا
چھیڑتی تار رگ جاں کو ہے مضراب ادا — دل دکھا دیتا ہے کھٹکا یار کی آواز کا
پیستا چلتا ہے دل ہر گام پر زیر قدم — حشر کرتا ہے بپا عالم خرام ناز کا

اپنے کوٹھے سے جو وہ دلبر رعنا اترا
بام کعبہ سے میں سمجھا کہ مسیحا اترا

آج کس نے رخ پرنور سے الٹی ہے نقاب
ماہ کا منہ جو نظر آتا ہے ۔ اترا ۔ اترا

تن لاغر کو مرے چاہیے باریک کفن
مجھکو دے ڈال جو ہو کوئی دوپٹا اترا

نقل کی جا لب شیریں کا مجھے بوسہ دے
ساقیا منہ کا مزا ہے مرے اترا اترا

انتظار خط قاتل میں یہ محویت ہے
تیر آیا تو کہا قاصد جاناں آیا

رخ طائر دل کا طرف کوئے صنم ہے
کعبہ سے پھرے قبلہ نما ہو نہیں سکتا

بچتا نہیں تا کا جسے قاتل کی نگہ نے
یہ تیر نشانہ سے خطا ہو نہیں سکتا

منظور شکست دل نازک ہے گرائے شوخ
کہدے سخن سخت جو پتھر نہیں ملتا

ابرو کو ترے شوق ہے کیا قتل عام کا
منہ دیکھتی نہیں یہ سر دہی نیام کا

ہوا ہے کعبۂ دل جلوہ گاہ حسن محبوباں
قیامت ہے بتوں نے پھر خدا کے گھر میں گھر پایا

گرا قدم پہ جو میں راہ میں اسے پاکر
تو کس ادا سے وہ بت کھڑے کے دور دور ہٹا

قفس میں نالوں سے مطلب ہے یہ اسیروں کا
بہار میں نہ چھٹے ساتھ ہم صفیروں کا

میں رند مست کروں گا کبھی نہ بیعت شیخ
جوان دست نگر کس طرح ہو پیروں کا

کبھی بھی تیر ہے بے یاری کماں چلتا
جوان ہے کون جو محتاج ہو نہ پیروں کا

بہار ہے ترے کوچہ کی اس قدر دلکش
کہ پاؤں اٹھ نہیں سکتا ہے راہگیروں کا

جگر جلا کیا شعلہ کوئی عیاں نہ اٹھا
چراغ عمر تو گل ہو گیا دھواں نہ اٹھا

اٹھا جو پردۂ رخ مہروش کا قور بڑھا
فروغ ماہ گھٹا اور چراغ طور بڑھا

نقط نہ شملہ کے بڑھنے سے اک غرور بڑھا
کہ جتنی ریش بڑھی زاہدوں کا نور بڑھا

رخ اس کا پس نقاب دیکھا
خورشید تہ سحاب دیکھا

بالوں میں چھپایا یار نے منہ
ظلمات میں آفتاب دیکھا

لطف شب وصل کیا بیاں ہو
گویا گونگے نے خواب دیکھا

چہرہ پہ گلال رنگ لایا
زیب شفق آفتاب دیکھا

تصور جو ساقی کا آیا مجھے
تہی جام آنکھیں دکھانے لگا

اللہ ری تجلی رخسار آتشیں
سنگ مزار طور کی مانند جل گیا

جب بے نقاب آیا نظر حسن شمع رو
مرغ نگاہ صورت پروانہ جل گیا

آئینہ جمال حقیقت مجاز ہے
میں فیض قرب بت سے خدا کے قریں ہوا

جوش جنوں میں سر کو جو ٹپکا ہی جابجا
اب لالہ زار دامن کہسار ہو گیا

سینہ میں آگ سوز محبت نے دی لگا
اب شعلہ ریز دیدۂ خوں بار ہو گیا

گالیاں دیکے بھی مردوں کو جلا دیتا ہے
ہے مسیحا سے لب یار کی تقریر جدا

سنگ در پر ترے رگڑا ہی یہانتک ماتھا
کہ ہوا لوح جبیں سے خط تقدیر جدا

جاتا ہوں سوئے وادیٔ غربت بحال زار
اہل وطن معاف ہو میرا کہا سنا

سنتے ہو سب جہاں کے قصے کہانیاں
لیکن نہ درد دل کا مرے ماجرا سنا

تم بے سبب جو باتیں سناتے ہو بار بار
کچھ میری بھی زباں سے برا یا بھلا سنا

دیکھئے جا پڑے ہاتھ کس عاشق ناکام کا
منہ کھلا ہے آج قاتل تیغ خوں آشام کا

مشتاق اُس کی دید کا مثل کلیم ہوں
رتبہ بلند طور سے ہے جسکے بام کا

تو مجھکو بات بات میں دیتا ہے گالیاں
او بدزبان یہ کیا ہے طریقہ کلام کا

دم کیا ہوائے شوق میں تن سے نکل گیا
مشت غبار صاف کفن سے نکل گیا

دیکھو فسون آہ شرربار و چشم تر
اخگر فشاں جدا ہوں ہیں گوہر فشاں جدا

کیا آب و تاب ہے لب دندان یار پر
وہ لعل بے بہا ہیں وہ موتی گراں بہا

ہر دم بہا بہا کے لہو مردمان چشم
تم نے تو آپ اپنا دیا خانماں بہا

شور بہاراں ہوا جوش کا ساماں ہوا
چاک گریباں ہوا قصد بیاباں ہوا

زلف جو رخ پر کھلی شام نمایاں ہوئی
رات عیاں ہو گئی مہر جو پنہاں ہوا

ہے جہاں دیوانہ بوئے زلف عنبر بیز کا
صید آہوے ختن ہی دیدۂ خوں ریز کا

عشق شیریں میں کیا کیوں آ کے تیشہ سے قتل
کوہ کن نے سر نہ پھوڑا خسرو پرویز کا

وہ رشک مہر جوڑے ہوکے بے حجاب شراب
تو موج بادہ سے بنے برق۔ آفتاب شراب

جو مست الفت ساقی ہیں وہ قیامت کو
اُٹھینگے حشر میں کہتے ہوئے شراب شراب

ہے شب یلدا سے طولانی اگر گیسوے دوست
تارے ہیں افشاں کے ذرّے ماہ کامل روے دوست

سیج پر پھولوں کی سو جاتا ہی جب وہ نازنیں
صد منہ گل برگ سی چھل جاتا ہی پہلوے دوست

چشم مردم خیرہ ہوتی ہے شعاع نور سے
پنجہ شعلہ شاخ نخل طور ہیں بازوے دوست

جان دیتا ہوں میں ایسے ستم ایجادوں پر
جنکے سایہ کو بھی ہے فوق پری زادوں پر

طوق زنجیر کی اب خلق خریدار ہوئی
تیرے دیوانوں کا احسان ہے حدّادوں پر

آبرو لیتی ہیں عشاق کی پر آب آنکھیں
ایک ساون پہ شرف رکھتی ہی اک بھادوں پر

دیکھنے چاند آیا ہے وہ ماہ پیکر بام پر
ہے بیاضِ صبح کا جلوہ سوادِ شام پر

زلف چھوڑی مجھکو دکھلا کر رخ گلفام پر
یعنی وعدہ صبح کا موقوف رکھا شام پر

وصل کا مژدہ جو پہونچا کان میں
جان سی آئی ہماری جان میں

نزع میں بھی وہ عیادت کو نہ آئے
مر گئے عاشق اسی ارمان میں

مل نہ مل مختار ہے آ یا نہ آ
ہم ترے ممنون ہیں ہر آن میں

وصل کو کہتا ہوں تو کہتا ہے یار
تم رہوگے بس اسی ارمان میں

گر ہو تیرا شعلۂ رخ برق افگن آب میں
شور کی جا ہے یقیں پیدا ہو شیون آب میں

غرق ہو وہ بھی جو ہو ظالم کے بیڑے کا شریک
ڈوبتی ہے چوب بھی ہمراہ آہن آب میں

بحر دنیا میں ہیں اکثر اہل تمکیں پست قدر
خس نہ ڈوبے تہ نشیں ہو جائے کندن آب میں

آبرو ہو خاک اک ہرجائی پہ دلدادہ ہوں
اشک حسرت ہوں نگاہِ خلق سے افتادہ ہوں

عشق میں ہے جان و دل کو پیچ و تاب اضطراب
گوہرِ آتش دیدہ ہوں سیماب آتش دادہ ہوں

دل سے دل توڑے ہیں تا حق شیشہ ہائے کیا تھا
محتسب کا خون پینے پر نہ کیوں آمادہ ہوں

میکشی کا مجھکو ہے پیر مغاں شرب پسند
دل سے ہیں تیرا پیالہ پینے کو آمادہ ہوں

کیا بلا ہے برق عالم سوز پیش حسن گرم
آفتاب حشر کہتا ہے چراغ مردہ ہوں

گر دکھاوے قاتل اپنے ابروئے خمدار کو
کوڑیوں کے مول بھی کوئی نہ لے تلوار کو

گلرخوں سے بوستاں ہیں کوچہ ہائے لکھنؤ
کیوں نہ دل مانند بلبل ہو فدائے لکھنؤ

جس طرح مرغ چمن کو ہو قفس میں اضطراب
دل ہے یوں بیتاب سینہ میں برائے لکھنؤ

بانکپن شوخی کرشمہ ختم ہیں اس شہر پر
کیوں نہ ہوں سوجی سے قربان ادائے لکھنؤ

اے سحر اس گلزمیں میں زمزمہ پرداز یاں
کہہ چکا ہے عندلیب خوش نوائے لکھنؤ

چمن ہو بادہ ہو چھائی گھٹا ہو
بغل میں ساقی گلگوں قبا ہو

نہ کیوں دل خال وخط کا مبتلا ہو
نہیں تمنا جو قسمت کا لکھا ہو

کیا تیغ نگہ سے دل کو مجروح
نمک چھڑکے تو اک تازہ مزا ہو

چاندنی کی سیر کر لے مہ چمن میں چلکے بیٹھ
چاندنی کے پیڑ کے نیچے بچھا کر چاندنی

دن کو خاک آستاں پر جبہ سا ہے آفتاب
چومتی ہے شب کو اسکے در کا پتھر چاندنی

اپنے بیگانے سب اے رشک چمن بھول گئے
دشت غربت یہ خوش آیا کہ وطن بھول گئے

ٹھوکریں کھائیں تری چال کے آگے ایسی
روش ناز کا طاؤس چلن بھول گئے

پیالہ بخشا ہے پیر مغاں نے بھر کے صہبا سے
ارادت مجھکو ہے جامی سے بیعت شاہ مینا سے

دشت وحشت میں جنوں نے یہ بگاڑی صورت
کہ مری شکل بھی یاران وطن بھول گئے

ہوا ہے میکدہ روشن فروغ حسن ساقی سے
کٹورا سونے کا خورشید مہ چاندی کی تھالی ہے

سیہ کاروں کو مانع ہو نہ زاہد زیب مسجد ہیں
سیہ ہے سنگ اسود کعبہ کی پوشاک کالی ہے

کھنچے ہیں سرمہ کے دنبالے ان سفاک آنکھوں میں
سیہ مستی میں متوالوں نے پھر برچھی سنبھالی ہے

منظور جو اس صنم کو شر ہے
اپنی اللہ پر نظر ہے

قطعہ

بیٹھا ہوں جو میں فقیر ہو کر
تکیہ اُسی بت کا سنگِ در ہے

کس مرتبہ شوخ ہے وہ عیار
آیا سرِ شب ہمارے گھر سے

رخصت کا گھڑی گھڑی ہے طالب
ہر دم سوئے آسماں نظر ہے

کہتا ہے کرکے چھیڑ چھیڑا کر
جانے دو بج رہا گجر ہے

اوڑھا ہے دوپٹہ اُس نے اودا
بدلی میں چاند جلوہ گر ہے

اللہ رے بوسے کی حلاوت
اب تک لذت زبان پر ہے

آنکھوں سے رواں ہیں اشک حسرت
ہر دم اعمال پر نظر ہے

رخ سے پردہ جو اٹھاؤ تو قیامت ہو جائے
جلوہ گر سامنے اللہ کی قدرت ہو جائے

ذکرِ رخصت نہیں پیغامِ اجل سے کچھ کم
اٹھ کھڑے ہو تو بپا ایک قیامت ہو جائے

ہے خطِ مصحفِ عارض کا نظارہ جائز
کھولو منہ سورۂ یوسف کی تلاوت ہو جائے

کون رویا نہ شبِ ہجر مری حالت پر
دیدۂ روزنِ دیوار سے آنسو نکلے

چمن اور ساقی و جام ہے مجھے ترکِ شرب حرام ہے
کسے خشک توبہ سے کام ہے مرا زاہدوں کو سلام ہے

ہوئی میکدہ میں نماز ادا کہ ہے شیشہ سے مجھے اقتدا
مرا گرنا اٹھنا بھی نشہ کا یہ سجود ہے وہ قیام ہے

لڑیں آپ ہم سے نہ ہر گھڑی کہ جواب ہم بھی نہیں کوئی
ہے زبان منہ میں ہمارے بھی مری جان غصہ حرام ہے

اے بتو ظلم تمہارے نہیں کیا کیا دیکھے
سچ ہے اللہ جو دکھلائے وہ بندا دیکھے

ذبح کرتا ہے ادا سے یہ کہے جاتا ہے
دم تہِ تیغ جو مارے "مرا مردا دیکھے"

یار ہنستا ہے مری آہِ شرر افشاں پر
ہے غضب "کوئی جلے کوئی تماشا دیکھے"

تنگ جینے سے نہ کس طرح سے ہو ہیہات
غیر کے ہاتھ میں جو آپ کا چھلا دیکھے

غصہ ہے بہت بوسۂ ابرو جو لیا ہے
کہتے ہیں کہ مرا ہاتھ تری آج قضا ہے

جاؤ نہ ابھی پاس سے بیٹھو کوئی دم بھر
تھم جاؤ ذرا درد کلیجہ میں اٹھا ہے

مرتے ہی مرے یار نے سب باتوں کو چھوڑا
غمزہ ہے نہ عشوہ نہ کرشمہ نہ ادا ہے

صاف زنگار کدورت سے جو سینہ ہو جائے
دل سلیماں کی انگوٹھی کا نگینہ ہو جائے
دی جو تشبیہ پری سے تو بُرا مان گئے
لو مری جاں نہیں آپ سے اچھا کوئی
ہیں اخترِ تاباں یہ عیاں کاہکشاں سے
یا گوہرِ غلطاں سے تری مانگ بھری ہے
یاد آتی ہے تری یا کہ ہے رونا آتا
اور ایجان کوئی کام نہیں آتا ہے
دل کا آغازِ محبت میں بُرا نقشہ ہے
نظر اچھا ہمیں انجام نہیں آتا ہے
ابر ہے نغمۂ مطرب ہے مے و ساقی ہے
آمری جان وہی دل میں ہوس باقی ہے
شیب میں بھی ہے وہی غفلت ایام شباب
ہو چکی صبح مگر نشۂ شب باقی ہے
چاند ہے چہرہ ترا اور چاندنی ملبوس ہے
ہر کلائی شمع ہے ہر آستیں فانوس ہے

خمسہ بر غزل حضرت ناسخ مرحوم

میں لختِ دل نہ قطرۂ خون چکیدہ ہوں
خشک و ترِ زمانہ سے دامن کشیدہ ہوں
ہستی عذاب نزع ہے وہ آفریدہ ہوں
ہوش رمیدہ ہوں نہ حواس پریدہ ہوں
وحشت میں ہیں صدائے گلوئے بریدہ ہوں

ساقی کے ہجر میں ہے دل مضطرب تپاں
ہے دخترِ رز کی دیدہ کاہش نصیبِ جان
چہرہ سے رنگ سر سے اڑے ہیں حواس یاں
کس کو خبر کہ شیشہ کہاں ہے قدح کہاں
بے یار بزم بادہ میں ہوش پریدہ ہوں

وحدت کے قائلوں سے ہی مخفی نمودِ غیر
ہے رشتہ گستہ یہاں تار و پودِ غیر
چھایا ہوں میں جہاں میں نہیں ہست و بودِ غیر
ہرگز مجھے نظر نہیں آتا وجودِ غیر
عالم تمام ایک بدن ہے میں دیدہ ہوں

لازم ہے آدمی کو اسی چال کو اٹھائے
جس سے وقار دیدۂ اہل جہاں میں پائے
استاد کی یہ بات نہ کیونکر سخن کو بھائے
گو جان جائے غم نہیں لیکن نہ بات جائے
ناسخ وہ کھینچ رہا ہے تو میں بھی کشیدہ ہوں

سحر - منشی اجودھیا پرشاد خلف لالہ رام دیال صاحب لکھنوی۔ آپ لکھنؤ میں نواب اعتماد الدولہ میر فضل علیخاں کے دیوان تھے کپتان مقبول الدولہ میرزا مہدی قبول سے تلمذ تھا۔ سنہ ۱۲۶۹ھ میں زندہ تھے۔ زلف و رخ۔ خال و خط کے فرسودہ مضامین نہایت خوبی سے باندھتے تھے۔ زبان میں برجستگی اور بیان میں بیساختہ پن تھا۔ ایک غزل کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

سمایا جب سے کہ وہ نونہال آنکھوں میں
رہا نہ سرو و چمن کا خیال آنکھوں میں

تصور کمر یار میں ہیں اشک رواں
کھٹک ہو کیوں جو نہ پڑ جائیں بال آنکھوں میں

عجب ہے چشم فسوں ساز یار کی گردش
پھرا ہی کرتی ہے آہو کی چال آنکھوں میں

بساط فتنہ دکھائیں جو تیرے مردم چشم
بتائیں شاطر گردوں کی چال آنکھوں میں

نظر جو آئینگی حوریں بہشت میں پس مرگ
پھرے گا آپ کا حسن و جمال آنکھوں میں

تصور آ کے کسی کا بسا ہے جب سے سحر
خیال و خواب ہے خواب خیال آنکھوں میں

سحر - مولوی محمد عبد الحمید خلف شیخ غلام نبیا۔ آپ قصبہ کاکوری کے باشندے تھے۔ سنہ ۱۸۷۴ء میں سٹی مجسٹریٹ لکھنؤ کی کچہری میں ناظر تھے۔ فکر بلند اور طبیعت موزوں تھی۔ اکثر شور زمینوں میں تخم ریزی فرمایا کرتے۔ ایک مرتبہ لکھنؤ کے قابل یادگار مشاعرہ میں یہ طرح ہوئی کہ - ع - "توبہ توبہ نہ خدا ہیں نہ پیمبر گیسو" تو آپ نے اپنی شاعرانہ فکر سے زلف مضامین کو اس طرح آراستہ فرمایا کہ معاصرین حسن بندش پر فریفتہ ہو گئے۔ اور آپ کا مطلع اب تک لکھنؤ میں نوک زبان ہے۔ اسی غزل کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

دل کے ڈسنے کو بلا ہیں یہ ستمگر گیسو
اب تو ناگن کی طرح اڑتے ہیں پھر کر گیسو

کجروی سخت مزاجی کی نہیں چل سکتی
خوب سیدھے ہوئے تم شانہ سے الجھ کر گیسو

روز ہجراں شب فرقت مری تقدیر میں ہے
رات بھر رخ ترا یاد آیا دن بھر گیسو

دیکھ اچھی نہیں یہ نشو و نما موذی کی ‌‌‌ بڑھتے بڑھتے کہیں ہو جائیں نہ اژدر گیسو

سحر۔ سید علی نواب خلف میر سلیس مرحوم لکھنوی۔ آپ میر انیس مرحوم کے پوتے ہیں۔ فن سخن میں حضرت جاوید سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ اب تو مشقی کے مدارج سے گذر کر پختہ گو ہو گئے ہیں۔ زبان میں شیرینی۔ بیان میں فصاحت طبیعت میں مضامین پیدا کرنیکی استعداد ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

کیا وہ دن تھے کہ تڑپتے تھے وہ دل کو تھامے ‌‌‌ اب یہ حسرت ہے کہ نالوں میں اثر کیونکر ہو
رخ پہ زلفوں کو نہ بکھراؤ تو کس طرح ہو شام ‌‌‌ نہ نقاب اپنی اٹھاؤ تو سحر کیونکر ہو
دل سے جاتا نہیں بکھری ہوئی زلفوں کا خیال ‌‌‌ اے شب ہجر بتا تیری سحر کیونکر ہو
یہ سنا ہے کہ وہ تلقین پڑھیں گے آکر ‌‌‌ بند تربت میں مرا دیدۂ تر کیونکر ہو

سحر۔ مولوی محمد ظہور علیخاں لکھنوی۔ آپ نواب میرزا عالی جاہ شیدا لکھنوی کے شاگرد تھے۔ زبان کی سادگی۔ بندش کی صفائی بیاض صبح کیطرح شفاف تھی کہیں کہیں تشبیہ اور استعارہ کا استعمال بھی کر جاتے تھے۔ اخبار کارنامہ میں جو پچاس برس ادھر شائع ہوتا تھا کچھ غزلیں نظر سے گذریں انکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

چلمن سے جو رخ دکھا رہے ہو ‌‌‌ دل میں کانٹے چبھا رہے ہو
ہنس بول کے آج تو ہنسا دو ‌‌‌ مدت سے ہمیں رلا رہے ہو
کس کے ہے خون کا ارادہ ‌‌‌ مہندی جو تم لگا رہے ہو
خاکساری سے ملا رتبہ اعلیٰ مجھکو ‌‌‌ سر پہ رکھتے ہیں جگہ نقش کف پا مجھکو
جو کہ صورت سے حقیقت پہ نظر کرتے ہیں ‌‌‌ موج کہتے ہیں کبھی اور کبھی دریا مجھکو

کر دیا بے ہوش ساقی کی نگاہ مست نے ‌‌‌ جام مے لبریز ہے یا نرگس جادو ہے یہ
دیر میں مسجد میں کرتا ہوں میں اسکی جستجو ‌‌‌ کوئی مسلم جانتا۔ کہتا کوئی ہندو ہے یہ
قیامت سے زیادہ تیرے قامت کا فسانہ ہے ‌‌‌ کہ جسکو لے پری رو سنکے حیرت میں زمانہ ہے

گلوں کی سیر جتنی ہو سکے کر لے دلِ ناداں
گئے جب باغِ ہستی سے تو یاں پھر کسکو آنا ہے

غضب چتون ستم غمزہ۔ بلا آنکھیں دکھاتا ہے
لگانا دل کا اُس سے ہاتھ جینے سے اٹھانا ہے

ایک موسیٰ کو ہوا تھا غش سراسر طور سے
جل گیا عالم کا دل برقِ رُخِ پرنور سے

بے یقیں تا حشر ہمکو ہوش آنے کا نہیں
مست ساقی نے کیا ہے نرگسِ مخمور سے

ہوش اڑتے اے سحر اُسکو دیکھکر موسیٰ کیطرح
قامتِ جاناں کو ہے تشبیہ نخلِ طور سے

داں آئینہ ہے اُس رُخِ زیبا کے سامنے
حیرت کھڑی ہے عاشقِ شیدا کے سامنے

ہاتھوں میں پھر رہی نہ عنان اختیار کی
آیا جو قیس ناقۂ لیلیٰ کے سامنے

ہمسایہ جا رہا ہوں جو اک رشکِ حور کے
ہیچ امکاں ہے عرشِ معلیٰ کے سامنے

ہوا ہے جب کے عاشق کون سی بیداد باقی ہے
ہوس اب بھی تجھے کچھ اے دلِ ناشاد باقی ہے

جلا کر خاک کر ڈالا جفا سے باز آ اب تو
ستم اس سے زیادہ کیا ستم ایجاد باقی ہے

تصویر عجب صفحۂ دل پر اُتر آئی
ہر شئے میں ہمیں صورتِ دلبر نظر آئی

حیرت سے کہا جس نے ترے حسن کو دیکھا
فردوس سے کیا حور زمیں پر اُتر آئی

حقیقت میں یہ ہستی نیستی ہے دیکھ اے غافل
سمندِ عمر کو ہر دم اجل کا تازیانہ ہے

سحر

سحر۔ منشی محمد حسین ولد مولوی عظمت علی صدیقی۔ آپ بدایوں کے رئیس ہیں آپکے والد سرکار انگریزی کی عدالت میں منصف تھے۔ عرصہ سے دفتر ریلوے میں ملازم ہیں۔ اور اسی سلسلہ سے آجکل لکھنؤ میں قیام ہے تقریباً ۴۹ سال کی عمر ہے۔ ابتدا میں آپنے اپنے برادر حقیقی مولوی محمد حسن صاحب اثر کو اپنا کلام دکھایا پھر مولانا راسخ دہلوی سے تلمذ حاصل کیا جب حضرت راسخ شاعری سے تائب ہو گئے تو آپ مولانا احسن بریلوی ارشد تلامذہ حضرت داغ سے اصلاح لینے لگے۔ کلام میں متانت کے ساتھ شوخی بھی ہے۔ شعر بہت صاف کہتے ہیں تشبیہ اور استعارہ کی بھرمار سے بچتے ہیں۔ راقم تذکرہ نے بریلی کے مشاعرہ میں ان کی غزل سنی ہے۔ کلام یہ ہے۔

گھر سے بن ٹھن کر نکلنا تھا ستم ایجاد کا
وقت آخر آپکا یہ پوچھنا بھی ہو بہت
چرخ برگشتہ نقارۂ شیخ ۔ وقت مرگ دور

ہر طرف اک شور برپا ہو گیا فریاد کا
آج کیسا حال ہے تیرے دل ناشاد کا
سننے والا کون ہے مظلوم کی فریاد کا

بتاؤں کیا جو کانٹا سا مرے دل میں کھٹکتا ہے
یہ سچ ہے تو نے دیکھا ہے نہ دل تو نے چرایا ہے

نکل جائے تو نالہ ہے جو رہ جائے تمنا ہے
ادھر تو آ یہ مٹھی کھول دیکھوں ہاتھ میں کیا ہے

سحر ۔ منشی شام لال صاحب دہلوی ۔ ساکن بازار سیتا رام دہلی ۔ آپکے والد لالہ موہن لال مرحوم دیش اگروال لاہور میں بارک ماسٹری کے دفتر میں ہیڈ کلرک تھے ۔ آپ سنہ ۱۹۰۶ء میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے اور لاہور سے دہلی چلے آئے ۔ تنگی اور غربت میں کچھ تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری ہوا ۔ ۲۰ ۔ ۲۲ برس کی عمر میں شعر گوئی کی جانب توجہ ہوئی اور مشاعروں میں شرکت کرنے لگے ۔ پہلے منشی شرافت علی کشتہ مرحوم کو اپنا کلام دکھایا تھا ۔ اب پنڈت امرناتھ صاحب ساحر سے اصلاح لیتے ہیں ۔ آپ کی عمر ۳۰ سال کی ہے ۔ نمونۂ کلام یہ ہے ۔

بنائی ہیں الٰہی تو نے شکلیں خوبرو کیا کیا
کوئی منعم سے جا کر نزع کی حالت میں یہ پوچھے
تماشا گاہ عالم ایک فانوس خیالی ہے
نہیں ناحق میں پھرا صحرا کے چکر کاٹتا
شیخ صاحب میکشی سے کیوں ہے اتنا اجتناب
گر ہوتا واقف اسرار الفت دل سحر
مژدہ بلبل کو ہو پھر فصل بہار آئی ہے
خواہش نام ہے دنیا میں تو کر کسب ہنر
رہرو عشق ہے کیوں راہ محبت جانے
کلام آسان نہیں فن سخن فہمی میں

ترے نیرنگ قدرت کا ہے جلوہ چار سو کیا کیا
بتا ساتھ اپنے لیکر جا رہا ہے آج تو کیا کیا
نظر آتی ہیں اسمیں صورتیں ہر چار سو کیا کیا
تھا جو لازم زندگی لیلیٰ کے در پر کاٹتا
کس لئے ڈرتے ہو آخر کیا ہے ساغر کاٹتا
منزلیں طے کون کرتا راہ کیونکر کاٹتا
پھر ہوئی باغ کی زینت نئے سر سے پیدا
نام ہوتا ہے زمانے میں ہنر سے پیدا
علم ہوتا ہے زمانے کے سفر سے پیدا
شعر ہوتا ہے سحر خون جگر سے پیدا

بال و پرِ بلبلِ شیدا کے جلا دیتا ہے
آتشِ گل کا چمن میں شرر افشاں ہونا

یہ ادا تجکو سکھائی تری خود بینی نے
آئینہ دیکھ کے خود حسن پہ نازاں ہونا

تیرا اے پردہ نشیں ہے یہ نرالا پردہ
دل میں گھر کرنا مگر آنکھ سے پنہاں ہونا

خردِ آشوب ترا حسن ہے جب عالم میں
ہے بجا دیدۂ بیدار کا حیراں ہونا

ہے اثر نالۂ بلبل میں الٰہی کیسا
چاک کرتے ہیں گریباں جو گلِ تر اپنا

ایک ہی ہاتھ لگا تیغ کا ایسا قاتل
بارِ احساں سے اٹھے اب نہ کبھی سر اپنا

انکا نشا ہے سحر ہوتے ہی جاؤں لیکن
حشر سے پہلے سحر ہو نہ خدا آج کی رات

اللہ محبت نہ ہو کیوں مجھکو بتوں سے
یہ دیر میں آئے ہیں ترے گھر سے نکل کر

شکوہ ہے تری زلف کا سودا میں سحر اور
شیدائی ترے رکھتے ہیں دل اور جگر اور

رہے گا اس طرح بیتاب آخر
کہاں تک اے دلِ مضطر کہاں تک

ہیں وہ شوریدہ قسمت اے سحر ہوں
کہ ہے گردش میں جسکی آسماں تک

نظر آتی ہے زمانہ کی ہر اک شے موہوم
جسطرف یاس کے عالم میں نظر کرتے ہیں

پرِ عنقا کو قلم کرتے ہیں پھر خامہ
ہم رقم جب صفت تیرے کمر کرتے ہیں

نہالِ گلشنِ امکاں سمجھتے ہیں ترے قد کو
ترے رخ کو فروغِ جلوۂ محفل سمجھتے ہیں

حقیقت میں سحر ہوشیار کہنا چاہئے انکو
بظاہر جنکو بیہوشی میں ہم غافل سمجھتے ہیں

ہوئی روشن جو شمعِ حسن پروانوں کی محفل میں
لگی بیساختہ اک آگ اہلِ بزم کے دل میں

طلسمات جہاں کیا ہے نگاہِ نقشِ نیرنگی
نئی اک جلوہ آرائی ہے ہر دم پردۂ دل میں

نظر آتا ہے مستی خیز عالم چار سو مجھکو
کئے دیتی ہے متوالا شرابِ مشکبو مجھکو

میں وہ بلبل ہوں باغِ دہر جسنے سیکڑوں دیکھے
فریبِ دام اے صیاد کیا دیتا ہے تو مجھکو

آنکھ کس منت ادا سے چار ہو کر رہ گئی
بیخودی کیوں اے خدا یکبار ہو کر رہ گئی

دیر و کعبہ میں سحر ایک ہی منظر دیکھا
بت پرستی ہے کہیں سنگ پرستی دیکھی

کہاں سے لاؤں تاب جلوۂ جام مصفّا کی	نگاہ مست ساقی سے وداعِ ہوش ہوتا ہے
نہ چلتی گر جنوں افزا ہوا فصل بہاری میں	نہ ہوتا دھجیاں دامن نہ ٹکڑے آستیں ہوتی

سحر۔ حاجی ولی محمد صاحب۔ آپ اجمیر کے ساکن ہیں مگر بمبئی میں قیام ہے۔ حسن و عشق کی شاعری سے دور۔ مجازی جذبات سے نفور۔ مناجاتیں لکھتے ہیں نعت، منقبت سلام وغیرہ لکھتے ہیں۔ سلام اور ایک غزل کے چند شعر یہ ہیں ؎

اس قدر ظلم نہ دنیا میں دوبارہ ہوگا	کربلا میں جو ہوا اُس شہِ دلگیر کے ساتھ
ڈھائے ہم شکل پیمبر پہ قیامت کے ستم	ناریوں نے کیا کیا نور کی تصویر کے ساتھ

ہو سحر مشہد و طیبہ کی زیارت حاصل
کاش ملجائیں دعائیں مری تاثیر کیساتھ

تصویر بیٹھتے کہ وہ تصویر کھینچتے	کچھ دل لگی کی شکل تو آتی نظر مجھے
غیرت سے ہائے عشق نے بیگانہ کر دیا	رکھنا پڑا رقیب کے قدموں پہ سر مجھے
ہوتا نہیں سحر شب فرقت کا خاتمہ	آتی نہیں ہے صبح کی صورت نظر مجھے

سحر۔ یوسف کنعانِ فصاحت۔ عزیز مصر بلاغت۔ معجز نگار جادو بیان۔ عالیجناب راجہ امیر حسن خاں بہادر تعلقہ دار محمود آباد۔ آپکے بزرگوں نے زمانۂ شاہی اودھ میں جو اعزاز و وقار حاصل کیا تھا۔ آپنے اُسے المضاعف گورنمنٹ آف انڈیا میں طغرائے گراں بہا عزت پائی انجمن تعلقہ داران نے آپ ہی کی صدارت پر ہمیشہ فخر مباہات کئے۔ انڈین ایسوسی ایشن کی پریذیڈنٹی کیواسطے آپ ہی منتخب ہوئے۔ غرض جس معرکہ اور عرصہ گاہ میں آپ کا قدم گیا اُس کو سر کر کے چھوڑا۔

آپکے ملکی اور قومی کارنامے صفحۂ عالم پر آفتاب کیطرح روشن ہیں سینکڑوں انجمنوں۔ مسجدوں امام باڑوں کو آپنے امداد دی مسئلہ تعلیم کی قومی دقتوں پر غور کرتے ہوئے مدارس کی ہمدردی میں حصہ لیا۔ نہایت باوضع خلیق۔ ملنسار۔ قدردان علوم و فنون تھے۔ آپنے کلکتہ

میں ایک مرتبہ واجد علیشاہ کے دربار میں بھی باریابی حاصل کی تھی۔ قومی۔ ملکی۔ سرکاری مشاغل کی موجودگی میں بھی آپ اپنی ریاست کے کاروبار باحسن الوجوہ انجام دیتے رہے۔ اور اپنے حسن انتظام سے علاقہ کو وسیع پیمانہ پر کرکے دکھا دیا اور آمدنی میں معقول اضافہ ہوگیا۔ دیگر محاسن سے قطع نظر آپ کو فن شعر میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ تمام اساتذۂ لکھنؤ آپ کی صحبت میں حاضر باش رہتے تھے۔ اور از راہ قدر دانی کئی شعرا کا وظیفہ مقرر تھا۔ مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں آپکو بلند مرتبہ حاصل تھا اور اس فن میں سید خورشید علی صاحب نفیس مرحوم کے شاگرد تھے۔ غزل گوئی میں جناب سید تجمل حسین صاحب تجمل ارشد تلامذہ حضرت آتش لکھنوی سے مشورہ سخن رکھتے تھے آپ کا مجموعہ کلام ہر رنگ اور ہر مذاق کا مرقع ہے۔ شعر میں کہیں عشق کی شوریدہ سری کہیں حسن کی دلفریبی کا بیان ہے کسی مقام پر دنیا کے بے ثباتی کے عبرت آموز نقشے دکھائے ہیں کیوں نہ ہو۔ آپ اہل دل بھی تھے اور اہل زبان بھی۔ لکھنؤ کے ٹکسالی محاورے ہاتھ باندھے سامنے کھڑے تھے۔ پھر آپکے رنگ طبیعت پر ازلی پرتو پڑا ہوا تھا جسکے واسطے صرف شاعری ہی کافی نہ تھی بلکہ علم باطن بھی حاصل کیا تھا۔ آپ کی صحبت روحانی غذا تھی۔ عبرت۔ معرفت۔ بیخودی۔ جوش روحانی سے آپکے اشعار لبریز ہوتے تھے۔ حسن کلام کے پردہ میں جو نازک تشبیہات اور استعارے چھپے ہیں وہ آپ کی حکیمانہ اور عارفانہ طبیعت کیطرف اشارہ کرتے ہیں۔ مضامین کی بلند پروازی کے ساتھ زبان کی شستگی قابل داد ہے تو معاملات اور دلی واردات میں تخئیل کا اندازہ لائق صاد۔ بحر حقیقت آپکے ریاض سخن میں گلچیں بہار کو مرجھایا ہوا پھول کہیں نہ ملے گا۔ ہر مقام پر تر و تازہ گل دستیاب ہونگے۔ ارباب ذوق اس رنگ کے اشعار پڑھا کرتی ہیں ؎

جب جوانی کا مزا جاتا رہا	زندگانی کا مزا جاتا رہا
منحصر مانگے پہ آنا موت کا	ناگہانی کا مزا جاتا رہا

صرف ایک لفظ میں شاعری دکھانا اور محض قافیہ سے مصرعہ کو پورا کرنا۔ آپکا کمال تھا۔ ناسخ کی مشہور غزل جسکا مطلع یہ ہے ؎

مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا	طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

اُسی زمانہ میں مقبولیت حاصل کر چکی تھی اور ہر شخص کی زبان پر یہ مطلع تھا۔ بڑے بڑے اساتذہ کا قول تھا کہ "اس مطلع کا جواب نہیں ہو سکتا۔ حضرت ناسخ خود بھی چاہیں تو ایسا نہیں کہہ سکتے" مگر جب آپ نے یہ مطلع کہا ؎

جنوں انداز ہے عنوانِ نمودِ روزِ ہجراں کا	شگافِ دامنِ شب چاک ہے میرے گریباں کا

تو تمام لکھنؤ میں دھوم مچ گئی جو سنتا تھا راجہ صاحب کی فکرِ صائب اور طبعِ بلیغ کو آفریں کہتا تھا۔ راجہ سر علی محمد خاں ساحرؔ آپکے صاحبزادہ جانشین ہیں۔ آپکے کلیات میں غزلیات اردو فارسی کے سوا مسدس مخمس۔ رباعیات۔ قطعات۔ سلام۔ تاریخیں سب کچھ موجود ہے اور وہ سنہ ۱۳۲۱ھ میں جلوہ گرِ اشاعت ہوا ہے۔ اُسی حدیقۂ سخن کا ایک گلدستہ نازکؔ دماغانِ معانی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے ؎

وظیفہ ہے نظارۂ مصحفِ رخسارِ جاناں کا	ملا ہے اجر آنکھوں کو ثوابِ ختمِ قرآں کا
زخمِ دل کو مرے دعویٰ ہے نمک خواری کا	ابھی خالی نہ کریں آپ نمکداں اپنا
کچھ سے ہے بہت سا لکھنؤ ویراں ہو گیا	کیا گلکدہ اُجڑ کے بیاباں ہو گیا
جسے کہتے ہیں ظلمت پرتوِ زلفِ پریشاں تھا	تھا صبحِ ازل کا یہ مرا چاک گریباں تھا
خزاں جورِ گردوں نے کیا کیا سحر دونوں سے	کبھی ہم بھی جواں تھے لکھنؤ بھی اک گلستاں تھا
ہم نے ابرو کی طرف دیکھا تھا	آپ نے کھینچ لی تلوار یہ کیا
ہے سر پہ کج کلاہ تو اتنا غرور کیا	آخر ہنوز کا کاسۂ سر چور چور کیا
آشفتگی سے وہ خود متحمل نہیں رہا	ہیں اب غزل سرائی کے قابل نہیں رہا
پیری میں بھی جواں ہیں مرے حوصلے مگر	دنیا کے انقلاب سے وہ دل نہیں رہا
رنگ لائے ہیں نئے ہیں وہ ہر اک پنیا	اسکا انداز نیا ڈھنگ نیا پیار نیا
وہ حسینوں میں اکیلے ہیں نئے عاشق ہم	مال بیچا ہے نیا دیا خریدار نیا

سحر پوشاک بدلنے کی طلب آئی ہو
جھمکڑا ان پری زادوں کا دیکھے باغ میں زاہد

حال لے عیسیٰ نفس یہ ہے مرے آزار کا
مشک مل کر صاف کرے موریچہ کا خوف ہی

حکم ہو انکا ہوا بھی مجھ تلک آنے نہ پائے
جو منہ پہ ڈال کے وہ گوشۂ نقاب آیا

شب وصال و شب ہجر خواب بندی تھی
ہوا ہے منتشر ہونا باہم یہ دستہ گل کا

چلو گل گشت کو اے سحر سیر باغ کر آؤ
وصل کیسا وصال ہو ہی گیا

غیر سے بھی ہنسی ملنی نہ رہی
پھر گئی آنکھ اُس ستمگر کی ؎ ؎

عشق بازی میں سحر محنت کی
ہے بقا موت میں انجام اگر اچھا ہو

خواب نوشیں سے جگا کر انہیں لایا مجھ تک
کیا بنائے کوئی ایسے سے بگڑ کر کھلے

پناہ ایسے تلون شعار و منکر سے
جو سید سے کل تھا انہیں آج ادا پایا

نئی روش کی خزاں میں بہار آئی ہو
دم سحر جو کھلا ہے قفس کا در صیاد

خموش ہیں ہاں نہ تو قینچیاں دکھا کے ڈرا

تم سنئے۔ وصل نیا۔ وقت نیا۔ یار نیا
کوئی کھدے پہ اچھو ونکا بھی جست ... بیمار کا

دیکھکر روئی ودا "منہ سست گیا" بیمار کا
بوسے خوں دیتا ہے قاتل منہ تری تلوار کا

رخنہ رخنہ بند ہے چاروں طرف دیوار کا
ہوا یہ شور کہ بدلی میں آفتاب آیا

نہ نیند آپ کو آئی نہ مجھکو خواب آیا
یقیں ہے تنگ ہو کر آشیاں اُڑ جائے بلبل کا

گل و بلبل کی چہلیں وہ لپٹنا سرو و سنبل کا
غیر کا انتقال ہو ہی گیا

آنکو اک دن ملال ہو ہی گیا
بے چھری میں حلال ہو ہی گیا

مشق فن سے کمال ہو ہی گیا
عمر جاوید ہے ہستی کا فنا ہو جانا

وقت کی بات ہے نالے کا رسا ہو جانا
جس کو آتا نہیں عاشق سے خفا ہو جانا

زباں دیکھے چلنے لگے زباں کی طرح
ہمارے تیر بھی کھنچنے لگے کماں کی طرح

ضعیف جوش میں آئے ہیں نوجواں کی طرح
دعائے نیم شبی کا ہے یہ اثر صیاد

زباں دراز نہیں ہے ... صیاد

کمال مجھ پہ ہے احسان دانہ پانی کا
میں تیرے گھر کو سمجھتا ہوں اپنا گھر صیاد

الٰہی خیر ہو بلبل کے آشیانے کی
ٹہل رہا ہے چمن میں ادھر ادھر صیاد

قطعہ

میں اپنی بیتی سناؤں تجھے عجیب و غریب
خدا کے واسطے اس سمت کان دھر صیاد

یہ ایک روز کا قصہ ہے جب جواں میں تھا
کسی زمانہ میں تھا میں بھی تیز پر صیاد

فلک نورد تھا سوئے زمیں نگاہ نہ تھی
ہوائے عالم بالا سے پر تھا سر صیاد

کمال جب ہوا خستہ زمیں کا میل کیا
بس ایک باغ میں میرا ہوا گذر صیاد

وہ باغ جس سے کہ دل باغ باغ ہو جائے
وہ باغ جس سے کرے خیرگی نظر صیاد

نمونہ قدرت باری کا تھا وہ باغ نہ تھا
بہار جس میں بنائے ہوئے تھی گھر صیاد

گھنے گھنے وہ شجر اور تحتہا الانہار
وہ صاف موتی سا پانی کہ آب زر صیاد

کیاریوں میں وہ اچھی ہوئی خشاخش باغ
بچھا تھا فرش مشجر زمیں پر صیاد

وہ حوض مردمک دیدہ کا اولیٰ الابصار
وہ نہر رشک وہ رشک چشم تر صیاد

روش ہیں تھی روش جادۂ بہشت بریں
حنائی ٹٹیوں میں بند ہو نظر صیاد

کہیں وہ سرو و صنوبر کہیں کہیں شمشاد
مہک وہ جوہی کی جس سے دماغ تر صیاد

اکڑ رہے تھے وہ سرسبز نونہال چمن
کہ جن کا مثل نہ آئے کہیں نظر صیاد

مہک پری کی مہک موتیے کی باس میں تھی
درود بھیج کہ جس پر کروں نظر صیاد

ترنج ایک طرف زنگترا ہے ایک طرف
بہار جس میں خزاں کے لئے سپر صیاد

وہ ہنابیاں خوش رنگ نازش بستاں
وہ پرتقال کہوں جسکو لعل تر صیاد

حیا نہ آگے مخل ہو جو وصل کی ٹھہرے
حنائی ٹٹیاں وہ بھی کمر کمر صیاد

وہ ناروں وہ لجالو کہیں لجائے ہوئے
وہ نسترن وہ کہیں صندل و اگر صیاد

وہ نازبو کی لپٹ سیوتی کی وہ خوشبو
وہ پھول کیوڑے کے جس سے مشام تر صیاد

وہ وار الست مری تاک میں جھکے خوشے
خدا نہ جھوٹ جو بلوائے ہاتھ بھر صیاد

وہ آم نازشِ بستاں بہارِ گلشن میں
سنگھار سے کہے چمن کا کہ تاجِ سر صیاد

یہ سیر دیکھ رہا تھا کہ اک فرشتے نے
کہا پکار کے ہاں اس طرف نظر صیاد

سنا ہے تو نے محمدؐ کا مرتبہ کہ نہیں
کہا یہ میں نے کہ واللہ بیشتر صیاد

کہا پھر اس نے نبی کے غسالۂ تن سے
یہ پھول جس نے بنایا بہ از ثمر صیاد

جو سونگھ لے اسے مومن تو وجد میں آئے
ولا کا جوش نہ پھر جائے عمر بھر صیاد

وہ دیکھ صدر میں گلشن کے کس نمود کے ساتھ
مہک رہا ہے وہ پھولوں کا تاجِ سر صیاد

غرض یہ سن کے گیا میں بھی اٹھ کے اس جانب
عجیب آفتِ جاں سے لڑی نظر صیاد

نظر نہ تھی کہ خدنگِ کمانِ عشق کہوں
ہوا وہ آنس کہ حالت ہوئی دگر صیاد

پھڑک پھڑک کے پھر اگرد اپنے دلبر کے
چہک چہک کے پڑا اسطرف مگر صیاد

مجال یہ نہ ہوئی سے لوں ایک ہی بوسہ
رہی نہ تاب کہ دیکھوں بھی بھر نظر صیاد

زمیں و لب پہ مسلط ہوا شہنشہ عشق
جنون ہوش ربا نے اٹھایا سر صیاد

یونہی گذر گئی اک عمر سحرؔ عاشق کی
سمجھ کے تجکو سمجھ وار دی خبر صیاد

نہیں مژگاں حسینوں کی اوپی چھریاں ہیں سانوں کی
قریب ابرو کے زلفیں ہیں کہ چلتے ہیں کمانوں پہ

فرشتوں کا گذر جس جا نہ تھا انساں وہاں پہنچے
زمیں کے رہنے والے چل پھر آئے آسمانوں پہ

نہ جانے کیا کہا تم نے ہوئی جو یاس جینے سے
یہ کیسی مردنی چھائی تمہارے ناتوانوں پہ

تمہارے گھر پہ آئے ہم نہ پوچھی بات بھی تم نے
ستم کرتا ہے کوئی میزباں یوں میہمانوں پہ

مسلط عشق جب ہوتا ہے ناصح کی نہیں سنتے
نہیں چلتی ہے کچھ پیروں کی پیری نوجوانوں پہ

نشاں اس بے نشاں کا ہم نے پایا بے نشاں ہو کر
مکانِ یار تک پہنچے ہیں عاشق لامکاں ہو کر

جوانی گوشہ گیر اک روز ہوگی عہدِ پیری میں
جھکیگا ایک دن یہ تیر سا قامت کماں ہو کر

مری تقدیر لے بھی جائے گر ظلمات تک مجھکو
تو تجھسے چشمۂ حیواں چھپے انکا دہاں ہو کر

مرے نالوں سے ڈر کر غیر کے گھر میں وہ چھپتے ہیں — پلٹ جاتی ہیں تدبیریں نصیبِ دشمناں ہو کر
دعائے زیست اُنکا کوسنا ہے حق میں عاشق کے — اجل دکھلاتی ہے صورت حیاتِ جاوداں ہو کر
نہ بھولے لگی ہیں ہرگز یہ ناسازی نصیبوں کی — ہماری یاد بھی آئی تو اُن کو ہچکیاں ہو کر
وہ سلطانِ سخن تھا سحرؔ آتش جس نے عالم میں — لیا ملکِ معانی شاعرِ جادو بیاں ہو کر

باوفا ہیں کہ بیوفا ہیں ہم — کیا کہیں کیا تھے اور کیا ہیں ہم
دیکھ سکتے نہیں کسی کا رنج — اس قدر درد آشنا ہیں ہم
عرش پر یا دماغ رہتا تھا — یا ترے در پہ جبہ سا ہیں ہم
بات بات آپکی سمجھتے ہیں — رو شناسِ ادا ادا ہیں ہم
سحرؔ اکثر صنم کدے میں ملے — اور دعویٰ کہ باخدا ہیں ہم

خدا سے شکوہ کب تیرا ستم ایجاد کرتے ہیں — جو سب کو یاد کرتا ہے اُسے ہم یاد کرتے ہیں
یہاں نشو و نما کانٹوں نے پکڑا قبرِ عاشق پر — وہاں تیاریاں ہوتی رہیں پھولوں کی چادر کی

میخانہ میں گر آیا ہے زاہد تو پی کے لے — یہ تو ہو کہ مفت میں رسوا کرے کوئی
اسکو وفائے عہد میں انکار کچھ نہیں — یہ شوق ہے کہ روز تقاضا کرے کوئی

تڑپنے سے غش آجاتا ہے غش سے چونک پڑتے ہیں — شبِ فرقت میں ہمکو نیند کس مشکل سے آئی ہے
صدا لبیک کی دیتی ہے ہمت اہلِ بخشش کو — دعائے خیر کی جس دم صدا سائل سے آئی ہے
فراقِ یار میں لے سحرؔ یہ صورت ہوئی آخر — کہ سینے سے لبوں تک سانس بھی مشکل سے آئی ہے

ازل سے ہے اثر اعجاز کا بیاں کے لئے — ہوئی ہے خلق فصاحت مری زباں کیلئے
بجا کہ جادو شعرا رواں ہوئے چشمے — یہ پھوٹ پھوٹ کے روئے ہیں کارواں کیلئے
مریض کون تھا گھبرا کے کیوں چلے آئے — یہ فقرہ تھا فقط الفت کے امتحاں کیلئے

تمہارے دیکھے ہیں شامِ فرقت بتائیں کیونکر سحر ہوئی ہے — قضائے مجرم کا سامنا تھا تڑپ تڑپ کر سحر ہوئی ہے
دل و جگر ہیں کہیں کسی کی جانب ہم اپنا دیکھا تماشا ہوئی ہے — الٹ پلٹ شہر ہے سراسر ادھر کی دنیا ادھر ہوئی ہے

مزا دکھاتا ہے انکا دن سن ضد کی بچپن کا ہے تقاضا ملا ہے یوں ایک ایک سے تو لڑائی دو دو پہر ہوئی ہے
اُبھی سر وہی ہے کھلونے نہ جانیں کس کس کا خون کریں گے پھنسے ہیں پرزوں سے جھٹکے پڑنے وہ آفت بپا ہوئی ہے

گریہ و زاری یہ جب آئی بسر ہو جائیگی جیتے مرتے رات فرقت کی سحر ہو جائیگی
سادگی میں حسن کیا کم تھا جو سرمہ بھی دیا چشم بد دور ایسی آنکھوں کو نظر ہو جائیگی
روز محشر ان بتوں کے سامنے سنتا ہے کون کیا کہوں گا میں خدائی جب ادھر ہو جائیگی
زلف بکھرائی جو چہرہ پر تو ہو جائیگی شام جب نقاب رخ الٹ دو گے سحر ہو جائیگی

چادر رخ مہر وش سے سر کی میلی ہوئی چاندنی سحر کی
غربت میں محل ہے پیڑ کی چھاؤں کٹ جاتی ہے دھوپ دوپہر کی
رخساروں پہ جھک پڑی ہیں زلفیں سایہ میں ہے دھوپ دوپہر کی
اُن آنکھوں سے کیا ہو چشم امید دونوں دشمن دل و جگر کی
سچے وعدوں کے واسطے غیر جھوٹی قسمیں ہمارے سر کی
پروانہ کے سوز کا اثر تھا جل جل کے جو شمع نے سحر کی
صبح شب وصل ہو رہی ہجر محنت برباد رات بھر کی

سحر

سحر ۔ شاعر شیوہ بیان ۔ مولوی عبدالرحمٰن خاں ساکن بنارس ۔ شاگرد میرزا قادر بخش گورگانی
آپکے کلام میں اعلےٰ مضامین پائے جاتے ہیں مگر لطف زبان و روزمرہ فصحا پر کما حقہٗ قدرت
نہیں ۔ بندش چست اور الفاظ کی نشست درست ہوتی ہے ۔ آپنے میرزا صابر کی وفات کے
بعد میرزا قیصر بخت فروغ کی ہمراہی میں سالہا سال گذارے ہیں ۔ راجہ ڈمراؤں کی کچھ جائداد
بھی آپکے چارج میں رہی تھی ۔ چند شعر نمونۃً درج کئے جاتے ہیں ؎

سبزہ جوہر نہ اسکو جانیو سفاک تو یہ مرا خلعت لباس روح ہے شمشیر پر
زاری مظلوم ظالم پر اثر کرتی نہیں شمع کا گریہ موثر کب ہوا گل گیر پر
بازگشتی تیر کی مانند رشک غیر سے الٹی پھر آئی نظر جا کر تری تصویر پر

سحر یہ لیتا ہی بوسے دم بدم جو شمع کے
رشک پروانوں کو ہیں کیا لیا لب گلگیر پر

عمر بھر چمنے نہ پائے کوچۂ دلدار میں
ہم مثال سبزۂ بیگانہ ہیں گلزار میں

میں وہ پردہ پوش ہوں دیکھو جو پارہ پارہ ہیں
تیغ چھپ جائیگی میرے زخم دامن دار میں

جو تیری چشم کو گردش اے نگار رہے
کبھی نہ رشتۂ امید پایدار رہے

جو بیقراری دل کو رقم کریں اے سحر
ہمارا نامہ لفافہ میں بیقرار رہے

کیا زباں چلتی ہے اب تو تری اللہ اللہ
بات منہ سے نہ نکلتی تھی حیا سے پہلے

دیکھیئی راہ قیامت کی ہم مرنے سے سوا
تیرا انصاف تو ہو روز جزا سے پہلے

مرض عشق کا مصلح نہیں معلوم مگر
درد ایجاد ہوا تھا نہ دوا سے پہلے

نہیں ہوتی سید ہی کسی طرح سے
مری قسمت اُن کی نظر ہو گئی

بڑہائیں کہاں پائے نظارہ کو
جہاں تک اُن کی حد نظر ہو گئی

گھبرا گیا مریض محبت کو دیکھ کر
سب لیگئے جو اُسکو مسیحا کے سامنے

آیا عرق جبیں پہ تو دونا ہوا جمال
کیا لطف چاندنی کا ہی دریا کے سامنے

میں مرگیا ہوں عشق میں اُس شوخ چشم کے
ہو قبر مری نرگس شہلا کے سامنے

غیروں سے جو آنکھ اُس شہ خوباں نے لگائی
مرنے پہ نظر عاشق بیجاں نے لگائی

زندہ کئے لاکھوں۔ پہ مری لاش پہ آکر
ٹھوکر بھی نہ اُس عیسیٰ دوراں نے لگائی

یہ جان لو بس جان نکل جائیگی میری
گر دیر ذرا قاصد جاناں نے لگائی

سحر — سرو بوستان فصاحت چمن پیرائے بلاغت جواہر رقم ہفت قلم جناب منشی بشیشر پرشاد صاحب قوم کایستھ خلف منشی بھیا لال اشگر۔ بزرگوں کا وطن بانگرمئو متصل قصبہ سندیلہ تھا۔ مگر آپ ۲۴ دسمبر ۱۸۴۰ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ اور تکمیل تعلیم کے بعد اپنے والد سے استفادہ سخن فرمایا۔ مدتوں سررشتہ تعلیم میں ملازم رہے۔ ترقی پاکر ڈپٹی انسپکٹری کے فرائض انجام دینے کے بعد سرکار سے پنشن حاصل کی۔ شباب کے ہنستے کھیلتے دن دہلی اور لکھنؤ میں گذرے

کشیدہ قامت۔ سانولا رنگ چیچک رو تھے۔ مزاج نفیس اور عطریات کے شوقین تھے۔ عادات۔ اخلاق کے لحاظ سے شریف اور صاحب تصانیف تھے۔ نظم پروین۔ خلاصۃ المنطق معیار الاملا۔ محیط المساحت۔ مراۃ العلوم وغیرہ کے سوا داسوخت اور دو دیوان آپ کی یادگار ہیں جنمیں ایک کا نام "سحر سامری" ہے۔ آپ بدایوں میں دور اوّل۔ دور دوم کے مشاعروں میں شرکت فرماتے رہے۔ چودھری اصغر علی ضابط۔ مولوی غنی رضا وحشی مرحوم کے ہم عصر تھے۔ ۱۸۹۳ء میں آپ زندہ تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ نواب سید محمد زکریا خاں زکی مرحوم بقید حیات تھے۔ اور حافظ عنایت احمد صاحب رئیس بدایوں کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا لالہ رام لال راحت اور منشی گیندن لال گوہر بدایونی کے یاران صادق میں تھے نہایت علم دوست۔ کلام کے حسن وقبح پرکھنے میں اپنے احباب سے گوئے سبقت لیگئے تھے۔ خوشنویسی میں یگانہ۔ زودگوئی میں مشہور زمانہ تھے۔ آپنے پنشن لینے کے بعد بھی علمی زندگی اور درس و تدریس کا شغل جاری رکھا طلبار کو کتابت سکھائی اور اُن میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اسوقت صاحبان مطابع ہیں۔ بدایوں میں بہت سے نوجوان آپکے سرچشمۂ علوم سے بہرہ ور ہو کر اس وقت اعلیٰ عہدوں پر ممتاز ہیں۔ افسوس ہے کہ آپکے انتقال کے بعد آپ کا کتبخانہ برباد ہوگیا۔ اور نایاب قلمی کتابیں پنساریوں کی ردّی میں شامل ہو کر کوڑیوں کے مول فروخت ہوئیں۔

منشی انوار حسین تسلیم جو کامل الفن اور شعر کے نقاد تھے حضرت سحر کے کلام پر یہ رائے دیتے ہیں کہ آپ محاورہ دان اردو وہمزبان حضرات لکھنؤ ہیں۔ جو مضمون ہے عالی ہے کلام حشو و زواید سے خالی۔ بندش کی چستی الفاظ کی رستی دلوں کو لبھاتی ہے۔

آپکے کلام معارف نظام میں تصوف اور حقایق کے نکات موجود ہیں۔ صنایع بدایع کے برتنے میں روزمرہ اور سادگی۔ بیساختہ پن کو دید نگاہ رکھتے۔ عاشقانہ شعر خوب کہتے ہیں جو واسوخت عالم جوانی کے لکھے ہوئے ہیں ان میں دلی واردات کو نہایت خوبی سے

بیان کیا ہے۔ جادو نگاری کے کرشمہ یہ ہیں ؎

دیر میں ہے۔ وہ نہ ہو کعبے میں اور ہی سب کہیں
طالب نظارہ کو گر ہے سلیقہ دید کا

جو ملا اس سے اُسے کہتا ہے عالم مر گیا
نام مردہ رکھدیا ہے زندہ جاوید کا

رباعی

معشوق سے ہم نے دل لگانا چھوڑا
کوچہ میں پری رخوں کے جانا چھوڑا
جبتک نہ تھی اُسکے نیک و بد سے واقف
کرتے تھے عشق جبکہ جانا چھوڑا

عکس افگن جب وہ گلگوں پیرہن ہو جائے گا
لالہ گل ہو جائے گا گل نسترن ہو جائے گا

ہم نے دانائی سے وہ نکتے نکالے عشق میں
عاشقی بھی کچھ دنوں میں ایک فن ہو جائیگا

بت کو یہ پوجے گا وہ کلمہ پڑہے گا حسن کا
نذر الفت دین شیخ و برہمن ہو جائیگا

دم گریہ جو خیال دُر دنداں ہو گا
قطرہ اشک ہر اک گوہر غلطاں ہو گا

کچھ ہمیں سیر چمن کی نہ رہے گی پرواہ
خود بخود داغوں سے یاں سینہ گلستاں ہو گا

تیغ ابرو سے قتل کر ظالم
کون احسان اٹھائے خنجر کا

زخم جب اندمال پر آیا
اور جلا دنلے دیا چر کا

زاہدا عشق مجازی ہے حقیقی کی دلیل
دیکھکر روئے صنم مجھکو خدا یاد آیا

خود فراموش رہا عشق بت کافر میں
کبھی بھولے سے نہ بندے کو خدا یاد آیا

زیر گیسو جو دُر گوش تمہارا چمکا
مجھکو ثابت ہوا بدلی میں ستارا چمکا

عجب عقدے ہیں اُسکے راہ میں عدسے کیا کیا
پہونچکر اپنے گھر رستہ بتاتا ہے مجھے گھر کا

نہ تو دل اپنا ملا ہمکو نہ دلبر اپنا
ہائے قابو ہے نہ دلبر نہ دل پر اپنا

چشم عالم کو دکھلائی نہیں دیتا اصلا
کمر یار کی صورت تن لاغر اپنا

سحر اُس عارض گلرنگ پہ ہم مرتے ہیں
ہو کفن بعد فنا پھولوں کی چادر اپنا

مجھکو سر پھوڑنے کو منع نکر اے ناصح
تجھکو کیا اپنی ہی دیوار ہے اور سر اپنا

چل نہ وہ چال جو اپنے بھی پرائے ہو جائیں
لطف و احسان سے بیگانہ کو بھی کر اپنا

مجھ سے رہتا ہے جو برگشتہ ہمیشہ اے بت
ہو گیا میرے لئے تو بھی مقدر اپنا

اپنے در سے مجھے یوں کہہ کے اٹھاتا ہے وہ شوخ
یوں ہی مرنا ہے تو کیا بھول گیا گھر اپنا

آ جو نکلے ہو تو دو چار گھڑی بیٹھ بھی لو
سحر کے گھر کو بھی سمجھو کہ ہے گھر اپنا

ہم کہیں کس سے حالِ زار اپنا
نہ کوئی دوست ہے نہ یار اپنا

چاروں جانب ہی ہمیشہ موج زن سیلِ سرشک
اک جزیرہ میرے رونے سے مرا گھر ہو گیا

میکدہ ہو یا ہو مسجد کعبہ ہو یا دیر ہو
پھر وہیں پر گھر ہے جس جا اپنا بستر ہو گیا

کچھ نہیں شک ہے تصور مادۂ تصدیق کا
یاد میں موئے کمر کے میں بھی لاغر ہو گیا

کوئی معشوق وفادار نہ اصلا پایا
وہ برا نکلا بظاہر جسے اچھا پایا

داغِ دل نقدی میں جاگیر میں صحرا پایا
ہم نے بھی عشق کی سرکار سے کیا کیا پایا

حضرتِ ناصح مجھے کہتے ہو سودا ہو گیا
مجھکو سودا ہو گیا اور آپ کو کیا ہو گیا

میرے رونے پر انہیں رحم آ گیا شانِ خدا
آبِ گریہ سے ہرا نخلِ تمنا ہو گیا

ہاتھ میں تیغ اُسنے لی سبنے اٹھایا جان سے ہاتھ
پاؤں رکھا قتل گہ میں حشر برپا ہو گیا

اک پری پیکر کی الفت میں جو دیوانہ ہوں میں
لوگ کہتے ہیں اسے سایہ پری کا ہو گیا

ہے دہن برزخ وجود و نیستی کے درمیاں
اب نہیں اچھی طرح حل یہ معما ہو گیا

شامِ فرقت پر گماں روزِ قیامت کا ہوا
صور کا شور اذاں پر مجھکو دھوکا ہو گیا

سحر سا ناچیز فیضِ صحبتِ اُستاد سے
اوستادِ نظمِ اردوئے معلیٰ ہو گیا

قطعہ

میں نے اُن سے یہ کہا مرتے ہیں اب تو ہجر میں
دشمنِ جاں عشق سے جانی تمہارا ہو گیا

دل تڑپتا ہے جدا سینہ جدا ہے بیقرار
چین پڑتا ہی نہیں کیا جانے کیا ہو گیا

پھرتے پھرتے آہ چھالے سب زباں میں پڑ گئے
روتے روتے خون خالی سب کلیجا ہو گیا

مجھکو یوں کہتا ہے کوئی اب یہ تھکا جاتا ہے
کوئی کہتا ہے یہ کوئی دم میں ٹھنڈا ہو گیا

کوئی کہتا ہے اسے آسیب کا ہے کچھ خلل | کوئی کہتا ہے پری کا اسکو سایا ہو گیا
کوئی کہتا ہے کہ اس کو صرع کا ہے عارضہ | کوئی نبضیں دیکھکر کہتا ہے سکتا ہو گیا
کوئی کہتا ہے کہ ہے ہیجان صفرا کا اسے | کوئی کہتا ہے مقرر اسکو سودا ہو گیا
میر ہیجاں! افسوس رحم اسپر بھی کچھ تجکو نہیں آیا | کیسا دل لوہے کا پتھر کا کلیجا ہو گیا
مار کردہ قہقہہ بولے ابھی روتے ہو کیا | دل لگانا آپکے نزدیک ٹھٹھا ہو گیا
اسوقت سے سرمہ سی دشمن مرہیجاں کا | یہ وصل کی شب سوانگ نکالا ہے کہاں کا
دریائے سرشک اپنا بہا لیگیا مجھکو | آنکھوں نے کفن مجھکو دیا آب رواں کا
تم بھی نہ ملے کچھ نہ ہوئی طاعت حق بھی | رکھا مجھے تم نے نہ یہاں کا نہ وہاں کا
ہے چشم پری کا سا گماں میری نظر کو | یہ روزن دیوار سے کس شوخ نے جھانکا
آفت میں رفوگر ہے میرے سینہ کو سی کر | سو جا سے کھلا زخم جو اک جا سے ٹانکا
پاؤں میں زنجیر ہے اور جوش پر ہے فصل گل | اب بتا تیرا ارادہ ہے دل ناشاد کیا
نالہ جو کوئی میرے دہن سے نکل گیا | مانند تیر سرخ کہن سے نکل گیا
عریانی اپنی یاد جو آئی دم فنا | لاشہ تڑپ کے تہ کفن سے نکل گیا
زخم دل سی جائیگا گر اک نظارہ ہو گیا | چشم کا تار نگہ تار رفو ہو جائے گا
گر رہا جوش جنوں یوں ہی ہمارا جوش پر | یہ دل دیوانہ رسوا کو بکو ہو جائے گا
دنیا میں ایک دن بھی رہے ہم نہ بے شراب | واعظ بہشت میں کبھی یقیں ہے ملے شراب
کافر ہو پھر جو شرع کا کچھ بھی کرے خیال | جب جام بھر کے ہاتھ میں یار اپنے دے شراب
جو مست ہو معاف ہے اس شخص کو نماز | عزت خدا نے بخشی ہے کیا تجکو اے شراب
ساقی بھلا ہو میرا ابالوں سے کیا بھلا | پیتا ہوں شرط باندھکے میں دس گھڑی شراب
جاں سے کس پہ ہے دل اپنا نثار آپسے آپ | کس کی صورت پہ چلا آتا ہے پیار آپسے آپ

قطعہ

کہا میں نے کہ اے یار گل اندام | دے اک بوسہ مجھے از راہ خیرات

لگا کہنے غنچہ خوش سے اے واہ کیا خوب
وہ بات کیوں چھیڑوں وہ ہوں جس سے خفا آپ
لب نکلے مرے چاہنے سے وصل کی صورت
تجھکو تو بہت سحر سے ہیں عاشق جانباز
بوسہ لب سے نہ منہ پھیریئے مر جاؤں گا
یاد میں فرقت ساقی میں جو آئی اے سحر
آئے گر میرے جنازہ پہ وہ کھر بکھیر
صبح کو بعد وصال اللہ رے انکا حجاب
جل نہ جائیں ہاتھ تیرے چھل نہ جائیں انگلیاں
یہ آج کس کے نظارہ کا منتظر ہے باغ
کتاب رخ پہ کھنچی خط سبز کی جدول
گھرا بنا ہے نہ چھپکے ہے حجاب نہ سے چلے آؤ
یہ وہ ماتم کدہ ہے آئیں شادی تو آپ کی پھر
سوا یہ ظلم فصل گل میں مرغان خوش الحان پر
پلائے یار تو پی لے پاس شرع نہ کر
قطعہ
میں نے کہا کہ خانہ دل میں کرو گذر
بولے لگے نہ چوری کہیں صبر و ہوش کی
دشمن جاں ہیں جسیں ان سے نہ ملاں کہا

کہیں کیا کہ کیا کیا ستم دیکھتے ہیں
ہزاروں گماں دل میں ہوتے ہیں پیدا
نظر آتے ہو سحر عاشق کسی پر

مثل مشہور "چھوٹا منہ بڑی بات"
جوں جوں وہ ترش ہوتے ہیں ملتا ہے مزا اور
ہاں وہ بھی اگر چاہیں تو پھر چاہئے کیا اور
پر تیری قسم اس کو نہیں تیرے سوا اور
اتنا بیمار سے پرہیز مسیحا بن کر
رہ گئے دیدہ و دل ساغر و مینا بن کر
ہاتھ پھیلا کے نکل آؤں کفن سے باہر
سر جھکا لیتے ہیں میری سمت ہر دم دیکھکر
زخم پر لے چارہ گر رکھنا تو مرہم دیکھکر
کھلی ہے نرگس شہلا ہر ایک کیاری پر
چڑھایا حاشیہ یہ اور وضع داری پر
جگر میں شیشہ دل ہو کے رہ گئے سینہ میں جاں ہو کر
کبھی غم بھی نہ آیا میرے دل میں شادیاں ہو کر
لگائیں ٹہنیاں گلچیں نے دیوار گلستاں پر
سینے صنم سے اگر شوق سے خدا سے بچاؤ
حاضر ہیں بندگی کے لئے اپنی جان سے ہم
ڈرتے ہیں آتے جاتے پرائے مکان سے ہم
دوستانہ ہی ہم تجھسے دلا رکھتے ہیں

لکھا ہے جو قسمت میں ہم دیکھتے ہیں
ترے ہاتھ میں تیغ قلم دیکھتے ہیں
تمہیں بعد مدت کی چشم نم دیکھتے ہیں

صدمہ پہونچا یہ نہیں زلف کے سلجھانے میں
درد افراطِ نزاکت سے ہوا شانے میں

حسن انساں سے کبھی بڑھ کے نہیں حور کا حسن
ہم نہیں آئینگے زاہد ترے بہکانے میں

ہجر میں کسکو پسند آتا ہے جام و مینا
جی میں ہے آگ لگا دوں ابھی میخانے میں

جو زندگی میں طالب کوئے صنم نہیں
بعدِ فنا وہ لایق باغِ ارم نہیں

کبھی زباں سے نہ شکوہ نہ آہ کرتے ہیں
وہ ظلم کرتے ہیں اور ہم نباہ کرتے ہیں

خدا نے حسنِ بتاں دیکھنے کو آنکھیں دیں
جو تمکو دیکھتے ہیں کیا گناہ کرتے ہیں

جنوں میں کاوشِ غم بے سبب نہیں ہرگز
ہم اپنے دل سے ترے دل میں راہ کرتے ہیں

روشن ہے پھلجھڑی کی صفت چشم زار میں
شعلہ ہے لختِ دل مرے اشکوں کے تار میں

ناصح میں ترکِ عشقِ بتاں تو ابھی کروں
پر دل نہیں خدا کی قسم اختیار میں

پوچھیں تو صاف کہدوں کہ ہوں بندۂ بتاں
منکر نہوں فرشتوں سے بھی میں مزار میں

کہا میں نے دلِ ناکام سے کب تک اس ارمان میں
کہ مل جاؤ کسی دن ہم سے تم فصلِ بہاراں میں

کہا سن چپ ہو بے فائدہ بکنے سے کیا حاصل
وہ ہو سکتی ہے پھر کیونکر نہ ہو جو بات امکاں میں

ہم پاکباز طالبِ دیدار ہیں فقط
اغیار کی طرح ہوسِ این و آں ،، نہیں

سادہ رخِ حبیب کو کس سے مثال دوں
خط شعاع مہر میں دیتا ہے ماہ میں

قسمت میں لکھدیا مرے کیوں بے حساب رنج
الجھوں گا میں خدا سے بھی جا کر حساب میں

ساقی نہ دیر کر یہ خدا ساز بات ہے ،، ،،
ہے لطفِ آفتاب شبِ ماہتاب میں

چہرہ سے یار کے ہے عیاں سرخیِ شراب
ہے آفتاب جلوہ نما آفتاب میں

موقوف شربِ مے پہ ہے ساقی ہماری زیست
کشتیِ عمر چلتی ہے موجِ شراب میں

خدا راضی ہوا تم سے نہ اکدن شیخ جی صاحب
پڑھیں برسوں نمازیں اور کیا تم نے وضو برسوں

ابھی سے حضرتِ دل کیسی ہمت ہار جاتے ہو
تلاشِ یار میں ہم تو پھرے ہیں کو بکو برسوں

پسندیدہ نہ ہوا اے سحر کیوں سب کو کلام اپنا
رہے ہم مدتوں دہلی میں چھپا لکھنؤ برسوں

ابھی آیا ہے چلا جائے نہ پھر یار کہیں

کوئے قاتل میں ہے کیا خوب شہیدوں کی بہا

مذہبِ عشق سکھاتا ہی مرا دل مجھکو
دلِ مشتاق نے آرام یہ پایا دمِ قتل

تنفر ہے بوقتِ قتل بھی اُس شوخ بدظن کو

اللہ اللہ رے جنوں بل بے شباب وحشت

نہیں برقع سے ہی نورِ رخِ تاباں روشن

ہر اک فقرہ پہ ہے جھڑکی تو ہی ہر بات پہ گالی

کچھ رکے رہتے ہیں قتل کو میرے ترا کے ہاتھ

بتلائیں کیا کہ ہاتھ سے کیا کچھ نکل گیا

لیجاتے ہیں چھپا کے مرے نقدِ دل کو وہ

رہتا ہے ساتھ لشکرِ اطفال خوبرو

داغِ دل ہیں یاں سے ہم پھولوں کی جا لیجائینگے

میں نے جو کہا وصل کی شب پاؤں دباؤں

وہ بت نہ کبھی رام ہوا لاکھ دعا کی

دل مرا اٹکا ہے چشمِ یار سے
کوچۂ کاکل میں کھو کر نقدِ دل

چھوڑ کر دیر و حرم کوئے بتاں میں لے دل

ہم سے ضد اغیر دل سے یاری دیکھ لی

رقیبِ سفلہ سے ہم گفتگو نہیں کرتے

دردِ سر سے نہیں کم گھس کے لگانا صندل

فرصت دیتے ہیں لے دیدۂ خونبار کہیں

کہیں دس بیس ہیں گل پڑے دو چار کہیں

خوب قسمت سے ملا مرشدِ کامل مجھکو
آ گئی نیند تہِ خنجرِ قاتل مجھکو

جو لگ جائے مرا خوں چاک کر ڈالے وہ دامن کو

چاہئے ایک نیا روز گریباں مجھکو

نظر آتا ہے "چراغِ تہِ داماں" مجھکو

تم اتنے خوبصورت ہو کے اتنے بدزباں کیوں ہو

ہے عاشقوں میں آبرو اپنی خدا کے ہاتھ

دل بیچ بیٹھے اپنا ہم اک بیوفا کے ہاتھ

بازیٔ گردوں کی طرح ہم خالی دکھا کے ہاتھ

بہتر ہے ہوش سے مرا دیوانہ پن مجھے

گلشنِ ہستی میں کیا آئے تھے کیا لیجائینگے

وہ بولے کہ ہم جانتے ہیں گھات تمہاری

اے شیخ جی بس دیکھی کرامات تمہاری

ہے محبت مردمِ بیمار سے
مول سودا لائے ہم بازار سے

بسر اوقات کر اب چل کے وہیں تھوڑی سی

دیکھ لی الفت تمہاری دیکھ لی

ہماری وضع ہے کہتے ہی تو نہیں کرتے

درد کا نام اطبا نے دوا رکھا ہے

یاد آجاتی ہے جب زلف گرہ گیر مجھے — نظر آتا ہے مکاں خانۂ زنجیر مجھے
یہ نیا طرز ستم ہے کہ لگا کر مجھ سے — کہتا ہے کھینچ دے اب دل سے مرا تیر مجھے
ندیے تو دیر سے ترغیب کعبہ ہمکو لیے زاہد — یہاں ہیں بت وہاں کیا جاکے سر پھوڑینگے پتھر سے
نہ کیوں پابند ہوں اہل صفا خانہ نشینی سے — نکلتے کس نے دیکھا ہے کبھی آئینہ کو گھر سے
اے سحر جیتے جی نہ رہائی ہوئی نصیب — چھوڑا تو جان لے کے غم ہجر یار نے
لطف اٹھائے ہیں جو وصل یار کے — جانتا ہے دل مزے اُس پیار کے
یا خدا وہ بھی دن آئے گا ستم کا اُن کے — شکوہ ہم اُن سے کرینگے وہ پشیماں ہونگے
موتی برسینگے وہ جس وقت کرینگے تقریر — پھول بکھرینگے وہ جسوقت کہ خنداں ہونگے
اُس بت نے ایک بات نہ مانی شب وصال — لاکھوں دیے خدا و پیمبر کے واسطے
جتنے تھے ظلم سب وہ جفا کار کر چکا — باقی رہے نہ چرخ ستمگر کے واسطے
سنکر پیام وصل میں قاصد سے جی اٹھا — ہے معجزہ ضرور پیمبر کے واسطے
جتنے ہیں دوست غرض سے نہیں کوئی خالی — سچ تو یہ ہے نہیں دنیا میں کسی کا کوئی
تاڑ کر قصد مرا ہاتھ چھوڑا کر بھاگے — کھڑکے اس طرح جھجک کر کہ "وہ آیا کوئی"
کہتا ہوں جب دکھاؤ رخ اپنا ذرا مجھے — کہتے ہیں رونمائی میں تم دو گے کیا مجھے
صدف کی قدر کیا ہے موتیوں سے ہو اگر خالی — رہے اشکوں سے بھر کر کیوں ہماری چشم تر خالی
تشہیر بعد قتل مری لاش کیجئے — جو جو بھرے ہوں دل میں وہ ارماں نکالیے
رکھے نہ اُنس جو خنجر سے وہ گلو کیا ہے — نہ زیب دامن قاتل ہو وہ لہو کیا ہے
عیاں ہے قدرت حق چار سو ہے اے غافل — ذرا تو دیکھ یہ ہنگامہ چار سو کیا ہے
سر ملا ہے عشق کا سودا سمانے کے لئے — آنکھیں دیں انسان کو آنسو بہانے کے لئے
کوئی زاہد بن گیا ہے کوئی واعظ بن گیا — کیسے کیسے سوانگ ہیں روٹی کمانے کے لئے
خوبی طرز غمزہ و انداز کیا کہوں — حسن طریق ناز و ادا مجھ سے نہ پوچھئے

ہے ہر صنم کے جلوہ سے نور خدا عیاں — کتنے خدا ہیں پھر خدا کچھ نہ پوچھئے

فرمائیے تو سوئے کہاں کس کے گھر رہے — کسکے نصیب رات جگائے کدھر رہے

خوش وضعوں کی تلاش میں ہم عمر بھر رہے — صورت جب اچھی کوئی نظر آئی مر رہے

ہو جائے خود کسی کا مناسب ہے آدمی — اور یا کسیکو چاہئے اپنا ہی کر رہے

عقدے نہ حل ہوئے دہن لاجواب کے — مضمون ادق ہیں ہائے صنم کی کتاب کے

دیتا ہوں میں دعائیں وہ دیتے ہیں گالیاں — فقرے کھنچے ہوئے ہیں سوال و جواب کے

جتنے حسیں ہیں سب کو یہ کہتا ہے میں ہی لوں — کیا حوصلے ہیں اس دل خانہ خراب کے

شیخ کیوں جاؤں کعبہ و دیر سے ہیں — اپنی کٹ جائے گی یہیں اچھی

گناہ دوست وہ ہوں میں ابھی بدل لوں گا — جو سو ثواب کے بدلے بھی اک گناہ ملے

گدا ہیں در کے ترے تو ہی شاہ دولت حسن — ہمیں بھی حسن کا صدقہ خدا کی راہ ملے

ملا جو دشت میں۔ میں اسکو تو یہ بولا قیس — کہ آئیے ابھی مدت میں قبلہ گاہ ملے

گواہ مانگتی ہے چشم دل چرانے کا — معائنہ کا بھلا کس طرح گواہ ملے

بھلا ہو ساقی ترا جگ میں بول بالا ہو — گرہ — ادھر کو بھی کوئی چلو خدا کی راہ ملے

رباعی معہ مستزاد

ہے جب سے مری تجھ سے جدائی پیارے — ہے حال تباہ

غم سے ہے جان لب پہ آئی پیارے — انا للہ

اے کاش جو جانتا یہ میں پہلے سے — ہوگا یہ حال

کرتا ہرگز نہ آشنائی پیارے — خالق ہے گواہ

خمسہ بر غزل مومن

کیوں ہو ناراض کیا ہوا صاحب — کچھ تو فرمائیے ذرا صاحب

ہیں خفا زندگی سے تنہا صاحب — تم بھی رہنے لگے خفا صاحب

کہیں سایہ مرا پڑا صاحب

اسقدر مجھ سے کیوں ہو شرماتے
شکل تک بھی نہیں ہو دکھلاتے
ہم تو دنیا سے آج ہیں جاتے
دم آخر بھی تم نہیں آتے
بندگی اب کہ میں چلا صاحب

سحرؔ سے چھوٹے عشق کیا ممکن
پر تمہارا تو اب نہیں وہ سن
آئے عزت کے اب تمہارے دن
نام عشق بتاں نہ لو مومن
کیجیے بس خدا خدا صاحب

سحرؔ۔ جناب منشی اقبال ورما صاحب۔ آپ نیچرل شاعری کے میدان میں قدم فرسا ہو کر زور طبع دکھاتے ہیں۔ کلام بیجا مبالغہ سے معرا۔ اور نمایش الفاظ سے مبرا ہے۔ واقعات اور جذبات کے دلدادہ ہیں۔ جوش اور اثر کو شاعری کا جزو اعظم جانتے ہیں۔ غزل کم کہتے ہیں نظمیں زیادہ لکھتے ہیں۔ انہوں نے فسانۂ شکنتلا کو اردو کا جامہ پہنا کر مثنوی نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ مشہور ماہواری رسالوں میں نظمیں اور مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ کلام یہ ہے سحر

دیوانہ بنا رہی ہیں دل کو
یہ کس کی غزال وار آنکھیں
دیکھا کروں رات دن وہ جلوہ
دے مجکو خدا ہزار آنکھیں

ایام طفلی

ہائے وہ ایام طفلی ہائے وہ وقت قرار
ہائے وہ عہد تغافل ہائے وہ لیل و نہار
ہائے وہ دن پاک تھا عصیاں سے جب اپنا وجود
جب عیاں تھی ہم میں شکل شان صنعت کردگار
ہائے وہ دن جب کوئی دل ہم سے آزردہ نہ تھا
حرف آتا تھا زباں پر اپنے جو وہ خوشگوار
نیک و بد سے کچھ زمانہ کے نہ تھی اصلا خبر
سادگی اپنی روش تھی راستی اپنا شعار
کچھ تنفر سے تھا مطلب نہ تکبر سے تھا لوث
چاہتا تھا جو ہمیں ہم بھی اسے کرتے تھے پیار

دوست اور دشمن میں کرتے تھے نہ مطلق امتیاز
اک جگہ پاتے تھے اپنی آنکھ میں اغیار و یار

بخش دیتے تھے خطائیں بھولتے تھے سختیاں
بغض و کینہ کی نہ اپنی جا تھی دل میں زینہار

جانتے تھے غیب سے شاید کہ انجامِ غرور
یوں نہ چلتے تھے اکڑ کر ہم کبھی مستانہ وار

دور ہم سے رہتی تھی تاریکیٔ کذب و دروغ
اپنی باتوں میں چمکتی تھی شعاعِ اعتبار

ہم میں جو اطوار تھے وہ سب کے سب تھے دلفریب
ہم میں جو انداز تھے وہ تھے سراسر غمگسار

کس قدر اہلِ زمانہ ہم کو رکھتے تھے عزیز
اپنی جا ہر بر میں تھی ہر دل میں تھا اپنا گزار

تھی خود آرائی کی بو نہ خود ستائی کی ہوس
قدرتی جو شے تھی وہ ہم میں عیاں تھی آشکار

تاڑ جاتے تھے نگاہِ دشت و اندازِ خشم
پر نگاہِ ناز ہوتی تھی کلیجہ کے نہ پار

ہائے لاحق تھیں نہ یوں ہر دم ہمیں افکارِ دہر
ہر نفس تھا اس طرح جی کو نہ لینے انتشار

روز بنتے تھے نہ سیارے شرارِ آسماں
ہائے یوں منہ سے نکلتی تھی نہ آہِ شعلہ بار

کچھ خبر رکھتے تھے اس دورِ ترحم میں ہائے
ہم بھی ہونگے ایک دن نخچیرِ جورِ روزگار

وہ بھی اک دن تھا کہ تھے تسکین دۂ خستہ دلاں
ہائے اب وہ دن ہیں خود بھی ہوتے ہیں دل فگار

آہ اے ایامِ طفلی آہ دورِ انتعاش
آہ اے نقشِ زمینِ ہستیٔ ناپائدار

آہ اے عہدِ فراغت آہ اے وقتِ نشاط
یاد کرتی ہے تجھے رو رو کے اپنی جانِ زار

سحرؔ مشہور زمانہ ہے جہاں کا انقلاب
کاش آ جائیں وہی دن گھوم کر پھر ایکبار

سری رام چندر کا روپ سری لچھمن جی کے زخمی ہونے پر

رونق افزا ہے میاں فوج اک رعنا جواں
کثرتِ ذرات میں خورشید ہے جلوہ فشاں

لیک لشکر میں نظر آتے ہیں آثارِ ملال
اور رخِ انور سے بھی ہوتا ہے اظہارِ ملال

آہ یہ وقتِ الم ہے کون راجہ رام چندر
یہ غریقِ بحرِ غم ہے کون راجہ رام چندر

سر جھکا ہے ہاتھ پر تشویش و محویت کیساتھ
دیکھتا ہے آہ یہ کس کی طرف حیرت کیساتھ

اک جوان خوبرو غلطاں ہے اسجا خاک پر
سر رکھا ہے رام کے زانو پہ اور خود بے خبر

کون عش ہے حیف کیسکر لئے شیون ہے آہ
کون ہے یہ ؟ رام کا بھائی سری لچھمن ہے آہ

دیکھتا ہے رام بس اُس روئے انور کیطرف
ہائے کس حسرت سے نگراں ہے برادر کیطرف

بوسہ لیتا ہے رُخِ رنگیں کا گاہے پیار سے
گھ ٹپک پڑتے ہیں قطرے دیدۂ خونبار سے

دیکھتا ہے اپنے چاروں سمت حیرانی کیساتھ
اور تکتا ہے وہی منہ پھر پریشانی کیساتھ

صدمۂ جانکاہ و سختیٔ الم سے سہہ رہا
ضبط گذرا حد سے ہے پر سے نہ کچھ کہہ رہا

اُف یہی لکھا تھا اپنی قسمتِ بد فال میں
آج دیکھوں آہ اے بھائی تجھے اس حال میں

گھر چھٹا۔ احباب چھوٹے اک زمانہ چھٹ گیا
اور وہ اپنا تخت و تاج خسروانہ چھٹ گیا

لی فقیری دکھ دیا کتنوں کو نکلے گھر سے ہائے
سایۂ شفقت پدر کا اٹھ گیا اس سر سے ہائے

بڑھ گیا غربت میں بھی یہ حوصلہ آزار کا
ساتھ چھوٹا آہ صحرا میں زنِ غمخوار کا

اِک تمہیں گم گشتگاں کی تھے نشانی بچ رہے
بس تمہیں اک تھے امیدِ زندگانی بچ رہے

چارہ سازی سے تمہاری دور تھا سب درد و غم
غمگساری سے تمہاری محو تھا سارا الم

ہائے اب تم بھی ہوئے رخصت آگیا وہ دن بھی
تازہ ہونے کو ہے اک داغِ جدائی اور بھی

گر پڑے نارِ جہنم اُس تنِ ناپاک پر
خاک ہو جائے سلایا جس نے تجھکو خاک پر

آہ بھائی تم نے بھی گھر چھوڑا میرے واسطے
عیش و راحت دولت و زر چھوڑا میرے واسطے

ساتھ میرا کس وفاداری سے غربت میں دیا
ہائے کیا کیا حوصلہ مجھکو مصیبت میں دیا

کھو کے تمکو گر وصالِ زن ہوا تو کیا ملا
جب نہ ذوقِ وصلِ روح و تن ہوا تو کیا ملا

بے تمہارے آہ اے بھائی وطن جاؤنگا کیا
کوئی پوچھے گا تمہیں تو ہائے بتلاؤنگا کیا

تحریکِ اتحاد

تمکو خبر ہے قومیں ہشیار ہو رہی ہیں
غفلت کی نیند سے پھر بیدار ہو رہی ہیں

اب ہندوؤں سے بالکل بیزار ہو رہی ہیں
مل کر یہ بیت پر تیار ہو رہی ہیں

ہی جائے غم یہاں تو مل کر جدا ہوئے تم
کیا ہونے جا رہے تھے اور آہ کیا ہوئے تم

واحسرتا طبیعت اب بھی نہیں بدلتی
غیروں کے سامنے کوئی بھی نہیں ہے چلتی
صدیوں کی بھی غلامی تم کو نہیں ہے کھلتی
آپس ہی میں مگر ہے دل کی ہوس نکلتی

غیرت نہیں ہے تم کو نام و نمود کھویا
رکھو گے لاج شاید اپنا وجود کھویا

کیوں وجہ شور و شر ہے آزادیٔ مذاہب
محمول عدل پر ہے آزادیٔ مذاہب
دنیا میں بیشتر ہے آزادیٔ مذاہب
ہے ارتقا اگر ہے آزادیٔ مذاہب

معیار مذہبی ہے صرف اتفاق ہونا
مذہب کے ہے منافی باہم نفاق ہونا

ٹیسو کا بن

یہ ٹیسو کا سماں برگ سیہ کے رنگ شامل سے
کھلے گلہائے تر گویا ہیں منقار عنادل سے
نکلتا ہے مگر گردوں سے ننھا سا دونک کوئی
کوئی چھوٹی سی کشتی پا گئی ہے آ کے ساحل سے
یہ تیغ خوں چکاں ہے یا کسی کے دست نازک میں
شہیدوں کا لہو گرتا ہے یا دامان قاتل سے
زباں یا آشکارا ہے مسی مالیدہ ہونٹوں سے
عیاں ہے یا جبین زلف بت رنگیں شمائل سے
گہن کے رنگ میں یا مہر افروز مشتعل ہو کر
ہلال آتا نما ہے اسکے آثار مقابل سے
کوئی معشوق گل رو کھول کر آنچل سے یا منہ کو
نمایاں کر رہا ہے رنگ ناقص رنگ کامل سے
کلید عیش بنکر یا ہے کوشاں ناخن قدرت
بہار راحت افزا ہے جہاں کے گرد گل سے
کف غیرا کف سائل کی صورت شوق سے وا ہے
بکھیرے جا رہے ہیں لعل گویا دست باذل سے

شرابِ سرخ یا نیلم کے پیالوں سے جھلکتی ہے
کہ ہیں اہل نظر سب وجد میں نادان غافل سے

طیور خوشنوا یا سرخ چونچیں کھول کر اپنی
سناتے چہچہے ہیں صدائے پر اثر اپنی

دکھاتا ہے جہاں گویا تماشا دلربائی کا
نکلتا آستیں سے اف کسی دست حنائی کا

غضب کا سین ہے ٹیسو کا یکسر پھولنا بن میں
کھِیا جاتا ہے اک رنگ طرب ہر رگِ تن میں

نظر آتا ہے چاروں سمت اک عالم چراغاں کا
ہیں جلتی دیکھو چھوٹی چھوٹی شمعیں بزمِ گلشن میں

ادائے دلفریب و مست سے ہیں جھومتے گویا
بتانِ گلبدن بادِ بہار افزا کے دامن میں

دلِ دیوانہ کو حیرت سی ہے اعجاز قدرت پر
زمیں پر ہے شفق پھولی ہوئی اور زیرِ روشن میں

غضب ہے اُف یہ سرخی کا عیاں ہونا سیاہی سے
گلابِ سرخ گویا کھل گیا گلہائے سوسن میں

کوئی رنگیں ادا ہے سیکھتی تسخیر کا جادو
دکھائی دیتے ہیں سرمے کے ڈورے چشمِ پرفن میں

ہیں مردن پہ لائی رنگ سوزش تفتہ جانوں کی
قلوبِ داغدار یکسر عیاں ہیں خاکِ مدفن میں

بتاتے ہیں چمک کر یا دلوں میں سرخ انگارے
نہ ہے آمد موسم گرما کی پھر دنیا کے دامن میں

کہ صناع ازل دکھلا کے خوبی ہنر اپنی
جہاں کو لحظہ لحظہ آپ دیتا ہے خبر اپنی

ہے موقع چشمِ حق بیں کی نگاہِ انتہائی کا
یہی تو وقت ہے ادراکِ اعلیٰ کی رسائی کا

سحرؔ ۔ شاعرِ باکمال منشی سراج میر خاں رئیس بھوپال ۔ آپ میرزائی خیل سے ہیں حضرت نیاز خیرآبادی سے تلمذ ہے ۔ نواب نصیر الدولہ باقی محمد خاں معروف بہ امراؤ دولہ کے قرابت دار ہیں ۳۵ ۔ ۳۶ برس کا سن ہے ۔ ذہین اور خوش مقال نوجوان ہیں ۔ آپکو شعرائے بھوپال میں پایۂ امتیاز حاصل ہے ۔ بہت سمجھکر شعر لکھتے ہیں اور اپنے وطن کی زبان کے اعتبار سے اتنا لکھ لینا غنیمت ہے کلام یہ ہے ؎

دھمہ جو کھا کے لاش کا میری رہا تھی
مٹی سے دوستوں نے بھرا منہ مزار کا

ٹھوکر لگانے آئے ہو ٹھوکر لگاتے جاؤ
اچھی طرح نشان مٹا دو مزار کا

آج آوازِ شکست آتی ہے میخانے سے
لڑکے ٹوٹی نہ ہو توبہ مرے پیمانے سے

آگ میں کود پڑوں حکم اگر آپ کا ہو
بزمِ دشمن میں ہوں مجبور مگر جانے سے

پیکے رہ جاتا ہوں میں گھونٹ لہو کے ساقی
آنکھ لڑ جاتی ہے جب ہجر میں پیمانے سے

شبِ وعدہ ہوئی آخر اجل کی آج بن آئی
بیاضِ صبح لیکر ساتھ کافور و کفن آئی

غم و شادی سے اک عالم تماشاگاہِ عبرت ہے
کسی گھر سے گیا پردہ کسی گھر میں دلہن آئی

وہی میں ہوں وہی دل ہے وہی دل کی تمنا ہے
یہ سب محرم ہیں تمکو شرم کس سے جانِ من آئی

زمانہ دیکھکر منصور کو برتاؤ کرنا تھا
کہی حق بات کیوں جو نوبتِ دار و رسن آئی

کہی اُسنے سُنی تم نے کہی تم نے سُنی اُس نے
اکیلا پاکے تمکو طور پر موسے کی بن آئی

ڈال کر میں پاؤں میں زنجیر اپنے ہاتھ سے
عشقِ گیسو میں ہوا تشہیر اپنے ہاتھ سے

کاتبِ اعمال دینگے حشر میں اسکا جواب
دل میں جو آئے کریں تحریر اپنے ہاتھ سے

سلسلۂ جذباتِ الفت ہی اک امرِ محال
کھینچ لیں گو عرش کی زنجیر اپنے ہاتھ سے

دل کا سودا نکریں کھد خریداروں سے
اُٹھ گئی جنسِ وفا حُسن کے بازاروں سے

آگیا یادِ وطن دیکھ کے اُن کو صیاد
پوچھ لو حالِ چمن تازہ گرفتاروں سے

سحرؔ

سحرؔ ۔ مولٰنا شفیق الرحمٰن صاحب ۔ آپ ردولی (اودھ) کے باشندے ہیں کسی زمانہ میں "رسالہ زخمِ جگر" شایع کرتے تھے ۔ نوجوان شوخ طبع ہونہار شاعر ہیں چند شعر درج ذیل ہیں ؎

بیجان پڑا ہے لبِ جاں بخش کا کشتہ
قُم وہ نہیں کہتے ہیں یہ زندہ نہیں ہوتا

کمسن ہیں ڈریں گے اُنہیں بالیں سے اُٹھا دو
دم میرا اُکھڑتا ہے تماشا نہیں ہوتا

امیدِ وفا اُس سے کہ جو دشمنِ جاں ہے
اے سحرؔ جو قاتل ہے مسیحا نہیں ہوتا

اس شوخ ستمگر نے نکالی یہ نئی بات
کی جس سے کبھی بات تو شمشیر کی بات

ہوتا ہے ثمر بھی تو زبوں نخل زبوں کا
اچھی نہیں ہوتی ہے حقیقت میں بُری بات

پیری میں وہ اگلے سی کہاں ٹھولے اے سحرؔ
ہمراہ جوانی کے جوانی کی گئی بات

سخا ۔ نواب میر خیرات علی خاں ابن میر امیر علی خلف میر نظیر علی ۔ آپ نواب روشن الدولہ مغفور کے متبنیٰ تھے ۔ حیدرآباد دکن کے عمائد میں شمار تھا ۔ سرکار نظام سے منصب ملتا تھا اور فن شعر میں میرزا مستیا بیگ منتہی شاگرد حضرت آتش لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا ۔ ۱۳۰۳ھ میں ۴۵ سال کی عمر تھی ۔ آپ کی رنگین طبعی تشبیہات قدما کی بہار گوناگوں کا جلوہ دکھاتی ہے ۔ عرصۂ نظم میں صریر کلک سے آفریں کی صدا آتی ہے ۔ فکر بلند کا نتیجہ یہ ہے ؎ سخا

کیونکر ہو طے یہ مرحلۂ عشق دیکھئے
دل میں ہزار طرح کا کھٹکا ہے راہ کا

دل کو شرف ہے داغ محبت کے فیض سے
خورشید کے کرم سے یہ جلوہ ہے ماہ کا

رہے چمن میں نہ بلبل کا نام تک باقی
دیا ہے حکم یہ گلچیں نے باغبانوں کو

یہ آہ وہ ہے رکے گی کبھی نہ روکے سے
یہ تیر وہ ہے کہ توڑے گا آسمانوں کو

مقام خوف ہے ابرو قریب مژگاں ہے
کمال ربط ہے تیروں سے ان کمانوں کو

اگر وصال نہیں تو خط و پیام سہی
برائے صبر دل بے قرار کچھ تو ہو

خدا کرے کہ دل انکا کسی پر آجائے
بتوں کو میری طرح انتظار کچھ تو ہو

سخا ۔ مولوی نظیر حسن ابن مولوی غضنفر علیخاں دہلوی ۔ آپکے جد امجد مولوی نجف علیخاں مخاطب بہ تاج العلماء بڑے پایہ کے عالم تھے ۔ آپ ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے ۔ فارسی عربی اپنے والد اور دادا سے پڑھی ۔ فن سخن میں فصیح الملک میرزا داغ سے تلمذ اختیار کیا ۔ آغاز شباب میں طبیعت شوخ اور چلبلی تھی ظریفانہ مضامین لکھنے میں خداداد ملکہ ہو گیا تھا ۔ اخبار چلتا پرزا عرف شاہجہاں آباد پنچ ۔ بے مثال پنچ دہلی کے قابل نامہ نگاروں میں آپ کا شمار تھا ۔ سخا

یوں تو آپ مختلف صیغوں میں ملازم رہے ہیں مگر محکمہ تعلیم میں عرصہ تک ملازمت کی ہے ۔ اجمیر نصیر آباد کے سوا مختلف ریاستوں میں ملازم رہ چکے ہیں ۔ قدرت کیطرف سے ذہن رسا اور ہمہ گیر طبیعت پائی ہے ۔ ہومیوپیتھک علاج سے بھی واقف ہیں ۔ تجارت کا شغل بھی

رہا ہے۔ مناظرہ اور ڈرامانویسی میں بھی مہارت حاصل ہے اور اسی سلسلہ میں تمام ہندوستان کا سفر کر آئے ہیں۔ آپ عربی فارسی انگریزی اور گجراتی زبان اچھی طرح جانتے ہیں۔ آجکل مہاراجہ کالج جے پور میں عربی مدرس ہیں۔ کلام میں شوخیِ زبان لطفِ بیان۔ سلجھے ہوئے مضامین خیالات رنگین غرض سب کچھ موجود ہے۔ شوخ بیانی کا نمونہ یہ ہے ؎

جب میں کہتا ہوں مرا دل تجھ پہ شیدا ہوگیا — کہتے ہیں وہ کہنے والے کا کلیجا ہوگیا
اے زہے تقویٰ شعاری میکشی جب ترک کی — رات دن "یا ساقیِ کوثر" وظیفہ ہوگیا
میں گذر جاؤں تو لکھ دینا سرِ لوحِ مزار — عاشقِ جاں باختہ ندرِ اطبا ہوگیا
مژدہ اے بختِ رسا وہ کاکلیں کھولے ہوئے — پوچھتے پھرتے ہیں خود کس کس کو سودا ہوگیا
ازل میں حسنِ حقیقی جو بے نقاب ہوا — چمک چمک کے ہر اک ذرّہ آفتاب ہوا
نہ حسن کا کوئی شکوہ نہ عشق کی فریاد — عدوئے عزت و ایماں فقط شباب ہوا
صدا بلند ہے اب تک یہ گورِ مجنوں سے — ہوا جو عشق میں ناکام کامیاب ہوا
جوان ہوتے ہی دنیا کی کچھ خبر نہ رہی — شباب کیا ہوا کیفیتِ شراب ہوا
عشق وہ راز تھا ان سے جو نہ مخفی رہتا — میں نہ کہتا مری صورت سے نمایاں ہوتا

رباعی

مشکل ہے مساجد تو منادر ہی بنا — بگڑا ہوا باطن ہے تو ظاہر ہی بنا
بیکار مباش کچھ کیا کر اے شیخ — مومن نہ بنا سکے تو کافر ہی بنا

قطعہ

واعظوں کی خوش بیانی کے سبب — جھوٹ سچ کا فصل تک جاتا رہا
حاشیے اتنے چڑھائے متن پر — اعتبارِ اصل تک جاتا رہا

دیگر

جدھر زمانہ پھرا میں بھی ساتھ ساتھ پھرا — جو رنگ دیکھا وہی اختیار کی صورت
کافروں کے کوچہ میں گذرے جو لے صبا — کہا مری طرف سے بہت ہاتھ جوڑ کر
مسجد اگر نئی نہ بنا سکے تو خیر — مندر بنائے نہ مساجد کو توڑ کر

ر

چار فاضل مل کے بیٹھیں تو جھگڑے ہوں سو فساد — جب یہ صاحب جاگتے ہوں تو فتنہ سو سکتا نہیں

عقل سے دریافت پر پایا ہے ہم نے یہ جواب
بڑی خوشی سے خمِ بادہ توڑ اے واعظ
اجل کو لاکھ پکارا مگر نہیں آئی
ہاں تمہیں پر جان دیتا ہوں تمہیں پر ہوں نثار
بیٹھتے ہی بیٹھتے محفل میں بیخود ہو گیا
کیوں نہ بدنام کریں شمع کو پروانے سے
نیند آئی تجھے ظالم مرے افسانے سے
شب کو تم آؤ گے اصرار کی حاجت کیا ہے
یہ بھی خواہش ہے رخ و زلف نہ چھپنے پائیں

یہ ملیں اور عالم نہ ٹکرائیں یہ ہو سکتا نہیں
مگر نکال دے دل توڑنا ثواب نہیں
تو ہی دے ہجر میں اے زندگی جواب کہیں
ہاں تمہیں پر ہے طبیعت ٹوٹ کر آئی ہوئی
دیکھتے ہی دیکھتے رخصت توانائی ہوئی
صاف اظہارِ تعلق ہے پگھل جانے سے
سو گیا میرا مقدر ترے سو جانے سے
بدگمانی مجھے بڑھتی ہے قسم کھانے سے
یہ بھی کوشش ہے دوپٹہ نہ ڈھلے شانے سے

سخا

سخا۔ منشی سخاوت حسین صاحب آپ شاہجہانپور کے باشندے ہیں حضرت ناطق لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ اردو فارسی کے علاوہ بقدر ضرورت انگریزی بھی جانتے ہیں۔ کانپور میں قیام ہے۔ کبھی کسی کارخانہ میں محرری کرتے دکھائی دیتے ہیں کبھی بچوں کو تعلیم دیتے ہیں اور وہاں کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے رہتے ہیں۔ شعر کہنے کا اتفاق کم ہوتا ہے۔ مگر جب کبھی کہتے ہیں۔ اچھا کہتے ہیں ؎

کھل گئیں نرگس کی آنکھیں چشمِ جاناں دیکھ کر
لائے کیا خاطر میں اے رضوان تیرے خلد کو
شب وعدہ مرے گھر آ کے واپس کیوں پھرے
زندہ رکھا ہے کسی کی آرزو نے ہجر میں

ہو گئے برہم فتنۂ عالم نہ برہم کیجئے
آ گیا اشکوں کے ہر قطرہ میں روحانی اثر
وقتِ آخر ہاتھ سینے پر جو کھینچ کر آ گئے

ہوش سنبل کے اڑے زلفِ پریشاں دیکھ کر
آ رہا ہے جو فضائے کوئے جاناں دیکھ کر
چرخ شاید جل گیا عشرت کے ساماں دیکھ کر
ورنہ دم مجھ میں کہاں تھا شامِ ہجراں دیکھ کر

جو ورق ہے مری ہستی کا وہی کم کیجئے
اب ذرا اندازۂ صدماتِ پیہم کیجئے
مدعا یہ ہے کہ اپنا آپ ماتم کیجئے

وہ بھی بچکی آگئی جو تھی مآلِ داستاں | اب ارادہ ہے کہ ختم افسانۂ غم کیجئے
دیکھ کر ایمائے فطرت دل کو یہ کہنا پڑا | حسن ہی کو کارفرمائے دو عالم کیجئے
عشق کے جذبات اشکوں میں ہیں پنہاں اے سخاؔ | ہو سکے تو اُن کا ہر قطرہ فراہم کیجئے

سخا

سخاؔ - منشی لچھمن نراین بی۔ اے۔ متوطن میرٹھ۔ یوں تو آپ خوش تقریر تعلیم یافتہ اور خوش بیان ہیں مگر دبستان سخن میں ابھی ابجد خواں ہیں۔ فن شعر میں حضرت عطا سے تلمذ ہے۔ طبیعت میں موزونی کا مادہ ہے کلام یہ ہے ؎

یکساں ہیں روز و شب ہمیں فرقت میں اے سخاؔ | بے کار اب یہ گردشِ لیل و نہار ہے

سخا

سخاؔ - محمد سخاوت حسین ولد منشی گل محمد مرحوم ساکن ڈبائی ضلع بلند شہر۔ آپ کے مورث اعلیٰ نواب نیاز علیخاں جان نثار الدولہ بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے اہلکار تھے۔ ۵۷ برس کی عمر ہے آپ کے دو دیوان طبع ہو چکے ہیں تیسرے کی ترتیب میں ہیں۔ آپ کا شمار نعت گو شعرا میں ہے ؎

ہر جگہ ایک ہی صورت میں ہے جلوہ تیرا | کربلا تیری نجف تیرا مدینہ تیرا
کس زباں سے میں کروں شکر خدایا تیرا | تیرے محبوب کی اُمت میں ہوں بندہ تیرا
دمِ عرضِ دعا یارب سخاؔ کی آرزو یہ ہے | میں آمیں کی کروں خواہش کہیں روح الامیں اچھا

سخاوت

سخاوت - آغا محمد عابد لکھنوی۔ آپ حضرت فصاحت یادگار جناب امانت لکھنوی کے سرچشمۂ تلمذ سے فیض یاب ہیں۔ زبان کی بیباکی پر شاہد مضمون سو جان سے نثار ہے۔ سادہ الفاظ میں واردات عشق اور معاملات حسن کی مصوری کرتے ہیں۔ ضلع جگت سے بچ کر فصحائے لکھنؤ کی بول چال۔ روزمرہ کی خوبیوں کو زیر نگاہ رکھتے ہیں۔ بہت خوب کہتے ہیں۔ صدفِ طبع کی دُر افشانی یہ ہے ؎

نیام سرخ گویا بن گیا ہے دیکھ او قاتل | لہو جم جم کے جاں بازوں کا تیری تیغِ عریاں پر
سر کٹ رہا ہے شمع کا او دیکھتے ہیں سب | کیا سنگ دل یہ لوگ تری انجمن کے ہیں
وہ دل کو چھین کر بولے ہمیں سے | ہمیں اک اور دل لا دو کہیں سے

مجھ سا ناتواں شاید بنا ہے
اُسی کو ڈھونڈ کر لو دو سخاوت

محبت۔ آپ ایسے نازنیں سے
ادا جس کی جدا ہو ہر حسیں سے

بوقت قتل نکلیں رفتہ رفتہ حسرتیں دل کی
مزا دیتی ہے تھم تھم کر روانی تیغ قاتل کی

مرادیں جھک کی بر آتی ہیں دنیا میں ہیں ایسے بھی
یہاں تو عمر بھر نکلی نہ کوئی آرزو دل کی

وبال دوش ہی سر کو جدا کر دے مرے تن سے
اُتر جائے کہیں یہ بار قاتل مری گردن سے

بتوں نے بات ہماری نہ دیر میں پوچھی
نہ جاتے کعبہ تو اے برہمن کدھر جاتے

سخاوت منشی حافظ سخاوت اللہ خاں۔ آپ شاہجہانپور کے ساکن ہیں۔ فی الحال اورنگ آباد میں مقیم ہیں۔ حضرت احسان شاہجہانپوری کے شاگرد ہیں انداز بیان میں بے تکلفی ہے۔ معاملہ بندی کیطرف میلان خاطر ہے۔ سیدھا سادا کلام ہے۔ انتخاب یہ ہے۔

ہاتھ میں دامن نہ آیا اُس ستم ایجاد کا
رہ گیا لاشہ تڑپ کر کشتۂ بیداد کا

سر بکف سینہ سپر جاتا ہوں سوئے قتل گاہ
دیکھنا ہے آج مجھکو حوصلہ جلاد کا

نہیں ہے ساتھ اگر شادی و غم کا
عدو کا غم نہیں کرتے ہیں ظاہر

نکل آتے ہیں آنسو کیوں ہنسی میں
چھپائے رکھتے ہیں وہ اپنی جی میں

سخن حکیم میرزا محمد حسین شاہجہان آباد کے قدیم شعرا سے تھے۔ فن طبابت میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت وقابلیت تھی۔ تذکرہ ریختہ گویان ہند مولفہ صدر الدین میں ایک شعر درج ہے جو یہ ہے ؎

جو ہیں یہاں نکلی وہ وہیں آن نکلا
بھلا مرتے مرتے تو ارمان نکلا

سخن لالہ رام دیال صاحب۔ لکھنؤ کے قدیم باشندے اور پرانے رنگ پر دم دیتے تھے آپکا کلام رنگین۔ رعایت لفظی سے آراستہ اور صنایع بدایع کے حسن سے پیراستہ ہے سخن آرائی کا رنگ یہ تھا ؎

رہنے اگر دو ناز سے اندر چمن کے پاؤں
سب پھول چومیں آنکر اُس گلبدن کے پاؤں

اب ضعف سے قدم بھی اُٹھانا محال ہے
اپنا کمال شوق دکھا دے جو ایک بار
آنکھوں کو تیری دیکھ کے بھولے ہیں چوکڑی

فرقت میں ہو گئے ہیں مرے لاکھ من کے پاؤں
شیریں لگائے آنکھوں سے پھر کوہ کن کے پاؤں
اُٹھتے نہیں ہیں دیکھ لے ظالم ہرن کے پاؤں

سخن ۔ ناظم بے ہمتا ۔ ناثر یکتا ۔ کلیم طور سخنوری ۔ وجلوہ طراز معنی پروری سید محمد فخر الدین بہاری آپ نہایت ذکی الطبع تھے ۔ بلا کا ذہن پایا تھا ۔ صوبہ بہار کے مشہور قصبہ شاہ آباد میں کچھ عرصہ تک عدالت دیوانی میں وکالت کرتے رہے ۔ آپنے کلکتہ کے اکثر مشاعروں میں اپنی دھاک بٹھادی اور مدتوں شعرائے بنگال سے معرکہ آرا رہے ۔

اردو کے سوا فارسی میں بھی شعر کہتے ۔ انکو جسطرح فن سخن میں میرزا غالب سے عقیدت تھی اسی طرح میرزا صاحب سے کچھ قرابت بھی ظاہر فرماتے ۔ مگر یہ سخن آرائی کی بحث میں رہی اور پایۂ ثبوت کو نہ پہونچی ۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ آپ خوش طبع معنی آفریں شاعر تھے ۔ اور انہیں اپنے وطن کے ساتھ دلی محبت تھی ۔ آپنے آغاز جوانی میں جب فسانہ عجائب کو پڑھا تو میرزا سرور کے اُن فقروں کو پڑھکر تن بدن میں آگ لگ گئی جو میرامن صاحب باغ و بہار کے متعلق تھے ۔ حالانکہ خواجہ امان دہلوی مترجم بوستان خیال ۔ دیباچہ میں اُسکا کافی جواب دے چکے ہیں اور سرور کی انشا پردازی پر معقول بحث کر چکے ہیں ۔ مگر دہلی اور لکھنؤ کی فطرتی رقابت نے حضرت سخن کو فسانہ نگاری پر مجبور کیا ۔ اور حب الوطنی کے جذبہ سے چند ہی روز میں "سروش سخن" کو درجہ اختتام تک پہنچا دیا ۔ آج دونوں کتابیں ادب کی فہرست میں موجود ہیں ۔ راقم تذکرہ کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ میرزا سرور جیسے کہنہ مشق نثار اور سخن جیسے جوان طبع خوش مقال کی تصنیف کا محاکمہ کرے ہندوستان میں نقادی کا مذاق ترقی پذیر ہے ۔ ارباب نظر دیدۂ انصاف سے دیکھکر خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ تراش اور خراش میں فسانہ عجائب کا نام نکلا ہوا ہے یا سروش سخن کا ۔ شوخی الفاظ کے بینا بازار میں جواہر ریزوں کو کس نے بکھیرا ہے ۔ اور سیدھی سادھی ترکیبوں یا روزمرہ کے محاوروں کو کس نے استعمال کیا ہے ۔ سرمایہ داران سخن کی بولی ٹھولی پرکھنے

دم دیا ہے۔ اور دل میں چھپتی ہوئی کیفیتوں کو قلم بند کرتے ہوئے تیر و نشتر کی روانیاں کس نے دکھائی ہیں۔ اب تو مغربی ہوا نے بہارستانِ اُردو کے ان دونوں گلدستوں کو طاق نسیان کی زیبایش بنا دیا ہے۔

بہرحال سحر وشِ سخن کے باعث حضرتِ سخن کا شمار داستان نگاروں کی فہرست میں کیا گیا ہے اور فسانہ عجائب کیساتھ اس کتاب کا بھی نام لیا جاتا ہے۔

جناب سخن نے اردو و فارسی کے دوانیں اور چند کتب مطبوعہ و غیر مطبوعہ چھوڑ کر ۱۳۱۸ھ میں انتقال فرمایا۔ مولوی محمد وزیر صاحب مالک مطبع گوہر آصفی کلکتہ نے تاریخ لکھکر حق دوستی ادا کیا ؎

سال رحلت آں وزیرِ دل حزیں		گفت دردا آہ فخر الدین حسین	

کلام میں سادگی بھی ہے۔ رنگینی بھی ہے۔ بیساختہ پن بھی ہے۔ مضمون آفرینی بھی ہے۔ چونکہ بنگال میں آپکے تلامذہ موجود ہیں سخن طرازی کا انتخاب یہ ہے ؎

نہ منہ کھلواؤ سب کے سامنے جانے دو کیا حاصل
سبب تم جانتے ہو میرے رنجش ہائے پنہاں کا

اظہارِ عشق سے مجھے الفت کی تھی امید
وہ اور میرے در پئے آزار ہو گیا

اُسکے آنے کی مسرت ہے مگر فکر یہ ہے
کیا کہوں گا جو مرے حال کا پرساں ہوگا

ہمیں تو باندھ لو اپنے کمندِ زلفِ مشکیں میں
پھنسا لائے جسے تم کوئی صیدِ ناتواں ہوگا

خوش دنا خوش بسر ہو جائیگی یہ زندگی لیکن
جسے آرام کہتے ہیں نہ یاں ہوگا نہ واں ہوگا

جوشِ گریہ میں اگر ضبط نہ ہوتا ہم کو
کہیں چشمہ کہیں دریا کہیں ساحل ہوتا

آرزو تھی کہ نظر آپ کی پڑتی اس پر
اشک جو آنکھ سے گرتا وہ مرا دل ہوتا

بد ہنسی ہو تو ہو چشمِ سخن گو تو ہے
کیا کہا اے جانِ من پھر تو ادھر دیکھنا

آرزو ہے کہ صنم وعدہ کا ایفا کرتا
چھیڑتا اسکو میں اور شکوہ بیجا کرتا

بوسہ تو کیا جواب بھی ملتا نہیں کبھی
پھر کیونکہ حوصلہ ہو بتوں سے سوال کا

تیر تو آپ نے مارا تھا عدو کو لیکن
کشش دل سے ہمارے وہ ادھر آ ہی گیا

اب آپ جاکے کسی اور کو یہ دم دیجے
یہاں تو آپ کے وعدونکو بس سلام کیا

حال سب اسنے کہا ایک ایک کا
آج ہم سے اُن کا دربان کھل گیا

تم گالیاں دیتے ہو عدو کو سر محفل
یہ رنج تو ہم کو بھی گوارا نہیں ہوتا

آتا ہے مجھے یاد تو گر جاتے ہیں آنسو
دل سے بھی زیادہ کوئی پیارا نہیں ہوتا

روتا ہوں تو ہو جاتا ہے دامن مرا دریا
دریا بھی تو وہ۔ جسکا کنارہ نہیں ہوتا

عدو کے نام پہ کیوں اسقدر جلال آیا
تمہارے دلمیں خدا جانے کیا خیال آیا

بوسہ دیتے میں اگر تمکو تردد ہے تو پھر
دل کے لینے میں مری جان تقاضا کیسا

ہے دوستی عدو سے تو اُسکی طرف نہ دیکھ
چڑھ جائے اُسکو زہر نہ تیری نگاہ کا

آئی جو یاد جنبشِ مژگانِ زخنہ گر
دل میں چبھا کئے مرے نشتر تمام رات

یہ جان یہ جگر ہے یہ دل تیری نذر ہے
اسمیں سے کوئی بھی تو کرائے دلستاں پسند

تو نے صیاد قفس لاکے چمن میں رکھا
اب کریں کیا ترے شرمندۂ احساں ہو کر

وہ ناز ہیں کہ اٹھانے ہر اک کو مشکل ہیں
وہ جور ہیں کہ نہیں جن کی آسماں کو خبر

نہ رہے چین سے اک جا چمن عالم میں
صورت برگ خزاں پھرتے ہیں برباد ہنوز

کیوں کھینچی جاتی ہے گردن خود بخود قاتل کوئی
سحر ہے۔ جادو ہے افسوں ہے ترے خنجر کی باس

آج کچھ اور ہے حباب کا رنگ
دیکھئے رخ پہ ہے عتاب کا رنگ

چشم بد دور یار کی رنگت
شیشہ میں جس طرح شراب کا رنگ

مرنہ جاتے نگہ لطف پہ اُس کی اب تک
جیتے کس طرح جو ہوتا نہ ستمگر قاتل

اپنا انداز غضب قہر و ستم کی چتون
دیکھ لینے دے ٹھہر جا ذرا دم بھر قاتل

نہ یہ زمیں ہے نہ یہ آسماں کہاں قاصد
زیادہ اس سے بس اُسکا نشاں نہیں معلوم

ٹکڑے نہیں ہیں داغ مرے جسم زار میں
سر تا پا ہوں چشم ترے انتظار میں

قطرات اشک خوں سر مژگاں تو دیکھئے
یہ گل بہار دے گئے اس خارزار میں

دم بھر میں ایک تیری نہیں نے مٹا دئے کیا کیا خیال تھے دلِ امیدوار میں

ہزاروں پستے ہیں لاکھوں تمام ہوتے ہیں خدا کا قہر ہے ظالم ترا شباب نہیں

دعا کو ہاتھ اٹھائے تو ہنس کے فرمایا ہزار مانگو۔ دعا ایک مستجاب نہیں

یہاں تو دیکھ کے میں اُن کو محوِ حیرت ہوں وہ جانتے ہیں مری بات کا جواب نہیں

دیکھا مجھے تو غیر سے آنکھیں چُرا گئے کیا اس نگاہِ لطف میں پنہاں ستم نہیں

صدقے میں اُسکی سادگی اور اپنے ضعف کے زندہ ہوں اور کہتے ہیں اس میں تو دم نہیں

مہر و الفت ہی سہی بغض و عداوت ہی سہی پھر مجھے دیکھتے تم کیوں ہو اگر کچھ بھی نہیں

اک یقیں میرا کہ کچھ بھی نہیں اور سب کچھ ہے اک ترا وعدہ کہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

یوں ناز تو ہر ایک ترا قہر ہے لیکن اک بات نہیں سے ترے بیساختہ پن میں

حسرتِ دیدار وہ بیداریٔ شب کیا ہوئی بعد مردن طالبِ آرام آنکھیں ہو گئیں

ایک ہی بوسے سے آنکھوں کے ہوا دلکو سرور ساقیا جامِ مے گلفام آنکھیں ہو گئیں

پھپھولے لختِ دل کے ہو گئے سب سینہ میں بھری ہے ساقیا یاں بھی مے انگور سینہ میں

ہنستا ہے وہ عاشق کش رونے پر مرے دیکھو بجلی اسے کہتے ہیں باراں اسے کہتے ہیں

کرتے ہو خطا ہر دم اللہ چھپاتا ہے " " دیکھو تو گنہگارو احسان اسے کہتے ہیں

اک نشانہ کبھی بھولے سے ادھر بھی ظالم ہے لبِ تیر کے بوسہ کی تمنا دل میں

ایسا یہ ہے کہ اور ابھی کھینچ انتظار نرگس کے پھول آتے ہیں خط کے جواب میں

پڑھو خط مرا شمع دکھلائے دشمن یہی تو ہیں میرے جلانے کی باتیں

کبھی بوسہ زلف مانگا تو بولے سخن ہیں یہی مار کھانے کی باتیں

دیدار آخری ہے ذرا دیکھ لینے دو تم تیغ تو اٹھاؤ جھکا دونگا سر کو میں

محبت میں بتانِ خوبرو بھی ساز کرتے ہیں جسے مشتاق پاتے ہیں اُسی پر ناز کرتے ہیں

گلہ اُن سے کیا اُنکے تغافل کا تو فرمایا سبھی معشوق اپنے عاشقوں پر ناز کرتے ہیں

بھلا بتلاؤ دل سے کس طرح ارماں مرے نکلیں
یہ کیا ہے اے پری رو جو تمہیں دلدار کہتی ہیں
دل شاد ۔ آج اپنا کرتے ہیں وصل میں ہم
پھر اپنے گھر بلا گئی ہیں غضب کا مژدہ سنا گئی ہیں
گرچہ اُس شوخ نے ہمکو دیے جھٹکے لاکھوں
ذرا تاثیر دیکھو آسماں اب تک ہے چکر میں
چاہتا ہوں نہ بولوں اُس سے مگر
تیری طرح کوئی بیاں فگن جہاں میں نہیں
ستم جو کچھ ہیں مجھ پر ہیں فقط تیرے تغافل سے
ابھی تو میں بھی زندہ ہوں تمہارے ظلم سہنے کو
پسند ہیں تو لگا لیجے زین توسن میں
وہ بادہ کش ہوں کہ غفلت میں بھی تو ساقی نے
کھینچی ہے چشم قاتل میں جو اک تحریر سحر کی
تو بھی چل جسم سے اے روح پئے استقبال
اُٹھی ابھی نہ شب وصل میں تقریر کرو
کم نہیں عشقِ بتاں یاد الٰہی سے کہ وہ
اُن سے بوسہ جو طلب کیجے تو شرماتے ہیں
ختم ہوا شوقِ ہم آغوشی میں ہیں مثل کماں
پہلے تو کچھ پھر رکے تھے اور بھی اب کھنچ گئے
ہزاروں منتیں کیں ہاتھ جوڑے گالیاں کھائیں
وعدہ محشر پہ تسکین ہو کیونکر دیکھو

نہ پہلو میں شگاف اپنے نہ ہی ناسور سینہ میں
وہی پھر بیوفا ۔ بے مہر ۔ دل آزار کہتے ہیں
اپنی تمہاری ایک جا تصویر کھینچتے ہیں
پھر انکے دم میں ہم آگئے ہیں کہ جن سے دل ہو اٹھا چکے ہیں
نے لئے بوسے مگر ہم نے لپٹ کے لاکھوں
کیا تھا ایک نالہ ہم نے اپنی زندگی بھر میں
دل تو کمبخت مانتا ہی نہیں
کہ جسکے قول میں انکار جسکی ہاں میں نہیں
اگر تو دوست ہے میرا تو دشمن آسماں کیوں ہو
ستم کا حوصلہ غیروں پہ صرفِ امتحاں کیوں ہو
ہماری آنکھوں کے حلقے رکاب کے بدلے
دیا شراب کا چھینٹا گلاب کے بدلے
نظر آتی ہے دستِ ترک میں شمشیر سرمہ کی
نکہتِ زلف لئے بادِ صبا آتی ہے
خیر سے تمکو بھی شرکتنی بڑا آتی ہے
ظلم کرتے ہیں تو آتا ہے خدا یاد مجھے
مانگئے دل تو یہ کہتے ہیں تقاضا کیا ہے
پیر سے بدتر کیا تیری جوانی نے مجھے
کھینچکر اُن کی جو دی تصویر مانی نے مجھے
لئے بوسے لبِ جاناں کے لیکن اس خرابی سے
تم وہاں بھی تو یہ کہدوگے نہیں یاد مجھے

فرقت میں یاں لبوں پہ مری جاں زار ہے
آ اے اجل کہ صرف ترا انتظار رہے

ساقی چمن میں شیشۂ مے کی ہوا ہے بند
کالی گھٹا ہے جوشش فصل بہار رہے

سخن

سخن ۔ جناب عابد حسین خانصاحب ۔ آپ ڈپٹینہ ضلع سیتاپور کے تعلقہ دار ہیں۔ فن سخن میں جناب حکیم لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ کلام سے پختہ گوئی اور کہنہ مشقی کا رنگ نمایاں ہے رعایت لفظی کے شیدائی ۔ صنائع بدائع کے فدائی ہیں ۔ بعض شعر صاف بھی نکل جاتے ہیں پچیس برس ادہر کا کلام ہے ۔ انتخاب یہ ہے ؎

چادر ہے گرد راہ بگولے ہیں مثل قبر
ساماں یہ کس غریب کے دفن و کفن کے ہیں

چوری چھپے سے لی جو خبر بعد مرگ کے
ممنون ہم محبت دزد کفن کے ہیں

بھرتے ہیں پانی کوثر و تسنیم و سلسبیل
رتبے بلند کیا تری چاہ ذقن کے ہیں

پیراہن حیات کی تنگی جو یاد ہے
ڈھیلے لحد میں بند ہمارے کفن کے ہیں

چھوڑینگے وہ جفا نہ وفا ہم کرینگے ترک
وہ اپنی بات کے ہیں ہم اپنے سخن کے ہیں

پانی بھی مانگتے نہیں وہ اٹھ کے وقت مرگ
مارے ہوئے جو حسرت چاہ ذقن کے ہیں

آ بھی اٹھا کے چہرۂ پرنور سے نقاب
پروانے بے چراغ تری انجمن کے ہیں

گیسو کو آتش رخ روشن پہ دیکھئے
جل جانے پر بھی بل وہی باقی رسن کے ہیں

ہے خدا سے بھی طلب میں گر حجاب
ہاتھ کو وقف دعا ہم کیا کریں

پھیر دل اُس بت کا کیونکر اسطرف
جو خدا کا کام ہو ہم کیا کریں

تمہارے کان میں کھٹا ہے موتی
کہاں آکر مری قسمت لڑی ہے

جا دوں سے عیاں ہے کشش پنجۂ وحشت
ٹکڑے کئے کیا دامن صحرا کے کسی نے

خاموش نہیں وہ ہے رواں جنکی طبیعت
لب بند نہ دیکھے کبھی دریا کے کسی نے

سخنور

سخنور ۔ منشی دیوانی سنگھ فرزند رائے جی سکھ رائے دہلوی ۔ آپ اکبر شاہ ثانی کی سرکار میں تحریر نشفہ جات کی جلیل القدر خدمت پر ممتاز تھے ۔ سنہ ۱۸۴۷ء میں ۶۰ سال کی عمر تھی ۔ بہادر شاہ

کے اوائل سلطنت تک زندہ وسلامت وبرسرِکار رہے۔ بادشاہ کی ڈائری میں کئی جگہ انکا ذکر موجود ہے۔ موردِ عنایات شاہی تھے۔ شاعری میں غالب علیخاں سید کے شاگرد تھے۔ زبان صاف بیان میں سادگی تھی۔ اپنے زمانہ کے اعتبار سے خوب شعر کہتے تھے ؎

گریاں رکھے ہے بن ترے یہ چشم تر مجھے
طوفانِ نوح آئے ہے اب پھر نظر مجھے

اُس زلف و رُخ کی یاد میں دل بیقرار ہے
روتے ہی روتے گذرے ہے وہ دوپہر مجھے

ہوتی عیاں ہے صورتِ ہستی و نیستی
جوں نقشِ پا ہمیشہ سرِ رہگذر مجھے

سخنور

سخنور۔ مولوی محمد عباس۔ آپ شولاپور کے رئیس و آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ شاعری کا مذاق ہے۔ حکیم معشوق علیخاں جوہر شاہجہانپوری سے مشورہ سخن فرماتے ہیں۔ کلام اچھا ہوتا ہے نمونہ بیان یہ ہے ؎

طرزِ خرام کرتی ہے لاکھوں کو پائمال
دعویٰ یہ ہے کہ ہم سا کوئی نازنین نہیں

رہِ الفت کٹے گی کسطرح دل بیٹھا جاتا ہے
قدم اُٹھنے بھی اتو سخت مشکل ہوتے جاتے ہیں

ہوائیں دامنِ سفاک کی سلامت ہیں
ہمارے زخم جگر کی شگفتگی کے لئے

سخنور

سخنور۔ سید ابوالحسن صاحب ساکن مچھلی بندر۔ شاگرد جناب فائض۔ شاعر معنی سنج ہیں شعر میں مضمون آرائی ہوتی ہے۔ طبیعت رنگین ہے۔ کلام یہ ہے ؎

آتا ہے جب زمانہ میں موسم بہار کا
ہنستا ہے پھول غنچہ دل بادہ خوار کا

گلشن پہ کس غضب کا ہے جوبن کلاں نوں
ہر برگ گل ہے تختِ عروسِ بہار کا

آمد سے ہچکیوں کی یہ ہوتا ہے آشکار
آنے لگا ہے تار عدم کے دیار کا

کھینچا ہے دار پہ مجھے منصور کی طرح
ظاہر جو عشق ہوگیا گیسوئے یار کا

سخی

سخی۔ سید پرورش علی۔ آپ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے اور سید جلال بخاری کی اولاد سے تھے۔ آپ ۱۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۵ سال کی عمر میں ۱۲۹۳ھ میں وفات پائی آپکے دو دیوان مطبوعہ موجود ہیں۔ رند مشرب۔ آزاد پسند آدمی تھے۔ مگر وضعداری میں

مستحکم۔ آن بان میں یگانہ اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ بھاکا زبان کی شاعری میں آپ کا تخلص انور تھا۔ کلام میں مذاق۔ ظرافت۔ شوخی۔ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ مگر جب متانت پر آتے ہیں تو موثر الفاظ میں عبرت کا مرقع کھینچ دیتے ہیں۔ انکا ایک قطعہ مقبول خاص وعام ہے جو اردو کلام کے انتخاب میں درج کیا جاتا ہے۔

جمع خاطر رہے اے اہلِ قبور
بوسہ للہ سخی مانگتا ہے

ہم بھی آتے ہیں نہ گھبرائے گا
ایک دیجے گا تو دس پائے گا

اتنا کہنا تھا کہ یوسف نہ کہو
دل لگی ہوتی ہے خوش ہونے کو

گالیاں دیں سر بازار کیا؟
تم تو ہونے لگے بیزار کیا

قید اِک حور کے گھر میں ہوں میں
کہاں دن کو گھر سے نکل جائے گا

رشکِ فردوس ہے زنداں میرا
ابھی جھٹ پٹے میں نکل جائے گا

مرے دل میں آنے سے یہ فائدہ ہو
ذرا اور سانچے میں ڈھل جائے گا

دیکھو۔ یوں کھلتی ہے کلی دل کی
ہاں مری جان مسکرا دینا

لب کا بوسہ طلب کیا تو کہا
گھر سے تو جا کے منہ بھی دھو آیا؟

شیخ جی کہتے ہیں غنا کو حرام
ان سے پوچھو تو ہیں یہ گاتے کیا

دم نکل جائے نہ بلبل کا پھڑک کر صیاد
پھول رکھدے قفسِ مرغِ گرفتار میں آج

چوسنے دے وہن زخم سے قاتل مجھکو
لبِ شیریں کا مزا آتا ہے تلوار میں آج

سر جو ٹکراتا ہوں تو کہتے ہیں
میری دیوار کا خدا حافظ

عاشقِ شعلہ رو کی تربت ہے
لوگ پھولوں کی جا چڑھائیں آگ

سیرِ مدفن کو کون آیا تھا
مرغ بے چین ہیں مزار دنیں

اپنے قاصد کو صبا باندھتے ہیں
سچ ہے شاعر کی ہوا باندھتے ہیں

پھر سر دست مرا خوں ہو گا
پھر وہ ہاتھوں میں حنا باندھتی ہیں

ایک ہیں جس کا نامۂ اعمال
دو فرشتے سیاہ کرتے ہیں

دیکھکر لوگ حال گورستاں
پھر تمنائے جاہ کرتے ہیں

عید میں غیر کے گلے نہ لگیں
کیوں ہمیں وہ حلال کرتے ہیں

کبھی تیغ نگاہ کے وار سہے کبھی تیر طرہ کا نشانہ بنا
کبھی خنجر ابروئے یار چلا مری سینہ کی شکل سپر ہی نہیں

رُخ صاف کو تیری قیاس کیا نہیں شام ہے جسکی وہ رو نہیں یہ
تری زلف دراز کو جان گئی یہ وہ رات ہے جسکی سحر ہی نہیں

لحد میں بعد مردن اک کفن پرزے ہوا تو کیا
سلامت ہے جنوں تو پھاڑینگے محشر کے دامن کو

نہیں خاطر کسیکی توڑتے جو اہل رتبہ ہیں
ہوئی مقبول دعوت مور کی آخر سلیماں کو

ابھی ایام گل میں ہوگا سو سو بار یہ ٹکڑے
گریبان دریدہ کو مرے للہ مت ٹانکو

مرے دست جنوں نے ہاتھ پھیلائے ہیں وحشت میں
صبا صحرا سے کہدیجو سنبھالے اپنے داماں کو

کرے خواہش اگر غبار میرا
تو ادھر کی کبھی ہوا ہی نہ ہو

توبہ سے شیخ جی برا نہ کہو
دیکھو وہ بت کہیں خدا ہی نہ ہو

دل سی شے آپ لینگے صاحب
اُف نہیں کی مرا جگر دیکھو

ہچکیاں کیوں قریب مرگ آئیں
یاد شاید دم اخیر ہوئی

خاک ہی میں دفن کرنا تھا اگر
پھر ہمیں کاہے کو نہلاتے رہے

کیا جائے خیال دانۂ خال
دل ہی کم بخت دانہ زدہ ہے

عرضی میں ہے حال ناتوانی
تصویر مری بجائے مد ہے

حشر کے روز رہی خوب نمود
ہم سا نکلا نہ گنہگار کوئی

آج وہ بلبلوں کا جی لینگے
پھول سی ہاتھ میں کلی لینگے

دل کھلونا نہیں جو سکتے ہو
ہم بھی لینگے ہم بھی لینگے

اک جگر رہ گیا ہے وہ بھی سہی
اور کیا وہ کسی کا جی لینگے

باغ جہاں میں آئے نہ پوچھو کہاں رہے
بچپن سے قیدی قفس آسماں رہے

گردش ہی میں یہ عمر ہماری بسر ہوئی
ہم بھی زمین پہ صفتِ آسماں رہے

زلف چھوتا ہوں میں تو کہتے ہیں
ایک دن آپ مار کھائیں گے

گر کہا میں نے کرو خون میرا تو اٹھکر سے چلے
پان کھانے کے لئے منہدی لگانیکے لئے

قطعہ

کل وہ کچھ لوگوں کو لیکر اپنے ساتھ
تربتیں یہ کہہ کے دکھلاتے رہے

اس میں مجنوں ہے اور اُسمیں کوہکن
عاشقانِ ناز تھے جاتے رہے

بعد اس کے پھر ہماری قبر پہ
دیر تک افسوس فرماتے رہے

پوچھا جب میں نے یہ کسکا ہے مزار
آپ جو رہ رہ کے پچھتاتے رہے

بولے ہے ہے یہ سخنی کا ہے مزار
جان دیدی لاکھ سمجھاتے رہے

سخنی ۔ جناب سید محسن حسین صاحب۔ آپ امروہہ ضلع مراد آباد کے باشندے حضرت صفی امروہوی کے بھائی تھے۔ عرصہ دراز تک آگرہ میں رہے۔ ہر ماہ اکبرآبادی کے مشاعروں میں شریک ہوتے۔ اکثر مقطعوں میں فخریہ اپنے صرف زر کی طرف اشارہ کرتے۔ رعایت لفظی کے مقفوں میں کنگھی چوٹی کے مضامین خوب لکھتے ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے۔ سخنی

کتنے ہی بے گنہ تہِ شمشیر ہو چکے
ظالم ذرا سمجھ کے ستمگار دیکھکر

میٹھی چھری سے قتل ہوا ہوں میں تلخ کام
نکلی ہے جان لعلِ شکربار دیکھکر

جاتا ہے یہ جنازہ اُسی خستہ تن کا آج
کل آپ آئے تھے جسے بیمار دیکھکر

گردن میں کھینچ کے آگیا سارے بدن کا خون
شہ رگ پھڑک گئی تری تلوار دیکھکر

سب سیم تن جہاں میں ہیں خود کام اے سخنی
ملتے بھی ہیں کسی سے تو زردار دیکھکر

جو مچلے پھر تھمینگے آستیں پر
یہ طفلِ اشک لوٹینگے زمیں پر

پھولوں کی چھڑی نہیں دستِ نگار میں
سولی ملی ہے دزدِ حنا کو بہار میں

اس کے فقیر خلق سے آزاد ہو گئے
تکیہ بنا کے بیٹھ رہے کوئے یار میں

دریا میں جال پھینکئے زلف دراز کا
جل بھن رہی ہیں مچھلیاں شوق شکار میں

تم کیا گئے کہ دل ہی تڑپ کر نکل گیا
ٹھیرا تمہاری طرح نہ یہ بھی کنار میں

میل اپنے ہاتھ کا تو سمجھ زر کو اے سخی
جو کچھ ملے لٹا رہ پروردگار میں

سینہ تم اپنے دوپٹہ سے چھپائے رکھو
نگہ تیز سے ہوتے ہیں حجر کے ٹکڑے

دل کیا آپنے کل تیر نظر سے زخمی
تیغ ابرو سے کیے آج جگر کے ٹکڑے

سر پٹکتے مجھے چوکھٹ پہ جو دیکھا تو کہا
لکھے ہیں اسکے مقدر میں بھی سر کے ٹکڑے

روتے روتے جو رکا میں تو وہ بولے ہنسکر
کر دئے آپنے کیوں سلک گہر کے ٹکڑے

تیغ ابرو کے غضب وار ہیں اوچھے اوچھے
دل عشاق کے کرتے ہیں یہ جی کے ٹکڑے

تن نازک پہ جو بدہی پڑی ہے
لگی شاید دوپٹہ کی چھڑی ہے

یہ کس میکش سے آنکھ اسکی لڑی ہے
صراحی جام پر بیخود پڑی ہے

نہ لیلےٰ آئی ہو مجنوں سے ملنے
سواری نجد میں کسکی کھڑی ہے

سخی

سخی ۔ منشی سخاوت حسین باشندہ سندیلہ ضلع ہردوئی منشی سید منصب علی صاحب ہنر مرحوم سندیلوی کے شاگرد ہیں ۔ ابھی نومشقی کا عالم ہے ۔ سمند طبع کو رعایت لفظی کے وسیع میدان میں دوڑاتے ہیں سنہ ۱۹۰۶ء میں کچھ غزلیں نظر سے گذریں جنکا انتخاب حاضر ہے ؂

معشوق وہ ہے جسمیں ہر انداز نیا ہو
شوخی ہو شرارت ہو نئی اک نئی ادا ہو

قسمت میں ہر اک کے نہیں خون دل عاشق
تلووں سے لگا لیجے اگر شوق حنا ہو

ہے دوست کے اقرار پہ دشمن کا عجب حال
چاہے جو کوئی میرا بُرا اُس کا برا ہو

ہیں سوختہ قسمت جو ہیں وہ پرکالۂ آتش
دوزخ میں پڑے ہیں تو جہنم کو سزا ہو

دل ایسے بخیلوں سے سخی خاک لگائیں
جنمیں نہ ہو کچھ مہر نہ کچھ بوئے وفا ہو

سخی

سخی ۔ سید محمد جعفر حسین خاں عرف ننھے میرزا صاحب لکھنوی ۔ آپ جناب عشق مرحوم کے شاگرد ہیں ۔ نغمۂ بہار سنہ ۱۸۸۶ء میں جو کلام درج ہوا ہے اُسکا انتخاب یہ ہے ؂

آپ کے عشق لب سرخ میں روتے رہتے
بھیگئے قلب و جگر آنکھ کے آنسو ہو کر

یار کو دولت دل دے کے طلب کرتا ہے
نامزد ہو نہ بخیلوں میں سخی تو ہو کر

سخی

سخی ۔ میر سخاوت علی۔ ماں کیطرف سے لکھنوی اور باپ کی جانب سے زیدی الواسطی ہیں۔ خوشرو۔ قد آور جوان ہیں۔ انگریزی انٹرنس تک پڑھی ہے۔ ۴۰ برس کی عمر ہے۔ دس سال سے پولیس اجمیر میں ہیڈ محرر ہیں۔ فنِ سخن میں مولانا قتیل بھوسری کے شاگرد ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

اے دل مضطر سرِ محفل بہت مضطر نہ ہو
اور تجھ سے بدگماں وہ بدگماں ہو جائیگا

آنکھیں چڑھی ہیں اتری ہے صورت اڑا ہے رنگ
بے شبہ اٹھ کے آئے ہیں دشمن کے گھر سے آپ

نادان آپ سا بھی نہ ہوگا کوئی سخیؔ
امیدِ داد رکھتے ہیں بیدادگر سے آپ

میں تو خاموش رہوں پر مرا قابو کیا ہے
دل میں ہو درد تو کیوں لب پہ نہ فریاد رہے

نالہ و آہ و غم و درد و جدائی حسرت
جسکے باعث مجھے ہاتھ آئی ہیں وہ شاد رہے

سراج

سراج ۔ سراج الدین علیخاں۔ اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ یہ بزرگ خوش فکر اور سنجیدہ مذاق تھے۔ عالی خیالی اور شیریں مقالی سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تغزل کے منشاء کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ مندرجہ ذیل غزل جسکو بعض ناشناسانِ سخن۔ سراج الدولہ حاکم بنگالہ کیطرف منسوب کرتے ہیں وہ انکی فکر عالی کا کرشمہ ہے ہر شعر وحدت الوجود کے مشکل مسئلہ کا ترجمان ہے اور دنیا کی بے ثباتی کا مرقع آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

خبرِ تحیرِ عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ وہ میں رہا نہ وہ تو رہا جو رہی تو بیخبری رہی

شہِ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباسِ برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
جو کتابِ عقل تھی طاق پر وہیں دھری کی دھری رہی

نگہِ تغافلِ یار کا گلہ کس زباں سے بیاں کروں
جو شرابِ صد قدح آرزو خمِ دل میں تھی سو بھری رہی

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا مٹ گیا
مگر ایک شاخِ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

کیا راکھ آتش عشق نے دل بینوائی سراج کو
نہ خطر رہا نہ حذر رہا جو رہی سو بےخبری رہی

سراج

سراج ۔ کسی گمنام شاعر کا تخلص ہے ۔ جو سید حمزہ کے شاگردوں میں تھے ۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ سے چند شعر سرمۂ چشم ناظرین ہیں جنمیں زبان قدیم اور متروک الفاظ کے نمونے پائے جاتے ہیں ۔ مگر تخیل نادر ہے ۔ اور بندش مضامین کے مناسب ۔ اُس زمانہ کے اعتبار سے اچھا کلام ہے ؎

مسکرانا ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا
شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

مدت سے گم ہوا دل بیگانہ سراج
شاید کہ جا پڑا کسی ناآشنا کے ہاتھ

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے
اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آ جاوے

سراج

سراج ۔ منشی افضل خاں خلف ہزار میر خاں مرحوم ۔ آپ قدیم بھوپال کے رہنے والے ہیں ۔ نواب نظیر الدولہ باقی محمد خاں بہادر کے شاگرد ہیں ۔ شاعر موزوں طبع اور سخن ور تیز فکر ہیں ؎

کر لینگے دہر ہی میں صنم کی تلاش ہم
لینگے نہ جا کے کعبہ میں احسان خلیل کا

ایذا وہ کون سی ہے جو اے چارہ گر نہیں
سوزش نہیں ہے دل میں کہ درد جگر نہیں

سوز و گداز آہ و بکا نالہ ۔ درد و یاس
سب کچھ بفیض عشق ہے لیکن اثر نہیں

بزم نشاط ۔ ساغر مے نغمۂ طرب
سب ہیچ ہیں جو پاس وہ رشک قمر نہیں

ایک پہلو میں پری ایک میں وہ حور رہے
ایک طرف نار رہے ایک طرف نور رہے

سراج

سراج ۔ جناب سراج الحسن صاحب ۔ آپ دہلی کے باشندے ہیں ۔ سراج کے ساتھ "تمنائی" تخلص بھی کرتے ہیں طبیعت میں نکتہ سنجی کا مذاق ہے ۔ مضموں آفرینی کی میناکاری میں زبان کا لحاظ بھی ہے ۔ مخزن اور صبح بہار جیسے رسالوں میں کچھ کلام نظر سے گذرا ۔ چراغ فکر کی شعاع یہ ہے ؎

جب دل میں یاد آئی تو چپکے سے رو لیا
گھبرا یا جی تو سوئے بیاباں نکل گیا

ظالم نے عاشقوں کو محبت کے جرم میں
وہ وہی سزا کہ دم شبِ ہجراں نکل گیا

تیری بلا سے جی سے گئے مجرمانِ عشق
ہے جائے شکر تیرا تو ارماں نکل گیا

بلبل سے گلے لگا نہ گلوں کو بہار میں
بوئے وفا نہیں چمنِ روزگار میں

دو ہاتھ تیر نے کا ہمارا ابھی قصد ہے
موجیں اگر اٹھیں ترے خنجر کی دھار میں

کیا کہوں ہجر میں کس طرح بسر ہوتی ہے
نہ تو کٹتی ہے شبِ غم نہ سحر ہوتی ہے

اپنی یادِ رُخ و گیسو میں بسر ہوتی ہے
ہم نہیں جانتے کب شام و سحر ہوتی ہے

رخ سے جب گیسوئے شبگوں کو وہ سرکاتے ہیں
صبح ہوتی ہے ادھر شام اُدھر ہوتی ہے

اکیلا چھوڑ کر لی شمع نے بھی راہ اب اپنی
نہ دل سوزی کسی سے ہو سکی اس خستہ جاں کی

اٹھاتا اپنی پلکوں سے لگاتا اپنی آنکھوں سے
ادھر بھی کاش آتی خاک اُڑ کر کوئے جاناں کی

سراج سراج الدین ولد منشی جمال الدین قریشی ساکن لال کورتی بازار میرٹھ۔ آپ میرٹھ کالج میں بی۔ اے کی تعلیم پاتے ہیں۔ ۲۰ برس کی عمر ہے۔ ابتدا میں جناب گرامی پروفیسر فارسی کو اپنا کلام دکھاتے تھے سنہ ۱۹۲۴ء میں بمقام لکھنؤ نازش بدایونی سے تلمذ اختیار کیا۔ نو مشق شاعر ہیں۔ مگر طبیعت میں مضمون آفرینی کا مادہ ہے۔ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

باغ میں رہ کے مجھے کنجِ قفس یاد رہا
میں وہ بلبل ہوں کہ برسوں غمِ صیاد رہا

کس کو کیا معلوم کیا گذری تجلی گاہ میں
آنکھ ہی کچھ جانتی ہے جسکو حیراں کر دیا

چشمِ دریا بار کی اللہ ری اشک افشانیاں
قطرہ قطرہ میں نظر آتا ہے عالم جوش کا

سرِ محفل عجب عالم ہے میرے دل کی الجھن کا
قسم شے شے کی ہے پوچھتا ہوں نام دشمن کا

اے کاش کہ یاد آئے انہیں رات کا وعدہ
تقدیر پہ سیدھی تو ابھی زلف بکھر جائے

سراج۔ میاں سراج الدین پہلوان خلف میاں عبدالرحیم پہلوان لاہوری کشمیری بازار میں رہتے تھے سنہ ۱۸۹۶ء کے مشاعروں میں طبیعت کی زور آزمائی دکھاتے تھے۔ رسالہ شور محشر سے کچھ کلام انتخاب کیا ہے وہ فکر کی رسائی کا شاہد ہے ؎

دل کو تو ہم سنبھالے رہے بزمِ یار میں
پر طفلِ اشک دیدۂ تر سے نکل گیا

کس کس کو میں سناؤں شبِ وصل کیا کیا
اٹھے اُدھر وہ اور اِدھر یہ دل مچل گیا

نہیں وہ قتل کرتا ہاتھ رنگتا ہے مرا قاتل
کہ اب مہندی سے سستا رنگ ہے خونِ شہیداں کا

یہ دل کیا تھے ہی بربادی کی حسرت تو کوئی دیکھے
نگر گر بن رہا ہے گھر بیاباں میں بیاباں کا

یہیں سے سر کو ہم رکھے ہوئے جائیں ہتھیلی پر
اگر ہے سامنا کرنا کسی شمشیرِ عریاں کا

ہجر میں حال رہا گر یہی بیتابی کا
دم نکل جائیگا اک روز تڑپ کر اپنا

شور عالم میں ہے اُس آئینہ رخسار کا
جس نے دیکھا چہرۂ زیبا وہ حیراں ہوگیا

سوزِ دل کس سے کہوں سب ہے روشن اے سراج
روز کا جلنا شبِ مہتاب ہجراں ہوگیا

سرافراز

سرافراز۔ نواب سید سرفراز علیخاں صاحب۔ آپ ریاست حیدرآباد دکن کے رئیس ہیں فن سخن میں حضرت اُنس برادر میر انیس مرحوم سے تلمذ ہے مگر کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مشق بہت کم ہے سنہ ۱۸۸۷ء کے پیام یار سے کچھ شعر انتخاب کئے جاتے ہیں ؎

ابرو و مژگانِ جاناں کی ہی کب ہیں تیزیاں
تیغ میں نوکِ سناں میں خنجرِ فولاد میں

حسن اُس گل کے رخ و چشم و لب و قد کا نہیں
گل میں نرگس میں سمن میں سرو میں شمشاد میں

وہ لب نہیں جس لب پہ شکایت ہو کسی کی
وہ دل نہیں جس دل میں کدورت ہو کسی کی

دیکھا جسے بھرتا ہے محبت کا تری دم
ظالم ترے دل میں بھی تو الفت ہو کسی کی

ہے چشمۂ بے فیض وہ انسان سرافراز
دنیا میں ادا جس سے نہ حاجت ہو کسی کی

سرخوش

سرخوش۔ منشی محمد حلیم الزماں صاحب خلف اوسط شیخ وحید الزماں مغفور۔ آپ ریاست رامپور کے باشندے ہیں۔ ابتدائے مشق سخن سے حضرت امیر مینائی کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہیں سنہ ۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۱۳۰۳ھ سے حیدرآباد میں ہیں۔ سادہ گو خوش گفتار شاعر ہیں کلام یہ ہے ؎

اگر اسیرِ دام ہوئے ہم چمن کے پاس
بڑھ کر لیا قضا نے جو پہنچے وطن کے پاس

سراپا جرم ہم نفرت نہیں عفوِ جرائم سے
صفائی ہو تو کیا ہو فیصلہ ٹھیرے تو کیا ٹھیرے

وہ مشتاق شہادت ہوں کہ مر کر سینہ میں دم رکتا
اگر دم بھر بھی رک جاتی کہیں شمشیر قاتل کی

سردار - نواب حسین علیخاں بی - اے خلف اصغر نواب میرزا محمد جعفر علیخاں بہادر رئیس اعظم شیش محل لکھنؤ - آپ نواب حکیم مہدی وزیر شاہ نصیر الدین حیدر کی اولاد امجاد سے ہیں شاعری میں اپنے بزرگوار سے اصلاح لیتے ہیں - ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر ممتاز ہیں - شعر و سخن سے کمال دلبستگی ہے اور طبیعت ازل سے مستانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے - معاملہ ایسا اچھا نظم کرتے ہیں کہ بیساختہ سامعین کے دل سے واہ نکلتی ہے - لکھنؤ کی مستند زبان اور فصحا کی روز مرہ سے آپکا کلام مالا مال ہے - فکر بلند کا نتیجہ یہ اشعار گوہر بار ہیں ؎

دوپٹہ دم بدم ایجان ہٹا جاتا ہے سینہ سے
جوانی کی امنگیں کب حیا کے روکے رکتی ہیں
بڑی خاطر تھی میری کرلیا اقرار وصل اس نے
پوچھنے حشر کا دنبالہ نہ اپنی آنکھ سے
اک اشارہ آپ کا کافی ہے میرے قتل کو

بہت خوش ہو ہمارا دل دکھا کے
گلوں کو کر دیا بلبل نے برہم
تمہاری خوش نصیبی ہے یہ سردار
سلامت ہے کیا مزا دے رہی ہے

امنگیں دل کی کہتی ہیں کہ پیدا ہو نہیں سکتا
یہ وہ آفت کا سن ہے جس میں پردا ہو نہیں سکتا
مگر شرم اسکی مانع ہے کہ ایفا ہو نہیں سکتا
قتل عاشق کو یہی تلوار رہنے دیجئے
تیر رہنے دیجئے تلوار رہنے دیجئے

ملا کیا ہے نصیبوں کو ستا کے
کرشمے ہیں یہ سب باد صبا کے
مناتے ہیں گلے سے وہ لگا کے
محبت سے بڑھ کے عداوت کسی کی

سردار - منشی اودہم سنگھ ساکن امرتسر - آپکا بیان ہے کہ میرے پردادا اکرپا سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے گرو تھے - اور دس ہزار روپیہ کے قریب جاگیر تھی - آپکے والد سردار کشن سنگھ محکمہ نہر میں ضلعدار تھے - آپنے میونسپل بورڈ کالج امرتسر میں تعلیم پائی ہے - فارسی - اردو انگریزی - بھاشا - گورمکھی اچھی طرح جانتے ہیں - فن سخن میں حضرت جلال مرحوم کے شاگرد ہیں اول محکمہ نہر میں ملازم ہوئے - پھر ڈسٹرکٹ کورٹ میں نقل نویس رہے - آپ محکمہ پولیس

میں بھی مثل خواں ومحرر جوڈیشل رہ چکے ہیں۔ امرت سر میں شعر وسخن کا چرچا زیادہ تر آپکے دم سے ہے لاہور کے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے رہے ہیں۔ رسالہ گلشن ناز اور آفتاب کے اڈیٹر ومنیجر رہے ہیں۔ جو صرف چھ ماہ نکل کر بند ہوگیا۔ پنجاب کے رسالوں میں آپ کی اخلاقی نظمیں نکلتی رہتی ہیں بیجن بھی لکھتے ہیں۔ کلام میں سادگی۔ روانی ہے۔ اور آپ کی نظموں کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پنجاب نے اردو میں کہاں تک ترقی حاصل کرلی ہے۔ آپ کا بیان ہے کہ "داغ صاحب نے بھی میرے کلام کو پسند کیا اور ایک خط بھیجا جس میں یہ تحریر فرمایا کہ آپ لکھے۔ آپ کی طبیعت اچھی۔ آپکے اُستاد اچھے پھر کلام کیوں نہ اچھا ہو"

انتخاب یہ ہے ؎

وحشت میں کسی نے نہ دیا ساتھ اپنا
لے جنوں پاؤں کا چھالا بھی جو تھا پھوٹ گیا

قدرت نے چشم شوق کو یہ معجزہ دیا
جلوہ خدا کا حسن بتاں میں دکھادیا

مرنے والا وہ تجھکو کہتے ہیں
جیتے جی اس خطاب نے مارا

چھوٹے نہ ہم سے یارب باغ جہاں ہمارا
ہندوستان کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا

آپس میں میل کرلو جو ذرا تو دیکھو
منزل سے دور بیٹھا ہے کارواں ہمارا

فائدہ کیا دہر میں اے بوالہوس
مکر وحیلہ سے جو زر پیدا کیا

نالۂ دل کھینچ لایا یار کو
بے اثر نے کیا اثر پیدا کیا

سنتے ہیں کہ مہمان ہیں وہ غیر کے گھر آج
ماتم ہے ادھر عیش کے جلسے ہیں ادھر آج

آتے نہیں گر آپ تو میں مر ہی چکا تھا
اللہ نے بخشی ہے مجھے عمر دگر آج

بنے میرے دشمن مری جاں ہوکر
رہے غیر کے دل میں ارمان ہوکر

کیا لیکے جائیں ہم کسی گل پیرہن کے پاس
جز داغ ہجر کیا ہے غریب الوطن کے پاس

تیغ سے کم نہیں کچھ نیم نگاہی اُن کی
خون کرتے ہیں ہزاروں کا جدھر جاتی ہیں

حسرت وصل میں کٹتی ہے جوانی اپنی
صورت سایۂ دیوار دبے جاتے ہیں

ہجر کی شب آنکھ کیا لگتی کہ پہلو میں مرے / چٹکیاں لیتا تھا درد اٹھکر جگانیکے لئے
کیا کہیں سردار جو کچھ عشق سے حاصل ہوا / ایک عبرت ہوگئی سارے زمانیکے لئے
حاصل ہیں روز دولت دیدار کے مزے / اچھی ہے میرے بخت سی قسمت نقاب کی
یار کی آنکھ سے کیا آنکھ لڑی رہتی ہے / روبرو موت کی تصویر کھڑی رہتی ہے
تو تو آتا نہیں اے یار ترا دھیان رہے / خانۂ دل میں مرے کوئی تو مہمان رہے
اس کی تصویر کو چھاتی سے لگا کر سوئے / ہجر کی رات بھی کیا وصل کے سامان رہے
صورت نقش قدم دیتے ہیں دل لاکھوں کے / جب سر راہ گذرتے ہیں گذرنے والے

سردار

سردار۔ نواب سید سردار علیخاں رئیس بمبئی۔ آپ نواب عبدالحق امیر جنگ مرحوم کے فرزند دلبند ہیں۔ آپکے والد حیدرآباد دکن میں معدنیات و ریلوے کے ڈائرکٹر تھے۔ انہوں نے سونے کی کانوں اور اجارہ کے متعلق ولایت کی کمپنیوں سے کچھ داد و ستد کی تھی جسکی تحقیقات کیواسطے کئی مرتبہ کمیشن بیٹھی اور نواب محسن الملک اور مہدی حسن فتح نواز جنگ نے معاملہ کی تحقیقات اور انکشاف کے لئے سفر ولایت اختیار کیا اور رپورٹ کی۔ سر عبدالحق عاقبت اندیش۔ جہاں دیدہ۔ ہوشیار شخص تھے۔ انہوں نے آخر میں حضور نظام کو نذرانے پیش کئے اور صفائی کر لی۔ ریاست سے قطع تعلق ہو جانیکے بعد نواب دلیر جنگ نے سکندرآباد کی سکونت ترک فرمائی اور بمبئی میں آ براجے۔ اور جملہ خاندان کو لیکر وہیں رہنے لگے۔ لاکھوں روپیہ کی جائداد خرید لی نواب سردار علیخاں سیاست کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہیں۔ پولٹکل معاملات میں گہری دلچسپی لیتے ہیں اور آپ ایک زمانہ میں نواب محسن الملک کے ہمدم و ہمراز رہے ہیں سفر حضر میں انکے ساتھ رہتے تھے۔ آپ کو انگریزی زبان میں تقریر و تحریر کی اچھی مہارت ہے طبیعت میں موزونی اور نظم گوئی کی استعداد ہے۔ کلام سے پایا جاتا ہے کہ مشق سخن بہت کم ہے شاہد فکر کی جلوہ طرازی یہ ہے۔

آفتاب حشر کا جلوہ ہے روئے یار سے / یا قیامت کے نمایاں ہوگئے آثار صبح

کس کی صورت کا تصور دل میں ہے خلوت نشیں / دل ہے یا بیت الصنم یا مطلع الانوار صبح

قد قیامت ہے تو رفتار میں انداز مسیح / لب جاں بخش ہیں اعجاز ہے تقریر کیا تھ

ہوں میں وہ بلبل ناشاد گرفتار قفس / موسم گل میں بسر ہوتی ہے زنجیر کے ساتھ

سرسبز

سرسبز — میرزا زین العابدین خاں عرف میرزا مینڈھو۔ خلف نواب سالار جنگ مرحوم ماموں نواب شجاع الدولہ صوبہ اودھ۔ عہد قدیم کے شعرا میں تھے۔ خوش خلق طباع امیر تھے مصحفی انکی سرکار میں چار سال تک ملازم رہے۔ اور انکی صحبت نے انکو استاد بنا دیا۔ زبان پیاری۔ ادائے بیان سادہ ہے۔ کلام حسن و عشق کے جذبات سے لبریز ہے۔ معاملہ نگاری میں زباں دانی کی میٹھی چھریاں دلوں پر زخم کاری لگاتی ہیں۔ افسوس ہے کہ انکا کلام زیادہ ہاتھ نہ آیا۔ تذکرہ شعرائے ہند مولفہ شرف الدین میرٹھی سے دو چار شعر انتخاب کئے جاتے ہیں ؎

کیا حال گریہ پوچھے ہے ہمدم سرک کہیں / اب تو نچوڑے ہے مژہ اشک بار پر

ہماری آہ پہنچتا ہے تو کیا / دکھاویں گے تجھے اسکا اثر ہم

کب خوش آتی ہے مجھے سیر گلستاں تجھ بن / نظر آتا ہے چمن خانۂ زنداں تجھ بن

اپنے عاشق کے نہ بالیں پہ تو آیا صد حیف / جان دی اُس نے بصد حسرت و حرماں تجھ بن

شب انتظار گذری ہمیں انتظار کرتے / کبھی دوست دوست کرتے کبھی یار یار کرتے

ترا یار اس جگہ تھا نہوا تو ہائے سرسبز / اگر اُس گھڑی تو ہوتا تجھے ہم دو چار کرتے

خبر لائی باد بہاری کسی کی / وہ چنداں ہوئی بیقراری کسی کی

ترے ہاتھ سے بوئے مشک آئی شانہ / مگر تو نے کاکل سنواری کسی کی

زلیخا کو یوسف کا ہے دھیان گذرا / جو اس رہ سے آئی سواری کسی کی

میں سرسبز روتا ہوں آتی ہے جب یاد / وہ صورت مجھے پیاری پیاری کسی کی

جو دوست مرا اسکو پیغام سناتا ہے / وہ صاف مجھے یار دشنام سناتا ہے

منہ موڑ لیا تم نے اگر مہر و وفا سے / ہم ہاتھ اٹھانیکے نہیں دست دعا سے

جس نے یہ کہا اُس سے کہ جاتی ہے مری جاں
منہ پھیر کے یوں کہنے لگا میری بلا سے

شمع جب چہرۂ پر نور دکھاتی ہے مجھے
یاد عارض میں ترے اور جلاتی ہے مجھے

اُس کے کوچہ کی طرف میں تو نجاؤں سرسبز
کشش دل ہے کہ کھینچے لئے جاتی ہے مجھے

سرشار

سرشار ۔ جناب حکیم عبد الصمد صاحب ولد شاہ فضل غوث ساقیؔ بریلوی ۔ آپ باشندے بریلی کے شرفا میں سے ہیں ۔ تقریباً ۸۰ برس کی عمر ہے ۔ آپکے والد صوفیٔ باصفا اور درویش کامل تھے ۔ جناب سرشار ۔ فارسی ۔ عربی ۔ بھاشا سے واقف ہیں فلسفہ منطق ہیئت ۔ نجوم رمل جفر وغیرہ میں بھی دخل ہے ۔ تمام روہیلکھنڈ میں آپ کی نباضی کا شہرہ ہے ۔ اور ہزاروں مریض آپکے علاج سے شفایاب ہو چکے ہیں ۔ علم عروض ۔ بیان ۔ معانی میں اچھی دستگاہ ہے ۔ فن سخن میں نواب عبد العزیز خانصاحب عزیزؔ بریلوی سے تلمذ ہے ۔ بریلی کے وہ قدیم مشاعرے جنمیں ۔ تدبیر الدولہ اسیرؔ لکھنوی ۔ منشی اسمٰعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی ۔ حضرت امیر مینائی ۔ نادر شاہ خاں شوخیؔ رامپوری وغیرہ بھی کبھی کبھی شریک ہوتے تھے ۔ اُنمیں آپ بھی شامل تھے ۔ حکیم صاحب موصوف حضرت حسنؔ مرحوم ۔ حضرت خواہاں کے ہمعصر ہیں اور اسوقت بریلی کے اساتذہ میں آپکا شمار ہے ۔ نہایت خوش خلق ۔ وضعدار ۔ زندہ دل شخص ہیں ۔ اچھی شگفتہ زمینوں میں شعر کہتے ہیں کلام میں شوخی متانت ظرافت کا رنگ موجود ہے ۔ بادۂ فکر کی تراوش یہ ہے ۔

حباب آب گریہ ہوں مرا عالم نرالا ہے
زمیں دیکھو تو پانی کی فلک دیکھو تو پانی کا

شکایت کیجئے نہیں اب کوئی شکوا ہو نہیں سکتا
برا یا کر دیا جس دل کو اپنا ہو نہیں سکتا

محبت کی نہ پوچھو کچھ یہ عالم ہی نرالا ہے
کہ ہو سکتا ہے کیا کیا اس میں کیا کیا ہو نہیں سکتا

مری قسمت میں جو بدنامیاں تھیں ہو چکیں ناصح
بس اب اس سے زیادہ کوئی رسوا ہو نہیں سکتا

نغمہ سازیٔ محبت نالۂ دل ہوگیا
تیر سے چلتے ہی دگرگوں رنگ محفل ہوگیا

ناخن غم کی جراحت ہوگئی آخر کو داغ
یہ مہ نو بڑھتے بڑھتے ماہ کامل ہوگیا

وائے ناکامی کہ بلبل بیٹھی منہ دیکھا کرے
وہ ہوئے شبنم اور لوٹے چہرۂ گل آفتاب

قاصد میں کیا کہوں وہ تجھکو کہاں ملینگے
یہ اپنے دل سے پوچھو دل سے مرے لگی ہے

قاصد سمجھ کے مجھسے کہنا پیام اُن کا
قیامت ہی سہی ہم منتظر ہیں اسکے وعدے کے

طلسمی مدتیں ہیں وعدۂ معشوق و عاشق کی
ہو شباب اسکے ستم کا چرخ جتنا پیر ہو

عکسِ رُخ تیرا پڑے تو داغِ دل ہوں کام کے
پھیلا دامن کشاں مجھکو سوئے صحرا جنوں

قید ہو جائے تو ہو دیوانہ کا رتبہ بلند

نوجوانانِ جہاں حیف تمہاری قسمت
یار نوعمر ہے سرشار شراب کہنہ

فنا کے بعد بھی وا چشم انتظار رہے
ملا کے خاک میں برباد کر چکے ہم کو

جو آج آپکے قول و قسم نہ دیکھے ہوں
چراغِ دیر و حرم کچھ نہ سمجھے پروانہ

تیغ سے پیچھے کیا ذبح ادا سے پہلے
یوں ہے آسودگی خلق فنا سے پہلے

کچھ نئے فتنے یہ میدانِ قیامت کے نہیں
پھر جو چاہو سو کرو طالب دیدار کا حال

قتل جبتک ہوں ہیں آنکھوں میں جگہ دو مجھکو
مانگ لونگا تجھے اللہ سے اے بت ورنہ

ہیں آج اسکے گھر میں کل اُس مکان میں ہیں
یا تو نہیں دل لگی کی باتیں زبان پر ہیں

موت اور حیات دونوں تیری زبان پر ہیں
وہاں کیا ہیں یہ کل پرسوں کٹی ہمکو جہاں برسوں

وہاں کچھ ساعتیں گھٹتے ہیں جنکو اور یہاں برسوں
جسقدر خم ہو کماں اُتنا ہی کاری تیر ہو

سکے وہ اُنگے ہوں جن پر شاہ کی تصویر ہو
تو بھی آ اے پنجۂ وحشت گریباں گیر ہو

نردبانِ بامِ وحشت پاؤں کی زنجیر ہو

چاند سورج سے حسین حسن فلک پیر کیا تھا
کیا ترا بخت جواں ہے خرد پیر کیا تھا

کھلا ہوا مرا طاق اک سرِ مزار رہے
خدا کے واسطے دل میں نہ اب غبار رہے

تو ہم کو وعدۂ فردا کا اعتبار رہے
جہاں ہو جلوۂ معشوق جاں نثار رہے

مار ڈالا مجھے قاتل نے قضا سے پہلے
لے سنبھالا کوئی جس طرح قضا سے پہلے

بہت اُٹھے ہیں تری جنبشِ پا سے پہلے
دیکھ لو لیک نظر ناز و ادا سے پہلے

رکھو مجرم کو نظر بند سزا سے پہلے
آپ آ جا مرے پہلو میں دعا سے پہلے

ترکِ مقصود ہے سرمایۂ تاثیرِ قبول
وائے ناکامیِ تقدیر کہ وہ بھی نہ رہی

ابھی اور کچھ حوصلہ ہے تیرا
قفس سے لگا بیٹھی دل عندلیب

آنسو میں میرے خونِ جگر کا جو میل ہے
پہونچا دیا ہی سوزِ دروں نے قریبِ مرگ
سرشار سہل سمجھے ہیں آنسو شکستِ دل

پکاری عرش پر یہ آہ دل کی

وہ دل جسکو پرایا کر دیا کیا اُسکا شکوا ہے
مرا سوز و گدازِ دل بھی تیرا ہی سا ہی اے شمع
تمام اعضا میں تازگی اور گدازگی ہے جو زلف و دلبا
نہ لب ہلانے کی مجھ میں قوت نہ بات کرنے کی تاب طاقت
عجب شفاخانہ عشق کا ہے کہ موت صحت مرض دوا ہے
غم و رنج و مصائب ذلت و خواری و ناکامی

ہاتھ مطلب سے اٹھا دستِ دعا سے پہلے
تھی اک امیدِ اجابت جو دعا سے پہلے

سمندر تو لے چشم تر ہو گئی
اڑے کیا کہ بے بال و پر ہو گئی

دامانِ تر کے حاشیہ پر سرخ بیل ہے
باقی چراغِ زیست میں تھوڑا ہی تیل ہے
لڑکے ہیں توڑنا انہیں شیشہ کا کھیل ہے

خبر لے اے مرے اللہ دل کی

جب اپنا تھا تب اپنا تھا اب اُسکا ہے تو اُسکا ہے
کہ جینا زندگی بھر کا ہے رونا عمر بھر کا ہے
نئی جوانی کا جوبن اُنپہ کچھ آگیا ہی کچھ آرہا ہے
کہوں میں کیا تم سے اپنی حالت کہ حال اب مجھ میں کیا رہا ہے
جو درد پہلو دبا رہا ہے تو دل کو آرام آرہا ہے
یہ ہم سمجھے ہوئے ہیں جسکا "محبت" نام رکھا ہے

سرشار۔ سدا شیو راؤ صاحب پنوار۔ آپ ریاست دیواس کلاں کے ساکن ہیں۔ طرزِ بیان سے نومشقی نمودار ہے مگر فکر رنگین ادا اور ذہن رسا ہے انتخاب یہ ہے۔

سرشار

سر ہمیں کاٹ کے دیجے پھیر لیے یا دل اپنا
بے بدل ظلم میں تم ہم ہیں وفا میں کامل

اٹھائے صدمۂ دوری کہاں تک
اسی دن کے لئے کھتا تھا سرشار

اڑ کے بیٹھا ہے اسی بات پہ قاتل اپنا
کوئی ثانی نہ تمہارا نہ مقابل اپنا

نہیں اب تابِ فرقت ناتواں میں
نہ رکھو ہرگز قدم عشقِ بتاں میں

سرشار۔ شیخ رمضان علی۔ آپ سندیلہ کے ظریف شاعر ہیں۔ ۵۰ کے قریب عمر ہے

سرشار

سید منصب علی صاحب ہنر مرحوم سے تلمذ ہے۔ افیون سے بہت رغبت ہے اسلئے اُسی رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ فلک سیر طبیعت۔ اعلیٰ مضامین کا ذخیرہ پیش کرتی رہتی ہے اور یہ سر زانو ہوتے ہی بہت دور پہنچ جاتے ہیں۔ شیریں مقالی یہ ہے ؎

افیون پی کے کھائیں جو شیرہ کی ریوڑیاں ۔ کیا مکھیوں کے حلقے ہیں مجھ ناتوان پر
ہمارے ساتھ بھی سامان کیا کیا بیش قیمت ہیں ۔ ادھر تھیلا ہے گولوں کا اُدھر ڈبیا ہے افیوں کی

سرشار

سرشار۔ شہریار اقلیم باکمالی و فرمانروائے مملکت رنگین خیالی۔ ناثر نامدار۔ ناظم باوقار پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار۔ آپکے والد کا نام پنڈت بیج ناتھ در تھا۔ جو لکھنؤ کے ایک معزز کشمیری خاندان کے رکن تھے۔ ابھی آپ بچپن کے گہوارہ میں ہوا کھا رہے تھے کہ شفیق باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ابتدا ہی سے شوخ اور چلبلی طبیعت پائی تھی ظرافت اور نکتہ سنجی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ آخر کار خداداد ذہانت اور طباعی نے زبان کے پردہ میں اپنا رنگ دکھایا اور دنیائے ادب میں انہوں نے اپنے نام کا سکہ جمایا۔ محلہ میں اکثر شرفائے اسلام رہتے تھے آپ اُنکے گھروں میں بے تکلف کھیلتے کودتے پھرا کرتے۔ اُنکی طبیعت میں قدرت نے غور و خوض کا مادہ ودیعت فرمایا تھا۔ زبان کی تحقیقات فصیح اور غیر فصیح محاورات کی جانچ پڑتال۔ عامیانہ بولی اور خواص کی شایستہ گفتگو کے امتیاز کرنے کا شوق لڑکپن ہی سے تھا۔ چند ہی سال میں انکو لکھنؤ کی زبان۔ وہاں کے رسم و رواج۔ طرز معاشرت۔ تمدن کے نکات اسطرح دل نشین ہو گئے جسطرح کسی بچہ کو اہل زبان میں چھوڑ دیا جائے تو وہ بڑا ہو کر انہیں کے لب و لہجہ اور زبان کو ادا کرنے لگے۔ جن گھروں میں اُنکی آمد و رفت تھی وہ انکے واسطے ادب آموز کالج تھے اور آج اُسی تعلیم کی برکت سے اُردو کی فسانہ نگاری میں اُنکا نام سب سے اول ہے۔

سنہ ۱۸۷۶ء میں اخبار اودھ پنچ کا آغاز شباب تھا اور اُسکو ایسے نامہ نگار ہاتھ آئے تھے جو ظرافت کے پیرایہ میں طرز معاشرت کی اصلاح کرتے اور فقرہ فقرہ میں زبان کی خوبیاں دکھاتے تھے۔ اکبر الہ آبادی۔ احمد علی کسمنڈوی۔ پنڈت تربھون ناتھ ہجر۔ میرزا مچھو بیگ ستم ظریف عاشق

لکھنوی۔ جیسے سخن نگاروں کی شوخ تحریریں مذاق پسند دلوں کو گدگداتی تھیں حضرت سرشار بھی لکھیم پور کھیری سے ہفتہ وار مضامین روانہ کرتے تھے۔ انکی اچھوتی انشا پردازی پر پنچ کو فخر تھا اور ناظرین اخبار انکے لطائف و ظرائف سننے کو ہمہ تن گوش رہتے تھے۔

جب منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ نے اودھ اخبار پر حملے کرنے شروع کئے تو منشی نولکشور صاحب کو انکا جواب دینے کیلئے ایک باکمال مضمون نگار کی ضرورت ہوئی اور سب کی نظر انتخاب حضرت سرشار پر پڑی۔ انپر طرح طرح کے دباؤ ڈالے گئے۔ بالآخر۔ دوستوں کے اصرار اور کچھ اپنی ضرورتوں کیوجہ سے حضرت سرشار کو اودھ اخبار کی ایڈیٹری قبول کرنی پڑی۔ اور آپ اودھ پنچ کے نامہ نگاروں کی فہرست سے علیحدہ ہو گئے۔ اسی زمانہ میں فسانۂ آزاد بھی اودھ اخبار کے ساتھ نکلنا شروع ہوا۔

فسانۂ آزاد سے پہلے۔ ہندوستان کی افسانہ نویسی۔ جادو۔ طلسم۔ پری۔ دیو۔ خلاف عقل واقعات سے لبریز تھی۔ زبان اور انشا پردازی کے اعتبار سے ایسی کتابیں اس روشنی کے زمانہ میں بھی مستند ہیں اور انکے پڑھنے والے خصوصاً لکھنؤ اور عموماً ہندوستان میں موجود ہیں حضرت سرشار نے قدما کی انشا پردازی کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا اور میرزا رجب علی بیگ سرور سے بچکر اپنی طبع کی جولانی کیلئے الگ رستہ نکالا اور اُن واقعات کو قلمبند کیا جو فطرت انسانی کے مطابق ہوتے ہیں۔ انہوں نے مصور کی آنکھ سے دنیا کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کیا ہے اور لطافت و ظرافت کے پیرایہ میں نہایت شگفتہ اور پھڑکتی ہوئی زبان میں اسکا چربہ اتارا ہے۔ غم کے موقع پر غم اور خوشی کے محل پر خوشی کا اصلی نقشہ کھینچ دیا ہے۔ مکالمات میں ہر طبقہ کی گفتگو کا لحاظ رکھا ہے۔ اور انہیں محاورات اور اصطلاحات کا استعمال کیا ہے جو اس مقام پر بولی جاتی ہیں۔ فسانۂ آزاد بظاہر تو ایک فرضی اور منگھڑت قصہ ہے لیکن حقیقت میں قدیم لکھنؤ کے تمدن اور طرز معاشرت کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ جس جگہ شریف بیگمات کی پاکیزہ بول چال اور پاکدامانی کا حال درج کیا ہے وہاں عفت کا سچی مرقع نظر آتا ہے۔ جہاں شوخ و

چوچلے دکھائے ہیں۔ مردانہ الفت اور زنانہ عشقیہ جذبات کا بیان ہے وہاں اپنی شعلہ زبانی سے دلوں میں آگ بھڑکا دی ہے۔ جہاں نوابی غفلت کے پلاٹ ہیں۔ وہاں امیرانہ چال چلن۔ رئیسانہ اطوار اور لکھنؤ کے تمدن و معاشرت کا حال آئینہ ہو جاتا ہے اسمیں شک نہیں ہے کہ سید انشا۔ سعادت یار خاں رنگین۔ جان صاحب بھی اسی میدان میں قدم فرسا تھے مگر ریختی کا دائرہ صرف بیگماتی زبان تک محدود تھا۔ فسانۂ آزاد میں کیا کچھ نہیں۔ عورتوں کے ساتھ مردانہ زبان بھی ہے۔ افیونیوں چانڈو بازوں۔ میخواروں کی اصطلاحیں بھی ہیں علوم و فنون کے نظارے۔ ادبی معرکہ آرائیاں قابل دید ہیں شرفا کی سنجیدہ باتیں اہل کمال کے نکات لائق شنید ہیں ہندوستان میں سب سے پہلا یہی فسانہ ہے جس نے ناول نگاری اور ڈرامانویسی کی بنیاد رکھی ہے اور اسکو دیکھکر فسانہ نگاروں کو یہ احساس ہوا ہے کہ قدرتی سین اور اصلی مکالمے سے انشاء پردازی میں کسقدر زور پیدا ہو جاتا ہے۔ فسانۂ آزاد کے سوا اور بھی تصنیفات ہیں۔ آپنے الف لیلی کو بھی اپنی زبان میں لکھا ہے۔ جام سرشار سیر کوہسار۔ کامنی وغیرہ بھی خوب ہیں لیکن بہ قبول خاطر حسن سخن خداداد است۔ تمام ادبی جماعتیں فسانۂ آزاد کی معترف ہیں اور یہی نقش اولین انکی بہترین یادگار ہے۔

آنریبل پنڈت بشن نراین در مرحوم کی ولایت کی واپسی پر جو طوفان و شور و شرا کا برپنڈتان کشمیر نے برادری میں اٹھایا اُس سے بیحد متاثر ہوئے۔ اور اپنی خداداد ذہانت اور دوراندیشی عاقبت بینی سے جو خیالات بحر طبع میں موجزن ہوئے انہیں مثنوی تحفہ سرشار میں جو اسی معرکہ کے متعلق قلم برداشتہ لکھی گئی تھی۔ بڑے دلچسپ پیرایہ میں انکا ذکر کیا ہے یہ مثنوی جو انکی خاص برادری کے باہر بھی نہایت مشہور اور مقبول ہوئی۔ اور جس نے بڑی حد تک سفر ولایت کے جواز کا فیصلہ کرنے میں آسانی پیدا کر دی اور طبیعتوں میں جو خود غرضی اور حسد کے جوش بھرے ہوئے تھے انہیں ہمیشہ کیلئے سرد کر دیا۔ انکی یہ خدمت سوشل ریفارم کے متعلق قابل ذکر اور لائق داد ہے زمانہ موجودہ کے مصنفین میں صرف مولانا آزاد دہلوی ایسے تھے جنکو سرشار کا ہم پلہ کہہ

جا سکتا ہے۔ سرشار کی طرح وہ بھی طرز خاص کے موجد تھے اور دونوں کو اس بات کا لحاظ تھا کہ انشا پردازی میں ایسے نامانوس رنگ کو نہ برتا جائے جو ہندوستان کے مذاق سے الگ ہو۔ یہ امر دیگر ہے کہ سرشار کی عبارت ظرافت کے رنگ میں شرابور ہے۔ ایک ایک لفظ پر بیساختہ پن اور شوخی قربان ہے۔ اور مولانا آزاد سلیس عبارت میں۔ تاریخی۔ اخلاقی علمی۔ نکات بیان کرتی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ان دونوں کا دماغ فیضان قدرت سے شاداب تھا۔ سرشار میں زباندانی کے علاوہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنیکی خاص قابلیت تھی۔ اور ملک میں جو چند مترجم ہوئے ہیں انہیں درجہ اعلیٰ حاصل کیا تھا۔ حضرت سرشار کو فن شعر میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم لکھنوی سے تلمذ تھا۔ اور انکا نام بڑی محبت سے لیتے تھے۔ آپ منشی نولکشور مرحوم کی ملازمت سے سبکدوش ہونیکے بعد حیدرآباد تشریف لیگئے۔ وہاں مہاراجہ کشن پرشاد نے آپ کی قدر افزائی فرمائی آخیر میں تپ دروں نے ازحد لاغر کردیا اور بھوک پیاس جاتی رہی کثرت شراب سے قوائے جسمانی بہت مضمحل ہوگئے اور حیدرآباد میں ۱۹۰۳ء کو خمکدۂ فانی سے عازم میخانۂ جاودانی ہوئے۔ ۵۵-۵۶ برس کی عمر پائی۔ آپ کا کلام عاشقانہ و رندانہ رنگ کا ایک دلفریب مجموعہ جسمیں شوخی۔ متانت۔ زبان کی صفائی عجیب لطف پیدا کرتی ہے۔ کسی نے آپکی تاریخ وفات کہی ہے جو یہ ہے ؎

سرشار فصیح و نکتہ پرور نہ رہا	سرمایۂ ناز اہل جوہر نہ رہا
اعجاز قلم کے جسکے سب قائل تھے	وہ نثر کا اردو کی پیمبر نہ رہا

مہاراجہ کشن پرشاد کو آپ سے بہت انس تھا کیونکہ آپ ہر وقت کے حاضر باش مصاحب تھے۔ ایک مرتبہ اثنائے گفتگو میں مولف تذکرہ نے مہاراجہ صاحب کی حیرت انگیز زباندانی و لہجہ اہل زبان کی تعریف کی تو مہاراجہ صاحب نے خود زبان مبارک سے فرمایا کہ یہ جو کچھ آپ دیکھتے ہیں ظہیر دہلوی اور پنڈت رتن ناتھ سرشار کی طفیل صحبت ہی ایسے راست باز اور قدردان اہل ہنر اب کہاں ہیں۔ مہاراجہ بہادر شاد تخلص کا زمرہ مغتنمات زمانہ سے ہے۔ اب حسن پرستان سخن۔ عروس فکر کی جلوہ آرائی سے ذوق حاصل کریں ؎

سیاہ بخت و سیہ روزگار ہم بھی ہیں
جوابِ زلفِ پریشانِ یار ہم بھی ہیں

کیا قہر ہے کہ مفت میں بلبل تو قید ہو
گلچیں جو پھول توڑے اُسے کچھ سزا نہ ہو

اُس بلبلِ اسیر کی حالت پہ روئیے
جو فصلِ گل میں بندِ قفس سے رہا نہ ہو

کہتا نہیں ہے مجھ سے کبھی کچھ اُدھر کا حال
کمبخت دل اُنہیں سے کہیں مل گیا نہ ہو

نصیب جاگیں نکلے اک روز حضرتِ سرشار
لپٹ کے سوئے گا وہ گل گلے لگائے ہوئے

بتوں کے در پہ سب کی جبہ سائی ہوتی جاتی ہے
اُنہیں کے قبضہ میں اب تو خدائی ہوتی جاتی ہے

وہ چشمِ فتنہ زا سی دیکھ کر آئینہ رکھتے ہیں
بہت اے شوخ تجھ میں بے حیائی ہوتی جاتی ہے

سنا ہے آج گر دربان نے تو کل وہ بھی سن لینگے
مری باتوں کی اب اُن تک رسائی ہوتی جاتی ہے

حنا کے رفتہ رفتہ پڑتے ہیں بیچ میں پردے
ابھی سے وصل پر اُن سے جدائی ہوتی جاتی ہے

شکایت پر کدورت کی دکھاتے ہیں وہ آئینہ
اشارہ ہے کہ اب لیں صفائی ہوتی جاتی ہے

نہیں آتش نہیں سیماب یارب کیا سبب اسکا
جہاں تک دل ملاتا ہوں جدائی ہوتی جاتی ہے

خدا جانے ہے یہ کیا بھید کیا ہوتا ہے اے کافر
جدھر تو ہے اُدھر ساری خدائی ہوتی جاتی ہے

امیدِ وصل کیا ہو عاشقِ ناکام کو اُس سے
مزاجِ یار میں اب پارسائی ہوتی جاتی ہے

پھنسا کر زلف میں دل عمر بھر اُنکی بلا رکھے
اسیری ہوتی جاتی ہے رہائی ہوتی جاتی ہے

مخاطب ہوں کسی سے بزم میں وہ چوٹ ہے مجھ پر
مرے ہی سامنے میری برائی ہوتی جاتی ہے

یہ چرخِ پیر دشمن ہے جو اے سرشار اُنہی کا
اسیری سے بھی بدتر بادشاہی ہوتی جاتی ہے

دل لوٹ گیا سنتے ہی گفتار کسیکی
سنتا ہی نہیں اب یہ مرا یار کسیکی

پینے پہ جب آتے ہیں تو پھر بس نہیں کرتے
میخانہ میں سنتے نہیں سرشار کسیکی

حال سب میری سخت جانی کا
باڑھ کھتی ہے مژہ کے خنجر سے

رباعی

مداحِ جنابِ رئیس پیر آیا ہے
وصافِ شہِ عرش سریر آیا ہے
خورشید کی آنکھ کیوں نہ جھپکے سرشار
ہاں ذرۂ خاکِ کاشمیر آیا ہے

مثنوی تحفۂ سرشار

ساقی نامہ

لندن کی پلا دو آتشہ مے — اے پیر مغاں کہاں چھپا ہے
ہن برسے گا میکدے پہ اے یار — رندوں کو جو تو کرے گا سرشار
دانا پلوا شراب اچھوتی — خوشبو خوشرنگ تیز چوکھی
کوثر کی بھی کھنچی نہیں ہے منظور — لیڈی وائن جسے پیئے حور
سرجوش شراب ناب لا دے — بوتل منہ سے مرے لگا دے
بدمست ہوں پی کے ایک چلو — زاہد کو سنائیں خوب الو
گھنگھور گھرا ہے آج بادل — میخانہ کو کر دے ابھی جل تھل
برسا دے شراب ناب ساقی — دکھلا دے اب آفتاب ساقی
فتوے کا شیخ کا کون مانے — لاکھوں ہیں پیوں کھلے خزانے
زم زم بھی ہیں نہا سے پانی — بے مے ہے حرام زندگانی
اے شیخ تجھے خدا کی سوگند — رندوں کی گرہ میں باندھ لے پند
لے منہ سے لگا لے جام بادہ — اک بوند ہی پی نہ پی زیادہ
کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ — کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ
کیوں تنہا اگر کوئی پری چم — با ناز و کرشمہ و خم و چم
ہر خوبی زیادہ ہے تا فرق — ہنستی کھلتی ہوئی انا البرق
بھڑکاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی — ابھرا سینہ کھجوری چوٹی
پرکالۂ آتش و ستم کوش — نسریں تن و نسترن بناگوش
نخوت دہ گلرخان نوشاد — شیریں حرکات اور پری زاد
پازیب کو جب چھم چھم بجاتی — پیاری پیاری پھبن دکھاتی
لپٹا کے گلے کہے مری جان — جو کچھ کہوں مان لو میں قربان

دنیا سے الگ تھلگ ہیں تم ہم
گوشے کا مقام ہو کا عالم

پی لو یہ شراب پرتگالی
اٹھتی ہیں گھٹائیں کالی کالی

یہ سن کے فلک پہ شور مرحبا
یہ بادہ - یہ نقل - یہ پری زاد

گورے ہاتھوں سے بی علیجان
میں صدقے لگا دو مجھکو ایک پان

اس پان کو لیکے آپ کھاویں
میٹھے میٹھے مزے اڑاویں

ادھر ہم ہو وہ ہرم ہو پن ہو یا پاپ
جو کچھ کہے سب وہ کیجئے آپ

اور ہیں بھی کہوں اٹھاکے چلمن
"تسلیم جناب قبلہ من"

تڑکے سے کلام پر ہو رم
شب کو کھٹکن سے وہ کرم ہو

کھٹکن سے نہیں دہرم کو کھٹکا
سکھا اچھا ہے تم نے لٹکا

یارو دنیا سے ڈر ہے کس کی
میڈم کی نہ میم کی نہ مس کی

جنٹل مینوں کو دے تو وسکی
کسکی رہی اور رہے گی کس کی

اسلاف کے کچھ اثر ہیں باقی
قطعہ
اس راکھ میں کچھ شرر ہیں باقی

گو خوار ہوئے ہیں خود ہی سے ہے
مرجھا گئے پھول بو ہی سے ہے

جھلکا جھلکا سپیدۂ صبح
ہلکا ہلکا سپیدۂ صبح

تارے چھپتے ہیں جھلملا کر
ہے نور سا جلوہ گر فلک پر

بھینی بھینی مہک گلوں کی
اور نغمہ زنی وہ بلبلوں کی

اے ساقی مہ لقا بدہ مے
اے مرد خدا بخواب تا کے

وقت سحر اور خنک ہوا ہے
بے مے سب کرکرا مزا ہے

اک چلو کے دینے میں یہ تکرار
اٹھو جاگو سحر ہوئی ہے

دریا کی طرف چلے نہانے
غٹ پریوں کے زنان خانے

مرغان چمن نہکت رانی
جوں برہمناں بہ بید خوانی

نوبت ترنگت جمار ہی ہے
تنہائی مزا دکھا رہی ہے

پھلینگے پھولینگے گلزار قوم کے اشجار		اٹھا ہمالیہ پربت سے ابر گوہر بار
زبان وہ پائی کہ لے نطق سینکڑوں بوسے		طبیعت ایسی ملی شوخ جیسے چنچل نار
ہے اس کمال پہ لیکن ہزار بار افسوس		کہ تو نے قدر نہ کچھ جانی اپنی خود زنہار
کمال کیلئے لازم جو ہے زوال ضرور		اب ایک قطرہ ہے پہلے تھا قلزم ذخار
نہ آب و تاب وہ اگلی سی ہے نہ رنگ نہ روپ		نہیں وہ شاہد مضموں کے پھول سے رخسار
نہ حافظہ ہی رہا وہ نہ قوت ادراک		رہے کہاں سے ہر اک شئی کی حد ہے آخر کار
اسی زمانہ میں تو بھی اسیر ہو جاتا		قبول زر میں نہ ہوتا اگر تجھے انکار

اس ہند میں کیا رہا ہے بھائی		فریاد ہے ہندیوں ذرا ئی
مصری اس باغ کے تھے اک گل		شاگرد ہند کے تھے جزو کل
اک پھول اسی چراغ کے تھے		اک بوندا سی ایاغ کے تھے
سقراط سے لیکے تا بہ لقمان		طفل مکتب تھے اہل یونان
آگے ان کے زمیں سے تا مہ		سب کرتے تھے زانوے ادب تہ
راما پن میں دکھائے وہ ڈھنگ		ہومر کا بھی جم سکا نہ کچھ رنگ
رنگت ملٹن کی بھی ہے پھیکی ہو		سبحان اللہ وا لمیکی ہو
کالی داس آں خدائے بنیش		سرمایۂ ناز آفرینش ہے
مشہور جہان کتاب اُن کی		مقبول زمان کتاب ان کی
جھنڈے بیدک کے بھی گڑے تھے		یونانی جیب میں پڑے تھے ہو
تشریح کے بادشاہ تھے ہندی		تشخیص کے بھی خدا تھے ہندی
کیتائی کے بھی خدا تھے ہندی		اس کشتی کے ناخدا تھے ہندی
دھوئے جس کو ہو جان دل کا		دیکھے وہ فلسفہ لیبل کا
وہ علم و فضل اب ڈبو یا		جو کچھ سیکھا تھا سب وہ کھو یا

قطعہ تاریخ انتقال پنڈت شیو نراین بہار لکھنوی

نتیجۂ طبع

اے بہار گلشن علم و ہنر / کیا ہی تھا نخل الفت کا ثمر
ہم سے دکھ کے خیر باد دائمی / کس طرف راہی ہوے اے ذی ہنر
قاف سے تا قاف ہیں سب سینہ چاک / یاس و حرماں ہے دلوں پر سر بسر
ہو خزاں سے جب مبدّل نو بہار / کیوں نہوں سب مثل بلبل نوحہ گر
گل ہوا باغ لیاقت کا چراغ / غنچۂ دل پر خزاں کا ہے اثر
ظلمت ہجراں سے ہے عالم سیاہ / دل ہے زلف مہوشاں سے تیرہ تر
خاطر غمگیں پہ چھایا ابر غم / رود غم کی ہے روانی الحذر
شیو نراین تھے حقیقت میں بہار / خلد کے خاصوں میں ہو وہ خاص تر

سمت ۱۹۳۱ — ۱۲۹۱ھ

قطعہ تاریخ حسرت آیات پنڈت تربھون ناتھ ہجر

روانہ سوئے عدم ہو گئے جواں افسوس / مرے برادر خوش فکر و بذلہ سنج و لئیق
عیاں ہوا اسم اگر تربھون سے ناتھ سلے / جو خلق رکھتے تھے رکھتا ہی کب وہ کوئی خلیق
ظرافت انکی تھی لونڈی بلاغت انکی کنیز / ندیم انکی تھی نیکی تو خیر خیر رفیق
دقیقہ رس وہ طبیعت خدا نے دی تھی انہیں / کہ جسکے آگے نہ ہوا ایک کا کلام دقیق
عدو سے بھی نہیں رکھتے تھے دلمیں کینہ و بغض / تمام خلق کے وہ مہرباں تھے سب کے شفیق
نہیں تھا انکے سوا کوئی جوہری سخن / ہر ایک لفظ تھا گوہر ہر ایک حرف عقیق
رلائے ہنستے ہوے کو کلام میں وہ اثر / ہنسائے روتے ہوؤں کو سخن میں وہ توفیق
کہے کلام کے اعجاز کو جو کوئی سحر / فریب کار سے مکار سے ہو وہ ہو زندیق
ہزار سال اگر غوطے مارتے سکا / پہونچتے تہ کو نہ دریائے فکر تھا وہ عمیق
یہ معانی باریک کے شناور تھے / خدائے پاک کرے بحر مغفرت میں غریق
پس وفات دعا یہ کرد رقم سرشار / وصال ہجر ہو حوروں سے ای خدائے عتیق

سرشار

سرشار۔ جناب مدن موہن لال صاحب۔ آپ خیرآباد کے ساکن تھے۔ فن شعر میں مولوی غلام حسین قدر بلگرامی سے اصلاح لیتے تھے۔ فکر کی رفعت ان اشعار سے ظاہر ہوتی ہے ؎

عاشق وہی ہیں مال نہ سمجھیں جو جان کو
منہ رن سے پھیرتے نہیں جو مرد رن کے ہیں

کھٹکے میں جان رہتی ہے گردش نصیب کی
دن رات مہر و ماہ کو خطرے گہن کے ہیں

احوال مہر و مہ دل روشن پہ کھل گئے
روشن چراغ دونوں تری انجمن کے ہیں

اسکا زمانہ آج تو کل اسکا دور ہے
یہ ہتھکنڈے قدیم سے چرخ کہن کے ہیں

سرشار بادہ خوار یہ مست ہیں مدام
ممنون لطف ساقی توبہ شکن کے ہیں

سرور

سرور۔ نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں خلف نواب ابوالقاسم خاں صاحب۔ شاہجہاں آباد کے نامی گرامی امرا سے تھے۔ آپ مادہاجی سندھیا کے مشہور مختار و معتمد شاہجی کے پوتے اور دربار شاہی میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ کے عہد تک آپ کی تاریخی عظمت برقرار رہی اور شاہجہاں آباد کی امیرانہ مجالس میں آپ کا طوطی بولتا رہا۔ پھر زمانہ کے ہاتھوں نے تاریخ کا ورق الٹ دیا۔ مؤلف تذکرہ ریختہ گویان ہند" رقم طراز ہیں کہ آپ ظریف۔ خوش طبع۔ نیکو صحبت۔ دوست پرست۔ مردم شناس۔ بزرگ تھے اور آپ کی طبیعت فن شعر کے مناسب تھی۔ سنہ ۱۲۵۰ھ میں انتقال کیا۔

آپ سید محمد ذکریا خاں زکی ارشد تلامذہ حضرت غالب دہلوی کے جد امجد تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آپ نے بڑی محنت سے شعرائے ہند کا ایک ضخیم تذکرہ مرتب کیا تھا۔ جو غدر سے پہلے بہت مشہور تھا۔ شرف الدین میرٹھی مؤلف تذکرہ شعرائے ہند نے اپنی عدم واقفیت سے آپ کو میرزا محمد بیگ "سامی" کا شاگرد لکھا ہے۔ حالانکہ آپ اپنے والد کے شاگرد تھے۔ جن کا تخلص "صامی" تھا۔ آپ نے تذکرہ کی تالیف کے علاوہ دیوان ریختہ بھی تصنیف کیا تھا جو اب ناپید ہے۔ کلام لطف زبان اور حسن بیان میں عدیم المثال

ہے۔ غم واندوہ۔ یاس وحرماں۔ مسرت وشادمانی کے مضامین کو موثر پیرایہ میں ادا کرتے تھے۔ نواب بڈھن صاحب فقیر آپ کی اولاد میں سے تھے۔ اور بعد غدر بھرتپور جارہے تھے اشعار کا انتخاب نذر ناظرین ہے ؎

بسکہ شب گرم تپیدن یہ دلِ بیتاب تھا / دل نہ تھا میری بغل میں پارۂ سیماب تھا
شراب پیکے جو وہ ماہ بے حجاب ہوا / کباب آتشِ غیرت سے آفتاب ہوا
نامہ کس سوختہ جاں کا یہ لئے جاتا ہے / بازؤوں سے جو ہلاتا ہے کبوتر پنکھا
مرگ بہتر ہے گر نہ ہو تو پاس / ہے مزا تجھسے زندگانی کا
کبھو نہ آگے وہ مانند نقش پا سر کا / ہوا ہے جو ابھی پامال تیری ٹھوکر کا
یہ ٹھہر چکی تھی کہ کبھی اُس سے نہ ملیئے / اس بات پہ لیکن دلِ بیتاب نہ ٹھہرا
''دھرو'' یہ اگر ہووے خریدار کوئی شخص / دل بیچ رہا ہے سر بازار کوئی شخص
میں نے سرور کی خبر جاکے جو پوچھی دمِ نزع / اُس نے کچھ بات نکی لیک بھر آئیں آنکھیں
مفارقت سے کوئی کسطرح گذارے دن / سفر سے یار پھرے تو پھریں ہمارے دن
پھرتی ہے مضطرب سی بادِ صبا چمن میں / بلبل بتا تجھے بھی کیا گل کھلا چمن میں
دیوانے ہم نہیں ہیں کہ فصلِ بہار میں / کہنے سے ناصحوں کے گریباں رفو کریں
الم ہو رنج ہو بے طاقتی ہو درد ہو غم ہو / یہ سب کچھ ہمکو ہو یارب ولیکن وہ نہ محرم ہو
ہم دیکھتے ہی یار کو بے ہوش ہوگئے / شکوے جو ہم کو تھے وہ فراموش ہوگئے
سرور اُس شوخ کو کیوں نیند سے بیدار کیا / کس لئے فتنۂ خوابیدہ جگایا تو نے
غیر لایا اُسے یاں پھر تماشا دمِ نزع / دوستوں سے نہ ہوا وہ جو ہوا دشمن سے
دیدۂ تر سے لگا خط کو نہ اُس کے سرور / یار کے ہاتھ کا لکھا ہے مبادا مٹ جائے

سرور۔ حکیم سید سرور علی صاحب۔ آپ قصبہ موہونہ کے باشندے ہیں۔ جو خیرآباد کے قریب واقع ہے سنہ سی آپنے شعر کہنا شروع کیا اور حضرت قدر بلگرامی کے شاگرد ہوئے۔ وہ برس

کی مشق سخن سے کلام میں پختگی آگئی۔ آپ بلیغ مضامین فصاحت کے قالب میں اس طرح ڈہالتے ہیں کہ مے دو آتشہ کا لطف آتا ہے۔ مذاق سخن کا نمونہ یہ ہے ؎

کمال غم سے میں لے کاش ایسا زار ہو جاتا ‏ ‏ ‏ ‏ کہ گھٹتے گھٹتے جسم اپنا نظر کا تار ہو جاتا
تمہیں سب بے دہن کہتے ہیں تم تو منہ سے کچھ کہتے ‏ ‏ ‏ ‏ کبھی تو حل معمایہ دم گفتار ہو جاتا
جب آپ مسکرائے مرے حال زار پر ‏ ‏ ‏ ‏ بجلی گری چمک کے دل بے قرار پر
تار نظر سے آنکھوں میں آنکھوں سے دل میں آؤ ‏ ‏ ‏ ‏ یوں آؤ جس طرح خبر آتی ہے تار پر
کچھ دارو گیر حشر کا ہم کو خطر نہیں ‏ ‏ ‏ ‏ اپنی نظر ہے رحمت پروردگار پر
کیا ہے ذبح بیرحمی سے کیا صیاد ظالم نے ‏ ‏ ‏ ‏ ہلانے بھی نہ پایا آہ مرغ نیم بسمل ۔ پر
وہ میکش ہوں جگر ٹکڑے ہوا ساغر اگر پھوٹا ‏ ‏ ‏ ‏ کوئی شیشہ جو ٹوٹا لگ گئی ٹھیس اک مرے دل پر
لئے جاتا ہے پھر یہ جذبہ شوق اسطرف مجھکو ‏ ‏ ‏ ‏ نہیں کچھ زور چلتا ضبط کا بیتابئ دل پر
کرم تیرا اگر ہو دم میں بیڑا پار ہو جائے ‏ ‏ ‏ ‏ یہ کشتی گہنہ پہونچے ابھی رحمت کے ساحل پر
نہ پائیگی نہ پائیگی وہ طرز بے قراری کو ‏ ‏ ‏ ‏ عبث برق اتنی مضطر ہے مرے بیتابئ دل پر
"جواب جاہلاں باشد خموشی" قول سعدی ہے ‏ ‏ ‏ ‏ ہمیشہ ضبط سرور چاہئے گفتار جاہل پر
نہ تھی جو رحمت بیحد حساب کے قابل ‏ ‏ ‏ ‏ گناہ گار نہ ٹھہرا عتاب کے قابل
واہ کیا خوب ذرا کیجئے دل میں انصاف ‏ ‏ ‏ ‏ جان دے کوئی مگر آپ پہ احساں ہی نہو
پھر ہے کیا آبلہ پائی کا مزا اے سرور ‏ ‏ ‏ ‏ تلووں میں جب خلش خار مغیلاں ہی نہو
میکدہ کھولدے ساقی ہے بہار آنے کو ‏ ‏ ‏ ‏ مے گلرنگ سے بھر دے مرے پیمانے کو
سوچ بیرحم کو ہے رحم نہ آجائے کہیں ‏ ‏ ‏ ‏ کان رکھکر نہیں سنتا مرے افسانے کو
ہم نے پھبتی یہ کہی چاند گھرا بدلی میں ‏ ‏ ‏ ‏ آئے رخسار پہ جب آپکے اڑ کر گیسو
دردافزا اک عجب یہ عشق کا افسانہ ہے ‏ ‏ ‏ ‏ نالہ بن جائے یہاں شور مبارکباد بھی
وہ ستم گر ہیں جفا جو ہیں نہیں اسکی خبر ‏ ‏ ‏ ‏ ان کے کوچہ میں تڑپتا ہے کوئی ناشاد بھی

ہم تو کیا اس عشق سے خالی نہیں کوئی بشر
مرتے ہیں جنت میں حوروں کیلئے زاہد بھی

سمجھے ہو تم ظلم کا فریاد رس کوئی نہیں
و اور محشر جو کوئی ہے۔ تو دے گا داد بھی

ہم کو اے سرور نہ کیوں ہو اپنے ہمعصروں پہ فخر
آج تک ہم نے نہ دیکھا قدر سا اُستاد بھی

سرور

سرور۔ خواجہ ولایت علیخاں صاحب لکھنوی۔ آپ کے والد حکیم محمد جعفر مخمور مصحفی کے تلامذہ میں تھے۔ جناب سرور حضرت اسیر کے ہم مشق۔ اور نازک خیال شاعر تھے۔ فن سخن گوئی میں حضرت آتش سے تلمذ تھا۔ واجد علیشاہ کے قیام کلکتہ میں ٹٹیا برج کے مشاعرے اور ارباب سخن کی ہنگامہ آرائیوں کا مشاہدہ کیا۔ آفتاب الدولہ قلق سے شاعرانہ صحبتیں گرم رہیں اور آخر کار لکھنو کو خیرباد کہکر کلکتہ کو اپنا مسکن بنالیا۔ الفاظ کی رنگینی۔ مضامین کی دل آرائی۔ معانی کی عطر بیزی کے سوا بعض اشعار سے درد کی بو آتی ہے۔ چوٹ کھایا ہوا دل تشبیہ اور استعارہ کے پردہ میں بھی آتش کا رنگ تغزل دکھا دیتا ہے۔ مینائے سخن کی تراوش ملاحظہ ہو؎

بزم میں ہر دم فروغ حسن جانانہ رہا
شمع رخ پر دل زمانہ بھر کا پروانہ رہا

برق نے گر کر جلایا ہوں میں ایسا بدنصیب
میری قسمت کا نہ خرمن میں کوئی دانہ رہا

پس فنا بھی رہا اضطراب دل برسوں
قرار نعش کو میری تہ مزار نہ تھا

رہ عدم میں نہیں دغدغہ ہے دشمن کا
نہ ڈر ٹھگوں کا ہے اسمیں نہ خوف رہزن کا

اس درجہ اسے دامن صیاد کا تھا پاس
آیا نہ لہو گردن نخچیر سے باہر

کھا کے پھل تیغ کے جبدم ہوا بسمل خاموش
دہن زخم ہنسے رہ گیا قاتل خاموش

دوستی کس سے یہ کرتا ہے بڑا دیوانہ ہے
ہے ازل سے جان کا پروانہ کی دشمن چراغ

دو ہی دن میں بھول جاتے ہیں عزیز و اقربا
بعد مردن کون لاتا ہے سر مدفن چراغ

اتنی کدورتیں ہوئیں آ کے اسمیں جمع
سینہ میں بن گیا مرے آخر مزار دل

کہتے ہیں جھوٹی سچی نہ باتیں بنائیے
بہر خدا نہ کیجیے مجھ پر نثار دل،

صیاد چھوڑ دے یہی کہتی ہے عندلیب
امید زندگی مجھے اگلے برس نہیں

بہار آئی ہے اے صیاد تجکو رحم لازم ہے
قفس میں سب اسیران قفس فریاد کرتے ہیں

تم نہ آوگے نہ آوگے مجھے معلوم ہے
جھوٹی سچی میرے سر کی تم قسم کھاتی ہو کیوں

کلکتہ اُس کے مٹنے سے آباد ہوگیا
کیا پوچھتے ہو لکھنؤ کے انقلاب کو

ہمارے خون کے پیاسے زمانے کے قاتل
وہ دیکھو بزم میں بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

اے پری مجھسا بھی دنیا میں کوئی دیوانہ ہے
گھر کے اندر میں ہوں اور باہر مرا افسانہ ہے

دل مرا بکتا ہے جو معشوق چاہے مول لے
قیمت اُسکی وصل ہے اور اک نظر بیعانہ ہے

داخل وہ شئے ہے کہ کردیتا ہے مالک چیز کا
میرے دلمیں جلوہ گر جب ہے وہ صاحب خانہ ہے

لبریز مے سے ساغر و مینا کرے
سامان برائے یار مہیا کرے کوئی

کیوں شام بنارس کی نہ مشہور جہاں ہو
میلے کہیں دیکھے ہیں یہ دریا کے کسی نے

آرام عجب طرح کا ملتا ہے عدم میں
ہستی کا ارادہ نہ کیا جا کے کسی نے

عشق نے تیرے کیا ہے مجھے لاغر ایسا
میں تو سایہ سے بھی گرتا ہوں زمیں پر پہلے

سرور۔ آب و رنگ طلسم بیان۔ جادو مقال سحر زبان۔ ناظم نظم دلپذیر۔ ناثر عدیم النظیر سخنور مشہور و معروف نزدیک و دور میرزا رجب علی بیگ سرور خلف میرزا اصغر علی۔ آپ فسانۂ عجائب کے مصنف اور آغا نوازش حسین خاں نوازش کے شاگرد رشید تھے۔ نفاست پسند خوش مزاج۔ باسلیقہ انسان تھے۔ ہمیشہ رؤسا نوابوں کی مصاحبت میں رہے۔ انکو فسانہ نگاری نے پروان چڑھایا۔ یاران انجمن کی محفل سے واجد علیشاہ کے دربار تک پہونچایا۔ شہرت اور ناموری میں چار چاند لگتے ہی۔ راجہ بنارس اور مہاراجہ الور کی مصاحبت میں داخل ہوئے۔ مگر بمقتضائے حب الوطن از ملک سلیمان خوشتر، لکھنؤ کے لئے ہمیشہ تڑپتے رہے چنانچہ بعض موقعہ پر بے چین ہوکر کہتے ہیں ؎

یا تو ہم پھرتے تھے انمیں یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں میں اکثر کوچہ ہائے لکھنؤ

الٰہی لکھنؤ بستا رہے روز قیامت تک
سرورِ دشت پیما کا کبھی یہ شہر مسکن تھا

کلکتہ۔ لکھنؤ۔ میرٹھ۔ دہلی کا چھوٹا نہ وغیرہ کی سیر و سیاحت بھی کی تھی۔ بڑے یار باش
اور زندہ دل تھے۔ شرف الدین میرٹھی شعرائے ہند کے یارانِ صادق میں تھے۔ ابتدا میں مرثیہ
خوانی کا شوق ہوا۔ مگر جب اِس گروہ میں رنگ نہ جما تو خوشنویسی کی جانب متوجہ ہوئے گو
اعلےٰ درجہ کے خوشنویس ہوگئے مگر کاملانِ فن میں انکا نام نہ نکلا۔ فن موسیقی میں دستگاہ حاصل
تھی لیکن نثاری مقفیٰ اور بلیغ سحر نگاری میں اپنے معاصرین سے بازی لیگئے اور کوئی انکا مقابلہ
نکر سکا۔ آپ طرحدار خوش وضع جوان تھے۔ جامہ زیبی میں یگانۂ وقت تھے۔ سک سے
درست اپنے زمانہ کے زبردست منشی اور قابل مصنف تھے۔ سرور سلطانی شگوفۂ محبت گلزار
سرور۔ انشائے سرور۔ شبستان سرور وغیرہ کئی کتابیں انکی تصنیف سے ہیں۔ مگر
سچ یہ ہے کہ فسانۂ عجائب نور دیدۂ ادب ہی جسکا ہر فقرہ رنگینی میں غازۂ جمال خوباں اور
دلفریبی میں تابشِ عارضِ محبوباں ہے۔ عروسانِ مضامین کو آراستہ کرنے میں
نہایت عرق ریزی اور جاں فشانی سے کام لیا ہے۔ ہر بیان میں لکھنؤ کے پری وشاں ماہ رخ
کا جلوہ دکھا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت میرزا غالب جیسے دبیر روزگار نے فسانۂ مذکورہ
کی تقریظ لکھتے ہوئے اُردو میں سرور کو سرخیل نثاراں مانا ہے۔ متعدد لوگوں نے اِسکا
جواب لکھنے پر قلم اٹھایا مگر اس میدان میں کچھ نہ پایا۔ جسطرح اُردو مثنویوں میں گلزار نسیم اور
بدر منیر لاجواب ہی۔ اسی طرح فسانوں میں فسانۂ عجائب انتخاب ہے۔ میرزا سرور ۱۲۸۵ھ
میں اس دار فنا سے راہیٔ عالم بقا ہوئے۔ آپ کی نظم نثر کے مقابلہ میں کوئی درجہ نہیں رکھتی
ہے۔ کلام یہ ہے ؎

ہزار صدموں پہ دل نے ہمارے اُف بھی نکی / جو اک رفیق ملا وہ بھی بے زبان ملا
ہم نے یاں طرفہ ماجرا دیکھا / ایک پر ایک مبتلا دیکھا
نیم بسمل سا لوٹتا ہے دل / اِسنے کیا جانے یاں ہے کیا دیکھا
رات کس جا رہا سرور بھلا / آپ کا یہ بھی افترا دیکھا

آہ پہلو سے رقیب اسکے جو کل آ بیٹھا
پیچ کھایا ہی کیا دل میں مرا دل بیٹھا

رہ رہِ ملک عدم سے تو کیا کوچ سرور
بار ہستی لئے تو کیوں ہے یہ منزل بیٹھا

گرفتاری کے دن اپنے مجھے کیا یاد آتے ہیں
مرے جب کان میں پڑ جائے ہے غُل عندلیبوں کا

نفرت بدل ہو سنتے ہی مجھکو یقیں ہے
شمہ میں گر کسی سے کہوں ماجرائے عشق

دل ہی میں رہ نجائے کہیں اب بیانِ دل
ٹک سن لے دل لگا کے تو اب داستانِ دل

ایسی ہی ہچکی جو رہی رات بھر کہیں
تو صبح کو نہ پائے گا ہرگز نشانِ دل

ہر چند خاک چھانی نہ پایا کہیں سراغ
مجھکو عبث تھا سینہ میں لینے گمانِ دل

کب لگاتا ہے کوئی اِن دلِ بے حال کا مول
سب گھٹا دیتے ہیں مفلس کے غرض یاں کا مول

توڑ کر خم اور ٹپک کر آج پیمانے کو ہم
سوئے مسجد جاتے ہیں زاہد کے بہکانے کو ہم

قلق ہو دور مٹے دل سے اضطراب کہیں
الٰہی دورِ فلک کو ہو انقلاب کہیں

کیا غضب ہے کہ چار آنکھوں میں
دل چُراتا ہے یار آنکھوں میں

چشم کیفی کے سُرخ ڈوروں سے
چھا رہی ہے بہار آنکھوں میں

گر پڑا طفل اشک یہ مچلا ہو
میں نے روکا ہزار آنکھوں میں

جب سنی اپنا لقب ہوا ہے سرور
روز و شب ہے خمار آنکھوں میں

نسیم صبح ہوں یا بوئے گُل یا شمع سوزاں ہوں
میں جس رنگ میں ہوں پر غرض ہر گھر کا مہماں ہوں

تنی رہتی ہے اکثر چادرِ مہتاب تربت پر
کرتا معلوم ہو سب کو قتیلِ مہ جبیناں ہوں

مریض ہجر کو صحت سے اب تو کام نہیں
اگرچہ صبح کو یہ بچ گیا تو شام نہیں

جو تو وہ گُل ہے کہ عالم کے دل میں ہے تری جا
تو اُسکی آنکھ میں کھٹکا کیا وہ خار ہوں میں

کسی کروٹ کسی پہلو نہیں اب چین ملتا ہی
ہوا ہے غم ترا جس روز سے پہلو نشیں دل میں

بے طرح کچھ ان دنوں وہ ہم کو ستاتے ہیں
جو خواب میں بھی آ کے صورت کو چھپاتے ہیں

دشمن کے بھی دشمن کو اللہ نہ دکھلائے
جو دن ہمیں فرقت میں اب آپ دکھاتے ہیں

ہے شوق سرور ایسا غالب کہ جو قاصد سے
لازم ہے سوزِ عشق کا شعلہ عیاں نہ ہو
کریں اب ترک اسبابِ جہاں ہم جی میں ٹھانی ہے
نہیں طاقت ہی اتنی جو ٹھنڈی سانس بھی لیویں
تہِ تیغِ ستم گردن جھکا دے جو کوئی ناصح ہو
درد ہو تپ ہو ضعف ہو اسکی کوئی دوا کرے
جب مسیحا کی ہو مرضی کچھ ادائی کیجیے
اس سے کھنچ رہتا ہوں جب میں یوں ہی مجھ سے دل
دوری سے تیری اے صنم سینہ میں دل کباب ہے
چھوڑ تڑپتا مت میاں کاٹ کے سر کو او جواں
اس طرح آہ کل ہم اس انجمن سے نکلے
تجکو نہ ایک پر بھی رحم آہ شب کو آیا
اب ہے دعا یہ اپنی ہر شام ہر سحر کو
ہم گرچہ نقشِ پا تھے یاران رفتگاں کے
کیا دیکھکر تاسف سب نے کیا عزیزو ہو
صحرا سے رفتگاں میں پوچھو نہ ہم کو کیا تھے
زیرِ زمیں نہ آیا بس چین خفتگاں کو
تم نے نہ ہماری کچھ خبر لی
بدل دے اور دل اس دل کے بدلے
چھوٹے تپش سے دل کی جب آ لگی مرے
کسکی خوشی کہاں کی ہنسی کیسا اختلاط

کوسوں ہی تلک حالت سے کھنچتے چلے جاتے ہیں
جل بجھیے اس طرح سے کہ مطلق دھواں نہ ہو
نہ ساقی ہے نہ ساغر ہے نہ وہ عہدِ جوانی ہے
کچھ ایسی ان دنوں میں ہمپہ چھائی ناتوانی ہے
وہی جانے جو گذری ہے بھلا جلاد کیا جانے
جو کہ مریضِ عشق ہو سچ تو یہ ہے وہ کیا کرے
اس جگہ کیا دردِ دل کی پھر دوائی کیجیے
عاشقی یا کیجیے یا میرزائی کیجیے
عیش کا ذکر کیا مجھے زندگی بھی عذاب ہے
جان کہی سے چھٹینگے ہم تجکو بڑا ثواب ہے
فصلِ بہار میں جوں بلبل چمن سے نکلے
کیا کیا ہی آہ و نالے اپنے دہن سے نکلے
یا وہ بدن سے لپٹے یا جان تن سے نکلے
خاطر میں اس فلک کی تس پہ بھی ہم گراں تھے
وہ سُگلے بس کفن سے جو چند استخواں تھے
آواز تھے جرس کی یا گرد کارواں تھے
بیچین میرے ایسے یہ نالہ و فغاں تھے
چھاتی پتھر کی کیوں جی کر لی ۔
الٰہی تو تو رب العالمیں ہے
سنت کشتی نہ کرنی پڑی نوک خار کی
ہم کو نہ چھیڑ تم کہ وہ اب ہم نہیں رہے

سرورؔ

سرورؔ ۔ سید ابوالقاسم صاحب منشی فاضل خلف جناب سید احمد حسن صاحب سپہر رقم ضیا رامپوری۔ فارسی و عربی کی اچھی قابلیت ہے۔ دار الترجمہ حیدرآباد میں مصحح ہیں فن سخن میں اپنے والد سے تلمذ رکھتے ہیں۔ جوان آدمی ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

تیرا بیمار کوئی چند نفس مہمان ہے
لب تک اک آہ بھی آتی نہیں نالہ کیسا

کوئی جھگڑا نہیں باہم ہے فقط فرقِ مذاق
ایک ہیں سب حرم و دیر کلیسا کیسا

رات کو۔ دن کو۔ کوئی دیکھنے والا دیکھے
ہو رہا ہے انہیں پردوں میں تماشا کیسا

جو کرے کام بشر قوتِ بازو یہ کرے
عیب کی بات ہے اوروں کا سہارا کیسا

صبر کو درد کی جو لوگ دوا کہتے ہیں
کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا کہتے ہیں

گالیاں دے چکے جی بھر کے مجھے کوس چکے
دیکھنا یہ ہے کہ اب دیکھئے کیا کہتے ہیں

جگر میں درد اُٹھے دل کے ٹکڑے ہوئے دم نکلے
یہ کہنے کو نہ رہ جائے ترے کوچہ سے ہم نکلے

اگر غایت وجودِ لاوجودِ شے کی ہم دیکھیں
نظر میں ہر عدم ہستی تو ہر ہستی عدم نکلے

صنم خانہ میں جو دیکھا وہی جلوہ تھا کعبہ میں
تلاشِ یار میں کچھ ایک سے دیر و حرم نکلے

سرورؔ

سرورؔ ۔ میر لکھو دہلوی۔ قدرت اللہ شوق اور مصحفی کے ہمعصر تھے۔ دہلی چھوڑ کر رامپور جا رہے تھے مولوی غلام جیلانی رفعت سے تلمذ تھا۔ موزوں طبع اور سادہ گو تھے۔ کلام رنگینی۔ جدت سے خالی ہے۔ انتخاب یہ ہے ؎

کیا زلف نے اُسکی برباد عالم
بچے کیا کوئی ایسی کالی بلا سے

یاد میں اُسکے لب لعل مصفا کے سرورؔ
رنگ کیا دیدۂ خونبار دکھا دیتا ہے

سبو ہو بادہ ہو ساغر ہو ساقی ہو لب جو ہو
اگر اوقات کچھ اپنی بسر یوں ہو تو بہتر ہے

بہر رحم مرا نزع کی حالت میں مجھے دیکھ
کس ناز سے بولا کہ ابھی اس میں دم ہے

کیا خاک سرورؔ اس دلِ محزوں کو مرے ہو
جسکے تئیں ہر روز نیا درد و الم ہے

سرورؔ

سرورؔ ۔ منشی عبدالصمد قادری عثمانی بدایونی۔ مولانا عبدالماجد کے برادر حقیقی ہیں قدیم شرفائے

بدایوں سے ہیں۔ اور آپ کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے مشہور ہے ہونہار نوجوان اور شوخ طبع شاعر ہیں۔ حضرت کیفؔ سے تلمذ ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

تو وہ کہ تجکو عفوِ معاصی کا شوق ہے ۔۔۔ ہیں وہ کہ مجھکو رہتی ہے رغبت گناہ سے
حور و قصور حاصلِ طاعت اگر ہیں شیخ ۔۔۔ تیرا ثواب ہیچ ہے میرے گناہ سے
ساقی کے فیضِ عام سے ہے صوفیوں کو خوف ۔۔۔ لڑ جائے میکدہ نہ کہیں خانقاہ سے

سرور — **سرور** ۔ میرزا عزیز الدین گورگانی۔ ابن میرزا معظم بخت نبیرۂ شاہ عالم۔ آپ علم و ہنر سے بہرہ ور تھے۔ بہادر شاہ کی سب سے عزیز اور لائق بیٹی آغا بیگم صاحبہ کے شوہر تھے۔ اکثر فنون میں دخل رکھتے تھے۔ ہنگامۂ غدر میں موضع بہادر گڈھ سے دہلی میں گرفتار ہو کر آئے اور ساٹھ برس کی عمر میں پھانسی پائی۔ دنیا سے ناشاد و نامراد گئے۔ کلام یہ ہے ؎

شمع رو تو نہ ہو بے پردہ کہ پروانہ صفت ۔۔۔ دیکھ محفل میں ابھی رشک سے جل جاؤنگا
ہوتے ہیں آپ چیں بجبیں بات بات پر ۔۔۔ یہ ڈھنگ ہے تو ہو چکی صورت نباہ کی
یہ بھی سرورؔ ترک کیا چاہتے ہیں وہ ۔۔۔ صحبت جو ہم سے ان سے ہے بیگاہ گاہ کی

سرور — **سرور** ۔ حکیم حافظ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب خلف حافظ عبد اللہ دہلوی۔ آپ خوشگو اور شیریں زبان شاعر ہیں۔ فن سخن میں مولوی سید نذیر حسن صاحب فتنہ عباسی سندیلوی کے شاگرد ہیں اوائل عمر سے شعر گوئی کیطرف رجحان تھا لیکن سنہ ۱۳۳۳ھ میں مدرسۂ طبیہ دہلی سے سند تکمیل حاصل کر کے فن سخن کی جانب متوجہ ہوئے۔ اب تخمیناً چالیس سال کی عمر ہے۔ زبان شستہ بندش چست ہوتی ہے۔ آپ ریاست لوہارو میں بصیغہ طبابت ملازم رہ چکے ہیں۔ اب ریاست نرسنگھ گڈھ میں طبیب خاص کے عہدہ پر ممتاز ہیں خلیق متواضع۔ ملنسار ہیں۔ کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

دیکھا مجھے لیکن غم نہاں نہیں دیکھا ۔۔۔ دل چھیر کے تم نے مرا ارماں نہیں دیکھا
اترا نہ کبھی پیرہنِ حسن بدن سے ۔۔۔ جامہ نے بھی تیرا تنِ عریاں نہیں دیکھا

تو گھر میں رہا بھی تو رہا سب کی نظر میں	پردہ میں بھی ظالم تجھے پنہاں نہیں دیکھا
اللہ رے جوشِ دیدِ دلِ دادخواہ میں	دل سے نکل کے آ گئی حسرت نگاہ میں
اک میں کہ آپ اپنی نگاہوں میں ہیچ ہوں	اک تو کہ خلق رکھتی ہے تجھکو نگاہ میں

جن سے تھا لطفِ زندگی نہ رہے
وہ زمانہ وہ آدمی نہ رہے
ظلم کی کچھ تو حد بتا ظالم
کیا زمانہ میں اب کوئی نہ رہے
اے سرور اب یہی ہے عشق کا قول
غم رہے دل میں اور خوشی نہ رہے

سرور

سرور - میر سرور حسین۔ آپ خوشگویانِ لکھنو سے ہیں تخیل قابلِ داد۔ انداز بیان پاکیزہ ہے۔ صرف ایک شعر دستیاب ہوا ہے جو درج کیا جاتا ہے ؎

نشانِ قیس یوں پایا ملا جب نجد میں ہم کو	کسی جا پرزہ دامن کا کہیں ٹکڑا گریباں کا

سرور

سرور - سخنور سرا باکمال شاعر نازک خیال مقبول۔ بابو جمہور بخشی درگا سہائے سرور آپ سمت ۱۹۲۹ مطابق سنہ ۱۸۷۳ء کو قصبہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت میں ایک سکسینہ کایستھ خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی درس و تدریس سے فارغ ہونیکے بعد اوائل مشق میں مولوی سید کرامت حسین بہار سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ پھر حضرت بیان یزدانی میرٹھی کے انداز کلام پر فریفتہ ہو کر اپنے آپ کو انکا شاگرد معنوی تصور کرنے لگے۔

آپ دورِ موجودہ کے اُن بلند پایہ اور گراں مایہ شعرا میں سے تھے جنکی جدت طرازی اور سحر بیانی نے اُردو شاعری کے مردہ قالب میں ایک نئی روح پھونکنے میں بیش قرار حصہ لیا۔ جذبات اور فطرت کی مصوری میں اُردو نظم ادب کو قابل فخر بنا دیا گو نیچرل شاعری کے موجد ہونے کا سہرا پروفیسر آزاد اور شمس العلما مولانا حالی کے سر رہا۔ لیکن آپ نے نیچرل اور ایشیائی رنگ کو ایسی دلفریب ترکیب سے شیر و شکر کیا کہ اسمیں پھیکے پن کے بجائے انتہا درجہ کی حلاوت اور شیرینی پیدا ہو گئی۔ مناظر قدرت اور واقعیت کی نقاشی میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ مبداء فیاض سے آپ کو ایک درد مند دل عطا ہوا تھا اور

طبیعت میں سوز و گداز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اسلئے جو شعر منہ سے نکلتا تھا۔ دلوں پر نشتر کا کام کرجاتا تھا۔ حب وطن کا جوش اور قومیت کے خیالات انکے کلام کی روح رواں ہیں۔ مگر پھر بھی مغربی استعاروں سے دور بھاگتے۔ اور انہیں ہندوستان کی نیچرل شاعری کے معانی میں داخل کرتے ہیں۔ اسی طرح تغزل کے عامیانہ رنگ سہل پسندی سے انکی طبیعت کو اُنس نہ تھا۔ مخرب اخلاق مضامین۔ دور از کار تشبیہات۔ گل و بلبل۔ زلف و کاکل کی بوسیدہ حکایت سے انکو نفرت رہی۔ صاف سلجھی ہوئی بندشوں نفیس ترکیبوں سے اپنے کلام کو زینت دینے کا خیال رکھتے تھے۔ انوکھی تخئیل کی پرواز اور معنی خیز مضمون آفرینی انکی طبع عرش پیما کا جوہر ہے۔ آپکی اکثر دل آویز نظمیں اردو کے مشہور رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں جو قادر الکلامی و رنگین بیانی پر دال ہیں اور وہ زمانہ۔ ادیب۔ مخزن کے اوراق کی زینت دوبالا کرچکی ہیں۔ غزل گوئی کیطرف آپنے زیادہ توجہ نہیں کی مگر اصل یہ ہے کہ آپکی کوئی نظم شان تغزل سے خالی نہیں جسطرح نظامی گنجہ اور فردوسی طوس کا رہنے والا تھا اسی طرح آپکی ولادت بھی ایک قصبہ میں ہوئی تھی۔ مگر زبان پر کماحقہٗ قدرت حاصل تھی اور خداداد حسن قبول نے آپکی شہرت کو عالمگیر کردیا تھا۔ ایک بڑا وصف یہ تھا کہ یہ اپنی شاعرانہ فطرت سے تخئیل کی معراج کمال تک پہونچ گئے اور انہوں نے کسی سے اصلاح نہیں لی۔ ممتاز ادیب زمانہ و مولانا حسرت موہانی آپکی بابت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ "سرور جہاں آبادی اردو زبان کے ایک ایسے بلند پایہ شاعر تھے جن کی لاجواب نظمیں اردو رسالوں کی زیبائش ہوا کرتی تھیں۔ ہماری نظر سے انکی کوئی ایسی نظم نہیں گذری جسکے پڑھنے کے بعد دل سے بے اختیار تحسین و آفریں کی صدا بلند نہ ہوئی ہو۔ نسیم لکھنوی کی مرگ بے ہنگام کے بعد یہ دوسرا سانحہ ہے جسکا ماتم دنیائے ادب کے ہر گوشہ میں ہوگا۔ اگر سرور کی زندگی وفا کرتی تو خدا جانے انکی شاعری کا مرتبہ کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا۔ اس قلیل مدت میں جو کچھ وہ کرگئے وہ بقائے دوام کی سند حاصل کرنیکو کافی ہے"

کچھ عرصہ تک آپ ایک رئیس زادہ کے اتالیق رہے۔ پھر دو تین سال تک رسالہ زمانہ کے دفتر میں مامور رہے۔ شاعری کے سوا فن طب میں بھی دخل تھا۔ مگر بدقسمتی سے ہمیشہ پریشان روزگار رہے اور سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیش بہا کلام کو کوڑیوں کے مول فروخت کیا۔ اور ہندوستان کے جادو مقال شاعر کالی داس کی نظموں کو اردو لباس پہنا کر ایسے لوگوں کے نام سے منسوب کیا جو اسکی باریک بینی، نازک خیالی و لطافت سمجھنے سے بھی قاصر تھے۔

آپ نہایت راست باز، منکسر المزاج، حلیم الطبع، متواضع شخص تھے۔ عین عالم شباب میں اپنی بیوی اور اکلوتی جگر گوشہ کی حسرتناک وفات کا پے در پے صدمہ پہنچا جو تا دم مرگ کلیجہ کا داغ بنکر رہا۔ اسی زمانہ میں کچھ اقتضائے طبیعت سے اور کچھ تخلص کی مناسبت سے شراب ناب سے غم غلط کرنے لگے جو بڑھتے بڑھتے قبل از وقت موت کا باعث ہوئی۔ دوران مرض میں شراب کی سخت احتیاط کیجاتی تھی جب ایک روز خدمتگار نے بجائے شراب کے مرحوم کو پانی کا گلاس دیا تو ہنسے اور یہ فرمایا ؎

بجائے مے دیا پانی کا اک گلاس مجھے	سمجھ لیا مرے ساقی نے بدحواس مجھے

افسوس صد افسوس کہ ۲ ماہ دسمبر ۱۹۱۰ء میں اردو کا سرمایۂ ناز شاعر اس دار فانی کو خیرباد کہکر دار السرور خلد کو روانہ ہوا۔ حضرت شوکت بلگرامی نے اس مصرعہ سے تاریخ وفات نکالی ع۔ گفت شوکت سرور رحلت کرد۔

آپکا کلام موسوم بہ "جام سرور" وفات حسرت آیات کے چند ہی روز بعد رسالہ ادیب الہ آباد کے پریس میں طبع ہو کر شائقین کے ہاتھوں تک پہنچا۔ مرحوم کو اپنے کلام کی اشاعت کا بیحد ارمان تھا۔ پروف صحیح کرنیکے لئے الہ آباد کو جانیوالے تھے کہ پیام اجل آگیا۔ آپکی نظمیں زندۂ جاوید یادگار ہیں ؎ برق

نقش باطل ہو نہیں سکتا کبھی نام سرور	دہر میں جب تک رہیگی گردش جام سرور

محشر نے تاریخ کہی ؎

ختم کر محشر بس اتنا لکھ کے نظم تعزیت | اب ملیگی مشکلوں سے مرنیوالے کی مثال

آپ نے ۳۷ برس کی عمر پائی میکدۂ معانی کے دور یہ ہیں ؎

کسی مست خواب کا ہی عبث انتظار سو جا | کہ گذر گئی شب آدھی دل بے قرار سو جا
یہ تری صدا نہ اُلٹے مجھے متہم نہ کر دے | مرے پردہ دار سو جا مرے رازدار سو جا
ابھی دہان پان ہی تو نہیں عاشقی کے قابل | یہ تپش کا آہ شیوا نگر اختیار سو جا
تجھے جنکا ہی تصور ارے مست جام الفت | نہیں آنکھڑیوں کے صدقے مرے بادہ خوار سو جا
تجھے پہلا سابقہ ہے شب غم بری بلا ہے | کہیں مر مٹے نہ ظالم دل بیقرار سو جا

ادیبات

شیشوں میں جھلکتی ہے مئے ناب نظر[۱] | ہوں آکے شریک بزم احباب نظر
ہے نور نگاہ دیدۂ شوق وہ ادیب | آنکھوں سے لگائیں کیوں نہ ارباب نظر

دیگر

اتری ہے فصاحت کی پری شیشوں میں | یا نطق کی ہے جلوہ گری شیشوں میں
اوراق ادیب میں ہیں اشعار سرور | یا ہے مئے لالہ گوں بھری شیشوں میں

دیگر

اے محو نشاط سونے والو اٹھو | سرمایۂ عمر کھونے والو اٹھو
آتی ہے وہ قافلہ سے آواز جرس | نکلا خورشید سونے والو اٹھو

وحدت

حسرت کش تکلم ہے آہ اک زمانہ | ہے شیخ و برہمن کے لب پر ترا فسانہ
وحدت کا آہ تیری میں بھی سنوں ترانہ | کچھ سوز عاشقانہ کچھ ساز مطربانہ

ردے میں بانسری کے مجھکو صدا سنا دے
بنسی بجانیوالے وحدت کا گیت گا دے

خاک وطن

آہ اے خاک وطن اے سرمۂ نور نظر | آہ اے سرمایۂ آسایش جان و جگر
تیرے دامن میں شگفتہ تھے کبھی قدرت کے پھول | گندہ رہتے تھے تری چوٹی میں کبھی وحدت کے پھول
جب تمدن کا بندھا عالم میں شیرازہ نہ تھا | شاہد قدرت نے جب رخ پہ ملا غازہ نہ تھا

[۱] لہ شیشوں [illegible] ادیب [illegible]

بادۂ تہذیب سے خالی تھا جب یورپ کا خم — ایشیا کا آہ جب بیڑا تھا تاریکی میں گم
جب نہ تھی یونان میں علم و ہنر کی روشنی — جلوہ افروز خرد تھی تیرے گھر کی روشنی
آہ اے خاک وطن اے جوہر کان علوم — آہ اے شمع ادب اے ابر نیسان علوم
اڑ رہا تھا پرچم شوکت ترا افلاک پر — سرنگوں ہے تیری عظمت کا نشاں اب خاک پر
جھلملا کر بجھ گئے سب تیرے ایوان کے چراغ — ہیں جگر کے داغ اب تیرے شبستاں کے چراغ
پھر بھی اے خاک وطن اف ری وفاداری تری — چار سو ہے دہر میں نہر کرم جاری تری
تیرے جنگل اب بھی ہیں خاک وطن مہماں نواز — تیرے پتلے ہیں وہ قدرت کی ادا کے جاں نواز

اے آب رود گنگا اف ری تری صفائی — یہ تیرا حسن دلکش یہ طرز دلربائی
تیری تجلیاں ہیں جلوہ فروش سینہ — تنویر میں ہے تیری اک شان کبریائی
جمنا تری سہیلی گو ساتھ کی ہے کھیلی — اس میں مگر کہاں ہے تیری سی جاں فزائی
اے نازش زمانہ اے نقش ناز عصمت — بھارت کی پاک دیوی تو ہی ہماری مائی
او پاک نازنیں او پھولوں کی گوندھنے والی — سرسبز وادیوں کے دامن میں بہنے والی
حسن غیور تیرا ہے اے نشاط ہستی — تو مخزن عفت ہے اور پاکباز ہستی
ہندوستان ہے اک دریائے حسن قدرت — اور انہیں پنکھڑی ہے تو خوش نما کنول کی
نکلی ہمالیہ سے محو خروش ہو کر — تو آہ تشنہ لب تھی وہ جلوۂ ازل کی
کرتی ہوئی زمیں پر موتی نثار آئی — درشن کو آہ بھر کے تو ہردوار آئی

وہ نگاہ شرمگیں وہ عرض منت کے مزے — وہ سکوت افزا تبسم وہ محبت کے مزے
شوخی حسن جنوں زا مانع زنجیر شوق — نیچی گردن میں حمائل دست دامن گیر شوق
راز الفت کے وہ پیغام نہانی ہائے ہائے — سرگذشت دیدہ و دل کی کہانی ہائے ہائے
آہ جمنا اب کہاں وہ داستان حسن و عشق — نقش عبرت اب ہیں فرسودہ نشان حسن و عشق
آہ اے میری کتاب میرے بچپن کی رفیق — عالم طفلی سے ہمدم میری غمخوار و شفیق

نطق کے پھولوں یہ اندازِ رعنائی کہاں ہے
یہ سکوتِ روح پرور یہ مسیحائی کہاں
تم غذائے روح ہو تم صیقلِ اخلاق ہو
صفحۂ دانش یہ گویا جدولِ اخلاق ہو

شمع و شاعر

اے شمع اے حدیثِ سوزِ غمِ نہانی ہے
بھاتی ہے دل کو تیری حسرت بھری کہانی
تیری طرح ہوں میں بھی سرگرمِ نوحہ خوانی
میرے نصیب میں بھی ہے سوزِ جاودانی

پروانگی تجھے دی قدرت نے سوزِ جاں کی
سینہ میں آگ رکھدی میرے غمِ نہاں کی

راتوں کو جسطرح تو جلتی ہے انجمن میں
جلتا ہوں میں بھی یوں ہی سوزِ غمِ وطن میں
لپٹے ہوئے ہیں شعلے دونوں کے پیرہن میں
آتش بجاں ہیں دونوں اس محفلِ کہن میں

یعنی گدازِ الفت دونوں کے ہی دلوں میں
دونوں کی روشنی ہے دنیا کی محفلوں میں

اک کھیل امتحاں تھا سوزِ غمِ فنا کا ئ
دونوں کو رفتہ رفتہ برقِ ازل نے تاکا
درماں زمانے کے آخر اس دردِ لادوا کا
دی تجھکو آگ غم کی شعلہ مجھے وفا کا

تصویر کھینچ دیں دو سوزِ غمِ وطن کی
اک سوزِ انجمن کی اک سوزشِ وطن کی

شفق

سکوتِ شام میں ہے جلوہ بہارِ شفق
کنول کے پھول ہیں یا زینتِ کنارِ شفق
خوشا وہ عالمِ طفلی خوشا وہ موسمِ گل
خوشا وہ دن کہ میں تھا محوِ انتظارِ شفق
کہاں وہ ذوقِ تماشا کہاں وہ ابرِ بہار
لہو کی بوند ہے اب دل میں یادگارِ شفق
کدھر گئی وہ گل افشانئے عروسِ فلک
بہت دنوں سے ہوں حسرت کشِ بہارِ شفق
شباب بن کے میں طفلی کی نیند سو جاؤں
نسیم دے مجھے لوری لبِ کنارِ شفق

شاعر

آہ او ننھے سے کیڑے نازشِ صحرا ہی تو
شعلہ زارِ حسن کی چھوٹی سی اک دنیا ہی تو
کچھ عجب عالم ہی تیرے حسن کے انداز کا
شرح ڈورا ہے کسی صنمِ فسوں پرداز کا

گل بداماں ہے شفق میں شعلۂ تنویرِ حسن
خونِ عاشق یا زمیں پر ہے گریباں گیرِ حسن

جلوۂ گل ہے قبائے وادیٔ پرخار میں
سرخ تکمہ ہے قبائے سبزۂ کہسار میں

محضرِ خونِ شہیداں ہے ترا دامانِ سرخ
یا ہے خونِ کشتگانِ عشق کا عنوان سرخ

سبزۂ کہسار نے یا لعل ہے اگلا کوئی
چن رہی ہے پھول یا دوشیزۂ رعنا کوئی

برف

زمیں پہ برف زمستاں ہے تا بزانو آہ
لبِ نسیم پہ ہیں نالہائے دلجو آہ

کہو کہ چرخ کا گھنٹہ ذرا سنبھل کے بجے
صدا ہو دھیمی کہ [illegible] سل سل کے بجے

تمام سالِ گزشتہ ہوا دریغ دریغ
رفیق مجھ سے ہوا اک جدا دریغ دریغ

دل

پھولوں میں لے کے دل تجھکو چھپا کر
سورج کی کرنوں سے بچا کر

دن بھر تیری کی رکھوالی
تجھ پہ کسی نے آنکھ نہ ڈالی

شام سے کیوں ہے مضطر سوچا
پھولوں کے بستر پر سوچا

حسرت لے کے عنفوانِ برنائی
رخصت لے کے کاروانِ رعنائی

لے وہ سودائے خط و خال کہاں
نہ وہ ہم ہیں نہ وہ خود آرائی

گلِ رخساریوں ہے پژمردہ
جیسے کلیاں چمن میں مرجھائی

جسم لے موجِ رعشۂ پیری
اپنی کشتی بھنور میں چکرائی

روٹھ کر چلدیا جسم سے شباب
اُف یہ کس کی ادا نے کیا کمائی

حیف تیری نہ قدر کی ہم نے
کھو کے آئی سمجھ تو کیا آئی

یہ آخری گلاب کا ہے یادگار پھول
اور شاخ پر کھلا ہوا تنہا چمن یہ ہے

بیکس غریب فرقتِ احباب میں ملول
دھندلا سا اک چراغ سرِ انجمن یہ ہے

نوحہ سوامی رام تیرتھ

کون سا بھوتی ہے گنگا تیرے دامن میں نہاں
قطع ہے قامت پہ کیسے پیارا آبِ رواں

حلقۂ گرداب ہے کیوں آہ چشمِ خوں فشاں
کیسی ماتم میں لہریں ساحل پر ہے گرمِ فغاں

تیری موجوں نے یہ کسکو لے لیا آغوش میں
جوشش گریہ کا عالم ہی ترے سرجوش میں

منزل خور میں ہے ذرہ خلوت آرا کونسا
آشنا بحر حقیقت کا ہی ایسا کون سا

دوش بر دوش صدف ہی دُر یکتا کونسا
ہوگیا دریا میں دریا مل کے قطرا کونسا

صد حیف اُٹ کر کون یہ بزم جہاں سی اُٹھ گیا
شمع و پروانہ کا جھگڑا درمیاں سی اُٹھ گیا

خلد سے کسکے لینے کو قضا آئی ہوئی
ڈوبتی ہے کسکی کشتی آج چکرائی ہوئی

ساحل گنگا پہ ہے غم کی گھٹا چھائی ہوئی
موج قسمت کیطرح اک اک ہی بل کھائی ہوئی

آشنا دریا سے قطرہ کون سا ہونیکو ہے
اشتیاق مہر میں شبنم فنا ہونے کو ہے

جاں نثار قوم ایسا غرق طوفاں آہ ہو
ایسا مجموعہ تصوف کا پریشاں آہ ہو

ایسا جانباز وطن آنکھوں سے پنہاں آہ ہو
بے چراغ اے قوم یوں تیرا شبستاں آہ ہو

داغ ہے تیرے جگر کا تیری منزل کا چراغ
بجھ کے ہو پانی میں ٹھنڈا تیری محفل کا چراغ

آہ اک تشنہ لب ذوق تمنا ہائے ہائے
کھا کے طوفان حوادث کا تھپیڑا ہائے ہائے

ہو غریق رحمت حق۔ رام گنگا ہائے ہائے
تیری موجوں میں ہو گم اک دُر یکتا ہائے ہائے

ہائے اب کیا کہہ کے سمجھائیں دل ناکام کو
رم رہا ہے رام میں لائیں کہاں سے رام کو

جنم بھومی کی جدائی

ہمراہ اپنے بن کو مجھے ناتھ لے چلو
نازک ہی میرا شیشۂ دل ٹوٹ جائیگا
قسمت نے جب کہ باپ کے گھر سے کیا جدا

دیکھا تمہارے چرنوں کی ہوں ساتھ لے چلو
چھوٹا تمہارا ساتھ تو جی چھوٹ جائے گا
سوامی مجھے نہ تم نے نظر سے کیا جدا

پتلی کیطرح آنکھوں میں شام وسحر رہے
پہلو میں بن کے صبر و شکیب جگر رہے

ہمراہ بن کو ناتھ مری روح جائیگی
سایہ کی طرح ساتھ مری روح جائیگی

گھر میں جو چھوڑ جاؤ گے سیتا غریب کو
پاؤگے بن سے آکے نہ جیتا غریب کو

شوہر بغیر قالب بیجان ہے آہ زن
شمع خموش خانۂ ویران ہے آہ زن

یوں ہی تمہارے ساتھ پھرونگی میں بن میں خوش
بھونرا کلی کلی پہ ہو جیسے چمن میں خوش

پیتا مبر سمجھ کے درختوں کی چھال کو
آراستہ کروں گی قدِ نونہال کو

سبزہ بنا کے لائیگا بستر مرے لئے
جھولا جھلانے آئے گی صرصر مرے لئے

پلکوں سے راہِ دشت کو جھاڑا کرونگی میں
داسی ہوں لیجلو مجھے سیوا کروں گی میں

نہ ہم نفس ہے نہ ہے کوئی غمگسارِ وطن
وطن کی یاد ہے غربت میں یادگارِ وطن

وطن سے لیکے صبا کچھ پیام آئی ہے
کہ آرہی ہے اُڑائے ہوئے غبارِ وطن

زمیں پہ گر نہ پڑوں میں غریب غش کھا کر
سنبھال اٹھ کے مجھے دردِ انتظارِ وطن

پھولوں کا کنج دلکش بھارت میں اک بنائیں
حبِ وطن کے پودے اسمیں نئے لگائیں

خونِ جگر سے سینچیں ہر نخلِ آرزو کو
اشکوں سے بیل بوٹوں کی آبرو بڑھائیں

مل مل کے ہم ترانے حبِ وطن کے گائیں
بلبل ہیں جس چمن کے گیت اس چمن کے گائیں

سرور

سرور ۔ سید کاظم حسین رضوی خلف سید ظفر علی حسن ۔ آپ مہدی حسین خاں آباد لکھنوی کے تلامذہ میں سے تھے ۱۸۷۴ء میں زندہ وسلامت موجود تھے ۔ فکر صائب اور ذہن عالی رکھتے تھے ایک دیوان اور رسالۂ علم قرات انکی تصنیف سے ہیں ۔ کلام یہ ہے ؎

مر گیا دیکھ کے میں چاند سے رخ پر گیسو
منزلِ ملکِ عدم کے ہوئے رہبر گیسو

مشکِ نافہ بنا ہر ایک حباب دریا
ہاتھ سے اسنے نچوڑے جو نہا کر گیسو

ہم بھی مشتاق ہیں موسیٰ کیطرح جلوہ کے
رخ پر نور دکھاؤ تو اٹھا کر گیسو

ہو گیا طائر دل اپنا گرفتار سرور
دام کیطرح نظر آئے جو رُخ پر گیسو

سرور

سرور - نواب محبوب علیخاں صاحب - آپ حیدرآباد کے رؤسائے عظام سے ہیں فن شعر میں مہاراجہ سرکشن پرشاد کے شاگرد ہیں - گو ابھی مشق سخن کم ہی ہیں مگر آغاز شاعری میں اچھے اچھے شعر نکالتے ہیں - طبیعت میں رسائی ذہن میں ذکاوت ہے - کلام یہ ہے ؎

دوست بدظن کہ عدو بر سرِ پیکار نہ تھا ؎
لب مری چشم تمنا میں نہاں خار نہ تھا

سنبھالے تیغ وہ آتا ہے قاتل
نکل جائے گا تیرا حوصلہ دل

گالیوں سے بھی بدمزہ نہ ہوا
کیسی میٹھی ہیں یار کی باتیں

ہمیں پر زور چلتے ہیں یہ زاہد
ذرا مسجد سے کھینئے قبلہ رو ہو ؎

وہ پہلو سے اٹھکر مرے کیا گیا ہے
کلیجا سا بیٹھا کوئی جل رہا ہے

ضبط نے میری شرم رکھلی آج
دل کی بیتابی پردہ در نہ ہوئی

روز و شب عشق میں اسطرح گذاری ہم نے
دن کو تنکے چنے شب کو گنے پیارے تارے

سروش

سروش - شیخ مراد علی مرحوم - آپ حضرت ناسخ کے زمرۂ تلامذہ سے تھے کلام میں پختگی ہے - مضمون بندی اور صفائی زبان کے اعتبار سے متوسط درجہ کے شعرا میں تھے ایک غزل کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

بچ گئے اب کے اگر عشق کے آزار سے ہم
دل لگا بیٹھیں گے نہ پھر ایسے ستمگار سے ہم

تیر کیوں مارتا ہے تیغ سے کر قتل ہمیں
عشق رکھتے ہیں فقط ابروئے خمدار سے ہم

ٹھنڈی سانسیں نہ بھریں گھڑی کیونکر اے دل
سخت جلتے ہیں تری گرمیٔ بازار سے ہم

دل دیا جسکو سروش اپنا وہی دشمن ہے
رکھیں امید وفا کیا کسی دلدار سے ہم

سروش

سروش - صاحبزادہ عبدالوہاب خاں نبیرۂ غلام محمد خاں والئی رامپور - معاملہ اور زبان لکھتے تھے - آپ فن سخن میں غالب و مومن کے شاگرد تھے - خلیق - بامروت - ذی وجاہت امرا میں آپکا شمار تھا سنہ ۱۸۸۸ء میں ۵۵ برس کی عمر تھی - شعر خوب کہتے تھے طبیعت نرالی اور فکر عالی تھی

نمونہ کلام یہ ہے ؎

شکلِ آئینہ جو خالق مجھے پیدا کرتا — وہ مجھے دیکھتے اور میں اُنہیں دیکھا کرتا
تھامتا دل کو کہ آنکھوں کو نہ روتے دیتا — ایک میں جھگڑے ہزاروں کہو کیا کیا کرتا
قتلِ عالم کو کیا ایک نظر میں تُو نے — کون باقی ہے ستمگار جو پُرساں ہوتا
ہیہات بیکلی سے وہ اب ہاتھ دلیہ ہے — رہتی تھی جسمیں اُنکی کلائی تمام رات
سرکا ذرا اپنا مرے زانو پہ نہ رکھو — سو بھی رہو جاکر وہیں جاگے ہو جہاں رات

سرپر

سرپر۔ سید محمد عباس صاحب کا تاریخی نام منظور علی ہی۔ آپ میر رستم علی مرحوم کے فرزند ہیں اور ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوے۔ ابتدائے سن شعور سے شعر گوئی کا ذوق تھا۔ آپکے والد بھی قدیم روش کے شاعر تھے۔ آغازِ سخن گوئی میں اپنا کلام حضرت شمشاد لکھنوی اور حضرت جلیل کو دکھاتے رہے۔ پھر حضرت شفق عمادپوری سے اصلاح لینے لگے آپکا دیوان مسمیٰ بہ نظم "دل فگار" مرتب ہو چکا ہے۔ زبان صاف اور بندش چست ہوتی ہے۔ تخئیل پاکیزہ۔ اور طرز بیان دلکش ہی۔ کلام کا انتخاب یہ ہی ؎

یوں تو ہونیکو کیا نہیں ہوتا — بے وفا باوفا نہیں ہوتا
حشر میں بھی وفا ترا وعدہ — دیکھیں ہوتا ہے یا نہیں ہوتا
جس کو چاہا وہی ہوا دشمن — آشنا۔ آشنا نہیں ہوتا
اے خضر حیات آپکی ہی موت سی بدتر — وہ بھی کوئی جینا ہے کہ مرنا نہیں ہوتا
دل دیکے پری زادوں سے مانگا نہیں جاتا — یہ قرض وہ ہے جسکا تقاضا نہیں ہوتا
ہی ہوائے دید سر میں انتظار آنکھوں میں ہی — دل تڑپتا ہے نظر بھی بیقرار آنکھوں میں ہے
ابر سر پر۔ ہاتھ میں ساغر خمار آنکھوں میں ہی — چشم بد دور آج اے ساقی بہار آنکھوں میں ہے
سارے عالم کی نگاہوں میں پھرا کرتا ہی تو — ایک ہی صورت ہی تیری جو ہزار آنکھوں میں ہے
نشۂ عرفاں کی مستی کو تُو اے زاہد نہ پوچھ — پی تھی وہ مے آج تک جسکا خمار آنکھوں میں ہے

نیند آئے تو جگہ پائے کہاں فرقت کی رات / پانوں پھیلائے کسی کا انتظار آنکھوں میں ہے

عوض حوروں کے یا رب وہ حسیں مجھکو عنایت ہو / نبیگی خلد میں اچھی طرح انساں سے انساں کی

وہ بیکس ہوں مجھے صبح وطن کا لطف دیتی ہے / سیاہی شام غربت کی اُداسی وحشت ویراں کی

حیا سے پردہ والی آبرو اسکی خدا رکھے / چھپی بیٹھی ہے چلمن ڈالکر آنکھوں میں مژگاں کی

سریر اک چشم جادو میں ہے چاروں جمع بیاں دیکھیں / غضب چتون۔ بلا غمزہ نگہ ترچھی۔ ادا بانکی

سماں گور غریباں کا اُداسی شمع تربت کی / ہوں آنکھیں جسکی آکر دیکھ لے تصویر عبرت کی

مقدر ساتھ ساتھ اپنے مجھے رکھتا ہے چکر میں / مرے پاؤں کو بھی گردش ملی ہے میری قسمت کی

ہم ہٹا سکتے نہیں زخم جگر سے پھاہا / اے ستمگر تری بیداد کا پردا ہے یہی

خاک میں دل کو ملا کر وہ کسی کا کہنا / ہم نہ کہتے تھے محبت کا نتیجہ ہے یہی

میں جو روتا ہوں تو ہنس ہنس کے وہ کہتے ہیں سریر / وہ سزادار تجھے ہے مجھے زیبا ہے یہی

سریر

سریر۔ کابری گیاوی۔ صوبہ بہار کے نازک خیال شعرا میں سے ہیں نواب امداد امام اثر عظیم آبادی۔ رضا علی وحشت۔ شفق رضوی عماد پوری نے انکو بلبل بہار کا لقب عطا کیا ہے نمونہ کلام یہ ہے ؎

برستے ہی رہے اشکوں کے باراں دیدۂ تر سے / اُبلتے ہی رہے طوفاں پہ طوفاں اس سمندر سے

یہ فرطِ ناتوانی سے تن لاغر کا عالم ہے / شکن بستر کی ہو لپٹی ہوئی جسطرح بستر سے

چمن سے خانۂ صیاد میں تقدیر لائی ہے / خدا جانے کہاں لیجائیگی صیاد کے گھر سے

مزے آٹھوں پہر لیتا ہوں میں بیتابی دل کے / کوئی رہ رہ کے گویا چھیڑتا ہے دلکو نشتر سے

کئے ہیں جرم بیحد ہو نہیں سکتا حساب آنکا / کیا بیخوف مجھکو کثرت عصیاں نے محشر سے

غضب کی سادگی ہے بانکپن ہے کس قیامت کا / ادا ٹپکی پڑی نکلی ترے پھولوں کے زیور سے

یہ مطلب ہے کہ اب آنے نہ پائے نامہ بر کوئی / سریر اسنے لکھا ہے مجھکو خط خون کبوتر سے

سریر

سریر۔ منشی رحمت اللہ صاحب۔ باشندہ بنارس۔ جناب رحمت بنارسی سے تلمذ ہے

پندرہ بیس برس سے شاعری کا شوق ہے۔ کلام میں آب و تاب اور ہر شعر نمونۂ شباب ہے زبان کی سادگی طبیعت کی جدت اور اختراع قابلِ تحسین ہے۔ انتخاب کلام یہ ہے ؎

فاش ہو جائے نہ کیوں رازِ نہانِ اہلِ درد — بن گیا غماز خود شور و فغانِ اہلِ درد
ٹھوکروں سے کیوں مٹاتا ہے ستمگر بار بار — اب بجز تربت نہیں کچھ بھی نشانِ اہلِ درد
تحمل چاہیے عشقِ صنم میں — سریرا اس درجہ گھبرانا ستم ہے
ترا کوسنا یا رجاں بخش لب سے — مجھے زندگی کی دعا ہو رہا ہے
یہ ابتدائے محبت یہ نالہ و فریاد — سریر تم سے اسی منہ سے عاشقی ہوگی

سطوت۔ عالیجناب نواب محمد تقی علیخاں بہادر المخاطب نواب مجید الدولہ بہادر۔ آپ حضرت محمد علیشاہ بادشاہ اودھ کے پوتے اور لکھنؤ کے وثیقہ دار امرا میں سے تھے۔ پہلے حضرت لطافت خلف امانت مرحوم سے اصلاح لیتے رہے۔ انکے انتقال کے بعد جناب فصاحت سے مشورہ سخن فرمانے لگے۔ ذی علم اور صاحب استعداد شخص تھے۔ آپکے کلام میں جہاں تشبیہات کی زیبایش پر تکلف استعارات کی آرایش ہے۔ وہاں بیساختہ پن اور سادگی بھی ہے معاملہ بندی اور حسن و عشق کے چوچلے نادر مضامین اور چست بندشیں حسن کلام کا زیور ہیں۔ دیوان چھپ گیا ہے اور اسکا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے ؎

جواب خط نہ لایا نامہ بر تو کچھ نہیں شکوہ — نکلنا ہی سلامت کوچۂ جاناں سے مشکل تھا
جو اے دل آنکھ سے آنسو نکل جاتا تو کیا ہوتا — یہ سیلاب آب کو ترسے نکل جاتا تو کیا ہوتا
وہ آئے تھے عیادت کو کچھ ان سے بات کر لیتا — ذرا تو اے دلِ مضطر سنبھل جاتا تو کیا ہوتا
وہ مجھکو قتل کرکے زباں سے نہ کچھ کہیں — پر دل میں کہتے ہوں گے کہ یہ بے قصور تھا
بیکسی میں بھی رہی مہر وفا میرے بعد — سلسلہ قطع محبت کا ہوا میرے بعد
میں وہ بلبل ہوں کہ گل چاک گریباں رہے — خاک اڑاتی پھری گلشن میں صبا میرے بعد
نہ رہا عاشق و معشوق میں الفت کا مزا — اور ہی ہو گئی دنیا کی ہوا میرے بعد

شب کو پہلو سے اٹھا جبکہ خفا تو ہو کر
لطف حاصل یہ ہوا عاشق گیسو ہو کر

نہ نزاکت ہی جو آئے مجھے بوسہ کا خیال

بس بس اے جوشش گریہ ٹھہر اسد رہ نہ بڑھ

پاؤں رکھتے ہیں کہ چل کوچۂ جاناں کی طرف

ہمارے ہاتھ بھی پہنچنے لگے گریباں تک

ہجوم غم نے مرے ملک دل میں آ کے کہا

صدمے ہیں ہم سے ہوا کے جھونکوں کو

ساتھ چھوڑا دوستوں نے ہیں چلا سوئے عدم

صدا دیتے ہیں ہم بازار الفت میں نکلتے ہیں

غبار آزار کے میرا اسکے دامن سے لپٹا ہے

کسی نے گر مجھے پوچھا تو بولا اسکے وہ قاتل

دہن کو اور زباں کو تیری اے دلبر سمجھتے ہیں

دست گستاخ مرے وصل میں بڑھتے جاتیں

کاندھا ہو دنیا اگر اے یار نہیں ہے منظور

قتل کرتے ہو اگر منہ نہ پھیراؤ صاحب

ہماری جان نکلتی ہے یوں جوانی میں تو

خضر بھی اسکے خط سبز پہ شیدا ہوتے

تو جو آیا ہے مرے ساتھ لئے سیر چمن

ہاتھ اک لگا تیرے اور یکہ قصہ تمام ہوا

مٹا کے خاک کیا خاک کو کیا ہو یاد

حسرتیں دل کی ٹپکنے لگیں آنسو ہو کر
زخم دل میرے مہکنے لگے خوشبو ہو کر
رنگ اسکے گل عارض کا اڑے بو ہو کر
دل مرا آنکھ سے بہہ جائے نہ آنسو ہو کر

وحشت دل لئے جاتی ہے بیاباں کی طرف

جنوں دن آ گئے فصل بہار کے نزدیک
خوشی نہ آئیگی اب اس دیار کے نزدیک

گل جو شمع مزار کرتے ہیں

راہ ایسی ہے کوئی ہمراہ چلتا ہی نہیں

کوئی معشوق لے بوسہ تو اپنا دل بدلتے ہیں

جو وہ گور غریباں کی طرف ہو کر نکلتے ہیں
سجدہ میں پاؤں پھیلائے ہوئے آرام کرتی ہیں

اسے کوثر تو اسکو ماہی کوثر سمجھتے ہیں

ہے مزا گالیاں تم مجھکو سناتے جاؤ
ایک ٹھوکر ہی غبارے کو لگاتے جاؤ
اپنی صورت بھی تو عاشق کو دکھاتے جاؤ

بہار میں گل تازہ کی جیسے بو نکلے

لب جاں بخش پہ مرتے جو مسیحا ہوتے

دیکھا اسنے گل شمع میں کیا کیا ہوتے

قاتل چلا ہے چھوڑ کے بسمل نیم جاں مجھے

فلک تو سمجھ ابھی تک غبار باقی ہے

نکالے خوب وقت ذبح میں نے حوصلے دل کے — وہاں زخم سے بوسے لئے شمشیر قاتل کے
دل سوزاں سے دم گریہ نہ کیوں نکلے آہ — آگ پانی سے جو بجھتی ہے دھواں ہوتا ہے
خوش نما اس مصحف عارض پہ ہے خط سیاہ — آبنوسی رحل کیا زیبا ہے قرآں کے لئے
شمع کہتی ہے کہیں غم ہو کہ شادی مجھکو کیا — ہر جگہ جاتی ہوں میں آنسو بہا نیکے لئے
میں تو کوچہ میں تمہارے نالہ کش بیٹھا رات بھر — پاسباں رکھتے ہو ناحق غل مچا نیکے لئے
بند آنکھیں ہیں نہیں کچھ ہوش ہے ہنگام ذبح — آئے ہیں اچھے وقت وہ صورت دکھا نیکے لئے
دور ساغر میں کوئی جام جو مجھکو نہ ملا — ہنس کے ساقی نے کہا گردش قسمت تیری
جلانے کو ہمارے غیر کے اشک — کسی نے پونچھے اپنی آستیں سے

سعد ۔ منشی جوالا ناتھ صاحب ۔ آپ ریاست جیپور سے پنشن پاتے ہیں اور قانون گریان اجمیر کے منیب ہیں ۔ باوجود پیرانہ سال ہونیکے شوخ طبع اور ادا بند ہیں ۔ زبان صاف شستہ ہے ۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

بھول کر بھی نہ گیا پھر وہ سوئے دیر حسن — جس نے کوچہ ترا اے رشک گلستاں دیکھا
آدمی کیا کہ فرشتے کو بھی اے آئینہ رو — تیرے اس حسن خداداد کا حیراں دیکھا
وصل میں ضعف بڑھ گیا انکی حیا کو دیکھکر — پڑ گئی دل میں گرہ بند قبا کو دیکھکر
تھام کر دل اپنا اپنا رہ گئے سب اہل بزم — یار تیری دلربائی کی ادا کو دیکھکر
گرم صحبت دختر رز سے نہ کیوں ہو آج سعد — صبر کب ممکن ہے زاہد اس گھٹا کو دیکھکر
حیا کا کام کیا کھل کھیل اے شوخ — دم خلوت ہے تو ہے اور میں ہوں
جلے دشمن نہ کیونکر رشک سے سعد — مرے گھر شمع رو ہے اور میں ہوں

سعدی ۔ آپ احمد آباد گجرات کے رہنے والے اور شاہ پوران کے خاندان سے مشہور تھے ۔ شیخ عبداللہ کرمانی کے بیٹے ۔ شیخ عنایت اللہ سے تحصیل علم کی اور انہیں سے شعر و سخن میں استفادہ حاصل کیا ۔ بعض تذکرہ نگار غلط فہمی سے نظم اردو کی تاریخ میں انکو پہلا ریختہ گو

بتاتے ہیں۔ آپ اپنے کلام کو شیخ سعدی شیرازی سے بہتر جانتے تھے اور اسی بنا پر سعدی تخلص اختیار کیا تھا۔ مولنا نساخ اپنے تذکرہ میں انکو ولی دکنی کا ہم عصر قرار دیتے ہیں مگر تاریخ اور واقعات اسکی تائید کو تیار نہیں ہیں۔ خزینۂ علوم کا مصنف لکھتا ہے کہ آنکی وفات کو چار سو برس کا زمانہ گذرا۔ شیخ قیام الدین قایم مخزن نکات میں تحریر فرماتے ہیں کہ سعدی شیرازی نے دکن کے سفر میں دکھنی زبان میں کچھ شعر کہے تھے۔ شاہ کمال الدین حسین اور میرزا رفیع سودا نے قایم کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ صاحب تذکرۂ شمیم سخن رقم طراز ہیں کہ سعدی دکھنی امیر خسرو کا ہم عہد تھا اگر اسے درست سمجھا جائے تو کیا عجب ہے کہ سعدی شیرازی ہی ہوں۔ مولانا حالی حیاتِ سعدی میں لکھتے ہیں کہ بعض اشخاص مشہور درسی کتاب "بوستاں" کو بھی سعدی ہندی کیطرف منسوب کرتے ہیں یہ کریما، درسی کتاب جو مشرق میں تمام بچوں کو پڑہائی جاتی ہے اسکے متعلق فصحائے ایران کا خیال ہے کہ یہ شیخ جیسے باکمال کی نہیں ہوسکتی کسی دوسرے سعدی کی ہوگی بعض لوگ اسے سعدی دکھنی کا نتیجۂ فکر بتاتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ ایسا ہو کیونکہ آپ اردو کم اور فارسی بیشتر کہتے تھے۔ اسی شبہ میں ایرانی مطابع نے کلیات شیخ کے ساتھ "کریما" کو شامل نہیں کیا ہے۔ آپ نے سو برس سے زیادہ کی عمر پائی۔ کلام کی بہت جستجو کیگئی۔ قدیم تذکروں کی ورق گردانی کے بعد تذکرہ شوق سے دو شعر دستیاب ہوئے ہیں جو یہ ہیں ؎

ہمنا تمن کو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا	تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے
سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ	در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

سعادت — جناب شاہ سعادت مند خانصاحب رئیس آنولہ۔ اعتصام الدولہ کے شاگرد تھے۔ یہ دو شعر انکے ہیں ؎

بادۂ عشق کا سرور ہے غم	اور اس مے کا ہے خمار افسوس
پاس مایوس قبر عاشق پر ہو	نوحہ گر ہے بصد ہزار افسوس

سعادت — منشی سعادت علی۔ امروہہ ضلع مرادآباد کے باشندے تھے۔ مگر اکبرآباد میں سکونت

اختیار کرلی تھی۔ سراج الدین علیخاں آرزو اور شاہ آبرو کے ہمعصروں میں تھے۔ آپ دور اول کے خوش گو شاعروں میں نامور تھے۔ کلام دل آویز تھا۔ دو شعر جو ملے ہیں۔ درج کئے جاتے ہیں ؎

کس سے پوچھوں دل ہوا ہے گم مرا زلفوں میں رات　　اک ہاں مشاطہ تھی سنبل میں لئے تھی ہات
شکل آئینہ سادہ رویوں کی　　منہ ہی دیکھے کی آشنائی ہے

سعادت — شیخ سعادت علی۔ آپ معنی شناسان لکھنؤ سے ہیں۔ حضرت حکیم خلف اسیر لکھنوی سے تلمذ ہے۔ طبیعت مضمون طراز۔ ذہن کی رسائی دور تک ہے۔ یہ کلام ہے۔

دوزخ میں جاتے جاتے سوئے خلد جا پڑے　　رحمت نے اسکی گھیر لیا آکے راہ میں
ابنائے روزگار پہ کیونکر ہوا ستاد　　یوسف کو بھائیوں نے گرایا تھا چاہ میں

سعادت — راجہ سید سعادت علی خاں رئیس شیخپور ضلع دربھنگہ۔ آپکے مورث اعلیٰ شیخ ابوسعید خاں شاہجہاں کے وقت میں دلی سے بہار آئے تھے۔ اور ایک بڑی جاگیر بطور آل تمغہ بادشاہ سے خیرخواہیوں کے صلہ میں پائی۔ آپکے والد بابو اقبال علیخاں بنگالہ میں مشہور شیر افگن تھے اور چونکہ انکا علاقہ نیپال کی ترائی سے ملحق ہے اسلئے اُن کو اپنے شوق کی تکمیل کا اچھا موقع ملا ہے۔ جناب سعادت ایام نابالغی میں وارث ریاست ہوئے۔ اور آٹھ برس تک انگریزی۔ فارسی۔ اردو میں باقاعدہ تعلیم پائی۔ آپ وجیہ۔ خلیق۔ خوشرو نوجوان ہیں۔ اور شکار کے از بس دلدادہ ہیں۔ اور دیگر علوم و فنون میں بھی آپکی معلومات قابل قدر ہیں۔ سید مہدی حسن خاں شاد رئیس رسولپور کی بڑی صاحبزادی انکے عقد میں ہیں۔ مولوی ابوالخیر صاحب خیر دربھنگوی تلمیذ حضرت داغ دہلوی جو بانکی پور میں اخبار الپنچ کے اڈیٹر تھے عرصہ تک آپکی مصاحبت میں رہ چکے ہیں۔ اور انہیں کی معرفت لکھنؤ میں آپکا دیوان شائع ہوا ہے۔ پہلے حضرت حفیظ جونپوری کو اپنا کلام دکھایا۔ پھر جناب داغ کے شاگرد ہوگئے۔ غالباً ۱۹۰۴ء میں جب آپکی عمر ۲۵ برس کی تھی۔ آپ لکھنؤ تشریف لیگئے تھے۔ اور وہاں کئی ماہ قیم رہے۔ شب کو اہل کمال

وشعرا کا مجمع گرد رہتا تھا۔

آپکے کلام سے پختگی اور کہنہ مشقی کا اظہار ہوتا ہے۔ زبان صاف ستھری۔ خیالات عاشقانہ رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ آپنے اپنے استاد کے رنگ کو خوب سمجھا ہے۔ غزلیں تشبیہات۔ رعایات لفظی کے گورکھ دھندے سے پاک ہیں۔ فرسودہ مضامین بھی نئے لباس میں جلوہ گر ہیں طبع عشق آشنا رکھتے ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے

سوال وصل پہ کچھ غور کی ضرورت ہے ۔۔۔ جواب آج نہیں کل ہی سوچکر کہنا
کبھی جو ضد ہمیں آئی تو پھر برا ہوگا ۔۔۔ لپٹ پڑینگے نہ مانوگے تم اگر کہنا
کبھی شراب کبھی حور کا بیاں واعظ ۔۔۔ یہ کیسی بات ہے انصاف سے مگر کہنا

چارہ گر عشق کو کہتا ہے جنوں ۔۔۔ اس سے بڑھکر خفقان کیا ہوگا
اب زمانہ میں سعادت استاد ۔۔۔ داغ سا سحر بیاں کیا ہوگا

کھول دو تم زلف وہ اٹھی گھٹا ۔۔۔ سامنا ہو تو بھرے پانی گھٹا
کھول دو جوڑے کو وقت میکشی ۔۔۔ خوب ایسے میں مزا دیگی گھٹا
بزم میں اُنکے نہ پائے دور جام ۔۔۔ مے چلے جب تک رہے ساقی گھٹا

مل گئی جسدن کبھی اچھی شراب ۔۔۔ توبہ توڑی اور فوراً پی شراب
ہوگیا نشۂ جوانی کا ہرن ۔۔۔ آگ تھی اب ہوگئی پانی شراب
زندگانی کا بھروسا ہو چکا ۔۔۔ اب صراحی میں نہیں باقی شراب
پیتے ہیں زاہد بھی چھپ چھپکر اب ۔۔۔ ہوگئی ہے اسلئے مہنگی شراب

قربان اُسکی شان کریمی کے جائیے ۔۔۔ محشر میں ہو سزا جو کریں ہم قصور آج

اے دل تجھے نہ سینگے پہلو میں آج کے ہم ۔۔۔ تجکو تو ہے بھروسا دشمن کی دوستی پر
اک دل ہزار صدمے یہ عشق وہ بلا ہے ۔۔۔ اللہ کیا بنی ہے الفت میں اپنے جی پر

اور پھر کس سے ہو امید دلداری کی ۔۔۔ کہ برا ہوا دل بھی مرا اپنا ہو کر

یا خدا چشمِ کرم اپنے سعادت پہ رہے
وہ کہاں جائے کدھر جائے تمہارا ہو کر

خدا کو یاد کر اے دل خدا کو
بتوں کی یاد بے ایمان کب تک

یہ شرم ہے کہ چراتے ہیں آئینہ سے نگاہ
یہ سادگی کے پہنتے نہیں ہیں زیور تک

وہ مہرباں تھے تو دنیا تھی مہرباں مجھ پر
پھری جو انکی نگہ پھر گیا مقدر تک

جنابِ شیخ سے بڑھکر بھی پارسا ہے کوئی
کہ آپ پی نہیں سکتے شرابِ کوثر تک

یادگارِ زمانہ تھے جو لوگ
قبر بھی اُن کی یادگار نہیں

ہاں بھی کھڑے ترے لبوں کے نثار
ہو چکی ہے ہزار بار نہیں

جذر و مدِ بحرِ محبت کا نہ پوچھ
ابھی قطرہ ابھی دریا ہوں میں

رہ کے دنیا میں نہیں دنیا میں
کس قدر تارکِ دنیا ہوں میں

کیا پوچھتے ہو اُس صنمِ دلربا کا نام
لیتے ہیں لوگ لاکھ طرح سے خدا کا نام

گھر آیا ابر ہوتے ہی سامانِ میکشی
پہلے بھی آسماں پہ کہیں تھا گھٹا کا نام

ظرف کوتاہ ہیں چلنے وہ چھلک جاتے ہیں
تھوڑی پینے سے بھی کم ظرف بہک جاتے ہیں

کہیں حسن والوں کو دل دے بھی ڈالو
بغل میں سعادت نہ یہ روگ پالو

پرتوِ حسن سے چمکا دے مری قسمت کو
اک نظر دیکھ لے او چاند سی صورت والے

دل کا آنا موت کا پیغام ہے
عشق کا آغاز ہی انجام ہے

کھتے ہیں تم خواب میں آئے تھے رات
یہ نئی تہمت نیا الزام ہے

چھوڑو شبِ وصل ہاتھا پائی
دُہری ہو جائیگی کلائی

چھوڑا نہ حجاب وصل کی شب
آنچل جو ہٹا تو لی دولائی

کچھ بھید ہے جب تو اِن تعقل کا
کلمہ پڑھنے لگی خدائی

ہم نے وفا کا نام لیا وہ خفا ہوئے
سمجھے کہ یہ بھی ایک مرے مبتلا ہوئے

کتنا بڑھا دیا ہے مری چاہ نے انہیں
انسان سے وہ بُت ہوئے بت سے خدا ہوئے

قصۂ عیشِ گذشتہ کیا کہوں
اب نظر آتے نہیں وہ خواب بھی

کچھ پسیجا وہ ستم ایجاد بھی
موم نالوں سے ہوا فولاد بھی

لے رہی ہے دل جگر میں چٹکیاں
چھیڑتی رہتی ہے اُسکی یاد بھی

بے اثر آہِ سحر ہو یہ غلط ہے لیکن
اسکی تاثیر ذرا دیرطلب ہوتی ہے

نہ کہیں مشورۂ غیر تعیبات ہے اور
ورنہ ہمکو خبر ان باتوں کی سبعتی ہے

چپا در گل چڑھا گیا کوئی
اب بحد پردہ بیکسی نہ رہی

اس طرف وہ اُدھر اجل آئی
آج کیا کیا کشاکشی نہ رہی

زوالِ دنیا کی کیا سعادت فکر
بیسوا ہے رہی رہی نہ رہی

غافل کل کی خبر ہے کسکو
کرنا ہے تو آج کر بھلائی

گھٹ رہا ہے نزع کی سختی سے دم
آپ آجائیں تو بڑا پار ہے

کیا جانے روزِ محشر انجام کار کیا ہو
دنیا میں اس لئے اب حوروں کی جستجو ہے

دو دن کی زندگی میں اُکتا گیا دم اپنا
اے خضر ہمکو کیونکر جینے کی آرزو ہے

ذبح کر کے آپ جاتے ہیں کہاں
لوٹنے کا بھی تماشا دیکھئے

دل طلب کرتے ہیں یوں گویا ہے قرض
حسن والوں کا تقاضا دیکھئے

دل میں حسرت وصال کی نہ رہی
بند شیشہ میں یہ پری نہ رہی

مے تسنیم کی تو ہے کیا بات
میکدہ کی بھی کچھ بری نہ رہی

گیا شباب خیالِ شباب باقی ہے
مٹا سرور خمارِ شراب باقی ہے

ہوس جدا ہو سیہ کاریوں کی شیخ سے کیا
ابھی تو ریش پہ رنگِ خضاب باقی ہے

گھٹا ہے ہوا ہے چلے دور ساقی
اب ایسے میں تقوے کا دعویٰ ہی کیا ہے

دنیا میں رہ کے زاہد کیا لطف اٹھائی تونے
اے مردہ دل جو تجھکو جنت کی آرزو ہے

علاج اس دکھ کا کرتے ہیں مسیحا ہم نہ مانینگے
محبت کا مرض ہوتا ہی اچھا ہم نہ مانینگے

سعادت اسکو کیا کہئے ہمارا یہ عقیدہ ہے	امیر و داغ سے شاعر ہوا اچھا ہم نہ مانینگے

سعید

سعید - چودہری محمد سعید الدین رئیس اعظم کھیڑہ نواح بدایوں - ولد چودہری تفضل حسین مرحوم آپ بدایوں کے جاگیرداروں میں ممتاز اور وہاں کے رؤسا میں سرفراز تھے - ۲۰ ہزار سالانہ کے معافی دار تھے - دہلی کلکتہ مختلف مقامات کی سیر کی تھی - آپ کو فن زراعت سے خاص طور پر دلچسپی تھی - اور اپنے ضلع میں سالانہ زراعتی نمایش کی بنیاد ڈالی - فن شعر گوئی میں پہلے مولوی ولداد علی مذاق مغفور کے سامنے زانوئے تلمذ تہ فرمایا پھر مولوی راشد علی ضیا مرحوم تلمیذ حضرت منیر کے شاگرد ہوئے - مسدس زراعت - دیوان نعتیہ اور چند کتابیں انکی تصنیف سے ہیں - ۵۰ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۹۰۵ء میں وفات پائی - چودہری صلاح الدین صاحب جو انکے خلف اصغر ہیں انہوں نے ایک شاندار بزم مشاعرہ کا انعقاد کیا تھا جسمیں دہلی و لکھنؤ کے جید شعرا مدعو کئے گئے تھے - مرثیہ گوئی میں میر نفیس کے شاگرد تھے - زبان میں متانت اور سنجیدگی تھی - نہایت علم دوست اور شعرا کے قدردان تھے - کلام یہ ہے -

مرے مزار پہ کیا کیا نہ بیکسی چھائی	ہوا نہ بعد مرے کوئی نوحہ خواں میرا
آغوش خالی کر گئے تم کیا غضب کیا	اب تک تو زخم بھی مرے دل کا ہرا نہ تھا
اک تغافل ہے ترا لاکھ جفا سے بہتر	شکر ایجاد ستم ہے ستم ایجاد عبث
اک خلق منتظر ہے تری جلوہ گاہ میں	تا ہر نگاہ صرف ہوئے فرش راہ میں
ملنے کا انکے فکر نہ ملنے کا اسکے ذکر	کچھ مشغلہ فراق میں یاس کے سوا نہیں
پیری میں چھپے ہیں جوانی کے واہ واہ	فصل خزاں میں لطف فصل بہار ہے

سعید

سعید - خواجہ محمد سعید - فارسی شعر گوئی میں اچھی استعداد تھی - قدرت اللہ شوق کے زمانہ میں زندہ تھے - انہیں کے تذکرہ سے یہ دو شعر درج کئے جاتے ہیں -

گر گیا یار جو حالت سے زمیں میں شمشاد شد	اس ادا سے جو گیا باغ میں جلوہ دیکھا
عشق آشوب جہاں آفت جاں ہے یارو	پہلا سبکو لگی ٹھوکر نہ سنبھلتے دیکھا

سعید

سعید۔ مداح آلِ مصطفیٰ۔ ذاکرِ شہید کربلا۔ میرزا جعفر حسین ابن میرزا کاظم علیخاں لکھنوی آپ حضرت نفیس کے شاگرد تھے۔ فارسی میں کامل استعداد تھی۔ سعید کے نانا میرزا جانصاحب اور دادا امداد علیخاں رسالدار شاہی رہ چکے ہیں۔ حضرت سعید کا ذریعۂ معاش کتابت تھا محنت اور جانفشانی سے چالیس پچاس روپیہ ماہوار پیدا کر لیتے تھے۔ معنی آفریں۔ تیز فکر عالی خیال شاعر تھے۔ عاشقانہ رنگ میں شعر کہنا معیوب سمجھتے تھے۔ جو کچھ اُنکا کلام موجود ہے۔ وہ سب منقبت میں ہی۔ مذہبًا شیعہ تھے۔ مراثی سلام۔ رباعیات۔ نوحہ جات وغیرہ سے دیوان مملو ہے۔ کلام میں شستگی اور صفائی کے سوا مرثیہ گوئی کے وہ رموز بھی ہیں جن پر خاندان انیس کو ناز ہے۔ قدرت کا مرقع کھینچتے۔ گھوڑے اور تلوار کی تعریف بیان کرنے میں اپنے اُستاد کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور اُنہیں ٹکسالی محاورات کا استعمال کرتے ہیں جو بیان میں جوش اور معنی میں زور پیدا کر دیتے ہیں۔ سلام میں نئی نئی زمینیں نکالی ہیں۔ سنگلاخ زمینوں میں بہترین شعر کہے ہیں۔ راقم تذکرہ کے کتبخانہ میں اُنکا قلمی دیوان موجود ہے جس کا انتخاب نذر ناظرین کیا جاتا ہے ؎

سلامی جب شہ بیکس کا میں نے نام لیا
تو دل مرا یدِ قدرت سے حق نے تھام لیا

جو قصد مدح سرِ زلفِ شاہِ دیں آیا
تو ہم نے ہر بُنِ مُو سے زباں کا کام لیا

جو چاہتے تو زمیں آسماں اُلٹ جاتے
کہاں حسین نے اصغر کا انتقام لیا

آیا جو حر سپاہِ سعادت پناہ میں
ہو کر گروہِ شام سے با عز و شان جدا

حوریں تھیں اشتیاق ہرا دل میں بیقرار
باغِ جناں کی کھولے ہوئے کھڑکیاں جدا

اِک سو نزولِ رحمت باری کیواسطے
کھولے ملائکہ نے درِ آسماں جدا

لینے کو اس طرف سے امامِ امم بڑھے
جھپٹے ادھر صفوں سے حسینی جواں جدا

چُومے الگ بندھے ہوئے ہاتھ اقربا نے وہ
انصار نے لئے قدم مہماں جدا

بچوں نے بارگاہِ خدا میں اٹھائے ہاتھ
صرفِ دعا تھے مرد جدا بیبیاں جدا

جس کو یہ مہماں کی خاطر عزیز تھی
اس کے وطن سے کر کے اسے الاماں جدا

کوفہ کی سرزمین میں بلایا لعینوں نے
اس سے کئے عزیز جدا آب و نان جدا

آخر کو چڑھ کے سینۂ زخمی پہ ہائے ہائے
گردن سے کر دیا سرِ شاہِ زماں جدا

سر کٹ گیا تو لاشس کو پامال کر دیا
مٹی جدا تھی تن پہ سُموں کے نشاں جدا

چھوڑا زمیں پہ لاش کو خود کوچ کر گئے
سچ ہے کہ ہیں جہاں سے یہ مہمانیاں جدا

طرزِ سخن ہر اک کا نرالا ہے اے سعید
سچ ہے کہ ہر بشر کے ہے منہ میں زباں جدا

عکس سے جب سبز پرچم کے بڑھی توقیر موج
خضر کے پائے نظر میں پڑ گئی زنجیرِ موج

پیاس میں آئی نظر جب گردشِ تقدیر موج
مجرئی عباس کے دلبر چلی شمشیر موج

غرقِ آب اشکِ غم میں شہ کے یوں سجاد تھے
جسم لاغر صاف تھا آئینۂ تصویر موج

سرخ روئی ہے غمِ شاہ میں حق جو ہو کر
مجرئی خونِ جگر بہتا ہے آنسو ہو کر

کیا صفا شاہ کے تلوار کی ہو مجھ سے بیاں
ڈھال کے پھولوں سے جاتی ہے نکل بو ہو کر

تیغِ شبیر کا، دم خم، تھا نیا داک غضب
منہ پہ پڑتی تھی وہ رو داروں کے ابرو ہو کر

بولے عباس کہ پانی جو پیوں بے شہ کے
نکلے فوراً وہ گلے سے مرے اچھو ہو کر

زلف کے عشق میں ہے عارضِ اکبر کا خیال
ہو گئی صبح نمایاں شبِ گیسو ہو کر

کس گھڑی نکلے تھے گھر سے ہائے ہائے
پھر نہ آئے شہ مدینے کی طرف

شاہ کے باعث ہی یوں نورِ سحر رنگِ شفق
پرتو رد عکسِ خوں۔ نورِ سحر رنگِ شفق

پیرِ گردوں روپ گر ہر دن بدلتا ہی نہیں
ہے سیاہ و سرخ کیوں۔ نورِ سحر رنگِ شفق

سنجِ لب روشن بیانی میں جو چمکے شاہ کے
شرم سے ہے سرنگوں نورِ سحر رنگِ شفق

جلوۂ رنگِ طبیعت خوب دکھلایا سعید
دیکھئے کھلتے ہیں یوں نورِ سحر رنگِ شفق

نہیں اشکوں سے میرے تر گریبان آستین دامن
سلامی ہیں یہ پیر کو ہر گریبان آستین دامن

علی کی تیغ جب رخصت حیاتِ اہلِ کیں کاٹے
تو ہر کافر کے ہوں ستر گریبان آستین دامن

غمِ شہ میں مرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہے جگر ٹکڑے — سلامت رہ سکیں کیونکر گریباں آستیں دامن
نمایاں چاند ہو جس دم محرم کے زمانہ میں — تو ہوں مثلِ کتاں گھر گھر گریباں آستیں دامن
خوفِ علمدار سے چھپ گئے یوں سنگدل — جیسے کہ ہوتے نہیں پڑتے ہیں سنگ آب میں
مشکِ سکینہ سے جب پانی بہا ہے غضب — شرم سے تھیں مچھلیاں زیست سے تنگ آب میں
گر غضبِ بوتراب ہو سببِ انقلاب — دشت میں جائیں نہنگ آئیں پلنگ آب میں
پانی میں ڈالا نہ منہ گھوڑے نے عباس کے — مردمِ آبی ہوئے دیکھ کے دنگ آب میں
طرحِ غزل پر سلام ہے یہ سعید اپنا کلام — ورنہ کا ہو لا کلام قافیہ تنگ آب میں
فیضِ آبِ دہنِ شاہِ رسل کے باعث — شور تھا ہو گیا اک بات میں میٹھا پانی
رنگ روئے شہ دیں کا جو پڑا باغ میں عکس — مصحفِ گل پہ پھرا دم میں سنہرا پانی
آبِ تیغِ شہ مرداں سے زمیں کے نیچے — منزلِ قبرِ عدو ہو گئی کالا پانی
(۱۰)
دن جاگنے کو رات ہے سونے کے لئے — سر کٹنے کو جسم ہے بچھونے کے لئے
صرفہ نہ کریں عزائے شہ میں مردم — آنکھیں دی ہیں خدا نے رونے کے لئے
عاشور ہے کل آج خبر ہے اسکی — کس کا آرام اور راحت کس کی
یہ شب وہی شب ہے اے محبانِ حسین — شمع ایماں بجھی سحر کو جس کی
اے جلوۂ معنی مہِ تاباں کو خجل کر — اے صاف بیاں مہرِ درخشاں کو خجل کر
اے دُرِّ سخن بارشِ نیساں کو خجل کر — اے شمعِ زباں شمعِ شبستاں خجل کر

مشتاقِ لقا گرد ہی پھرتے نظر آئیں
پروانہ صفت جو ہیں وہ گرتے نظر آئیں

اے حسنِ بیاں اور ہی کچھ ڈھنگ دکھا دے — مانی متحیر ہو وہ ارژنگ دکھا دے
اے تیغِ زباں نظم صفِ جنگ دکھا دے — آئے جو مقابل اسے جو رنگ دکھا دے

قبضہ میں ترے جوہرِ شمشیر زنی ہے

تو تیغ تنی تیغ تنی تیغ تنی ہے

یاں برق شرربار تڑپ کر نکل آئی
شمشیرِ علی میان سے باہر نکل آئی
بل کرتی ہوئی صورت اژدر نکل آئی
دکھلاتی ہوئی زہر کے جوہر نکل آئی
قایم تھے جو صف میں وہ پرے ہوگئے موذی
کچھ زہر سے کچھ ڈر سے ہرے ہوگئے موذی

اِس صف کو ڈبویا کبھی اُس صف کو جلایا
پانی تھا کہیں آگ کہیں تیغ کا سایا
پھل کثرتِ جوہر سے جو پھولا نہ سمایا
خوشبو کی طرح ڈھال کے پھولوں میں در آیا
تاثیرِ خزاں باغِ شجاعت میں عیاں تھی
سوفار کے غنچے نہ ہری شاخ کماں تھی

مرثیہ حضرت قاسم علیہ السلام

عطرِ عروس پانی کی جا ہے دوات میں
رنگینیِ نظم میں ہے کہ دولھا برات میں
شکرفشانیاں ہیں حروف و نکات میں
شاخیں قلم نکالتا ہے بات بات میں
شیرینیِ زباں سے حلاوت ہے زیست کی
گویا کہ ہر صریر سے لذت ہے زیست کی

گوہرفشانِ مدحتِ لعلِ حسن ہوں میں
مصروفِ زیب و زینِ عروسِ سخن ہوں میں
اب تازگی سے ذاکرِ حالِ کہن ہوں میں
شمعِ زباں سے زینتِ بزمِ دہن ہوں میں
جلوہ ہے صاف صاف فیضِ حضور کا
"باتوں کا جھاڑ" جھاڑ بنا ہے بلور کا

باندھا جو سہرا تارِ شعاعی کا مہر نے
شادی رچائی روئے زمیں پر سپہر نے
جلوے دکھائے شاہدِ فیروزہ چہر نے
کی ذرہ پروری دلِ گردوں کی مہر نے
کافور رنگ روئے شبِ تار ہوگیا

صفحۂ زمیں کا مطلع انوار ہو گیا

وہ بلبلوں کی زمزمہ پردازیاں کہیں
آپس میں چہچہے کہیں گل بازیاں کہیں
قمری و فاختہ کی خوش آوازیاں کہیں
شمشاد و سرو کی وہ سرافرازیاں کہیں
کیونکر نہ دل شگفتہ ہوں ہر پاکباز کے
باہم معاملات تھے راز و نیاز کے

ہتیار سج کے حضرتِ ابنِ حسن چلے
تھمتے مثالِ حیدرِ خیبر شکن چلے
خیمے میں چھوڑی آپ نے تازہ دلہن چلے
کوثر کی تھی یہ چاہ کہ تشنہ دہن چلے
رخصت ملی کہ جلوۂ امید ہو گیا
چہرہ خوشی سے غیرتِ خورشید ہو گیا

دیکھا ہر اک شریر کو خیرالورا کی طرح
نیزہ سنبھالا غیظ میں حیدر کی طرح
پڑھنے لگے رجز حسنِ مجتبےٰ کی طرح
غربت برس رہی تھی شہِ کربلا کی طرح
تو وہ جو رنگ کا تھا وہ ہم سنگِ طور تھا
چاروں خدا کے نور کا یک جا ظہور تھا

لیکر کمانیں فوج سے مانند تیر آئے
دو پیش و پس تو راست و چپ دو شمر آئے
چاروں قریبِ قاسمِ گردوں سریر آئے
نامرد نزد ابن شہ قلعہ گیر آئے
حیراں ہوئے وہ خوش یہ شہِ حسن ہوا
گویا کہ چار آئینہ زیبِ بدن ہوا

اے تیغ خاصہ برق کے جوہر دکھا مجھے
انداز ضربِ حیدرِ صفدر دکھا مجھے
خوں ریزیاں چمک کے سراسر دکھا مجھے
دو ٹکڑے چار حصہ کو برابر دکھا مجھے
کیسی زبانیں تیز ہیں کیسی جسر ہے
غل ہو کہ ذوالفقارِ جنابِ امیر ہے

اونچا کیا جو تیغ کو اُس دیں پناہ نے
دیکھے کمند کے کئی حلقے سپاہ نے
حسرت سے ہاتھ مل لیے اُس روسیاہ نے
حملہ کیا جھپٹ کے جگر بند شاہ نے
دامِ اجل میں آ کے شقی گرد ہو گیا
تلوار کی جو آنچ لگی سرد ہو گیا

لشکر کے ہوش اڑ گئے ازرق کے سر کے ساتھ
ٹکڑے اُڑے لعین کے دل کے جگر کے ساتھ
روحِ علی و روحِ حسن تھی پسر کے ساتھ
شاباش کہتے تھے اُدھر اک اک پدر کے ساتھ
عباس داد دینے کو بڑھ بڑھ کر آتے تھے
تسلیم کر کے ابنِ حسن مسکراتے تھے

ازرق کے ساتھیوں نے کیے پھر جھپٹ کے وار
روکے بھی اور دکھائے بھی غازی نے ڈٹ کے وار
کیونکر بچائے ایک ہزاروں کے غٹ کے وار
نیزے کا کھایا ولیکن کیا پلٹ کے وار
دولھا کی جان کیسی مصیبت میں پڑ گئی
ہے ہے بنی بنائی لڑائی بگڑ گئی

واللہ اے سعید یہ فیضِ نفیس ہے
تائیدِ روحِ پاکِ جنابِ انیس ہے
کیا تیرے مرثیے کی عبارت سلیس ہے
جو نقطہ ہے وہ ملکِ سخن کا رئیس ہے
ایک ایک سطر سلکِ جواہر سے کم نہیں
یہ وہ رقم ہے جس سے کچھ اعلیٰ رقم نہیں

ہیں حنا سے بنے قاسم کے جو اختر ناخن
رنگ دکھلاتے ہیں خوبی کے مقرر ناخن
کہتے ہیں دیکھ کے سب صاحبِ جوہر ناخن
لعل و یاقوت ہیں مہندی سے سراسر ناخن
پہلے تھا غیرتِ الماس و گہر ناخن

دیکھ کر پنجۂ ضرغامِ علی کی صولت
کاوشِ دستۂ سرِ فوق شامیوں کی ہو رنگت
ناخنِ شیر صفت نشترِ فصاد صفت
چھیلتے ہیں جگرِ زخمیِ اہلِ حسرت

آئینہ سب کہتے تو رکھتے ہیں یہ جوہر ناخن

ہائے کسکو تھی اس اُفتاد کی دنیا میں خبر — کہ گرینگے شہِ دیں گھوڑے سے کٹ جائیگا سر
کہتے تھے طفلی میں سب دیکھ کے قدِ سرور — گردنِ گاو زمیں آئے گی زیرِ خنجر

گر تر شنے میں گرے روئے زمیں پر ناخن

بوسئے اعدا سے یہ بر جسم شہِ والا ہو کر — دین کو کھوتے ہو تم طالبِ دنیا ہو کر
دیکھو کیا ہو گئے شاہانِ جہاں کیا ہو کر — نامور خاک میں پنہاں ہوئے پیدا ہو کر

مٹ گئے نقش درم نقشِ کفِ پا ہو کر

شبِ عاشورہ سکینہ نے یہ زینب سے کہا — رات کو آنکھ نہ جھپکی ہے نہ آئے بابا
شام سے کیا کہوں اے خواہرِ شاہِ دوسرا — تا سحر اُس رُخِ روشن کا تصور نہ گیا

شب کو خورشید رہا آنکھ کا تارا ہو کر

پوچھا عابد سے کسی شخص نے اے قبلۂ کُل — ہجر میں اصغر و اکبر کے گئے آپ تو گھل
رو کے کہنے لگا غنچہ دہنِ ختمِ رسل — چل بسے طائرِ نکہت کی طرح غیرتِ گل

چمنِ دہر میں ہم رہ گئے کانٹا ہو کر

سعید

سعید۔ مولوی سید ابوالقاسم لکھنوی۔ آپ خاندانِ اجتہاد سے ہیں۔ مولوی محمد مصطفی خورشید مرحوم لکھنوی کے شاگرد اور برادر عم زاد ہیں علم عروض و معانی سے واقف ہیں طبیعت سلجھی ہوئی ہے۔ خیالات متین۔ بندش میں صفائی ہے۔ انداز بیان تکلف سے بری ہے۔ کلام یہ ہے۔

بیکسوں پر ظلم کیوں کرتا ہے سوچ انجام کار — ایک دن تو بھی فنا اے آسماں ہو جائیگا
ناتوانی کوچۂ جاناں میں رہنے کی ہوس — پیر ہر اک جا کے جنت میں جواں ہو جائیگا
دل میں کہتے ہیں یہ حسرت سے اسیرانِ کہن — اب نہ چھوٹینگے قفس ہی آشیاں ہو جائیگا
شبِ فراق کی حالت پہ ہر شکن ہے گواہ — تڑپ تڑپ کے گذاری ہے رات بستر پر
نہوگا کم کسی صورت سے دردِ عاشق کا — اب اس مریض کو بس چھوڑ دو مقدر پر

کریم بھیجدے جنت میں یا کہ دوزخ میں	گناہ ہوں مرے ظاہر نہ اہل محشر پر

سعید سعید طالع ۔ خان محمد سعید خاں ۔ دلی میں رہتے تھے ۔ جوانی کے عالم میں شاہزادہ دارا شکوہ کے بھائی مراد بخش کی سرکار میں ملازم ہوئے ۔ جب شاہجہاں بیمار ہوئے اور عنان سلطنت دارا شکوہ کے ہاتھ میں آئی تو اس موقعہ پر آپنے فارسی قصیدہ لکھکر فصاحت اور بلاغت کے دریا بہادئے جس کے صلہ میں دربار شاہی سے خطاب "خانی" و خلعت فاخرہ مرحمت ہوا ۔ فارسی میں سعید اور اردو میں سعید طالع تخلص کرتے تھے ۔ یہ غزل اسی زمانہ کی کہی ہوئی معلوم ہوتی ہے جب دارا شکوہ کے ملازم تھے ۔ شاید جامہ دارائی سے دارا شکوہ کی ملازمت و خرقہ اطاعت مراد ہے ۔ دلی و کنی سے بہت پیشتر گذرے ہیں ؎

چھوڑ صیاد مجھے اب تو بہار آئی ہے	حسرت سیر چمن جی میں رہی جاتی ہے
مت تصور کرو مجھکو کہ یہ ہر جائی ہے	جلوہ حسن پری رو کا تماشائی ہے
کوئی دنیا میں نہیں اور مقام عاشق	گوشۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے
گلرخاں کیوں نہ کہیں مجھکو سعید طالع	اس قدر بر میں مرے جامۂ دارائی ہے

سعید سعید ۔ جناب نوروز علی صاحب لکھنوی ۔ خوشگو ۔ نازک طبع شاعر ہیں ۔ مگر متروکات کے پابند نہیں ۔ "و لیکن" جیسے الفاظ کو جائز سمجھتے ہیں ۔ پھر بھی زبان اور طریقہ بیان میں کسی قدر دل آویزی ہے ۔ آپ حضرت رفیع لکھنوی کے شاگرد ہیں ۔ فکر کی رنگینی یہ ہے ؎

بہار آئی شمیم گل سے مہک کیاری مہک رہی ہے	تمام شاخیں ہری بھری ہیں چمن میں بلبل چہک رہی ہے
کبھی ہے ابرو کی یاد میں جاں کبھی ہے دلکو خیال مژگاں	جگر پہ وہ تیغ چل رہی ہے سناں یہ دل میں کھٹک رہی ہے
سعید وصلت پہ ہم راضی کیا ہے میں نے "نہیں و لیکن"	کہیں نہ بھڑکائے غیر انکو یہ بات دل میں کھٹک رہی ہے

سعید سعید ۔ منشی محمد سعید صاحب بلگرامی ۔ آپکو ابتدائے عمر سے شعر گوئی کا چسکا ہے ۔ اب ۳۰ سال کی عمر ہے ۔ اپنے خسر چودھری عبد الصمد صاحب تعلقہ دار گوپامئو کے دولت خانہ پر مشاعرہ کرتے ہیں اور وہیں رہتے ہیں ۔ سعید ہی سا ہی زبان میں صاف شعر کہتے ہیں ۔ اپنے ہم زلف حضرت

فتنہ سندیلوی سے مشورۂ سخن رکھتے ہیں۔ کلام یہ ہے

ستم کرتا ہے دل جانِ حزیں پر
ہمارا صبر پڑتا ہے جبیں پر

قفس ہی کو گلستاں جانتے ہیں
یہیں پیدا ہوئے نکلے یہیں پر

روح تو ہر جسم میں ہے بیوفائی کے لئے
کس خدائی سے وفا آئی خدائی کے لئے

ہیں رقیبوں کی بُرائی تم سے کیوں کرنے لگا
وہ کہیں مجھکو بُرا اپنی بھلائی کے لئے

تم رہے دشمن کے گھر فرقت ہمارے گھر رہی
وصل کے تم نے مزے ہم نے جدائی کے لئے

ہم سے اچھے ہوں تو ہم جانیں کہ ہاں اچھے ہیں وہ
پھر ہمیں کیا۔ گر وہ لیتے ہیں خدائی کے لئے

سعید — سید سعادت علی خلف سید مہر علی۔ آپ اکبر آباد کے باشندہ تھے۔ میرزا حاتم علی مہر سے تلمذ تھا۔ عہدۂ قضا انکے خاندان میں عرصہ دراز سے چلا آتا ہے۔ آگرہ میں شاعری کی نشوونما ہوئی۔ مولف تذکرہ شعر وسخن کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے ۱۲۸۶ھ میں انکی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے کسی زمانہ میں مدرسی کا شغل بھی تھا۔ فسانۂ گلدستہ نثر گلزار سعادت۔ ذخیرہ سعادت جیسی کتابیں اور کلیات سعید انکی یادگار ہے۔ آگرہ میں انکے شاگردوں کی کثرت تھی۔ شعرگوئی میں مشاق تھے طبیعت منجھی ہوئی اور زبان میں سلاست تھی۔ کلام یہ ہے —

یار بن آنکھوں میں اپنے خار ہے گل باغ میں
ہے نمک پاشِ جراحت نغمۂ بلبل باغ میں

حضرتِ نوح سے کہدو کہ سنبھالیں کشتی
آج طوفان کی خبر دیدۂ تر دیتے ہیں

اک اشارہ پہ اُس ابرو کے کٹے مرتے ہیں
ایک شمشیر ہے اور سینکڑوں سر دیتے ہیں

سب کے نزدیک وہی جانِ جہاں بنتا ہے
دل میں موجود ہے آنکھوں میں نہاں رہتا ہے

قصۂ حور سب نکتہ نوازی سے جدا ٹھیرے
کبھی جو جمع میں اک نقطہ مقبولِ خدا ٹھیرے

یہی وحشی اپنے دیوانہ کو دے کیوں اٹھاتا ہے
کہ تیرے زیرِ سایہ یہ ہمارا پاکے آ ٹھیرے

تری وصلیز کو سلطان سریرِ سلطنت سمجھے
ترے دیوار کے سایہ تلے آکر ہما ٹھیرے

چھپائے عارضِ تاباں کیا اندھیر زلفوں نے
غضب ہے نور کے چشمے پہ ظلمات جا ٹھہرے

سعید

سعید ۔ شیخ محمد فدا حسین صاحب ۔ آپ لکھنؤ کے ساکن ہیں ۔ جناب حکیم لکھنوی کے حلقہ تلامذہ میں ۳۰ برس سے داخل ہیں ۔ رنگِ کلام پختہ ہے ۔ الفاظ کی بوقلمونی اور مضامین کی رنگا رنگی سے سخن میں آب و رنگ اور تکلف پیدا کرتے ہیں ۔ لکھنؤ کے قدیم رنگ میں خاصہ کہتے ہیں ۔ کلام یہ ہے ؎

جاکر بنا فلک پہ قدح آفتاب کا
ساغر جو اُس نے پی کے اُچھالا شراب کا

ساقی پلا شراب ہے شب بھر کی چاندنی
بے آفتاب لطف نہیں ماہتاب کا

کندہ ہو جس کے نگینِ دل میں تو اے نقشِ فقر
نام کو دیکھے نہ وہ مہرِ سلیماں کی طرف

حق نے ادنیٰ کو کیا محتاج اعلیٰ خلق میں
پھر گدا کیوں ہاتھ پھیلائے نہ سلطاں کی طرف

جھگڑے ہزاروں بیچ میں جان اور تن کے ہیں
کیا شعبدے ترے نگہ سحر فن کے ہیں

اک دن دکھا دو اپنے رخِ تازہ کی بہار
نازاں چمن میں پھول بہت نسترن کے ہیں

مطلب نہ کفر سے ہے نہ اسلام سے غرض
ہم دوست شیخ کے نہ عدو برہمن کے ہیں

گلدستہ بہشت شہِ رضواں سے مول لو
پژمردہ چند پھول تمہارے چمن کے ہیں

ضد ایک دوسرے کی ہے گلزارِ دہر میں
خنداں ہیں پھول مرغ جو نالاں چمن کے ہیں

نازاں نہ ہو بہار پہ گل کھلتی ہے خزاں
دو چار روز اور یہ جلوے چمن کے ہیں

رائج ہیں نقدِ داغ ترے خوب ہی سعید
سکے دلوں پہ بیٹھے ہوئے اس چلن کے ہیں

ل کے مسی قدر رکھوں میں دانت کی
وہ بھلا ہیرے کو تسلیم کیا کریں

سعید

سعید ۔ کلن صاحب لکھنوی ۔ ۲۵ برس کا عرصہ ہوا میرزا سلیمان قدر لکھنوی کے ہاں ملازم تھے ۔ انہیں کے مشاعرے کے کلام کا خلاصہ درج ہے ؎

بُری معلوم ہوتی ہے صدائے نغمۂ بلبل
اگر اب تک تری آواز کانوں سے نہیں نکلی

نہ آتی ہجر کی شب وہ اگر تو موت آجاتی
نہ ایسی کوئی صورت آہ دلِ اندوہ گیں نکلی

امیدِ وصل پر اب تک مریض ہجر زندہ ہیں
ہمارے حلق پر کس لطف سے خنجر پھرایا ہے
کھلی رہ جائینگی آنکھیں لحد میں بعد مرنیکے
نہ جیتے جی ملی راحت نہ مرکر چین پاتے ہیں

غضب ہے جائیگا منہ سے تمہارے گر نہیں نکلی
رگِ جاں سے بھی اے قاتل صدائے آفریں نکلی
کہ وقتِ نزع بھی دیدار کی حسرت نہیں نکلی
عدو جب تھا ہمارا چرخ اب دشمن نہیں نکلی

سعید۔ محمد کرامت علی ساکن ریاست جیپور۔ فارسی میں منشی عالم اور انگریزی میں میٹرک پاس ہیں۔ آجکل کیکڑی ضلع اجمیر میں اینگلو اسکول ہیڈ مولوی ہیں۔ پہلے ریاست کشن گڑھ میں ملازم تھے فن شعر میں حضرتِ قتیل پھرسری کے شاگرد ہیں۔ عمر تقریباً ۴۰ سال ہے۔ کلام کا انتخاب حسب ذیل ہے۔

طالبِ خنجر جو کوئی سخت جاں ہو جائے گا
زورِ بازو کا تمہارے امتحاں ہو جائے گا
میں وہ غم کش ہوں ریاضِ دہر میں اے عندلیب
جو مرے نالے سُنے گا نوحہ خواں ہو جائے گا
گر رہا قایم خیالِ اتحاد و اتفاق
تفرقوں سے پاک سب ہندوستاں ہو جائے گا
دل لگی کو خط کتابت یار نے کی تھی شروع
کیا خبر تھی اس قدر کا غذ گراں ہو جائے گا
ساز و برگ زندگی حضرتِ انساں سعید
کیا گراں ہو ہو کے بالکل بے نشاں ہو جائے گا

زلف کافر نے بھلا رکھا ہے سب کچھ ہمکو
ہم تو محروم بھی رہ کر یہ دعا دیتے ہیں
اک تری یاد ہے اللہ کرے یاد رہے
کہ سدا میکدہ ساقی ترا آباد رہے

سعید۔ مولوی محمد سعید صاحب ۱۹۱۶ء میں مقام بلیا کے سب رجسٹرار تھے۔ حضرت فائز بنارسی کے شاگرد ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے:

پُرضیا عشق کے جلووں سے ہے مدفن کیسا
کام آیا ہے خیالِ رخِ روشن کیسا
وہ یہ کہتے ہیں جو کہتا ہوں چلو گھر میرے
آپ ہی میں جو نہیں آپ تو مسکن کیسا
پر تو گل سے ہوئی سرخ چمن میں قمری
رنگ لائی ہے پری بننے کی یہ جوگن کیسا
میں نے مانا کہ غلط ہے خبرِ قتل سعید
پھر ہے آلودہ خوں آپکا دامن کیسا

سعید۔ سید سعید احمد صاحب خیر آبادی حضرت ریاض کے برادر زادہ ہیں۔ طبیعت بچپن

اور شوخ ہے۔ کلام سے مستی اور ذوق شباب کا رنگ نمایاں ہے حضرت وسیم کے شاگرد ہیں۔ انتخاب یہ ہے ؎

چہرہ اُتر رہا ہے عروسِ بہار کا
کیا ہوگیا وصال کسی بادہ خوار کا

مے پیکے یادِ حق سے یہ غافل نہیں رہا
عالی ہے ظرف شیخ تہجد گزار کا

دامن سے اپنے پونچھ رہے ہیں وہ میرے اشک
ممنون ہوں میں گریۂ بے اختیار کا

ہو غسل کو گلاب کفن برگِ گل کا ہو
سایہ میں برگِ گل کے ہو مرقد ہزار کا

گریاں وہ مجھکو دیکھ کے کہتے ہیں اے سعید
دھوکا ہے تیری آنکھ پر ابرِ بہار کا

ہائے دل جس کو لہو ہم نے پلا کر پالا
اُسکو ہوتے ہوئے پیوندِ زمیں دیکھ لیا

سعید۔ منشی محمد سعید صاحب رئیس کیامئی۔ آپ نواح بمبئی کے طبیعت دار سخنوروں میں سے ہیں حضرت تجمل جلالپوری سے تلمذ ہے۔ زبان دل نشیں ہے سوچ سمجھکر شعر کہتے ہیں اور اندازِ بیان میں سادگی ہوتی ہے۔ کلام یہ ہے ؎

سعید

وہ بت اس قدر خود نما ہوگیا
سمجھنے لگا میں خدا ہوگیا

جو مے پیکے یاد آئی ساقی کی آنکھ
خمارِ محبت سوا ہوگیا

کس طرح ہوگی بتا اے شامِ ہجرِ یار صبح
صبح سے بیزار ہوں میں مجھسے ہی بیزار صبح

دل مرے بختِ سیہ کا نہ گیا پر نہ گیا
تیرے گیسو تو سنورتے ہیں پریشاں ہوکر

تنگ آئے ہیں ہم گردشِ تقدیر سے لیکن
جائیں گے کہاں چرخ کے چکر سے نکل کر

باقی ہے وہی شرم و حیا آج بھی اُن کی
ہیں دُور کھڑے مجمعِ محشر سے نکل کر

پاسِ عدو تو دیکھئے مجھکو قریب دیکھکر
آنکھ بدل کے بیوفا کہنے لگا الگ الگ

یوں ہی خدا کرے کہ ہو غیر بھی تیری بزم سے
جیسے قبولیت سے ہے میری دعا الگ الگ

کچھ چھیڑ چھاڑ اور ہنسی دل لگی رہے
پتلے بنو نہ وصل میں شرم و حیا کے تم

بوسہ جو آنکے گیسوے مشکیں کا لے لیا
بولے وہ ناز سے کہ نڈر ہو بلا کے تم

سب کو عمر جاوداں درکار ہے
جستجوئے آب حیواں کیا کریں

سامنے داور محشر کے کسی کا کہنا
محفل عام میں رسوا نہ کرو تم مجھکو

نقد دل لیکے تعرض ہے یہ اچھا اُن کا
دلربا کہکے پکارا نہ کرو تم مجھکو

ہجر میں یار کے دشوار ہے جینا مجھکو
ایک ایک پل ہوا ایک ایک مہینا مجھکو

آج ہی سے ملئے نہ آشنا غیر سے
کچھ تو رکھئے عید کے دن کے لئے

سمت دوزخ کی جو محشر میں گنہگار چلے
روک کر راہ کھڑی ہو گئی رحمت تیری

چھیڑ کر کہتے ہیں وہ ملتے ہیں جب
کیوں نظر آتے ہو تم بیمار سے

پیجئے اے شیخ پیری میں ضرور
مے مفید از حد ہے اس سن کیلئے

ہوئے جب تنگ ہم سوز جگر سے
لگی دل کی بجھائی چشم تر سے

کیوں خرام ناز جاناں کی وہ شیدائی ہوئی
بار ہا کی ہے قیامت ٹھوکریں کھائی ہوئی

سعید

سعید ۔ شمس العلما مولانا محمد سعید قدس سرہ ۔ آپ ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے ہیں ۔

روز شنبہ بود روز مولدم	سال میلاد بداں صافی ضمیر ١٢٣١

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی ۔ پھر تکمیل علوم کیلئے کانپور و لکھنؤ کا سفر اختیار کیا ۔ مولانا شاہ سلامت اللہ کانپوری اور مولانا مفتی ظہور اللہ عطا فرنگی محلی کے درس سے فیض یاب ہوئے اور وہیں دستار فضیلت بندھی ۔ ۱۲۶۲ھ میں حج کیلئے روانہ ہوئے اور حرمین شریفین کے مشہور علما محدثین سے سند اجازت علم حدیث حاصل کی ۔ آپ عظیم آباد پٹنہ کے بڑے عالم اور باکمال رئیس نامور تھے ۔ صاحب ثروت ہو کر بھی درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے اکثر لوگ آپ سے مستفیض ہوچکے ہیں ۔ انتقال سے چند سال پیشتر گورنمنٹ عالیہ نے آپکو شمس العلما کا خطاب دیا تھا ۔ ۱۳۰۵ھ میں وفات پائی ۔ آپ کا مزار محلہ مغلپورہ عظیم آباد میں ہے ۔ اُردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے ۔ فارسی میں آپکا تخلص "حسرت" اور اُردو میں سعید تھا "قسطاس البلاغت" اور تتمہ کلیات موسوم بہ مقصد بلاغت شایع ہوچکا ہے ۔ غزلیات میں عالم عرفان کی واردات ۔ دنیا کی

بے ثباتی تصوف اور معرفت کا ذائقہ ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں ؎

رہا محروم میں بھی خوبی تقدیر سے ورنہ — لٹی دولت در دولت سرائے بار کیا کیا

اُس تیر نگاہ کا ہدف ہو — کیا تیرا جگر سعید تو کیا

یہ دولت فقر کی کچھ کم نہیں ہے — اگر دنیا نہیں کچھ غم نہیں ہے

فرشتہ ہے جو عصیاں سے بری ہے — نہ ہو جس سے گنہ آدم نہیں ہے

ہیں ابر و برق کیوں خنداں و گریاں — غم و شادی اگر توام نہیں ہے

نہیں وہ دل نہ ہو جس میں غم عشق — نہیں وہ چشم جو پُر نم نہیں ہے

کعبہ کنشت مسجد و میخانہ صومعہ — دکھلائے شوق یار نے کیا کیا مکاں مجھے

سعید

سعید۔ مولوی سعید الدین عثمانی خلف مولوی شرف عرف پناہ علی۔ آپ بنارس کے باشندے ہیں وہیں مختار عدالت ہیں۔ عربی۔ فارسی کی استعداد اچھی ہے انگریزی بھی جانتے ہیں اوائل عمری سے شاعری کا مذاق جزو طبیعت ہوگیا ہے۔ آپ نے چودہ سال کی عمر میں ایک مسدس لکھا جو بنارس کی دنیائے شاعری میں مقبول ہوا۔ آپ ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

فارسی اُردو قصائد کہنے میں مشاق ہیں پیغمبر اسلام کی سوانح عمری بھی نظم کر چکے ہیں تصوف سے طبیعت کو لگاؤ ہے بعض شعر اتنا بلیغ اور بلند کہتے ہیں کہ معنی شکوہ الفاظ کی نقاب میں چھپ جاتے ہیں۔ یا دوسرے پیرایہ میں یوں کہئے کہ شعر کے معنی آپکے ذہن مبارک میں رہتے ہیں۔ بہرحال آپ خاندانی شاعر ہیں حضرت امیر مینائی مرحوم سے مل چکے ہیں اور اُن سے اپنے کلام کی داد پا چکے ہیں ترتیب تذکرہ کے ہنگام میں ایک طول طویل رسالہ حالات و کلام کا موصول ہوا جس کا انتخاب درج کیا جاتا ہے ؎

رباعی

نابود تھا جس نے ابتدا کو دیکھا — اور بود ہوا جو انتہا کو دیکھا

قائل ہمہ دست کا جو ہے حسن خیال — سجدہ کیا بت میں جب خدا کو دیکھا

طلسم سبزۂ خط نور جاں سے ہے رُخ روشن کا — فروغ بال طوطی آئینہ ہے مرغ گلشن کا

فلک فانوس روشن ہے کسکی شمع مدفن کا	صبا کافی نہ تھا شاید سہارا تیرے دامن کا
خود طعنہ زنی کرتی ہے تدبیر بگڑ کر	کیا بن پڑے رہ جائے جو تقدیر بگڑ کر
جب سے سجدا کھو کے خودی اپنے خدا ہوں	خود مجھکو یہ معلوم نہیں کون ہوں کیا ہوں
سامانِ توکل ہے مجھے عظمتِ شاہی	دریوزہ گرِ نقشِ حصیرِ فقرا ہوں
آنسوؤں سے اس قدر آنکھوں نے سینچا نخلِ غم	ساغرِ نرگس میں باقی بوند بھر پانی نہیں
سعید اک شمع کافوری دمِ سرد اپنا روشن ہے	جلایا آہ کے شعلہ سے تارِ رشتۂ جاں کو
کتنے پیوند زمیں ہو گئے عزت والے	بے نشاں ہیں جو کہے جاتے تھے نوبت والے
ٹپکے جو آنسو کا قطرہ لعلِ لب کی یاد میں	تا بداماں گوہرِ احمر بنے اور ٹوٹ جائے
دل ہمارا تو نے اے بت پارہ پارہ کر دیا	سخت حیرت ہے خدا کا گھر بنے اور ٹوٹ جائے
اُن کے ملنے کی خبر پا کے بھی دھڑکا نہ گیا	وعدۂ وصل تو ہے رات مگر چھوٹی ہے
بارہا آج سے ہے بوجہ پسِ پشت نگاہ	آپ جھجکیں نہیں یہ سانپ نہیں چوٹی ہے

سفلی

سفلی - عنایت خاں عرف کالیخاں ظریف - بذلہ سنج - لطیفہ گو شاعر تھے - ہزل گویان ملک میں انکا نام نکلا ہوا ہے - آگرہ کے باشندے تھے اور عرایض نویسی سے بسر اوقات کرتے تھے - بڑے حاضر جواب تھے - حُسن مذاق کا یہ عالم تھا کہ پھلجھڑی کی طرح منہ سے پھول جھڑتے تھے - ظرافت اور حاضر جوابی نے انکو راجہ بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہنچا دیا تھا - مولوی نیاز علی پریشاں نے جو آگرہ میں سنہ ۱۲۸۶ھ میں مشاعرے کئے انمیں شریک تھے اور اسوقت انکی عمر ۴۰ برس کی تھی - تنگدستی کے باوجود اپنی زندہ دلی کو قایم رکھا - میرزا حاتم علی مہر اکبرآبادی سے تلمذ تھا - ظریفانہ رنگ میں بات نکالتے تھے - عرصہ تک انکا کلام اودہ پنچ - آگرہ پنچ - گلدستۂ دامن بہار میں شایع ہوتا رہا ہے - سنہ ۱۸۹۰ء میں انتقال کیا - ایک دیوان غیر مطبوعہ مرتب کیا تھا خدا جانے مرنیکے بعد اسکا کیا حشر ہوا - کچھ اشعار جو ہاتھ آئے ہیں مندرجہ ذیل ہیں -

واہ وا رے ملک الموت تیری یاریکی	گھس گیا ناک میں نمرود کے مچھر بنکر

معشوق بچہ زادے سفلی خدا بچائے — کیا انتشار ہوتا ہے کل پل کو دیکھکر

میں اپنی ناتوانی پہ روتا ہوں اس لئے — اب لوگ دیکھتے مجھے عینک لگا کے ہیں

بادہ پیوں کہاں سے میں فصل بہار میں — نقدی تھی جسقدر وہ گئی سب اُدھار میں

انگور تر میں ہے نہ وہ لذت انار میں — منعم عجب ہے مزا مری میٹھی جوار میں

اے گل ترے فراق میں کانٹا سا ہو گیا — مجھسے زیادہ لوچ ہے پھولوں کے ہار میں

عروضی خردہ گیر شاعران باصفا ٹھہرے — دہائی جسطرح سے عیب جوئی اولیا ٹھہرے

کہا کرتے ہیں فاسق میکشوں کو حضرت زاہد — بڑی داڑھی بڑھا کر بیٹھے اک پارسا ٹھہرے

نکالو گھر سے ایسی جوتی ماما کا کالا منہ — کہ چکلے پر نہ بیلن اور نہ چولھے پر توا ٹھہرے

کریں اسراف کیا فرمائے اس قحط سالی میں — نہیں لتّا بدن پر اور پابند قبا ٹھہرے

چڑھاؤ گل مرے مرقد پہ اے گل اندام — یہ اپنے گل گلے لیجاؤ زین خاں کے لیے

بتاؤ مجھکو بھنگیڑو کدھر گئے میکش — بھٹکتا پھرتا ہوں میں اپنے کارواں کیلئے

آیا صاحب کے میم کے بس کے — دل اٹھاؤں میں ناز کس کس کے

سفیر — مولنا حافظ شاہ محمد سفیر الحق۔ آپ پھلواری ملک بنگال کے شہر فائے نامی سے تھے۔ عالم فاضل قاری ہونیکے سوا۔ تصوف و معرفت میں یکتائے روزگار تھے۔ ارباب سلوک اور مریدان باصفا اکثر کشف و کرامات کو آپکی طرف منسوب کرتے ہیں۔ شاعری میں اپنے وقت کے طوطی بنگالہ تھے ہمیشہ انکے اردگرد شاگردوں کا مجمع رہتا تھا۔

ابتدا میں امجد علیشاہ بادشاہ لکھنؤ کی سرکار میں کسی معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ شاہی فرمایش سے آپنے ایک مثنوی "نصیب نامہ" کے نام سے فارسی زبان میں کہی جو تقریبًا ہزار شعر کی ہوگی۔ علم حساب میں یدطولی حاصل تھا اور رسالہ "تسہیل الحساب" آپ کی تالیف ہے۔ خواجہ وزیر برق۔ آفتاب الدولہ قلق کے دوستوں میں تھے اور وہ انکے زہد علم و فضل کی وجہ سے بڑی عزت کرتے تھے۔ ۲۰ شعبان ۱۲۷۷ھ میں تلاوت قرآن مجید کرتے ہوئے آپکی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ایک

دیوان فارسی کا اور ایک دیوان اردو کا انکی یادگار ہے۔ جو مولانا تمنا صاحب کے پاس ہے۔ فارسی کلام میں صوفیانہ جذبات خوب ادا کرتے تھے۔ اردو میں۔ سادگی۔ صفائی زبان۔ آئینہ بیان کا جوہر تھا۔ کلام یہ ہے ؎

جو سر ہے تو دورانِ سر بھی رہیگا　　جگر ہے تو دردِ جگر بھی رہے گا
یہیں بیٹھا بیٹھا میں گذرونگا جی سے　　حضر بھی رہے گا سفر بھی رہے گا
وہ دل جسکو ہم کعبہ سمجھے ہوئے ہیں　　کبھی ایک کافر کا گھر بھی رہے گا
ذرا حشر تو کچھ جگہ دلیں چھوڑ دو　　یہیں انکا تیرِ نظر بھی رہے گا
صبا مت سنا موسمِ گل کی باتیں　　اری اُن دنوں بال و پر بھی رہے گا
جہاں تیرے کوچہ میں لاکھوں پڑے ہیں　　سفیر ایسا شوریدہ سر بھی رہے گا

حوادث ہائے عالم میں مجالِ دم زدن کب ہے　　دکھاتی رہتی ہے تقدیر کیا کیا دیکھتے رہیئے
یہی جی چاہتا ہے خیرباد اے عقل و دیں کہکر　　فقط بیٹھے ہوئے چہرا تمہارا دیکھتے رہیئے
سفیر اس کے سوا اس دور میں چارہ نہیں کوئی　　کہ چالیں کس طرح چلتی ہے دنیا دیکھتے رہیئے

سفیر

سفیر۔ خواجہ بادشاہ سفیر خلف و شاگرد خواجہ وزیر مرحوم لکھنوی۔ قابل باپ کے بیٹے تھے۔ مگر فلک بے مہر کی کج ادائی نے نشو و نما کا موقعہ ندیا۔ زمانہ کے انقلاب سے ہمیشہ پریشان رہے لکھنو کی علمی و ادبی صحبتیں درہم برہم ہوجانے سے انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ نہایت خاموشی سے زندگی گذارتے تھے۔ دوستوں کے اصرار سے مشاعروں میں کبھی کبھی شریک ہوتے تھے۔ مزاج میں تکبر و غرور چھو بھی نہ گیا تھا مگر خودداری میں اپنے باپ کے قدم بقدم چلتے تھے۔ لوگوں کے احسانات سے بچتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے شاعری کو اپنا ذریعہ معاش نہ بنایا اور دیگر اساتذہ کیطرح شاگردی کے سلسلہ میں تلامذہ سے کچھ وصول نہ کیا۔ رؤسائے ملیح آباد انکے قدرداں تھے ناقدری ہائے زمانہ سے دل شکستہ ہوکر اپنا بہت سا کلام ضایع کردیا۔ اپنے چوٹی کے شعر بھی دوسروں کو دیدیئے۔ اب جو کچھ گلدستوں میں یا تذکروں میں انکے نام سے اشعار نظر آتے ہیں وہ۔

"اُستاد زادہ" ہونیکے درجہ سے بہت کم ہیں اپنے کلام میں دنیا کے انقلاب کی تصویر خوب کھینچتے تھے۔ ایک مثنوی موسوم "گلشن عشق" مطبوعہ موجود ہے ۱۲۹۰ء میں زندہ تھے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

اے فلک غم کہاں تلک کھائیں
بھر گیا بھر گیا ہمارا پیٹ

دیکھ لیں گی جو برگ گل سی لب
بلبلیں دینگی جان ہونٹوں پر

کیا کوئی اُن لبوں کا لے بوسہ
مستی ہے پاسبان ہونٹوں پر

آب خنجر سے اب تو پیاس بجھاؤ
نکل آئی زبان ہونٹوں پر

ہم نے جب یاں خیال بوسہ کیا
پڑ گئے واں نشان ہونٹوں پر

بہار عارض گلرنگ ہو نہ صرف خزاں
رہے یہ پھول ہمیشہ بہار کے قابل

سفیر کشتۂ تیغ ہلال ابرو ہوں
چراغ ماہ ہے اپنے مزار کے قابل

داغ سینہ کا غیرت گل ہے
نالۂ دل صفیر بلبل ہے

ساکن گوشۂ قناعت ہوں
یاس سرمایۂ توکل ہے

ماہ کامل کو تجھ سے کیا نسبت
یاں ترقی ہے واں تنزل ہے

مدتوں میں اُٹھی سفیر کی لاش
کشتۂ خنجر تغافل ہے

مر گیا میں عاشق دیدار بر آئی مراد
خانۂ بت میں ہے طیاری خدائی رات کی

گُول دیکھو ساری شیخی کرکری ہو جائیگی
تاب کب ہے اُس لب نازک کو آدھی بات کی

سجا ہے کہنے بیٹھی اے بت بے پیر پتھر کی
خموشی نے بنایا ہے تجھے تصویر پتھر کی

خدا محفوظ رکھے پیکان ابرو قیامت ہیں
حقیقت کیا سمجھتا ہے نگہ کا تیر پتھر کی

بتوں پر جان دینے کی مرے پر کچھ نشانی ہو
لگا دینا مری تربت پہ اک تصویر پتھر کی

پھرایا جس نے سر تجھکو اسی کا تو نے سر کاٹا
ادا رسم رقابت تو نے اے گلگیر پتھر کی

کڑی باتوں سے انکی شیشۂ دل چور ہوتا ہے
بتانِ سنگدل کرتے ہیں کیا تقریر پتھر کی

تہ شمشیرِ ابرو سر جھکائے اور دم نہ مارے
نہ پائے سنگدل عزت متاعِ خاکساری سے
سفیر آنسو بہاؤں کیوں نہ اسکی تشنہ کامی پر

کہاں سے لائے چھاتی عاشقِ دلگیر پتھر کی
سراپا خاک ہو جل کر نہ ہو اکسیر پتھر کی
ہوئی بوچھار جسپر کربلا میں تیر پتھر کی

سفیر سفیر۔ لفٹنٹ میر شایق حسین خاں۔ حال ٹرانسپورٹ افسر اعلیٰحضرت حضور بندگان عالی شاہِ دکن تشبیہات اور استعارات سے طبیعت کو لگاؤ ہے۔ طرز بیان معقول ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

بوچھئے زلف میں افشاں کا چراغاں جو ہے آج
ابتو موقعہ ہی نصیحت کا نہیں اے ناصح
وہ چلے آئینگے گھر پہ یہ کسے تھی امید
پچھلی باتوں کا شبِ وصل نہ ہو ذکر کہیں
دل مرا حضرتِ آصف پہ تصدق ہے سفیر
دست و بازو کی ترے پھر میں کرونگا تعریف
شرم رسوائی گریہ نے ڈبویا مجھکو
قتل کرنیکو ہوئی انکی نزاکت مانع

شام گیسوئے سحر رخ سے بھی نورانی ہے
کہہ چکا تجھسے کہ یہ سب مری نادانی ہے
کیوں میں گھر میں نہ رہا اسکی پشیمانی ہے
صبح ہو جائیگی قصہ مرا طولانی ہے
واہ کیا شان ہے کیا طرز جہانبانی ہے
دیکھ لوں کھینچ کے ناوک تو جگر سے پہلے
اتنا پانی تھا نہ اونچا ہے سر سے پہلے
پڑ گئے بل مری قسمت میں کمر سے پہلے

سفیر سفیر۔ منشی فخر الدین صاحب دورِ موجودہ کے خوشگو شاعر اور کاکوری کے رہنے والے ہیں ادیب جلد ۱۹۱۹ء میں آپکی ایک نظم شایع ہوئی ہے جو مشہور شاعرہ مسنز سروجنی نائڈو کی تصنیف سے اخذ کیگئی ہے۔ اسکے چند بند اور کچھ شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

نارسائی سے تری بخت سیہ کیا ہوگا
میں نہ ہوں گا کبھی امداد کا خواہاں تجھسے
بن گیا ہے تو مری جان کا دشمن لیکن
ٹوٹ بھی جائیں اگر میری امیدوں کے علم

مجھکو تجھسے نہ کبھی شکوہ بیجا ہو گا
تیرا اے بخت نہ احسان گوارا ہو گا
سر جدا ہو نہ جدا سر سے یہ سودا ہو گا
کم نہ ہرگز یہ مرا ذوقِ تماشا ہو گا

مل گئی خاک میں گو سلطنتِ وہم و خیال
اس خرابے میں گراں مایہ خزانہ ہوگا

لاکھ تو لذتِ گفتار سے کر دے محروم
لب پہ لیکن نہ کبھی حرفِ تمنا ہوگا

گنگ ہو جائے اگر میری زبانِ گویا
دلِ نالاں صفتِ بلبلِ شیدا ہوگا

باغ میں نغمۂ پُرشورِ عنادل ہوں ہزار
نالۂ دل کا مگر رنگ نرالا ہوگا

چہ پرسی کہ ہمکو ناکامیا ہوں میں

مردمِ دیدۂ بسمل ہیں وہم بیتابی
یاسیسئ چشمِ ستم آرا ہوں میں

کشتۂ تیغِ اداطائرِ پربستہ ہوں
خرمنِ سوختۂ برقِ تجلی ہوں میں

گرمِ نظارۂ گلچینِ بہارِ گلشن
محوِ آئینۂ حسنِ رخِ زیبا ہوں میں

بالِ پروازِ پئے طائرِ فکرِ رنگیں
تازگیِ ثمرِ نخلِ تمنا ہوں میں

ہر گھڑی کام ہے اعجازِ مسیحائی سے
جلوۂ طور ہے مجھ میں یدِ بیضا ہوں میں

رازِ سربستۂ نیرنگِ جہاں میرا وجود
بزمِ امکاں میں عجب ایک معما ہوں میں

صیدِ لاغر ہوں گرفتارِ بلا ہوں لیکن
بستۂ دامنِ صیادِ دل آرا ہوں میں

دلِ دیوانہ ہوں گو آپکے نزدیک سفیر
چشمِ بد دور کسی آنکھ کا تارا ہوں میں

انقلاب انقلاب

ہمیشہ سے میں عہدِ سلطنت ہوں دارِ فانی میں
کئی صدیاں بسر کیں میں نے دورِ حکمرانی میں

ہزاروں سو رہا جو پروردۂ آغوش تھے میرے
ہیں جنکے نام روشن آج بھارت کی کہانی میں

ستارہ اوج پر تھا میرا مغلوں کی حکومت میں
رواں تھا میرا اسکہ دولتِ صاحب قرانی میں

گذشتہ شان و شوکت ہی در و دیوار سے پیدا
بسر کی روز و شب کس طرح عیش و کامرانی میں

رولائے حملۂ نادر نے لیکن خون کے آنسو
لہو جب بے گناہوں کا بہا جمنا کے پانی میں

مجھے یاد آتے ہیں خوابِ پریشاں اگلے وقتوں کے
مہا بھارت نے ڈالا کس بلائے ناگہانی میں

غنیمت ہوں کہ اب تک یادگارِ عہدِ ماضی ہوں
نمونہ بن گئی عبرت کی میں دنیائے فانی میں

حیاتِ تازہ ہے لیکن مرودم کب شاہی
مری تقدیر جاگی آج عہدِ شادمانی میں

مزے ملتے تھے کیا کیا تلخ کامی کب مجھے لیکن
حلاوت مل رہی ہے اتو شہ کی مہربانی میں

جناب قیصرِ ہندوستاں کا سایہ ہے سر پر
دوبارہ اوج پایا میں نے دورِ آسمانی میں

گرمیوں کی ہے یہ شدت اک بلا میرے لئے
بھر کے ساقی ساغرِ برف آب لا میرے لئے

رات بھر منہ سے نکلتی ہے صدائے العطش
دورِ دوں ہے روزِ محشر سے سوا میرے لئے

گرمیوں میں پیاس کی شدت سے ہوں میں جاں بہ
قطرۂ برفاب ہے آبِ بقا میرے لئے

جانستاں ہے کسقدر یارب تموزِ آفتاب
ہر شعاعِ مہر ہے تیرِ قضا میرے لئے

پاؤں کے نیچے زمیں مانندِ گلخن گرم ہے
سر پہ ہے چرخِ ستم گر آسیا میرے لئے

تابشِ خورشید میں گھر سے نکلنا ہے محال
فصلِ گرما بن گئی زنجیرِ پا میرے لئے

دوپہر کو سایۂ اشجار جنت ہے مجھے
منظرِ آبِ رواں ہے جانفزا میرے لئے

جنت نظارہ ہے سیرِ لبِ جو آج کل
تکیا ہے سبزۂ خضرِ رہنما میرے لئے

بوئے سنبل مست کر دیتی ہے گرما میں مجھے
بن گئی یہ نکہتِ زلفِ رسا میرے لئے

یادِ روئے صندلی میں غش پہ غش آنے لگے
دردِ سر کی ہے یہ گرمی میں دوا میرے لئے

موسمِ گرما میں ہوں میں تشنہ کامِ آرزو
شربتِ دیدار ہے آبِ بقا میرے لئے

نازنینوں کیلئے پھولوں کا زیور چاہئے
بوئے گل کی ہو فقط اک پنکھیا میرے لئے

شام کو نکلے ہوا کھانے بتانِ آرزی
گرمیاں ہیں کسقدر راحت فزا میرے لئے

نالہ جانسوز ہے گویا یہ مصرع اے سفیر
شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے

غزل دیگر

مجنوں جو دشت گرد گریباں دریدہ ہے
قمری میانِ سروِ چمن آرمیدہ ہے

نسرین و نسترن سے ہے آرائشِ بہار
سبزہ کنارِ موجِ صبا نو دمیدہ ہے

پیش از طلوعِ صبح شفق ہے جو لالہ زار
لیلائے شب اک آہوئے مشکیں رمیدہ ہے

کبک و تذرو محوِ فضا میں سبک خرام
شبنم بروئے گل کوئی اشکِ چکیدہ ہے

پانی میں مچھلیاں ہیں کہ ہے آہ شعلہ ریز
تارِ شعاعِ مہر کہ رنگِ پریدہ ہے

فصلِ بہار آج صلائے نشاط ہے
دل ہے شکستہ پر مگر آفت رسیدہ ہے

اوج ہلال عید ہے شکل وصال دید — دیکھیں کہ دیکھتا کہیں وہ شوخ دیدہ ہے

سفیر

سفیر۔ مولوی محمد صدیق حسن صاحب۔ آپ نگینہ ضلع بجنور کے باشندے ہیں۔ نومشق شعرا میں ہیں لیکن طبیعت شوخ پائی ہے۔ کلام میں چلبلاپن ہے۔ جوہر فکر یہ ہے۔

مجھے جو کہتے ہو ہر بار تم کہ تو کیوں ہے — تمہاری بزم میں اچھا تو پھر عدو کیوں ہے
یہ میکدہ نہیں گھر ہے خدا کا لے واعظ — یہاں پہ ذکر مے و جام اور سبو کیوں ہے
جنون جامہ دری کا یہ جو شغل ہی ٹھہرا — تو روز جیب و گریباں میں پھر رفو کیوں ہے
شراب تم نہیں پیتے یہ ہم نے مانا سفیر — مگر زمانہ میں بدنام چار سو کیوں ہے

سکندر

سکندر۔ خلیفہ محمد علی دہلوی تلمیذ ناجی۔ مرثیہ خوانی میں نامور تھے۔ سنہ ۱۸۷۱ء میں وفات ہوئی ساٹھ برس کی عمر پائی۔ شاہ مردان دہلی میں دفن ہوئے۔ فن شاعری سے ماہر ریختہ طراز معنی آفریں سخنور تھے۔ قدرت اللہ شوق کا قول ہے کہ پنجاب کے باشندوں میں نہایت خوش طبع ظریف مزاج تھے۔ شبانہ روز مخمور رہتے تھے۔ مرثیہ گوئی میں اچھی شہرت حاصل کی تھی۔ کلام یہ ہے ؎

قیس صحرا میں رہا کوہ میں فرہاد رہا — میں بگولے کی طرح دشت میں برباد رہا
گرا ہے مانگ میں دل میرا آہ ڈھونڈوں کدھر — کہ آدھی رات ادھر اور آدھی رات ادھر
نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب دریا میں — وہ دیکھ لے مری چشم پر آب دریا میں
سحر گذرا چمن میں کون سا خورشید رو یارب — کہ شبنم گل کے منہ پر آب تلک پانی چھڑکتی ہے
کبھی فرقت میں شب کو آنکھ گر میری جھپکتی ہے — امید ہم روح کوچہ میں ترے جا کر بھٹکتی ہے
مبادا آگ لگ جائے مرے دل کی ترے دلکو — گلے لگنے سے اس دل سوز کی چھاتی دھڑکتی ہے

سکندر

سکندر۔ منشی سکندر خاں دہلوی۔ حضرت مومن کے تلامذۂ خوش عقیدہ میں سے تھے۔

کس کا نام اسکی زباں پر ہے کہ اس نفرت پہ — حرف ناصح سے دماغ اپنا پریشاں نہ ہوا

سکندر

سکندر۔ نواب سکندر میرزا خلف نواب میرزا ابوالحسن خاں صاحب۔ آپ لکھنؤ کے

خاندان شاہی سے ہیں اور وثیقہ دار ہیں سنہ ۱۸۸۲ء میں سید امیر حسن صاحب فروغ کے مشاعروں میں شرکت فرمایا کرتے تھے قدیم استعاروں کے فدائی ہیں پرانی تشبیہات سے بیان میں سجاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

جوشِ جنوں میں جامہ دری سے تنگ ہوں
دامن اگر سیا تو گریباں نکل گیا

مار ڈالا نگہ یار نے جادو ہو کر
تیر کا کام کیا چشم نے آہو ہو کر

طاقِ ابرو میں عجب ہے خالِ سیاہ آزاد
کس طرح داخلِ کعبہ ہوا ہندو ہو کر

چاہ میں زہرہ جبیں کے ہیں فرشتے بھی اسیر
شانِ معبود ہے یہ حسن بشر رکھتے ہیں

داغِ سوزاں بھی ہے اور داغ جگر بھی ہیں
اے فلک سینہ میں ہم شمس و قمر رکھتے ہیں

میں جو زنداں میں گیا شوق اسیری دیکھا
بعد مرنے کے بنے گی یہیں تربت میری

زمانہ گذرا گیا عدم کو نہ دیکھا دم بھر کبھی ارم کو
تلاش کوئے صنم میں ہم کو تو روح اب تک بھٹک رہی ہے

سکوت۔ منشی ناظر الحق صاحب مرحوم خلف مولوی عبدالرحمٰن صاحب باقی ساکن امروہہ　سکوت

فن شعر گوئی میں اپنے ماموں زاد بھائی حضرت ساکت مرحوم کے شاگرد تھے۔ دو تین برس کی مشق میں ایک دیوان مرتب کر لیا تھا مگر قضا و قدر کے ہاتھوں شاعری راس نہ آئی۔ اٹھتے ہوئے شباب میں جبکہ ۲۵ برس کی عمر تھی فن طب کی تکمیل کرتے کرتے عمر کی تکمیل کر لی۔ گو مرحوم نو مشق شاعر تھے مگر کلام سے پختگی اور جودت طبع ذہن رسا کا ثبوت ملتا ہے۔ بندش کو خوبصورت بنانے۔ الفاظ کو پلٹنے میں مہارت تھی۔ شعر میں دونوں برابر کے مصرعے مزا دیجاتے تھے انتخاب کلام یہ ہے ؎

ٹھہرا جو وقتِ ذبح ذرا ہاتھ یار کا
ارماں مچل گیا دلِ امیدوار کا

پردہ جو رخ سے بزم میں اس نے اٹھا دیا
آنکھوں کو شمع طور کا جلوہ دکھا دیا

حسرت مری حسرت ہی کہ پوری نہیں ہوتی
مطلب مرا مطلب ہی کہ حاصل نہیں ہوتا

شبِ وصال کیسے وہ ہائے نازک ہاتھ
پڑے رہے مری گردن میں ہار کی صورت

نہ کھلے بندِ قبائے بتِ بے پیر کے پیچ
سامنے آ گئے میرے مری تقدیر کے پیچ

آئینہ دیکھنے میں جو ناز و غرور ہے
تم بولتے نہیں تو مقابل کو کیا غرض

تم سے کروں شکایتِ جور و ستم فضول
تم سے کہوں حکایتِ رنج و الم غلط

یہ شغلہ شراب کا ہے صرف اسلئے
ہوتا ہے دو گھڑی کیلئے اس سے غم غلط

چتون یہ کہہ رہی ہے کہ اب کھل ہی کھیلیے
آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ ہاں خوب کر لحاظ

ٹھہرو ٹھہرو ابھی افسانۂ غم باقی ہے
اور کہتا ہوں ذرا صبر تو آ لے دل کو

میرے دل سے جو نہ نکلے وہ ہی ارماں میرا
اُنکے دل سے جو نہ نکلے وہ ملال اُنکا ہے

جو میرے دل میں نہ آئے وہ بُرائی اُنکی
جو مرے دل سے نہ جائے وہ خیال اُنکا ہے

اے کفن تو ہی مرا وحشت میں پردہ ہاں کئے
ننگ جسمِ زار پر پوشاک عریانی ہوئی

بے حجابانہ وہ یوں دیتے ہیں اغیار کو جام
شرم آتی ہے صراحی کو بھی پیمانے سے

سلام — سلام۔ نجم الدین صاحب خلف الرشید شرف الدین علیخاں اکبرآبادی۔ صرف ایک شعر آپ کا دستیاب ہوا ہے جو درج ذیل ہے ؎

حدیثِ زلف چشمِ یار سے پوچھ
درازی رات کی بیمار سے پوچھ

سلام — سلام۔ سید خواجہ معین الدین چشتی۔ ولد خواجہ فخر الدین متخلص بہ فخر۔ آپکی ولادت شہر مدراس میں ہوئی ہے مگر حیدرآباد میں تعلیم و تربیت پائی۔ اب سکندرآباد کے ڈاکخانہ میں ملازم ہیں عربی و فارسی میں مختلف اساتذہ کے سرچشمۂ علوم سے فیض یاب ہوئے علم عروض میں سید محمد مصطفےٰ صاحب خورشید لکھنوی سے استفادہ کیا۔ ابتدائے مشق سخن میں حضرت بقا لکھنوی فرزند جناب میر وزیر علی صبا مرحوم و مولنا تمنا لکھنوی سے اصلاح لیتے رہے۔ مگر کچھ عرصہ بعد سید کاظم علی صاحب حبیب کنتوری یادگار خاندان شیخ ناسخ مرحوم کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ اور انکے فیض نے آپ کو نکاتِ شاعری سے آگاہ کر دیا اور سابقہ کلام بھی انہیں کی نگاہ سے گزرا۔ آپکے دو دیوان غیر مطبوعہ آپکے پاس موجود ہیں

آپکی عمر ۵۰ سال کی ہوگی شعر خوب کہتے ہیں۔ کلام میں لطافت ہے اور فکر بلند ہے۔ آپ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی سوانح عمری بھی لکھی ہے۔ ذیل کے اشعار طبع کی جولانی کا حال بتاتے ہیں ؎

یہ خاموشی نہیں ہے پاسِ ناموسِ محبت ہے — اگر چاہوں تو نالوں سے مرے کیا ہو نہیں سکتا
پلٹ دے یاس ہیں لاکھوں تمنائیں درِ دل پر — چھپے جب تک نہ اتنی بھی طبیعت ہو نہیں سکتا

نہ گئی وصل میں ناکامیٔ قسمت نہ گئی — داغِ حسرت ہی مرے کشت کا حاصل ٹھہرا
ہے ستم لطف کے پردہ میں جفا ہو جانا — دل دکھاتا ہے یہ باتوں میں خفا ہو جانا

الٰہی بزم میں یہ کون سا مستِ شباب آیا — پڑیں کس کی نگاہیں رقص میں جامِ شراب آیا
کہاں وہ سادگی بچپن کی دورِ انقلاب آیا — ہوئے مستِ مئے نخوت کہ اب عہدِ شباب آیا

ہے دل کی طرح دیدۂ حیراں میں جائے دوست — یہ اور تجھے دو مکاں ہیں دولت سرائے دوست

دیکھ روتی ہیں لپٹ کر حسرتیں — رحم کر ظالم نہ دل سے تیر کھینچ

قتلِ عاشق سے پہلا قاتل کا داغِ آرزو — خون نے گل کاریاں کیں دامنِ شمشیر پر

جوشِ وحشت میں کھلاتی ہے پایانِ عروج — جب پھٹا اپنا گریباں آگیا دامن کے پاس
جائے عبرت ہے مزارِ عاشقِ حرماں نصیب — حسرتیں سر دھن رہی ہیں ہر طرف دامن کے پاس

تیرے جلوہ سے بڑھی تنویرِ پشتِ آئینہ — خوب چمکا اخترِ تقدیرِ پشتِ آئینہ

رحم کر اے موت چلاتی ہے میری بیکسی — پھر رہی ہیں حسرتیں ہر سمت گھبراتی ہوئی

قیدِ غم سے تو کسی طرح رہائی ہوتی — وہ نہ آیا نہ سہی موت ہی آئی ہوتی
ہوتی تلوار نہ گر میرے لہو کی پیاسی — یوں زباں اسکی نہ باہر نکل آئی ہوتی
دل مرا لیکے مجھی سے یہ ڈھٹائی تو یہ — میرے آگے تو ذرا آنکھ جھکائی ہوتی

سچ بتا دے تجھے دزدیدہ نگاہوں کی قسم — ہم سے کیوں دل کی طرح آنکھ چرا رکھی ہے
تیرے دیوانے کو ہے وحشت میں لطفِ شاہی — ہم نے مسندِ زرتار بچھا رکھی ہے

بھر نذر نگہ ناز و ادا و انداز	سر جدا قلب جدا جان جدا رکھی ہے

سلامت

سلامت ۔ جناب سلامت علی مرحوم عظیم آباد کے قدیم شعرا میں سے تھے۔ یہ چند شعر شوق کے تذکرہ سے انتخاب کئے جاتے ہیں ؎

عاشق تو ہو چکے سب اب ایک ہم رہے ہیں	تلوار کھینچ کر کے کیوں آپ تھم رہے ہیں
کٹے ہیں رونے میں اب روز زندگانی کے	مرے یہ دیدۂ تر بلبلے ہیں پانی کے
آہ اپنی ناتواں ہے پہلو کو تھام کر کے	آتی ہے دل سے باہر لاکھوں مقام کر کے
کہتے ہو کیوں سلامت ہے عاشقی میں بودا	کیجئے نہ قتل آ کر گر قصدِ امتحاں ہے

سلامت

سلامت ۔ جناب سلامت اللہ خاں صاحب۔ آپ شاہجہانپور کے ساکن ہیں حضرت تائب شاہجہانپوری کے شاگرد ہیں طبیعت معنی سنج ہے۔ دو شعر مندرجہ ذیل ہیں ؎

شہر ملک کے آپ کے درِ دنداں کی آب سے	دریا سے قرض لینے کو پانی گہر گئے
الفت میں ان بتوں کی سلامت قرار و صبر	دل سے نکل کے ہائے نجانے کدھر گئے

سلطان

سلطان ۔ مرزا بابر بخت۔ خاندان شاہی دہلی کے افراد سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور سرکار دکن سے پنشن پاتے ہیں۔ کلام شاہانہ شوکت سے معمور ہے۔ شعر میں کبھی انقلاب دوراں کی شکایت بیان کرتے ہیں کبھی گذشتہ اقبال کی تمنائیں۔ شاید غدر کا پُر آشوب نظارہ انکی نگاہ سے گذر چکا ہے۔ ٹوٹے ہوئے دل کی ندا یہ ہے ؎

مفلس ہوئے ہیں ملک بھی برباد ہو چکا	اتنو پناہ لینے دے اے آسماں کہیں
یارب ظفر کے باغ کو آ یا دھر دکھا	فصلِ بہار آئے یہ جائے خزاں کہیں
حالت ہماری اسکے مطابق ہے من عن	بلبل کہیں ہے باغ کہیں باغباں کہیں
آصف تمہاری ملک میں اللہ کا شکر ہے	دلی کے لیئے جاتی ہیں سنچھ کچھ نشاں کہیں

سلطان

سلطان ۔ میرزا سلطان شاہ گورگانی خلف الرشید میرزا جمعیت شاہ ماہر دہلوی۔ زبان دل آرا۔ بیان پیارا۔ مضامین خوش اسلوب۔ غدر میں زندہ تھے۔ عروس طبع کی

زیبا پیشس یہ ہے ؎

عہد طفولیت بھی نہیں سلطنت سے کم
سلطان شاہ کیوں نہ کہے اک جہاں مجھے

بے جلائے دل و جگر جل جائے
کیا بری آگ ہے محبت کی

آتے آتے وہ پھر گئے گھر کو
یہ بھی خوبی ہے اپنی قسمت کی

سلطان

سلطان۔ راجہ خواجہ طالب علیخاں خلف خواجہ حسین علی بخاری۔ دہلوی الاصل تھے مگر کلکتہ میں سکونت اختیار کرلی تھی کسی کے شاگرد نہ ہوئے۔ زمانہ قیام لکھنؤ میں بڑے دھوم کے مشاعرے کئے۔ اپنے خسر کی وفات کے بعد انکو شہر گھاٹی کی مسند نشینی ملی۔ آخرکار ۱۲۷۲ھ میں چالیس سال کی عمر پاکر دنیا سے رحلت کی انکی ننہیال کا سلسلہ خاندان خواجہ میر درد سے تھا۔ شاعر خوش افکار ہیں۔ دو تین دیوان انکی یادگار ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

اک نئی طرح کا ہر حلقے نے پھندا مارا
تو نے او زلف مسلسل مجھے اچھا مارا

دل کی جا سینے میں میرے اسکا پیکاں رہ گیا
میزباں جاتا رہا اور گھر میں مہماں رہ گیا

کھل گئی تو وہ گل ہنس کے بولا
بھر اسنے پھولوں سے دامن ہمارا

وار کیا معلوم ہو تیغ نگاہ یار کا
سائل پہر نشانہ ہے گھات اس تلوار کا

رندوں نے آج فتنہ میں کیا دھوم نکالی ہے
دنیا بغل میں سر پہ سبو جام دوش پر

روز قیامت اور شب ہجر ایک ہے
اسکی جو شب نہیں ہے تو اسکی سحر نہیں

دام بلائے عشق میں ہم بے سبب پڑے
ہم سخت دل یہ ہائے خدا کا غضب پڑے

سلطان

سلطان۔ رؤسائے قدیم لکھنؤ سے۔ مؤلف تذکرہ سراپائے سخن کا خیال ہے کہ نواب معتمد الدولہ کی دختر کے بیٹے تھے۔ شعر کہنے میں مشاق اور صاحب دیوان تھے۔ کلام دور از کار استعارات۔ رعایت لفظی کی وبائے عام سے پاک صاف تھا۔ طبیعت جوش کھائی ہوئی تھی فکر جگر افگار یہ ہے ؎

کب تک تری یہ ہجر کے صدمے اٹھائے دل
ڈر ہے یہی کہ جان سے اپنی نہ جائے دل

تھی وہ نگاہ یا کوئی ناوک کا تیر تھا
ملتے ہی آنکھ رہ گیا میں کھکے ہائے دل

سینہ اگر ہے داغوں سے معمور کیا ہوا
خالی ہے تیرے واسطے عشرت سرائے دل

سلطان

سلطان۔ نواب محمد سجاد علیخاں المخاطب نواب اشرف الدولہ لکھنوی حضرت امجد علیشاہ کی بیٹی افسر بہو بیگم صاحبہ چھوٹی شاہزادی کے متبنّی فرزند اور بڑے با وضع شاندار رئیس تھے نواب مرحوم ۱۲۶۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ناز و نعمت کے گہوارہ میں تربیت و نشو و نما پائی۔ آپ واجد علیشاہ کے ہمشیر زادہ تھے اور آپ کی بہن میرزا حامد علیخاں کوکب علی عہد سے منسوب تھیں شعر میں ٹکسالی بیگماتی محاورات۔ فصیح زبان برتتے تھے۔ بساطِ سخن پر قریب الفہم تشبیہ۔ استعارات کی جواہر پاشی فرماتے تھے۔ صنایع بدایع کی خوبیوں سے کلام مرصع ہے۔ فکر رزین یہ ہے۔

مر گیا غم میں ترے یا جل کے خاکستر ہوا
جو ہوا اچھا ہوا جو کچھ ہوا بہتر ہوا

نالۂ زنجیر تھا یا صورِ اسرافیل تھا
جس طرف گذرا میں دیوانہ اُدھر محشر ہوا

آپ ہی مارا ہے مجھکو آپ ہی کہتے ہیں وہ
حادثہ یہ کیا پڑا یہ واقعہ کیونکر ہوا

فتنے کیا کیا زلف روئے یار نے برپا کئے
شام کو آئی قیامت صبح کو محشر ہوا

ہوں میں زخمی تیغِ عشقِ ابروئے خمدار کا
زخم تن سینے کو ڈورا چاہئے تلوار کا

دیکھ لو عالم ہمارے آنسوؤں کے تار کا
کیا رہا رتبہ تمہارے موتیوں کے ہار کا

آنکھ وہ ہے جو کرے نظارہ روئے یار کا
سر وہ ہے سودا ہو جسمیں گیسوئے خمدار کا

دیکھکر عارض کو تیری گل بھی دیوانے ہوئے
پھاڑ کر ملبوس تن رستہ لیا بازار کا

جانتا ہوں تجھکو در پردہ بتوں سے راہ ہے
رشتہ ہے زاہد تری تسبیح میں زنار کا

نظم کرتا ہوں میں سلطان بیتِ ابرو کی صفت
کیوں ہلالی بھی نہ قائل ہو مرے اشعار کا

بیچ میں سدِ سکندر سی حائل ہیں رقیب
اُنکی مجھکو نہ انہیں میری خبر کرتے ہیں

زلف کے وحشی کی یارب یوں رسا تقدیر ہو
ہاتھ میں ہو ہتکڑی اور پاؤں میں زنجیر ہو

مہرِ تاباں سے کہیں بڑھ کے اس رخ کی چمک
منفعل کیونکر نہ اُس سے ماہ کی تنویر ہو

لامکاں سے دہن تنگ کا رتبہ نہیں کم
تکرتے ہیں سر محفل وہ لیکے دل میرا
لگائے کوئی نہ اُس شاہ حسن سے دلکو
نہ پوچھو حال شب غم کا ہم سے اے سلطاں

قدریں ہیں شب معراج پیمبر گیسو
جہاں میں خاک کسی کا بھرا اعتبار رہے
ہر ایک ملک میں جاری یہ اشتہار رہے
بغیر یار سحر تک ہم اشکبار رہے

سلطان

سلطان ۔ نواب محمد نصر اللہ خاں خلف نواب عبد اللہ خاں عاصی والئی رامپور۔ آپ نواب آصف الدولہ کے حکم سے رحمت علیخاں کے سرپرست قرار دئے گئے۔ سولہ برس تک مختار رہ کر ۴۶ سال کی عمر میں ۱۲۲۵ھ کو راہی ملک بقا ہوئے۔ اُنکے شاہد سخن کی شوخی مشتاقان کلام کے دلوں کو دلفگار کرتی ہے۔ سلاست بیان لطف زبان پر جان نثار کرتی ہے۔ کلام یہ ہے ؎

ہجر میں مجھکو بھروسا نہیں اپنے دم کا
ہاتھ وہ بھی نہ لگا لینے کو جسکی خاطر
باعث شہرہ ہوا عشق ہی تیرا پیارے
جو کیا جور و جفا تم نے نشان سلطان پر
اُس لب سے کیا لعل کا جب رنگ برابر
عارض پہ اسکی زلف کو دیکھے جو اک نظر
خوش ہے سلطاں جو اسقدر شاید
خنجر نہ ہوویں یار کبھی دل سے کسی کے

کل گیا۔ آج گیا۔ صبح گیا۔ شام گیا
دین و دنیا کا مرے ہاتھ سے سب کام گیا
ورنہ خوباں میں تو اتنا تو نمودار نہ تھا
اس قدر تو وہ ستم دیدہ گنہگار نہ تھا
دیکھا تو نہیں اُس کے یہ پاسنگ برابر
دیکھی نہو دے جس نے بہم شام اور سحر
آج کچھ وصل یار کی ٹھہری
جس لطف سے پیارے ترے مژگاں کی انی ہے

سلطان

سلطان ۔ سید محمد سلطان صاحب باشندۂ مانگرول کاٹھیاوار۔ آپ منشی تجمل حسین صاحب تجمل مقیم بمبئی کے شاگردوں میں ہیں۔ ابھی شعر گوئی کا آغاز ہے۔ خیال میں کسیقدر پرواز ہے۔ یہ دو شعر انکے درج کئے جاتے ہیں ؎

ہے نئے ظلم کا طالب دل شیدا ہر دم
ہم ہیں اور درس ہے اک گل کے رخ زیبا کا

روز کیونکر کوئی تازہ ستم ایجاد کرے
کہدو بلبل سے گلستاں کا سبق یاد کرے

سلطان

سلطان۔ سید محمد سلطان۔ آپ موزوں طبعان شاہجہانپور میں خوشگو ہیں۔ سید حسین احمد صاحب بیباک سے تلمذ ہے۔ طبیعت میں اختراع اور جدت کا ابھی گذر نہیں ہوا ہے۔ سیدھا سادا شعر کہہ لیتے ہیں۔ لطفِ زبان اور مشق کی ضرورت ہے۔ رسالہ خدنگ نظر سے کچھ شعر نقل کئے جاتے ہیں ؎

منہ پر نہ آئے گا کبھی لب تک نہ آئے گا
افشا نہ ہو گا جو وہ مرے دل کا راز ہے

کسطرح اٹھ سکینگے فلک کے یہ جور و ظلم
دل ابتدا سے خوگر آغوشِ ناز ہے

کیونکر نہ مجھکو اپنے مقدر پہ ناز ہو
اُس بت سے ان دنوں مجھے حاصل نیاز ہے

کیوں ٹالتے ہیں آپ نہ باتیں بنائیے
آنکھیں بتا رہی ہیں جو پوشیدہ راز ہے

سلطان

سلطان۔ محمد سلطان عرف قاضی فرزند احمد خلف قاضی احمد بخش مرحوم انکے نانا مولوی حیدر علی ٹکاری کے راج میں دیوان تھے۔ آبائی وطن دولت پور ضلع گیا میں ہے۔ مگر لڑکپن سے صاحب گنج گیا میں قیام پذیر ہیں۔ عربی بقدر ضرورت جانتے ہیں۔ فارسی میں دستگاہ کامل ہے۔ آغا کمال الدین سنجر طہرانی کو اپنے پاس رکھکر استفادہ حاصل کر چکے ہیں۔ انکی مثنوی نیرنگ روزگار طبع ہو چکی ہے آمدنی معقول ہے۔ آرام و آسائش سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اردو شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں۔ خود ہی اپنے کلام کی نظر ثانی کرتے ہیں۔ انتخاب کلام یہ ہے ؎

رہا شوقِ شہادت بعد مردن بھی مری دل میں
کہ میری روح جوہر بنکے لپٹی تیغِ قاتل میں

تری رفتار مستانہ ہے وہ بانکی ادا انکی
کہ لاکھوں ٹھوکریں حسرت نے کھائیں خانۂ دل میں

پنہائیں بیڑیاں وحشت نے مجھکو چشمِ فتاں کی
مثالِ دیدۂ آہو ہے ہر حلقہ سلاسل میں

سلطان

سلطان۔ حکیم سلطان مرزا صاحب لکھنوی۔ آپ حکیم نواب مرزا صاحب شوق مصنف بہار عشق کی قابل یادگار ہیں۔ رنگین طبع، شوخ مزاج۔ زندہ دل شخص ہیں۔ لکھنؤ کے محاورات باندھنے میں طاق۔ معاملہ بندی انکی گھٹی میں پڑی ہے۔ الفاظ کی دھوم دھام یا رعایتوں سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ غزل میں سوز و گداز۔ درد۔ عاشقانہ جذبات موجود ہیں۔ شعر کے تیور

خوب ہوتے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے

اے شیخ برخلاف نہ حسنِ عمل کے چل
ہم میکشوں سے پوچھ کے راہیں سنبھل کے چل

اے دل کنوئیں میں جھانکیگا یوسف لقا کا عشق
اس راہ میں نشیب بہت ہیں سنبھل کے چل

حاجت نہ رکھ اگر تو کسی سے کبھی نہ جھک
پھر کیا ہے بادشاہ سے تیور بدل کے چل

اللہ نے سمجھ بھی عطا کی ہے آنکھ بھی
دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

بگڑے ہیں وہ کہ آہیں کیوں تا بہ عرش پہنچیں
چٹکیاں تھیں پھیر وہ آسمان پر ہیں

باتوں سے مار ڈالیں چاہیں جسے جلا دیں
اعجاز بھی فسوں بھی اُن کی زبان پر ہیں

ہم ہیں وہ رند کہ کعبہ میں اذاں دیں برسوں
مدتوں پھونکا ہے ناقوس صنم خانوں میں

ہائے کس ظلم کا گانا ہے کہ دل ٹکڑے ہوں
برچھیوں کا سا ہے انداز تری تانوں میں

احسان مجھ پہ اے دل شیدا کرے کوئی۔
سینہ سے محو نقش تمنا کرے کوئی

فرماتے ہیں سُنیگو مرے مرگ کی خبر
سُن تو لیا وہ مر گیا پھر کیا کرے کوئی

خالق کی یاد سہل نہ آساں بتوں کا عشق
دو دن کی زندگی میں کہو کیا کرے کوئی

اکدن کفن پہن کے سرِ خاک سوئیگا
اسبابِ عیش لاکھ مہیا کرے کوئی

سلطان سوا ملال کے انجام کچھ نہیں
دل کا کسی کے ہاتھ نہ سودا کرے کوئی

چین آگیا ہمیں دمِ رخصت جو مر گئے
احسان اُنکا ہے جو چھری پھیر کر گئے

غش آگیا مجھے دمِ رخصت غضب ہوا
اب کیوں وہ آئینگے مری صورت سے ڈر گئے

کس درجہ بیقرار ہیں وہ کتنے شوخ ہیں
آنکھوں میں پھر گئے کبھی دل میں اُتر گئے

میرے لئے تھی خلق میں سب فتنۂ جہاں
جو بیچ رہے وہ اہلِ قیامت کے سر گئے

چھوڑا نہ ساتھ حاجتِ دنیا نے تا بہ حشر
محتاجِ فاتحہ وہ ہوئے جو گزر گئے

مرنا فراقِ دوست ہے جینا ہے اسکا وصل
ہم آدمی نہیں یہ تصور اگر گئے

مانگا ہے جب خدا سے ملا ہے وہ بُت ضرور
خالی کبھی نہ تیرِ دعائے سحر گئے

یارب یہ کیسی آگ ہے جلتی ہے جس سے خلق | کیا سات دوزخ ایک مرے دل میں بھر گئے
عاشق کو اپنے کوس رہے تھے ہنسی سے وہ | مرنا سنا تو قبر پہ باچشم تر گئے
وہ باغ میں پھریں ہمیں تربت میں کیا خبر | جھونکے نسیم کے کدھر آئے کدھر گئے
اب اُنکے رشک سے دل میں ہلاک ہے | جو قطرہ ہائے خوں سے تر دامن میں بھر گئے

سلطان

سلطان۔ اُستادِ نامی شاعرِ گرامی جناب میر سلطان علی صاحب بلگرامی تلمیذ و یادگار حضرت ذکی مرحوم۔ جناب ذکی بلگرامی کے واسطے سے آپکا سلسلۂ شاعری میرزا سلامت علی دبیر لکھنوی تک پہنچتا ہے۔ آپ کی عمر قریبًا ساٹھ سال کی ہے۔ اکثر لکھنؤ اور سندیلہ کے معرکۃ الآرا مشاعروں میں شریک ہو چکے ہیں شعرائے بلگرام میں اسوقت سب سے زیادہ ممتاز ہیں شاگردوں کی جماعت کثیر ہے طبیعت منجھی ہوئی ہے کلام میں پاکیزہ خیالی۔ اخلاقی مضامین کا لحاظ رکھتے ہیں زبان بھی سادہ ہے۔ کچھ کلام دستیاب ہوا۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

خاطر ہے عزیز ہر اک جاں نثار کی | سیکھو نہ چال گردشِ لیل و نہار کی
عزت فروتنی سے ہوئی خاکسار کی | گردوں سے مل گئی ہے بلندی غبار کی
شاخوں میں برگ ہیں گل میں رنگ بو | قدرت تو دیکھئے مرے پروردگار کی
دیکھا جہاں کو عرصۂ شطرنج کی طرح | کرتے ہیں بند راہ پیادے سوار کی
خنجر سے جب کٹا نہ گلا آپ کٹ گیا | پھیرا یہ منہ کہ آنکھ نہ قاتل نے چار کی

سلطان

سلطان۔ نواب میرزا محمد سعید علیخاں صاحب عرف نواب سلطان صاحب بہادر لکھنوی۔ آپ نواب میرزا محمد جعفر علیخاں صاحب بہادر نواب شیش محل کے فرزند دلبند ہیں۔ انگریزی میں بی۔ اے پاس ہیں اور عربی فارسی میں بھی دخل رکھتے ہیں۔ عرصہ سے مذاقِ سخن طبیعت میں ہے اکثر مشاعروں میں شریک ہوکر داد لیتے رہتے ہیں کلام بامزہ ہے۔ بندشیں صاف اور سلجھی ہوئی ہوتی ہیں۔ انتخاب ملاحظہ ہو ؎

غضب ہے کر رہا ہے ذبح وہ منہ پھیر کر مجھکو | دمِ آخر بھی قاتل کا نظارہ ہو نہیں سکتا

شبِ وصلت ہی آخر ہیں وہ قانع عرض مطلب پر
نگاہِ یاس تجھسے بھی تقاضا ہو نہیں سکتا

یوں ترے حسن کا نظارہ کیا کرتے ہیں
شمع بنکر تری محفل میں رہا کرتے ہیں

جسکے ابرو کا اشارہ ہی قضا کا پیغام
آج ہم پھر اُسی ظالم کو خفا کرتے ہیں

اسیرانِ قفس گلشن کو جسدم یاد کرتے ہیں
کلیجہ منہ کو آجاتا ہے جب فریاد کرتے ہیں

ساعی ہو کوئی اور بھی میرا شبِ وصال
زلف انکی بڑھ کے پاؤں تک آئی خدا کرے

وہ کیا کریں جو انکی تمنا کرے کوئی
انکی بلا سے ہجر میں تڑپا کرے کوئی

قاصد سے سنکے حال مرا وہ یہ کہتے ہیں
یوں ہی ہزاروں مرتے ہیں پھر کیا کرے کوئی

سلطان — سلطان۔ محمود خانصاحب۔ منشی کالج ریاست میسور۔ رنگین فکر شگفتہ مزاج سلیم الطبع سخنور ہیں۔ میسور جیسے دور افتادہ مقام پر جہاں اُردو سمجھنے والوں کے لالے پڑے تھے۔ وہاں کی سرزمین سے ایک فصیح بلیغ کا پیدا ہونا خدا کی دین ہے۔ منشی صاحب موصوف کا کلام حشو و زواید سے پاک ہے۔ طبیعت میں آمد و روانی ہے۔ تھوڑے الفاظ میں وسیع مضامین ادا کرتے۔ تصوف اور اخلاقی خیالات کو جامۂ نظم سے آراستہ فرماتے ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

لن ترانی سُنا کے موسیٰ کو
طور پر کیا دکھا دیا تو نے

دی محبت تو دل ہی چھین لیا
کیا دیا اور کیا لیا تو نے

قاتل نے دمِ ذبح دی ابرو کو بھی جنبش
تلوار چلی خوب ہی تلوار کے نیچے

آگیا اشک ندامت جوش پر وہ اچھا ہوا
داغِ عصیاں دل دھونے کو یہ پانی چاہیے

بزم سے رندوں کی شاید شیخ نکلا لے کے مے
لڑکھڑاتے ہیں قدم تو چال بھی مستانہ ہے

سلطان — سلطان۔ میاں سلطان محمد خاں۔ آپ ریاست بھوپال کے جاگیردار ہیں۔ طبیعت کو شعر و سخن سے ذوق۔ نکتہ سنجی اور معنی پروری کا شوق ہے مگر کم مشقی کیوجہ سے کلام بیرنگ اور کسی خاص معیار پر نہیں ہے۔ موزونی طبع کا نتیجہ اشعار ذیل ہیں ؎

ستم ڈھانا۔ ستانا۔ جی جلانا
پھر اسپر یہ غضب ہے روٹھ جانا

نہیں ہے سہل مراد ل دکھانا	بُرا تمکو کہیگا اِک زمانا
وہ چلئے چال جو سب کو خوش آئے	مری جاں ہے بہت نازک زمانا

سلیس

سلیس ۔ سید محب علی باشندۂ کانپور حضرت مونس لکھنوی کے شاگرد اور مرثیہ گوئی میں مشاق تھے۔ اپنے تخلص کی رعایت سے کلام میں سلاست کا خیال رکھتے تھے۔ اُستاد کی صحبت نے زبان اور خیالات میں پاکیزگی و شستگی پیدا کردی تھی۔ یہ قطعہ اُنکی سادہ بیانی کا نتیجہ ہے۔

باہیں گلے میں ڈال کے اُس شوخ نے کہا	میں کامیاب وصل جو اکبار ہوگیا
مدت سے خفتہ بختی کا شکوہ تھا آپ کو	کھئے نصیب آج تو بیدار ہوگیا

سلیم

سلیم ۔ میر سلیم اللہ شاہجہاں آبادی۔ خوش فکر۔ صائب الذہن قدیم شعرا سے تھے صرف ایک شعر جو ہاتھ آیا ہے درج ہے ۔

سلیم تونے جو قاتل کو دی مبارکباد	ہلالِ عید مگر تیغ کو خیال کیا

سلیم

سلیم ۔ صاحب عالم عالمیان۔ شاہزادہ میرزا سلیم بہادر فرزند سومی حضرت اکبر شاہ ثانی اُنکی والدہ ممتاز محل اکبر شاہ ثانی کی چہیتی بیگم اور ملکہ دوران تھیں اس لئے انکو بادشاہ بہت چاہتے تھے میرزا جہانگیر کی وفات کے بعد اُنکی ولیعہدی کیلئے کوشاں بھی ہوئے مگر کامیابی نہوئی۔ یہ خود نہایت فیاض خلیق خوش خصائل تھے۔ میر محمدی صاحب سے بیعت تھی۔ اپنے پدر والا قدر کی حیات میں وفات پائی۔ میرزا سلیمان شاہ مرحوم اور میرزا ثریا جاہ صاحب بہادر جو بعد غدر سرپرست خاندان تیموریہ ہوئے اُنکے نواسے تھے۔ انکے بیٹے میرزا فیروز شاہ عرصہ تک ولایت میں رہ چکے ہیں۔ احاطۂ درگاہ نظام الدین اولیا میں میرزا سلیم کا مزار ہے اور مندرجہ ذیل رباعی بہترین یادگار ہے ۔

جھگڑے سے جب دوئی کی فراغت ہوئی ہمیں	کثرت میں سیر عالم وحدت ہوئی ہمیں
ہی کوئی اپنا خانۂ دل بھی عجب مکاں	جسمیں نصیب یار سے صحبت ہوئی ہمیں

سلیم

سلیم ۔ کوئی کہنہ مشق شاعر تھے مسیحا لکھنوی شاگرد ناسخ سے تلمذ تھا تخیئل میں پرانی لکیر کے

فقیر۔ زلف و خط کے دلدادہ تھے۔ فکر یہ ہے۔

جہاں سے جاتا ہوں اُس سروِ قد کی فرقت میں — لحد بنے نہ تماشا و باغباں میری
مجھے ہلاک کیا ہے جو تیغ کامی نے — نہ کھائے گا سگِ جاناں بھی ہڈیاں میری
شبِ وصال وہ منہ کو پھرا کے رونے لگا — سُنی جو یار نے پر درد داستاں میری

سلیم

سلیم۔ میر عباس لکھنوی خلف میر عالم علی داروغہ چھوٹی شاہزادی۔ خواجہ آتش کے عزیز اور ممتاز شاگردوں میں انکا شمار تھا۔ بعض تذکرہ نویس کہتے ہیں کہ اسیر سے تلمذ تھا مگر یہ امر محتاج ثبوت ہے۔ زبان اور مضمون دونوں میں اپنے ہمعصروں میں گوئے سبقت لیگئے تھے لکھنؤ میں راقم تذکرہ نے لوگوں کی زبان سے آپکی شوخی زبان کی تعریف سُنی ہے غدر سے پیشتر عالم شباب میں انتقال کیا۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ؎

دوست کی تمکو قسم اے دوستانِ کوئے دوست — دفن کرنا میرے لاشہ کو میانِ کوئے دوست
گوشِ جاناں نالۂ عشاق کے سامع نہیں — حاملانِ عرش سُنتے ہیں فغانِ کوئے دوست
روزنِ دیوار انجم ماہِ تاباں خشت ہے — چاندنی ہر وقت رہتی ہے میانِ کوئے دوست
یہ زمیں وہ ہے کہا آتش نے جسمیں اے سلیم — اے خوشا طالع تمہارے ساکنانِ کوئے دوست
ساحری ہیں تری اے ترکِ جفا کار آنکھیں — دل اُلٹ دیتی ہیں ہوجاتی ہیں جب چار آنکھیں
یار کا حاضر و غائب میں رہا ہم پہ عتاب — گالیاں منہ پہ کبھی دیں کبھی کوسا دل میں
دیر و کعبہ میں بہے شیخ و برہمن جو یا — ہم نے گھر یار ترا ڈھونڈ نکالا دل میں
گیسو کا تمہارے لقب اعجاز نما ہے — بل کھائے تو اژدر ہے نہ کھائے تو عصا ہے

سلیم

سلیم۔ جناب منشی گوری شنکر صاحب کایستھ لکھنوی خلف تیج بہان عرف لالہ چین سکھ رائے صاحب۔ آپکے دادا لالہ ساہو رام صاحب محلہ اشرف آباد لکھنؤ کے قدیم شرفا میں سے تھے سلطان عالم واجد علیشاہ بادشاہ اودہ کے عہد میں آپ کو تصنیف و تالیف کا مذاق پیدا ہوا تھا۔ ۱۹ سال کی عمر میں سید احمد میرزا صاحب صابر سے خوشنویسی و علم عروض

میں دستگاہ حاصل کی۔ پھر محمد میرزا صاحب اُنس شاگرد رشید حضرت ناسخ کے زمرہ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ منشی صاحب سرکار انگریزی میں بھی مختلف عہدوں پر ممتاز رہ چکے ہیں۔ آخر وقت میں آپ ٹھاکر مہاراج سنگھ صاحب بہادر تعلقہ دار کے نائب ریاست تھے۔ گو آپکا کلام لکھنؤ کی قدیم شاعری کا نمونہ ہے۔ مگر مضمون آفرینی سے خالی نہیں۔ اپنے زمانہ کے رنگ کیموافق استعارہ اور تشبیہہ کے دلدادہ تھے گو ناسخ کی تحریر کے فریفتہ تھے تاہم بعض اشعار میں درد بھی ہے بعض بعض شعر ایسے کہتے ہیں کہ بیساختہ منہ سے واہ نکلتی ہے معنیٰ بندی میں کسیطرح اپنے ہمعصروں سے کم نہیں نکتہ یاب ہیں معنی طراز ہیں۔ آپکا دیوان ۱۳۱۲ھ میں شایع ہوچکا ہے۔ جس کا انتخاب یہ ہے ؎

نہ ٹھہرے چشم ظاہر بیں ترے برق تجلی پر — قضا نے پردہ ڈالا اسلئے پلکوں کی چلمن کا
ہے دشت جنوں میں جو مری خاک کو گردش — گرداب کو دریا میں یہ چکر نہیں ہوتا
کیا پان کی سرخی ہے عیاں تیرے گلے سے — شیشے میں یہ لطف مے احمر نہیں ہوتا
رخ روشن ترا چشم و چراغ جان عاشق ہے — اُجالا ہے اندھیرے گھر کا جلوہ شمع قامت کا
کوچ کر جائیگی جاں خالی بدن رہ جائیگا — ایک دن گم ہوگا یوسف پیرہن رہ جائیگا
سادگی میں بھی عجب رنگ دکھایا اُس نے — حسن کا لطف بڑھا اور جو زیور نہ ہوا
فیض صحبت نہیں ہے جوہر ذاتی ممکن — قطرہ شبنم کا صدف میں کبھی گوہر نہ ہوا
خود مصیبت میں پھنسا حیف یہ کیا سمجھا — عشق کا نام برا تھا جسے اچھا سمجھا
پیرہن ہے چاک ادھر گل کا ادھر گریاں ہے شمع — دیکھ یہ ادنیٰ اثر ہے عاشقوں کی آہ کا
صاف باطن جو ہیں آتے ہیں برابر سب پیش — عکس آئینہ میں یکساں ہے گدا و شاہ کا
ہوں میں عشق سبزۂ خط میں یہ کاہیدہ سلیم — جسم لاغر پر گماں ہوتا ہے برگ کاہ کا
پہونچا اک بار نہ اُس بام نشیں تک نالہ — گرچہ سو مرتبہ ایوان فلک چھو آیا
دیکھتا ہوں میں جنوں گھر میں بہار صحرا — ذرہ ذرہ ہے یہاں آئینہ دار صحرا

سبب ہے حسنِ بے پردہ ہجوم طائرِ دل کا — اُڑا لایا ہے پروانوں کو جلوہ شمعِ محفل کا

کہاں جرّاح ٹانکے دے لگا دی کس جگہ مرہم — دلوں میں زخم ہو جاتا ہے تیغِ نازِ قاتل کا

ہوا ہے کس کا اشکِ گرم شامل آج دریا میں — کہ ہے ہر اک حبابِ آب چھالا دستِ ساحل کا

وقتِ آرایش مقابل ہو کے روئے صاف سے — آئینہ نے کیا مزاجِ یار کو برہم کیا

دل و دیں عشق میں ہوئے برباد — دیکھیے اب کرے زیاں کیا

دل چلا ہے جو کوئے قاتل کو — جان دینے کو سہل جانا کیا

وہ ناتواں ہوں میں کہ مجھے بحرِ عشق میں — ہر اک حباب کاسۂ فولاد ہو گیا

ایسا بڑھا ترے غمِ فرقت میں دردِ دل — ہاتھوں سے اپنے رشتۂ صبر و تواں گیا

نکلی چمن سے بلبلِ نالاں گلوں کیساتھ — ہمراہ کارواں جرسِ کارواں گیا

وائے بر بلبل کہ وقتِ دیدِ گل — دیدۂ شبنم نگہباں ہو گیا

عشق غارت گر نے لوٹا نقدِ صبر — کاروانِ دل پریشاں ہو گیا

تم نے مریضِ عشق سے آنکھ ایسی پھیر لی — پوچھا کبھی نہ حالِ دلِ دردمند کا

بربادیٔ قتیلِ محبت نہ پوچھیے — مشتِ غبار بھی مرا ندِ صبا ہوا

جمالِ جاناں پہ ایک عالم کو ہو نہ کیونکر گمان چمن کا — دہن غنچہ کا زلف سنبل کی قد صنوبر کا رخ سمن کا

رکھا امانت کیطرح آغوشِ گور نے ہمکو تا قیامت — نہ بال بیکا ہوا ہمارا نہ تار میلا ہوا کفن کا

شب دہانِ زخمِ دل کا نالہ درد آمیز تھا — مشک افشاں کیا خیالِ زلفِ عنبر بیز تھا

جل کے خاکستر ہوا کیا سوزِ فرقت سے جگر — نالہ جو نکلا مرے منہ سے غبار آمیز تھا

لائی بالوں کی سفیدی جبکہ پیغامِ اجل — ہو گیا مجھکو یقیں یہ شیر زہر آمیز تھا

سخت جاں میں صورتِ سنگِ فساں ہوتا گیا — میرے دم سے خنجرِ قاتل رواں ہوتا گیا

جس قدر وہ خسروِ خوباں جواں ہوتا گیا — حسنِ عالمگیر آشوبِ جہاں ہوتا گیا

لیگیا راہِ حقیقت پر مجھے عشقِ مجاز — ہر بتِ رنگیں ادا سنگِ نشاں ہوتا گیا

کیوں دِلا غیر تلخ کامیٔ ہجر
کیا خبر سادہ رو کو باطن کی
لگی نہ آنکھ مری مثل دیدۂ انجم
اب نہ وہ سبزہ نہ وہ گلشن نہ وہ رنگِ چمن
کہتے ہیں سب واہ کیا تھا عاشقِ صادق سلیم
پڑ گیا جسوقت عکسِ زلفِ عنبر بوئے دوست
بہتے ہیں آبِ اشک میں یوں لختہائے دل
کشتیاں لیچلے اٹھا کر ساقیا گلزار سے
کبھی پہلو سے آنکھوں میں کبھی آنکھوں سے پہلو میں
منہ نہ حورانِ بہشتی کا ملایک دیکھیں
نہ اٹھا ناز کیا عشقِ بتاں ترک سلیم
جامہ زیبی کا سبب ہو گئے اسبابِ جنوں
سیر کو تم نہ گئے تو ہوئی افسردہ بہار
بوئے اُنس آتی ہے شاید مری تربت سے سلیم
مدت ہوئی بہار کا موسم گذر گیا
نارِ دوزخ کو بجھائیگا ہی پارۂ ابر
وحدت سے لایا عالمِ کثرت میں شوقِ یار
دندانِ یار دیکھ کے گلشن میں شرم سے
زخمیٔ تیغِ محبت سے حلاوت پوچھو
کوئی کچھ کہے تو کہا کرے تجھے بھولیں گے ہم نہیں
مزا لیکے کٹوایا شہیدوں نے گلا قاتل

عشق میں تو نے کچھ مزا؟ دیکھا
آئینہ صورت آشنا دیکھا
سحر تک اُس مہِ تاباں کا انتظار رہا
دفترِ گل بادِ صرصر سے تمام ابتر ہوا
بعد مردن بھی غبارِ کوچۂ دلبر ہوا
سنبلستاں ہو گیا آئینۂ زانوئے دوست
دریا میں جسطرح ہو رواں کاروانِ موج
مجھکو زنجیرِ بطِ مے سے ہے کنارِ جو پسند
قیامِ دل ہے شوقِ دید میں کب ایک منزل پر
آنکھ پڑ جائے جو دنیا کے طرحداروں پر
بھاری اٹّے جو نظر ،، چوم کے چھوڑے پتھر
طوق لپٹا مری گردن سے گریباں ہو کر
اُڑ چلا رنگِ چمن گردِ بیاباں ہو کر
روز جاتے ہیں سوئے گورِ غریباں ہو کر
ہیں یاں کھلے ہوئے گلِ زخمِ جگر ہنوز
زاہدِ خشک نہیں دامنِ تر سے واقف
دریا کے آشنا ہوئے آبِ گہر سے ہم
شبنم کے قطرے ہو گئے دانے انار میں
آبِ آہن کا مزا خضر بھلا کیا جانیں
ہمیں رنج و خواریٔ عشق سے کبھی عار تیری قسم نہیں
کہاں سے آ گئی ایسی حلاوت آبِ خنجر میں

ہے ہجومِ غم دلِ زار پر مگر آہ ضبط سے دل میں ہے
وہ سپاہِ عشق چڑھ آئی ہے کوئی ساتھ جسکی علم نہیں

نہ نگہ اٹھائی مری طرف نہ پھنسا کبھی مرے دام میں
وہ عجب غزال رمیدہ ہے، کہ رقیب سے اُسے رم نہیں

کفِ پا سے کاوشِ خار میں جو ٹپک ٹپک کے گرا ہے خوں
گلِ تر ہیں دامنِ دشت میں ہمارے نقشِ قدم نہیں

مرے دل میں ہے یہ ٹھنی ہوئی رہوں طوفِ کوچۂ یار میں
مرا مدعا نہیں دیر سے مجھے آرزوئے حرم نہیں

غمِ ہجر میں ہو تڑپ تڑپ کے بسر نہ کیوں مری زندگی
جسے کھا کے مرتے ہیں آدمی مری جان تو وہ سم نہیں

مرا ضعفِ غم سے یہ حال ہے کہ سنبھلنا دل کا محال ہے
اب اٹھاؤں کوہِ فراق کیا کہ سلیم مجھ میں وہ دم نہیں

وقتِ گریہ کارِ قلزم دامنِ تر نے کیا
گر پڑیں بوندیں جو آنسو کی وہ گوہر ہوگئیں

داغ ہائے دل نے ثابت کر دیا دعوائے عشق
صورتِ احوال پر مہریں برابر ہوگئیں

جب نظر آیا جمالِ یار غش آیا سلیم
وصل کی راتیں شبِ فرقت سے بدتر ہوگئیں

خاکساری ہے باعثِ آرام
گردشِ آسماں زمیں میں نہیں

کیا کیا ہوس تھی آہ دلِ بیقرار میں
کنجِ قفس ملا مجھے فصلِ بہار میں

مالا عجیب گریۂ غم نے دیا مجھے
لختِ جگر نہیں مرے اشکوں کے تار میں

مے گلفام جو ساقی نے بھری شیشہ میں
رند سمجھے کہ اتر آئی پری شیشہ میں

آنکھوں کو خوں رُلائے مژگاں کی یاد میں
نشتر سے چھیڑئے رگِ ابرِ بہار کو

آیا ہوں اس کی تفرقہ پردازیوں سے تنگ
جاؤں اب اُس زمیں پہ جہاں آسماں نہ ہو

لیچلا ہے طرفِ کوچۂ قاتل مجھکو
دشمنِ جاں نظر آتا ہے مرا دل مجھکو

مٹاؤں داغِ الم لیکے ہاتھ میں زلفیں
چراغِ ہجر بجھاؤں دکھا کے کالوں کو

عاشق وہ ہوں کہ بعدِ فنا بھی رہیگی روح
بو ہو کے تیری کاکلِ عنبر فشاں کے ساتھ

تمہارے تیر کا پیکاں جو ٹوٹ کر رہجائے
زباں بنے دہنِ زخم میں دعا کیلئے

ہوں وہ حیرت کدۂ دہر میں نخلِ تصویر
جسکو صرصر سے زیاں ہے نہ ضرر گلچیں سے

جوشش پہ خوب ہے گلزارِ جوانی کی بہار
آج کل رنگ ٹپکتا ہے رخِ گلگوں سے

کسطرح دل غمِ فرقت میں بہل جاتا ہے
یاں تو رہ رہ کے کلیجہ کوئی مل جاتا ہے

پردے گلرخوں کے جہاں میں کیا ظہور
حُسنِ ازل کو تاب نہ آئی حجاب کی

دنیا پھرے نصیب پھرے آسماں پھرے
یارب مگر نہ مجھسے وہ آرامِ جاں پھرے

یوں پھر رہا ہوں غم سے میں نالانِ شبِ فراق
جسطرح کوچہ کوچہ کوئی پاسباں پھرے

اقرار کر چکے ۔ جو محبت کا ۔ کر چکے
ممکن نہیں کہ قول سے اپنی زباں پھرے

دیکھو سلیم خنجرِ قاتل کے سامنے
جھپکے نہ آنکھ منہ نہ دمِ امتحاں پھرے

امید کب ہے فلک سے کہ پیرہن ملجائے
فنا کے بعد غنیمت ہے جو کفن مل جائے

وہ بدنصیب ہوں میں شاہراہِ ہستی میں
کروں تلاش خضر کی تو راہزن مل جائے

سلیم بلبل و پروانہ لڑمریں سرِ بزم
جو شمع کو کہیں غنچہ کا پیرہن مل جائے

کہوں کیا تجھسے حالِ دردِ فرقت
حکایت ہے زیادہ رات کم ہے

شبِ تارِ لحد میں ہوں وہ بیکس
کہ میرے سایہ کو بھی مجھسے رم ہے

فیضِ ساقی سے کیا عجب ہے کہ مے
قطرہ قطرہ سبو سبو ہو جائے

ہائے یہ انقلابِ چرخ سلیمؔ
دوست اپنا جو ہے عدو ہو جائے

قالبِ خاکی میں جلوے جان کے
جائے صدقے خدا کی شان کے

جان جب تک جان میں ہے ہمکو جان
جانتے ہیں ہم برابر جان کے

ساقیا دے مے کہ برسات آگئی
ابرِ تر کا شامیانہ تان کے

مصحفِ رخ پر ترے گیسو نہیں
سلسلے ہیں عشق کے ایمان کے

باغباں دیکھوں میں کیا لالے کی سیر
ہجر میں "لالے پڑے ہیں" جان کے

عشق نے اُٹھوائے ان سے کوہِ غم
جن سے بوجھ اُٹھتے نہ تھے احسان کے

بولے سعدی یہ غزل سنکر سلیمؔ
شعر کیا تحفے ہیں ہندوستان کے

نالہ آئے نہ پیام آئے نہ جاناں آئے
کس طرح چین مجھے اے غمِ ہجراں آئے

نعم نصیب ایسا ہوں وصل میں بھی شاد نہ ہو	زلف کو دیکھ کے یادِ شبِ ہجراں آئے
ابر نیساں یہ برستا ہے کہ اے غیرتِ گل	تیرے گیسو میں کوئی سلکِ گہر ٹوٹ گئی
اب لطفِ دید کیا ہے کہ آتے ہو نزع میں	پل مارنے کی جب مجھے مہلت نہیں رہی
دل کا غبار پردۂ خط میں ہوا نہاں	اب ان کے صاف ملنے کی صورت نہیں رہی
یہ شعاعیں نہیں خورشید ترے چہرے سے	ہاتھ پھیلائے کے طلبگارِ ضیا ہوتا ہے
تختِ دل کیوں نہ پسِ نالہ ہوں آہیں	کارواں پیرو آوازِ درا ہوتا ہے
کیا نور سے تلووں میں ترے رنگِ حنا سے	خجلت یدِ بیضا کو ہے نقشِ کفِ پا سے

سلیم

سلیم۔ شیخ سلیم الزماں۔ ملازم سرکار رامپور۔ شاہ مجید الزماں کے بیٹے تھے حضرت امیر مینائی کے تلمذ تھا۔ ۱۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ کلام یہ ہے ؎

جس پہ پڑی نگاہ وہ تسخیر ہو گیا	جادو بھرا ہوا تھا تمہاری نگاہ میں
ہر آنکھ اپنی جلوۂ وحدت سے آشنا	اب دوسرا سما نہیں سکتا نگاہ میں

سلیم

سلیم۔ نواب سید علی حسین خاں خلف اصغر نواب صدیق حسن خاں بہادر قنوجی و بھوپالی آپ سنہ ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ شاہجہاں بیگم صاحبہ نے شفقت مادری سے مفتخر فرمایا اور اسقدر زر و جواہر عطا کیا کہ پشتوں کیلئے حصول دولت سے بے نیاز کر دیا۔ عربی میں فارغ التحصیل اور فارسی میں دستگاہ کامل ہے شعر کا بہت شوق ہے۔ دس بارہ برس کی عمر تھی کہ ان کے نام سے اردو۔ فارسی شعرا کے تذکرے بھوپال سے شایع ہوئے۔ سلطان جہاں بیگم صاحبہ کی مسند نشینی پر بھوپال سے چلے آئے تب سے لکھنؤ میں رہتے ہیں۔ وہیں امیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں بمبئی میں بھی جائداد ہے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اردو کلام کا مجموعہ شایع ہو چکا ہے راقم تذکرہ سے دو مرتبہ دو دن میں ملاقات ہوئی تھی خلیق اور ملنسار شخص ہیں۔ اب سنا ہے کہ بیگم صاحبہ بھوپال سے سابقہ رنجش دور ہو کر صفائی ہو گئی اور بھوپال میں آمد و رفت کی اجازت مل گئی ہے۔ کچھ شعر نذرِ ناظرین ہیں ؎

عمر یوں کاٹی کسی کی یاد میں
شام نالے میں سحر فریاد میں

ہم اسیرانِ محبت کا ہے گھر
یا قفس میں یا کفِ صیاد میں

شوق نے اب اور مضطر کر دیا
چٹکیاں لیکر دلِ ناشاد میں

چھوڑ دو الفت بتوں کی ای سلیم
دل لگاؤ اب خدا کی یاد میں

سلیم

سلیم — میاں ارجمند خاں خلف اکبر نواب یسین محمد خاں مرحوم ۱۲۹۳ھ میں بمقام بھوپال پیدا ہوئے۔ تاریخی نام متقی محمد خاں ہے۔ بانی ریاست بھوپال کی ساتویں پشت میں ہیں اسوقت ۴۴ سال کی عمر ہے۔ منشی عبد العزیز اعجاز رقم سہسوانی سے تلمذ ہے۔ بہت سی کتابیں انکی تصنیف و تالیف سے طبع ہو چکی ہیں۔ عربی۔ فارسی بقدر ضرورت انگریزی جانتے ہیں۔ شاعری کے شوقین ہیں۔ انتخاب یہ ہے ؎

دیکھا جو طولِ زلف محبت کی آنکھ سے
پایا کمال خضر نے عمرِ دراز کا

جگر صد چاک دل صد پارہ جاں آوارۂ گیسو
خرابی نے اڑایا ہے طرح خاکا مرے گھر کا

کدورت جاتے جاتے جائیگی اے بت ترے دل سے
مٹا کرتا ہے مٹتے مٹتے آخر نقش پتھر کا

لیا دل اس نے لیکن یہ نہ جانا
قیامت ہے کسی کے دل کا آنا

کہیں جاگے نہ تھے شب کو یہ مانا
ذرا آنکھوں سے آنکھیں تو ملانا

گلہ کرنے نہیں دیتے جفا کا
بھلا اس ظلم کا ہے کیا ٹھکانا

وہ آئے تیغ بکف لو تمہیں مبارک ہو
سلیم وقت ہے تقدیر آزمانے کا

اے غم واندوہ و حرماں چل دیئے دل چھوڑ کر
واہ میرے مرتے ہی گھبرا گئے اس گھر سے آپ

تمنا ہے ترے خنجر کے جوہر
پڑیں میرے گلے میں ہار ہو کر

پھر کھلائیگا کوئی تازہ شگوفہ شاید
خطِ گلزار میں آیا ہے مجھے یار کا خط

الٰہی توبہ یہ توبہ بھی ہے آفت کی ہرجائی
کبھی ہے بادہ خوار و نہیں کبھی پرہیز گار و نہیں

جتا لیتی ہیں کچھ کہہ کے وہ آنکھیں شہیدوں کو
وہ کچھ پڑھ پڑھ کے منتر پھونک تیغ دیں اشارو نہیں

اُنکے ابرو کا طہارت سے ہی سجدہ منظور
چاہیے گردِ نظر بہرِ تیمم مجھکو

یاالٰہی شبِ فرقت ہی سہی
صبح ہو صبحِ قیامت ہی سہی

پاس اتنا تو ہے توبہ شکنی کا ساقی
مے جو پیتا ہوں تو ٹوٹے ہوئے پیمانے سے

منتظر تیری نگاہوں کا رہا دورِ زماں
رُخ تری نظروں کا ساتوں آسماں کھا گئی

کرچکے طے منزلِ ہستی کو اپنی اور ہم
نقشِ پائے توسنِ عمرِ رواں دیکھا کئے

سلیم

سلیم۔ سید حسین صاحب لکھنوی۔ شاگرد محمد مصطفیٰ خورشید لکھنوی کلکتہ میں قیام ہے۔ رنگ تغزل سے بخوبی آشنا ہیں۔ دلی واردات لکھتے ہیں۔ مزیدار شعر کہتے ہیں۔ زمانہ کی رفتار سے آگاہ ہیں۔ لفظی رعایتوں سے عار ہے۔ ضلع جگت سے پرہیز۔ انتخاب یہ ہے ؎

حسنِ فطرت کے تماشے سے ہوا حیراں وہ شوخ
آئینہ دیکھا تو خود آئینہ بنکر رہ گیا

خدا جانے وہ کیسی تھی محبت قیس و لیلیٰ میں
اسے صحرا پسند آیا اُسے محمل پسند آیا

ایک حرفِ آرزو ایسا قیامت زا ہوا
جسکو ہم اپنا سمجھتے تھے وہی بیگانہ تھا

نگاہِ بد سے گر ڈرتے ہو تم غیروں کی صحبت میں
ادھر آؤ چھپا لوں تمکو آغوشِ محبت میں

نہ ہو تم دل میں رہ کر ظاہری تعظیم کے طالب
تکلف برطرف ہے روز کی صاحب سلامت میں

حسینوں کی لگاوٹ دین و ایماں لیگئی اپنا
قدم رکھتے ہی ہم تو لٹ گئے کوئے محبت میں

نظر کر تو ذرا اس اتحادِ حسن و الفت پر
ہے میری ناتوانی جلوہ گر تیری نزاکت میں

مٹ گئے اہلِ محبت کھل گیا اسرارِ عشق
ہو چکا اچھا ہوا اب آپ پچھتاتے ہیں کیوں

ہو چکا عالم جوانی کا تمام
چونک اے غافل کہ پچھلی رات ہے

جسقدر لائق ہو اپنی شان کے
آدمی کو زیب اتنی بات ہے

گو زمانہ ہو گیا تجھسے ہمیں چھوٹے ہوئے
اب بھی یاد آتے ہیں وہ اگلے مزے لوٹے ہوئے

وہ جو خود آکر ملے اک عمر کے چھوٹے ہوئے
سارے شکوے بے محل سارے گلے جھوٹے ہوئے

رہزنی کے فن میں ہے مشاق وہ نیچی نگاہ
بیٹھی ہے لاکھوں دلوں کے قافلے لوٹے ہوئے

اسکی دو باتوں نے پھیرا داورِ محشر کا رُخ
لو قیامت ہو گئی یاں بھی ہمیں چھوٹے ہوئے

عارضی دولت پہ تھا لے باغباں کیا گھمنڈ
اب بتا تیرے چمن کے کیا وہ گل بوٹے ہوئے

ایسی حالت میں امیدِ زندگی کیا ہو سلیم
لاکھ غم ہیں ایک جانِ زار پر ٹوٹے ہوئے

ایسا ہی اگر وصل سے انکار ہے تمکو
لکھا مری قسمت کا مٹا کیوں نہیں دیتے

بیمار کو جینے کی دوا کیوں نہیں دیتے
تم شربتِ دیدار پلا کیوں نہیں دیتے

عشق میں سب کو نصیحت وہ بھی ہنگامِ جنوں
کیا کرے بیچارہ ناصح عقل سے معذور ہے

دیر سے کعبے گئے کعبے سے آئے دیر میں
کیا کریں دونوں جگہ رہنا ہمیں منظور ہے

سب ہیں میرے ہی خون کے پیاسے
تیغ بھی پیئے لہو نہ گئی

ہجر میں سب نے ساتھ چھوڑ دیا
پر امیدِ وصال تو نہ گئی

گالیاں لاکھ دیں حسینوں نے
پر سلیم اپنی آبرو نہ گئی

اتنی سی بات پہ مجھے اس لیے ناز ہے
جسکا نیاز مند ہوں وہ بے نیاز ہے

پڑھتا ہوں قد مصحفِ رخ دیکھکر درود
بے سجدہ بے سلام کے میری نماز ہے

زاہد برائے سجدہ کوئی اور جا نہ تھی
مسجد تو قتل گاہِ شہیدانِ ناز ہے

دیکھا ہے اور پھر نہیں دیکھا تمہارا حسن
عالم پہ کھل چکا ہے مگر پھر بھی راز ہے

الفت بھی ایسا جرم ہے جسکی سزا ہے قتل
انصاف شرط آپ کو بندہ نواز ہے

سلیم

سلیم - سید منے صاحب - نبیرۂ میر انیس مرحوم - آپ میر محمد علی صاحب عارف لکھنوی کے شاگرد بھی ہیں - برادرزادہ بھی - فصیح بول چال انکے ورثہ میں آئی ہے - غزل میں بھی وہی سادگی ہے - کلام یہ ہے ؎

بیخودی تو کچھ نہیں کرتی مداوا درد کا
ناتوانی تو دلِ مضطر کو سمجھاتی نہیں

جوشش گریہ بتا! میں ہو گیا کیوں ناتواں
[illegible] کہ اب گردش بھی اچھی ہی نہیں

[illegible]
کوئی بھی مرتا نہیں جب تک قضا آتی نہیں

سلیم

سلیم۔ منشی محمد سلیم۔ باشندۂ بہرائچ سید محمد صاحب فرخ مچھلی شہری کے شاگردوں میں ہیں اب عرصہ سے انکا کلام گلدستوں میں نظر نہیں آتا۔ شوخ زبان ہیں طبیعت سخن آفریں اور معنی تراش ہے تخیل میں جولانی ہے انتخاب یہ ہے

کہتے ہیں وہ مرا دل مضطر لئے ہوئے
کیوں جی اسی کو پھرتے ہو دردر لئے ہوئے

شب وعدہ الگ بیٹھے ہیں جاکے
کہ بیجائے ہمیں کوئی منا کے

برا کہتا ہے واعظ دخت رز کو
غیبت اور پھر گھر میں خدا کے

سب کچھ تو کہہ لیا سر محفل برا بھلا
اب اور کیا کہوگے تم اسکے سوا مجھے

اللہ ری شان عجز کہ جب خاک ہوگیا
چلتی ہے اپنے دوش پہ لیکر صبا مجھے

مجھی سے کہتا ہے وہ شوخ لیکے دل میرا
جو مفت ہاتھ لگا ہو وہ مال کیسا ہے

کیا کیا بگڑ بگڑ کے وہ میدان حشر میں
دامن چھڑا رہے ہیں کسی دادخواہ سے

تجھسا حسیں وہاں بھی نہ کوئی نظر پڑا
گذرا تمام مجمع محشر نگاہ سے

غرہ حسن سے وہ مجمع محشر میں کہتے ہیں
ہزاروں میں نظر جس پر پڑے صورت وہی اچھی

قیدی الفت کیسو کی رہائی کیسی
ہم کہیں چھوٹتے ہیں لاکھ وہ آزاد کرے

لے مزے درد محبت کے کسی پر مرکے
زندگی دے جو خدا آشفتہ برباد کرے

لطف شادی سے زیادہ ہے کہیں غم کا مزا
شاد آباد رہے جو ہمیں ناشاد کرے

کیا روی حال مزا تیغ میں بسمل کی سلیم
اور مانگوگے دعا وہ کوئی مجھی یاد کرے

سلیم

سلیم۔ مولوی سلیم اللہ ساکن بدایوں مولوی احمد حسن حشمت بدایونی کے ارشد تلامذہ میں تھے فارسی زبان میں اچھی استعداد تھی معلمی کے ذریعہ سے بسر اوقات کرتے تھے غزل گوئی کی طرف کم توجہ تھی سلام۔ رباعیات کہنے کا شوق تھا۔ موج کوثر۔ چشمۂ کوثر۔ سلسبیل کوثر جنمیں نعت منقبت درج ہیں انکی یادگار ہیں ۱۹۲۳ء میں وفات ہوئی ۶۴ برس کی عمر پائی۔

رباعی

دنیا سے جو اختلاط چھوڑا ہم نے
احباب سے اپنے منہ کو موڑا ہم نے

دیکھا جو شبیہ بے نیازی کو سلیم

دنیا کا نگار گرچہ لاثانی ہے
غرّہ ہے سلیم دن کے آئینہ کا عبث

خورشید جہاں تاب میں ضو تیری ہے
ہر دل میں بھڑکتی ہے تری آتشِ عشق

آتش میں جہاں سوزِ جگر سے پایا
فریاد و فغان و آہ و سینہ کوبی

میزان میں اعمال کو تلتے دیکھا
آساں نہ ہوئی وہ کون مشکل تھی سلیم

سرسبز نہالِ عیش ہونے نہ دیا
غوغائے قیامت نے کیا تنگ بہت

بادۂ کوثر کو پی کر میں شرابی ہو گیا
خوابِ غفلت سے نہ اٹھا ای دل خانہ خراب

عدم کو چلے ہائے ہم خالی ہاتھ
زمیں پر نہ آرام ہم کو ملا
دیے داغ گردوں نے بہم سلیم

ہر رنگ غنچہ پژمردہ ہو رہا ہے دل
ہمیشہ شاد مضموں سے اختلاط رہا

سراک رکھا ہے سخت جگر کو آنکھوں میں
دیدار کسی سے ہے ہم آغوشی عشرت کا سبب
ٹھہر ٹھہر اٹھتے ہیں قدم شاہوں کے رعب فقر سے

آئینۂ حرص و آز توڑا ہم نے

باقی نہ رہے گا نقش یہ فانی ہے
بے شبہ یہ جان ایک دن جانی ہے

رکھتا یہ تجلی مہ تو تیری ہے
جس شمع کو دیکھتا ہوں ضو تیری ہے

شرمندہ گہر سرشک تر سے پایا
کیا کیا ہم نے الم کے گھر سے پایا

آنکھوں سے دُرِ اشک کو رُلتے دیکھا
ہر عقدۂ دشوار کو کھلتے دیکھا

تخمِ راحت سلیم بونے نہ دیا
مرقد میں مجھے چین سے سونے نہ دیا

بیخودی میں ہوش بھی نذرِ خرابی ہو گیا
صبحِ پیری آ گئی عہدِ جوانی ہو گیا

لٹے راہ میں کارواں کی طرح
رہے دورِ چرخ میں آسماں کی طرح
کھلے تن پہ گل بوستاں کی طرح

سحابِ لطف کے طالب کریم ہم بھی ہیں
خراجدانِ سخن اے سلیم ہم بھی ہیں

طفلِ اشک مری چشمِ تر میں کیوں نہ ہے
عید کا دن ہے بیاضِ صبحِ پیشانی مجھے
بن گیا ہے بوریا تختِ سلیمانی مجھے

روزِ محشر کی درازی محوِ دل سے ہو گئی
یاد جب آئی شبِ فرقت کی طولانی مجھے

سلام

غمِ سجاد میں دل محوِ شیون ہو ہی جاتا ہے
خدنگِ آہ سے گردوں میں روزن ہو ہی جاتا ہے

رخِ معنیٰ پہ خونِ فکر سے ملتا ہوں میں غازہ
دوچنداں شاہدِ مضموں کا جوبن ہو ہی جاتا ہے

خرامِ اشہبِ حضرت کی جب توصیف لکھتا ہوں
ہر اک مصرع مرا شوخی میں توسن ہو ہی جاتا ہے

طمانچے مارتا ہے شمرِ ملعون جب سکینہ کے
رخِ رنگیں برنگِ برگِ سوسن ہو ہی جاتا ہے

کٹاتے ہیں جو سر راہِ خدا میں شوق سے اپنا
برنگِ شمع انکا نام روشن ہو ہی جاتا ہے

یارب کھلے مرا چمنِ لالہ زارِ نظم
بحرِ سخن سے آج ہے جو بہارِ نظم

سرسبز آبِ فکر سے ہو کشتزارِ نظم
دکھلائے رنگ باغِ جہاں میں بہارِ نظم

تحسین کا شور ہو دہنِ ہم صفیر سے
بلبل کے سے چہچہے ہوں قلم کے صریر سے

اے حسنِ بیاں شکلِ بلاغت کو دکھادے
اے خوبیٔ تقریر فصاحت کو دکھادے

اے تیغِ زباں جوہرِ فطرت کو دکھادے
اے ذہنِ رسا زورِ طبیعت کو دکھادے

اے خامۂ اعجاز رقم آج رواں ہو
اے غنچۂ مضموں گلِ بستانِ جناں ہو

صف باندھے ہوئے آئے مضامین کا لشکر
ہو جائے قمر بندش پہ کا نہ اٹھے سر

مانیں مرے لوہے کو جو اس فن کے ہیں افسر
رستم کی طرح معرکۂ نظم کروں سر

طبل و علم و تاج مرے سامنے لائیں
شاہانِ سخن باج مرے سامنے لائیں

بندش سے مری شوکتِ جمشید دکھادے
کاغذ سے بیاضِ سحرِ عید دکھادے

لفظوں سے مرے جلوۂ ناہید دکھادے
ہر دائرہ حرف سے خورشید دکھادے

عالم ہو منور مرے معنیٰ کی ضیا سے

خورشید چھپے پردۂ مغرب میں حیا سے

ہر گام پہ چلتا ہے دم جنگ نئی چال
خوگر ہے جو خوں ریزی دشمن کا مہ و سال
ایضاً
سبزہ کی طرح فوج عدو کرتا ہے پامال
ہمرنگ گل تر ہیں قدم خوں میں ہوئے لال

مجروح عدو نعل کے خنجر سے کٹے ہیں
مانند چمن رن میں گل زخم کھلے ہیں

گہ کاٹ کے بکتر کو عجب ڈھنگ سے نکلی
گہ مثل فغاں سینۂ سرہنگ سے نکلی
ایضاً
مانند شرر گاہ دل سنگ سے نکلی
گہ صورت رستم سپہ جنگ سے نکلی

سیفی کا نمونہ وہ حسام دو زباں تھی
اک ہاتھ میں رہوار کا سر تھا نہ عناں تھی

سلیم

سلیم۔ مولوی وحید الدین باشندۂ پانی پت۔ مولانا حالی کے قریبی عزیز ہیں۔ اور شاید فن سخن میں اُن سے مستفیض ہوئے ہیں۔ عرصۂ دراز تک علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے اڈیٹر رہے پھر لکھنؤ میں اخبار مسلم گزٹ کو آپ ہی کی ارادت میں فروغ حاصل ہوا تھا۔ آجکل اردو جامع عثمانیہ میں پروفیسر ہیں اور حیدرآباد دکن کی ادبی مجالس میں بڑے ذوق شوق سے حصہ لیتے ہیں آپکی عمر قریباً پچاس برس کی ہوگی۔ دور موجودہ کے قابل اور مستند اہل ادب میں آپ درجۂ امتیاز رکھتے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

سر چمن کے رہ نہ جائے تو اے طائر چمن
گائینگے اک ترانۂ رنگیں چمن میں ہم

ہے جی میں ہو کے نعرہ زناں تیغ عشق میں
اک زلزلہ سا ڈالدیں چرخ کہن میں ہم

پہلو میں لائے ہیں دل افسردہ اپنے ساتھ
ہیں اک چراغ کشتہ تری انجمن میں ہم

ہیں دیکھتے ہنسی میں تری موج زندگی
پاتے ہیں موت تیری جبیں کی شکن میں ہم

اے شیخ جب نظر میں نہ تیری سما سکے
پیدا کرینگے راہ دل برہمن میں ہم

پرتو ہے تیرے حسن کی نیرنگیوں کا یہ
پاتے ہیں رنگ و بو جو گل و سمن میں ہم

دنیا میں ہوا اولٰہ وید کی ہے تیز
اے عالم فطرت ترے پردے الٹ جائیں

افسردہ ارادے تری مٹھی میں ہیں اے دل
یہ تیر تو وہ ہیں جو نشانے سے اُچٹ جائیں

اے عشق تری شوخیاں اب حد سے سوا ہیں
خطرہ ہے کہیں حسن کے تیور نہ پلٹ جائیں

تیری نظر لطف پہ بنیاد جہاں ہے
برپا ہو قیامت ترے تیور جو پلٹ جائیں

اے کاش ہو وہ جلوہ بہر رنگ نمایاں
یہ رنگ کے بادل ہیں جو چھائے ہوئے پھٹ جائیں

یوں عقل پہ چھائے ہیں مرے نفس کے حملے
جس طرح کہ چیتے کسی آہو پہ جھپٹ جائیں

احسان نہ اٹھاؤں گا کبھی ابر کرم کا
گو باغ تمنا میں جو پودے ہیں وہ چھٹ جائیں

کس کام کی اے دل وہ ترقی کی امنگیں
ہر دم صف انجم سے جو ٹکرا کے پلٹ جائیں

منزل ہے کٹھن راہ فنا کہتے ہیں جس کو
حیرت نہیں گر خضر کے پاؤں بھی رپٹ جائیں

بلبل جو اڑاتی ہے دھواں سوز جگر سے
اندیشہ ہے پھولوں کے کہیں رنگ نہ کٹ جائیں

انگشت نما ہونے سے یوں جاتی ہے رونق
انگلی سے گلستاں کے ورق جیسے الٹ جائیں

تم اور قیامت کا نہ دکھلاؤ تماشا
فتنے نہ کہیں آن کے دامن سے لپٹ جائیں

رکھو نفس کے جذبوں سے سلیم آپ کو محفوظ
یہ سانپ ہیں وہ کاٹ کے جو ہم پہ الٹ جائیں

جس کی خاطر سے چکا تھا دین و دنیا کو جواب
اُن تمناؤں کی اب کرنی ہے قربانی مجھے

سلیم۔ منشی سلیم اللہ خاں محرر روشنگ پور اٹاوہ۔ تلمیذ شوکت میرٹھی۔ آپ کا کلام سوز و گداز سے خالی اور درد و اثر سے بے نیاز ہے۔ اور بہت سے آمد کا نام نہیں۔ اپنے استاد کی تقلید میں صید مضمون کے پیچھے شہباز خیال کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جو کچھ شکار ہاتھ لگتا ہے اُس پر قانع ہیں۔ فکر کی نمک ریزی یہ ہے ؎

دیر و کعبہ میں بتا غافل ہے کیا رکھا ہوا!
شاہد مقصود ہے دل میں ترے بیٹھا ہوا

ہجوم تشنگان آب خنجر قتل گہ میں ہے
کریں سیراب کس کس کو وہ خود گھبرا گئے ہیں

حنا جب غیر ملتے ہیں کف پائے ستمگر میں
تو پھر جاتا ہے خوں حسرت کا میرے دیدۂ تر میں

سلیم

آغوشِ ضبط سے تجھے ڈالیگا خاک پر
اے طفلِ اشک پنجۂ مژگاں کے سر نہ ہو

سلیم غمزدہ کا حال ساقی پوچھتا ہے کیا
فلک کے ہاتھ سے گردش میں شکلِ جام پھرتا ہے

اسی غم سے میں روتا ہوں کہ اس غارت گرِ دل نے
کبھی ہنس کر نہ یہ پوچھا کہ تیرا مدعا کیا ہے

تارِ نفس پر آتی ہے ہر دم یہی خبر
گردن کا تیری رشتہ ملا لامکاں سے ہے

کر سیر تو وجود کی سب کچھ اسی میں ہے
وہ کعبہ و کنشت میں آیا کہاں سے ہے

یوں نغمہ زن ہے نے کہ ذرا ہوشیار ہو
واں کی بھی کچھ خبر ہے کہ تو آیا جہاں سے ہے

سلیم

سلیم۔ حکیم سید فیض الحسن سہسوانی۔ آپ حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ آج کل بمبئی میں مقیم ہیں۔ سادہ گو اور سلاست پسند ہیں۔ کلام گرمی اور شوخی سے بیگانہ ہے انتخاب یہ ہے۔

وحشت کفن کو دیکھ کے کہتی ہے اس طرح
اچھا لباس ہے کہ کہیں آستیں نہیں

اے آسمان ظلم کی کچھ انتہا بھی ہے
دو گز مرے مزار کو پیدا زمیں نہیں

وحشت بڑھی ہوئی ہے دلِ بیقرار میں
دامن ادھر سیا تو ادھر آستیں نہیں

میری ہے یہ بساط کہ کچھ بھی نہیں قرار
میری ہے یہ مثال جہاں تھے وہیں نہیں

سلیم

سلیم۔ سلیم الدین صاحب بہار کے ایک معزز خاندان سے ہیں ۱۹۱۴ء میں آپکی عمر ۲۰ سال کی تھی اور انٹرنس کلاس میں پڑھتے تھے سخن گوئی کا شوق لڑکپن سے ہے۔ نو مشق شاعر ہیں طبیعت میں آمد ہے۔ اکثر موقعوں پر برجستہ شعر کہتے ہیں۔ کلام یہ ہے

کوئے دلبر کی ہوا سر میں سمائی ہے سلیم
خاک خوش ہوں گے بھلا روضۂ رضواں لیکر

سوزِ دروں نے آہ ہمیں خاک کر دیا
رکھا تھا دل میں ہم نے کہاں کا غبارِ دل

رنگِ خودی مٹا دے دل سے دوئی اٹھا دے
اک جلوہ میں دکھا دے ہوں منتظر میں کب سے

پردۂ ساز میں در پردہ کوئی ہے معشوق
دل جو کھنچ جاتا ہے دلکش وہ صدا کون سی ہے

سجدہ کرتے ہیں برہمن جسے شام و سحر
ماہ و خورشید میں یارب یہ ضیا کون سی ہے

سلیم

سلیم۔ منشی سید قادر الدین حیدرآبادی ۱۹۰۱ء میں جب آغا شاعر دہلوی دکن میں راجہ امانت

کی سرکار میں ملازم تھے۔ اسوقت یہ انہیں سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ بندشیں صاف ستھری۔ خیالات پیچیدگی سے آزاد ہیں کیوں نہو اُستاد کیسا ماہر زبان اور جادو طراز سخنور ہے اس زمانہ کا منتخب کلام یہ ہے ؎

عبث تکلیف کی ذکر عدو کو چھیڑ کر تم نے
جلانے کے لئے کیا آتش رنگ حنا کم تھی
بچایا مہربانی نے تری ہر طرح سے ورنہ
عدو کو خاک کر دینے کو میری آہ کیا کم تھی
یہ دیکھنا ہے دیکھینگے وہ کسکو بزم میں
لاکھوں لڑی ہوئی ہیں نگاہیں نگاہ سے
دل ہو جگر ہو چھید گیا جو سامنے ہوا
اللہ کی پناہ کسی کی نگاہ سے

سلیمان　**سلیمان** ـ سلیمان خاں صاحب دہلوی مقیم عظیم آباد شعرائے قدیم سے تھے اشرف خاں فغاں دہلوی سے تلمذ تھا مضمون آفرینی کے دلدادہ تھے حسن خیال یہ ہے ؎

جھکی جاتی ہیں آنکھیں آج نرگس کی گلستاں میں
چمن میں ذکر تھا شاید تری مخمور آنکھوں کا
نظر آئی حنا بندی مجھے کس گل کے ہاتھوں کی
کہ اشک سرخ سے کاسہ ہوا معمور آنکھوں کا
دیا کس مست کے ہاتھوں میں پیمانہ شیشۂ دل کو
سلیماں سا کوئی دیکھا نہیں معذور آنکھوں کا

سلیمان　**سلیمان** ـ صاحب عالم و عالمیان ـ میرزا سلیمان شکوہ بہادر خلف سوم خلد مکانی حضرت شاہ عالم ثانی ـ تباہی سلطنت یعنی ہنگامۂ غلام قادر کی بغاوت کے بعد قلعۂ معلی کی سکونت ترک فرماکر اپنے برادر بزرگ میرزا جواں بخت بہادر ولی عہد کیطرح لکھنؤ میں اقامت گزیں ہوئے نواب آصف الدولہ بہادر نے بنام صرف خاصہ اخراجات سرکار شاہزادہ کیلئے چھ ہزار ماہوار مقرر کر دئے ـ نواب سعادت علیخاں اور غازی الدین حیدر ۱۸۱۹ء تک حسب دستور قدیم صاحب عالم کے سامنے وزیر اعظم کیطرح پیش آئے ـ نذریں دیں خلعت پہنے جب غازی الدین حیدر نے تاج شاہی پہنکر تخت سلطنت پر جلوس کیا تو بدرجۂ مساوات ملاقات چاہی ـ صاحب عالم کو یہ جدید حرکت ناگوار گذری لیکن باقتضائے مصلحت وقت میرزا نصیر الدین حیدر کیساتھ اپنی صاحبزادی کی شادی کر دی جو سلطان بہو کے خطاب سے مشہور ہوئیں ـ مگر ہمیشہ شوہر سے ناموافقت

رہی انہیں اسباب سے صاحب عالم سخت دل برداشتہ اور آزردہ خاطر ہے۔ آخرکار ۳۸ سال لکھنؤ میں قیام فرما کر کاسگنج میں اپنے پرانے دوست کرنل گارڈنر کے پاس چند ماہ رہ کر اکبرآباد میں سکونت اختیار کر لی۔ اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں کئی بار دہلی آئے۔ اور اپنی متعدد لڑکے لڑکیوں کی شادیاں رچائیں۔ ۲۹ ذیقعدہ ۱۲۵۳ھ مطابق فروری ۱۸۳۷ء میں انتقال کیا۔ ع۔ بگوگرد بر شاہ رحمت خدا۔ کتبہ لوح مزار ہے۔ صاحب عالم بادشاہ اکبر کے مقبرہ میں بمقام سکندرہ مدفون ہوئے۔

آپ کثیر العیال علماء و شعراء کے قدردان۔ بامروت نیک خو تھے۔ ابتدا سے شوق پیدا شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے انشاء اللہ خاں اور مصحفی کے زمانہ میں کہنہ مشق تھے۔ دہلی سے جو باکمال لکھنؤ جاتا تھا پہلے انکے ہاں حاضر ہوتا تھا اور یہی الطاف امیرانہ سے پیش آتے تھے لکھنؤ میں انکے دولتکدہ پر مشاعرے ہوتے تھے۔ مصحفی قتیل۔ انشا۔ میرحسن سب اسی سرکار کے دعاگو تھے۔ اور انکے مطارحات اور مبلغ شعر اکثر آپ ہی کے دربار میں رہے۔ کلام میں عالی دماغی کی بو آتی ہے۔ الفاظ سے شاہانہ شوکت پائی جاتی ہے۔ آپکا قلمی دیوان مولف تذکرہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ کلام ذیل کا انتخاب ہے ہے۔

لبوں پہ آکے جو نالہ نہ ہٹ گیا ہوتا	تو آسمان و زمیں سب الٹ گیا ہوتا
جنازہ میرے دیوانہ کا اس کوچہ سے اٹھا	کہ شور نالہ ہر اک خانہ زنجیر سے اٹھا
کہاں ہے شیشہ مے محتسب خدا سے ڈر	مری بغل میں چھپا کتا ہے آبلہ دل کا
کرے یہ کاش فلک سیر اسند سند جدا	یہ مجھسے ہو نہ ہرا تفرخ خود پسند جدا
ای سلیمان عشق کی آتش سے میرے دل کیسیح	آگ کا شعلہ سا اک بھڑکا بھڑک کر رہ گیا
وہاں جو رات وہ غیروں سے ہم کنار رہا	ہمارے دل کو یہاں سخت اضطرار رہا
کسیکے موتیوں کا ہار شب جو یاد آیا	تو تار اشک سحر تک گلے کا ہار رہا
کسکو نسیم طرہ سنبل نے غش کیا	ہمکو تو تیری طرز تغافل نے غش کیا

کچھ تو اثر کیا ہے دل کی کشش نے تیری
ڈوبے اور اچھلے کیا کیا اس بحرِ عشق میں ہم
تاجِ شہی کا وارث تو کیوں نہ ہو سلیماں
جان دی راہِ محبت میں الٰہی صد شکر

جور بلبل پر نہ اتنا بھی اے صیاد کر
کس مست کا کرشمہ ہے آنکھوں کا اب جو یوں
ساقی نے اسکو دیکھتے ہی لا کے رکھ دیا
کچھ ضد ہے اسکو یہ کہ مٹاتا ہے پاؤں سے

وہ پری بولی کہ یاد آتی ہے مجھکو بے سبب
مجھ پہ غصہ ہو وہ سب موتیوں کے ہار کو توڑ
زخم کھا کر جو گرا میں تو وہ یوں کہنے لگا
ہٹ ہے گر دل ہی پہ اسکی تو سلیماں دیدے ڈال
منزلِ عشق ہے سخت اے دلِ رنجور دراز
دیکھکر زلفِ گرہ گیر تری اے کافر
نہ فقط نعرہ سے ہے اپنے زمیں کو جنبش
نکہت تری زلفوں کی مشکہا دیتی ہے دوہیں
کیوں آنکھیں جھکی آویں نہ آتا ہے مجھے تو
تا تخت ہوا دار کو لے تھام سلیماں
جو بوسہ لینے کی ہے تم ہیں اور ہم ہیں شرط
مجھے خطرہ ہے کہ بے طرح اشک باری کی
بنیادِ شکیب و صبر دل سے

پڑھتا جو وہ سلیماں اشعار گھر سے نکلا
پایا نہ حیف اپنا اک صورت آشنا سا
تیمور کا تو پوتا عباس کا نواسا
بات جو ہم نے کہی تھی وہ نباہی صد شکر

نو بہار آئی ہے اسکو چھوڑ دے آزاد کر
بکھرے پڑے ہیں گل بادام دوش پر
سب مسکشی کا رات سر انجامِ دوش پر
لکھ لکھ کے سر گھڑی وہ مرا نام دوش پر

چاندنی رات میں کرنی وہ سلیماں کی سیر
بوسے لے ایتھہ کہیں آنسوؤں کے تار کو توڑ
اچھا اچھا تو تڑپ کر مری تلوار کو توڑ
ایک دل کیلئے مت خاطرِ دلدار کو توڑ
تجھ میں طاقت نہیں مت کر سفرِ دور دراز
شانہ ہونے کی رکھے ہے دلِ صد چاک ہوس
بلکہ اس صدمہ سے ہے چرخ بریں کو جنبش
پاتی ہے مجھے جبکہ نسیمِ سحری غش
یہ سیج تری دیکھ کے پھولوں کی بھری غش
یاں کہتے ہیں تجھ پر ہوئی ہے ایک پری غش
سو جیتے ہیں اب تم سے کوئی دم میں شرط
بندھی ہے ابر میں اور میری چشم نم میں شرط
افسوس چلا اکھاڑ کر عشق

کیا کیا نہ جوانوں کی رہا آہ
بستا ہوا ملکِ دل ہمارا

جس پہ سوجی سے ہے اپنا دلِ مضطر عاشق
دردِ دل کی مرے تب قدر ہوا اسکو معلوم
جیتے جی اب کوئی اٹھتے ہیں کہ آ بیٹھے ہیں
ہنس کے کہہ دینا ترا یہ کون ہے مجھپر عاشق
جب کہا تم نے کہ تجھپر ہیں اسیر تو وہیں
اس نے غرفہ میں سے جھانکا تو بہانہ کر کے
تیری شب فراق میں میں کیا کہوں کہ آہ
دیکھکر یار تری جلوہ گری کا عالم
اشک آتے ہیں لئے نعشِ دلِ اشعرؔ تن سے
کہاں طاقت کہ پہنچیں ساتھ با ہم ہمرہاں اور ہم
اٹھایا بوجھ ہم نے سب بسر عشق کی دولت
تمنا ہوئے ولیں جسکو جنت کی سوا کافر ہو

ساقیا ہے یہ جام کا عالم
اب خدا پھر ہمیں نہ دکھلائے
تجھ پہ ہو ان دنوں میں نامِ خدا

دے ہمیں تو وہ مئے گلفام ساقی ابر میں
زلف و رخ کا شیفتہ ہو جو کوئی تیرا اسے
کیونکر میں ہاتھ پکڑوں اس گلبدن کے ہمدم
ہمرے قدم یک شب اگر ملے جو پیارے

صورت سیج دہیج بگاڑ کر عشق
بے طرح گیا اجاڑ کر عشق

ہائے وہ شخص ہے اور کسی پہ عاشق
آپ بھی جب ہو کسی پہ وہ ستمگر عاشق
آہ کی دھونی لگا کر ترے در پہ عاشق
مرتے ہیں ایسی ہی باتوں پہ تو اکثر عاشق
رہ گیا مار کے بس چھاتی پہ پتھر عاشق
گر پڑا اکھا کے رہیں کوچہ میں ٹھوکر عاشق
تا صبح دم پلک سو رہی ہے جدا پلک
صفِ عشاق میں ہے بےخبری کا عالم
کہ ہر اک قطرہ ہے اک نوحہ گری کا عالم
تھکے ماندے چلے آتے ہیں گردِ کاروان رہم
وگرنہ سو جیتے جی ہیں تو یہ بارِ گراں اور ہم
یہی ہے آرزو دل میں کہ ہو کوئے بتاں اور ہم

جیسے ماہِ تمام کا عالم
شبِ ہجراں کی شام کا عالم
کچھ عجب وہم و ہام کا عالم

جسکا ہو خورشید دردِ آشام ساقی ابر میں
کچھ نہیں معلوم صبح و شام ساقی ابر میں
جسکی کہ شاخِ گل سے نازک کلائیاں ہوں
چہرہ پہ چاند کے پھر ہرگز نہ جھائیاں ہوں

دو چار جام پیہم ساقی جو بھر کے دیوے
تو ابر میں نشہ کی کیا کیا چڑھائیاں ہوں

دیکھے ہیں ہم نے لاکھوں دیندار سجدہ کرتے
کیونکر نہ اب بتوں کے گھر میں خدائیاں ہوں

ہم تو کب آپ تلک آپ سے آ سکتے ہیں
آپ چاہیں تو ہمیں پل میں بلا سکتے ہیں

جبہ سائی کا نشاں جائے جبیں سے کیونکر
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں

اٹھ کے وہ وقت سحر اپنے جو گھر جاتے ہیں
کچھ نشانی مرے تکیہ تلے دھر جاتے ہیں

تجھکو پروا نہیں ہے ایک بھی اور تجھ پر
سیکڑوں جان سے یاں اپنی گذر جاتے ہیں

اس اندھیرے میں دبے پاؤں اکیلے چپکے
یہ تو فرمائے اب آپ کدھر جاتے ہیں

ہاتھ اب قبضۂ شمشیر پہ رکھتے ہو جو ہم
اس ڈرانے سے بھلا ہم کوئی ڈر جاتے ہیں

کیا بری خو ہے بتوں میں یہ سلیماں واللہ
دل کو لیتے ہیں یہ اور لیکے مکر جاتے ہیں

گیا دن ہجر کا تو سو طرح سے آہ و زاری میں
شب فرقت کٹیگی کیونکہ یارب بیقراری میں

دوپٹہ بادلہ کا اوڑھ کر نکلا جو وہ گھر سے
نظر آنے لگی شب چاندنی سی اسکے پرتو میں

بجلی چمک رہی ہے بادل برس رہے ہیں
صہبا بغیر ساقی میکش ترس رہے ہیں

ہائے نکلی ناتوانی صبا دکھا گئی کیا
قید قفس میں کیا ہم کچھ اپنے بس رہے ہیں

تارے کیوں بیٹھے گنا کیجئے بھلا راتوں کو
اپنے آ جائے جو وہ زہرہ جبیں قابو میں

اسکو مرنے کی خبر پہنچی جو عاشق کی تو بس
ٹھسکے بولا کہ میں کیا ہاتھ قضا کا پکڑوں

بوئے گل زور اڑا کر یہ لئے جاتی ہے بو
دل میں ہے آج گریباں صبا کا پکڑوں

وہاں جب درد تنہائی کا اٹھا قیس کے دل میں
تو یاں چھاتی کوٹ لیلے ہوئی غش اپنے محمل میں

ٹھہر جا توڑتا دم کا تو اسکے دیکھ لے قاتل
رمق سی اور اک باقی ہے تیرے نیم بسمل میں

نہ دیکھی ہوگی موسیٰ نے بھی کوہ طور پر ایسی
تجلی شب جو ساقی نے دکھائی اپنی محفل میں

دھوپ میں لٹنے جو دیکھا مجھے پھرتا تو کہا
بیٹھ جا تجھکو مرے سر کی قسم سایہ میں

یہ تو کہہ دیجئے کیا دل میں ہے صاحب کے بھلا
آپ آکر جو لیے ہیں مرے ہمسایہ میں

ہاتھ آوے جو مرے شیشۂ و ساغر ساقی + تو یہ سمجھوں کہ ہوا تاج و نگیں قابو میں

معجز عیسیٰ نہ ظاہر ہو ترے ہونٹوں سے جو
کیوں نہ پھر تیرے مریض غم کی نبضیں چھوٹ جائیں

بند کر آنکھیں معن ہوں دیوانہ پن میں سرنگوں
جس طرح ہو غنچۂ نرگس چمن میں سرنگوں

دیکھکر تیرا فروغ حسن اسے مہ رشک کہا
شمع محفل گر پڑی ہو کر لگن میں سرنگوں

اے باغباں ستا مت ان بلبلوں کو ناحق
آگے بھی آشیانے انکے اُجڑتے ہیں

وہ گل بولے کہ لو قرآن پر ہم ہاتھ دھرتے ہیں
جو تم سچ ہمیشہ مرتے ہو تو ہم بھی تم پہ مرتے ہیں

قسم دیکر نہ پوچھو ہم سے دیکھو رات کی باتیں
کہینگے تو خفا ہو گے اجی ہم تم سے ڈرتے ہیں

دل پہ اسواسطے ہم ہاتھ دھرے پھرتے ہیں
کہ وہ جھنجھلائے ہوئے ہم سے بے پھرتے ہیں

نہ مانونگا میں کبھی وعدہ آپ کا صاحب
ہمیشہ مجھسے یوں ہی صبح و شام کرتے ہیں

وہ میرے نالوں کو سنکر لگے یہ فرمانے
کہ آپ نیند ہماری حرام کرتے ہیں

بھرا ہے آنکھوں میں زہر ان بتوں کی یہ جس سے
نظر ملاتے ہیں اُسکو تمام کرتے ہیں

نہیں وہ یاد سلیماں ہے علم تسخیرات
کہ ایک بات میں وحشی کو رام کرتے ہیں

جنہیں آتی نہیں سیدھی لکیریں کھینچنی مطلق
زبردستی انہیں سب مانی و بہزاد کہتے ہیں

نہ جاگتے ہیں وہ لذت سے اور نہ سوتے ہیں
مزا جو پایا ہے پچھلے پہر کے رونے میں

وہ چونک نیند سے اور دیکھ اپنی چوٹی کو
پکارے سانپ تھا یہ مرے بچھونے میں

وہ میری چشم گہربار دیکھکر بولے
یہ خوب طاق ہیں سلک گہر پرونے میں

رات کو گھر سے نکل کر ستارے دیکھو
میرے اشکوں کی چمک آنکے پیارے دیکھو

چوری چھلے کی لگا نہ مجھے بس جاؤ
اپنے سب کھول کے صندوق پٹارے دیکھو

آزمایش جو کریں وہ تو سلیماں کہدو
جس طرح چاہو اجی دل کو ہمارے دیکھو

تڑپے ہے سینہ میں دل جان نہ ٹالو اسکو
عید کا دن ہے گلے تک تو لگا لو اسکو

وعدہ ملنے کا کر ہم سے جاتے ہو گھر غیروں کے
آگ پن اور بن تیل کڑاہی جلتوں کو جلواتے ہو

پیتے ہو دن رات شراب اور مست مدامی رہتے ہو
پوچھتے ہو عاشق کو ہنس ہنس کیا پیتے کیا کھاتی ہو

پھول عاشق کے وہاں ہو گئے کب صاحب + آپ پھولوں سے یہاں گود بھرے پھرتی ہیں

جاؤ کہیں تبلاؤ کہیں سر پاؤں تمہاری بات کا کیا
غیر کو دیکھ کے نہ شرماؤ
باہیں گلے میں ڈال کے ہو جی میں آج رات
ایک مٹی کا سا تودہ بن کے وہ بیٹھا تو کیا
رات کو اک بات میری مان وہ کہنے لگے
ہم صفیران چمن تم نہ گلستاں میں چلو
کھڑے ہیں دیکھنے کو ہم گلی میں آپ کی کل سے
غیر کا نام جو تم پیار سے لیتے ہو تو بس
بیدادیٔ لشکر جنوں سے
میں روٹھ کر چلا تو سلیماں وہ بول اٹھے
اختلاط آپ سے اور مجھ سے کہاں کا ایسا
ہمیں جو اس نے سونپی رات کو زنجیر سونے کی
چھاتی مری بھر آئے نہ کیوں ابر کی طرح
تقویٰ و زہد سے ہمیں کیا کام زاہدو
میرے پہلو سے نکلتے ہی لہو رونے لگا
کس کے مہماں ہوئے تھے یہ کہو تو شب کو
عشق سے منع مت کر اے ناصح
ہاتھ سے ساقی کے لے لے کر نشہ میں رات کو
محتسب کے ظلم سے میں کیا کہوں اے میکشو
صبح ہوتے ہی جو اپنے گھر کو وہ جانے لگے
رو رو کے جس طرح سے بنی رات کٹ گئی

کہتے کچھ ہو سنتے کچھ ہو ٹھنکاتے ہو بہکاتے ہو
اے میں قربان ٹک ادھر دیکھو
ہائے کیطرح لیجئے در آغوش ماہ کو
گرمیٔ صحبت بھی لازم ہے کچھ اک انسان کو
ہے یہ لازم یاد رکھے آدمی احسان کو
ہو جو دل کھول کے رونا تو بیاباں میں چلو
ٹک اک کوٹھے پہ اپنے تم بسان ماہ آ جاؤ
ایک برچھی سی کہ پہلو میں چبھو دیتے ہو
بستی دل کی اجڑ گئی ہے
آگے قدم رکھے تو ہمارا لہو پیئے
میرے زانو سے جو زانو کو دبا کر بیٹھے
تو اسکے تھے یہ یعنی کہ تدبیر سونے کی
خالی پڑا ہے خم میں حباب شراب ہے
دنیا میں جو کچھ ہے سو شراب و کباب ہے
دیکھ لے بیدرد کیا پر درد تیرا تیر ہے
جو کسی طرح سے یاں آنکلے مذکور ہوئے
کیا کریں عالم جوانی ہے
پی گیا میں ایک دو بھر بھر کے پیمانے کئی
خم پڑے ہیں ٹکڑے اور ویراں ہیں مینا کئی
تو مجھے کس کس طرح ہی ہائے سمجھانے لگے
کیا سرگذشت پوچھتے ہو مجھ غریب کی

کسی کا دل جو گرفتار ہو کسی کے ساتھ
تو اُس کے منہ سے بھلا کسطرح ہنسی نکلے

زیب دی تحریر سرمہ کیوں نہ چشم یار کو
نیلگوں گنڈا پنہایا مردم بیمار کو

گالی نہ دیا کرو کسی کو
بس بس اپنی زباں سنبھالو

غرفہ میں سے جھانک پاس آئیے
غیروں کو ہنسی خوشی بلا لو

اور ہم سے ہزار حیف پیارے
منہ کو شرما کے یوں چھپا لو

ہے قافلہ عمر کا روانہ
رخصت اپنا مسافروں سنبھالو

بت خانہ کی راہ کو سلیماں
چھوڑو تم اور رہ خدا لو

اوروں کیطرح اب نہ ٹالو + ہم کو اپنے گلے لگا لو

سیر گل تم کرو آئینہ میں ہم دیکھتے ہیں
زعفران زار کی سیر اپنے رخ زرد کیساتھ

ٹپکے ہے خوں ٹھہر ٹھہر سخت جگر کی قاش سے
چھیڑ دو اسکو صبا جو تیز قلم تراش سے

یار کے غم میں کچھ نہیں فکر ہمیں معاش سے
آمد خوں ہے دم بدم سینہ کے ہر خراش سے

جیسی ہے خوش تراش "چھب" نام خدا تری صنم
ایسی نہ شکل بن سکے آذر بت تراش سے

آج تم غیر سے چھینٹے جو لڑے پانی کے
پڑ گئے ہمپہ گویا لاکھ گھڑے پانی کے

وفور اشک سے کیونکر ہے اپنی چشم نم خالی
جو دریا جوش سے بہتا ہے ہوتا ہے کم خالی

برنگ سنبل دل پر داغ میں سوراخ ہونگے دو
صدائے درد سے بھر یک جہاں چھوڑینگے ہم خالی

کپڑے کئے ہیں گیروے ہونگے ہو فقیر آج
کتنے ہوئے لہو میں لال سرخ ترے لباس سے

ق

میرے سخن کی قدر کو جانے سلیماں وہ کوئی
جو اُسے دیکھے غور کر چشم گہر شناس سے

ہاتھ جب چھاتی پہ رکھکر اسکی میں نے یوں کہا
"بوجھ" میرے ہاتھ میں یہ جفت ہے یا طاق ہے

تب کہا اس نے یہ ہنسکر راہ شوخی سے مجھے
ایک ہی اللہ اپنے کام میں تو طاق ہے

سلیمان

سلیمان - صاحب عالم - میرزا سلیمان قدر بہادر خلف عرش آرام گاہ حضرت امجد علیشاہ بادشاہ لکھنؤ - از بطن ملکہ گیتی خاندان اودھ کی آخری یادگار - نازک طبع - رنگین خیال شاعر تھے ذہن میں بلند پروازی - بیان میں انوکھا پن تھا - لکھنؤ کی زبان - فصیح بول چال کے مالک تھے سنہ ۱۹۱۵ء میں

انتقال ہوا۔ نواب میرزا جعفر علیخاں صاحب سالم لکھنوی رئیس شیش محل نے تاریخ وفات لکھی کہ وہ آج اودہ سے مٹ گیا نام و نشان سلطنت۔ راقم تذکرہ کو لکھنؤ میں آپکی خدمت میں ۱۲۹۶ھ میں باریابی کا فخر حاصل ہوا تھا نہایت لطف و کرم سے پیش آئے تھے اور ایک تصویر بھی عنایت کی تھی۔ اشعار ذیل آپکی فکر عالی ہیں سے

آپ نے ظلم کئے ہوتے ستایا ہوتا
پر مجھے اپنی نظر سے نہ گرایا ہوتا

آئی ہے فصل بہار اٹھی ہے گھنگور گھٹا
ساقیا آج تو مستوں کو چھکایا ہوتا

قصہ خواں شوق کہانی کا ہے بیحد انکو
حال دل میرا کسی طرح سنایا ہوتا

ناخن غم کی رہا کرتی ہے ہر وقت خراش
ورنہ یہ زخم جگر کب کا بھر آیا ہوتا

ہمارا مرغ دل صید نگہ تھا
کماں سے تیر کیوں بیکار مارا

چلا کے ٹھوکروں سے تم نے مردے
ہزاروں کو دم رفتار مارا

اشارہ سرمگیں آنکھوں سے کرکے
مرے قاتل نے بے تلوار مارا

ہمیں ڈری کیا جب نہیں سر عزیز
جوانی وہاں باڑہ پر ہے تو کیا

نہ آئینگے میری عیادت کو وہ
ادہر کی جو دنیا ادہر ہے تو کیا

ترے درد کا کرے گے علاج
زمانہ کا وہ چارہ گر ہے تو کیا

سلیماں نہ دینگے کبھی اسکو دل
وہ بلقیس ثانی اگر ہے تو کیا

آج جو غیر کی گردن میں ہیں لے آہ رسا
کل انہیں ہاتھوں سے تھاما وہ جگر آئینگے

محبت ہر صنم کی مدتوں سے دل میں بستی ہے
خدا کی شان کعبے میں عجائب بت پرستی ہے

غرض شیخ و برہمن سے نہیں رندشرابی ہیں
عبادت خانہ میخانہ ہے مذہب بت پرستی ہے

سلیمان۔ نواب والاقدر سید حسین علی میرزا عرف منجھلے حضور خلف اوسط نواب ناظم فریدان جاہ منصور علیخاں انکی والدہ نواب شاہ النسا بیگم۔ فریدوں جاہ کی بیویوں میں مقتدر اور ممتاز تھیں اور یہ انکے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ نواب شاہ النسا بیگم نے جنوری ۹۲ء میں انتقال کیا۔ جب ۱۸۸۰ء میں نواب ناظم اپنے آبائی حقوق نظامت سے دست بردار ہوئے تو سرکار نے انکی والدہ اور انکا ملا کر ۳۰ ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کیا ۱۸۶۶ء میں اپنے برادر بزرگ نواب سر سید حسن علی

سلیمان

میرزا اور چھوٹے بھائی نواب ہمایوں قدر محمد علی میرزا معروف بہ میر صاحب کے ہمراہ بغرض تعلیم ولایت گئے۔ کرنل ہربرٹ انکے اتالیق مقرر ہوئے۔ موجودہ نواب مرشدآباد انکے بھتیجے اور داماد ہیں مرشدآباد میں انکی نیک طبعی اور فیاضی مشہور و معروف ہے۔ طبیعت کو شاعری سے مناسبت تھی۔ طرز بیان دلکش ترتیب فکر میں سنجیدگی۔ زبان میں شیرینی۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

تعلق جسم خاکی کا ہوا مانع حضوری کا — یہی پردہ ہمارے اور تیرے درمیاں نکلا
پس مردن کھلا ہم پر مآل کار دنیا — جسے سمجھے تھے بیداری وہ اک خواب گراں نکلا
گرمیٔ مہر قیامت سے ضرر کیا ہوگا — جسکے سر پر تری دیوار کا سایا ہوگا
جان نکلیگی جو تمنائے وصال دلبر — دوش حسرت پہ وہاں اپنا جنازہ ہوگا
ہم نشیں کیا دیکھتے ہیں چہرۂ بیمار صبح — ہے شکست رنگ رخ آئینہ آثار صبح
ہیں یہ دونوں بہر عاشق کاہش جان حزیں — آہ بے تاثیر شام و نالہ بیکار صبح
جس قدر بھی گوہر انجم ترے کیسہ میں ہوں — آسماں کردے نثار جلوۂ رخسار صبح
بوئے باغ خلد لاتی ہے نسیم جانفزا — کھولتا ہے آسماں جس دم در گلزار صبح
وصل کی شب یہ خبر کیا تھی کہ اے دور فلک — شام ہوتے ہی عیاں ہوجائینگے آثار صبح
سانپ کے منہ میں عقیق سرخ ہے کہتے ہیں لوگ — ہے عیاں یوں خون دل میرا زبان تیر پر
اہل محفل ہوں نہ کیوں خود رفتۂ حسن بیاں — نطق خود حیراں ہے تیری خوبی تقریر پر
فاتحہ پڑھنے بھی بھولے سے کوئی آتا نہیں — بیکسی روتی ہے قبر عاشق دلگیر پر
رہرواں وادیٔ الفت پہ آفت ہی رہی — بے لٹے پہونچا نہ کوئی قافلہ منزل کے پاس
کی رسائی کس بلا کی تیر مژگاں نے ترے — یہ ستم گر توڑ کر سینہ کو پہونچا دل کے پاس
خانہ کعبے میں جس طرح ہے سنگ اسود — دل عشاق میں کرتے ہیں یوں ہی گھر گیسو
زندگی سے ترے دیوانے جو تنگ آئینگے — توڑ ڈالینگے رگ جاں بھی زنجیر کیساتھ
سادہ لوحوں کو نہ کیوں دام میں لائیں زاہد — سبحۂ مکر ہے سجادۂ تزویر کے ساتھ

وصل دشوار بھی آسان ہی مگر شرط یہ ہے
حُسنِ تدبیر بھی ہے خوبیٔ تقدیر کیساتھ

ضعف سے سر یہ جھکا تیرے اسیرِ غم کا
مل گیا طوقِ گلو حلقۂ زنجیر کے ساتھ

رونا بابِ اثر جا کے پلٹ آتی ہے
لاگ ہے کچھ تو دعا کو مری تاثیر کیساتھ

تو ہو شمشیر بکف میں ہوں جھکائے گردن
تیری تصویر سے کھنچے یوں مری تصویر کیساتھ

عاشقوں کے واسطے خنجر سے بھی کم نہیں
دل کے ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے جدائی آپکی

کیا کہوں نیچی نگاہوں سے مجھے دیکھ لیا
اک چھری اور لگا بیٹھے ہیں جاتے جاتے

پڑ گئے سینۂ پُر داغ میں اتنے چھالے
ٹھوکریں کھاتی ہے اب سانس بھی آتے جاتے

سانس اکھڑی ہوئی آنے سے ترے یوں ٹھہری
جس طرح قافلے تھم جاتے ہیں آتے جاتے

عشق کا افسانۂ دلکش گل سراپا گوش ہے
کس لیے پھر بلبلِ آتش نوا خاموش ہے

ہے حبابِ بادہ کی صورت وجودِ کائنات
ساغرِ مے ہے زمیں چرخِ کہن سرپوش ہے

رونقوں پر میکدے ہیں فصلِ گل کا جوش ہے
قلقلِ مینا سے پیدا بانگِ نوشا نوش ہے

دیکھکر عاشق کی میت ناز سے بولا وہ شوخ
دم ابھی باقی ہے اسمیں ضعف سے بیہوش ہے

تیرے جاتے ہی ہوئی حالت یہ اہلِ بزم کی
کوئی سکتے میں پڑا ہے اور کوئی بیہوش ہے

خبر لیتا ہے اپنے قیدیوں کے دانہ پانی کی
قفس میں جب سے آئے ہیں دل صیاد میں گھر ہی

سما سما۔ میرزا محمد حسن صاحب خلف میرزا ثریا قدر شاہزادۂ لکھنو ۱۳۱۴ھ کے مشاعرے میں شریک تھے۔ یہ دو شعر دستیاب ہوئے ہیں ؎

نہ دوزخ میں گذر انکا نہ جنت میں ٹھکانہ ہے
ترے عشاق کے رہنے کی جا اب تک نہیں نکلی

سحر سے شام تک کی منتیں و صلت کی بابت میں
مگر واللہ اُس بت کی زباں سے ہاں نہیں نکلی

سما سما۔ محمد ذکریا صاحب تلمیذ میر ضیا دہلوی۔ نوجوان خوشگو تیز فکر شاعر ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار سے شوخیِ طبیعت پائی جاتی ہے ؎

بھڑکایا اور آتشِ شوقِ وصال کو
انگڑائی لیکے ناز سے اُس مستِ خواب نے

حسرت ہی لیکے اٹھ گئی شبنم تو باغ سے / دھویا گلوں کا منہ مری چشم پر آب نے
شوخی کے ساتھ غمزۂ و ناز و ادا ملے / یہ چار چاند اور لگائے شباب نے
کعبہ کا کیا طواف کیا بت بگڑ گئے / مجرم بنا دیا مجھے کار ثواب نے
اچھا ہوا جو مر گئے کچھ کھا کے اے سما / الفت کا روگ آج مٹایا خضاب نے

سمجھو

سمجھو۔ منشی غلام محمد عرف میاں سمجھو۔ سورت بندر کے ساکن۔ میرزا جہاں شاہ خلف اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے ساتھ سفر حجاز کی واپسی پر دہلی میں وارد ہوئے۔ بادشاہ کی تعریف میں چند قصیدے کہے۔ کبھی مومن خاں کبھی ذوق سے اصلاح لیتے رہے۔ چند سال کے بعد حیدرآباد جا کر راجہ چندولال کی سرکار میں بزمرۂ شعرا ملازم ہو گئے۔ پھر اپنے وطن میں پہونچے۔ نواب حسین نادر مومن خاں کیطرف سے سرکار انگلشیہ میں وکیل رہے۔ اپنے وقت کے مشاہیر شعرائے دکن سے تھے۔ سنہ ۱۲۷۲ھ میں انتقال کر گئے۔ کلام کا رنگ اچھا۔ شعر کا ڈھنگ بالکل نیا تھا۔ مضمون آفرینی میں طاق۔ خیال بندی میں شہرۂ آفاق تھے۔ نتیجۂ فکر یہ ہے ؎

ویرانۂ عالم کی ذرا خاک جو چھانی / ہر گرد میں اک لیلی کا محمل نظر آیا
ذرا ماہتابی پہ آیا تو ہوتا / وہ مہتاب سا منہ دکھایا تو ہوتا
بد دعا غیر کو بھی ہیں تو نہ دوں گا سمجھو / قید گیسو سے کہیں اس کے ہو آزاد رقیب
ابرو سے دل بچا تو مژہ سے جگر چھدا / روکی ادھر کی چوٹ تو کھائی ادھر کی چوٹ
لکھا ہے قصۂ سوز دروں میں ڈرتا ہوں / ہوائے بال کبوتر سے خط بھڑک نہ اٹھے
از بس دہان دلبر انگریز تنگ ہے / کیا نکلے منہ سے بات کہ قید فرنگ ہے
میں بھی سمجھاؤں جو جانے بات تو پردہ نشیں / ہے بدلنا ہی اگر منظور اپنا گھر تجھے
جائے نظارہ بھی ہے گوشہ بھی ہے پردہ بھی ہے / آ مری آنکھوں میں رہ یہ عین بہتر ہے تجھے

سُندر

سُندر۔ لالہ سندر لال صاحب باشندۂ بلند شہر۔ شاعر خوش فکر ہیں۔ زبان سلیس ہے۔ یہ چند شعر درج ذیل ہیں ؎

جو بوسہ لے لیا انکا ہنسی میں — نگڑ بیٹھے وہ مجھ سے دل لگی میں
بناوٹ کا ہے یہ اظہار الفت — نہیں تیری محبت میر جی میں
مرادوں کے ہیں دن لیلو دعائیں — رہی جاتی ہے میری جی کی جی میں

سودا

سودا شہسوار عرصۂ معانی۔ رشک انوری وخاقانی۔ طرۂ دستار فصاحت۔ غازۂ رخسار بلاغت ملک الشعرا میرزا محمد رفیع ابن میرزا محمد شفیع دہلوی ۱۱۲۵ھ میں اس مرد میدان سخن کی ولادت ہوئی۔ مورخین انہیں کابل نژاد کہتے ہیں مگر اصل یہ ہے کہ خاک شاہجہاں آباد انکے خمیر میں شامل تھی۔ شاعر نامور شاہ حاتم کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ میر سوز میر درد۔ میر تقی سے معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں جس مبارک فن نے انکے نام کو زندۂ جاوید کیا اسکی ابتدا اسی شہر سے ہوئی مگر افسوس یہاں کی آب و ہوا انکو راس نہ آئی۔ ابنائے زمانہ کی ناقدری سے عین زمانہ شباب میں لکھنؤ چلے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مغلیہ سلطنت کے درخت اقبال کی جڑمیں دیمک لگ چکی تھی۔ صوبۂ اودھ کا دماغ شاہانہ شمیم اقبال سے مہک رہا تھا لکھنؤ میں وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا۔ ہندوستان کے ہر گوشہ سے پریشان حال اور تباہ روزگار مسلمان ادھر ہی کا رخ کرتے اور یا قسمت یا نصیب کہکر لکھنؤ میں وارد و صادر ہوا کرتے تھے۔ میرزا سودا بھی دہلی سے روانہ ہوکر مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے لکھنؤ پہونچے۔ قدر دانوں اور ذی کمالوں نے انکو ہاتھوں ہاتھ لیا چند ہی دنوں میں نواب وزیر تک رسائی ہوگئی آصف الدولہ تو ایسے ذی جوہر سپاہی منش شرفا کی تلاش ہی میں رہتے تھے انکی بڑی آؤ بھگت کی خصوصًا اس وجہ سے کہ نواب شجاع الدولہ نے خود انہیں بڑے شوق سے لکھنؤ بلایا تھا مگر اسوقت یہ نہیں آسکتے تھے یہ بھی دماغ ہفت ہزاری لائے تھے۔ عزت کے سامنے دولت کو پست خیال کرتے تھے ملک الشعرا کا خطاب شاہ عالم کے دربار سے حاصل ہوا تھا اب چھہ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر بھی معاش کیلئے مرحمت ہوئی عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔ نواب وزیر کی تعریف میں نئے نئے رنگ کے قصیدے کہے خوب خوب زور طبع دکھایا۔ میرزا سودا کی شاعرانہ معلومات

نقادی کا دائرہ وسیع تھا۔ تحقیقات کے ابر میں ہجو کی بجلی چمک ہی تھی وہ غضب تھی۔ یہ اپنے معاصرین کا مقابلہ کرنیکو ہر وقت کیل کانٹے سے لیس رہتے۔ انکی علمی ادبی واقفیت کا حال۔ "تنبیہ الغافلین" دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے جسمیں میرزا فاخر مکین کی بُری طرح خبر لی ہے انکے دامنِ سخن کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ نقادانِ سخن میر کے کلام کو آہ۔ سودا کے کلام کو واہ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی درد۔ اثر۔ جذباتِ حقیقت۔ سوز و گداز میر کے کلام میں ہے۔ وہ دلی جذبات کے نقشے موثر اور دلکش پیرایہ میں کھینچتے ہیں۔ درد آمیز واقعات۔ رقت انگیز واردات کی سیدھی سادھی زبانِ روزمرہ میں ادا کرتے ہیں۔ دل کی اندرونی کیفیت دکھاتے ہیں جسکی نظیر سودا کے ہاں معدوم ہے۔ شکوہ الفاظ۔ بلندیٔ مضامین۔ رفعتِ خیال۔ نادر استعارات۔ بے بدل تشبیہات جسقدر سودا کے دفتر میں ہیں۔ اس رنگارنگی سے میر کا کلام محروم ہے۔ میرزا زبردست الفاظ کے سرمایہ دار ہیں جن کی مدد سے وہ مبتذل اور پیش پا مضامین کو بھی رنگینیٔ الفاظ سے مرصع بنا دیتے ہیں۔ اور معمولی شعر میں بھی انتہا کا جوش پیدا کر دیتے ہیں۔ غرض میر کی سادگی۔ سودا کی معنی آرائی۔ دونوں کے ذہن رسا کی رسائی قابل داد ہے۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ مسلم الثبوت استاد ہے۔ گو میرزا سودا کو شاہ حاتم سے نسبت تلمذ ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سودا کی شاگردی سے شاہ حاتم کا آفتاب شہرت آسمانِ سخن پر طلوع ہوا۔ ہونہار شاگرد نے استاد کے نام میں چار چاند لگا دیئے۔ اردو میں قصیدہ گوئی کا موجد اگر کسی کو کہہ سکتے ہیں تو وہ صرف میرزا ہی کی ذات ہے جنکے زورِ قلم نے عالمِ سخن میں دھاک بٹھا دی۔ مقطوع الجواب قصائد سنکر مخالفین نے بھی انکا لوہا مان لیا۔ ترکی۔ فارسی۔ عربی ہر علم میں دستگاہ تھی۔ دلی کے روڑے نہ بنے مگر اردو کے دھنی بنے رہے۔ لکھنؤ میں رہ کر بھی شانِ میرزائی کو نہ چھوڑا۔ محقق اور کامل الفن تھے مختلف السنہ کی واقف کاری کا کمال قصائد سے ظاہر ہوتا ہے۔ شیخ ناسخ نے انہیں کی آنکھیں دیکھکر تحقیقات کا دعوی کیا ورنہ لکھنؤ میں سودا اور ناسخ سے پیشتر نہ متروکات کا لحاظ تھا۔ نہ زبان کی چھان بین کا شوق۔ نواب مصطفی خاں شیفتہ مؤلف گلشن بیخار سودا کے باب میں یہ تحریر کرتے ہیں کہ "میرزا از اقسام در مثنوی فکر معقول

نداشت واہاجی رکیکہ بسیار گفتہ وباں شیوہ داشتہ" سخت حیرت ہے کہ جس شخص کو اصنافِ سخن پر ایسی قدرت حاصل ہو کہ تیزی شبدیزِ قلم سے مہر کو سایہ سے بدتر کر دکھائے۔ جودتِ فکر سے سایۂ دیوار کو ظلِ ہما بنائے۔ اُس کو مثنوی پر قدرتِ تام نہ حاصل ہو۔ شاید حضرتِ شیفتہ نے تذکرہ نگاری کے زمانہ میں میرزا کے دیوان کو بالاستیعاب نہ دیکھا ورنہ جو مثنوی انکے کلیات میں موجود ہے اُسکو پڑھ کر ایسا جملہ کبھی نہیں لکھتے۔ ہجویں سودا کے کلام میں بیشک زیادہ ہیں مگر انمیں بھی زبان اور روزمرۂ فصحا کا پورا ذخیرہ موجود ہے۔ محاورات ہیں ضرب الامثال ہیں۔ اصطلاحات ہیں اور شاعری کا لحاظ ہر موقعہ پر ہے۔ ہر صنف میں یہ عالم ہے کہ طبع رسا دریا کی طرح لہریں مارتی ہے کیسی ہی سنگلاخ زمین ہو مگر اُنکے سامنے پانی ہے۔ میرزا سودا کی زود گوئی اور فی البدیہہ شعر کہنے کے متعدد قصے زبان زد خلایق ہیں۔ انہیں کے زمانہ میں شیخ علی حزیں ایران سے آئے اور بحیثیت شاعر گرامی ہندوستان ان سے ملے سودا نے اُن سے دادِ سخن لی ہے۔ سودا عالمِ شباب سے پیری تک لکھنؤ میں رہے اور انکو لکھنؤ سے ایسی الفت ہوگئی کہ وہیں کی خاک میں آرام کر رہے ہیں کل ۷۰ برس گلشنِ عالم ہوا کھائی۔ اور سنہ ۱۱۹۵ھ میں عازمِ سیرِ جنت ہوئے۔ یہ قطعہ تاریخ انکے مزار پر کندہ ہے ؎

خلد کو جب حضرت سودا گئے — فکر میں تاریخ کی ماہر ہوا
بولے منصف دور کر ہائے عناد — شاعرانِ ہند کا سرور گیا

انکے کلیات کے متعدد نسخے راقم کے کتبخانہ میں موجود ہیں جنمیں سے بعض انکی حیات کے مرتب شدہ ہیں اور اُن میں ایک خوشخط نسخہ میں ایک نہایت نفیس قلمی مرقع بھی موجود ہے۔ یہ اشعار انکے کلام کا انتخاب ہیں چشمِ انصاف بیں کی نظر میں سب گوہر نایاب ہیں ؎

شب کو مجلس بیچ وہ غارت گرِ ہر خانہ تھا — تھے جو باہم آشنا ایک ایک سے بیگانہ تھا

اِس گلشنِ ہستی میں عجب دید ہے لیکن — جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا
ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ — دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

نگاہِ مست نے ساقی کی عالم کو چھکا ڈالا
کہیں مدہوش ہے شیشہ کہیں ساغر ہے متوالا

دین و دل و قرار و صبر عشق میں تیرے کھو چکے
جیتے جو اب کے ہم بچے نام نہ لینگے چاہ کا

وصل بھی ہو تو دل مرا غم کو نہ چھوڑے ہجر کے
یہ تو ہمیشہ سے ہے رفیق وصل ہے گاہ گاہ کا

جو منہ کو راس سے کرتا ہے کوئی غمخوار رونے کا
تو کہتا ہے کہ چپ رہ اسکو ہے آزار رونے کا

دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر
لیکن نہیں ہو مانع سوال و جواب کا

قطرہ گرا تھا جو کہ مرے اشک گرم سے
دریا میں ہے ہنوز پھپھولا حباب کا

ہزار آب حیات چھڑکیں مسیح اور خضر کے لیکن
اٹھے نہ محشر تلک پیاسے شہید تیرے لب و دہاں کا

چھیڑ مت بادِ بہاری کہ میں جوں نکہت گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

ہو جسکی چشم کی گردش سے بیہوشی دو عالم کی
بھلا دیکھو تو پھر وہ ساقیِ گلفام کیا ہوگا

نہ کھینچ اے شانہ ان زلفوں کو یاں سودا کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کا جھٹکا

دورِ ساغر تھا ابھی یا ہے ابھی چشم پُر آب
دیکھ سودا گردشِ افلاک سے کیا کیا ہوا

زخم کا دل کے تر و تازہ ہے انگور سدا
جاری رہتا ہے مری چشم سے ناسور سدا

طپش نے ان دنوں دل کی نئی صورت نکالی ہے
لپکتا ہے تڑاتوں کو یوں پکتا ہی جوں پھوڑا

صبا سے ہر سحر مجھکو لہو کی باس آتی ہے
چمن میں آہ گلچیں نے یہ کس بلبل کا دل توڑا

جتنے ہیں خوبرو یاں سب دلستاں ہیں لیکن
اللہ نے تجھی کو اک جانستاں بنایا

چھوٹا جو زلف سے تو پھنسا دامِ خط کے بیچ
یہ مرغِ دل ہمیشہ گرفتار ہی رہا

سودا کے زرد چہرہ کو شوخی کی راہ سے
کہتا ہے تیرا رنگ تو اب کچھ نکھر چلا

میں دشمنِ جاں ڈھونڈ کر اپنا جو نکالا
سو حضرتِ دل سلمہ اللہ تعالیٰ

دیکھیے وا ماندگی اب کیا دکھائے
قافلہ یاروں کا سفر کر گیا

وہم غلط کار نے دل خوش کیا
کیسہ نہ جانے وہ نظر کر گیا

نہ تھی توفیق لب سے کی تو اتنا ہی کہہ بیٹھے
جو آیا ہے تو خالی مت پھرے دشنام لیتا جا

دامن صبا نہ چھو سکی جس شہ سوار کا
پہونچے کب اس کو ہاتھ ہمارے غبار کا

ساقی چمن میں چھوڑ کے مجھکو کدھر چلا
پیمانہ میری عمر کا افسوس بھر چلا

وہ ہم نہیں جو کریں سیرِ بوستاں تنہا
بہشت ہو تو نہ منہ کیجئے باغباں تنہا

سودا جو ترا حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانئے تو نے اسے کس آن میں دیکھا

سودا پھر آج تیری آنکھیں بھر آئیاں ہیں
عالم کے ڈوبنے میں کل کچھ تو رہ گیا تھا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے
کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

دکھاؤں گا تجھے زاہد اس آفتِ دیں کو
خلل دماغ میں ہے تیرے پارسائی کا

قطعہ

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا جاں تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

آدم کا جسم جبکہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ
یہ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

جو گزری مجھ پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

کہے ہے سن کے مری سرگذشت وہ بے رحم
یہ کون ذکر ہے جانے دو جو ہوا سو ہوا

ڈرتے ڈرتے جو کہا میں کہ ترا عاشق ہوں
قہقہہ مار لگا کہنے وہ طناز درست

آتش ہی تری گرمیِ بازارِ محبت
سر بیچتے پھرتے ہیں خریدارِ محبت

ہر جرم کو ہے عفو ترے عہد میں ظالم
گردن زدنی ہے سو گنہگارِ محبت

ٹک سادہ دلی پر تو مری رحم کر اے یار
ہوں تجھ سے ستمگر سے طلبگارِ محبت

دل طوطیِ خط کو نہ دو اس شوخ کی سودا
کھا دے گا اس آئینہ کو زنگارِ محبت

وفا نے گل میں نے چشمِ مروت باغباں میں ہے
نکل بلبل کہ ہے اس باغ سے کنجِ قفس بہتر

جو ہے جوہر اسے جانیں ہیں ناپیدا کہ جوہر
عیب کو سمجھے ہیں اس وقت ہنر بہتر

مورد سنگ ہے وہ نخل جو ہو بار آور
پائی ہے بے ثمری ہم نے ثمر سے بہتر

کعبہ و دیر سے کیا کام ہے ہمکو اے دوست
ہے ہمیں کون سی جاگہ ترے در سے بہتر

سمندر کر دیا نام اسکا ناحق سب نے کہہ کہہ کر
ہوئے تھے جمع کچھ آنسو مری آنکھوں سے بہہ بہہ کر

ہمرہ صبا کے خاک بھی میری ہے دربدر
جاتی نہیں ہے مجھسے تری جستجو ہنوز

یا نالہ کو کر منع تو یا گریہ کو تا صبح
دو چیز نہ عاشق سے ہوں اکبار فراموش

آشیانوں کو اجڑوا کر کے فریاد و خروش
باغباں ظالم اٹھی سویا ہے اے بلبل خموش

لے لالے گو فلک نے دئے تجکو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

دیکھوں ہوں میں اسی ستم ایجاد کیطرف
جوں صید وقت ذبح کے صیاد کی طرف

پتھر کی لیک تھا سخن اسکا ہزار حیف
بولی زباں تیشہ نہ فرہاد کی طرف

پہچانیں ہم نہ گل کو نہ ہم گل کے روشناس
منہ کر کے آنکھیں کھولیاں صیاد کی طرف

بس چلے تو دیکھنے ہرگز تجھے تجکو نہ دوں
آئینہ گھر میں ترے رہنے نہ دوں مقدور تک

عبث باندھوں ہوں میں لکھ لکھ شرح دل بال کبوتر پر
دلوں کے اڑ گئے پرزے نہ پہونچی کچھ خبر واں تک

ترے غم کا دل پرخوں سے استقبال کرنیکو
وہ قطرہ نارسا طالع ہے جو پہونچا نہ مژگاں تک

لالہ خودرو نہیں ہے خون سنے فرہاد کے
جوش میں آکر لگا دی کوہ کے دامن میں آگ

ہے شرط دوستی کہ بجز حکم عندلیب
کوئی کسی مزار پہ ہرگز نہ لائے گل

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

دل نالاں کو مرے کسی کے آرام سے کام
کوئی بے چین رہے اپنے اسے کام سے کام

بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بہا روتی ہے کسکی ہستی موہوم پہ شبنم

کیا مچائی ان سے بے پیروں کے کاشانے میں دھوم
شور ہے جسکے لئے کعبہ میں بتخانے میں دھوم

گھر میں آنے سے کیا منع تو یہ بھی کہئے
راہ کوچہ میں ملاقات کروں یا نکروں

شیخ کہتا ہے مریدوں سے جو تم سے احمق
ہوں۔ تو اظہار کرامات کروں یا نکروں

ناصحا اُٹھ مرے بالیں سے کہ دم رکتا ہے
خوابِ شیریں میں ہے وہ دل ہمہ امالِ شوق

ندیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے
غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
خدا دشمنوں کو نہ وہ کچھ دکھائے
مگر تجھسے رنجیدہ خاطر ہے سودا

مجھ جیسے جو خادم کی ہو خدمت سے تمہیں عار
لختِ جگر آنکھوں سے ہر آن نکلتے ہیں
تجھ تیر نگہ کے ہے کشتوں کا جہاں مدفن
سر خاک و گریباں چاک آغشتہ بخوں دامن

نے بلبلِ چمن نہ گلِ نو دمیدہ ہوں
گریاں شکلِ شیشہ و خنداں بطرزِ جام
کوئی جو پوچھتا ہو کہ کس پر ہو دادخواہ
تیغِ نگاہِ چشم کا تیرے نہیں حریف

کہیں جھتا ہے نے دیکھا ہے اُس خورشید تاباں کو
"دوانہ" ہوگیا سودا تو آخر ریختہ پڑھ پڑھ

باتیں کدھر گئیں وہ تیری بھولی بھولیاں
حیرت ہے اسکو بند نکرنے دی کچھ کہیں
کیا جانتے تجھے سرِ انگشت پر حنا

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
کیوں کر نہ چاک چاک گریبانِ دل کروں

نالے دل کھول کے دو چار کروں یا نکروں
جی دھڑکتا ہے کہ بیدار کروں یا نکروں

سو یک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں
جو کچھ دوست سے اپنے ہم دیکھتے ہیں
اُسے تیرے کوچہ میں کم دیکھتے ہیں

تو خوش رہو تم مجھکو بھی مخدوم بہت ہیں
یہ دل سے محبت کے ارمان نکلتے ہیں
سبزہ کی جگہ واں سے پیکان نکلتے ہیں
گیا گھر سے ترے عاشق باشان نکلتے ہیں

میں موسمِ بہار میں شاخِ بریدہ ہوں
اس میکدہ کے بیچ عبث آفریدہ ہوں
جوں گل ہزار جا سے گریباں دریدہ ہوں
ظالم میں قطرۂ قطرۂ خوں چکیدہ ہوں

پھرے ہے ڈھونڈتا ہر شب جہاں آباد کی گلیاں
نہیں کہتا تھا اے ظالم کہ یہ باتیں نہیں "بھلیاں"

دل لیکے بولتا ہے جواب تو یہ بولیاں
آنکھیں جب آرسی نے ترے مکھ پہ کھولیاں
جس ہنگنہ کے خوں میں چاہیں ڈبولیاں

تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں
دیکھوں ہوں تیری زلف کو میں سینے تنا میں

ہم سا تجھے تو ایک ہمیں تجھ سے ہیں کئی
جی تک تو دیجے لوں کہ جو ہو کارگر کہیں
ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجکو نیند
ساقی ہے یک تبسم گل فرصت بہار
جادو بھرے ہیں چشم میں مت آئینہ کو دیکھ
خونابہ یوں کبھو نہ مری چشم سے بہا
طائر رنگ حنا کی نمط اب اے صیاد
ہوں میں وہ وحشی رم خوردہ کہ تا دشت عدم
صفحۂ ہستی پر اک حرف غلط ہوں سودا
جرم ہے اسکی جفا کہ وفا کی تقصیر
کیفیت چشم اسکی مجھے یاد ہے سودا
جگر ان کا ہے جو تجکو صنم کہ یاد کرتے ہیں
کسی کی مرگ پر اے دل نہ کھینچے چشم تر ہرگز
سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
دل کے پرزوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
بلبل چمن میں کس کی ہیں یہ بد شرابیاں
تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
کس کس طرح سے دیکھیں اس باغ کی فضائیں
دل کو تو ہر طرح سے دلاسا دیا کروں
عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں
ساقی کو پھر نوید بہار آئی باغ میں

جا دیکھ لے تو آپ کو آئینہ خانے میں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں
ظالم بھری ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں
دھڑکے ہے دل مرا کہ نہ بلبلے نظر کہیں
اٹکا نہ جب تک ان کے لخت جگر کہیں
ہوں تو میں ہاتھ میں تیرے پہ اڑ جاتا ہوں
پات کھڑکے ہے تو مانند صبا جاتا ہوں
جب سمجھے دیکھ کے بیٹھو تو اٹھا جاتا ہوں
کوئی تو بولو میاں منہ میں زباں ہے کہ نہیں
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں
میاں ہم تو مسلماں ہیں خدا کہتے ہیں ڈرتے ہیں
بہت سا روئیے ان پر جو ان پہ مرتے ہیں
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں
کچھ علاج انکا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں
ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں
اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں
کدھر گئے وہ ساقی وہ ابر وہ ہوائیں
آنکھیں جو پاتی نہیں اسکو میں کیا کروں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں
سودا نے پھر خلل سا کیا ہے دماغ میں

فراموش ان دنوں ہم شہریوں کے دل سے ہے سودا
خبر اسکی جہاں آباد کے یاروں سے مت پوچھو

کیجے نہ اسیری میں اگر ضبط نفس کو
دے آگ ابھی شعلۂ آواز قفس کو

دم مارنا پھبتا ہے اُسے عشق میں تیرے
جس کا دم اول ہی دم بازپسیں ہو

مت دیر و حرم کے تو سمجھ سجدے میں کچھ فرق
تہری ہی کا جب پوچھنا آیا تو کہیں ہو

بس ہو تو رکھوں آنکھوں میں اُس آفتِ جاں کو
اور دیکھنے دوں میں نہ زمیں کو نہ زماں کو

لہو اُس چشم کا پونچھے سے ناصح بند کیونکر ہو
جو دل ٹوٹے کسی کے ہاتھ سے پیوند کیونکر ہو

کرے ٹک منفعل کوئی مرے بیدردِ قاتل کو
دکھائے خاک پروانہ یہ گریاں شمع محفل کو

آ پہنچ ظالم کہ پھر ایام کب آتے ہیں یہ
فصل گل کے کچھ گئے دن کچھ چلے جاتے ہیں یہ

غیرت و آبرو و حرمت و دین و ایماں
روؤں کس کس کو میں یاروں کہ گیا کیا کیا کچھ

مفلس ہیں نہ پوچھ جو رکھتے نہیں ہیں کچھ
خالی ہمیشہ کیسۂ اہل کرم رہے

غنچہ سے مسکرا کے اُسے زار کر چلے
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے

آئے جو بزم میں تو اُٹھا چہرے سے نقاب
پروانہ ہی کو شمع سے بیزار کر چلے

گردش سے اُس نگاہ کی لے محتسب صبح
دنیا تمام بزم خرابات ہو گئی

اتنو میں چھوٹنے کا نہیں اسکو ناصحا
ہوئی جو کچھ تھی قبلۂ حاجات ہو گئی

کیجو اثر قبول کہ تجھ تک ہماری آہ
سینے سے ارمغاں لئے لختِ جگر گئی

مت پوچھ یہ کہ رات کٹی کیونکہ مجھ بغیر
اِس گفتگو سے فائدہ پیارے گذر گئی

کل ہی پڑی سسکتی تھی بلبل چمن کے بیچ
ذرہ نہ اس کے حال پہ گل کی نظر گئی

پروانے رات شمع پہ اتنے جلے کہ صبح
خاکستر ان کے لیکے صبا دوش پر گئی

پروانہ کون ساتھ جلا شام کو کہ شمع
روتی ہوئی نہ بزم سے وقتِ سحر گئی

میرے لہو سے ہے مری دیوار گھر کی سرخ
میری ہی موجِ خوں سے مگر بیرونِ در گئی

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرا اشکِ سرخ کا
تیری کب آستیں سے مگر وہ لہو سے بھر گئی

ترا غرور مرا عجز تا کجا ظالم
سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار پر مجنوں
ہمارے کفر کے پہلو سے دیں کی راہ یاد آئے
جو طبیب اپنا تھا دل اُسکا کسی پر زار ہے
پھر نظر تجھکو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے
گر ہو شراب و خلوت و محبوب خوبرو
سودا جہاں میں آ کے کوئی کچھ نہ لے گیا
جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے
گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
فکرِ معاش عشقِ بتاں - یاد رفتگاں
تو خوش رہو گر اپنے میں جس شکل سے ہو تم
ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے
اے دل یہ کسکی نگہ ہی کہ آتی ہے فوجِ اشک
ہی قسم تجھکو فلک دے تو جہاں تک چاہے
کھ دیکھ تو رستم سے سرِ تیغ تلے دھر دے
گویا دلِ عاشق بھی ہے اک فیل بہ مست
کیا ہو جو قفس تک مرے اب صحنِ چمن سے
سب کام نکلتے ہیں فلک تجھسے ولیکن
نامہ کا جواب آنا تو معلوم ہے پر کاش
دیتا ہے کوئی جنبشِ لب اس شوخ کو سودا

ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے
صنم رکھتے ہیں جسکو دیکھکر اللہ یاد آئے
مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے
حسرت میں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے
زاہد تجھے قسم ہے کہ تو ہو تو کیا کرے
جاتا ہوں ایک میں دل پُر آرزو لئے
یہ یاد رہے ہمکو بہت یاد کرو گے
او خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی
آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہیں مر بھی
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
دو چار نالے ہم پسِ دیوار کر چلے
یہ "نین" وہ ہیں جن سے کہ جنگل ہرے ہوئے
سختیِ جگر کی نعش کو آگے دھرے ہوئے
جلوۂ حسن اُسے حسرتِ دیدار مجھے
پیارے یہ ہمیں ہو سر کاٹے دھر دے
رکتا نہیں روکے سے کسو کے جدھر آوے
دو برگ لئے گل کے نسیم سحر آوے
میرے دلِ ناشاد کی امید بر آوے
قاصد کے بد و نیک کی مجھکو خبر آوے
کیا قہر کیا تو نے غضب تیرے پر آوے

قد کو ترے جس جگہ مشقِ خرامِ ناز ہے — اس جگہ شورِ قیامت فرشِ پا انداز ہے
تصور میں ترے کہیو صبا اُس لاابالی سے — گلے لگ لگ میں ویارات تصویرِ نہالی سے
بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے — اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے
سودا کے جو بالیں پہ اُٹھا شورِ قیامت — خدّامِ ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے
کس شکار انداز کا یارب ہوا ترکش تہی — مرغ تک قبلہ نما کے بھی جگر میں تیر ہے
عجب بیداد حسرت پر مری صیاد کرتا ہے — دکھاتا ہے مجھے اُسکو جسے آزاد کرتا ہے
کسی کا دردِ دل پیارے تمہارا ناز کیا جانے — جو گذرے صید کے جی پر اُسے صیاد کیا جانے
نہ پڑھیو یہ غزل سودا تو ہرگز میر کے آگے — وہ ان طرزوں سے کیا واقف وہ یہ انداز کیا جانے
چمن میں کس کی مدارات تھی بتا تو نسیم — کہ صبح غنچوں کے سب عطردان کھول دئیے

مخمس میرزا سودا بر غزل تجلی

ہوا ہے ایسے سودا اور کیفیت کا دیوانا — قرار کھتا ہے اس عالم میں جا کر اُسکا دل جانا
لبوں پر مہرِ خاموشی زباں اوپر یہ افسانا — جو کوئی بات پوچھے ہے تو اشک آنکھوں میں بھر لانا
کبھی گھبرا کے رو دینا کبھی ہنس ہنس کے رہ جانا

بیاں میں کیا کروں دیوانگی اپنی کا افسانا — نہ میرا گھر میں جی لگتا نہ بھاتا بن کا ویرانا
خوش آتا ہے مجھے گلیوں میں سنگِ کودکاں کھانا — ارے ناصح عبث یہ ہے ترا بیہودہ سمجھانا
پری رو ہو جدا جس کا نہ ہو کیونکر وہ دیوانا

عبث مت بک نہیں میں مانتا تیرا کہا ناصح — مری آہ و فغاں کرنے سے تیرا تجھکو کیا ناصح
میں اپنی جان سے بیزار ہوں تو مت ستا ناصح — بھلا چاہے تو اپنی آبرو کو لیکے جا ناصح
مجھے بے طرح آتا ہے تری باتوں پہ جھنجلانا

خدا جانے یہ مجھ پر کیا بلائے ناگہاں آئی — کہ اک باری ہوا میں چھوڑ عقل و ہوش سودائی
نہ مجھکو تاب و طاقت ہے نہ ہے صبر و شکیبائی — اگر چپ ہوں تو مرتا ہوں اگر بولوں تو رسوائی

نہیں معلوم کیا انجام رکھتا ہے یہ غم کھانا

طرح سیماب کے ہے بیقراری روز و شب مجھکو
نہیں معلوم فرصت ہوگی اس دوری سے کب مجھکو
ستاتا ہے غم اس ظالم کا اکثر جب نہ تب مجھکو
پڑے ہیں اپنے جینے کے بھی لالے اب مجھکو
ہوا ہوں ناتواں ایسا نہیں جاتا ہوں پہچانا

تڑپنے سے مرے سیماب بھی بیتاب ہوتا ہے
جلی چھاتی کو میری دیکھ غم سے ابر روتا ہے
مرے شور و فغاں سے رات کو کم کوئی سوتا ہے
مجھے جو دیکھتا ہے آپ اپنے ہوش کھوتا ہے
مری تدبیر میں عاجز ہیں سارے شہر کے دانا

کوئی کہتا ہے اسکے واسطے فصاد کو لاؤ
کوئی کہتا ہے اسکی فال جا ملا سے کھلواؤ
کوئی کہتا ہے سایہ ہے اسے سیانے کو دکھلاؤ
کوئی کہتا ہے اسکو قید کر زنداں میں لیجاؤ
کوئی کہتا ہے لاحاصل ہے دیوانے کا غم کھانا

میری حیرت کی صورت دیکھ آئینہ ہوا حیراں
مری فریاد کو سنکر جرس بھی ہے سدا نالاں
مری افسردگی کو دیکھکر کملا گئیں کلیاں
مرے واسوخت کو سنکر کے ہو شب شمع بھی گریاں
مری بیتابیوں کو دیکھ جل جاتا ہے پروانا

کبھی آتا ہے جی میں یار کے کوچہ میں جا بیٹھوں
کبھی آتا ہے جی میں جا کے دشت اور کوہ میں رولوں
کبھی آتا ہے جی میں کوہکن کیطرح سر چیروں
کبھی آتا ہے جی میں لوٹتے ہی لوٹتے جی دوں
غرض اب سب طرف سے سوجھتا ہے جان کا جانا

کبھی گھبرا کے اٹھ جاتا ہوں وحشت سے بیاباں میں
کبھی پھرتا ہوں ننگے پاؤں میں خار مغیلاں میں
کبھی چھپتا ہوں گلخن کی طرح تنکے گلستاں میں
کبھی شور و فغاں کرتا ہوں جا جا عندلیباں میں
کبھی جا سیر گلشن میں پٹک کر سر کو رو آنا

کبھی حال زلیخا پر میں عقل و ہوش کھوتا ہوں
کبھی یعقوب کی تربت کو اشک تر سے دھوتا ہوں
کبھی ایوب کا ثانی صبر میں بیتاب ہوتا ہوں
کبھی لگ کر گلے میں گور سے مجنوں کی روتا ہوں

کبھی سنگِ مزار کوہ کن سے سر پٹک آنا

کبھو راتوں کو میں کرتا ہوں گھر میں نالہ و افغاں
کبھو پھرتا ہوں تنہا شہر میں وحشت سے سر عریاں

کبھو ہوتا ہے میرے ساتھ سودا مجمع طفلاں
تجلّی اسطرح سے دیکھکر اب جا ارو سرگرداں

کوئی کہتا ہے سودائی کوئی کہتا ہے دیوانا

قصیدہ

عجب ناداں ہیں وہ جنکو ہی عجب تاج سلطانی
فلک بالِ ہما کو پل میں سونپے ہی مگس رانی

نہیں معلوم اُن نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا
کہ چشم نقش پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی

مقرر جان ارباب ہنر کو لے لیا بس ہیں
کہ ہو جو تیغ یا جو ہر اسے عزت ہے عریانی

ہماری آہ دل تیرا نہ تڑپاوے تو یا قسمت
وگرنہ دیکھ آئینہ کو تیھر ہوگئے پانی

نہ کھوئی جگ میں رسم دوستی اندوہ روزی نے
مگر زانو سے اک باقی رہا ہے ربط پیشانی

موافق گر نکرتا عدل اُسکا آب و آتش کو
تو کوئی سنگ سے بنتی نہ تشکیل لعل رمانی

جسے یہ صورت و سیرت کرامت حق نے دی ہوگی
بجا ہے کہئے ایسے کے تئیں گر یوسف ثانی

معاذ اللہ یہ کیا حرف بے موقعہ ہوا سرزد
جو اسکو پھر کہوں تو ہوں میں مردود مسلمانی

غرض مشکل ہمیں پڑتی کہ پیدا کرکے ایسے کو
خدا اگر یہ نہ فرماتا نہیں کوئی مرا ثانی

در صفت شمشیر

انگلیاں اُڑ جائیں دم پر اسکے دست وہم کی
آبداری اُسکی گر کھینچے قیاساً امتحاں

صورِ اسرافیل سے کچھ کم نہیں اُسکی نیام
نکلے وہ اسمیں سے تو شورِ قیامت ہے عیاں

جیتے جی جمعیت افلاک ہووے منتشر
تاب کیا باہم رہیں اجزائے ارضی تواماں

در تعریف آئینہ

گاہ آجائے نظر گاہ نظر سے غائب
پھر ہوا ہیچ وہ شب رنگ ہے جگنو کی دمک

روبرو سے اگر آئینہ کے اُس گلگوں کو
پھینک دے بڑھ کے جو تو شرق سے تا غرب تلک

اتنے عرصہ میں پھرا دے کہ اُسے باور کر
عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پاوے منفک

مجھی تو زور ہے ساقی کی یہ ادا بھائی
کہ پہلے جام سے مئے خاک پر چھڑک آئی

جو پوچھا میں تو کہا سن لی مجھے سودائی
چہ باحبیب نشینی و بادہ پیمائی

	بیاد آر حریفان بادہ پیما را	

سوز سوز۔ طور الشعرا سید محمد میر مرحوم۔ میر تقی میر اور سودا کے معصر تھے۔ اپنے نام کے جزو ثانی کی مناسبت سے پہلے میر تخلص کرتے تھے۔ جب میر کا تخلص ان سے زیادہ مشہور ہوا تو بمقتضائے انصاف میر کو چھوڑ کر سوز تخلص اختیار کیا۔ انکے والد سید ضیاء الدین بہت بزرگ شخص تھے اور تیر اندازی میں صاحب کمال تھے۔ انکا سلسلۂ نسب حضرت قطب عالم گجراتی قدس اللہ سرہٗ تک پہونچتا ہے۔

میر سوز کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا لیکن انکے والد پرانی دہلی کے محلہ قراول پورہ میں سکونت رکھتے تھے۔ جب شاہ عالم کے زمانہ میں دلی بہت تباہ ہوئی اینٹ سے اینٹ بج گئی تو میر سوز لباس فقیرانہ اختیار کر کے لکھنؤ چلے گئے۔ تذکرۂ گلزار ابراہیمی سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۶ھ میں میر موصوف لکھنؤ میں براجرہے تھے۔ مگر نوابی دربار تک رسائی حاصل نہ ہوئی تھی ۱۲۱۲ھ میں حسب مرشد آباد سے دوبارہ لکھنؤ آئے تو قسمت نے یاوری کی اور نواب آصف الدولہ انکے شاگرد ہو گئے پورے دو برس کا عرصہ نہ گذرا تھا کہ ۷۰ برس کی عمر میں لکھنؤ میں اس دار فانی سے رحلت کی انکے اخلاق و عادات کی نسبت صاحب طبقات الشعرا کا قول ہے کہ یہ شخص عالی طبیعت درویش خصلت ظریف الطبع خوش گفتار ہمیشہ امیروں کی صحبت میں رہتا تھا۔

انہوں نے شاعری کے علاوہ شعر خوانی کا ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا جس سے کلام کا لطف دوچند ہو جاتا۔ شعر کو اسطرح ادا کرتے کہ خود مضمون کی صورت بن جاتے اور شعر نہایت سوز و گداز سے پڑھتے۔ عرب میں فن شعر خوانی کو "انشاد" کہتے ہیں۔ ہندوستان کے اردو شعرا میں سب سے پہلے میر سوز نے طریقۂ انشاد کو رواج دیا مگر مرثیہ خوانوں نے اس کو بام ترقی پر پہنچا دیا۔ وہ میدان جنگ کا بیان اسطرح کرتے ہیں کہ آواز میں بادل کی گرج پیدا ہو جاتی ہے اور سامعین کے سامنے تلوار بجلی کیطرح کوند جاتی ہے۔ اس نئی روشنی کے زمانہ میں بھی انجمن معیار لکھنؤ کے اکثر اراکین اپنی خوش الحانی سے میر سوز دہلوی کی یاد کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔ سوز کا کلام سلیس ہے سادہ ہے بے تکلف ہے۔ بیان میں بیساختہ پن اور آمد ہے مگر سادگی پھیکے پن اور بے لطفی کی حد تک پہونچ

جاتی ہے لیکن پھر بھی دیوان محاورات کے خزانہ سے بھرپور ہے۔

انکے ایک بیٹے تھے جنکا نام میر مہدی اور تخلص داغ تھا۔ یہ ۲۰ برس کی عمر میں ایک حسینہ پر عاشق ہوئے لیکن وصل کی تدبیر بن نہ پڑی ایک دن اُسکا خط آیا کہ میں تم سے کل آکر ملونگی انہوں نے یہ سمجھا "کل" سے مراد فردائے قیامت ہے اسی وقت تن سے روح پرواز کر گئی اور بجائے وصل کے وصال ہو گیا۔ مرتے دم یہ شعر اسکے خط پر لکھدیا ؎

از جان ما مقبے بود کہ مکتوب تو آمد	دیگر کہ نویسم خبر مرگ خوب گرفتے

انکے تلامذہ میں حکیم میرزا رضا علی آشفتہ۔ جان عالم خاں جان لکھنوی۔ لالہ موتی لال حیف لکھنوی لالہ صاحب رائے فریاد۔ میر شیر علی افسوس نارنولی۔ رستم الملک آغا محمد تقی خاں بہادر ترقی۔ نوازش حسین خاں نوازش جنکے شاگرد میاں دلگیر اور میرزا رجب علی سرور صاحب فسانۂ عجائب اور شیخ مخدوم بخش ذکا بہت مشہور گذرے ہیں حضرت سوز مرحوم کی شعلہ بیانی ملاحظہ ہو۔

دل کے ہاتھوں بہت خراب ہوا	جل گیا بل گیا کباب ہوا
یار اغیار ہو گئے ہیہات	کیا زمانہ کا انقلاب ہوا

دل تھا اب سا طہیں سو کوئی اسکو لے گیا		اب کیا کروں گا اے مرے اللہ کیا ہوا
سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا	ق	کہنے لگا کہ بندہ تو چھوٹا بھلا ہوا
پھر اتنی بات سنتے ہی رو کر کہا کہ حیف		طوطا ہمارا اڑ گیا کیا بولتا ہوا

یہ تیرا عشق کب کا آشنا تھا	کہاں کا جان کو میری دھرا تھا
وہ ساعت کونسی تھی یا الٰہی	کہ جس ساعت دو چار اُس سے ہوا تھا
رات کو نیند ہے نہ دن کو چین	ایسے جینے سے اے خدا گذرا
سوز کے قتل پر کمر مت باندھ	ایسا جاناں سے ہے کیا گیا گذرا

کیوں طفل اشک تجکو آنکھوں میں نے پالا	اسپر بھی میرے منہ پر تو گرم ہو کے آیا
قاصد سے تو پوچھا تھا کہ بھیجا تجھے کس نے	وحشت سے اُسے یاد مرا نام نہ آیا

بہم اُس سے ہم سی بگڑ گئی تو خفا ہو مجھکو رولا دیا
ہے چال یا قیامت ہے حُسن یا شرارا
یوں چھپے ہے مجھکو سُنیو عاشق تو سچ ہی میرا
اتنی جراحتوں پر جیتا ہے سوز صاحب
جی ناک میں آیا بتِ گلفام نہ آیا
درد سے محفوظ ہوں ارماں سے مجھکو کام کیا
یار گر صاحبِ وفا ہوتا
ضبط سے میرے تھم رہا ہے سرِشک
ہاں میاں جانتا تو میری قدر
جنکے نالے پہونچے ہیں تجھ تک
دعویٰ کیا تھا گل نے اُس رُخ سی رنگ و بو کا
اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
سوز کیوں آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا میں تو
ہوا دل کو میں کہتے کہتے دوانا
بہت چاہا کہ تو بھی مجھکو چاہے
شہرۂ حُسن سی ازبسکہ وہ محبوب ہوا
نازک ہی دل نہیں لگانا اسی کہیں
کعبہ ہی کا اب قصد یہ گمراہ کریگا
سرِ دیوان پر اپنے جو بسم اللہ میں لکھتا
جان کے کیا بیاں کروں احساں
بھلا اور تو اور یہ پوچھتا ہوں

دے میں بھی کیا ہوں کہ رونے میں بنا یا منہ کہ ہنسا دیا
چلتا ہے کس ادا سے ٹک دیکھیو خدارا
کچھ جانتا نہیں ہے بھولا بہت بچارا
سینہ ہی یا کہ ترکش دل ہے کہ سنگِ خارا
جیتا تو الٰہی مرے کچھ کام نہ آیا
بارِ خاطر تھا سو میرا یارِ نشاط ہو گیا
کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا
ورنہ اب تک تو بہہ گیا ہوتا
جو کہیں ترا دل لگا ہوتا
کاش میں اُن کا نامہ بر ہوتا
ماریں صبا نے دہولیں شبنم نے منہ پہ تھوکا
آہ یارب رازِ دل انپر بھی ظاہر ہو گیا
واں تجھے بھی تھی کیا کمی یاں تجھکو کیا درکار تھا
پر اس بے خبر نے کہا کچھ نہ مانا
مگر تو نے نہ چاہا پر نہ چاہا
اپنے مکھڑے سی جھگڑتا تھا کہ کیوں شب ہوا
غم سی بھرا ہے اے مرے غمخوار دیکھنا
جو تم سے بتو ہوگا وہ اللہ کریگا
بجائے مدِ بسم قدِ آہ میں لکھتا
یہ نہوتی تو مر گیا ہوتا
کبھی یاد کرتے تھے سو بھی بھلا یا

تھرتھراتا ہے اب تلک خورشید
سامنے تیرے آگیا ہوگا

دل کو یوں لیکے پاؤں سے ملنا
ہائے ظالم خدا کا ڈر نہ کیا

اکھڑا نعش پر ہو کے بولا کہ ہے ہے
یہ کشتہ تو کچھ جان پہچان نکلا

کھولی گرہ جو غنچہ کی تو نے تو کیا عجب
یہ دل کھلے جو تجھ سے تو ہوائے صبا عجب

اسلام چھوڑ کفر کیا میں نے اختیار
تو بھی وہ بت نہ رام ہوا اے خدا عجب

آنکھیں تو پتھرا گئیں تجھ سنگدل کے دھیان میں
یہ خرابی ان کی ہے آنکھوں کا ہو خانہ خراب

صاحبو طوفِ دلِ مستاں کرو تو کچھ ملے
ورنہ کعبہ میں دھرا کیا ہے بغیر از سنگ و خشت

کی فرشتوں کی راہ ابر نے بند
جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج

جگر سے دل میں دل سے آنکھ میں آنکھوں سے مژگاں پر
یہ طفلِ اشک لڑ بڑ گر پڑا قاتل کے داماں پر

قیامت کا بھی دھڑکا سوز کے دل سے نکل جائے
خداوندا گذر قاتل کا ہو گورِ غریباں پر

ہجر میں مرتا ہوں میں پیغام سے تو شاد کر
تو جو کہتا تھا نہ بھولوں گا کبھی وہ یاد کر

کم نہیں ہوتا غبارِ خاطرِ جاناں ہنوز
خاک سی میری جھٹکتا ہے کھڑا داماں ہنوز

آج دل اپنے آپ کچھ ہے اداس
کوئی مت آکے بیٹھو میرے پاس

سوز کچھ اور اب تو سوانگ نکال
شاعری تو نہ آئی تجھ کو راس

مرضی جائے چرخ کی بیداد کی طرف
مائل کیا دل اس ستم ایجاد کی طرف

خونِ جگر تو آنکھوں سے جو تھا سو بہ گیا
آتا ہے سخت دل بھی چلا اب قفائے اشک

رونے سے باز ہم کوئی آتے ہیں شمع ساں
لے سر سے پاؤں تک نہ ہمیں تا گھلائے اشک

قطروں سے جو کسی کے گرے بول کیا سکے
کس نے سنی ہے آنکھ سے گرتے صدائے اشک

بند میں اپنی گرہ دے کہ تجھے یاد رہے
میں یہ ڈرتا ہوں نہو جائے فراموش کہیں

آج میں سوز کو دیکھا تو اچنبھے میں رہا
سر کہیں پاؤں کہیں ہوش کہیں گوش کہیں

دل ہے یا میں ہوں میں غم ہے یا دل ہے
اور اب ہم کنار کس کا ہوں

قطعہ

بھلا اے عشق تیری شوکت و شان
بھائی میرے تو اُڑ گئے اوسان

ایک ڈر تھا کہ جی بچے نہ بچے
دوسرے غم نے کھالی میری جان

بس غم یار ایک دن۔ دو دن
اس سے زیادہ نہ ہو جیو مہمان

بس جی کھاؤ نہ قسم جانتے ہیں
جیسے تم ہو تمہیں ہم جانتے ہیں

قاتل پکارتا ہے۔ ہاں کون کشتنی ہے
کیوں سوز چپ ہے بیٹھا کچھ بول اُٹھ نہ ہاں میں ہوں

امید وصل جز طمع خام کچھ نہیں
ہر صبح ہے قسم یہ قسم شام کچھ نہیں

سمجھاؤں اپنے کفر کے گر رمز شیخ کو
بے اختیار کہہ اُٹھے اسلام کچھ نہیں

آنکھوں کو اب سنبھالو یہ مارتی ہیں راہیں
جتنے مسافروں کو دیتی نہیں نگاہیں

بے قراری نہ کر خدا سے ڈر
سوز عاشق کا یہ شعار نہیں

اے سوز عاشقی میں ثابت قدم ہی رہنا
فرقوں میں عاشقوں کے تا سب تجھے سراہیں

دل کو یہ آرزو ہے صبا کوئے یار میں
ہمراہ تیرے پہونچئے مل کر غبار میں

ہیں وہ درخت خشک ہم اس باغ میں صبا
جس کو کسو نے سبز نہ دیکھا بہار میں

ق

مقبروں میں دیکھتے ہیں اپنی ان آنکھوں سے روز
یہ برادر یہ پدر یہ خویش یہ فرزند ہیں

تو بھی رعنائی سے ٹھوکر مار کر چلتے ہیں یار
سوجھتا اتنا نہیں یہ خاک کے پیوند ہیں

ہاں اہل بزم آؤں میں بھی پر ایک سن لو
تنہا نہیں ہوں بھائی با نالہ و فغاں ہوں

خواب ہی میں دیدے رہتے ہیں
زود چشمے میں خوب سوتے ہیں

کیا کروں دل کو کچھ قرار نہیں
اسمیں کچھ میرا اختیار نہیں

برق طپیدہ یا شرر جہیدہ ہوں
جس رنگ میں ہوں میں غرض از خود رمیدہ ہوں

اے آہ و نالہ مجھ سے نہ آگے بڑھو کہ میں
بچھڑا ہوں کارواں سے مسافر جریدہ ہوں

اے اہل بزم میں بھی مرقع میں دہر کے
تصویر ہوں و لے لب حسرت گزیدہ ہوں

خدا ہی کی قسم ناصح نہ مانوں گا کہا اب تو
نہ چھوٹے گا ترے کہنے سے میرا دل لگا ابتو

لے پھرا ہیں کہاں دل کو
نہ لگا لے گیا جہاں دل کو

دل سا رفیق میرا تو نے جدا کیا ہے
لے عشق جی بھی لے چک تیرا اگر بھلا ہو

رسم و آئین اسیری کے مجھے یاد نہیں
تو گرفتار ہوں اے ہم نفسو سکھلا دو

سانس لینے دو چھری نیچے شتابی کیا ہے
ذبح تو کرتے ہو ٹک صبر کرو جلاّدو

کھینچ لے بادِ صبا بچھڑے ہوئے یاروں کو
راہ ملتی ہی نہیں دشت کے آواروں کو

بال باندھے تمہیں کہتے ہیں یہی عاشق ہیں
کیا چھڑا دے کوئی زلفوں کے گرفتاروں کو

اب یہ دیوانہ کہے ہے کھول دو زنجیر کو
توڑ دو اے عاقلو سر رشتۂ تدبیر کو

منہ نہ موڑا تیغ سے جم جم اٹھائے زخم یار
آفریں ہے سوز صد رحمت ہے تیرے پیر کو

او جانے والے اس سے یہ کہیو کہ واہ واہ
کچھ بھی خبر ہے در پہ پکارے ہے دادخواہ

کل کس کے ہاں گیا تھا بھلا یہ بھی جھوٹ ہے
پھر تو کہیگا مجھ سے جھگڑتا ہے خواہ نخواہ

ناصح تو کسی شوخ سے دل جا کے لگا دیکھ
میرا تو کہا مان محبت کا مزا دیکھ

ہر چند میں لائق نہیں تیرے کرم کے
لیکن نگہ لطف سے ٹک آنکھ اٹھا دیکھ

کس لئے تلوار خریدی میاں
باندھنے کو بھی تو کمر چاہیئے

راہ عدم کی بھی عجب سہل ہے
جس کو نہ کچھ زادِ سفر چاہیئے

جس کو نہ ہو شکیب نہ تاب و فغاں رہے
تیری گلی میں وہ نہ رہے تو کہاں رہے

دونوں جہاں سے تو مجھے کام کچھ نہیں
ہاں یہ غرض ہے یار کہ تو مہرباں رہے

منہ دیکھو آئینہ کا تری تاب لا سکے
خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے

اشک خوں آنکھوں میں آ کر تھم لئے
ڈر کے بھی دیکھنے سے ہم گئے

ایک نے سوز سے پوچھا کہ صنم سے اپنے
اب بھی ملتے ہو بدستور کہ گاہی گاہے

دیکھ کر منہ کو گھڑی ایک میں بھر کر دم سرد
یوں اشاروں سے بتایا سرِ راہے گاہے

سرزا تو پیدا ہو سکے اور جان نکل جائے
مرنا تو مسلّم ہے ارمان نکل جائے

تم بن ہے عذاب زندگانی / ہے میری خراب زندگانی

مت کیجیے خیال کل ملینگے / ہے پل میں یہ خواب زندگانی

اتنا نہ چھپو کہ لے کفن کا / گھبرا کے نقاب زندگانی

ابھی دل میں کسی دوست کے صفا نہ رہی / ہمارے عکس کے آئینہ میں بھی جا نہ رہی

ق

چلتر سن سنیا عیار کا تو / زبردستی سے مرا دل لیا ہے

چھپا مٹھی میں کہتا ہے کہ او میاں / ہمارے ہاتھ میں پوچھو تو کیا ہے

مثل نے ہر استخواں میں درد کی آواز ہے / کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے

کٹر جانیکا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے / سبھوں سے پوچھتا ہے اسکو کس نے مار ڈالا ہے

ق

دیا تھا بیوفا کو دل جو میں نے ایک بوسہ پر / کئی دن تک تو ناکا پھر جو دیکھا روز ٹالا ہے

کہا اکتا کے دل ہی پھیر دو تو یوں لگا کہنے / تقاضے نے ترے ہر دم کے مجھکو مار ڈالا ہے

پڑا ہوگا کسی کونے میں جا پہچان کر لے لے / "مرا دل دو مرا دل دو" نیا جھگڑا نکالا ہے

لوگ کہتے ہیں مجھے یہ شخص عاشق ہی کہیں / عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

ق

کہوں کس سے شکایت آشنا کی / سنو صاحب یہ باتیں ہیں خدا کی

عدم سے زندگی لائی تھی بہلا / کہ دنیا جائے ہے اچھی فضا کی

جنازہ دیکھتے ہی شاد ہوا دل / کہ ہے ظالم دغا کی اپنے دغا کی

رفیق کوئی برے وقت کا نہیں واللہ / فغان نیم شبی یا کہ نالہ سحری

ملے مجھسے مگر جی سے مہرباں ہئے / خوشی سے لیجئے میرے مہرباں جہاں رہئے

گالیاں دینے کو اچھے ہو بیچارے سوز کو / یہ نہ آیا ایک بوسہ دیجئے یوں ہی سہی

سوز — سوز۔ شاعرِ جادو مقال۔ نادرِ عدیم المثال۔ مولوی عبدالکریم سوز خلف اصغر و تلمیذ رشید خسروِ اقلیم سخن آرائے حضرت مولوی امام بخش صہبائی سلسلۂ نسب پدری حضرت عمر فاروقؓ تک اور نسب مادری حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک پہونچتا ہے۔ نقادی اور تحقیقاتِ فن کی شہرت عالم

آشنا ہے۔ عربی فارسی میں صاحب تکمیل منطق حکمت اور دیگر علوم و فنون میں فارغ التحصیل۔ خدا داد طبیعت کو فن سخن سے وہ نسبت تھی جو بلبل کو چمن سے یا روح کو بدن سے ہے۔ اس جواں مرگ کی عالی خیالی واہ۔ اور بلند پروازی مضمون آفرینی سبحان اللہ۔ ابتدائے سن شعور سے کسب کمال کا شوق شوکت الفاظ کے ساتھ۔ اچھوتے مضامین پیدا کرنیکا ذوق اور کیوں نہ ہوتا طبیعت اچھی ذہن رسا۔ اسپر صہبائی کی شاگردی اور شفقت پدری سونے پر سہاگا۔ جوانی میں لپنے کمالات اور ستودہ اخلاق کے باعث یکتائے روزگار خلیق۔ بامروت۔ ملنسار۔ ہر وقت فکر سخن میں غرق۔ ذہن کی براقی مدعیٔ انا البرق اکثر زمینوں میں بیس بیس غزلیں کہکر اپنے شاگردوں سے پڑھواتے۔ داد لینے میں انجمن سے گوے سبقت لیجاتے۔ خاقانی ہند حضرت ذوق کی وفات پر ایک قطعہ تاریخ مسمی بہ واقعہ تعب خیز ایسا لاجواب لکھا ہے کہ دیگر صنایع بدایع سے قطع نظر اکثر مصرعوں سے سال و مادہ نکلتا ہے ۱۲۷۳ھ میں ۳۲ برس کی عمر پاکر بعالم شباب گوروں کے ہاتھ سے بے گناہ مارے گئے اور گنج شہیداں میں مدفون ہوئے۔ میدان بلاغت کے شہسوار معرکہ سخن کے علم بردار تھے۔ مولا بخش قلق میرٹھی مرحوم جو حضرت صہبائی کی شاگردی سے پھر کر جناب مومن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے تھے اُن سے کارزار شاعری میں مقابلے ہوئے قلق کو زار و حزیں ہونا پڑا۔ ہنگامۂ سخن میں انکے آگے قدم نہ جمے۔ انکا ضخیم اور قلمی کلیات لالہ بنارسی داس غمگین کے پاس موجود تھا مگر افسوس کا مقام ہے کہ وہ انکی وفات کے بعد ورثا کی کم توجہی سے ضایع ہو گیا۔ بطور نمونہ تھوڑا سا کلام جو انتخاب کیا ہے زیب دیدۂ ناظرین ہے ؎

میرے دل میں حسرتیں ہیں کارواں در کارواں
چمن سے جاتی ہے اسطرح سے بہار اور ہائے
تو نہ مرجائے کہیں سوز غم میں رک رک کر
عالم کو چین دیتی نہیں شوخیاں تیری
میرے جنوں سے اور تیرے رنگ شوخ سے

گم نہ ہو جائے کہیں پیکاں تمہارے تیر کا
کسی طرح نہیں صیاد مہرباں ہوتا
ذرا تو حال کہا کر کسی سے یار اپنا
اور اضطراب میرے دل بیقرار کا
ابکے بگڑا اور رنگ ہے فصل عالم بہار کا

تمہیں واں رات کو غیروں میں عشرت سے بسر کرنا
ظالم ترے کشتوں کا گلو تر نہیں ہوتا
کچھ ترا شہرہ ہوا کچھ میری رسوائی ہوئی
عشق میں ہو ہی چکے تھے ہم تو بے ساماں مگر
نہ وہ تم ہو نہ وہ ہم ہیں نہ وہ باتیں پہلی
ابھی دل میں ابھی آنکھوں میں ابھی دامن پر
سوز گو بیگانہ ہی پر بزم میں رہنے تو دے
وائے قسمت کہ خزاں میں رہے گلزار کے پاس
ہائے رے جذبۂ صیاد کہ بھاگے ہی جو صید
اللہ اللہ تری صیاد تغافل کیسی
پاس آنے میں نہ کشتوں کے لگے دیر کہیں
ناتواں گو ہیں پہ بیتابی دل ہے تو کیا
اے سوز ابتدا ہی میں بگڑی ہوائے دل
بدعہدیوں کی تیری کیا کیجئے شکایت
یہ تو یقیں تم ہم میں ہی پر یہ نہیں کھلا کس جا ہو
ارماں ہے کونسا کہ سودائے دل نہ ہو
یوں ہی آئی عمر اور یوں ہی گئی
سینکڑوں ہیں تری اس سادہ مزاجی کے نثار
جان سینہ میں نظر آنکھوں پہ دم ہونٹوں پہ
ایک مژگاں کے تصور سے ترے اوس کافر
رحم بھی آیا تو قاتل کب تجھے آیا کہ یاں

ہمیں یاں روتے روتے شمع ساں وقت سحر کرنا
جب تک کہ رواں حلق پہ خنجر نہیں ہوتا
رفتہ رفتہ یوں ہی ظاہر راز پنہاں ہو گیا
حسرتیں بڑھ بڑھ کے پھر کچھ جمع ساماں ہو گیا
تفرقہ تھا جو مقدر میں نظر آ ہی گیا
اشک میں بھی تری شوخی کا اثر آ ہی گیا
رفتہ رفتہ یہ بھی ظالم آشنا ہو جائیگا
اور بہار آئی تو صیاد جفاکار کے پاس
پھر پھر آن رہے ہو اسی خونخوار کے پاس
کہ جو چھوٹے سے کبھی آوے نہ گرفتار کے پاس
لے لیا موت نے گھر ہی تری دیوار کے پاس
ایک دن گھر ہی کرینگے تری دیوار کے پاس
آگے کو رنگ دیکھئے کیا کیا دکھائے دل
جب آپ ہی جہاں میں ناپائدار ہیں ہم
دل میں تمنا سینہ میں ارماں جان میں حسرت بھری ہیں
امید کوئی ہے جو داغ جگر نہیں
ہم خدا جانے رہے کس دھیان میں
اور قربان ہیں ظالم تری ہستی کے لاکھوں
اک نہ آنے سے ترے کام ہیں اٹکے لاکھوں
خار سے خار رہتے ہیں سینہ میں کہ کھٹکے لاکھوں
حلق میں کٹ کر رگ خنجر آدھی رہ گئی

ہم نے کچھ ہمت تو کی تھی پر کریں کیا الک
آتے آتے آہ کی تاثیر آدھی رہ گئی

اللہ اللہ شوخیِ خیال تیری کہ تیری نازکی
لوحِ دل پر جب بنی تصویر آدھی رہ گئی

کھنچ گیا شاید تغافل کچھ ترا مانی سے جو
کھنچتے کھنچتے یوں تری تصویر آدھی رہ گئی

تو ہی دے جا ہے جس انداز سے آزار مجھے
میں بھی دیکھوں کہ ترے ساتھ ہے کیا پیار مجھے

جی نے چاہا تو گیا بیٹھ کسی کوچے میں
اور نہ چاہا تو ہے پھرنے سے سروکار مجھے

اور وہ کون سا عقدہ ہے کہ آساں ہوگا
ایک ملنا تھا تمہارا سو ہے دشوار مجھے

اسکو ہے شوقِ ستم مجھکو ستم کی خواہش
میں ستمگار کو درکار ستمگار مجھے

سوز سمجھو تو ہے تمنا کہ پڑے پھرنے ہو
کیوں یہ کہتے ہو نہیں اس سے سروکار مجھے

ہیں تو چمن کے اندر پر جورِ باغباں سے
آوارہ پھر رہے ہیں گم کردہ آشیاں سے

حیرت نے ہمکو غنچہ تصویر کا بنایا
اسیر بھی ڈر رہے ہیں بیدادئ خزاں سے

صیاد پھینک دیوے یا برق پھونک دیوے
اب ہاتھ اٹھا لیا ہے ہم نے تو آشیاں سے

قطعہ

دیکھا عجب تماشا طرفہ کیا نظارہ
گذرا جو صبح گاہاں میں صحنِ گلستاں سے

یعنی کہ ایک بلبل بیٹھی تھی شاخِ گل پر
رنگِ چمن دوبالا تھا اسکی داستاں سے

جوں سوز سوز و دردِ دل اشعارِ میر لب
گویا خبر وہ دیتی تھی شورشِ نہاں سے

اس کے سخن میں ہمدم کیا کچھ بھری تھی گرمی
گویا کہ آتشِ دل تھی مشتعل زباں سے

گہ نالہ و فغاں سے عالم کو پھونک دینا
گہ دل ہی دل میں جلنا آہِ شرر فشاں سے

گہ فصلِ گل سے شاداں کرنا ہنسیوں سے
گہ بیش بینیوں سے غمگیں تھی خزاں سے

اسکو سمجھ کے اپنا ہمدرد و ہم مصیبت
پوچھا یہ میں نے اس سے تو کہہ تو کچھ زباں سے

کیا حال ہے وہ تیرے اب نغمے نہیں ہیں
اندوہگینیاں ہیں ظاہر تیری فغاں سے

کہنے لگی کہ جو جو میری حقیقتیں ہیں
سو گفتنی نہیں ہیں کیا فائدہ بیاں سے

لیکن نہیں مناسب بالکل ہی چپکے رہنا
اب رازِ دل چھپاؤں اور تجھسے رازداں سے

میری یہ ہے حقیقت میرا یہ ماجرا ہے
یعنی کہ خستہ دل ہوں اور تنگ اپنی جاں سے
نے بیٹھنے کی جا ہے نے رہنے کا ٹھکانا
آزردہ ہوں زمیں سے آشفتہ آسماں سے
انکے تو جور سہتے اک عمر ہو گئی ہے
صیاد کا گلہ ہے شکوہ نہ باغباں سے
اب تو اک اور تازہ آفت ہوئی ہے نازل
یعنی بقول میر دل خستہ آسماں سے
جب کوندتی ہے بجلی تب جانب گلستاں
رکھتی ہے چھیڑ میرے خاشاک آشیاں سے
لالہ اور اسطرح سے چھاتی پہ داغ رکھے
سب ڈھنگ اُڑا لئے ہیں سوز خستہ جاں سے

سوز

سوز۔ منشی محمد عمر باونی مقیم جبلپور شاگرد حضرت جلال لکھنوی۔ خوش فکر موزوں طبع ہیں یہ کلام ہے

محتسب سے پوچھتا تھا میکدہ
نشۂ مے میں ہیں ایسا چور تھا
آنے والی تھی طبیعت آ گئی
یہ خدا ہی کو تو منظور تھا

رباعی

مشرق کے ہوں لاکھ سال تو کچھ بھی نہیں
بے فائدہ بے کار گذرتے ہیں یونہیں
کچھ دین کا فائدہ نہ دنیا کا سوز
یورپ کے پچاس اس سے بہتر ہیں کہیں

واعظ نہ پھر بادہ کشی منع کرا نہیں
ضد سے تری پینگے یہ میخوار اور بھی
آدمی قسمت کا اچھا چاہئیے
قسمت اچھی ہو تو پھر کیا چاہئیے
دن تو ہے دنیا کے دھندوں کیلئے
شام ہوتے جام و مینا چاہئیے

سوز

سوز۔ منشی محمد حسین علیخاں باشندہ سہانپور طبیعت برق دم۔ ذہن مے دو آتشہ کیطرح تیز ہے۔ ایک پھڑکتا ہوا شعر ہاتھ آیا ہے ؎

بھاگے ہیں میکدہ سے تو جھری میں نہیں
چلّہ کیا ہے شیخ نے اُتری کمان پر

سوز

سوز۔ شیخ نذیر الدین حسن ولد شاہ غلام محی الدین۔ ساکن بریلی۔ صرف ایک شعر دستیاب ہوا ہے۔ جو ہدیۂ ناظرین ہے ؎

چین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا
دن گیا رات ہوئی۔ رات ہوئی دن آیا

سوزاں

سوزاں۔ میرزا احمد علیخاں شوکت جنگ خلف الصدق نواب میرزا علیخاں۔ لکھنؤ میں امیرانہ

شوکت سے رہتے وزیر الملک آصف الدولہ اور سعادت علیخاں کے زمانہ میں رہتے تھے۔ یہ دو تین شعر انکے درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

مجنوں شکستہ پا ہے پیچھے
مت دل لگا بتوں سے کہنے چاکسیکے
خوبی ہے کیا ستم گر اس ہفتہ دوستی میں

کہ دیجو سلام ساربان کو
ہرگز ہوئے نہ ہونگے یہ آشنا کسی کے
اپنا کسی کو کیجے ہو رہیئے یا کسی کے

سوزاں

سوزاں حکیم محمد تقی خاں مرحوم دہلوی طبیب حاذق شاعر باخبر تھے۔ انکا ایک مسدس دستیاب ہوا ہے جو فغان دہلی سے نقل ہو کر ہدیۂ ناظرین ہے ؎

خدا نے عرش سے تا فرش جب پیدا کیا
جو انتخاب جہاں تھا سو ہند میں رکھا
زمیں پہ بسنے کا انساں کو جبکہ حکم ملا
رہے تھے مل کے وہیں دیکھو آدم و حوا
کسی کا نام رکھا روم اور کسیکا شام
ہے اس مقام کا ہندوستانِ جنت نام

یہ شہر وہ تھا کہ سب جامِ جم اسے کہتے
یہ شہر وہ تھا کہ بحرِ کرم اسے کہتے
سمجھ تھی جن کو وہ رشکِ ارم اسے کہتے
بجا تھا چشمۂ فردوس ہم اسے کہتے
اسی کے لینے کا شائق ہر ایک سرور تھا
یہ شہر وہ تھا کہ سرتاجِ ہفت کشور تھا

وفورِ حسن لطافت میں اسکا تھا شہرہ
کسوٹی کہتے ہیں جسکو وہ شہرِ دہلی تھا
یہ کانِ علم و ہنر میں تھا ایسا ہی یکتا
یہاں کے سنگ میں پارس کا تھا اثر پیدا
وطن کو چھوڑ ہر ایک سمت سے جو آتے تھے
اسی جگہ سے سب انسان بنکے جاتے تھے

جو طلسم آنکھ سے دیکھا کہا نہیں جاتا
نشانِ نقشِ ازل تو مٹا نہیں جاتا
سُنا جو کانوں سے اُسکو لکھا نہیں جاتا
کرے بیاں جو اُسکا سُنا نہیں جاتا

ہوا نجاتی تھی بے اذن جن کے گلشن میں
وہ خاک چھانتے پھرتے ہیں جنگل اور بن میں

تھے ایک روز فراہم جو شاہ کے فرزند
دعا قبول ہوئی آپ کی ملی یہ گزند
کی عرض شہ سے کہ اقبال آپ کا ہو بلند
خفہ گلو ہے ہمارا اجل ہو طوق کمند

ہمارے حق میں جو ارشاد تھا وہ پیش آیا
کہ اپنے سامنے سب کو عدم میں بھجوایا

صبا چمن میں اڑائے ہے اپنے سر پہ خاک
ہر ایک گل جو ہے پژمردہ با دلِ غمناک
جہاں تھے نرگس و لالہ نہیں خس و خاشاک
کیا ہے گلشن ہستی نے اب گریباں چاک

کریں ہیں نوحہ مچا شور بلبلانِ چمن
ملے ہیں خاک میں گلچیں گل و خارِ چمن

جو نازک ایسے اٹھاتے نہ گل کو جان کے بار
رہا نہ عطر بہ پان اور نہ زلفِ عنبر بار
بجز نسیم گل اُنکے گلے میں دیکھا نہ ہار
چلے ہیں سر پہ رکھے اپنے بارِ نصف نہار

وہ پا برہنہ ہیں کانٹے ہیں اور ہے رہ سنگ
پڑے ہیں چھالے جنہیں بار تھا حنا کا رنگ

وہ نازنیں کہ نزاکت بھی دیکھ گھبرا ئے
گمان میں جو نہ ہو کیا خیال میں آوے
کہ جسکی بستر گل پر سے نیند اڑ جاوے
لکھا ازل کا جو تقدیر سامنے لاوے

بکھر کے زلف کیا قتل انکو ننگے سر
صبا کے چھونے سے ہوتے تھے جو پریشاں سر

جو جوش گریہ سے بہ حال تباہ ہو جائیگا

جو قطرہ اشک کا ٹپکے گا بحر موجزن ہو جائیگا

سوزاں

سوزاں منشی حبیب الدین احمد مرحوم خلف خواجہ معین الدین انصاری سہارنپوری۔ اوائل عمر ہی سے حسن پرستی کی آگ دل میں بھڑکی شعلہ رویوں کا سودا سر میں سمایا۔ ذوق سخن نے اور بھی گرمی طبع کو بڑھایا۔ فارسی کی معقول استعداد حاصل کرنیکے بعد سہارنپور کو چھوڑ دیا۔ دلی میں رہنے سہنے

لگے۔ حضرت غالب کی شاگردی اختیار فرمائی۔ عرصہ تک اُن سے استفادہ حاصل کرتے رہے اُنہیں دنوں میں اخبار الاخیار کے ایڈیٹر ہو گئے۔ بہت سے رسالے آپکی تصنیف و تالیف سے ہیں تاریخ عجیب و حالات حکمائے یونان۔ تریاق مسموم۔ تاثیر القلوب۔ گنج شایگاں قافیہ میں۔ اُردو کا پہلا دیوان جو نہایت مختصر ہے۔ شایع ہو چکا ہے۔ دوسرا دیوان بھی تیار تھا مگر معاش کی کمی اور قبل از وقت موت نے چھپوانے کی مہلت نہ دی۔ انہوں نے میرزا غالب مرحوم کے بعد دہلی کو چھوڑ دیا تھا اور سہانپور چلے گئے تھے۔ میرزا عزیز بیگ عزیز مرحوم انکے قابل تلامذہ میں تھے سوزاں باوجود عسرت کے قانع و صابر رہے حتی الوسع کبھی تیوری پر بل نہ آنے دیا۔ زندہ دلی میں فرد تھے ہنستے ہوئے زندگی کے دن تیر کئے ۱۸۵۹ء میں آپکی شمع حیات خاموش ہوگئی ۶۵ برس کی عمر پائی۔ شعر کے تیور خوب ہوتے تھے۔ مزاج میں شوخی حد سے زیادہ تھی۔ اسلئے کبھی انشا کا رنگ کلام میں آجاتا تھا۔ آزادانہ رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بعض موقعہ پر رنگ غالب کی متانت کو فراموش کر دیتے۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ ذہین۔ طباع۔ بلند پرواز۔ نازک خیال شاعر تھے کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

جانا جب ہم نے اس کو تو کیا دیر کیا حرم
شہر میں سوزاں جو کوئی شخص تھا
غالب سے کام تھا سو وہ سوزاں گذر گئے
اے مئے فروش اپنی غلامی میں رکھ مجھے
تیری نگاہ مست اثر دل میں کر گئی
جب تک رہا جہاں میں ہا مبتلائے رنج
افسوس کہ دل خوش نہ ہوا ل کے کسی سے
چادر ماہتاب کا ہو کفن
دھو سکے تو اپنے دل کا داغ دھو

کوئی جگہ جہاں میں نہ تھی وہ جہاں نہ تھا
آج کسی شخص پہ وہ مر گیا
دہلی میں اب جناب کا کیا کام رہ گیا
جو پاس تھا وہ صرف مئے و جام ہو گیا
ساقی یہ جام لے کہ مرا کام ہو گیا
اے کنج قبر اب مجھے آرام ہو گیا
ماتم کدۂ دہر میں جو تھا سو حزیں تھا
کشتہ ہوں ایک ماہ پیکر کا
شیخ منہ کو مر گھڑی دھوتا ہے کیا

زخم پر میرے چھڑکتا ہے نمک
اور وہ دکھ کی دوا کرتا ہے کیا

دیکھا جو مجھکو شوق شہادت میں بیقرار
کافر نے رکھ کے حلق پہ خنجر اُٹھا لیا

کیا ہی نورانی ہے اُس رشک قمر کی صورت
آگیا چاند نگر بنکے بشر کی صورت

علم حکمت وہ ہے آئینۂ روشن جسمیں
نظر آتی ہے ہر اک عیب و ہنر کی تصویر

اثر درد نہ ہو جیسے دل نازک پہ کہیں
تم نہ دیکھا کرو مجھ خستہ جگر کی صورت

کیوں ہے برنگ غنچۂ گل دل گرفتہ آج
اے نو بہار حسن ترا خوش تو ہے مزاج

نقد وفا سے کیسۂ دل ہے بھرا ہوا
پر کیجئے کیا نہ ہوے جو اسکا یاں رواج

سوزاں کو دیکھا مست فقیروں کیطرح سے
کاسہ لئے کھڑے تھے در میکدہ پہ آج

اے چشم شوق مژدہ کہ جلتی ہے اب نقاب
روشن ہوئی ہے آتش رخسار بے طرح

مجھے حیرت آتی ہے شمع سحر پر
کہ ہنستی ہے اور مستعد ہے سفر پر

اس ملنے سے ہوتا ہے کہیں خوش دل محزوں
لینا ہے غم ہجر کا بدلا ابھی کچھ اور

توبہ کا ارادہ تو ہمارا بھی ہے اے شیخ
لیکن ذرا آجائے بڑھاپا ابھی کچھ اور

مجھے دام میں لا کے صیاد بولا
نہیں یہ اسیر آب و دانے کے قابل

راحت تو مجھکو بھی کبھی اے آفریدگار
کیا رنج ہی کے واسطے میں آفریدہ ہوں

جزاک اللہ وعظ اچھا کہا اب رخصت اے واعظ
کہ وقت میکشی آیا ہے ہم میخانہ جاتے ہیں

لطف کم کیجے کہ اس بندہ کے حق میں آپکا
اب ستم اچھا ہے اور لطف و کرم اچھا نہیں

حق تعالیٰ غم کسی کو دے تو سوزاں عشق کا
ورنہ دنیا کا ہو یا دیں کا ہو غم اچھا نہیں

گر آرزو ہے دل میں تو یہ ہے کہ ایک روز
قدموں پہ تیرے جان گرامی فدا کریں

طینت میں ہے فریب بتان فرنگ کے
جس سے ملیں انہی سے یہ کافر دغا کریں

سوزاں کو آپ کہئے فرشتہ خصال ہے
ہم تو یہی کہینگے کہ کچھ آدمی نہیں

عاشق اُس سایۂ دیوار سے رکھتے ہیں مراد
جس کو ارباب خرد ظل ہما کہتے ہیں

مجھ سے بیمار کو تکلیفِ غزل دیتے ہیں
کس میں ہے طاقت دیدار الٰہی توبہ
کعبہ و دیر میں دھرا کیا ہے
نہ ہوئے جسکو علم و عقل کھلاتا ہے دیوانہ
جاتے ہیں پر افسوس یہ ہمکو نہیں معلوم
آتی ہے تجھے دیکھ کے کیا کیا مرے دل میں
پوچھا جو اُسنے مجکو وہ خانہ خراب ہے
یہ چادر نورِ روئے روشن جسکی یاں کعبے میں نبی ہے
جو اسکی حکمت کا ہے تقاضا وہی کہا اور وہی کریگا
اے چشمِ گُہر بار جہاں تک کہ نظر جائے
الٰہی آنکھیں پھوٹیں ہاتھ ٹوٹیں جس نے دنیا میں
خدا پرست مجھے لوگ کہتے ہیں اور میں
لیگئی تخلیہ میں حضرت یوسف کو مگر
منہ سے کہتا تو ہوں توبہ مگر اے شیخ ہنوز
سُنکے بیماریِ سوزاں کی خبر از رہِ درد
سر و سامان نہیں ہم سے مہیا ہوتے
کچھ نہ ہوسکے یہ تو اللہ یدا نانیت ہی
یار کے رنگ میں سوزاں تجھے ملجانا تھا
وہ بے فائدہ در پئے شکست و شو ہے
بس اب عشقِ بتاں کر ترک سوزاں

رحم سوزاں دلِ یارانِ سخنداں میں نہیں
کیا غضب کرتے ہو یا حضرت موسیٰ دیکھو
غور دل میں ذرا کرے کوئی
یہاں دیوانہ علم و عقل نے مجھکو بنایا ہے
جائیں گے کہاں اور ہم آئے ہیں کدھر سے
پر کچھ نہیں سکتا ہوں ظالم ترے ڈر سے
نکلا خوشی میں منہ سے مرے وہی خدا ہے"
چراغ دیر و کنشت میں بھی اُسی کے جلوہ کی روشنی ہے
کہ حکم اُسکا ہی ملک اُسکا کسیکو کیا جائے دم زنی ہے
دامانِ زمیں آج دُر اشک سے بھر جائے
نہ چشمِ عشوہ زا دیکھی نہ ساقِ نازنیں پکڑی
صنم پرست ہوں ایسا کہ برہمن کیا ہے
اور کچھ قصدِ زلیخا ہے خدا خیر کرے
دل میں ذوقِ مے و مینا ہے خدا خیر کرے
لگے کہنے کہ بُرا یا ہے خدا خیر کرے
ورنہ فرعون تو کیا اُسکے بھی بابا ہوتے
کچھ اگر ہوتے تو کیا جانیے ہم کیا ہوتے
وہ گل تر تھے تو ہم بلبلِ شیدا ہوتے
یہ آخر وفا پیشگاں کا لہو ہے
خدا کا خوف کر بندے خدا کے

سوزش — محمد احسان الحسن صاحب خلف اصغر حضرت نوازش مرحوم۔ آپکا وطن آبائی سوزش

جونپور ہے۔ فن شعر میں حضرت شاہ اکبر داناپوری سے اصلاح لیتے ہیں۔ کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ ابھی مشق کی ضرورت ہے۔ یہ دو شعر انکے ہیں۔ جن سے موزوں طبع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

عشق کو اُس خالق عالم نے جب پیدا کیا
سب کے بدلے مجھکو اپنا والہ و شیدا کیا

ہجر میں اُس بیوفا کے یہ مری حالت ہوئی
اضطراب قلب سے میں رات بھر تڑپا کیا

سوگ

سوگ منشی مہیش پرشاد صاحب۔ مدرس مدرسہ سرکاری قصبہ تازہ ضلع الہ آباد۔ ۱۵ برس سے حضرت نوح ناروی کے شاگرد ہیں مشق کم ہے۔ زبان لکھنے کیطرف توجہ ہے طبیعت میں آمد ہے۔ انتخاب یہ ہے ؎

تو دیکھ اپنے حسن کو عاشق کی آنکھ سے
تیری نظر میں کیا ہے ہماری نظر میں کیا

بڑھ گیا کچھ اور بھی سودا بیاباں دیکھکر
تلوے کھجلانے لگے خار مغیلاں دیکھکر

حسن وہ شے ہے کہ پتھر میں بھی کرتا ہے اثر
کھل گئی یہ بات آئینہ کو حیراں دیکھکر

خانۂ دل کی تباہی کا نہ پوچھو ہم سے حال
حسرتیں بھی اب نہیں آتی ہیں ویراں دیکھکر

مژدہ اے جوش جنوں پھیلا ہے پھر وحشت نے پاؤں
آبلے رستے ہیں پھر خار بیاباں دیکھکر

دست وحشت کو مبارکباد دیتے ہیں ہم
چاک دامن دیکھکر چاک گریباں دیکھکر

چار آنسو گر پڑے برپا قیامت ہوگئی
ڈر رہے ہیں وہ مرے اشکوں کا طوفاں دیکھکر

کوئی بالیں پر کھڑا ہے زلف بکھرائے ہوئے
آج ہم اٹھے ہیں یہ خواب پریشاں دیکھکر

تیر نگاہ ناز ٹھہرتے کہیں نہیں
یہ دلنواز تو ہیں مگر دل نشیں نہیں

اے سوگ ہے عبث تمہیں راحت کی جستجو
کیا ہاتھ آئے وہ جو جہاں میں کہیں نہیں

وہ خنجر لیکے سوتے ہیں شب وصل
نہیں معلوم کیا ٹھانی ہے جی میں

تری تیغ نگاہ ناز کچھ ایسی چلی دل پر
کہ میرے ایک دل کے سینکڑوں دل ہوتے جاتے ہیں

یہ کیا منصف مزاجی ہے تمہیں سوچو تمہیں سمجھو
اسی پر ظلم کرتے ہو جو تم سے دل سے ملتا ہے

اس ادا اس ناز اس انداز پر
دل تو دل ہے جان بھی قربان ہے

ہجر کی شب موت بھی آتی نہیں
کس مصیبت میں ہماری جان ہے

ہوگیا ہوں خوگر غم رنج سہکر اور بھی
کیجئے مجھپر ستم اے بندہ پرور اور بھی

کیا زمانہ میں تمہیں ہو اِک اکیلے خوبرو
سیکڑوں ہیں تم سے اچھے اور بہتر اور بھی

آنکھیں اُدہر لڑیں کہ اِدہر دل تڑپ گیا
کیا جانے کیا اثر تری ترچھی نظر میں ہے

دل پر کسی کے تیر پڑا ہم نے آہ کی
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

ہمارا یہ دلِ مضطر انوکھا ہے نرالا ہے
کبھی جی جی کے مرتا ہے کبھی مر مر کے جیتا ہے

سہہا سہہا۔ حکیم میر رضا حسین۔ داماد میر وزیر علی صبا مرحوم۔ علمی استعداد کچھ زیادہ نہ تھی مگر دبیر۔ صبا۔ خلیل جیسے اُستادوں کی صحبت کا فیض اُٹھایا تھا اسلئے زبان صاف ہوگئی تھی ۱۸۸۰ء تک لکھنؤ میں موجود تھے۔ انہیں دعویٰ تھا کہ خواجہ آتش کے رنگ میں ان سے بہتر کوئی نہ کہہ سکا۔ مگر بایں ہمہ انکے کلام پر بجائے توارد کے سرقہ کا گمان ہوتا ہے۔ اگست ۱۹۰۵ء کے گلچیں میں جو غزل انکے نام سے درج ہے اُسکے بعض اشعار نواب یوسف علیخاں ناظم شاگرد حضرت غالب مرحوم کے ہیں مثلاً ؎

خون ہوتے ہوئے دیکھا کبھی جلتے دیکھا
دل کو ہر بار نیا رنگ بدلتے دیکھا

اسی طرح دوسرا شعر بھی بہ تبدیل الفاظ انہیں کا ہے ؎

زاہد و شیخ و برہمن مرے ہم مشرب ہیں
در میخانہ سے کس کسکو نکلتے دیکھا

جناب ناظم کا مصرعہ یوں ہے۔ ع۔ زاہد و شیخ بھی خوب ہیں کیا بتلاؤں۔ اسی طرح حضرت ناظم کا یہ مشہور شعر ہے ؎

ہے یہ ساقی کی کرامت کہ نہیں جام کے پاؤں
اور پھر بزم میں سب نے اُسے چلتے دیکھا

یہ بھی بے تکلف اپنی غزل میں داخل کیا ہے۔ آپکی شاعری کی کائنات یہ تھی اور پھر اُسپر اُستادی کا دعوے تھا جو کلام گلدستوں میں انکے نام سے شائع ہوا ہے۔ اُسکا انتخاب یہ ہے۔

فصلِ خزاں کے آتے کیسی ہوا چلی یہ
شمع مرادِ بلبل گل ہوگئی چمن میں

پہونچی یہاں تلک ہے اب لاغری ہماری — بنتی ہیں وہ قبائیں مجنوں کے پیرہن میں
آتش کی ہے زمین تا جل جائینگی زبانیں — آہو نہ چر سکینگے اس شیر زر کے بن میں

یہی آہیں رہیں تو سُن لینا — اک نہ اک دن یہ آسمان نہیں
تیرے عاشق کی سنتے ہیں کہ لاش آئی ہے — سیر کو تو بھی نکل خلق تماشائی ہے
اتنا کہے دیتے ہیں سنو یا نہ سنو تم — عاشق تو سبھی ہیں یہ سہا اور ہی کچھ ہیں
بہت کم سن ہیں وہ ڈر جائینگے انکو نہ آنے دو — بڑی مشکل سے عاشق کا تنہا ہی دم نکلتا ہے

سہا

سہا - سید ممتاز حسین صاحب بلند شہری - قد و قامت نہایت مختصر مگر طبیعت ذکی اور مشتاق ہنر علیگڑھ کالج سے بی - اے پاس کر چکے ہیں فلسفیانہ دماغ کے انسان ہیں - اس چھوٹے سے قد پر بھی وہ تقریر کرتے ہیں علم مجلس میں یگانہ ہیں - دیوان غالب اُردو کی شرح میں حکمت و فلسفہ کے مسائل انکی جدت طرازی کا ثبوت ہیں قابل آدمی ہیں - دل خوش کرنیکو کبھی کبھی شعر کہہ لیتے ہیں ماہواری رسالوں میں غزلیات شایع ہوتی رہتی ہیں - آجکل بھوپال میں ملازم ہیں کلام یہ ہے ؎

جذبۂ سرور جاں اضطراب ہو گیا — آرزو کے کھیل میں دل خراب ہو گیا
یوں ندامت ستم کچھ ستم سے کم نہیں — خامشی سے اور وہ لاجواب ہو گیا
ہر نظر کی نذر ہے عہد ترک عاشقی — رندِ مے پرست کا اجتناب ہو گیا
انکی مہربانیاں شب کا خواب ہو گئیں — روز رات کاٹنا اک عذاب ہو گیا
اپنے جوشِ شوق میں ہم ہی ہوش میں نہ تھے — ورنہ لاکھ بار وہ بے حجاب ہو گیا
پھر ترے غرور کا اور کیا دماغ ہے — اب سہا کا ذکر بھی ناصواب ہو گیا

سہراب

سہراب - میرزا سہراب بیگ دہلوی شاگرد شاہ نصیر صرف ایک شعر دستیاب ہوا ہے جو یہ ہے ؎

دریا ہے موجزن مری چشم پُر آب میں — بحر محیط بند ہوا ہے حباب میں

سہیل

سہیل ۔ منشی درگاپرشاد شاہجہان آبادی تلمیذ جناب خنداں شعر خوب کہتے ہیں۔ انداز بیان نہایت پیارا اور دلفریب ہے۔ لطف زبان کیساتھ مضمون کی طرف بھی توجہ ہے۔ یہ کلام ہے

سنیں جو پاس بھی شرحِ آرزو میری
گلے لگا ہی لیا سنکے گفتگو میری

وہ آنسوؤں کو مرے پونچھتے ہیں دامن سے
بڑھائی ہے مرے اشکوں نے آبرو میری

رحم آگیا بتوں کو جو رویا میں پھوٹ کر
پتھر پگھل گئے مرے نالوں کے سامنے

بہنے دو طاقِ طور پر سب لن ترانیاں
آجاؤ ہم سے چاہنے والوں کے سامنے

کیا لطف ہیں آئینہ الٹی نقاب اگر
ہو بے حجاب دیکھنے والوں کے سامنے

سہیل

سہیل ۔ سید حبیب علی دہلوی حضرت ظہیر انور کے عزیز تھے لکھنؤ بھی عمر تک بعید عہد رہے ہے اور ہمیشہ زمانہ کے ہاتھوں شاکی اور نالاں بسر کی۔ استعداد علمی بہت معمولی تھی مگر نظم و نثر لکھنے کا ہمیشہ شوق رہا۔ اپنے ہمعصر لوگوں کے اکثر حالات ستے لکھے ہیں جسکا مجموعہ راقم کے کتبخانہ میں موجود ہے۔ کلام میں رنگینی اور تخییل دونوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ طرز بیان بھی پسندیدہ ہے

داغ بیٹے کا اٹھایا جب سے میں نے اے سہیل
دل اسی دن سے مرا محزون و غمگیں ہو گیا

سوزِ دروں کا حال نہ پوچھو کہ شامِ ہجر
مانندِ شمع روتے ہی روتے پگھل گیا

بزمِ سرور و سیر تماشہ سے کیا غرض
رونے کو کنجِ غم میں ہی گوشہ نشیں ہوا

جز داغ غم کے اس دلِ غمگیں میں کچھ نہیں
پیدا جہاں میں اسلئے میں دل حزیں ہوا

اس رہ گذر میں آنیکی کچھ آرزو نہ تھی
خوابِ عدم سے آہ میں بیدار کیوں ہوا

گردش ہی آسماں کی فقط ہے مرے واسطے
حیرت ہے مجھکو اور دل ہے ہموار کیوں ہوا

زخموں پہ زخم پڑتے ہیں تیرِ نگاہ کے
مقتل میں اسطرح کوئی بسمل نہیں ہوا

پائی اماں کسی نے نہ گلچیں کے ہاتھ سے
کسدن چمن میں شور عنادل نہیں ہوا

اے اجل آنا ہے اک روز ضروری تجکو
گر شبِ ہجر میں آجائے تو احساں تیرا

خوش آغاز و مسرت خیز ہے موسم جوانی کا
غنیمت جان سے انسان عالم زندگانی کا

رُخ روشن سے ہوئی دور بِ نقاب مشکیں
پردۂ شب سے ہوا مہر منور پیدا

آئینہ دیکھ کے حیرت ہوئی نظّاری
رشک اسکا ہی ہوا دوسرا کیونکر پیدا

زندگانی کو سہیل اپنی غنیمت سمجھو
آدمی کوئی نہیں ہوتا ہی مر کر پیدا

وحشت کا اپنی وہ سر و ساماں نہیں رہا
وہ زور شور نالہ و افغاں نہیں رہا

افسوس ہے کہاں پہ میں لیجاؤں آشیاں
گلشن میں ایک بھی گلِ خنداں نہیں رہا

گذرا جو عہد گردشِ لیل و نہار کا
اڑدی بہشت لائی ہے مژدہ بہار کا

ہر نخل کو نشاط ترنم ہے وجد ہے
جھونکا جو آرہا ہے نسیم بہار کا

نام سہیل کافی ہے پڑھنے کو فاتحہ
ملتا نہیں نشاں جو اُسکے مزار کا

اہل دنیا سے کبھی کوئی نہ مطلب نکلا
وقت سختی میں مددگار مرا رب نکلا

عاشقو خوش ہو کہ ارمان دلی اب نکلا
گالیاں دینے کو گھر سے وہ شکر لب نکلا

کہتا ہے یہ دل تیغ اٹھائے گا سوا اور
جینے کی ہوس گر ہے تو چکھ اسکا مزا اور

اب کیا ہے سہیل آنے لگے خون کے قطرے
رونا ہے پسندیدہ تو ہاں اشک بہا اور

غازۂ حسن سے ایسے ہوئے خوش رو عارض
مثلِ آئینہ چمک جاتے ہیں ہر سو عارض

سرمہ سے یوں ہی چشم ستمگار کو فروغ
خون چاٹنے سے جیسے ہو تلوار کو فروغ

سارا زمانہ ہوگیا دلدار کی طرف
کوئی نہیں ہمارے دلِ زار کی طرف

ازل سے روتی ہے کیا اُسکو صدمہ پہونچا ہی
کسی سے کہتی نہیں دل کا مدعا شبنم

خدا کے حکم سے اسواسطے ہوئی مخلوق
ہر ایک غنچہ کو رو رو کے تو ہنسا شبنم

مثال شمع کے یہ بھی بحد یہ روئیگی
ہمارے دیدۂ تر کی ہے آشنا شبنم

ہر لحظہ دل سے آہ کے شعلے بلند ہیں
ہر ایک فصل میں ہیں یہی برگ و بار غم

دل کو مرغوب حسینوں کی ہیں رنگیں باتیں
قند مصری سے زیادہ ہیں یہ شیریں باتیں

مذہب عشق میں شکوہ کا نہیں ہی مذکور
کیا سہیل ایک تمہیں ہو جو اٹھائیں باتیں

ہستی میں جو ہے سب اُسے کہتے ہیں ممکنات
جز ذاتِ حق کے اور کوئی لامکاں نہیں

مانندِ نقشِ پا کیا پامال دہر نے
وہ خار ہوں کسیکو جو ایذا رساں نہیں

گردش میں جو آگئی ہے قسمت
کل عمر بسر ہوئی سفر میں

پرواز کرے وہ کس طرح سے
طاقت نہ ہو جسکے بال و پر میں

دل کو مرے غم نے یوں نچوڑا
ہے آمدِ خوں چشمِ تر میں

امید اُسے ہو زیست کی کیا
لائی ہو قضا جسے بھنور میں

یاد آئی سہیل کو جوانی
نشتر سا لگا دیا جگر میں

یارانِ رفتگاں کا پتہ کس سے پوچھیں ہم
ایسے گئے زمیں پہ کہیں نقشِ پا نہیں

مجھ پہ کیوں کھینچتے ہو تیغ دو دم جانے دو
عاشقِ زار تمہارا ہوں صنم جانے دو

خارِ صحرا سے یہ کہتا ہوں کہ چھوڑو دامن
ناتواں ہوں مجھے ایک ایک قدم چلنے دو

صد ہا صفیں گرائی ہیں اپنی چشم سے
سمجھو نہ یہ کہ ناوکِ قاتل نہیں ہے کچھ

تھا مغتنم سہیل کا دم اہلِ درد میں
اک وہ نہیں تو رونقِ محفل نہیں ہے کچھ

آمادہ قتل پر تھے مگر دل میں سوچ کر
اُٹھے کمر میں باندھ کے تلوار رہ گئے

آزاد پہونچے دشت میں زنجیر توڑ کر
تھے جنکے سر پہ بارِ گراں بار رہ گئے

وعدہ کو اُڑایا دل لگی میں
ہر بات مری ہنسی میں ٹالی

رونے سے نہ آئیگی جوانی
بارش کی ہے یہ رات کالی

کس گل بدن کی بو سے معطر دماغ ہے
غنچے بھی ہنس رہے ہیں چمن باغ باغ ہے

آکر چمن میں بادِ بہاری گذر گئی
خوبی جو تھی شباب کی ساری گذر گئی

بڑا زور شور آہ و نالہ کا تھا
جو بادل گرجتے تھے شرما گئے

بڑے رونے والوں میں تم ہو سہیل
جھڑی چشمِ گریاں کی برسا گئے

ابروئے خمیدہ ہیں ستم کے
شمشیر کھنچی ہے یہ ہلالی

ماضی کا قصۂ رنج کہنہ — روداد دلخراش حالی
شکوہ نہ کیا تھا ہم نے کچھ بھی — کیوں رنج کی گفتگو نکالی

۱۰

نہ پوچھو کہ غم دل پہ کیا کیا ہوا — جنوں زا مرے سر میں سودا ہوا
نہ اک طرح کا غم نہ صدمہ ہوا — ہجوم غم و درد ایسا ہوا
کہ جینے سے ہم اپنے اکتا گئے

جو برگشتہ ہم سے مقدر ہوا — جو تھا صاف دل وہ مکدر ہوا
مددگار کوئی نہ یاور ہوا — یہاں تک کہ دشمن برادر ہوا
سبھی خون دل ہمکو رلوا گئے

جو پہونچے ہیں صدمے مجھے بیشتر — نہ تھا مقتضائے قضا و قدر
سوا اسکے کوئی نہیں چارہ گر — جو روتا ہے تو رو لے اے چشم تر
کہ یاں دل غم و درد سے چھا گئے

فلک پر نہیں جو قیام سہیل — تو کیا بزم دہر میں ہے نام سہیل
نہ بھولے سے لے کوئی نام سہیل — فسانہ ہے غم کا کلام سہیل
غزل میں نئی طرز دکھلا گئے

غزل

کلک تقدیر نے ہستی کا جو نقشہ کھینچا — آفرینش میں یہی عالم امکاں نکلا
جو مشیت میں تھا مکنون ہو اسکا اعلان — خلقت آدم خاکی کا یہ عنواں نکلا
نوع انساں میں اک قسم کی دیکھی مخلوق — کوئی عالم تو کوئی جاہل و ناداں نکلا
علم و حکمت کی طرف ہو گیا کوئی راغب — کوئی عاقل کوئی علامۂ دوراں نکلا
کوئی شیدائے ہوا کشتی کے سیکھے فنون — پیچ کر سبکو ہر اک سے سر میداں نکلا
نشۂ عہد جوانی ہوا جس پر طاری — چوک میں سیر کو وہ سرو خراماں نکلا
باغ و ایوان میں کسی کا ہوا ماوا مسکن — کوئی گھر چھوڑ کے با دیدۂ گریاں نکلا

عطر بالوں میں تو آنکھوں میں لگا یا کاجل	مست و سرشار پئے سیر حسیناں نکلا
مسند صدر پہ بیٹھا جسے تھا علم و شعور	مکتب عقل میں وہ صاحب ایمان نکلا
بد نصیبی سے کوئی رہ گیا بالکل ناقص	کوئی سنجیدہ و فہمیدہ ہمہ داں نکلا
مسلک و ملت و آئین میں پڑی جب تفریق	فرقہ فرقہ کا نیا مذہب و عنواں نکلا

سہیل

سہیل - منشی محمد رشید باشندہ مچھلی شہر ضلع جونپور آپ منشی محمد مبین جلیس کے بھائی ہیں عرصہ تک گورکھپور میں رہ چکے ہیں - مرحوم انکے بھائی گلدستہ بہار سخن نکالتے تھے سنہ ۱۸۹۰ء میں حضرت احسان شاہجہانپوری سے تلمذ اختیار کیا - زبان صاف ہے مضمون آفرینی کی طرف راغب ہیں انتخاب یہ ہے ؎

مر رہا ہے مریض عشق ترا	اُسکے دکھ کی کوئی دوا بھی ہے
آئینہ میں تو دیکھئے صاحب	آپ سا کوئی دوسرا بھی ہے
روئے روشن کا تصور ہوا اندھیری گور میں	شمع ہو اک منزل راہ عدم کے واسطے
مال دنیا سے غرض کیا ہم فقیروں کو سہیل	غم اٹھائے کون فکر بیش و کم کے واسطے

سہیل

سہیل - مولوی سید عبد الحبیب صاحب حسنی ساکن غازی پور - فارسی عربی کی استعداد ہے علم عروض معانی - بیان سے واقف ہیں مزے دار شعر کہتے ہیں ؎

پیسا ہوا ہوں شوخی رفتار یار کا	صبح نشور نام ہے میرے مزار کا
چھپنا ہی تھا تو جلوہ نمائی فضول تھی	کھویا تمام لطف غم انتظار کا
وارفتگی شوق کا اللہ رے کمال	احسان بھی نہیں ستم ہائے یار کا
برسے تو میرے دیدۂ گریاں کے روبرو	میں بھی تو دیکھوں حوصلہ فصل بہار کا

سہیم

سہیم - شیخ محبیب اللہ - باشندہ گورکھپور حضرت فہیم گورکھپوری کے شاگرد ہیں ابھی نو مشق ہیں طبیعت موزوں واقع ہوئی ہے - یہ کلام ہے ؎

اب پوچھتے ہو کس کو کہاں ہے سہیم زار	مدت ہوئی وہ راہی ملک عدم ہوا

رنگ و بوئے گل ہوں میں بلبل نہ تو مجھکو سمجھ	میں جو اُڑ جاؤں خبر تجھکو نہ اے صیاد ہو
کچھ سنا بھی یہ ابھی کیا کہہ گیا ہے نامہ بر	آج وہ آتے ہیں اے شاد اے دلِ ناشاد ہو
تم وہ کہتے ہو جو عاشق سے کبھی ممکن نہیں	ہجر میں کس طرح ضبطِ نالہ و فریاد ہو

سہینی

سہینی - جناب بابو پنڈت رام صاحب - ریواڑی کے رئیس ہیں - ابھی شاعری کا آغاز ہے - مگر ہونہار معلوم ہوتے ہیں - زبان اور مضمون کیطرف رجحان ہے - بیان سادہ طبیعت کو شاعری سے لگاؤ ہے - رسالہ حسنِ ادب لکھنؤ میں کلام شایع ہوتا رہتا ہے - انتخاب یہ ہے -

اہا اگر ان سے ملنے کو تو کہتے ہیں قیامت میں	جو مر کر بھی نہ ہو آساں ہم اُس مشکل میں رہتے ہیں
مجھے ہر دم خیال اُنکا انہیں ہر دم خیال اُسکا	ستم ہے غیر کو لیکر وہ مرے دل میں رہتے ہیں
بڑا عشاق کو کیا آج کل شوقِ شہادت ہے	کفن سر سے لپیٹے کوچۂ قاتل میں رہتے ہیں
سہینی پردہ پوشی کیلئے میدانِ محشر میں	یہ کیا کم ہے کہ اک پردہ نشیں کے دل میں رہتے ہیں

سیاح

سیاح - شاعرِ عرش ذکر و عالی طبیعت منشی میاں داد خاں اورنگ آبادی مقیم سورت آپکے والد ماجد منشی عبد اللہ خاں اورنگ آباد کے نامی رئیس تھے یہ پیدا ہوئے تو گھر دولت سے بھرا پڑا تھا - آپنے ناز و نعم کے گہوارہ میں پرورش پائی - مگر لڑکپن کی حد سے باہر قدم نکالا تو گھر کا اقبال رخصت ہو چکا تھا - لیکن زندہ دلی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی - شوخی ظرافت بذلہ سنجی اپنے ساتھ لائے تھے - ذہین طباع انسان تھے - آخر کار نواب میر غلام بابا خاں - کے - سی - ایس - آئی - رئیس اعظم سورت بندر کے مصاحب و رفیق ہوگئے - اوائلِ مشق سخن میں عشاق تخلص تھا ۱۸۶۱ء میں میرزا نوشہ غالب دہلوی کی خدمت میں دہلی حاضر ہو کر غزل برائے نظر اصلاح پیش کی - میرزا صاحب نے سیاح تخلص اور سیف الحق لقب عنایت فرمایا - اور یہ عالم سخن میں بادیہ پیما ہوئے - مرزا غالب کو انسے دلی اُنس تھا -

سیاح تخلص رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ آپنے اطراف ہندوستان پنجاب - بنگال کشمیر کے سوا عرب اور عجم کے نظارے بھی آنکھ سے دیکھے تھے - فارسی زبان خوب بولتے تھے طبیعت

چلتی ہوئی تھی عقل و دانش خمیر میں داخل تھی اسلئے بعض لوگ ان پر سرکار کے جاسوس ہونے کا شبہ کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ ذہانت اور طباعی حد اعتدال سے تجاوز ہوکر دائرہ قانون سے باہر ہوگئی حتیٰ کہ سنہ ۱۸۸۰ء میں انپر مقدمہ قلب سازی قایم ہوا اور گرفتار ہوکر سزایاب ہوئے۔

منشی نول کشور مرحوم سے انکا بڑا یارانہ تھا اور وہ علم دوست ہونیکے باعث انکی قدر کرتے لکھنؤ۔ دہلی۔ کانپور وغیرہ میں جب کبھی جاتے تو خود مصرعہ طرح دے کر مشاعرے کرتے۔ کسب کمال کا ذوق قدرت سے انکی طبیعت میں ودیعت تھا اور اسی بنا پر میرزا غالب کو ان سے خاص اُنس تھا۔ عود ہندی میں جو رقعات انکے نام ہیں۔ انمیں فقرہ فقرہ سے محبت کا اظہار ہوتا ہے اول تو آپ سورت دکن کی پیدایش پھر اُس زمانہ میں ریلوے کا سلسلہ رسل و رسائل بھی نہ تھا مگر اس شوق کی داد دیجیے کہ آپ کئی بار میرزا کے فیض صحبت سے مستفیض ہونیکو دہلی آئے اور اُن سے نکات شاعری حاصل کیے۔ نکتہ سنجی معنی یابی انکی بات بات میں تھی۔ پڑھنے کا انداز نہایت دلفریب تھا۔ جس مشاعرہ میں جاتے اپنا رنگ جما لیتے۔ زبان صاف تھی۔ برجستگی سے محاوروں کو نظم کرتے۔ میرزا غالب کے خرمن فیض کی خوشہ چینی سے شاعر کامل بن گئے تھے۔ مضمون آفرینی میں حاذق چوبند اور اسلوب بیان دل پسند تھا۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں ۷۰ برس کی عمر پاکر بمبئی میں منزل حیات کو قطع کیا۔ سیر سیاح۔ لطایف غیبی انکی تصنیف ہے۔ آخر الذکر کتاب کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ میرزا کے قلم سے نکلی ہے مگر انکے نام سے شایع کردی گئی ایک دیوان ریختہ بھی ان سے یادگار ہے۔ انکی بقاے دوام قایم رکھنے کو وہ خطوط ہیں۔ جو اردوے معلی میں میرزا صاحب نے انکے نام لکھے ہیں۔ افسوس ہے کہ میرزا صاحب کا ایک عزیز شاگرد سنہ ۱۹۰۶ء تک زندہ رہا مگر اسپر گمنامی کی نقاب پڑی رہی۔ نہ اردو کی انجمنوں اور کانفرنسوں میں انکی آواز سنائی دی نہ رسائل و اخبارات اس کو ملک کے سامنے لائے نہ اُنکا دیوان ارباب سخن تک پہنچا۔ صرف راقم تذکرہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ انکی ٹوہ لگائیے۔ اسے انجمن سخن میں نمایاں کرے۔ کمال جستجو و جانفشانی سے حالات و کلام فراہم کیا نتیجہ فکر یہ ہے ؎

کرتے ہیں وہ باتیں کہ مری جان پہ بن جائے
بگڑے ہوئے کچھ آئے ہیں بھکائے ہوئے ہیں

آئے ہیں عیادت کے لئے غیر کے ہمراہ
ساتھ اپنے مری موت کو بھی لائے ہوئے ہیں

غصہ میں ترے چہرۂ زیبا سے عیاں ہیں
وہ شعلے جو اغیار کے بھڑکائے ہوئے ہیں

جس شخص کے پہلو میں نہ دل ہو نہ جگر ہو
پھر کیا اُسے تیر نگہ یار سے ڈر ہو

دل کو تو لئے بیٹھے ہو اب چاہتے کیا ہو
لو جان بھی حاضر ہے اگر مد نظر ہو

کیا لیتے ہو دل یہ تو ہزار دفعہ دیا ہے
وہ کیجئے طلب ہم سے نہ جو حد بشر ہو

آتش ہی جہاں سوز یہ رہ جائے ٹھہر کر
اس سینۂ سوزاں کے مقابل میں اگر ہو

آیا ہے عجب طور کا یہ دورِ زمانہ
جو عیب ہے دنیا میں وہ مشہور ہنر ہو

قمریوں پہ نہ دم سیر بلا نازل ہو
باغ میں کھولو نہ تم زیر صنوبر گیسو

بس اسی شغل میں کٹتی ہیں مری لیل و نہار
چہرۂ رنگین پھر ہی تصور میں تو شب بھر گیسو

بوسہ اُس رخ کا ملے وصل میں کیا اللہ صبح
چھا گئے ایسے کہ ہیں سد سکندر گیسو

کہہ دو سنبھل کے میکدہ میں آئے محتسب
ٹوٹینگے خم ضرور مگر اُسکے سر کے ساتھ

ہوتے ضرور تیرے تمنا گر یہ کیا کہیں
قاتل دہانِ زخم کے گویا زباں نہ تھی

مشتعل ہے بزم میں شعلہ جو اُس کے حسن کا
شمع پروانوں سے جو پائے پر پرواز ہے

سیاح کیوں نہ کیجئے نظارہ بتاں
لایا ہے شوق جانب ہندوستاں مجھے

منور گھر ہے اپنا شمع رو سے آج خلوت ہو
جلے کیونکر نہ پروانہ یہ اپنی اپنی قسمت ہے

اڑ گیا ہے اسکو چسکا چاٹ کر کس کا لہو
لگی ہی پڑتی ہے جو تلوار اُس خونخوار کی

دل وحشی کا کیا ہے کارخانہ لاابالی ہے
زرداغ جنوں کا خرچ ہے سرکار عالی ہے

نہ رکھتے سرکشی سے تھے زمیں پر جو قدم اپنا
نصیب آنکھوں کو بساں نقش قالیں پائمالی ہے

پھرا کرتا ہوں گرد اسکے نہیں تاب ہم آغوشی
میں ہوں تصویر اور وہ شمع فانوس خیالی ہے

جو ہیں فرزدان مضمون مثل مضمون باندھی جائینگے
کہ اب سیاح کو شہر سخن کی کوتوالی ہے

کوئی صیاد ادھر بہرِ شکار آتا ہے
طائرِ دل قفسِ تن میں جو گھبراتا ہے

ہجر میں موت بھی آئی نہ مجھے سچ ہے مثل
وقت پر کون کسیکے کوئی کام آتا ہے

مژدہ اے دل کہ مسیحا نے دیا صاف جواب
اب کوئی دم میں لبوں پر مرا دم آتا ہے

سخت پچھتاتے ہیں ہم دیکے دل انکو سیاح
اپنی افسوس جوانی پہ ہمیں آتا ہے

قفس میں سیرِ گلشن کی اگر مانگے دعا دل سے
صدائے خندۂ گل آئے فریادِ عنادل سے

دعا اب یہ نکلتی ہے دہانِ زخمِ بسمل سے
نہ چھوٹے داغِ خوں تا حشر یا رب تیغِ قاتل سے

لگی ہے آگ تختے گور کے ہیں پھنک رہے سارے
کفن جل جل کے خاکستر ہوا ہے سوزشِ دل سے

نہ خنجر گلا رکھا ہے خود شوقِ شہادت میں
بھلا کس منہ سے مانگیں خوں بہا ہم اپنے قاتل سے

بجائے گرد آتا ہے نظر اک نور کا بکا
گھٹا ٹوپ اٹھ گیا ہے آج کس لیلی کے محمل سے

قدم سیاح رکھے جوشِ وحشت سے جو صحرا میں
وحوش و طیر آئیں رقص میں شورِ سلاسل سے

سیاح　**سیاح** ۔ حافظ نور محمد ولد مولوی عبد الرحمن صاحب ساکن ڈیرہ اسمٰعیل خاں حال مقیم بمبئی مدرسہ اسلامیہ میں مدرس ہیں۔ سیر و سیاحت کا شوق رہا ہے۔ منشی قاسم علی خلوتی دہلوی سے تلمذ ہے۔ طبیعت کا رنگ ذیل کے اشعار سے ملاحظہ ہو ؎

دھوپ میں دم توڑتے دیکھا مجھے تو اُف ری ضد
اور اونچا ہو گیا سایہ تری دیوار کا

کون سا ہے درد دنیا میں نہیں جس کا علاج
پر دلِ بیمار کا کوئی نہیں دیکھا علاج

ہے یہ بیمارِ محبت کچھ مرض اس کو نہیں
اے طبیبو خیر ہے کس کی دوا کیسا علاج

حشر میں داد طلب پائیں بھلا کس سے دوا
ہے غضب یہ کہ وہاں بھی ہے خدائی تیری

سیاح　**سیاح** ۔ سید فضل الرحمن کانپوری ۔ ۲۰-۲۱ برس کی عمر ہے انگریزی زبان کی تحصیل میں مشغول ہیں۔ نو مشق شاعر ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

چٹکیاں لیتی ہے دل میں کسی گل چہرہ کی یاد
کس طرح چپ رہوں میں بلبلِ تصویر نہیں

ہائے وہ آہ کہ جو آہ نہ پہونچے اُن تک
حیف وہ نالہ کہ جس نالہ میں تاثیر نہیں

سیارہ

سیارہ - میرزا فخر الدین خلف متوسط میرزا معز الدین ثابت مرحوم - ابن شاہ عالم شاگرد حضرت احسان دہلوی - ستار خوب بجاتے تھے - میرزا صابر صاحب گلستاں کے دوستوں میں تھے - اور بڑے زندہ دل شگفتہ خاطر - یار باش - عالی حوصلہ تھے - صاحب فکر بلند اور طبع ارجمند تھی - شاید میرزا صابر ہی سے مشورۂ سخن بھی کرتے تھے - کلام یہ ہے ؎

شوق پابوس بھی ہے تو ہے پسِ قتل دلا ۔۔۔ لوٹتا پائوں پہ قاتل کے مرا سر ہوگا
لگائے آنکھوں سے میں نے جو اضطراب میں پائوں ۔۔۔ یہ ضد تو دیکھو کہ پھر دل ہی ہٹ گئے آپ میں پائوں
خدا کے واسطے جا کر کہو اُس آفتِ جاں سے ۔۔۔ کہ وقتِ نزع ہے رخصت تو ہو بیمارِ ہجراں سے

سید

سید - امیر الفصحا سید الشعرا میر غالب علیخاں میر منشی دفتر شاہی مقرب بارگاہ حضرت شاہ عالم و اکبر شاہ ثانی - شاہی مصاحبین میں سرفراز اور خطاب سید الشعرا سے ممتاز تھے - شرف الدین صاحب میرٹھی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ انکے والد اور دادا میرٹھ میں شاہی فوجدار تھے - یہ یہیں پیدا ہوئے مگر تعلیم و تربیت دہلی میں پائی - جس زمانہ میں حضرت شاہ عالم ثانی الہ آباد میں رونق افروز تھے تو یہ بھی اُنکے ہمراہ تھے - جب بادشاہ نے انہیں اپنا کلام دکھایا تو یہ بھی انکے معتقد ہو گئے - پہلے رنگین تخلص تھا - شاہی حکم سے شائق بن گئے - آخر عمر میں سید تخلص اختیار کیا - فارسی میں میرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے - چنانچہ تذکرہ انیس الاحبا میں انکا فارسی کلام موجود ہے - شیریں مقالی میں انتخاب تاریخ گوئی میں لاجواب تھے نقیب بادشاہی مروت ہے اکرام کی بھرلیے کی تاریخ ایسی بے مثل کہی کہ مدتوں خاص و عام میں مشہور رہی یعنی - ع امشب کرمے کن بسرائے اکرام کیسی نادر تاریخ ہے جس سے آج تک انکا نام روشن ہے - اسکے علاوہ قلعۂ دہلی کا مثمن برج انہیں کی بے مثال تاریخ سے مزین ہے - پھر وفات اکرام کی تاریخ یعنی "اکرام بپا سود بپائے خسرو" اسی مورخ لاثانی کی فکر عالی کا نتیجہ ہے جو پایانِ مزار حضرت امیر خسرو و اکرام کے لوحِ تربت پر کندہ کیگئی ہے - سید مرحوم نے ۱۲۲۵ھ میں انتقال کیا - ناسخ نے ۱۲۱۸ھ میں جو وفات لکھی ہے وہ غلط ہے - کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

نے غازہ - نہ گلگونہ نہ ہے رنگِ حنا تو ۔۔۔ اے خوں شدہ دل مستو تو کسی کام نہ آیا

سبب کیا پوچھتے ہو مجھسے میرے یار رونے کا
کسیکو کچھ مرض ہے مجھکو ہے آزار رونے کا

سید سے یہ عداوت اللہ رے کفر ای بت
پڑھنے جنازہ اسکا سب آئے تو نہ آیا

روکش اندوہ ہجراں شب دل بیتاب تھا
تاب کا پانی جگر طاقت کا زہر آب تھا

تجھ بن آکان ملا جنت صبح تک پاشندہ رات
زخم پر ٹپکے نمک تو ریشہ مہتاب تھا

شکل کے زلف سے ہوئی خط مشکبار میں جا
سواد شام سے دل پہنچا زنگبار میں جا

کب کہا میں نے تری تیغ جفا کی چاہا
ائے میاں قتل مرا مری وفا نے چاہا

میں انہیں کون سی صورت سے نہ چاہا پر آہ
مجھکو چاہا نہ بتاں نے نہ خدا نے چاہا

کان کا موتی ترے ہلتا جو اے مہ پارہ تھا
مشتری اسکا فلک یا سبعہ سیارہ تھا

جو دیکھے گا وہ ترا رنگ مسکرائے گا
تو غنچہ منہ تجھے گلرو نہیں دکھائے گا

بہاتا ہے مجھکو یار کا دزدیدہ دیکھنا
اغیار کی نگاہ سے پوشیدہ دیکھنا

ساتھ آہ کے ہر ایک قطرہ اشک بھر آیا
زور ابر دھواں وہ ہار برستا نظر آیا

جوں نقش قدم جو سر رہ یار کے بیٹھا
وہ خانہ خراب اٹھکے نہ پھر اپنے گھر آیا

تھی بیکلی یہ مجھکو آرام نہ آیا
جب تک مرے بر میں وہ گل اندام نہ آیا

نہیں گردوں نہ بشکل آسیا ہم
وے رہتے ہیں گردش میں مدام ہم

میں اور ترک عشق یہ امکاں ہی نہیں
تا صبح کے پند شنے کو یاں کان ہی نہیں

جو آنکھ اور سے وہ لڑا جاتے ہیں
تو ہم بھی کہیں دل لگا جاتے ہیں

یارو مرے بالیں سے نہ اٹھو نہ جدا ہو
حالت مری اچھی نہیں کیا جانئے کیا ہو

تیغ قاتل کی مرے تن ہی نے لذت جانی
کہ بھر آئے ہیں ہر زخم کے منہ میں پانی

ابرو کے اشارے تری کرتے ہیں سبھی سے
تلوار ابھی بزم میں چلتی ہے کسی سے

بنائے کفر و دیں اک تار سے ہے
کہ سبحہ منعقد زنار سے ہے

سید ۔ میر کرم علی خلف الصدق سید محمد غوث صاحب ۔ نواب صدر جہاں صاحب

کی اولاد سے تھے۔ قصبہ پھالی کے متوطن اور اٹھارہویں صدی میں امروہہ قیام پذیر تھے۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ میں انکا ذکر آیا ہے۔ جوان قابل خوش عنوان۔ حافظ قرآن۔ خوش صورت پاکیزہ سیرت تھے۔ طبیعت دقت پسند اور مضامین بلند کی جویا رہتی تھی۔ کلام یہ ہے

کیا ہوا زلف جو اب سر پہ چڑھی تو اُسکے
مجھکو ہے یاد وہ نت پاؤں پہ پڑنا تیرا

دیکھ آئینہ ترے رُخ کی صفا اور آب و تاب
پانی ہو ہو کے منہ پہ خاک مل کر رہ گیا

اب آ بیٹھے ہیں تیرے در پہ جو چاہے سو کر ظالم
اُٹھا کر اپنے دل سے نام کا اور ننگ کا نقشہ

برہمن بت کو چھوڑ آ بندگی میرے صنم کی کر
اسے پوجے ہی کیا پتھر وہ اک سنگ کا نقشہ

بوسہ کی طلب میں مجھے بھاتی ہے وہی آن
غصہ سے خفا ہو کے تری تیوری چڑھانی

کاکل تری پیچھے ہی پڑی رہتی ہے پیارے
ہوتی ہے بری کالی بلا پیچھے لگانی

سُن حال وہ سید لگا کہنے غضب سے
آتی ہیں بہت اُسکے تئیں باتیں بنانی

دل اُلجھا تھا مرا شب زلف بولی وہ بل کھا کر
ملیں یوں کالی بلا آشنا ہے لے سایہ سے ڈر میرے

اُلجھ گیا دل وہ کس کس ادا سے
ستم سے کرم سے جفا سے وفا سے

تری زلف کس کس سے کیجے مشابہ
شب ہجر سے دام سے اژدہا سے

مرے بر میں زنار وہ دیکھ بولا
برہمن یہ آیا ہے شاید گیا سے

ترے غم میں دن رات مرتا ہے سید
لگا کہنے وہ مرنے دو میری بلا سے

بل ترے منہ پہ زلف کھاتی ہے
ہم کو اپنا یہ بل دکھاتی ہے

مدہوش چمن میں ہوئی نرگس جو کھڑی ہے
شاید کسی متوالے سے آنکھ اسکی لڑی ہے

[illegible]

سید

سید۔ میر علی تقی برادر خورد میر ابو القاسم محب دہلوی میر نظام الدین ممنون کے شاگرد اور برادر زادہ۔ علم ضروری سے ماہر۔ فن سخن میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اور زبان میں غضب کا چلبلا پن تھا۔ ایام غدر ۱۲۷۳ھ میں گوروں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ کلام یہ ہے

قربان ہے سادگی کے لگا کہنے غیر سے
کیا جانے آج کیا تھا کہ سید خفا ہوا

کھلے بالوں شاید کوئی خوبرو ہے | صبا کی لپٹ میں جو پھولوں کی بو ہے
نہ چاہوں بھلا کیونکہ ایسے کو سید | ہر اک بات میں جسکے شوخی کی بو ہے
عجب انداز ہیں کچھ ان نوں میں کچیلے ہو | غضب دلکشا واہ دشمنوں کے سوگواری کی

سید — **سید**۔ مولوی محمد بخش۔ آپکا کلام ایک قدیم بیاض میں نظر سے گزرا۔ اشعار سے پایا جاتا ہے کہ مزاج میں شوخی اور مذاق فحش کے درجہ تک پہنچ گیا تھا۔ چند شعر بطور نمونہ درج ہیں۔

قطعہ

شاہ صاحب ہم وفا باز ہیں ہم فریبی نہیں | دیکھکر چال جدا اور جھولی آپ کی
ہم فریب ذات والا سے بہت آگاہ ہیں | کیا ہوا اوڑھا اگر صورت بھولی بھالی آپکی
کام کرتے تھے جو کچھ ہمارے سو کر گئے | بھنگ چھانی رات دن افیون کی گولی آپکی
خاص آزادوں کے ہم حلقہ میں داخل ہو گئے | سن لی ہیں ساری باتیں اور بولی آپکی
پھر کرم فرمایا یہاں اے شیخ جی مست ہو چکے | کل نصیحت سخت اس محفل میں پی لی آپکی

سید — **سید**۔ منشی سید احمد دہلوی مرحوم۔ مولف فرہنگ آصفیہ۔ انکے والد سید عبد الرحمن مقام عرب سرائے نواح دہلی کے باشندے اور جد اعلیٰ حسب طلب شاہان مغلیہ عرب سے آکر دہلی میں آباد ہوگئے تھے۔ نثر گو ہر صاحب قلم تھے۔ نظم کیطرف توجہ کم۔ ابتدا میں چند غزلیں تحریر فرمائی تھیں وہ حافظ قطب الدین مشیر مرحوم خلیفہ شاہ نصیر کی نظر سے گذریں۔ اکثر قصائد و قطعات حضرت ذکی مرحوم شاگرد میرزا غالب کو بنظر اصلاح دکھائے۔ ۱۸۵۴ء میں آپنے اخبار النسا نکالا جس سے مخدرات میں تعلیم کا شوق پیدا کیا یہ پرچہ دو برس تک دلی میں جاری رہا پھر فنڈ جاکر اسکی اشاعت کا انتظام ہو سکا عرصہ تک سررشتہ تعلیم کے دفتر لاہور میں ملازم رہے پھر سالہا سال دہلی اور شملہ کے مدارس میں مدرس فارسی رہے۔ ڈاکٹر فیلن صاحب موصوف کو اردو انگریزی ڈکشنری کی تحقیق الفاظ و معانی کے لئے متعلق تین سال تک پٹنہ میں مدد دیتے رہے۔ سررشتہ تعلیم کی ملازمت کے بعد دولت آصفیہ سے پچاس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوگیا۔ جو آخر عمر میں اضافت یعنی سو روپیہ ماہوار ہوگیا۔ علاوہ ازیں لڑکے کی تعلیم کیلئے پچاس روپیہ ماہوار کا وظیفہ الگ سرکار نظام سے مقرر ہے۔ مشاہیر امرائے دکن مثل نواب

سر آسمان جاہ نواب محسن الملک ۔ نواب سید حسین بلگرامی اور آپکے بھائی سید علی بلگرامی آپکے بڑے قدردان تھے ۔ اور انہیں کی وجہ سے حیدر آباد میں انکا خاصہ رسوخ ہوگیا تھا جب کبھی جاتے علاوہ امداد لغت ہزار بارہ سو روپیہ سفر خرچ کے نام سے علیحدہ ملجاتا تھا۔

کامل ۴۳ برس کی شبانہ روز محنت سے لغات زبان اُردو کی ایک ضخیم کتاب تیار کی ۱۸۶۶ء میں یہ کام شروع کر کے ۱۸۹۵ء میں اسکو انجام پر پہنچایا ۱۹۰۹ء میں اسکی اشاعت ہوئی ۔ یہ لغت فرہنگ آصفیہ کے نام سے شائع ہوئی جسکے صلہ میں سرکار نظام سے بطور انعام پانچہزار روپیہ ملا اور چار سو جلدوں کی خریداری منظور کیگئی ۔ مختلف اوقات میں بیس ہزار روپیہ اسکی چھپائی کیلئے مرحمت ہوئے ۔ فرہنگ آصفیہ سے پیشتر اُردو زبان میں کوئی جامع لغات نہ تھی ۔ ملک نے اسکو ہاتھوں ہاتھ لیا علم دوستوں نے اس کو سر آنکھوں پر جگہ دی ۔ ابھی اس کتاب کی تمام جلدیں مرتب ہونے پائی تھیں کہ اہل لکھنؤ نے اسکی ناموری اور شہرت کے مقابلہ میں امیر اللغات کو پیش کیا جسکا نتیجہ نکلا کہ دہلی اور لکھنؤ کے اخبارات میں دو تین سال تک بحث و مباحث کا سلسلہ جاری رہا ۔ تلامذہ امیر نے اس موقعہ پر حق شاگردی ادا کیا اور فرہنگ آصفیہ کے خلاف لمبے چوڑے مضامین نکالے ۔ مگر سید صاحب کے جانبداروں نے جوابات دینے میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی ۔ دہلی لکھنؤ کی رقابت نئے سر سے گویا نمودار ہوئی تھی ۔ اسی سلسلہ میں فصیح الملک میرزا داغ کی شاعری پر بھی حملے کئے گئے تھے اور حضرت امیر مینائی کو بہترین غزل گو ثابت کرنیکے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا گیا تھا ۔ سید صاحب کی لغت پر اس مخالفت کا ذرا بھی اثر نہ ہوا آخر کار امیر اللغات غیر مکمل رہ گئی اور بقیہ حصہ شایع ہونیکی نوبت نہ آئی ۔ اور فرہنگ آصفیہ کی جلدیں تیار ہو کر تمام اُردو کتبخانوں میں پہنچ گئیں ۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ۱۹۲۲ء میں خانگی آتش زدگی کے باعث معہ دیگر اسباب فرہنگ آصفیہ کے حصے بھی جل کر خاکستر ہوگئے ۔ دوبارہ چھپوانے کا انتظام کیا جارہا تھا کہ تھوڑے دنوں کے بعد سید صاحب کا انتقال ہوگیا

مرحوم نے لغات کے علاوہ رسوم دہلی ۔ مناظرۂ تقدیر و تدبیر ۔ علم طبعیات ۔ ہادی النسا وغیرہ کئی کتابیں تصنیف و تالیف کی تھیں ۔ دیوان سر رام صاحب وزیر الور کی تحریک سے مہاراجہ منگل سنگھ

والئی الور کا سفر نامہ پنجاب مرتب کیا اور انعام پایا۔ آپ کی نثر اخباری اُردو سے بالکل الگ تھلگ ہوتی اور اسمیں بے تکلفانہ محاورات۔ برجستگی۔ روانی۔ آمد تھی۔ اُردو زبان کے مستند ادیب تھے اور تحقیق کا پایہ بلند تھا۔ سید صاحب کے مزاج میں ثابت قدمی اور استقلال غضب کا تھا سخت سے سخت تکلیف اور مصیبت کے زمانہ میں بھی اُنکے عزم اور ارادوں میں کمزوری پیدا نہیں ہوتی تھی وضع کے بڑے سچے تھے۔ لغت کی تیاری اور تکمیل کو اپنی زندگی کا پہلا اور آخری کام بنا رکھا تھا۔ اور ہر وقت اسی میں منہمک رہتے تھے۔ اُردو زبان کے محسن اور فدائی حضرات کے زمرہ میں انکا نام عزت سے لئے جانیکا مستحق ہے راقم تذکرہ کے عم نامدار رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب نے پہلے پہل انہیں تربیتہ تعلیم میں ملازم کرایا تھا۔ شرافت اور پاس وضع اسے کہتے ہیں کہ سالہا سال گذر جانے پر بھی ہمیشہ انہیں اپنا مربی و محسن سمجھتے رہے۔ والد مرحوم رائے بہادر لالہ مدن گوپال ہر سال تین چار ماہ شملہ میں گذارتے تھے۔ یہ روزانہ حاضر باش رہتے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ لطائف ظرائف سے اُن کی طبیعت کو محظوظ رکھا کرتے تھے۔ راقم تذکرہ نے ۱۸۹۳ء کے قریب جب تذکرہ لکھنا شروع کیا تھا اُسوقت نہایت شفقت سے ہر طرح کی امداد کرتے اور دل بڑہاتے رہے چنانچہ جب مسودہ لیکر میں مولانا حالی کی خدمت میں پانی پت حاضر ہوا تب آپ بھی میرے ساتھ گئے۔ کلام یہ ہے ؎

رگ رگ میں دوڑ جاتا ہے جلوہ خدائی کا
اُس بت کے سامنے ہے فرا جبہ سائی کا

یارب دعا ہے اپنی کہ صدقہ خدائی کا
دشمن کو بھی نصیب نہ ہو دن جُدائی کا

کیا کیا مجھ پہ وار کیا کہنا
واہ رے میرے یار کیا کہنا

سر بھی کٹ کر گرا تو قدموں پر
دل چلے ہوشیار کیا کہنا

قاصد بنا رقیب وہاں جا کے کیا ہُوا
اپنا جو حال تھا وہی اُسکا سُنا ہُوا

خود ہی تصویر ہو چھپاتے ہو اُسیر تصویر
دیکھئے کسکو مٹاتی ہے بن آئی تصویر

خود تیر نگہ سے لڑتے ہیں اور نام ہمارا کرتی ہیں
ان نیچی نیچی نظروں سے وہ کام ہمارا کرتی ہیں

کیا ناز و ادا کا ماتم ہے بے خوف اُچھلتے پھرتے ہیں
لو ننگے ننگے پیروں سے وہ لاش کہندلتے پھرتی ہیں

پڑی ہے کیا ضد کو اٹھو لو گیا وہ سید جان سے لو
ذرا تو چل کے شریک ہو لو سب ہی لاش اٹھا چکے ہیں

قاصد خوش خوش اگر آیا تو عید ہے
ورنہ ہماری عید محرم سے کم نہیں

حور و پری ہو یا کہ مہ و آفتاب ہو
جو کچھ کہ ہو سو ہو غرض اپنی حساب ہو

وقت وضو جو دھوتا ہے ہاتھوں کو بار بار
زاہد خدا کے پیچھے پڑا ہاتھ دھو کے تو

غنیمت جان لو صحبت کو اس کی
خدا جانے یہ سید پھر کہاں ہو

رہو گے دل میں آنکھوں سے نہاں گو
بھلا بچ کے رہو جاؤ گے کہاں ہو

کیوں خاک میں ملاتے ہو آلودہ تن کیا تھا
کچھ تو لحاظ چاہئے اس جلے کفن کے ساتھ

کھلتی نہیں کلی مرے دل کی بندھی ہوئی
دل تنگیوں میں ہے کسی غنچہ دہن کے ساتھ

بچے گا کیونکہ یہ دل الم سے گھڑی میں بیکل گھڑی ہی میں چپ ہو
لگی کسی سے تو بھلا صنم سے گھڑی میں بیکل گھڑی ہی میں چپ ہے

نہ کی ہوا بات تک عاشق سے جس نے عمر بھر سیدھی
عبث ہے اس سے یہ کہنا کہ رکھئے مجھ پہ نظر سیدھی

نہ جو ہو کا خواب عدم سے تو کہتے ہیں ہم
یہ کس کے پاؤں کی آئی صدا سنو تو سہی

چلو بس حضرت عیسیٰ کہ اپنا کام کرو
مریض عشق کو ہوگی شفا سنو تو سہی

جب دو دم ہوئے مری چشم تر آب سے
لاکھوں برس گذر گئے اپنے حساب سے

جی بھی اٹھو کہ یار آتا ہے
دم یہ خاصہ دیا مسیحا نے

مجنون قائل ہیں جذبہ دل کے
پردے الٹے صبا نے محمل کے

رنگ لائی ہے ساری مظلومی
ہاتھ باندھے حنا نے قاتل کے

سید — سعادت سخنور معجز بیان و شاعر شیرین زبان منشی سید اکبر مرزا خلف معین الدولہ نواب ناظر حسین مرزا ابن نواب حسام الدین حیدر خاں نامی قرابت دار شاہان اودھ۔ آپ میر مہدی حسن مجروح سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ میرزا قربان علی بیگ سالک کے بھی شاگرد ہے۔ مولانا حالی سے بھی نسبت تلمذ حاصل تھا۔ نہایت معزز اور ممتاز خاندان کی یادگار تھے۔ برہان الملک میر محمد امین نیشاپوری انکے اجداد پدری میں سے تھے۔ اور اجداد مادری میں بختی الملک نواب میرزا اشرف خاں

بہادر کا نام روشن ہے۔ دہلی، لکھنؤ، فیض آباد ہمیشہ اس خاندان کا مولد و مسکن رہا ہے۔ غدر سے پیشتر دلّی میں انکے وسیع مکانات تھے اور یہ لوگ محلہ بلیماران کی جس حویلی میں رہتے تھے اسکا رقبہ ایک چھوٹے گاؤں کی برابر تھا۔ اب تک حویلی انکے دادا حسام الدین حیدر کے نام سے مشہور ہے مگر اب وہاں انقلاب گذشتہ عظمت کی تاریخ یاد دلا رہا ہے۔ پنجابی سوداگر صاحبان نے ایک نئی سی بستی بسا رکھی ہے۔

جس طرح آپ ایک نامی گرامی خاندان کے افراد سے تھے۔ ایسے ہی خلق و انکسار میں انتخاب روزگار تھے۔ آپ کی گفتگو نہایت سلیس و شستہ ہوتی۔ باوجود پیرانہ سالی کبھی کبھی شوخی اور بذلہ سنجی کی جھلک بھی کلام میں نمایاں ہو جاتی۔ مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے۔ اور اس قحط الرجال کے زمانہ میں آپکا دم غنیمت تھا۔ آپکے خاندان میں کئی پشت سے شاعری کا فن چلا آتا ہے آپکے پردادا نواب سراج الدولہ غیاث الدین محمد خاں قیامت تخلص کرتے تھے اور فارسی میں شعر کہتے۔ آپکے دادا نواب مبارز الدولہ سید حسام الدین خاں نامی میر تقی میر کے شاگرد تھے اور انکے دادا کے بھائی سید محمد خاں رند جو تھے خواجہ آتش لکھنوی سے تلمذ رکھتے تھے۔ ذوق سلیم رکھنے والے خوب سمجھتے ہیں کہ شعرائے لکھنؤ کے برعکس۔ رند کے کلام میں جو سادگی۔ سوز و گداز۔ درد ہے وہ اس خاندان کے فیض صحبت کا اثر ہے۔ آپکے والد گو شاعر نہ تھے مگر سخن فہمی میں مشہور تھے اور میرزا غالب کی صحبت میں عالم طفلی سے پیرانہ سالی تک بسر کی اور میرزا کا فارسی کلام خود اُنسے پڑھکر مرتب کیا۔ سید اکبر میرزا صاحب کی سلاست۔ سادہ بیانی خداداد تھی۔ کلام میں تکلف تصنع بھی نہیں کیا تھا۔ سیدھا سادہ روزمرہ لکھتے فصیح محاورات باندھتے۔ جو کچھ کہتے خوب کہتے۔ ہنگام ترتیب تذکرہ میں انتقال کیا۔ ۷۰ برس سے زائد عمر پائی۔ مشتاق۔ شاداں۔ مضطر۔ راسخ۔ ارشد کے ہمعصر تھے۔ نواب سجاد میرزا سجاد جن کا ذکر پہلے آچکا ہے آپکے بڑے بھائی تھے۔

درد و سوز جو شاعری کی جان ہیں کلام میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے

ہمارے دل کو ناصح آپنے اپنا سا دل جانا	نہ گھائل تیر مژگاں کا نہ قیدی زلف پیچاں کا

زمیں تیری زماں تیرا مکیں تیرے مکاں تیرا
عجب ناداں ہیں وہ جنکو نہیں ملتا نشاں تیرا

عیاں ہر شے سے ہے قدرت نہیں جلوہ کہاں تیرا
ترا مداح ہے عالم ثنا خواں ہی جہاں تیرا

تعشق سے کہیں بڑھ کر ہے تیرے عشق کا درجہ
یہاں تک محو ہوں اپنے پہ ہوتا ہے گماں تیرا

نہ سیرت سے تری واقف نہ صورت آشنا کوئی
تماشا ہے کہ دم بھرتا ہے ہر پیر و جواں تیرا

جدائی شاق تھی دم بھر وہ دن بھی یاد ہیں تجکو
نگہباں میرا تو رہتا تھا میں تھا رازداں تیرا

خبر ہے تجکو اے یوسف کہ مہجوروں پہ کیا گذری
گیا کنعاں سے سوئے مصر جس دم کارواں تیرا

کیا عجب ہے جو ہماری شب تار ہجراں
صبح محشر کو بھی دیکھے نہ سحر کی صورت

مفت احسان جتانے کو ادھر آن ملے
اب بگڑتے ہوئے دیکھی جو ادھر کی صورت

جسے صحت کبھی ہو جائے وہ آزار نہیں
موت سے پہلے جو اچھا ہو وہ بیمار نہیں

اس وفا پیشہ پہ عاشق ہوں کہ جسکی نزدیک
جو گنہگار ہے وہ بھی تو گنہگار نہیں

یہ محبت یہ لگاوٹ بھی کہیں دیکھی ہے
دوست تو دوست وہ دشمن سے بھی بیزار نہیں

وصل عشاق کے نزدیک ہے گو خواب و خیال
ہمکو مشکل ہے مگر آپ کو دشوار نہیں

ہے کوئی صید جو عالم میں بچا ہو تم سے
تیر ترکش میں نہیں ہاتھ میں تلوار نہیں

سادہ لوحوں کے دلوں کی ہے کمند تسخیر
شیخ صاحب کے سر پاک پہ دستار نہیں

سید ان شعروں میں کیا لطف ملیگا اُن کو
جن کا دل راز حقیقت سے خبردار نہیں

الفت کا یہ مزا ہے کہ رسوائے خلق ہو
وہ راز یہ نہیں جو کسی پر عیاں نہ ہو

یارب جہاں میں مجھسا کوئی بے زباں نہ ہو
اپنی مصیبت آپ ہی جس سے بیاں نہ ہو

کیا تیرے ہاتھ آئیگا اے برق شعلہ ریز
گلشن میں اک غریب کا گر آشیاں نہ ہو

میں نے کہا سنو تو سنائیں کچھ حال دل
ہنسکر عجب ادا سے کہا داستاں نہ ہو

واعظ تمہیں کہو کہ رہا کیا بہشت میں
گر واں قصور و حور و مے ارغواں نہ ہو

معمور گر نہ ہو یہ بت و بت پرست سے
ہندوستاں کا نام ہی جنت نشاں نہ ہو

اُس دل پہ حیف عشق کا جسمیں نشاں نہ ہو
اُس زندگی پہ خاک جو صرفِ فغاں نہ ہو

تمکو نہ انفعال ہو اس واسطے فقط
میں خود یہ چاہتا ہوں مرا امتحاں نہ ہو

آمد میں جو مزا ہے وہ آورد میں نہیں
پھر شعر ہی نہیں ہے جو لطفِ زباں نہ ہو

وہ خشتِ خم پہ منہ ملنا وہ پائے خم پہ سر رکھنا
ہمیں یاد آتی ہے وہ عزت و توقیر میخانہ

جناب شیخ صاحب کیا مزے کی بات ہے سنئے
کہ اک خشتِ نمک سے ہو گئی تطہیر میخانہ

بگڑ کر جب مجھسے کہتے ہیں تمہاری سب وفاداری
دکھا دیں شہر میں ہمسا جو کوئی دوسرا نکلے

میری تربت پہ وہ دو پھول چڑھانے آئے
بعد مرنیکے نکالی گئی حسرت میری

ہم نے آج ایک عجب آفتِ جاں دیکھا ہے
اتنا کہنا تھا کہ بس آ گئی شامت میری

کوئی چیز یاں دل سے ارزاں نہیں ہے
مگر اسپہ بھی کوئی خواہاں نہیں ہے

دمِ سرد بھر کر کوئی رو رہا ہے
یہ ٹھنڈی ہوا اور یاراں نہیں ہے

بجز مہرِ تاباں و ماہِ درخشاں
چراغِ مزارِ غریباں نہیں ہے

بنے بت پرست آکے ہندوستاں میں
کوئی ہم سے سید مسلماں نہیں ہے

قطعہ

کہا میں نے کسی پہ جو کوئی مرے
اُسے چاہئے اُسپہ جفا نکرے

کہا چھیڑ سے ہمکو تو جب ہو یقیں
جو کسی پہ مرے وہ حیا نکرے

بھلا سید خستہ کی توبہ ہے کیا
جو خدا اُسے دے تو وہ کیا نکرے

کہا میں نے نہیں میں کسی پہ فدا
کس ادا سے وہ بولے خدا نکرے

مری ساری کہانی کو سنکے کہا
کوئی ایسوں کی بات سنا نکرے

مجھے غیر کے آگے سنانے لگے
کوئی تم سے بھی حال کہا نکرے

سید

سید ۔ سید حسن صاحب متوطن قصبہ ہتھورہ ۔ شاگرد حضرت ظہیر دہلوی ۔ خوشگو طبیعت دار تیز فکر ہیں ۔ ریاست بھوپال میں متصدی مال ہیں ۔ انداز بیان بہت پیارا ہے ۔ ذہن میں جودت خیالات میں جولانی ہے ۔ بھوپال کے مشاعروں میں جو ئی کی غزلیں پڑھی ہیں جہاں کے شعرا

میں نامور ہیں۔ زبان صاف اور شستہ۔ بندشیں سیدھی سادی۔ معاملہ بندی کیطرف میلان ہے استاد ظہیر نے انکی کئی غزلیں خود اپنے کلام کے ہمراہ مولف تذکرہ کو ارسال کی تھیں جس سے انکی خاص توجہ ظاہر ہے۔ نتیجۂ فکر یہ ہے ؎

انہیں غرض جو کوئی شب کو بیقرار رہا
بلا سے انکی کسی کو جو انتظار رہا

وہ تم کہ کرتے رہے وعدے عمر بھر جھوٹے
وہ ہم کہ پھر بھی ہمیں تم پر اعتبار رہا

ہوش آنے نہیں دیتا کسی میخوار کے پاس
گشت میں ہے ترا ہی سید عسکری جام شراب

جو دن کو رونا دھونا ہے تو شب کو لب پہ نالے ہیں
فلک کس دن کے بدلے تو نے گن گن کے نکالے ہیں

یہاں کیا ہم تو محشر میں خدا کے آگے کہہ دینگے
تمہارے چاہنے والے ہیں تم پر مرنے والے ہیں

یہاں کی خاک چھانی ہے ملی ہے جب جگہ ایسی
ترے کوچہ میں آ بیٹھے ہیں اب کیا اٹھنے والے ہیں

تمہارے جنبشِ لب نے یہ اچھی کی مسیحائی
ہزاروں مر گئے تم پر ہزاروں مرنے والے ہیں

جنابِ شیخ نے رندوں میں آکر قہر ڈھایا ہے
انہیں تو ہم یہ سمجھے تھے بڑے ہی بھولے بھالے ہیں

کیا ہی عیار حسینانِ جہاں ہوتے ہیں
دل کا دل لیتے ہیں پھر دشمنِ جاں ہوتے ہیں

پوچھتا پھرتا ہوں محشر میں یہ ہر ایک سے میں
فیصلے مجرمِ الفت کے کہاں ہوتے ہیں

شکوۂ جور یہ دیتے ہیں مگر کر یہ جواب
ہاں ستم ہوتے ہیں فرمایئے! ہاں ہوتے ہیں

باتوں باتوں میں ستم مجھ پہ کئے جاتے ہیں
چٹکیاں دل میں وہ رہ رہ کے لئے جاتے ہیں

یاد ہے عمر کی یا دل ہے کسی بیکس کا
آپ کیا گوشۂ دامن میں لئے جاتے ہیں

تم بھی کیا یاد کرو گے کہ ملا تھا کوئی
دل یہی شے ہے لو تمہیں ہم مفت دئے جاتے ہیں

ڈر ہے مجھکو کہ جگر چاک نہ ہو جائے کہیں
بخیہ گر کیوں مرے دامن کو سئے جاتے ہیں

ضبط کس طرح کرے شکوۂ اغیار کوئی
زہر کے گھونٹ کسی سے بھی پئے جاتے ہیں

روز چھپ چھپ کے سرِ شام کہاں جاتے ہو
روز کیوں چاک گریباں کے سئے جاتے ہیں

ہوش آنا دمِ نظارہ نہیں ہے کہ کہوں
دوڑنا کوئی مرا دل وہ لئے جاتے ہیں

قتل کرکے مجھے اس طرح چلے مقتل سے
کوئی جانے کہ بڑا کام کئے جاتے ہیں

نامہ بر کہتا ہے کیا لاکے دکھاؤں ہیں جو آپ
خط تو چولھے میں وہاں جھونک دئے جاتے ہیں

ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ اُٹھنا دشوار
اور ہمت سے یہ اپنی کہ جئے جاتے ہیں

کوئے قاتل میں ذرا سوچ کے جانا سید
روز دو چار وہاں قتل کئے جاتے ہیں

دل کشی بولتی ہے شوخیٔ تحریر کیساتھ
کھینچنے والے کی ادا کھنچ گئی تصویر کیساتھ

خلشِ زخم کا ہو جائے ہمیشہ کو علاج
چارہ گر کھینچ لے تو سینہ سے دل تیر کیساتھ

تم یہ کیا حصر ہی کس کس کا گلہ تم سے کروں
پھر گیا مجھ سے زمانہ مری تقدیر کیساتھ

سید ۔ حسین میاں صاحب منگرول بندر کاٹھیاوار کے رئیس ہیں۔ مدتوں نواب شیخ حسین میاں صاحب کے مصاحب رہے ہیں۔ اُسی زمانہ میں جلال۔ داغ تسلیم کو دیکھا ہے اور حضرت تنشا لکھنوی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ علم عروض و قوافی میں دستگاہ ہے تاریخ گوئی میں دسترس۔ دو مکمل دیوان تیار ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں۔ آپکا بیان ہے کہ نواب محمد رسول خاں صاحب جوناگڑہ کی سرکار میں ایک مثنوی بطور نذر پیش کی تھی۔ اسکے صلہ میں "فصیح الشعرا" خطاب پایا۔ اور وہاں ملازم ہوگئے۔ آج کل پھر ریاست منگرول میں شاعری اور میر منشی کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ مضمون آفرینی کیطرف مائل ہیں مگر زبان کی شستگی اور صفائی کو زیر نگاہ رکھتے ہیں چھ سات برس ہوئے اپنا کلام انتخاب کرکے بھیجا تھا اُسکا انتخاب یہ ہے

ابھی معمور ہوجائے زمانہ یاس و حسرت سے
لٹا دو دل ہیں اگر اسباب اپنی بینوائی کا

زمین گور بھی آغوش میں اپنے نہیں رکھتی
خدا حافظ ہے اپنے کشتۂ بے آشنائی کا

کہاں ہیں اور اسکی درگہ عالی کہاں سید
قلق تا شام و سحر ناحق ہے اپنی نارسائی کا

عاشق سے چھپ سکا کب پردہ میں راز تیرا
آوازِ لن ترانی دیتا ہے ساز تیرا

کافی ہے اسکی رحمت ہم رند مشربوں کو
زاہد تجھے مبارک روزہ نماز تیرا

گھٹا چھائی ہے دل بہلا دے چلکے صحن گلشن میں
پھر موسم خوب ہے دیکھو تماشہ برق باراں کا

اشارہ فصل گل کا ہے گریباں چاک کر ڈالو
تقاضا جوش وحشت کا ہے رستہ لو بیاباں کا

یہ رہزن دل جاتے ہیں جو راہ سے چھپکر
انداز دل دیتے ہیں نقش کف پا کا
بہار چھوڑ کے آئی جو کاکل مشکیں
لپٹ گئے سنبل گلزار نے بلائیں لیں

برنگ باغ شگفتہ ہے اذنوں منگر دل
خوشی میں گاتی ہے بلبل چمن چمن بنڈ دل

یہ کس نے منہ سے نام بوسہ ابرو نکالا ہے
بگڑنے پر تلے بیٹھے ہو خنجر کیوں نکالا ہے

مری جان حاضر یہ دل ہی جگر ہے
تمہیں کون سی چیز مد نظر ہے
مجھے پھر ان آنکھوں کا جلوہ دکھادو
نگاہوں میں جادو کا جن کی اثر ہے

یہ گرہ کیسی ہے آنچل میں یہ باندھا کیا ہے
دل ہمارا جو نہیں ہے تو پھر اچھا کیا ہے

غضب انکی تیغ نگہ ڈھا گئی
جگر پر پڑی دل کو تڑپا گئی
شباب آتے ہی حسن دونا ہوا
ادا آگئی ناز کی آگئی
مرے دل کو شوخی سے مل کر کہا
یہ کیسی کلی تھی جو مرجھا گئی

خدا نواب سورٹھ کو رکھے آباد اے سید
اڑا دی جس نے سب کی ٹھنڈ جوعوں سے دوشالوں

سید — میر سید احمد دہلوی۔ آپنے ایف اے تک تعلیم پائی ہے۔ اُردو۔ فارسی کی قابلیت اچھی ہے۔ نظم و نثر میں مشاق ہیں۔ ملا واحدی صاحب اڈیٹر خطیب دہلی کے برادر نسبتی ہیں ایک آزادہ روصوفی منش آدمی ہیں۔ ۴۰۔۴۵ سال کے قریب عمر ہے آپکے بزرگ عرصہ دراز سے ریاست جے پور میں رہتے ہیں۔ یہ خود آجکل پولیس اجمیر میں انسپکٹر ہیں۔ فن شاعری میں حضرت قتیل پھرسری کے شاگرد ہیں۔ کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے ؎

پھر عشاق جہاں ہیں سبق آموزی کو
میں رہوں یا نہ رہوں پر مری رُوداد رہے

اور تو دل میں نہیں کچھ دم آخر لیکن
اک تری یاد رہے اللہ کرے یاد رہے

وعدہ وصل کیا تو ہے مری جاں تم نے
پر ذرا یاد رہے یاد رہے!! یاد رہے!!!

دام الفت میں کچھ اس طرح پھنساؤں اسکو
ہاتھ ملتا ہی ستم ایجاد رہے

شاعری شغل تو اچھا ہے جناب سید	فکر دنیا سے اگر آدمی آزاد رہے

سید

سید۔ منشی سید علی خلف مولا بخش صاحب سندیلوی۔ سید نذیر حسن صاحب فتنہ کے شاگرد ہیں۔ نومشق شاعر ہیں طبع میں زور۔ ذہن میں رسائی ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

ہوا یہ حال اپنا سوز غم سے ہجر دلبر میں	ادھر کروٹ بدلی آگ لگ جاتی ہے بستر میں
بوسہ عارض گل سامنے گلچیں کے نہ لے	کہہ دو گستاخ بہت بلبل ناشاد نہ ہو
ملی جب قتل گہ میں آ کے حلق نیم بسمل سے	تو یا مشکل کشا نکلا زبان تیغ قاتل سے
الٰہی اس نے بھی سیکھا ہے کیا انداز معشوقی	کہ اُس کا تیر دل میں آ کے غائب ہو گیا دل سے
عجب انداز سے قاتل نے کی آرائش مقتل	کہ ارماں کیطرح لپٹا ہوا بسمل تھا بسمل سے
کمال شاعری سے کیوں نہ ہوں میں بہرہ ور سید	کہ سیکھا ہے یہ فن میں نے بڑے استاد کامل سے

سیر

سیر۔ میر عباس عرف چھوٹے میرزا شاگرد آغا حسین میرزا صاحب عشق۔ خوش فکر صاحب استعداد شاعر تھے تشبیہات کے شیفتہ۔ استعارات کے فریفتہ۔ معنی سنج ناسخ کے انداز میں بہترین کہنے والے تھے۔ کلام بلاغت نظام یہ ہے ؎

شعر جو ہے وہ سراپا وصف میں تحریر ہے	ہر غزل دیوان میں میرے تری تصویر ہے
سیر گلشن کیلئے اب اُٹھ کے جا سکتے نہیں	جادۂ صحرا ہمارے پاؤں کی زنجیر ہے
چوم لیتا گر میں پاتا دست نقاش ازل	صفحۂ عالم پہ کس رنگ کی تصویر ہے
ہے تقاضائے محبت کوچۂ جاناں میں چل	پاؤں اُٹھ سکتے نہیں یہ ضعف دامنگیر ہے
دل مرا کیا کیا اٹھاتا ہے فریب ہنگام ذبح	سوئے قاتل آنکھ ہے اور حلق پر شمشیر ہے
اہل دولت کی ثنا سے اسکو کچھ مطلب نہیں	سیر مداح جناب حضرت شبیر ہے
نرگسی آنکھیں کنول رخ غنچہ دہن شمشاد قد	باغ ہے یا اُس بہار حسن کی تصویر ہے
اپنا طریق عشق بھی سب سے عجیب ہے	سایہ پہ اُس پری کے گمان رقیب ہے
ممکن نہیں وہاں کوئی زندہ پہنچ سکے	کہتے ہیں جس کو خلد وہ کوئے حبیب ہے

رہتا ہے اب حضور کی خلوت میں آئینہ
"سچ پوچھو" تو ہم سے وہی خوش نصیب ہے

پس فنا مری تربت پہ "فاتحہ نہ پڑھا"
ہزار حیف نہ اتنا بھی ہو سکا تم سے

جواب تلخ سنائے بگڑ بگڑ کے مجھے
جو بوسۂ لب شیریں طلب کیا تم سے

نہیں حسینوں میں بیرحم سنگدل ایسا
جسے نہ آئی ہو وہ سیکھ لے جفا تم سے

ذرا بتاؤ تو اے سیر ماجرا کیا ہے
کھنچے بیٹھے ہیں وہ کیوں خفا خفا تم سے

پھنکوا کے اپنے کوچہ سے اے جان آپ نے
مٹی خراب کی مرے مشت غبار کی

بعد فنا جو سیر ہوا خلد میں گذر
یاد آ گئی فضا چمن کوئے یار کی

کرے گا دعوئے الفت رقیب کیا تم سے
ہمیں نے عشق نباہا برا بھلا تم سے

سیر

سیر — منشی محمد حنیف صاحب۔ پوسٹ ماسٹر شاگرد حضرت داغ۔ حالات باوجود تلاش میسر نہ آئے ناچار چند اشعار کے انتخاب پر اکتفا کیا ہے

بے سبب مجھ سے خفا تھا ہی کیوں تو دل میں
کیا سمائی ہے ترے او بت بدخو دل میں

یاد آیا مجھے پہلو سے جو اٹھنا اس کا
درد اٹھ اٹھ کے بدلنے لگا پہلوؤں میں

مرض عشق جسے کہتے ہیں
بس یہی موت کی بیماری ہے

ابر چھایا ہی اڑاتے ہیں مزے
میکشوں پر کرم باری ہے

میری راحت کا یہ پہلو سوجھا
روز انہیں فکر دل آزاری ہے

سیف

سیف — میرزا محمد حسن مرحوم نبیرۂ محمد فاخر مکین دہلوی مقیم لکھنؤ۔ آپ کے والد میرزا علیجان بھی فارسی میں شعر کہتے تھے۔ آپ مدتوں لکھنؤ رہے۔ ناسخ و آتش کے معرکے دیکھے۔ ان کے مشاعروں میں بطور ہمعصر شریک رہے۔ شاعر فصیح اللسان۔ صاحب دیوان تھے۔ عروض سے آگاہ۔ معانی بیان سے باخبر تھے۔ لکھنؤ کے قیام میں بھی اپنی شاعری کو رعایت لفظی کی قید سے آزاد رکھا۔ خوبی بندش پر نظر رہی۔ صفائی زبان کا خیال تھا۔ مگر تحقیقات کے غلبہ سے کلام میں نمک اور مزہ نہ پیدا ہوا۔ یہ غدر سے پیشتر کا ذکر ہے۔ کلام ملاحظہ ہو

اسقدر سوزش ہوئی دل کو تپ فرقت سے آہ
اشک گرم اپنا زمیں پہ گر کے چھالا ہوگیا

وہ دن گئے ہے نہ وہ سن اور نہ وہ شباب رہا
دل خراب یہ اب تک مگر خراب رہا

کافر عشق ہیں اسلام سے کچھ کام نہیں
ہے زیادہ ہمیں تسبیح سے زنار پسند

قصد مے جب کیا ساقی نے مری جانب سے
بند شیشہ کا گلو ہوگیا اچھو ہو کر

جھڑکی ہے لاکھ بار تو گالی ہزار بار
بدلا ہے صاف یار کی گفتار کا طریق

پہلے ہیں لطف بعد بہت ہیں خرابیاں
یہ ابتدائے عشق ہے وہ انتہائے عشق

اے پائو وقت طاقت و امداد ہے یہی
بھاگیں ہم اس طرح کہ نہ پھر سکو پائے عشق

سیف

سیف ۔ نواب سید اکبر حسین خاں خلف نواب دولہا بہادر ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے ۱۳۱۰ھ میں وفات پائی ۔ دنیا کی رزمگاہ میں ۵۵ سال تک نبرد آزما رہے ۔ قدیم امیرزادوں کی طرح فنون سپہگری کے شایق تھے علم طب سے آگاہ تھے ۔ اس موضوع پر بہت سی کتابیں تالیف کیں مگر وہ حلیہ طبع سے آراستہ نہیں ہوئیں اپنے والد مرحوم نواب دولہا متخلص بہ تمنا سے فن شعر میں تلمذ تھا جو حضرت ناسخ لکھنوی کے شاگرد تھے ۔ آپ نواب معتمد الدولہ وزیر غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے نواسے تھے اور سرکار انگریزی سے ہزار روپیہ سے زیادہ انکو وظیفہ ملتا تھا ۔ وقت انتقال ورثا میں انکے بھائی نواب مظفر حسین خاں بھتیجے نواب ضیا حسین خاں اور انکی بیوی جو نواب معتمد الدولہ کی پوتی تھیں باقی رہے ۔ کانپور میں ابتک انکی فیاضی اور سیرچشمی کے افسانے مشہور ہیں ۔ مرض ضیق کی وجہ سے زیادہ عمر نہ پائی از حد کمزور ہو گئے تھے ۔ کلام یہ ہے

کیا لطف گرچہ جام مے تلخ پی لیا
ساقی علی سا ہو تو مزا ہے شراب کا

سر تا قدم ہوں داغ کروں کیا بیان داغ
سب مل کے ایک ہوگئے گویا نشان داغ

گذری باتوں کو یاد کرتے ہیں
دل غمگیں کو شاد کرتے ہیں

عنان توسن عمر رواں کو کس طرح روکوں
تری تلوار نے تسمہ نہ رکھا میری گردن میں

وصل جاناں کی دم مرگ ہوس باقی ہے
یہ عذاب اور ابھی چند نفس باقی ہے

وہ نازکی ہے اگر چاندنی میں تو لیٹے	تو تارِ چادرِ مہتاب ابھی کمر میں چبھے

سیف

سیف - مولوی عبدالحکیم خلف سید عبدالرحیم - آپ شاہجہانپور روہیلکھنڈ کے باشندے ہیں مولوی مدن صاحب مشہور مقدس و متبحر عالم کی اولاد میں ہیں جو نواب سعادت علیخاں اودھ کے اتالیق تھے اور جنکی تعریف میں سید انشاء اللہ خاں نے مزاقاً یہ فرمایا تھا ؎

ہزار شیخ نے ڈاڑھی بڑھائی سن کی سی	مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

حضرت سیف کی عربی استعداد معمولی فارسی بہت اچھی ہے - ۱۶ برس کے سن میں سخنور باکمال حکیم ضامن علی جلال کے شاگرد ہوئے - تکمیلِ فنِ سخن اور تحقیقِ زبان میں عمر کا بڑا حصہ صرف کیا - برسوں لکھنؤ میں رہے - اُستاد کی خدمت کرتے علمی - ادبی نکات کو نقشِ دل بناتے - چندہی روز میں بے مزہ تشبیہوں سے کنارہ کش خشک - بےنمک استعاروں سے دامنِ سخن کو بچانے لگے - بے تکی بلند پروازی حشو و زوائد سے کلام پاک ہوگیا - آپ رنگِ تغزل کو خوب پہچانتے ہیں ساری غزل پڑھ جایئے معشوق کی توہین کا پہلو کہیں نہیں نکلتا شعر میں رقیب روسیہ کا ذکر غیرتِ عشق کے خلاف جانتے ہیں جمہور شعرا ایسی احتیاط کو نہیں برتتے - آپکا قول ہے کہ "بازاری حسن فروش معشوقوں کے ذکر سے میرا کلام خالی ہے یہی اکثر انہیں باتوں کا ذکر کرتا ہوں جو مجھ پر گذر چکی ہیں ۲۵ مئی ۱۹۰۹ء کو جناب جلال مرحوم نے آپ کو اپنے ارشد تلامذہ اور افضل شاگردوں میں شمار کرنے کا اعلان کیا تھا اور سند مرحمت فرمائی تھی - واقعی آپ اکثر اشعار ایسے کہہ جاتے ہیں جنمیں محاورہ کی برجستگی - زبان کا لطف اور بساختہ پن ہوتا ہے - اور آپکے کلام دلفریب میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو شاعری کی جان ہیں - آپ کثیر التعداد تلامذہ کے اُستاد ہیں اور کلام طلب کئے جانے پر یہ حالات آپکے مشہور شاگرد حسن خاں نے راقم تذکرہ کو بھیجے ہیں انمیں یہ بھی درج ہے کہ جلال کے بہت سے شاگرد آپ کو اپنا کلام دکھاتے ہیں - سیف زبان کا جوہر ملاحظہ ہو ؎

اِدھر بالیں سے اُٹھکر وہ کسیکا اپنے گھر جانا	اُدھر بیمارِ غم کا کھینچ کر اک آہ مرجانا
دل مرا اُس رشکِ یوسف کیلئے دیوانہ تھا	دو جہاں جسکی خریداری کا اک بیعانہ تھا

عشق کا کعبہ سمجھتے تھے مرے دل کو حسیں
بت بھی جس پر لوٹ ہوتے تھے یہ وہ بت خانہ تھا

میرے ہوتے طور کو یوں تو نے پھونکا ہی غضب
تجکو لازم یہ ستم اے جلوۂ جاناں نہ تھا

ان کے آنچل کی ہوا نے یہ کیا طرفہ اثر
ناتوانِ عشق کو اب روز غش آنے لگا

ہائے پھر دل میں کسی کی یاد نے لیں چٹکیاں
پھر خیال آکر کسی کا مجکو تڑپانے لگا

کیا قیامت ہے کہ اک پردہ نشیں نے روزِ حشر
طالبِ دیدار سے پھر وعدۂ فردا کیا

کچھ تو دل میں سوچیے انصاف کچھ تو کیجیے
آپ نے مجھکو کہ میں نے آپ کو رسوا کیا

خوب تم نے اس دلِ بیتاب کو تسکین دی
خوب تم نے اس دلِ بیمار کو اچھا کیا

کیا اسے میری شبِ غم کی مصیبت کا خیال
دن چڑھے تک جو دلائی تانکر سویا کیا

ہم کو جلایا رات دن سوزِ جگر نے کیا کیا
اس سے لگی نہ بجھ سکی دیدۂ تر نے کیا کیا

شب کو جو سوئیں چین سے انکو ہوا کی کیا خبر
ہجر کے مبتلا کے ساتھ دردِ جگر نے کیا کیا

ہجر کی سختیاں تو کچھ میرے ہی دل سے پوچھیے
شامِ الم نے کیا کیا غم کی سحر نے کیا کیا

شمع لحد ہوئی جو گل بلبلوں کا ہوا ہجوم
سیف نیا یہ گل کھلا بادِ سحر نے کیا کیا

رنگ ہو کر پھوٹ نکلا رو کے گل سے اے نسیم
بلبلِ خونیں جگر کا گریۂ خونبار صبح

ہائے وہ کہنا کسی کا لو ہمیں رخصت کرو
کچھ نمایاں ہو چلے ہیں "سیف" اب آثارِ صبح

ابھی تو سادگی دیتی ہے جان انکے لڑکپن پر
خدا رکھے قیامت ہوں گے جب آئینگے جوبن پر

دکھائی خوب قاتل نے کرامت دست و بازو کی
چلی بے پاؤں کے تیغِ جفا بسمل کی گردن پر

کھلا کیوں ابرِ رحمت نے اٹھائی اسقدر زحمت
برسنے کیلئے کافی تھی حسرت میرے مدفن پر

میرے پہلو میں کہاں اب اے ستم ایجاد دل
ہو چکا تیری ہوائے وصل میں برباد دل

کیا ترا اس میں بگڑتا تھا بتا تو اے فلک
دو گھڑی کو شاد ہو جاتا جو اک ناشاد دل

اس بت کافر کو بھی دو دھر مجھے بھی نا پسند
کس کا اب ہو کر رہے یارب مرا ناشاد دل

تنگ ہو آیا تھا اسے سینہ بس ہٹاؤ اپنا ہاتھ
اب تسلی تم اگر دو گے تو مر جائینگے ہم

آ رہے ہیں میری تربت پہ وہ یہ کہتے ہوئے
کون ایسی ناز برداری کرے گا آپ کی
اُنکے سینہ تک جو پہونچا ہی ہمارا دستِ شوق
طُور پر چلنے کی تم نے اے کلیم اچھی کہی
دشمن کا حال غیر اگر ہے تو کیا کریں
لیلیٰ کے دم کے ساتھ ہے محمل کی قدر بھی
تم کو جو ناپسند ہے دل پھینک دو کہیں
تڑپانے سے بھلا کسی بیدل کے فائدہ
وہ کہتے ہیں ملینگے عدو سے تو ہم ضرور
بولے عدو سے دیکھ کے وہ میرا حالِ زار
کچھ حد ہے اضطراب کی آ دل بس اب ٹھہر
ڈھونا بند ہے گا سیفؔ ہماری وفا کا زنگ
روز یوں مر مر کے جینا خود ہی ڈوبھر تھا ہمیں
خواہ وہ مُنھ سے نہ بولیں خواہ وہ پوچھیں نہ بات
مل گیا جب دل تو اے پردہ نشیں کیسا حجاب
بس اب آنسو پونچھ ڈالو کوئی روتا ہے بھلا
کبھی دو پھول چڑھائے نہ گئے تربت پر
وہ مرے گھر کی بھی رونق لیگئے ہمراہِ دل
خنجرِ قاتل سے جب ہر دم کی ٹھہری چھیڑ چھاڑ
باغبانِ گلشنِ عالم سے ہے اتنا گلہ
داورِ محشر کو آخر در گذر کرنا پڑا

آج چل کر اپنے رُوٹھے کو منا لائینگے ہم
کیجیے گا یاد جب دنیا سے اُٹھ جائینگے ہم
حسرتیں کہتی ہیں اتنو پاؤں پھیلائینگے ہم
کچھ تم آئے دیکھکر کچھ جا کے دیکھ آئینگے ہم
کس کس کے واسطے ترے دشمن دعا کریں
جب تم ہو دل سے دور تو ہم دل کو کیا کریں
جو چیز دے کے چکے اُسے ہم لیکے کیا کریں
بس آپ دلدہی نہ ہماری کیا کریں
اب اس میں جلنے والے جلیں تو جلا کریں
یا اب کسی طبیب کی جا کر دوا کریں
کب تک وہ بیٹھے بیٹھے تسلی دیا کریں
دل کھو لکر وہ شوق سے مشقِ جفا کریں
تو نے کیوں او مُبتلا بِ جاں بخش سب کو سا ہمیں
روز دل کا حال جا کے اُن سے کہہ آنا ہمیں
اب بہت بے چین کرتا ہے تیرا پردا ہمیں
وقتِ رخصت جاتے ہے تمکو سمجھانا ہمیں
یہی الفت تھی تمہیں عاشقِ دلگیر کے ساتھ
اک اُداسی سے ہے در و دیوار پہ چھائی ہوئی
رو گئے پھر زخمِ دل کب تک ہنسی آئی ہوئی
مجھکو اک دل کی کلی دی وہ بھی مرجھائی ہوئی
کیا قیامت کر گئی وہ آنکھ شرمائی ہوئی

مجھ جلاتا ہے شام ہی سے دل مرا وعدے کی شب — آج اُداسی بے طرح ہے شمع پر چھائی ہوئی
درد بدلواتا ہے کروٹ اٹھکر جن بیمار دل کو — ایسے میں وہ کیونکر دنیا سے اُٹھ جائینگے

سیف

سیف۔ مولانا محمد احکم صاحب ساکن انبہٹہ ضلع سہارنپور۔ صدر مدرس عربی مدرسۂ اسلامیہ باڑہ ہندو راؤ دہلی۔ آپ عربی میں کامل استعداد رکھتے ہیں۔ عرصۂ دراز سے درس و تدریس میں مشغول ہیں عمر تخمیناً ۶۰ سال کی ہے۔ ۷۔۸ سال سے شاعری کا شوق ہے۔ حضرت فتنہ سندیلوی عربی میں آپکے شاگرد ہیں لیکن فن سخن میں آپ اُن سے اصلاح لیتے ہیں۔ دہلی میں فوارہ پر جو مشاعرہ ہوا تھا جسمیں یہ طرح تھی۔ ع۔ گری جو بوند ساغر سے بنی تصویر میخانہ۔ مولانا نے بھی اس میں طبع آزمائی فرمائی تھی۔ کلام یہ ہے ؎

لطف کیا آئے آشنائی کا — یہ زمانہ ہے بیوفائی کا
نزع میں روح نے کہا تن سے — وقت اب آگیا خدائی کا
رہ کے کعبہ میں بت ہوئے مغرور — کیوں نہ دعوے کریں خدائی کا
ہائے وہ آہ و نالہ و زاری — اُف وہ عالم شبِ جدائی کا
سیف بہتر ہے اس سے مر جاؤ — کیوں اُٹھاتے ہو غم جدائی کا

نظر بھر کر جمالِ دخترِ رز کو جب سے دیکھا ہے — مجسم بن گیا ہے شیخ بھی تصویر میخانہ
ہمیشہ وہ سرِ منبر ادب سے نام لیتے ہیں — حبابِ شیخ کے دل میں بھی ہے توقیر میخانہ
جہاں پر پاؤں رکھا تھا وہاں سر رکھدیا احکم — کہیں کعبہ سے بڑھ کر ہم نے کی توقیر میخانہ

سیف

سیف۔ میر لیاقت علی عرف آغا میاں۔ حیدرآباد دکن میں قیام پذیر ہیں۔ شیفتہ کنتوری سے تلمذ ہے۔ تیز طبع بلیغ فکر ہیں۔ سمجھ بوجھ کے شعر کہتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

میان سے جلاد کا خنجر نکل کر رہ گیا — آرزومندِ شہادت ہاتھ مل کر رہ گیا
ناتوانی کا بُرا ہو ناقۂ لیلیٰ کے ساتھ — نجد میں قیسِ حزیں دو گام چل کر رہ گیا
آنکھ لڑتے ہی جگر میں درد پیدا ہو گیا — یار کے تیرِ نظر کا دل نشانہ ہو گیا

وصل کی شب آبرو رکھلی اجل نے شکر ہے
یار کے جانے سے پہلے میں روانہ ہو گیا

عشق خالِ یار کی نیرنگیاں دیکھے کوئی
آنکھ کی پتلی سے بنا دل کا سویدا ہو گیا

کیا بھروسا اب کسی پر کوئی دنیا میں کرے
آنکھ لڑتے ہی کسی سے دل پرایا ہو گیا

سیف

سیف ۔ شیخ صادق حسین متوطن سنبھل ضلع مرادآباد شاگرد منشی حیات بخش رسا مرحوم۔ معمولی فکر ہے ۔ یہ انتخاب ہے ؎

تمہارے ہی تو پیمان تھے رقیبوں سے نہ ملنے کے
تمہارے ہی تو دعوے تھے جو باطل ہوتے جاتے ہیں

موت آتی ہے الٰہی کہ عذاب آتا ہے
جان لینے کو مری انکا شباب آتا ہے

دیکھ اے زاہد صد سالہ مری زندہ دلی
اب بھی پیری میں وہی لطف شباب آتا ہے

تم لاکھ کئے جاؤ ستم لاکھ جفائیں
منہ موڑیں وفا سے یہ نہ ہوگا کبھی ہم سے

سیفی

سیفی ۔ سید نادر علیشاہ ۔ پہلے ضلع اسکول ہوشیارپور میں مدرس رہے۔ پھر پیسہ اخبار سے تعلق ہو گیا۔ پنجاب کی ابتدائی اخبار نویسی میں مشہور اہل قلم۔ عمدہ مضمون نگار تھے ۔ عربی فارسی میں اچھی لیاقت تھی ۔ موزوں طبع معمولی شاعر تھے۔ تین شعر دستیاب ہوئے ہیں درج ذیل ہیں

اثر تو اتنا ہو تیری نگاہ مست میں شوخ
کہ میرے اشک سے ہو آہ آتشیں پیدا

ازل سے صاحب اقبال ہوں میں اے سیفی
ہزار چیں ہیں بنقش خطِ جبیں پیدا

مستیٔ شوق میں ہر سرو کو جانا ساقی
سایۂ ابر میں ہر پھول کو مینا سمجھے

سیفی

سیفی ۔ مسٹر ایم اے سیفی خلف مولوی محمد اسمٰعیل ۔ مدرس نارمل اسکول آگرہ متوطن میرٹھ۔ اوائل مشق کا کلام ہے ۔ مگر پایا جاتا ہے کہ شاعری ورثہ پدری میں ملی ۔ صاف ستھرے شعر کہتے ہیں ۔ نمونۂ فکر یہ ہے ؎

اک نشانی ہے تری درد سوا جانِ جہاں
سینہ میں اپنے اسے ہم نے چھپا رکھا ہے

مل گئے حضرتِ مجنوں تو یہ ہم پوچھیں گے
منزلِ عشق میں جز یاس کے کیا رکھا ہے

دیکھتے ہی وہ مجھے بزم سے اٹھ جاتے ہیں
رنگ اس درجہ حریفوں نے جما رکھا ہے

سوزِ الفت کا کروں تجھ سے بیاں کیا ہمدم
آگ ہے سینہ میں ایسی کہ جلا رکھا ہے

سیفی — **سیفی**۔ غلام احمد زماں خاں صاحب تلمیذ افسر اورنگ آبادی۔ روزمرہ صاف۔ تیغ زبان آئینہ کی طرح شفاف ہے۔ روانیٔ طبع یہ ہے۔

صیاد کر رہا ہے گلوں کی حکایتیں
کنجِ قفس میں ہائے عنادل کے سامنے
بیٹھے ہیں ایسے خدمتِ پیرِ مغاں میں ہم
جیسے مرید مرشدِ کامل کے سامنے
وہ بھی تمہارے ناوکِ مژگاں سے ٹوٹتی
پتھر کی سل بھی ہوتی اگر دل کے سامنے

سیفی — **سیفی**۔ ابو محمد سید حسین صاحب ساکن بیدر علاقہ نظامِ دکن شاگرد جناب بیدل طبیعت آشنائے ہنر نقشِ فکر با اثر ہے۔ محاوروں کو مسخر پری و شانِ معنی کو اپنے قبضہ میں کرتے ہیں نگارشِ سخن یہ ہے۔

دن میں ہزاروں خط انہیں چھو کے آجاتے ہیں
کاندھے کے گھونٹے سینکڑوں وڑ آجاتے ہیں
حوروں کے گھورنے کا زمانہ نہیں رہا
پائے نگاہ ضعف سے تھرائے جاتے ہیں
ظاہر میں کوئی اُن سے تعلق نہیں مگر
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں شرمائے جاتے ہیں
کس درجہ اپنے حسن کی پرداخت ہے انہیں
دو تین روز صدقے اتروائے جاتے ہیں
ناگوار اپنی کسی کو زندگی ہوتی نہیں
ایک میں ہی ہوں کہ جینے کی خوشی ہوتی نہیں
اُس پری کی فتنہ پردازی کے دیوانے ہیں ہم
سنگ شیشے میں کسی سے جو کبھی ہوتی نہیں

سیماب — **سیماب**۔ حکیم مولوی سید احمد علی خلف الصدق مولوی سید محمد علی مرحوم۔ سادات بخارا سے ہیں ان کے جدِ امجد مولوی سید عنایت علی مرحوم فتنۂ نادر شاہی میں دلی سے رام پور چلے گئے۔ یہ سنہ ۱۲۲۷ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی اپنے عم مولوی سید حیدر علی مرحوم مفتی صدر الدین خاں آزردہ دہلوی حضرت شاہ عبد الغنی مجددی و حکیم امام الدین خاں دہلوی سے حاصل کئے۔ فنِ شعر میں ناطق مکرانی اور مفتی صاحب موصوف سے تلمذ تھا۔ پچاس برس تک ریاست ٹونک میں ملازم رہے سنہ ۱۳۱۸ھ میں وفات پائی۔ سیر حامدی۔ روض الریاحین۔ حیوۃ الحیوان

توزک جہانگیری کا ترجمہ کیا تھا۔ فارسی نظم و نثر کا مجموعہ بھی موجود ہے۔ دو مجموعے قصائد کے طبع ہو چکے ہیں۔ اُردو کم کہتے تھے۔ نتیجۂ فکر یہ ہے ؂

عقدۂ رشتۂ امید ہمارا یارب ۔۔۔ چینِ پیشانیٔ خوبانِ ستمگر ٹھہرا
کل تلک نام سے سیماب کے نفرت تھی انہیں ۔۔۔ وعدۂ وصل کہو آج یہ کیونکر ٹھہرا
اُنکو عزم کرم اُس وقت ہوا مجھ پہ کہیں ۔۔۔ لذت چاشنیٔ لطف کے شایاں نہ رہا
آتشِ غم سے نہ یوں دل کو جلاتے جاؤ ۔۔۔ تشنہ ہوں شربتِ دیدار پلاتے جاؤ
بدمزہ ہوکے نہ یوں بزم سے اُٹھو خاموش ۔۔۔ پھر جو کہنا ہو ابھی مجھکو سناتے جاؤ
مجھسے ملنے کی اگر تم نے قسم کھائی ہے ۔۔۔ نقشِ اُلفت تو مرے دل سے مٹاتے جاؤ

سیماب

سیماب۔ شیخ عبدالواحد صاحب موضع ٹیری سلطان پور صوبہ اودھ کے رہنے والے تھے آغاز شباب میں تحصیل علم کے لئے لکھنؤ آئے۔ باکمال اساتذۂ لکھنؤ کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے۔ منشی احسان اللہ ممتاز۔ قاضی صادق احمد خاں اختر۔ اور ناطق مکرانی کی فیض صحبت سے پہلے فارسی میں پھر اُردو میں طبع آزمائی کرنے لگے۔ میرزا دزیر علی صاحب صبا سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ ہنگامۂ غدر نے لکھنؤ کی صحبتیں درہم برہم کر دیں۔ یہ بھی جان بچاکر وہاں سے بھاگے عظیم آباد پٹنہ میں مولوی نواب مولوی بخشش خاں بہادر سی ایس آئی کے سایہ میں پناہ لی۔ پھر گورنمنٹ کی جانب سے امین مقرر ہوئے۔

آپنے صاف و سلیس زبان میں اپنے پیران طریقت کا ایک شجرہ نظم کیا ہے جو منظوم شجروں میں بہترین ہے۔ ایک مثنوی سکندر نامہ کے وزن کی فارسی میں لکھی ہے جب گنج مراد آباد میں مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب سے بیعت کی تو شاعری سے توبہ کرلی۔ کلام کو دریا برد کیا۔ مزاج میں رمیدگی اور دنیا سے بیزاری پیدا ہوگئی تھی۔ توکل و صبر و شکر و رضا میں بسر کرتے تھے سنہ ۱۳۱۱ھ میں حج کے ارادہ سے بمبئی گئے۔ مکہ معظمہ پہنچکر قبل از حج انتقال کیا اور وہیں کی خاک کے پیوند ہو گئے۔ کلام جو دستیاب ہو سکا درج کیا جاتا ہے ؂

کیا دعاؤں میں مری تاثیر آدھی رہ گئی ۔۔۔ کیوں تو نہ لے بیت سے پیر آدھی رہ گئی

ایک شب افسانۂ فرقت جو میں کہنے لگا
نیند اُن کو آگئی تقریر آدھی رہ گئی

چہرۂ تاباں سے اُلٹی جس گھڑی اُس نے نقاب
آسماں پر مہر کی تنویر آدھی رہ گئی

نقشۂ جاناں جو کھنچوایا تو یہ نقشہ ہوا
آگیا مانی کو غش تصویر آدھی رہ گئی

ہوکے بیتاب ایک دن شکوہ کیا سیماب نے
بس اسی تقصیر پر توقیر آدھی رہ گئی

چھڑائی جو سکر مستی لب جاں بخش جاناں نے
نشانِ تیرگی میں نے مٹایا آب حیواں سے

ہم صبر کریں گے جو وہ بیداد کرینگے
اُوپر کوئی حاکم ہے کہ فریاد کرینگے

اک دن بھی نہ ہم شاد ہوئے وصل بتاں سے
کیا خاک جوانی کے مزے یاد کرینگے

قطعہ

حُسن کی کل خلق پر ڈگری ہوئی
اسلئے یہ آج حکم عام ہے

کوچۂ خوباں میں کردو مشتہر
کل دلِ سیماب کا نیلام ہے

سیماب

سیماب - خلیفہ معصوم علی متوطن امروہہ ضلع مرادآباد عمر تخمیناً ۶۰-۶۵ سال کی ہے مشاق شاعر ہیں جملہ اصناف سخن پر قادر ہیں تاریخ اور سجع بھی کہتے ہیں مگر افسوس ہے آپکا کلام بھی آپکی لاپرواہی کی نذر ہے۔ ہر چند لکھا اپنا کچھ کلام بھیجدیجئے مگر یہی جواب آیا کہ ”میاں ہم کیا اور ہمارا کلام کیا اور بھلا میں اس قابل کہاں“ ایک زمانہ میں آپ راجہ شیام سنگھ صاحب بہادر اور کنور شمشو ناتھ سنگھ رئیس قصبہ تاج پور کے ملازم رہ چکے ہیں۔ عرصہ ہوا کہ وہاں سے قطع تعلق ہوگیا آپنے کنور صاحب کی فرمائش سے ایک مثنوی ”جادوئے رواں“ بھی لکھی تھی۔ جو گلزار نسیم کی بحر میں ہے۔ اچھی مثنوی ہے اور طبع ہوچکی۔ چند اشعار جو دستیاب ہوئے درج ذیل ہیں۔

قطعہ

کہا یہ خواب میں میں نے کہ اے رفیق ندیم
بتا تو کیوں نہیں آتی ہے مجھ غریب کے پاس

دیا جواب یہ اُسنے سمجھ کے اے کمبخت
میں تیرے پاس رہوں یا ترے نصیب کے پاس

کریں سجدہ بتوں کو ہم یہ ہے توقیر پتھر کی
خدائی کرتی ہے شانِ خدا تصویر پتھر کی

درِ کعبہ پہ بوسہ دیتے ہیں سب سنگ اسود پر
کہاں جا کر لڑی ہے دیکھئے تقدیر پتھر کی

راہ تکتے ہیں تری ہم چشم تر کھولے ہوئے
مردم آئی ہیں آغوشِ نظر کھولے ہوئے

مہ نو سے صفت میں ابروؤں کی
مہینہ بھر میں اک مصرعہ ہوا ہے

مثنوی

یارب مجھے خامہ رواں دے
فکر سخن شرر فشاں دے
اعجاز کی سر بسر ہو تقریر
جادو سے کرے دلوں کو تسخیر
نیرنگِ سخن مری زباں ہے
افسونِ طلسم داستاں ہے
جو لفظ ہو صورتِ پری ہو
جو نکتہ ہو سحر سامری ہو
خسرو نے زبان فارسی میں
دی داد سخن سخنوری میں
اردو میں لکھوں میں فارسی سے
آئینہ بناؤں آرسی سے
ہو رنگ سخن میں دلبری کا
نقشہ کھنچے خواب میں پری کا
باری ہے بہار عجز و زاری
شامل ہوا اسکا فضلِ باری

[illegible]

خوشۂ گل ناروں میں پھولا
خندۂ لب نسترن میں پھولا
مہ پارہ شب خسف سے نکلا
دُردانہ کفِ صدف سے نکلا
دولت کا نیا ستارہ چمکا
اقبال شہی دوبارہ چمکا

سیماب

سیماب ۔ ادیب الشعرا ابو الفخر جناب مولنا مولوی شیخ عاشق حسین صاحب صدیقی وارثی آگرہ آپکا مولد اور آپکے آباؤ اجداد کا قدیمی مسکن ہے آپکے والد مولنا محمد حسین مرحوم بڑے پایہ کے بزرگ اور صاحب تصنیف تھے۔ آپ سنہ ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے اس حساب سے آپکی عمر اسوقت ۴۲ برس کی ہے آپنے اجمیر شریف میں عربی فارسی انگریزی میں تعلیم حاصل کی۔ پھر حضرت حاجی وارث علیشاہ صاحب ساکن دیوہ کے مرید ہوئے۔ پہلے منشی افسوں شاگرد داغ سے مشورہ کرتے تھے پھر سنہ ۱۹۰۱ء میں فصیح الملک میرزا داغ دہلوی سے زانوے تلمذ تہ کیا اور انکی وفات کے بعد پھر کسی کے سامنے اپنا کلام بغرض اصلاح پیش نہ کیا۔ اب آگرہ کے استادانِ فن میں شمار ہے۔ آپ اردو کے مشہور انشاپرداز ہیں اکثر رسائل آپکے مضامین کلام سے لبریز نظر آتے ہیں۔ ہر قسم کی نظم و نثر لکھنے پر قادر ہیں۔ کئی ڈرامے خوبصورت ناول قریب قریب دو درجن آپ کی تصنیف سے ہیں جو شائع ہو چکے ہیں اور مشہور و مقبول ہیں

کھیلے جاتے ہیں۔

اسوقت تک مختلف مضامین کی ۵۷ کتابیں آپکی تصنیف و تالیف سے شایع ہو چکی ہیں جو ہندوستان کے مختلف مطابع میں چھپی ہیں۔ اجمیر شریف میں رسالہ "فانوس خیال" آپکی ارادت میں شایع ہوتا تھا اور اب کئی سال سے آگرہ اخبار کے ایڈیٹر ہیں۔ اطراف ملک میں آپ کے قریباً ۸۰ شاگرد ہیں اور سلسلۂ تلامذہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔

سید محمد صادق صاحب راز چاند پوری شاگرد حضرت سیاب موصوف نے جو حالات راقم تذکرہ کے پاس بھیجے ہیں انمیں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اکثر مشہور شعرا پوشیدہ طور سے آپ سے اصلاح لیتے ہیں۔ آپ نہایت منکسر المزاج۔ سادہ وضع۔ با اخلاق ہیں اور شہرت و قبولیت کے ہوتے ہوئے بھی جانشینی حضرت داغ کے مدعی نہیں۔ عمر کا زیادہ حصہ انگریزی دفاتر کی ملازمت میں صرف کیا ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

فطرتاً عجز طبیعت بن گیا زنگِ حیات	عمر بھر سیاب پابند اطاعت ہی رہا

آپکو فن تاریخ میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ انجمن اصلاح سخن اور اردو کانفرنس کے سکرٹری رہ چکے ہیں۔ دو دیوان آپ کے پاس غیر مطبوعہ تیار ہیں اور مختلف نظموں کے چار مجموعے مرتب کر رکھے ہیں۔ کلام میں درد۔ سوز و گداز ہے۔ مگر بندش اور تخئیل میں اپنے استاد سے الگ ہو جاتے ہیں اور طرز حالی و رنگ اقبال کے درمیان ایک نئی راہ نکالنے میں کوشاں ہیں۔ تغزل میں متانت کو مدنظر رکھتے ہیں بعض بعض شعر نہایت بلند کہہ جاتے ہیں۔ ترکیبوں کے برتنے میں آپ ایک ممتاز ادیب اور سخنور کا پایہ رکھتے ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

رات کا جانا وداعِ شیشہ و پیمانہ تھا	صبح کا آنا تھا قفلِ در میخانہ تھا
حسن تنگ آکر بھڑک اٹھا فضائے طور سے	طالب دیدار کا ارمان گستاخانہ تھا
ڈھونڈتا پھرتا تھا چشمِ آرزو کی روشنی	میں شب فرقت اندھیری رات کا پروانہ تھا
میری خاکستر سے پیدا تھا جہان آرزو	جو پتنگا دل کے شعلوں سے اڑا پروانہ تھا

کیف اے ساقی ہوا مجھکو نہ پینے کی طرح
کچھ مرے انداز سے چھوٹا ترا پیمانہ تھا

اب تو یہ حال ہے نظرِ سوگوار کا
کیفِ جمال ہے نہ مزا انتظار کا

گرتی رہی ہیں چشمِ تماشا پہ بجلیاں
ہوتا رہا ہے حسن پہ دھوکا شرار کا

کہتے ہیں جسکو نزع کا عالم جہان میں
پچھلا پہر ہے میری شبِ انتظار کا

دل سرگرانِ حسرتِ دیدار رہ گیا
آنکھوں نے لطف لوٹ لیا انتظار کا

یارب بنا دے شمعِ چمن میری روح کو
جگنو بنا کے بھیج دے شامِ بہار کا

منہ زرد خونِ یاس میں پلکیں بھری ہوئی
عالم تو دیکھئے سحرِ انتظار کا

یہ نازِ منفعل یہ ادائیں حجاب کی
منہ ہو تو چوم لوں نگہِ شرمسار کا

سیماب کیا سناؤں میں اپنا کسیکو حال
زندہ ہوں اور شکر ہے پروردگار کا

نامہ گیا کوئی نہ کوئی نامہ بر گیا
تیری خبر نہ آئی زمانہ گذر گیا

ہنستا ہوں یوں کہ ہجر کی راتیں گذر گئیں
روتا ہوں یوں کہ لطفِ دعائے سحر گیا

اب مجھکو ہے قرار تو سب کو قرار ہے
دل کیا ٹھہر گیا کہ زمانہ ٹھہر گیا

یارب نہیں میں واقفِ رودادِ زندگی
اتنا ہی یاد ہے کہ جیا اور مر گیا

پہنچا دے لاش جذبِ جنوں کوئے یار میں
سب ڈھونڈتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا

جان کی جان لی ایمان کا ایمان لیا
مرحبا اے بتِ سفاک ترا کیا کہنا

یہ نہیں کہنا کہ "ہوئی ایک جھلک پیشِ نظر" ہے
بھید کی بات نہ اے حضرتِ موسیٰ کہنا

اپنی تعریف سے وہ اور برا مان گئے
اچھی صورت کو بھی اچھا نہیں اچھا کہنا

سچی نہ رہی انکی زباں غیر سے مل کر
جس بات پہ مرتے تھے وہی بات نہیں اب

ہر شوخ کو دعویٰ ہے کہ ہوں رشکِ مسیحا
عیسیٰ نفسی کوئی کرامت نہیں اب

چھپی برقِ تجلی کوند کر موسیٰ تو شکوہ کیا
تماشا تھا باندازِ تمنا رہ گیا ہو کر

یوں ہی ہم تم گھڑی بھر کو ملا کرتے تو اچھا تھا
یہ دونوں وقت جیسے روز ملتے ہیں جدا ہو کر

یقینی حشر میں سیماب اُنکی دید ہے لیکن
وہ پھر پردے میں جا بیٹھے اگر جلوہ نما ہو کر

قیس بنکر پھر نہ اُٹھا کوئی خاکِ نجد سے
عاشقی دشوار ہے لیلےٰ وشی مشکل نہیں

جتنے ستم کئے تھے کسی نے عتاب میں
وہ بھی ملا لئے کرم بے حساب میں

حسرت کو گھر کہیں نہ ملا اضطراب میں
لُٹنے کو آگئی دلِ خانہ خراب میں

اُٹھا ہے ابرِ میکدہ دستِ دعا کے ساتھ
اتنی برس پڑے کہ نہالوں شراب میں

آ اے گُلِ فسردہ لگا لوں تجھے گلے
تو بھی تو میری طرح لُٹا ہے شباب میں

ہر چیز پر بہار ہر اک شے پہ حُسن تھا
دنیا جوان تھی مرے عہدِ شباب میں

رنگِ الفت کا حسینوں میں جما دیتے ہیں
آنکھ ملتی ہے تو ہم دل بھی ملا دیتے ہیں

خوش رہیں کوچۂ جاناں میں ہوا کے جھونکے
دل کے ٹکڑے تو مجھے ڈھونڈ لا دیتے ہیں

او پردہ دار اٹھ تو نکل آ کہ حشر ہے - دنیا کھڑی ہوئی ہے ترے انتظار میں

جنوں پہنچا بیاباں میں بہار آئی گلستاں میں
یہ دونوں کیوں نہ آ بیٹھے مرے چاکِ گریباں میں

یہ کس کافر نے لیں انگڑائیاں صحنِ گلستاں میں
قیامت چھپتی پھرتی ہے گلوں کے چاکِ داماں میں

دلِ غمگیں مداراتِ ستم کی بات رہ جائے
لہو کی بوند بنکر جذب ہو جا نوکِ پیکاں میں

ذرا کُھل کر پکارا اے صورِ مجذوبانِ الفت کو
یہ دیوانے کہیں بیٹھے نہ رہ جائیں بیاباں میں

نگاہیں مست ہو ہو کر پڑیں اللہ کے گھر میں
درِ کعبہ پہ کس نے کھینچ دی تصویرِ میخانہ

یہ آنکھیں ساغرِ مے یہ جوانی نشۂ صہبا
خدا رکھے تجھے تو بھی تو ہے تصویرِ میخانہ

کیا ڈھونڈتے ہو مدفنِ بربادگانِ عشق
مٹی کے چند ڈھیر ہیں وہ بھی تباہ سے

گو ہوں ضعیف پھر بھی ترا جاں نثار ہوں
سایہ کہیں گرے تو اُٹھا لوں نگاہ سے

اب دل کا حال کچھ نظر آتا ہے اور ہی
کیا جانے تم نے دیکھ لیا کس نگاہ سے

کل جہاں چھاؤنی تھی عشرت کی
اب وہاں حسرتوں کا ڈیرا ہے

اُنکے دل میں تو ہے خدا رکھے
مجھے بہتر خیال میرا ہے

جہاں بیٹھکر میں نے آنسو بہائے
وہاں موتیوں کی لڑی رہ گئی

روش دیکھکر تری رفتار کی
قیامت کھڑی کی کھڑی رہ گئی

نہ نکلی مرے دل سے تصویرِ یار
یہ مورت حرم میں جڑی رہ گئی

حیرتِ جلوہ گری مُہرِ لبِ خاموش ہے
آنکھ محوِ دید تھی اتنا مجھے بھی ہوش ہے

آہ دنیا دل سمجھتی ہے جسے وہ دل نہیں
پہلوئے ہستی میں اک ہنگامۂ خاموش ہے

پوچھتا کیا ہے حقیقت لذتِ دیدار کی
کھوگئے خود ہی ترے جلووں کا کسکو ہوش ہے

قصرِ کسریٰ، چترِ دارا، تختِ نادر۔ بزمِ جم
ہائے وہ عالم جو زیرِ زمیں روپوش ہے

تیری زلفیں بھی نہ نکلی تھیں سوادِ حسن سے
حسرتِ آوارہ جب سے خانماں بردوش ہے

جوش پر ہے جلوۂ مستانۂ عہدِ شباب
او نشیلی آنکھ والے کچھ تجھے بھی ہوش ہے

کششِ دل انہیں چلمن میں تو لے آئی ہے
آگئے اب حوصلۂ چشمِ تماشائی ہے

دیکھئے خلد میں سیماب کی راحت طلبی
زانوئے حور پہ کیا چین سے نیند آئی ہے

نوائے دردِ شامِ غم نہ کیوں اندوہ گیں ہوتی
یہی ہوتی ہے دیپک راگ جسمیں لے نہیں ہوتی

گواہی خون کے چھینٹوں سے محشر میں نہ دلوائی
خدا کے سامنے کیا ہاتھ بھر کی آستیں ہوتی

میں گنتے گنتے بھول گیا اپنے سب گناہ
یاد آگئی ترے کرمِ بے حساب کی

تنہائیوں میں تھی تری ہمراہیِ خیال
وہ جنگلوں میں سیرِ شبِ ماہتاب کی

کچھ ناز سے خراب کیا کچھ نیاز سے
دنیا میں لوٹ ہو گئی اُنکے شباب کی

یہ کس نے شاخِ گل لاکر قریبِ آشیاں رکھدی
کہ میں نے شوقِ گل بوسی میں کانٹوں پہ زباں رکھدی

تجلی رخِ روشن کی مرے دل میں نہاں رکھدی
اندھیری کوٹھری میں تم نے یہ بجلی کہاں رکھدی

خلوصِ دل سے سجدہ ہو تو اُس سجدے کا کیا کہنا
وہیں کعبہ سرک آیا جبیں ہم نے جہاں رکھدی

ڈھونڈلے فطرت کسیکو دلربائی کیلئے
جی ترستا ہے مذاقِ آشنائی کیلئے

بھیک کے ٹکڑوں میں شاید دل کے کچھ ٹکڑے ملیں
روز اُنکے در پہ جاتا ہوں گدائی کیلئے

کہانی کہنے والے ہائے کیوں ذکرِ جوانی ہے
جوانی کی کہانی کیا جوانی خود کہانی ہے

مریضِ غم سے وعدہ کر گئے وہ پانچویں دن کا
کسی سے سُن لیا تھا چار دن کی زندگانی ہے

سرِ مدفن وہ پھر آئے ہیں مٹانے مجھکو
جمع کر دے مرے اجزائے پریشاں کوئی

باغباں تختۂ گل جانچ لے کلیاں گن لے
وہ گیا پھاند کے دیوارِ گلستاں کوئی

موجزن کیا آفتابِ صبح پیمانے میں ہے
آج کچھ بھیگی ہوئی سی دھوپ میخانے میں ہے

اک بلا ہو جائیگی اُڑتے ہی شیشہ کی پری
یہ سنہری رنگ پیمانے ہی پیمانے میں ہے

مجھ سے پوچھ اے قیس اب کیفیتِ جوشِ جنوں
تیرے ویرانے میں تھا اور میرے ویرانے میں ہے

سیر ہو نیت تو دیتا ہے خدا بھی برکتیں
جتنی پی لی ہے ابھی اتنی ہی پیمانے میں ہے

کبتک دلِ مایوس کو برباد کرینگے
اب ہم تری امید سے فریاد کرینگے

صیاد قفس لیکے نہ جا صحنِ چمن میں
مرغانِ چمن دیکھ کے فریاد کرینگے

کعبہ ہی پہ موقوف نہیں ضد ہے بتوں کو
جس گھر میں رہینگے اُسے برباد کرینگے

فریاد کی محشر میں نہ رکھ ہم سے توقع
جلوے ترے لوٹینگے کہ فریاد کرینگے

اے خدائے عشق دے ناز و نیاز ایسا مجھے
میں تجھے سجدہ کروں اور بت کریں سجدہ مجھے

طور پر چڑھنے کا کیا دے گا یدِ بیضا ثبوت
حضرت موسیٰ دکھائیں پاؤں کا چھالا مجھے

صبح تک کیا کیا تری امید نے طعنے دئے
آ گیا تھا شامِ غم اک نیند کا جھونکا مجھے

ہوگیا میں ہم کنار اُن سے ہجومِ حشر میں
لوگ کہتے ہی رہے ایسا مجھے ویسا مجھے

دیکھتے ہی دیکھتے دنیا سے میں اُٹھ جاؤنگا
دیکھتی کی دیکھتی رہ جائیگی دنیا مجھے

وہ انقلاب جو دنیا کو لوٹ سکتا ہے
ترے اشارۂ ابرو کی راہ تکتا ہے

تصورات کی خلوت میں کر تلاش اسکو
تحیرات کی دنیا میں کیوں بھٹکتا ہے

تجھے نہ دیکھ سکوں میں تو کچھ ملال نہیں
یہی بہت ہے کہ تو مجھکو دیکھ سکتا ہے

دینا مجھے فریبِ نویدِ حیات تم
جب لوگ جائیں میرا جنازہ لئے ہوئے

سیماب — عبدالعزیز خانصاحب شاگرد حضرت جوہر شاہجہانپوری۔ آپ رنگین فکر ہیں چلبلی طبیعت

یائی ہے۔ یہ کلام ہے سے

کسی کا ناوکِ مژگاں سوئے جگر آیا
مریضِ غم کی خبر لینے چارہ گر آیا

اجل جو آئی شبِ ہجر میری بالیں پر
یہ محوِ شوق تھا سمجھا وہ فتنہ گر آیا

وہ لاعلاج مرض ہے مجھے کہ بالیں پر
اجل کے بھیس میں آیا جو چارہ گر آیا

کچھ آج ہی نہیں سودا تمہاری زلفوں کا
ازل سے لیکے مرا سر یہ دردِ سر آیا

عدو کا دل نہ ہو سیماب کس لئے بیتاب
کہ آج شام سے مہماں وہ میرے گھر آیا

سبو بدستِ رند کے طالبِ دیدار جمع ہیں
میلا لگا ہے پیرِ مغاں کی دوکان پر

بوسوں کے نیل میرے ہی رُخ پر تو ہیں حضور
میں ہی گیا تھا رات عدو کے مکان پر

ش

شاد

شاد - منشی للتا پرشاد صاحب ورما میرٹھی۔ آپ اخبار ناظم الہند کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ اُردو زبان اور علم ادب کی خدمت کا شوق ہے۔ انکے تحقیق الفاظ کی تحقیقات۔ محاورات کی چھان بین پر اکثر مضامین نکل چکے ہیں۔ انہوں نے زبان کی اصلاح کیلئے اجمیر میں ایک انجمن بھی قائم کی تھی۔ مگر شعرا و انشا پردازوں کی بے توجہی سے اُسکا عدم وجود برابر ہوگیا۔ ذہین ہیں چلتی ہوئی طبیعت کے انسان ہیں۔ ذوق سلیم رکھتے ہیں۔ غزل گوئی کو ہوس پرستی کے خیالات سے بچاتے ہیں۔ آج سے چار برس پہلے اجمیر کے مشاعرے انکے دم قدم سے رونق پر تھے۔ کلام یہ ہے ؎

ہم نہ مجنوں ہیں نہ وحشی ہیں نہ سودائی ہیں
پھر ہمارے لئے زنجیر مصیبت کیا ہے

کیوں ہوا جاتا ہے مکدر دل صافی تیرا
خاکساران جہاں سے یہ کدورت کیا ہے

زلف چوٹی کا تصور ہے بتوں کا ہے خیال
گر یہی یاد خدا کی ہے تو وحدت کیا ہے

اے زمانہ تری آنکھوں پہ ہے پردا کس کا
دیکھ اوروں کی ترقی کو یہ غفلت کیا ہے

کیسی آفت ہے کہ بن آئی مرے جاتے ہیں
موت کیوں آئی نہیں اسکی ضرورت کیا ہے

چشم امید ہے اب تیرے کرم کی نگراں
اپنے اعمال پہ ہم روئیں تو رحمت کیا ہے

صبر کر شاد ذرا دیکھ تو کیا ہوتا ہے
یہ زمانہ ہی بدل جائے گا عجلت کیا ہے

شاد

شاد - منشی کالکا پرشاد ولد منشی گلزاری لال خلیق قوم کایستھ سکنہ رام نگر ضلع بریلی کے قدیم ساکن ہیں ہنر مندی اور علم پرستی اپنے بزرگوں سے ورثہ میں پائی ہے سنہ ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے سنہ ۱۸۸۰ء میں انگریزی تعلیم پر توجہ فرمائی۔ ۱۹ سال کی عمر میں سید صبر علی اختر سے فارسی تعلیم کی تکمیل کی اسکے بعد ریاست کوٹہ میں سب سے پہلے محکمہ بندوبست کے ملازم ہوئے سنہ ۱۹۱۲ء میں پولیٹکل ایجنسی ہاروتی کوٹہ میں محافظ دفتر تھے منشی افضل حسین ثابت نے جو آپکے دوست ہیں چند غزلیں بھیجی تھیں انکا انتخاب پیش کش ناظرین ہے ؎

گمان ہے عارضِ پُر نور پر جو زلفِ پیچاں کا | یہ ہوگا دودِ آہِ دل کسی خاطر پریشاں کا
فسردہ دل ہوا اپنا کہاں اب جوش وہ باقی | ملے وہ خاک میں آنسو گماں تھا جن پہ طوفاں کا
کہاں اظہار کیجئے شاد اپنے دل کی وحشت کو | خیال آتے ہی ویراں ہو گیا گھر بھی بیاباں کا
الفتِ کاکل نے پابندِ مصیبت کر دیا | کس خوشی سے میں پھنسا ہوں خانۂ زنجیر میں
نے گلہ گردوں کا ہے نہ شکوۂ صیاد ہے | تھا مگر کنجِ قفس لکھا مری تقدیر میں
شکوۂ جور و ستم پر ہے جواب انکا شاد | سبھی کچھ ہوگا اگر آپ کو چاہت ہوگی

ویرانۂ دل کو کبھی آباد کرینگے | یا خاک کو میری یوں ہی برباد کرینگے
ہے شکوۂ بیداد عبث اے دلِ مضطر | کیا کیا نہ ابھی یہ ستم ایجاد کرینگے
ہے عار مرے نام سے مذکور سے نفرت | مرنے پہ بھلا خاک ہمیں یاد کرینگے
نہ کھولے مرنے پر صیاد نے پر | مری جانب سے اتنا بدگماں ہے
تحریر مقدر کی مٹائی نہیں جاتی | بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی
نہ گھبرا آبلہ پائی سے اے دل | رہِ مقصود کی منزل کڑی ہے

الجھن سے ہے۔ انتظار ہے۔ دل بیقرار ہے | آتا ہے کون کس کا تجھے انتظار ہے
دشمنِ جاں نہ بنے یہ ہی غنیمت سمجھو | دوست دنیا میں بھلا شاد کہاں ہوتا ہے
شرمندہ برق ہے ترے دنداں کے سامنے | گوہر بھی گوشہ گیرِ صدف ہے حجاب سے

شاد۔ لالہ کالی پرشاد صاحب سندیلوی شاگرد منصب علی صاحب مرحوم طبیعت رسا فکر صائب ہے عرصہ سے شعر کہتے ہیں تقریباً پچاس سال کی عمر ہوگی۔ کلام میں متانت ہے طبیعت معنی یاب نتیجۂ فکر یہ ہے ؎

عید میں عید ہوئی عیش کا ساماں دیکھا | دیکھ کر چاند جو منہ آپ کا اے جاں دیکھا
دمِ اخیر ہے دکھلا کے شکل جلد ہٹو | مریضِ عشق کا اب غیر حال ہوتا ہے
زباں سے کیا کہوں صورت سوال ہے میری | سکوت ہی سے کچھ اظہار حال ہوتا ہے
بگاڑتا ہے بناتا ہے بار بار فلک | نہ بدر چہرہ نہ ابرو ہلال ہوتا ہے

شاد — ہز اکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ بہادر سر کشن پرشاد صاحب یمین السلطنت کے سی۔ آئی۔ ای جی۔ سی۔ آئی۔ ای پیشکار سابق مدار المہام سرکار عالی نظام دکن تلمیذ حضرت آصف غفران مکان۔ آپ کی ولادت ٢٨ جنوری ١٨٦٤ء میں ہوئی۔ آپ دکن کے ایک معزز مہری کھتری نامی خاندان کے سرپرست و رکن اعلیٰ ہیں۔ رائے مولچند جو آصف جاہ اولیٰ کے ہمرکاب دکن گئے تھے اس خاندان کے بانی ہیں وہ کنتر کرورگیری کے عہدہ پر ممتاز کئے گئے تھے۔ مہاراجہ چندولال بہادر بھی آپکے خاندان کے ایک مشہور و معروف رکن تھے جن کے زمانہ میں پیشکاری کا عہدہ موروثی قرار دیا گیا۔ نواب سکندر جاہ نظام الملک کے زمانہ میں ١٨٠٦ء سے ١٨٢٥ء تک جمیع مہام سلطنت کو پیشکاری کے عہدہ پر ممتاز رہ کر انجام دیتے رہے۔ پھر مہاراجہ متوفی کے بعد انکے پوتے راجہ نارائن پرشاد ملقب بہ مہاراجہ نرندر بہادر ١٨٨٣ء میں بعد انتقال سر سالار جنگ منصرم مدار المہام رہے۔

مہاراجہ موصوف کے بعد مہاراجہ کشن پرشاد بمنظوری حضرت آصف جاہ سادس غفران مکان انکے جائز جانشین قرار دئے گئے اور اپنے نانا مہاراجہ نرندر بہادر کیطرح مرتبہ اولے خدمت موروثی پیشکاری دولت آصفیہ سے ممتاز ہوئے ١٨٩٣ء سے ١٩٠١ء تک وزیر فواج کی خدمت کو انجام دیا اور یہی حسن خدمت اس ترقی کا باعث ہوا کہ ١٩٠١ء میں حضرت آصف غفران مآب نے منتقل خلعت مدار المہامی اور خطاب یمین السلطنت سے سرفراز فرمایا ١٩٠٣ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کیطرف سے دربار دہلی کے موقع پر کے سی۔ آئی۔ ای کا خطاب عطا ہوا اور ١٩١٠ء میں بزمانہ لارڈ منٹو۔ جی سی۔ آئی۔ ای کا خطاب مرحمت ہوا

مہاراجہ کشن پرشاد صاحب نے علاوہ خانگی تعلیم کے نظام کالج حیدرآباد میں تعلیم پائی انگریزی۔ اردو۔ فارسی عربی۔ گورکھی۔ ہندی سنسکرت میں نوشت و خواند کر سکتے ہیں۔ مرہٹی تلنگی اتنی جانتے ہیں کہ بات چیت سے مفہوم کو سمجھ لیتے ہیں مختلف علوم و فنون میں تقریباً ٣٢ کتابیں تصنیف و تالیف کر چکے ہیں اور یہ سب شایع ہو کر شائقین سے

سند قبولیت حاصل کر چکی ہیں آپنے اپنی مجمع الصفات ذات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امرا کے واسطے صرف ظاہری شان و شوکت ہی کافی نہیں ہے بلکہ جامع العلوم اور کامل الفنون ہونا بھی انکی شایان مرتبت ہی علمی ذوق و شوق تو آپکی فطرت میں پیشتر ہی سے تھا مگر کار و بار سلطنت سے سبکدوش ہونے پر آپ اپنا عزیز وقت مشاغل علوم و فنون ہی میں صرف فرماتے ہیں۔ طب یونانی۔ موسیقی۔ نجوم و رمل۔ خوشنویسی۔ مصوری۔ نقاشی میں بھی کامل دستگاہ حاصل ہے۔ فن سپہگری میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ گو قوم کے کھتری ہیں لیکن مذہب صوفیانہ مسلک صلح کل ہے بغض و تعصب کے ناپاک گرد و غبار سے آپ کا دامن بالکل مبرا اور آپ غیبت و بدگوئی سے مبرا ہیں۔ ہر مذہب و ملت کے علما۔ فقرا سے محبت رکھتے ہیں۔ نکات طریقت رموز معرفت سے ذوق آشنا ہیں۔ سادگی پسند فقیر دوست درویش پسند ہیں راجہ ٹوڈرمل ٹنڈن وزیر اکبر اعظم سے آپکے بزرگوں کی کچھ قرابت بھی تھی۔

آپکے صاحبزادے راجہ ارجن کنور عرف راجہ خواجہ پرشاد سلمہ آپکے ولی عہد ہیں۔ آپنے تمام اطراف و اکناف ہندوستان کی اچھی طرح سیر کی ہے۔ ارباب کمال مثل ظہیر دہلوی سرشار لکھنوی اور جلیل آپ کے دامن دولت سے وابستہ رہے ہیں۔ راقم تذکرہ سے آپکے تعلقات نہایت شگفتہ ہیں۔ اکثر نوازش ناموں سے نہیں مہر و اخلاق کے دفتر کہنا زیبا ہے ممتاز فرماتے رہے ہیں۔ دکن میں ہنگام قیام مولف تذکرہ مہاراجہ بہادر نے مسافر نوازی کے مراسم اس برادرانہ انس اور وضعداری سے برتے کہ مولف انہیں تا دم زیست فراموش نہیں کر سکتا۔ فن شاعری میں محاسب دفتر سخن مہندس خیالات نو وکہن ہیں کہیں جذبات فطرت کہیں گل و بلبل کا ذکر کرتے ہیں فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکر کرتے ہیں۔ ذہن رسا گردوں پیما ہے طبع بلیغ بحر آسا ہے نغمہ معنی طربناک ہے شعر حشو و زواید مغلق ترکیبوں۔ ناگوار تعقید وں سے پاک ہے۔ نہ غلط محاورات ہیں نہ بے جوڑ تشبیہات۔ متانت۔ شوخی کلام کی جان ہے جس پر فصاحت اور پاکیزگی سو جان سے قربان ہیں۔ شعر میں تصوف کے مسائل بیان کرتے ہیں۔ گلگونۂ الفاظ

سے مضامین کے چہرے نکھرتے ہیں۔ رنگینیٔ سخن میں جادو کی تاثیر ہے ہر شعر سامری کی تصویر۔ نظام مرحوم سے جو خصوصیت و محبت آپ کو تھی اسکی ادنےٰ مثال یہی کہ حضور محبوب علیخاں نے آپکو تلمیذ شاہی کا شرف بخشا۔ حق الامر یہی کہ وہ اُن سے بالکل عزیزداری کا برتاؤ کرتے تھے سلاطین کی شاگردی کا فخر بھی بڑی مشکل اور قسمت سے ہاتھ آتا ہے۔ الغرض مہاراجہ صاحب موصوف کو خدائے برتر نے ہر طرح نوازا ہے۔ امارت کے اعتبار سے بھی آپ معزز رئیس اور فن کے خیال سے بھی زبردست اور جید شاعر ہیں۔ انتخاب کلام نذر ناظرین ہے۔

داد خواہانِ ستم کا ہیں جی چھوٹ گیا
جب طرفدار ترا داورِ محشر نکلا

درِ محبوب پہ حاصل ہیں گدائی کے مزے
شاد منت کشِ اربابِ دول کیا ہوگا

نا امیدی کے قدم پیچھے ہٹے جاتے ہیں
ہاں مگر اسکا تقاضہ ہے کہ حل کیا ہوگا

آصف کی مہر سے مری رتبہ بلند ہے
ذرہ سے آفتاب خدا نے بنا دیا

قطرہ قطرہ مل کے اک ذخّار دریا ہوگیا
اسقدر آنسو بہے طوفان برپا ہوگیا

زندگی بھر لاکھ سوئے فرشِ مخمل پر کوئی
قبر میں جاتے ہی مٹی کا بچھونا ہوگیا

چشمِ مستِ یار دیکھی ہوگئی حالت خراب
بے پئے بھی مفت میرا نام رسوا ہوگیا

خانہ زادِ شاد تھا اور ہوگیا شاگرد بھی
شاد شاداں[۱] سے فزوں تیرا نصیبا ہوگیا

آتا نہ تھا خیال بھی وحدت میں غیر کا
کثرت میں آکے طالبِ دیر و حرم ہوا

کس زمانہ میں مجھے غم سے سروکار نہ تھا
کون سے روز مجھے رنج کا آزار نہ تھا

اے فلک تونے ستم ڈھائے ہیں لاکھوں مجھ پر
اس سزا کا تو کسی طرح سزاوار نہ تھا

مجھے اس گلشنِ عالم میں ملا کب آرام
پھول اس باغ کا کب حق میں مرے خار نہ تھا

یہ ستم ڈھائے گئے کس لیے مجھپر اے چرخ
کیا کوئی اور محبت کا گرفتار نہ تھا

ہائے وہ غنچہ ہوا بادِ خزاں سے پامال
جو نسیمِ سحری سے بھی خبردار نہ تھا

[۱] مورث اعلیٰ مہاراجہ چندولال شاداں تخلص کیطرف اشارہ ہے۔

باعث جاہ و حشم شاد کے ہیں آصف جاہ
ورنہ دنیا سے اُسے کوئی سروکار نہ تھا

دل پھنسا تیرے دامِ گیسو میں
کوئی رستہ نہیں رہائی کا
بڑھتا جاتا ہے واں غبارِ دل
خاک موقع رہا صفائی کا

تم رشکِ مہ و مہر اگر ہو تو کریں کیا
روشن تو کرو آکے سیہ خانہ کسی کا
غیرت کا تقاضا ہے جواں مردوں کی ای شاد
احسان نہ لے ہمتِ مردانہ کسی کا

زیرِ نگیں ہو ہند مرے بادشاہ کا
پایہ بلند ہو شۂ گردوں پناہ کا
وہ قتل کر کے کہتے ہیں ہنسکر رقیب سے
کشتہ ہی یہ غریب کسی کی نگاہ کا
دنبالہ دار آنکھیں سُرمہ لگا نہ تو
ظلمات کو بھی رشک ہے چشمِ سیاہ کا
رحمت بڑھی ہوئی ہے گنہ بخشے جائینگے
دریا میں کیا شمار بھلا برگِ کاہ کا

رباعیات

اے عشق متاعِ صبر تو نے لوٹا
اور سنگِ الم سے دل کا شیشہ ٹوٹا
بدنام ہوئے کھو دیا ننگ و ناموس
رسوا ہوئے گھر بار سب اپنا چھوٹا

تو مال کو کہتا ہے کہ یہ ہے میرا
تیرا نہیں کس وہم نے تجکو گھیرا
جب سر پہ اجل آئیگی اُسدم اے شاد
رہ جاوے گا سب یہیں یہ "میرا تیرا"

ایک روز جہان سے ہاتھ دھونا ہوگا
اس جانِ عزیز کو بھی کھونا ہوگا
کیا خاک لحد میں ہوگا اپنا بستر
مٹی کے فرش پہ بچھونا ہوگا

دیکھا جو جہاں میں وہ پایا ہمہ ہیچ
کیا ثروت و دولت یہ ہمہ وسمہ ہیچ
دلبستگی اس سے تو نکرنا اے شاد
دنیا ہیچ است و کارِ دنیا ہمہ ہیچ

اے شاد یہ آب و آتش و خاک و باد
ان چاروں سے اپنے جسم کی ہے بنیاد
آجائے مزاج میں جو فرق انکے کبھی
ہو جائے نہ کیوں وجودِ خاکی برباد

اے شیخ ہے یاں ترکِ خودی عینِ عبادت
عشاق کا مشرب ہے جدا آپکا دین اور

عیاں ہے چار طرف میرے یار کا جلوہ
نماز پڑھتے ہو کیوں شیخ قبلہ رو ہو کر

نشانے پر ترا ہر تیر اے ناوک فگن آیا
رہا کوئی جگر میں کوئی دل میں میہماں ہو کر

مر گیا پر نہ گئی حسرت و یاس و اندوہ
کس ڈھٹائی سے ہیں دل میں مرے مہماں اب تک

اب جواں ہو کے بھی ہے وصل سے تجکو انکار
بھولی باتیں نہیں جاتیں تری ناداں اب تک

وہ دل لیکر یہ کہتے ہیں بصد ناز
خدا سے مانگ لو اک دوسرا دل

یہ ہیں معشوق یا قزاق یا رب
ہمارا دن دہاڑے لٹ گیا دل

دوزخ جسے کہتے ہیں ہے وسواس کا نام
جنت سے مراد ہے سکون و آرام

آرام و سکون اسی کو حاصل ہو شاد
توحید کی مے کا جو کوئی پی لے جام

روز ہوتا ہے وعدۂ فردا
روز روزِ شمار کی باتیں

کوئی گریاں ہے کوئی ہے خنداں
یہی ہیں روزگار کی باتیں

مختصر زندگی ہماری ہے
کرو سب اختصار کی باتیں

ایسا نہ سمجھ تو کہ غرض مند ہیں سارے
جانبازِ محبت بھی مریجانِ محبت ہیں

خانۂ دل کعبہ ہے یہ کوئی بت خانہ نہیں
بے دھڑک آ جاؤ اس میں کوئی بیگانہ نہیں

آنکھ سے اس نے ملائی آنکھ کیفیت ہوئی
یہ نشیلی آنکھ ہے پر مے سے پیمانہ نہیں

عین مستی میں بھی رہتا ہے اسے پاسِ ادب
ہاں بڑا ہشیار ہے کچھ شاد دیوانہ نہیں

بادۂ خمخانۂ توحید کا مے نوش ہوں
چور ہوں مستی میں ایسا بیخود و بیہوش ہوں

گر دھرنے دے مجھے ساقی یہ میرا فرض ہے
مثلِ ساغر دور میں ہوں بادہ سر جوش ہوں

سب کی سن لیتا ہوں لیکن جی کی کرتا ہوں مدام
گرچہ ہوں سامع مگر نارسا گوش ہوں

دردمندِ عشق ہو کر ضبط کا خوگر ہوں میں
صورتِ سیماب ہو کر پیکرِ خاموش ہوں

دیکھتا ہوں آپ اپنے میں تماشا ہیں ترا
پا گیا ہوں سرِ وحدت اور حقیقت کوش ہوں

کس کی فرقت وصل کس کا اور ہے معبود کون
شاد ہیں اس عالمِ تکوین سے ہم آغوش ہوں

منصور ہوں عاشقِ الٰہی ہوں میں
توحید کے راستہ کا راہی ہوں میں

روشن رہیگا ہمیشہ عرفان کا چراغ
سمجھو نہ چراغِ صبح گاہی ہوں میں
مجنوں جسے کہتے ہیں وہ دیوانہ ہوں
شمعِ رخِ پرنور کا پروانہ ہوں
ہاں اک نظرِ لطف ادھر بھی ساقی
اس چشمِ سیہ مست کا مستانہ ہوں

وہ عیش کہاں اور وہ دلارام کہاں
وہ بزم کہاں اور مے و جام کہاں
سب ٹھاٹ گیا یار کے جانیکے ساتھ
اب چین کہاں اور وہ آرام کہاں

تلاشِ یار میں ہے خاک اپنی سرگرداں
بھٹکتے پھرتے ہیں ہر دشت میں غبار سے ہم

نہ کیوں، وہ دن مجھے ہو عید قرباں
ترا خنجر ہو ہم آغوش گلو ہو

فنائی الذات میں ہو جاؤں یارب
جدھر دیکھوں ادھر بس تو ہی تو ہو

اُن کی تصویر کلیجہ سے لگا رکھتا ہوں
حرزِ جاں ہے یہ مرے دل کے بہلنے کیلئے

میں نے پوچھا کہ رقیبوں سے بڑھایا کیوں ربط
ہنس کے بولے ترے رونے ترے جلنے کیلئے

کہتے ہیں جادو جسے وہ ہے حسینوں کی نگاہ
حسن کہتے ہیں جسے وہ نسخۂ اکسیر ہے

بسمل سب کو ملا ترک تری تیغ کے قرباں
محروم رہوں کیوں میں کوئی وار ادھر بھی

یہ شرمیلی نگہ تیری جگر کے پار کیسی ہے
حیا پر وار اگر ہے پھر غریب آزار کیسی ہے

شاہزادہ اور وزیر اور ہو شاگردِ نظام
شاد سچ پوچھو تو تم ہو بڑی قسمت والے

نہیں ہے مجھ سے ممکن علاجِ محبت
مسیحا اور ہی لا دوا ہے
مگر کیا کرے کوئی تدبیر کیا ہو
کہ تقدیر سے زور کس کا چلا ہے

ہوں میں دربانِ شاہِ آصف جاہ کا
پادشاہی ہے یہ دربانی مری
میں شہ آصف کا ہوں شاگرد شاد
شاعری کیا ہے یہ سلطانی مری

نزع میں بھی یار کا دل سے نہیں جاتا خیال
بیخودی میں یہ ہماری ہوشیاری دیکھئے

نغمہ سے بھاگتا ہے جو زاہد سبب یہ ہے
اسکو سنائی دیتی ہے آوازِ صور کی

باغِ فردوس تو میراث ہے ہم رندوں کی
شیخ جی نیکے بڑے آئے ہیں جنت والے

لاکھ امید دلائی ترے وعدوں نے مگر　　مرنے والے کو جو تھے جان کے لالے نہ گئے
تیغ ابرو کا ہے کیسا زخم کاری دیکھئے　　یہ تڑپ دل کی یہ رنگ بیقراری دیکھئے
ہم کیا بتائیں مرنے کو تیار کیوں ہوئے　　فرمایئے تو آپ ستمگار کیوں بنے
سچ ہے مثل کہ جاننے والی کی موت ہے　　شامت ہماری محرم اسرار کیوں بنے
مشکل نہیں ہے عشق تو پھر اے دل حزیں　　آسان تھے جو کام وہ دشوار کیوں ہوئے
کہتے ہیں برملا مجھے کافر جو مومنیں　　کیا دوں جواب حجت باطل کے سامنے
جگر ہیں درد سوزش قلب میں خونبار آنکھیں ہیں　　ہوا ہے ہمکو یہ حاصل بتوں کی آشنائی سے
اجازت باغ میں گر آشیانے کی نہیں دیتا　　تو پھر کنج قفس صیاد بہتر ہے رہائی سے
شاخ گل پر سو رہی ہے عندلیب　　باغباں چلا نہ تو آواز سے
مر گئے خاک ہوئے دل کے پھپھولے نہ گئے　　خار حسرت وہ چبھے تھے کہ نکالے نہ گئے
داستان زندگانی انکی اب افسانہ ہے　　بزم عالم حضرت آئل کا ماتم خانہ ہے
ہے تغیر ہر زماں لازم زمانے کے لئے　　کل کے دن آباد جو تھا آج وہ ویرانہ ہے
کر نظر ہمت پہ اپنی ساقیا مجھکو نہ دیکھ　　دل جو میرا ہے وہ اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ہے
غیر کا اسمیں گذر ہو ہے بہت دشوار بات　　شاہ کا یہ دل نہیں ہے یار کا کاشانہ ہے
جیتے جی مرتے ہیں تجھپر ترے مرنیوالے　　یوں گذر جاتے ہیں ہستی سے گذرنیوالے
خود بخود آپ مرے دلمیں اتر آئے ہیں　　ایسے نقشے نہیں پانی سے اترنے والے
وعدہ کرکے بھی انجان ہوئے جاتے ہیں　　ایسے دیکھے ہی نہیں ہم نے مکرنے والے

رباعیات

ہر جائے عیاں نور احد پیدا ہے　　ہر ذرہ میں قدرت صمد پیدا ہے
بحر وحدت ہے کیا محیط و ذخار　　ہر موج سے اسکی جزر و مد پیدا ہے

گھر سے جو چلے جا کے لحد میں پہونچے
ہم ہو گئے فنا وار ابد میں پہونچے
دریا سے نہیں شاد جدا کچھ یہ حباب
چلتے چلتے سب اپنی حد میں پہونچے

پیری میں ہے حسرتِ جوانی باقی
طاقت وہ کہاں ہے ناتوانی باقی
پھر آتی نہیں ہے عمرِ رفتہ اے شاد
رہتی ہی نہیں حیاتِ فانی باقی

چکر ہے زمیں کو آسماں پھرتا ہے
اے شاد تو دربدر کہاں پھرتا ہے
راستی اقتضائے قدرِ انسان ہے
قسمت ہے ترے ساتھ جہاں پھرتا ہے

قطعات

شادی سے یا غمی سے زمانہ میں ہو بسر
انسان کے لئے یہ ازل سے ٹھہر گئی
وہ ذوق یا وہ شوقِ جوانی کی مستیاں
وہ دن کی وہ بہار تھی آکر گذر گئی

بارہا تجربہ اے شاد ہوا ہے اسکا
مرتبہ جن کا سوا ہے انہیں راحت کم ہے
رات دن فکر میں رہتے ہیں جو ہیں دولتمند
جو غنی تر ہیں انہیں غم سے فراغت کم ہے

تلوار میرے واسطے عزت ہے شان ہے
میدانِ جنگ کا یہ علم ہے نشان ہے
اے شاد کیوں نہ اسکو رکھوں جان سے عزیز
میں ہوں سپاہی اور یہ سپاہی کی جان ہے

لاکھ دولت ہو لاکھ ہو حشمت
ہو جو آزار خاک راحت ہے
سچ جو دنیا میں پوچھو تم اے شاد
تندرستی ہزار نعمت ہے

تم سا محبوب زمانہ میں نہیں ہے آصف
سب کے تم پیارے ہو اور سب ہیں تمہارے پیارے
جس نے آصف سے یہ پوچھا کہ کہو شاد ہے کون
ہنس کے فرمایا وہ تو ہیں ہمارے پیارے

مجھے تو کام ہے تجھ سے جہاں رہے نہ رہے
زمیں رہے نہ رہے آسماں رہے نہ رہے

شاد

شاد۔ پنڈت پریم سکھ صاحب متوطن بلند شہر۔ آپ سکندرآباد میں سب انسپکٹر پولیس رہے ہیں۔ رنگین خیال ہیں۔ نکتہ پرداز ہیں۔ سلاست طبع سادگی سے ہویدا ہے۔ شعر کے

تیور دل میں چبھ جاتے ہیں کس لطف کا شعر کہا ہے ؎

وہ دیکھتے ہیں لطف سے اغیار کیطرف　　ہم دیکھتے ہیں چرخ ستمگار کیطرف

بظاہر سادہ شعر ہے مگر دونوں مصرعوں میں دیکھنے کا تقابل انتہائے بلاغت ہے۔ چرخ ستمگار کیطرف دیکھنے سے مایوسی اور ناکامی کا دردناک منظر سامنے آجاتا ہے۔ دونوں مصرعوں میں "دیکھنے" کے جداگانہ معنی ہیں۔ اظہار رشک، شکوۂ چرخ تمام شعرا نے کیا ہے مگر پنڈت جی نے اس فرسودہ مضمون کو بھی ادا کرتے ہوئے ایک بات نکالی ہے۔ دیوان مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

جذبۂ دل روکنا وحشت سے جی گھبرا گیا　　پھر مجھے جوشِ جنوں سوئے بیاباں لے چلا

مئے محبت جو پی ہے میں نے شراب لیکر میں کیا کروں گا　　مزے سے کھاتا ہوں پارۂ دل کباب لیکر میں کیا کرونگا

جوانی ساری یونہی گنوائی سفیدی پیری کی اب ہے آئی　　گنہ کی منہ پر ہے اب سیاہی خضاب لیکر میں کیا کرونگا

کبھی کشتگانِ ابرو نہ لہو میں یوں نہاتے　　ترا خنجر اے ستمگر جو نہ آبدار ہوتا

نہ اڑاتی خاک میری پسِ مرگ لے صبا تو　　جو مری طرف سے دل میں ترے غبار ہوتا

ہوگیا حشر قیامت نے قدم چوم لئے　　ناز و انداز سے جس دم وہ پری زاد چلا

کس نے نقاب چہرہ سے اپنے اٹھا دیا　　ذرہ کو مہر، مہر کو ذرہ بنا دیا

راہِ ناکامی میں مثلِ گرد رہ جائیں گے ہم　　قافلہ روحِ رواں کا جب رواں ہو جائیگا

داغِ دل تازہ ہوئے فصلِ گلستاں دیکھکر　　زخم میں سوزش ہوئی میرے نمکداں دیکھکر

کھو بیٹھے جسکے ہجر میں ہم جسم و جاں تلک　　الفت کا اپنی اُن کو نہیں ہے گماں تلک

کہا میں نے کہ مرتا ہوں تجھ بن میاں لگا کہنے وہ ہنس کے چل جا جہاں　　تری زندگی بھاتی ہے کسکو یہاں ترے مرنے کا مجکو الم ہی نہیں

بتانِ فتنہ گر بچپن ہی سے چنچل نکلتے ہیں　　عجب قدرت خدا کی ہے یہ کمسن چل نکلتے ہیں

نہاں سینہ میں اپنے مشرقستاں ہم بھی رکھتے ہیں　　کسی خورشید رو کا داغِ ہجراں ہم بھی رکھتے ہیں

بہارِ گل وہاں وہ دیکھتے پھرتے ہیں گلشن میں　　یہاں داغوں سے سینہ کو گلستاں ہم بھی رکھتے ہیں

طلب سے ہے مرہم زنگار کی پھر
ہرے مدت میں زخم دل ہوئے ہیں

یہ دیکھو تم ہمارے دیدۂ پرنم میں جوش آیا
تماشا دیکھنے والو لگی ہے آگ پانی میں

رقیب دشمن جاں کی تو دیکھو فتنہ انگیزی
ہوا انکے رازداروں میں ہے میرے غمگساروں میں

عہد پورا کریں عادت ہی یہ خوباں میں نہیں
انکے مذہب میں نہیں انکے یہ ایماں میں نہیں

خار کھا کھا کے مری جاتی ہے بلبل چمن سے
ہم نے وہ پھول چنے ہیں جو گلستاں میں نہیں

طرۂ کاکل شبرنگ دکھاتے کیوں ہو
تم اندھیرے میں مری جان ڈراتے کیوں ہو

کیوں ذبح کر کے چھوڑا ہے کشتہ کو نیم جاں
بسمل کے اپنے "اور نہ اک دو لگائے ہاتھ"

موئے مشکیں ہیں رخ یار پہ آتے جاتے
کافر ایماں ہیں قرآن پہ لاتے جاتے

خط غیر سے لکھا کے مجھے یار نے بھیجا
آیا مری قسمت کا نوشتہ مرے آگے

کہا میں نے کہ سمجھا ہے جو یہ آگ دل میں لگائی جان
لگا کہنے سنکے وہ بدگماں میرا یونہیں ہے خفا لگی

وہ قاتل کیا کسی کا "خوں بہا" دے
جو ہنسکر عاشقوں کا خوں بہا دے

مثال آسیا گوشہ نشیں ہیں
ہمیں تو رزق گھر بیٹھے خدا دے

ادا سے مار ٹھوکر سے جلا دے
قیامت قامت جاناں دکھا دے

شکایت انقلاب دہر کی کرتا ہے کیا غافل
زمانہ آئیگا لے شاد اس سے بھی خراب آگے

شاد۔ لالہ بال مکند صاحب باشندۂ ضلع رہتک ظریف مزاج ہنس مکھ۔ زندہ دل شخص ہیں آپکے ظریفانہ مضامین اودھ پنچ میں شایع ہوتے ہیں۔ مرزا مچھو بیگ عاشق لکھنوی سے فن سخن میں استفادہ کیا ہے۔ اُردو فارسی کے سوا بنگلہ زبان اور انگریزی جانتے ہیں۔ جدید انشا پردازی کے ماہرین میں انکا شمار ہے۔ ایک زمانہ میں اخبار بھارت متر کلکتہ کے ایڈیٹر تھے۔ سیاسی معاملات خوب لکھتے ہیں۔ شعر کی طرف کم توجہ ہے۔ پچاس پچپن برس کی عمر ہے۔ شاد

عہد رفتہ کا کلام یہ ہے ؎

ہجر میں بیکار کس دن عاشق مضطر رہا
درد دل میں سر میں سودا پاؤں میں چکر رہا

یہ وہی ہے چاہنے والا ترا ارماں بدنصیب
ایک مدت آپ کا زانو پہ جس کے سر رہا

ہم ہیں ان غیرتِ یوسف کے خریداروں میں
انگلیاں چار طرف اُٹھتی ہیں بازاروں میں

ہائے بوسہ ہے افسوس نزاکت اسکی
ڈر ہے دہبا نہ لگے چاند سے رخساروں میں

شاد

شاد - چوبے رگھناتھ ساکن شکوہ آباد تلمیذ حضرت داغ دہلوی شاعر خوش خو محکمہ مال میں قانونگو تھے. عرصہ ہوا انتقال فرما گئے. منشی حیات بخش رسا. فدا. متین بدایونی کے ہم مشاعرہ اور دوست تھے. شکوہ آباد میں بزمِ سخن انکے دم سے تازہ تھی. جو کچھ کلام فراہم ہو سکا اُسکا انتخاب حاضر ہے

اگر کوئی او جفا کار ہاوار قاتل
ہنسینگے یہ زخمِ جگر دیکھ لینا

جس کو نہو صبر وہ پھر کیوں ہیں چاہے
یہ کھٹکے وہ میری برابر سے نکل کر

محشر میں اُن سے شاد کچھ ایسا سوال ہو
کافر بتوں کو بات بھی کرنی محال ہو

ابھی توبہ کی کیا جلدی ہے زاہد
قیامت کو تو اک مدت پڑی ہے

پھولو نہیں کیوں تولوں تلوار تیری قاتل
یہ بھی گلے کا میرے اک ہار ہوگئی ہے

کافر تری نظر سے سب کو خدا بچائے
نرگس کو تو نے دیکھا بیمار ہوگئی ہے

توبہ توبہ کہیں منہ پھیر سکیگے میخانے سے
بہکتے ہم نہیں ناصح ترے بہکانے سے

ضبطِ دل آنکھوں میں آنے نہیں دیتا آنسو
اُلٹی پھر جاتی ہے مئے شیشہ میں پیمانے سے

شاد

شاد - منشی محمد عمر خاں دھول پوری. جوان طبع رنگین فکر ہیں. کلام یہ ہے

چلا رُک رُک کے خنجر اے ستمگر
کہاں میں جاؤں گا گردن چھڑا کر

ترے کوچہ سے جاتا ہوں سوئے دشت
مقدر لیچلا گلشن چھڑا کر

نکالی ہے لحد سے کیوں مری لاش
کہاں لیجائے گا مدفن چھڑا کر

شاد

شاد - مستری قادر بخش. شاگرد حضرت شوکت میرٹھی. شملہ اور اضلاع پنجاب میں عمارت کا کام انجام دیتے رہتے ہیں. اپنے اُستاد کے باعقیدت شاگرد ہیں. جس زمانہ میں شوکت

مرحوم نے مجدد سخن ہونیکا دعوی کیا تھا تو انکی تائید میں اکثر مضامین انہیں کے نام سے نکلے تھے نتائج افکار کا خلاصہ یہ ہے ؎

برائی اے شیخ اہمیں کیا ہی مجاز عرفاں کا رہ نما ہی
خدا کو پائیگا کسطرح تو جو پہلے عشق بتاں نہو گا

مسیح کیوں دیر کر رہے ہو لبوں پہ ہی جان زار اب تو
اگر ہو آنا تو جلد آؤ وگرنہ یہ نیم جاں نہو گا

خوشی تو عید کی جب تھی گلے ملتا وہ ماہ پارہ
نہیں تو عید کا بھی چاند ہے گویا محرم کا

باغباں دشمن۔ عدو صیاد۔ گلچیں ہے رقیب
کون ہے گلشن میں کہئے مہربان عندلیب

پیری میں کیا یہ آپ کو سوجھی ہے شیخ جی
عشق خدا کو چھوڑ کے عشق بتاں ہے اب

زاہد کو اپنی زہد و عبادت پہ ناز ہے
مجھکو فقط ہے رحمت غفار کا گھمنڈ

کیا کہیں اے شاد اپنا مذہب و مشرب ہی کیا
شیخ سمجھا ہے مسلماں برہمن ہندو ہمیں

شاد

شاد۔ حکیم منشی منو لال شاد دہلوی کایستھ ماتھر مقیم پٹیالہ حکیم ذوقی رام دہلوی کے فرزند اور ہوشیار طبیب تھے۔ طبع جدت طراز تھی۔ دور فکر سے مضامین کو شستگی سے ادا کرتے۔ عرصہ تک ریاست پٹیالہ میں مطب کرتے رہے۔ پروفیسر رام چندر ریاضی داں انکے ہم زلف تھے ۱۸۹۲ء کے قریب انتقال ہوا۔ تقریباً ۶۰ برس کی عمر پائی۔ کلام یہ ہے ؎

شاد رہنا چاہئے ہر حال اپنے دل میں شاد
نیک و بد جتنا ہے سب ہے مقتضا تقدیر کا

کمر ستم پہ کسی گالیوں پہ منہ کھولا
اور اس پہ آپ دہان و کمر نہیں رکھتے

لیویں کہاں سے قرض کہ تنخواہ قسط میں
ہے جنوری سے تا بہ دسمبر لگی ہوئی

شاد

شاد۔ منشی رام پرشاد صاحب کایستھ دہلوی۔ شاہ نصیر کے تلامذہ سے تھے۔ کچھ عرصہ آگرہ میں بھی رہے تھے۔ زبان اور مضمون کی آمیزش سے کلام دلفریب۔ انداز بیان حسن فصاحت کی زیب تھا۔

ابرو کی جب صفت میں یہ ذہن رسا لڑا
مصرعہ ہلال کے مصرعہ سے جا لڑا

آفتاب حشر پرتو ہے جبین یار کا
روز رستاخیز سایہ ہے قد دلدار کا

منہ جو کھولے وہ شب تار میں دن ہو جائے
رات ہو جائے جو زلفیں وہ سنوارے دن کو

کیا شب تار سے تشبیہ ہمارے دن کو | تابِ خورشید نہیں سر جو ابھارے دن کو

شاد۔ منشی عبد اللطیف باشندۂ بمبئی۔ شاگرد حضرت امیر مینائی مرحوم طبع میں لطافت ہے صاف ستھرا شعر کہتے ہیں۔ انتخاب یہ ہے ؎

پڑ گیا ہے صبر شاید عاشق بیتاب کا | آپ کی شوخی میں بھی کچھ اضطراب آنیکو ہے

کسکی تیغ ناز ہے خمیازہ کش مقتل میں آج | زخم کے انگور سے کھنچ کر شراب آنیکو ہے

اسقدر بیباکیاں کی ہیں نگاہِ شوق نے | وصل میں انکی حیا کو بھی حجاب آنیکو ہے

شاد۔ تاجر باوقار شیخ عبد الرزاق دہلوی خلف شیخ اللہ دیا صاحب۔ شیخ جیون بخش مرحوم تاجر کلکتہ کے متبنی۔ انہیں کلکتہ اور دہلی کے تجارتی حلقوں میں بڑی قدر منزلت حاصل تھی۔ حکیم سید محمد سجاد اور حضرت داغ کے عقیدتمند شاگرد تھے۔ لاہور کے مشہور سوداگر شیخ رحیم بخش کی دختر ان سے منسوب تھیں کثیر العیال آدمی تھے۔ آخر وقت میں کام بگڑ گیا تھا۔ ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء میں بمقام دہلی انتقال ہوا۔ وفات کے بعد بہت سی جائداد قرضہ میں فروخت ہو گئی۔ فکر میں رسائی زبان میں صفائی تھی۔ کلام یہ ہے ؎

دیدہ و دل عشق کی سرکار میں دونوں چلے | لعل کوئی لے چلا اور کوئی گوہر لے چلا

میخانہ ہے میخانہ ہے لے حضرت واعظ | بس چپکے چلے جایئے توقیر سے باہر

آپنے کھائی قسم اور مجھکو باور ہو گیا | پھر قسم بھی وہ قسم سو بار بھی کی کھائی ہوئی

عشق میں غصہ بھی کھایا غم بھی کھایا روز و شب | پھر نہیں معلوم کیوں زائل توانائی ہوئی

رات ساری سر گرانی ہوئی نہیں کی تم نے بسر | وصل کی شب سر بسر صرف خود آرائی ہوئی

شاد۔ شیخ محمد جان معروف بہ پیر و میر، مولد شیخ وارث علی صدیقی۔ آپ لکھنؤ کے قدیم شیخزادگان سے تھے۔ اجداد کا مذہب سنت جماعت تھا لیکن عہد شاہی میں شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا آپ سنہ ۱۲۴۰ھ زمانہ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودہ میں پیدا ہوئے۔ شیخ صاحب میر کلو عرش خلف میر تقی میر کے شاگرد تھے۔ انکا بیان تھا کہ میں نے ۱۰-۱۱ برس کے سن میں میر کو دیکھا تھا

وہ نہایت ضعیف دُبلے پتلے آدمی تھے۔ انہیں "پیر و میر" کا لقب اُستاد نے مرحمت کیا تھا۔ قانع۔ وضعدار۔ قدیم رسوم کے پابند تھے۔ لکھنؤ سے باہر جانا انکو دوبھر اور بار خاطر تھا۔ سر راجہ امیر حسن خاں بہادر کے۔ سی۔ آئی مرحوم والئی ریاست محمود آباد کے ہاں سے تیس روپیہ ماہوار مقرر تھا۔ اسی میں اوقات بسر کرتے تھے۔ ناسخ اور آتش کی معرکہ آرائی کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ عمر بھر مجرد رہے ہمیشہ معشوقانِ خیالی سے دل بہلایا۔ روز یکشنبہ ربیع الثانی کی چھٹی کو وفات ہوئی۔ ۷۹ برس کی عمر پائی۔ اخبار اودھ پنچ کے دفتر میں حضرت جگر و فضا بسوانی کو کلام سُنا رہے تھے کہ شعر پڑھتے پڑھتے روح جسم سے پرواز کر گئی۔ دو دیوان تیار کئے تھے جن میں سے ایک گم ہو گیا۔ اور ایک "سخن بے مثال" کے نام سے شائع ہوا۔ مولوی سید محمد واثق۔ ننھے آغا صاحب ابد۔ سید عاشق حسین صاحب۔ خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی انکے تلامذہ سے ہیں۔ رنگ کلام کو لکھنؤ کی پر تکلف رعایتوں اور انداز بیان سے کوئی نسبت نہیں۔ غزل میں میر کا رنگ۔ غالب تھا اور انہیں کے محاورات۔ اصطلاحات روزمرہ کے پابند تھے۔ دور حاضرہ نے جو لکھنؤ کی غزل گوئی میں انقلاب پیدا کیا ہے اور شعرا میر و غالب کی طرف کھنچتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ اسکی تاریخ جب کبھی لکھی جائیگی تو اسمیں شاد پیر و میر کا نام سب سے اول ہو گا جنہوں نے قدیم تخیل پر اسنے محاورات کا تحفظ کیا۔ اور آئندہ نسلوں کیلئے رستہ نکالا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

خبرِ یک عشق آکے یہ کہہ گیا — پھپھولوں میں دل پھوٹ کر رہ گیا
فروغِ جہاں ہو دنا ہو رہے — شرر بجھتے بجھتے یہی کہہ گیا
وہ تیغِ زباں جب لڑانے لگے — ہر اک زخم منہ کھول کر رہ گیا
دم لیا دنیا سے جا کر خلد میں — رم کیا اس جا سے اس جا رم رہا
حسن میں اس روئے روشن کے حضور — لاکھ چمکا آئینہ مدھم رہا
شاد نالوں کے سنبھلے عشق میں — ہاں بھالے۔ برچھیاں۔ بلم رہا
کھاتے کھاتے رنج و غم اکتا گیا — بس مرے اللہ جی گھبرا گیا

خیالِ انجامِ گلشن کا جو آیا
بڑھا میں جس قدر اُتنی گھٹی عمر

کاوشِ مژگاں نے بیندھوا اشکِ خونیں جس طرح
بھر گئے زخمِ جگر ناخن سلامت ہیں تو پھر

ہاتھ رکھ سر پہ جو لیتا وہ حسیں انگڑائی
شیخ مینا کا جو قُلِ عرس میں کرتے صوفی

میکشو نشہ میں کعبہ کی طرف گرنے کو
دن تو یادِ رخِ روشن میں گذر جاتا ہے

رہرو ملکِ عدم کا نہیں کھلتا احوال
سُنا ہمکو آتے جو اندر سے باہر

وہ محرومِ دولت ہوں برگشتہ قسمت
بہار آتی ہے رنگ لانے کے قابل

کفن پوش دنیا سے ہم کیوں نہ جائیں
ذرا بھی لگی ٹھیس دل چور ہو گا

کباب سیخ ہیں کب کروٹیں لیکر سنبھلتے ہیں
غزالِ چشم کب شمشیرِ ابرو سے دہلتے ہیں

وہ تیغ گالیاں ہیں ہم گلِ عارض کو ملتے ہیں
ٹپکتے ہیں جو آنسو لختِ دل جمتے ہیں مژگاں پر

زمیں پر پاؤں رکھ دیکھ انقلابِ دہر عبرت کر
خدا ہی اس چپ کی داد دیگا کہ تربتیں روند ڈالتی ہیں

ہر نفسے پر بادشہ مگر سر گرم بازاروں میں ہوں

بسورے ہم جو غنچہ مسکرایا
بگڑتے ہی گئے جتنا بنایا

نشتر یوں دانۂ مرجان کو برمائینگے کیا
پھوٹ کر چھالے نہ دل میں گھاؤ پڑ جائینگے کیا

گر وہ مہتاب جہاں تاب کے ہالا ہوتا
مے پرستوں میں خُمِ جم کا پیالا ہوتا

لڑکھڑاتے تھے قدم ہاتھ سنبھالا ہوتا
رات بھاری ہے مگر زلف کے بیماروں پر

کیا گذرتی ہے نہ جانے وطن آواروں پر
پھرے اُلٹے پیروں وہ باہر سے باہر

اُڑے خاک گھر میں جو چھن برسے باہر
جنوں سنگِ طفلاں سے کھانیکے قابل

یہ صورت نہیں منہ دکھانے کے قابل
یہ شیشہ نہیں چوٹ کھانے کے قابل

جل اُٹھا ہی جو یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں
یہ آہو وہ ہیں جو تلوار کے سایہ میں پلتے ہیں

زباں چلتی کسی کی ہے کسی کے ہاتھ چلتے ہیں
جو گل مرجھا کے گرتے ہیں ثمر شاخوں میں پھلتے ہیں

فقیروں کے قدم سر بادشاہونکے کچلتے ہیں
اجل کے مارے ہوئے کسی سے نہ بولتے ہیں نہ چلتے ہیں

جان کا گاہک جو ہو اُسکے خریداروں میں ہوں

بیجرم رکھا تھا نہ خنجر ہی گلے کو ‏— کچھ بات بری منہ سے نہ نکلی تھی بھلے کو
دکھا دو گر قُرہ مجھ منچلے کو ‏— ابھی رکھدوں تہِ خنجر گلے کو
لہو روتے مجھے اتنی ہوئی دیر ‏— تمہیں جتنی ہوئی منہدی ملے کو
ابھی سمرن تری وردِ زباں تھی ‏— کوئی دم بھر ہوا منکا ڈھلے کو

قبر میں رکھ کے گئے لاش کے لانیوالے ‏— کاندھیاں دے گئے تابوت اُٹھانیوالے
یہ بلا کی ہے دھواں دھار لگائی مسّی ‏— دن دوپہرے ہیں وہ اندھیر مچانیوالے
مفت دل لیکے بڑے تم تو سیانے ٹھیرے ‏— ہمیں فرمائیے نادان رہے یا نہ رہے
ہم تو صدقے کا بھی مبتلا نہ بنے کیا جانیں ‏— سینکڑوں آپ یہ قربان رہے یا نہ رہے
یہ کد ہے پردہ دری میں شکستہ جالوں کی ‏— لئے جو ظرفِ گلی بھی کبھی سجا کے لئے
قدم جو پڑتے ہیں سر کش صدا یہ دیتے ہیں ‏— فلک نے خوب عوض خاک میں ملا کے لئے
ہم نہ بگڑیں گے اگر چشم نمائی ہوگی ‏— پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی
شبِ وصال یہ دشمن ہوا ہے گھڑیالی ‏— ہوئی ہے شام بجاتا گجر ابھی سے ہی
وہاں ہے حشر میں دیدارِ حضرتِ موسے ‏— غشی یہاں مجھے آٹھوں پہر ابھی سے ہی

مر کے بھی جس کی رہیں آنکھیں کھلیں ‏— حسرتِ دیدار اُس کی دیکھا چاہئے
چشمِ گریاں کو وہی لو ہے لگی ابرو کی ‏— آنچ تلوار کے پانی سے بجھائی نہ گئی

صدا یہ آتی ہے ہر دم مزارِ یوسف سے ‏— غرورِ حسن دو روزہ ہیں نازنینوں کے
سنبھل کے گورِ غریباں پہ پاؤں کو رکھیں ‏— کہ ہم بھی تھے کبھی سرتاج مہ جبینوں کے
غرورِ حسن سے کیا کیا نہ مہ جبینوں کے ‏— لفافے کھلنے آتے ہی خط حسینوں کے
کھڑو بالیں پہ نہ آئیں ابھی باہر والے ‏— رو رہے ہیں مری میت پہ مرے گھر والے
غور کر بام سے داغِ دلِ روشن کو مرے ‏— چاند نکلا ہے ذرا دیکھ تو اُوپر والے
دُکھا دل بھی ٹکڑے جب جگر ہائے سینہ ہوتے ‏— اِدھر بھی اُٹھا درد اُدھر ٹکڑے ہوتے

شبِ وصل گذری مجھے روتے روتے
سحر اُس نے کی ہاتھ منہ دھوتے دھوتے

ہوئی دل میں بھی نشترن نوکِ مژگاں
کلیجے میں نشتر چبھوتے چبھوتے

لَو عشق کی وہ ہے کہ پتنگے کو جلا کر
سر میں جو لگی شمع کے تلوے میں لگی ہے

آنسو تھمے مژگاں پہ جیسے سخت جگر بھی
پھولی ہوئی ٹہنی ہے کوئی شاخ پھلی ہے

سر کٹ گئے اک الفتِ کاکل میں ہزاروں
وہ رات کو گھمسان کی تلوار چلی ہے

حسنِ مہِ نو کم ہو ناخن کے بڑھے سے
جو بات بُری بھی ہو حسینوں کی بھلی ہے

پھانسیاں زلف کی دینے میں وہ ٹھگ تیز تو ہے
لُوٹ لے ڈال کے کملی مجھے اندھیر تو ہے

نہ پوچھو حسرتِ تشنہ دہانی
وہ مستسقی ہوں جو پانی کو ترسے

لگائے ٹھٹ ہے ہر سو نامرادی
تمنائے دلی نکلے کدھر سے

ملے گا خاک بتخانے میں جا کر
برہمن اور کچھ پوجیں گے گھر سے

دل کی جگر کی سینے کی پہلو کی جان کی
آنسو چھپائے آگ یہ کس کس مکان کی

بس قضا بھی یہ لپکا ہے دید بازی کا
کہ مر چکا ہوں پر آنکھوں میں جان ہے اٹکی

کیا خارِ بیاباں کو غمِ تشنہ دہانی کا
جو آبلۂ پا ہے پانی کی وہ چھاگل ہے

دل شکستوں کی نہ کیوں آنکھ سے آنسو ٹپکیں
قطرۂ آب نہ ٹوٹے ہوئے برتن میں رہے

ہوں وہ برگشتہ مقدر جیسے پھرتے گذرے
میری مٹی کا جو دانہ کسی خرمن میں رہے

رو رہا ہوں میں چلے تم زلف بکھرا کر کہاں
مینہ برستا ہے گھٹا چھائی ہے کالی رات ہے

بجھ رہے ہیں داغِ دل تربت میں جانے کے لئے
روشنی گل ہو رہی ہے نیند آنے کے لئے

شمعِ روئے یار و شمعِ بزم میں اتنا ہے فرق
وہ تو جلنے کے لئے ہے یہ جلانے کے لئے

برق و باراں سے ہے خلقت عاشق و معشوق کی
وہ بنے ہنسنے کو ہم آنسو بہانے کے لئے

ہے چشمِ سیہ میں کودکِ اشک
بھونرے میں یہ طفل پل رہا ہے

کیوں موہ نہ لیں دلِ برہمن
آنکھوں میں بتوں کی موہنی ہے

فرقت میں درازیِ شب و روز
ہر موج نگر ہے تیغِ قاتل

جنوں میں کھیل مچایا ہے سنگ ساری کا
کھلا نہ آہِ سحر سے بھی غنچۂ خاطر

فوجِ اشک امنڈی ہی کیونکر بچ سکی جانِ حزیں
اٹھا سکے کوئی کیا سرگرانیٔ فرہاد

وہ خالِ چشم ہوا اے شاد کیوں نہ مانعِ دید
ہیں ہوا میں تو ہم آغوش ہوگی کس سے تو

گرہ میں زر ہے مستوں کے گھٹا آئی ہے اُتر سے
وعدۂ دیدارِ فردا دل کنارِ گور ہے

یہ شکوہ شبِ وصل کوئی گھڑی ہے
نشانِ قبر وہ ہم دل جلوں کے ہیں اے شاد

قائم ہے ترے ذکر سے میرا تنِ خاکی
کیا جانے کوئی شانِ جبیں کا مری رتبہ

سخت جانوں پہ جو کی تیز چھری قاتل نے
شورِ قلقل سے جھکائے ہوئے سر مینا ہے

"جنگل میں مور ناچا" "مجنوں" "تو کس نے دیکھا"
سرگرمِ آہ ہم ہوں مصروفِ نالہ تم ہو

ہستی و عدم میں نفسِ چند بشر کے
اے شاد موج موج سے ہے تردامنی مری

دشتِ پیمائی میں مجنوں کا نہ دامن چھوٹے

دن دونی ہے رات چوگنی ہے
جو دم پہ حباب کے بنی ہے

"بھری بُری" رہے لڑکوں کی سنگ سے جھولی
نسیم نے بھی نہ دل کی مرے گرہ کھولی

گر پڑے اک ڈلیہ لاکھوں حسرت و غم ٹوٹ کے
پہاڑ سے بھی زیادہ یہ بار بوجھل ہے

کہ تل کے اوٹ مثل ہے پہاڑ اوجھل ہے
خاک میں مجھکو ملا کر اے لحد پچھتائیگی

خدا چاہے تو ساقی آج میخانہ میں چھن برسے
ہجر کی شب صبح کے ہونے تک اپنی بھور ہے

تو "رات تھوڑی کہانی بڑی" ہے
کہ دودِ آہ سے ڈھوئی جہاں رمائے ہوئے

کلمہ کے سہارے پہ دیوار کھڑی ہے
"اللہ سے چھوٹی ہے پیمبر سے بڑی ہے"

ٹرہ گئی باڑہ کہیں دھار کہیں بیٹھ گئی
یہ مثل سچ ہے وہ بڑے بول کا سر نیچا ہے

دیوانگی کا اپنی چرچا گلی گلی ہے
کام و لب و دہن میں یہ بھی کبھی بدی ہے

جھونکے ہیں ہوا کے نہ اُدھر کے نہ اِدھر کے
دریا بہاؤں گوشۂ دامن نچوڑ کے

بستوں پہ لیکے نام کوہکن سر پھوڑے

اس دلِ وحشی کے ہاتھوں وہ ہوں پامالِ جنوں
آبلے روتے ہیں جسکی بیکسی پر پھوٹ کے

ہر نفس اے چشمِ تر کیوں روئیے
کس لئے ہاتھ آبرو سے دھوئیے

جانِ زلفوں پر کہاں تک کھوئیے
شام کے مرنے کو کب تک روئیے

خطِ پیشانی مٹایا چاہیے
اشک سے قسمت کا لکھا دھوئیے

کرتا ہے مثالِ خضر باتیں
طوطیٔ خط اُسکا بولتا ہے

سر دھری سے بتوں کی مر چلے
ٹھنڈے ٹھنڈے ہم خدا کے گھر چلے

دل وہ شیشہ ہے ہُوا جو سنگسار
آنکھ کے ڈھیلوں سے بھی پتھر چلے

نیند اُڑی یہ چشم روزن کی طرح
کر کے بند آنکھیں نہ اک پل سو سکے

دردِ دل اُس گل سے شبنم نے کہا
ہم نہ اُس ہمنفس کھُد سے دکھڑا رو سکے

مال کی کیا ہر آن جو کم ہے
دل لگانے میں جسے جان کا جوکھم ہے

اُسے دل دیجے صد صفت پائے
اٹھائے رنج و غم بیٹھے بٹھائے

دمِ گریہ یہی کہتے ہیں آنسو
بلایا جس نے ہم آنکھوں سے آئے

شاد **شاد** - گنگا پرشاد صاحب کایستھ ساکن آگرہ شاگرد مرزا حاتم علی مہر اکبر آبادی ۱۲۸۰ھ میں ۳۳ سال کی عمر تھی - اور عدالت ہائیکورٹ میں وکیل تھے - طبیعت نہایت رسا اور شوخ تھی - یہ کلام ہے ؎

پھرے گردن پہ جب خنجر تو قاتل سے لڑیں آنکھیں
بلا سے جان جاتی دید بازی تو ذرا ٹھیرے

حسینوں کے بیان سے جان تن بیجان میں آتی ہے
الٰہی صحبت ہمارے واسطے گویا خدا ٹھیرے

نگاہِ شوق سے اُس بت کو دیکھیں ہم تو کہتا ہے
تمہیں اک گھورنی والے مرے نام خدا ٹھیرے

تلمذ مہر سے ہے شاد کیونکر ہوں نہ خوش طالع
یقیں ہے طبع روشن اپنی جلوہ طور کا ٹھیرے

شاد **شاد** - بابو جانکی پرشاد ماتھر قوم کایستھ - آپ لالہ درگا پرشاد کے منجھلے صاحبزادے ہیں - آپکے دادا لالہ ہردیو بخش خلف لالہ میگھراج اپنے خاندان کے معزز رکن تھے - اجداد کی قدیم سکونت جھنجھنو فتح پور

متصل ریاست جیپور تھی مگر عالمگیر اورنگ زیب کے عہد میں کسی وجہ سے ترک وطن کرکے فتح پور سیکری ضلع آگرہ میں اقامت پذیر ہوگئے۔ یہاں قسمت نے انکو شادمانی کا ہرا بھرا باغ دکھایا۔ جاہ و ثروت کی کمی نہ ہی۔ زمانۂ موجودہ میں بھی آپکا خاندان پچاس ہزار روپیہ کا مالگذار ہے اور آپکی ذاتی مالگذاری دس ہزار روپیہ سے زیادہ ہے۔ آپ سمت ۱۹۴۴ بکرمی میں پیدا ہوئے اس حساب سے آپکی عمر ۳۹ سال کی ہے۔ انگریزی زبان کی تحصیل صرف مڈل تک ہونے پائی تھی کہ سولہ برس کی عمر میں شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپنے لباس ماتمی اتارنیکے بعد ایک ناقابل برداشت بوجھ کو اٹھایا۔ خانگی انتظام میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا طبیعت میں قدرت نے انتظامی مادہ دیا تھا۔ اسلئے سارے کام خوش اسلوبی سے سرانجام پائے گئے۔ گورنمنٹ نے بھی انکو باپ کے نقش قدم پر قایم دیکھکر ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر بنایا۔ آنریری مجسٹریٹی کے لئے نامزد کیا۔ آپکو نشانہ بازی میں مشاقی گھوڑے کی سواری میں دستگاہ کامل علم موسیقی میں تھوڑا سا دخل ہے۔ انگریزی لٹریچر کے مطالعہ سے خاصی قابلیت حاصل کرلی۔ انگریزوں سے ملاقات کرنے میں اچھی انگریزی بول لیتے ہیں۔ آپ جوان رعنا۔ جامہ زیب لطیف طبع۔ خوش بیان شاعر ہیں۔ فصیح الملک داغ دہلوی کو مانتے ہیں اور انکے قابل فخر شاگرد حضرت نسیم بھرت پوری مرحوم سے خاص ارادت تھی۔ علم عروض و قوافی سے بہرہ یاب ہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری سے خاص عقیدت ہے۔ ایک مرتبہ دس منٹ میں خواجہ صاحب کی منقبت میں غزل کہکر درگاہ سے اٹھے۔ نہایت حاضر طبع اور زود گو ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

ہوا ہوں جب سے میں مائل معین الدین چشتی کا	مرا دل ہو گیا ہے دل معین الدین چشتی کا
زبان شمع شب افروز یہ فرط محبت سے	ترانہ ہے سر محفل معین الدین چشتی کا
جو مانگا روضۂ پر نور پر آکر وہی پایا	پھرا محروم کب سائل معین الدین چشتی کا
جگر ہے میرے قابو میں نہ دل ہے میرے کہنے میں	یہ ہے کشتہ وہ ہے بسمل معین الدین چشتی کا
گنہگار محبت ہیں نہ ہم بیمار الفت ہیں	مگر اچھوں کے بندے ہیں شہید حسن صورت ہیں
غبار آیا ہے کچھ میری طرف سے دامن دل پر	تری باتوں سے ظاہر صاف آثار کدورت ہیں

جناب شاد کی تعریف ہم سے ہو نہیں سکتی	سراپا خلق ہیں تفسیر لفظ آدمیت ہیں
غیر کے ملنے سے اور انکار رہنے دیجئے	مجھکو باور آگیا سرکار رہنے دیجئے
نالہ وزاری سے رغبت ہے اگر تھوڑی بہت	اک مرا بستر پس دیوار رہنے دیجئے

شاد

شاد۔ شیخ محمد عثمان خلف شیخ عبد القادر صاحب پنشنر صوبہ دار میجر سب انسپکٹر پولیس پونہ ۱۸۸۸ء میں ولادت ہوئی اس حساب سے اب ۳۷ برس کی عمر ہے۔ ظہیر مرحوم دہلوی کی وفات سے دو برس پیشتر اُنسے تلمذ اختیار کیا تھا۔ ابتدا میں محمد عبد الرزاق بہار احمد آبادی سے بھی اصلاح لی تھی۔ اکثر شور زمینوں میں تخم ریزی کی ہے۔ جس سے طائر فکر کی قوت پرواز کا حال معلوم ہوتا ہے۔ الفاظ و محاورات قدیم کا استعمال کلام میں بہت زیادہ ہے مگر بعض بعض اشعار خوب کہہ جاتے ہیں۔ تیر طلب کرتے ہیں۔ زنجیر طلب کرتے ہیں۔ اس زمین میں خوب شعر نکالے ہیں۔ ایسی سنگلاخ زمین میں کتنا صاف مقطع لکھدیا ہے ؎

ایک وہ دن تھا کہ تھی شاد سے نفرت اُن کو	ایک یہ دن ہے کہ تصویر طلب کرتے ہیں

گو اس شعر میں کوئی مضمون آفرینی نہیں کیگئی ہے۔ مگر فکر رسا کی رسائی دیکھئے کس خوش اسلوبی سے تصویر کے قافیہ کو سہل ممتنع بنا دیا ہے۔ ۱۹۰۷ء میں رسالہ آفتاب سخن پونہ سے نکالتے تھے جو بند ہوگیا۔ اب انجنیری کے محکمہ میں کلرک ہیں۔ پونہ میں راقم تذکرہ سے ۱۹۱۵ء میں ملے تھے مدتوں خط وکتابت کا سلسلہ رہا۔ جو کلام بھیجا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

بلبل ناشاد ہیں یہ سختیاں صیاد کی	کہ رہا ہے ہونٹھ سیدوں گا اگر فریاد کی
غنیمت جانتا ہوں بیکسی میں دیدۂ تر کو	دم آخر مجھے قطرہ تو مل جائے گا پانی کا
تمہیں شک ہو تو مقتل میں دوبارہ امتحاں ٹھہرے	ہماری طرح دشمن کا کلیجہ ہو نہیں سکتا
تیری ہنسی کی بات مری دل لگی کی بات	آپس میں ہو نہ جائے کہیں دشمنی کی بات
تم قول دے کے قول سے اپنے مکر گئے	یہ آج ہی کا ذکر ہے یہ ہے ابھی کی بات
حضرت شاد وہ کہتے ہیں کہ امید نہیں	ایسے مجمع میں سُنے داور محشر فریاد

ذبح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ فریاد نہ کر
ظلم اتنا تو مرے حال پہ جلاد نہ کر

ہر لب زخم جگر سے یہ صدا آتی ہے
کچھ رعایت مری لے خنجر بیداد نہ کر

ہم اونے پونے بیچ ہی ڈالینگے دل کبھی
لیکن نگاہ ناز خریدار دیکھکر

مٹا نہ بعد فنا دل سے داغ حسرت کا
یہی چراغ ہے میرے مزار کے قابل

لگی رہتی ہیں جبتک تاک میں صیاد کی آنکھیں
پھرا کرتی ہیں ہر سو بلبل ناشاد کی آنکھیں

مری آنکھوں پہ پٹی باندھکر مقتل میں لیجاؤ
نہ دیکھی جائینگی جانباز سے جلاد کی آنکھیں

جان لینے کے لئے تیر نظر کافی ہے
آپ کیوں قتل کو شمشیر طلب کرتے ہیں

پھر ذرا شوخ نگاہوں سے کہو کام کریں
پھر مرے قلب و جگر تیر طلب کرتے ہیں

آواز بھی چلمن سے سناتے نہیں اپنی
دنیا میں انوکھے وہی اک پردہ نشیں ہیں

جام الفت نے کردیا بیخود
ہم نشیں ہم چلے سنبھال ہمیں

اٹھو مے میکدے سے مستی لیگئی یارو
شیخ بازار میں دوکان لئے بیٹھے ہیں

کبھی تو بھول کر تم یاد کرلو اپنے عاشق کو
ترستی ہیں تمہارے دیکھنے کو شاد کی آنکھیں

قتل پر مرے اٹھاتے تو ہو تلوار مگر
دھری تہری ہوئی جاتی ہے کمر دیکھو تو

خس و خاشاک وہاں کے ہیں مجھے گل سے سوا
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے وطن کا نقشہ

مدت کے بعد خواب میں آکر گلے ملے
دن پھر گئے ہیں آج شب انتظار کے

کچھ نہ کچھ مطلب ہی ہوگا ورنہ یہ ممکن نہیں
چھیڑ کر یوں آپ سے اغیار ہنستے بولتے

جناب شیخ کے ہمراہ مے جو پی ہوتی
تو اس گناہ کی پرسش نہ جیتے جی ہوتی

شاد

شاد - عالیجناب خان بہادر مولانا سید علی محمد صاحب شاد - سادات حسینی الحسنی اور امام زین العابدین سے اپنا سلسلہ نسب ملاتے ہیں - انکا بیان ہے کہ محمد شاہ کے بخشی نواب خاندوران خاں جو نادر شاہ سے لڑائی میں بمقام کرنال مارے گئے آپکے اجداد میں تھے - شاہ گردی میں آپکے بزرگ بھی دہلی چھوڑکر پٹنہ چلے آئے - آپ آجکل کے رؤسائے پٹنہ میں ہر طرح موقر ممتاز اور بارسوخ سمجھے جاتے

ہیں۔ عرصہ دراز تک میونسپل کمشنر اور آنریری مجسٹریٹ رہے اور عوام و خواص کو اپنے طرز عمل سے خوش رکھا۔ انگریزی حکام سے بہت میل جول رہا قیصر ہند مرحومہ اور بادشاہ ایڈورڈ کی ہر تقریب اور جشن میں بہ نظر خیر خواہی قصائد تہنیت لکھ کر پیش کرتے رہے اور اسی طرح لاٹ صاحب اور دیگر جلیل القدر حکام جب کبھی پٹنہ آئے آپنے اُنکے خیر مقدم میں نظم تہنیت پڑھ کر خاطر خواہ داد حاصل کی جشن جوبلی شصت سالہ قیصر ہند کی تقریب پر آپنے ایک قطعہ تاریخ تہنیت ۸ اشعر کا قرمزی مخمل پر کار چوبی حروف میں زرکار اور سچے موتیوں کی بیل سے سجا کر بطور ارمغان حضور شاہی میں گذرانا۔ جسکے صلہ میں قیصر ہند کے سکرٹری نے شکریہ لکھکر بھیجا۔ اور بندگان شاہی کیطرف سے اظہار خوشنودی کیا۔ اس ارمغان میں کئی ہزار روپیہ لاگت آئی۔ اسی طرح اعلیحضرت نظام مرحوم کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھکر تیار کیا۔ مگر بدقسمتی سے کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ باریابی کا موقعہ نہ ملا اور علالت نے حیدرآباد جانے نہ دیا۔ آپکی حسن توجہ سے ۱۸۷۳ء میں رؤسا کی جانب سے ایک اخبار پٹنہ سے جاری ہوا۔ اور آپ چار برس تک اُسکے آنریری اڈیٹر رہے۔ اس زمانہ میں ایک مدرسہ بھی جاری کیا۔ تصانیف کا ہمیشہ سے شوق رہا۔ چنانچہ چھوٹی بڑی ۳۵ کتابیں اور رسالے ابتک چھپ چکے ہیں جنپر ہندوستان کے مختلف مشاہیر اور اہل علم سے خاطر خواہ داد پائی۔ ان خطوط کو فریم کراکے مولانا نے پورا ایک کمرہ اپنے دولت خانہ میں سجا رکھا ہے زود نویسی اور شعرگوئی کا یہ عالم ہے کہ پوری ایک الماری نظم و نثر کے مسودوں سے بھری ہوئی ہے۔ اُردو کے ضخیم کلیات میں صرف رباعیات دس جز میں آئے ہیں۔ مراثی اور قصائد بھی لاتعداد رقم کئے ہیں۔ ایک خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ جس طرح آپ علوم و فنون مشرقی کے زبردست ماہر ہیں علوم جدیدہ فلسفی طبعیات والہامات وغیرہ کے دقیق مضامین اور مسائل بھی بلاتکلف سلیس اور بامحاورہ زبان میں جابجا نظم فرماتے ہیں۔ مرثیہ گوئی میں روایات کاذبہ سے اجتناب کرتے ہیں اور واقعات کی حقیقت اور اصلیت قائم رکھتے ہیں۔ میر نفیس مرحوم نے جب لکھنؤ میں آپکے مرثیے سنے تو بہت تعریف فرمائی اور اس امر پر تعجب کیا کہ باوجود مبالغہ اور کاذبی روایات سے احتراز کرنے کے کلام میں پوری داد اور اثر نمایاں ہے اور مرثیہ کی علت

غائی یعنے رقت پیدا کرنے کی صفت معدوم نہیں ہوئی اور اُسی طرح قایم رہی۔

قطعات تاریخ کہنے میں بھی آپکو خاص ملکہ ہے۔ اور پُر گوئی کا یہ عالم ہے کہ قطعات کی تعداد کا اندازہ دو ہزار کے قریب کیا جاتا ہے۔ پٹنہ کے اکثر عمائد کی قبروں اور مکانوں پر آپ ہی کی کہی ہوئی تاریخیں کندہ ہیں۔ اسیطرح مختلف تقاریب شادی وغیرہ پر نہایت کثرت سے رقعہ جات نظم ونثر آپ کی تصنیف سے مشتہر ہو چکے ہیں۔ آپکے کلام میں پختگی اور متانت بدرجۂ اعتدال موجود ہے۔ صفائی زبان اور بندش کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ پُر گوئی کے باعث البتہ بعض غزلوں میں یہ کیفیت قائم نہیں رہتی۔ اخلاق اور تصوف کی بھی جھلکیاں جابجا اپنا رنگ دکھا جاتی ہیں۔ البتہ محاورات جابجا غلط نظم کئے ہیں جس سے انکی زبان دانی پر حرف آتا ہے یہ شعر ملاحظہ ہو۔

زرِ گل مفت لُٹتا ہے خزاں کی مہربانی میں	الٰہی خیر ہو وارانیارا ہے ہزاروں کا

محاورے میں تصرف کرنے سے غرابت لفظی کا عیب پیدا ہو گیا ہے کیونکہ صحیح وارے نیارے ہیں۔ آج تک کسی نے اسکو مفرد استعمال نہیں کیا۔

تذکیر و تانیث کا فرق بھی ملحوظ نہیں رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اس شعر سے واضح ہے

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی	جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

اساتذۂ زبان اُردو نے مینا کو مونث لکھا ہے۔ مذکر غیر فصیح سمجھا جاتا ہے۔ کلام یہ ہے۔

پیرِ مغاں کے مغبچے دیکھے چلے ہو واعظو	تم نہ پیو جو مے تو خیر حکم تو دو جواز کا
بارِ سبو وہی اٹھائے جس پہ ہو فضلِ مے فروش	زاہدِ خشک یہ بھی کیا بوجھ ہے جانماز کا
ہیں نگاہ شوق میں متحد ترا کوچہ ہو کہ ہو مقتل گہ	تری جلوہ گاہ میں دونوں ہیں جو سنا ہے یہ تو وہ کربلا
ہمیں شاد جس کا بہت تھا ڈر وہی پیش آ گیا الحذر	تمہیں کہتے تھے کہ امید سے زیادہ نہ رکھو خلا ملا
وہ ذبح کر کے مری لاش پہ یہ کہتے ہیں	تڑپ رہا ہے کہ منہ دیکھتا ہے تو میرا
ٹھہر ٹھہر کے پھرا کچھ مزا تو لینے دے	چھری کہاں تری قاتل کہاں گلو میرا

ستم ہے آدمی کے واسطے مجبور ہو جانا
زمیں کا سخت ہو جانا فلک کا دور ہو جانا

شب وصل اپنی آنکھوں سے یہ سب ناظر نے دیکھے ہیں
نقاب انکا الٹنا رات کا کافور ہو جانا

کچھ کہے جاتا تھا غرق اپنے ہی افسانے میں تھا
مرتے مرتے ہوش باقی تیرے دیوانے میں تھا

دیر تک میں ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھا کیا
چہرۂ ساقی نمایاں صاف پیمانے میں تھا

نگاہ شوق مجنوں فرش تا عرش جاتی ہے
کہاں تک پردۂ محمل چھپائے روئے لیلا کو

زباں پہ مرتے ہوئے انکا نام آہی گیا
وہ اک خلوص جو تھا دل میں کام آہی گیا

کہا تھا میں نے کہ واعظ بتوں کا ذکر نہ چھیڑ
خدا کے باب میں آخر کلام آہی گیا

ق
کیا مفت کا زاہدوں نے الزام لیا
تسبیح کے دانوں سے عبث کام لیا

یہ نام وہ تھا کہ جس کو بے گنتی لیں
کیا لطف کہ گن گن کے ترا نام لیا

دہان زخم نہ دیں کس طرح دعا قاتل
تمام عمر تو کھایا کئے نمک تیرا

جہاں میں پھیلے ہیں جتنے مذہب ہے ایک میں آخر کلام نکلا
نہ کشف سے مدعا بر آیا نہ کچھ دلیلوں سے کام نکلا

جلو میں پیر مغاں سا رہبر بغل میں ساقی سا فیض گستر
بڑے تکلف سے آیا ساغر بڑے تجمل سے جام نکلا

بڑا تعجب ہے شاد یہ ہے وہ شاد سب جسکو جانتے ہیں
اسی کو سمجھے تھے لا ابالی وہ شیخ بیت الحرام نکلا

پوچھو نہ حال چشم دل آویز یار کا
کھولو نہ راز گردش لیل و نہار کا

پیغام آ رہے ہیں برابر وصال کے
ہر ہر نفس فراق میں قاصد ہے یار کا

کٹ جاتی ہیں پہاڑ سی راتیں امید کی
اللہ رے اگر تو مرض انتظار کا

اس کعبۂ مراد کے عارض پہ دی ہے جان
شمع حرم چراغ ہے میرے مزار کا

اے باغ کیا رہیگی ہمیشہ یوں ہی خزاں
کیا پھر کبھی نہ آئیگا موسم بہار کا

غزل سے کیا مراد اے شاد ہے صناع حسب کالونکی
کیدن تصفیہ اسکا مرا دیوان کردیگا

صفائی دل کی لگا کے عینک کبھی جو کھولی کتاب ہمنے
حرام جو تھا حلال نکلا حلال جو تھا حرام نکلا

رہے دلبستگی غم سے بڑھے ہے سوز و گداز اس کا
گرہ کھل جائیگی ان کی تو کھل جائیگا راز اسکا

جفا و مہر میں بھی فرق کرنا سخت مشکل ہے
اب اس کا ذکر کیا قاصد جو گذری سو گذری
روپ پر حسنِ خداداد کو آنے دیجیے
بال سلجھاتے ہیں ہر وقت مگر میرے بعد
روح چھپتی ہے جو آتا ہے عدم کا مذکور
زاہد سے جب سنو تو زباں پر ہے ذکرِ حور
کبھی تو آپ کے حسرت زدہ سمجھ لیں گے
اف اف وہ ہتھیلی سے انکا شرما کے چھپانا آنکھوں کو
ہم باغ میں ناحق آئے تھے بلبل کی حکایت کیا کہیے
جب اہلِ ہوش کہتے ہیں افسانہ آپ کا
احوال جوانی پیری میں کیا عرض کریں دل اک قصہ ہے

زیست ہے نام تیری فرقت کا
زندگی بھی لقب اسی کا ہے
مطیعِ عشق بنایا ہے ایک عالم کو
نہ اضطراب ہے باقی نہ بیقراری ہے
تو ہی بتا کہ رسائی ہو شاد کی کیونکر
زندگی تک فقط اے شاد عداوت کر کے

ترے عاشقوں کی بھلی کہی کہ یہ ننگ ہے ترکِ عشق میں
مرے قاصدوں کی خبر صبا جو سنا سکے تو یہ جا سنا
جو مر گئے ترے دھیان میں وہ غریق اپنے ہی حال میں
یہی آرزو ہے ملیں اگر مجھے شاد مجلسِ وعظ میں

وہ خود چاہیں تو ہو عاشق کو حاصل امتیاز اسکا
نہ کہنا اس خبر کو شاد سے دل ہے گداز اسکا
آئینہ ہاتھ میں ہو گا کبھی شانہ ہو گا
یوں ہی رکھا ہوا آئینہ پہ شانہ ہو گا
موت کہتی ہے مقرر تجھے جانا ہو گا
نیت ہوئی خراب تو ایمان کب رہا
کبھی تو موقعِ اظہارِ آرزو ہو گا
برچھی کا ادا کی چل جانا اس تیرِ نگہ کا رہ جانا
منقار کو رکھ کر کلیوں پر کچھ اپنی زباں میں کہہ جانا
ہنستا ہے دیکھ دیکھ کے دیوانہ آپ کا
وہ طرز گئی وہ وضع گئی۔ انداز گیا اسلوب گیا

کچھ ٹھکانا ہے اس مصیبت کا
نام مرنا بھی ہے محبت کا
کہاں کہاں جاری ہے حکمِ عام ترا
ہمیں تو موت نے پہنچا دیا پیام ترا
کمندِ آہ سے اونچا بہت ہی بام ترا
میرے مر جانے پہ مداح زمانہ ہو گا

کہ وہ کام کرتے ہیں شیب میں کہ جو مقتضا ہے شباب کا
کوئی انتظار میں مر گیا کوئی منتظر ہے جواب کا
نہ کریں گے شکر ثواب کا نہ گلہ کریں گے عذاب کا
کہیں ان سے کان میں جھک کے ہم کہ خیال کیا ہے جناب کا

سراپا یاس ہے تلیا سراپا درد ہو تلیا
غفلت میں ہوئی اوقات بسر اے عمر گریزاں کچھ نہ کیا
کچھ ضبط نے اپنے کام آیا بات آ گئی آخر کہنے میں
اے تنگیِ جہاں اے شادِ حزیں کچھ شرم بھی اسکی ہو گئی پھر
پھر ضرر کیا تری یکتائی میں پیدا ہوتا
ہیں تو اک حسرت و اندوہ کا پتلا ٹھیرا
جہاں ہے مکتبِ الفت خموش ہو رہنا
بانٹے جنھوں نے خلعت تقسیم کی تھی دولت
کٹتی تھی عمر صحبت میں مرنے والوں کی
لقب کیونکر نہ ہو طبعِ رسا معجز رقم میرا
ترے رستے میں ثابت پایا اک حسرت سی آتی ہے
ہوس ہو کی نہ دو ہو کی اسی اک خم کا طالب ہوں
فقط شکر و شکایت کے لئے اک آڑ رکھی ہے
جاتے بھی وے محل یہ نہیں کبر و ناز کا
صانع کو دیکھتا ہے تو عالم پہ کر نظر
اس عیش مستعار پہ ہوتے ہو یا نہ خوش
اُن کی نگاہِ ناز جو پلٹی تو دیکھنا
ترکِ امید بھی مری آنکھوں میں ہے تا امید
تجھ میں پوشیدہ دل نالہ نواز بھی تھا
اب تو ہلنے کی بھی طاقت نہیں باقی صیاد
ہزاروں کام معطل ہیں ایک دل کے بغیر

جہاں تک بن پڑے لے جسم لاغر زرد ہوتا جا
جانے کا وہاں کے شوق ہی تھا جانے کا سامان کچھ نہ کیا
سب ہم نے کیا جو ہم سے ہوا پر ہم نے مری جاں کچھ نہ کیا
اے جہلِ مرکب اے حیوان لے بے خبر انساں کچھ نہ کیا
سمجھا ہوتا جو کوئی وہ بھی تجھی سا ہوتا
بھول جاتا تجھے پر تو تو نہ بھولا ہوتا
پڑا گناہ یہاں ہے الف سے بے کہنا
مردہ بھی شاد اُن کا محتاج ہے کفن کا
لحد میں پاؤں عمر ہوں نے اب دراز کیا
عصا موسیٰ نبی کا تیغ حیدر کی قلم میرا
خود اپنے نقشِ پا کو پھر کے تکتا ہے قدم میرا
تری سرکار سے ساقی نہ دردِ شیشہ ہے کم میرا
حقیقت میں جو سچ پوچھو کرم میرا ستم میرا
آخر ہے رات وقت ہے راز و نیاز کا
آئینہ آئینہ ہے خود آئینہ ساز کا
احسان مانتا ہوں غمِ دل نواز کا
شعبدہ دیکھتی رہے گی حقیقت مجاز کا
لے یار جو وصل ہو تو پھر امتیاز کا
کیا سمجھتے تھے کہ اک نالۂ پر انداز بھی تھا
کبھی اس باغ میں میرا پرِ پرواز بھی تھا
چلا گیا ہے پرانے کے بس میں دل اپنا

کوئی تو روئے گا اے شاد اپنی محنت پر
بسی ہوئی ہے امیدوں کی اک نئی دنیا
مریضِ غم کو عبث پوچھتے ہیں مجھ سے آپ
محو ہیں اپنی جگہ آسودگانِ کوئے دوست
خط گلے میں پڑ گیا تھا خون دیتی تھیں رگیں
ہو گئے دنیا کے اندر کیسے کیسے انقلاب
تو بڑا عاقل ہے ناصح تو ہی سمجھا دے مجھے
کس خوشی سے تہنیت دے دے کے کہتا پھرے ل
شاد اہلِ شک یوں ہی شک میں پڑ رہے جا بجا تنگ کے
نکلے آتے ہیں زمیں سے پھول کس کس رنگ کے
اپنی بربادی سے بھی نکلا نہ کوئی مدعا
لاشۂ عریانِ عاشق کا کوئی دیکھے وقار
رہے جو پاس سے محفوظ ڈھونڈ ایسی تمنا کو
نہ کہہ ناصح برا ہم میکشوں کو تیری پیری ہے
چشمِ سیہ میں سرمہ دے زلفِ رسا میں شانہ کر
شستگیٔ زبانِ عبث لیں کھڑے ہیں خار و خس
بھر گئے راستے سے وہ گرد و غبار دیکھ کر
تنگ شکر خدا کو مان لے مری دل گرفتگی
شبنم اگر ہے چشمِ نم خندہ زناں ہی عندلیب
دل ہی میں لیجئے صبا دل کی اس آرزو کو ہم
میں حیرت و حسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پر

کوئی تو یاد کرے گا کبھی کمال اپنا
اُسی کی شان ہے آئینے سے دل کی وسعت کیا
گذر چکا ہو جو حالت سے اُسکی حالت کیا
آرزو دل میں ہے دل آنکھوں میں آنکھیں سوئے دوست
وائے قسمت کس جگہ آ کر کھلا بازوئے دوست
آسماں بدلے زمیں بدلی نہ بدلی خوئے دوست
کون سی شے رہ رہ کے دلکو کھینچتی ہے سوئے دوست
وصل کی شب ہے مبارک دست کو پہلوئے دوست
ہم انہیں آنکھوں سے اک دن دیکھ لینگے روئے دوست
شعبدے دکھلا رہی ہے نرگسِ جادوئے دوست
لے اُڑی آخر بگولے بنکے خاکِ کوئے دوست
ڈھانکتی ہے اٹھ کے کس الفت سے خاکِ کوئے دوست
نہ ہو حسرت کا جسکو خوف وہ ارمان پیدا کر
خدا کو مان ظالم کچھ تو اب ایمان پیدا کر
قتلِ جہاں کے واسطے تازہ پھر اک بہانہ کر
چھوڑا ابھی برونِ در فکرِ درونِ خانہ کر
رہ گئی میری بیکسی سوئے مزار دیکھ کر
جائیں گے خود قفس میں ہم اب کی بہار دیکھ کر
دونوں یہ دو اثر ہوئے ایک بہار دیکھ کر
دے نہ سکے پیام کچھ طائرِ مشک بو کو ہم
دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم

اے شوق پتہ کچھ تو ہی بتا اب تک یہ کرشمہ کچھ نہ کھلا
مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شادؔ یہ کہلا بھیجا ہے

ہیں شادؔ تنہا اک طرف دنیا کی دنیا اک طرف
دیدارِ جاناں کا بھلا کیونکر تحمل ہو سکے
وہ تیغ ٹیکے کہتے ہیں دیکھیں تو حق پر کون ہے

چاند سے منہ پہ خال دو ایک ذقن پہ رخنہ ایک
عشوۂ دل گداز وہ ذبح کرے جو بے چھری
نرگسِ پُرخمارِ یار کرتی ہے کام زہر کا

جہاں چاہو میسر ہے نہ میلا ہو نہ بوسیدہ
ہونگی زیادہ اس سے بھی عشق میں جگ ہنسائیاں
فصلِ خزاں ہے بد بلا اس سے خدا بچائے
ترچھی نظر سے لیکے کام پھیر کے منہ چلے گئے

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
دلِ مضطر سے پوچھ اے رونقِ بزم
لحد میں کیوں نہ جاؤں منہ چھپائے

دل گیا سینہ سے جب اپنے تو آزادی کہاں
اُس گلی کی خاک جتنی چھاننی ہو چھان لیں
نہ مے فروش نہ بلبل نہ بادہ خواروں میں
بدعہد وہی بلکہ دل آزار وہی ہیں
نعمت ہیں حسرتیں جو دلا انتہا کی ہیں
انہیں دیکھو کہ اب تک غفلتوں سے کام لیتے ہیں

ہم ہیں کہ دلِ بیتاب نہاں یا آپ دلِ بیتاب ہیں ہم
آ جاؤ جو تم کو آنا ہو ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

سارا سمندر اک طرف آنسو کا قطرہ اک طرف
ترچھی نگاہیں ایک سو زلف چلیپا اک طرف
ہم اک طرف شادؔ اک طرف سارا زمانا اک طرف

اُس سے خرابیٔ عرب اس سے تباہیٔ عجم
نازوہ دشمنِ وفا رحم کی جس کو ہے قسم
بادۂ خوشگوار میں گھول دیا کسی نے سم

خدا نے کیا شرف رکھا ہے مٹی کے کھلونے میں
دل نے تو آپ مول لیں اپنے لیے برائیاں
منہ پہ صبا کے بھی گلو اُچھٹنے لگی ہوائیاں
ہائے رے کم نگاہیاں ہائے رے کج ادائیاں

کھلونے دیکے بہلایا گیا ہوں
میں آپ آیا نہیں لایا گیا ہوں
بھری محفل سے اُٹھوایا گیا ہوں

جس کا مالک مر گیا اُس گھر میں شادی کہاں
اے اجل پھر ہم کہاں اور لٹی بربادی کہاں
سبب ہے کچھ جو تماشۂ بہاراں میں
سب کچھ ہیں مگر پھر مرے غمخوار وہی ہیں
آخر نشانیاں یہ کسی آشنا کی ہیں
ہمیں دیکھو کہ لے دیکھے انہیں کا نام لیتے ہیں

ہوا نا شور سینہ میں تو دل ہنس ہنس کے یوں بولا
نظر بھر کر کہاں ساقی کی آنکھیں دیکھنے پائے

امیں اور سیر لالہ و گل ہجر یار میں
اسیروں کو صبا مژدہ بہار آنے کا دیتی ہے

دل ہے کدھر کھچا ہوا منتظر ہے کس کا حسن
الفت بتوں کی حق ہے ہمارے یقیں میں

وہ حسرتیں لحد میں ہیں دنیا تھی جن سے تنگ
آب و ہوا ہمیں نہیں دنیا کی سازگار

عبث دریافت کرتے ہو سبب اس سخت جانی کا
دل یہ کہتا ہے ہمیں دیکھ کتابوں پہ نہ جا

فکر کر رکھتی ہے سرما کیلئے گرما میں
دشت امید کی جانب جو بڑھاتا ہوں قدم

فنا کے بعد لحد پر وہ آکے روتے ہیں
الفت میں تری پاک ہر الزام سے ہم ہیں

جس چیز کو کہتا تھا برا صبح سے واعظ
نگاہِ شوق مجنوں فرش سے تا عرش جاتی ہے

لباس اہل تقویٰ پر نہیں کچھ منحصر واعظ
ہے عطا تری سے کرم ترا وہ ستم کہ جس میں دوام ہو

کبھی دشتِ غم میں پھرا کریں کبھی انکے در پہ پڑے رہیں
یہ دو رنگیاں تو خلاف ہیں بنے گی شاد سے اقتضا

جب میں کہتا ہوں گوارا مری ذلت نہ کرو
ادھر ہم کام کرتے ہیں اُدھر انعام لیتے ہیں

یہ تہمت مفت کی رندانِ مے آشام لیتے ہیں
کیسی بہار آگ لگا دو بہار میں

جو اڑنے کی نہیں طاقت فقط پر تول لیتے ہیں
کیا کہوں اس کی وجہ کو ترکِ صوفی نماز کیوں

چھوڑیں جو اسکو ہم تو خلل آئے دین میں
وسعت کہاں کی آگئی دو گز زمین میں

اب جا رہیں گے اور کسی سر زمیں میں
خدا معلوم ہم اے شاد کس مطلب سے جیتے ہیں

قدرتِ صانعِ مخلوق کے دفتر ہم ہیں
ایک چیونٹی سے بھی تدبیر میں کمتر ہم ہیں

موت آہستہ سے یہ کہتی ہے کہ سر پر ہم ہیں
کہاں کی چھیڑ نکالی ہے کہہ دو سوتے ہیں

دل پاس نہیں ہے تو کس آرام سے ہم ہیں
بوتل میں وہی چیز بھرے شام سے ہم ہیں

کہاں تک پردہ محمل چھپائے رخ لیلا کو
کہیں کیا ہم نے کس کس کی نہیں دیکھا دنیا کو

اگر اس میں کوئی کلام ہو تو بہشت سمجھیے حرام ہو
ہمیں مثل اپنے بنا لیا کہ نہ کوئی رنج ہو نہ مقام ہو

جو خمار ہو تو ہمیشہ ہو جو شراب ہو تو مدام ہو
سر جھکا لیتے ہیں یہ کہتے ہیں محبت نہ کرو

زیادہ ہم سے کہیں تم ہارا، امید کیوں تجھ سے پیچھا گیا ہے
اجل سلا دیگی سب کو آخر کسی بہانے تھپک تھپک کر
یوں ہی راتوں کو تڑپینگے یوں ہی جان اپنی کھوئینگے
وفادار دل کا خوں اس وقت تک اپنا دکھائیگا
زندگی ہے دل کو بھاری موت عزت کو پسند
پلٹ کر پھر نہ پوچھا شاد جیتا ہے کہ مرتا ہے
گستاخ بلبلوں سے بھی بڑھکر صبا ہوئی
موتی تمہارے کان کے تھرائے ہیں کیوں
بس اب جواب ملیگا یہی رہی امید
پلٹ کے دیکھ تو لیتا دیا تھا گر نہ جواب
نہ خم نہ جام نہ میخوار بزم ہے سنسان
رہا کیا ہے دل ویران میں اک ارمان خالی ہے
احوال ہے برہم اعضا کا اس دل کی شہادت دیتا ہے
جو رات کٹ گئی ہے کیا آئیگی نہ اب کے
لپٹی بلا کی صورت آخر شب جدائی
اے شاد دیکھتے ہو کچھ شمع بجھ چلی ہے
ہزاروں آرزوئیں ساتھ ہیں اسیر اکیلی ہے
ہم اور گل دونوں ہی باغ جہاں کے پھول ہیں لیکن
دل کو میل آتا ہے فرصت سے نہ ساز آتا ہے
بھلا منظور ہوا اپنا تو خدمت کر فقیروں کی
نہ دوست اور نہ کسیکا کوئی عدو نکلے

یہ زعم اپنا بہت غلط تھا کہ تو ہمیشہ جوان رہیگی
نہ ہم رہینگے نہ تم رہوگے نہ شاد یہ داستاں رہیگی
تری مرضی نہیں اے دردِ دل اچھا نہ ہوئینگے
وہ مقتل میں خفا ہو ہو کے جب تلوار دھوئینگے
بات نازک ہی بہت اے شاد تو مشکل میں ہے
وفادار عدم میں تم بھی جا کر بے وفا نکلے
کچھ جھک کے گوش گل میں کہا اور ہوا ہوئی
فریاد کس غریب کی گوش آشنا ہوئی
پکارتے رہے تجھکو پکارنے والے
حیا سے گڑ گئے تجھکو پکارنے والے
غرض سدھار گئے سب سدھارنے والے
حد بصر کو دیکھئے کوسوں تلک میدان خالی ہے
لشکر میں تلاطم برپا ہے سردار کے ہار جانے سے
پھر شمع کیوں بحسرت منہ دیکھتی ہے سب کے
کچھ آج شام ہی سے آثار تھے غضب کے
دلسوز تھے پتنگے کیا جانیں اس کے کب کے
ہماری روح سے بوجھی ہوئی اب تک پہیلی ہے
وہاں مٹھی میں زر ہے اور یہاں خالی ہتھیلی ہے
اور نہ کمبخت ترے عشق سے باز آتا ہے
قضا کو روک دیتی ہے دعا روشن ضمیروں کی
اگر یہ نقش مٹا دیں تو تو ہی تو نکلے

عجب نہیں کوئی مے خوار راہ میں مل جائے
جو گھر سے نکلے تو انسان با وضو نکلے

یہ دھجی جب جبتک جیے جینا اسی کا ہے
پیئے جو سیر ہو کر رات دن پینا اسی کا ہے

نگہ کی برچھیاں جو سہ سکے سینہ اسی کا ہے
ہمارا آپ کا جینا نہیں جینا اسی کا ہے

تصور اُس رُخِ صافی کا رکھ مدِ نظر نادان
لگا لے منہ جو آئینے کو آئینہ اسی کا ہے

قدم اپنا فرازِ ہمتِ عالی پہ رکھتا جا
جسے کہتے ہیں زاہد عرش پہ زینہ اسی کا ہے

بسر ہو میکدہ میں پینے بیٹھکر جس کا
جو مینوشی میں کر دے صبح آدینہ اسی کا ہے

فضائے دہر میں یہ سیر گھر جس نے بنا دی ہے
تماشائے جہاں ہیں دیدۂ بینا اسی کا ہے

کدورت سے دل اپنا صاف رکھو شاد بہتر ہے
کہ جس کو منہ دکھاتا ہے یہ آئینہ اسی کا ہے

شاد منشی اکرام احمد ولد مولوی اعجاز احمد صدیقی بدایونی۔ آپ شیخ عبدالرحمٰن متولی کی اولاد میں سے ہیں جو شیخ عبداللہ مکی کے فرزند اکبر تھے ۱۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اردو و فارسی۔ انگریزی میں کافی استعداد ہے۔ آج کل آپ محکمۂ پوسٹ آفس میں کلرک ہیں۔ اشعار میں حسنِ ترکیب بلندیٔ فکر و سادہ بیانی کا خیال رکھتے ہیں۔ فنِ سخن میں حضرت احسن مارہروی کے شاگرد ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے ؎ شاد

یہ حشر ہے کہ وہ نامہرباں نہیں ملتا
ملے گا حشر میں کیا جو یہاں نہیں ملتا

قفس سے چھوٹ کے ہوا یوں پریشاں خاطر
کہ شاخِ گل پہ مرا آشیاں نہیں ملتا

یہ کس کی موت پر اب رنج کا اظہار رہنے دیں
ملا کر خاک میں دل کو وہ جھوٹا پیار رہنے دیں

ہماری جان بخشیں دیکھے دل بس ہم نے بھر پایا
ہمیں بیمار رہنے دیں ہمیں بیمار رہنے دیں

ہیں سُنے جاؤں محبت میں برابر طعنے
تم کہے جاؤ برا ہاں سرِ محفل مجھکو

جانِ محزوں کے شبِ ہجر پڑے ہیں لالے
چین دیتا نہیں دم بھر کے لئے دل مجھکو

فلک سے کیا گلہ دردِ ہجر یار ہے مجھے
کہ اپنے دل پہ نہیں آپ اختیار مجھے

نصیب لے مری حسرت کا جب اصرار اجل
ٹھہر ٹھہر کہ ہے قاتل کا انتظار مجھے

گذر گیا کوئی جی سے تو اُن کو یاد آیا	جفا کے بعد وہ سمجھے وفا شعار مجھے
کسی کا ترکِ ستم بھی ستم میں داخل ہے	بنائے کیوں وہ کرم کا امیدوار مجھے

شاداب

شاداب - جناب سید مہدی حسن خاں صاحب بہادر خلف جناب امیر حسن خاں بہادر بن فرزند نجم الہند حاجی مولوی مولا بخش خاں بہادر سی - ایس - آئی تعلقدار رسول پور ضلع مظفر پور۔ آپکی ولادت ۱۲۷۰ھ میں ہوئی۔ آغاز شاعری میں تعلی تخلص کرتے تھے اور اپنی خیال بندیوں کے ذریعہ سے اہل معنی کو طبیعت کی کرشمہ سازیاں دکھاتے رہے۔ پھر شاداب تخلص رکھکر ابر فصاحت کی آبیاری سے کشت سخن کو تر و تازہ کیا اور اپنے برادر بزرگ جناب مولوی حکیم محمد ہادی حسن خاں متخلص بہ نایاب کے شاگرد ہو گئے۔ انکے راہی عدم ہو جانے پر حضرت امیر مینائی لکھنوی کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ آپ کی زود گوئی مشہور ہے کہ مشاعرہ میں جانے کیلئے فٹن پر سوار ہوئے اور اثنائے راہ میں دس پندرہ منٹ کے اندر طرح کی غزل تیار کر لی۔

حضرت امیر مینائی مرحوم سے آپ کو دلی محبت تھی اور اُن سے بے تکلفانہ ملتے تھے۔ شعر کمتر کہتے تھے مگر جو کچھ کہتے وہ انکو دکھا دیتے آپکا اخلاق نہایت وسیع تھا۔ افسوس ہے کہ ۱۳۲۷ھ روز یکشنبہ ماہ شعبان میں آپنے عالم فانی کو الوداع کہکر گلزار بقا کو سرسبز و شاداب فرمایا۔ انتقال ہونے سے کچھ دیر پہلے یہ رباعی کہی تھی ؎

موت آئیگی مر جائینگے ڈرنا کیا ہے	فرقت میں یہی اب کی تو کرنا کیا ہے
دل کی الجھن تو دور ہو جائیگی	یہ راز تو کھل جائیگا مرنا کیا ہے

آپنے اپنا کلام کبھی جمع نہیں کیا طرز کلام سادہ اور صاف تھی۔ معاملہ بندی اور مضمون کی طرف بھی طبیعت کا رجحان پایا جاتا تھا کہیں کہیں استعارہ کے نمک سے شعر کو نہایت مزیدار بنا دیتے تھے۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

ہے عکس رخ سے تیرے ساغر شراب میں چاند	تعجب ہے نظر آتا ہے آفتاب میں چاند
کبھی کا ڈوبا ہوا میاں نہیں وارفتہ ہیں	گھر چھوڑ کے نکلے جا پڑے رہ کے سرا میں

اے آہ مری اشک کے پانی میں نہا لے — بے غسل کئے جاتی ہے درگاہِ خدا میں
کیوں شگفتہ نہ داغ ہوں دل کے — پھول سب ہیں تمہاری محفل کے
ہم پر آیا ہے پھوٹنے افسوں — سر پہ کیا جن چڑھا ہے عامل کے
ہے خموشی جواب واعظ کا — منہ لگے کون ایسے جاہل کے
لطف رونے کا جب ہے اے غمِ یار — آئے اشکوں میں خونِ دل کے
منفعل بابِ اجابت سے جو ہے آئی ہوئی — ہم دعا سے اور دعا ہم سے ہے شرمائی ہوئی
کون سی بات آگئی یاد آنکھ اٹھتی ہی نہیں — اک ذرا دیکھو تو چتون کیوں ہے شرمائی ہوئی
چارہ گر ہیں نہیں جینے کا دوا رہنے دے — ہو گی اب خاکِ شفا خاکِ شفا رہنے دے
بے خبر ہوش میں آ فکرِ مداوا کیسی — چارہ گر وقت دعا کا ہے دوا رہنے دے
ملک الموت کو بھی موت کا ارماں ہو جائے — نزع میں سر جو وہ زانو پہ دھرا رہنے دے
دل کے آئینہ میں رخ عکس فگن کس کا ہے — دیکھئے شہرِ حلب میں یہ حسن کس کا ہے
بے دہانی کا ہے دعویٰ تمہیں تقصیر معاف — بوسہ لیکر میں بتا دوں یہ دہن کس کا ہے
دل میں دنیا کے خیالوں کو جگہ دوں کیونکر — یہی ظالم ہیں تری یاد بھلانے والے
آئے وہ گورِ غریباں میں تو حسرت سے کہا — سوتے ہیں یہ مرے راتوں کو جگانیوالے
کوئی روئے کوئی پیٹے تجھے کیا پروا ہے — تو ہنسے جا مرے ہنس ہنس کے رلانیوالے
کس کا گھر پھنکتا ہے یہ آگ کہاں لگتی ہے — اک ذرا سوچ تو اے او دل جلانیوالے
یہ جو سینہ کے پار ہے کیا ہے — قرہ ہے یا کٹار ہے کیا ہے
ہاتھ ماتھے پہ دونوں آنکھیں بند — نیند ہے یا خمار ہے کیا ہے
کون سی شے چھپی ہے محرم میں — سیب ہے یا انار ہے کیا ہے
لبے مرجھائے کیوں ہولے شاداب — دردِ سر ہے بخار ہے کیا ہے

شاداب

شاداب - شیخ احمد بخش ولد شرف الدین ساکن آگرہ شاگرد مولوی نیاز علی صاحب پریشاں

سنہ ۱۲۸۶ھ میں ۲۴ سال کی عمر تھی اور اکبر آباد میں جمنا کے پل پر محرر رہتے تھے اپنے اُستاد کے جان نثار شاگرد تھے۔ یہ کلام اُنکا انتخاب ہو کر درج تذکرہ ہوتا ہے ؎

خطا کی ہیں نے بیشک زلفِ مشکیں آپ کی چھولی　　طبیعت میں جو کچھ آئے وہی میری سزا ٹھہرے
زباں سے کیا نکالیں ہم سنیں کیا اُسکے شکووں کو　　خدا جانے وہ کیا سمجھے ہمارے جی میں کیا ٹھہرے
رہا شاداب برسوں ہمکو لپکا دید بازی کا　　حسینوں کا جھمگڑا دیکھنے کو جا بجا ٹھہرے

شاداں ۔ منشی شرف الدین شاداں قدیم زمانہ کے شاعر معلوم ہوتے ہیں چنانچہ متروک شدہ لفظیں انکے کلام میں بہت پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ فکر کی رسائی اچھی ہے مگر کلام اسقامِ شعری سے پاک نہیں زیادہ حال معلوم نہیں کہ کہاں کے تھے اور کس کے شاگرد تھے۔ ایک پرانی قلمی بیاض میں کچھ غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

آج اُس خوش ادا نے کام کیا　　با ادب مجھکو جھک سلام کیا
حلقۂ زلف عنبریں ہیں سجن　　واسطے بے دلان کے دام کیا
شکر کر تو خدا کا اے شاداں　　اُس بت سنگدل کو رام کیا
ہے مجھے وردِ زباں تجھ نام کا　　یہ وظیفہ ہر صبح و ہر شام کا
نگہ کے تیر سے ابرو کماں نے　　اچانک آنکر زخمی کیا دل
ہاتھ آوے جو کہیں یہ رقیب اے شاداں　　سر سے تا پانوں جدا کیجئے پوری پوری
رنگ پچکاری بھری شوخ نے چوری چوری　　لے گلال آپ پکار اُٹھی ہوی ہوی

شاداں ۔ فخر قوم و افتخار الملک سخنور بے مثال ناظم سعد و خصال راجۂ راجگان مہاراجہ چندو لال مورد افضال ذو المنن وزیر اعظم و مدار المہام سرکار نظام۔ انکے والد رائے نراین داس خلف رائے لچھمی نراین کھتری رائے بریلی کے عمائدین میں سے تھے۔ انکے چچا رائے نانک رام کشنر کروڑگیری دکن تھے انہوں نے انہیں کے ظل عاطفت میں پرورش پائی۔ اور نواب ارسطو جاہ کے وزارت میں ملازم ریاست ہو کر درجہ بدرجہ ترقی پاکر نواب سکندر جاہ کے عہد حکومت سنہ ۱۸۰۶ء میں عہدۂ پیشکاری وزارت آصفیہ پر ممتاز

ہوئے بہت بڑے منتظم فیاض و نیکنام اور آنکی سیر چشمی اور دریا دلی کے متعلق آجتک صدہا حکایتیں زبان زد خاص و عام دکن ہیں جو اعلیٰ درجہ کی عزت و نیکنامی انہیں ملی آجتک کسی امیر وزیر کو نصیب نہیں ہوئی۔ مہاراجہ صاحب نے شاہ نصیر دہلوی سے استفادہ کیا تھا اور اپنا دیوان الٰہی بخش خاں معروف کے پاس بہتیا بھیجا تھا۔ سحر البیان و شیریں زبان تھی۔ انتظام ریاست میں منہمک رہنے کے باوصف ارباب کمال کے عموماً اور شعرا کے خصوصاً قدردان تھے۔ استاد ذوق اور حضرت ناسخ کو آپنے دکن بلایا۔ بتیس برس تک منتظم ریاست دکن رہکر سنہ ۱۸۴۳ء میں راہی ملک بقا ہوئے اور اکثر اہل کمال کو لاوارث کر گئے جملہ ماہران علوم و فنون کے قدردان تھے۔ بالخصوص شاعری کا شوق اسقدر تھا کہ دوسو سے زیادہ شعرا وابستہ دامن دولت تھے۔ سخاوت کی بابت ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ جبتک اس ہزار روپیہ خیرات نہ کر لیتے روٹی نہ کھاتے تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس روایت میں کسیقدر مبالغہ ضرور ہے تاہم اسمیں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ بڑے سیر چشم اور عالی حوصلہ باذل امیر تھے۔ مہاراجہ صاحب مرحوم کے زمانہ سے عہدہ پیشکاری اس خاندان میں موروثی ہے۔ موجودہ جانشین مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کو سرکار نظام سے وزیر افواج اور مدار المہامی کی عزت ملی۔ مہاراجہ مرحوم فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے فارسی میں قتیل کے شاگرد اور معتقد تھے۔ مہاراجہ کشن پرشاد نے آپکا اردو دیوان چھاپ کر شائع کر دیا ہے اور سوانح عمری شہرت کدہ آفاق بھی چھپوا دی ہے۔ آپکا کلام تصوف اور معرفت کے رنگ سے پر ہے اور اس زمانہ کی سیدھی سادی زبان کا مرقع ہے۔

سب ہنستے تھے جو اسے دیکھ جدھر سے نکلا	تھی تعجب میں کہ یہ چاند کدھر سے نکلا
کسی کے پڑ گئے دل کا نہ رہا جو رہتا	سنے تو پھول ہے ورنہ خار ہو رہتا
گئے وہ دن کہ وہ رہتا تھا صنوبر سا سیدھا	بلا کی رات کو شادانؔ بہت خوش رہا
جب غنچہ نے سر اپنا گریباں سے نکالا	بلبل نے قدم کلبۂ گلستاں سے نکالا
چمن کس طرح سے ہو چھوڑ بھلا در اپنا	بھول جاتا ہے مسافر بھی گھر اپنا
صبح کو جو کچھ وہ کہتا تھا سراسر لاف تھا	کیوں آیا رات کو گر دل میں ہم صاف تھا

۵ مصرعوں کے بعد ایک مصرع [illegible]

پھول سی تو ہے سبک بلکہ صبا سے نازک میں چھپا لوں گا تجھے آ مرے داماں میں آ
اپنے معشوق سے ہم جوش میں آ کب سے کہتے ہیں کہ آغوش میں آ
پردہ چشم اٹھا، دیکھ ادھر اتنا بیہوش نہ ہو، ہوش میں آ
جس نے نہ اسے جانا پھر اس نے ہی لیا جانا بن وہی موحد ہے جو ایک خدا جانا
سوائے لطف کے ایک بہار میں کیا تھا بجز نیاز کف بادہ خوار میں کیا تھا
جلوہ حسن تیرا کیا کہیے جس نے دیکھا وہ بس نشانہ تھا
کیا عاشق کو تو نے یوں نظر بند کہ جوں آنکھوں میں پتلی ہے نظر بند
جدھر دیکھا مری نظروں میں تو تھا مثال آئینہ خود روبرو تھا
نہ تھا کچھ ہوش محو بے خودی تھا کبھی میرا یہ رنگ عاشقی تھا
مکاں ایک ہی گرچہ راہیں ہیں دو یہ دیر آپ کا وہ حرم آپ کا
جب دیکھا تجھے نہ ہوش رہا ہو کے حیرت زدہ خموش رہا

دیکھا تو خواب میں بھی ترا ہی خیال تھا اٹھا جو چونک کر وہی شوق وصال تھا
جس نے دیکھا اسے سو جان سے تماشائی تھا طاق نسیاں پہ وہاں دفتر دانائی تھا
گل میں جوں رنگ ہو پیوستہ نزاکت آمیز پیرہن یار کا یا جامۂ زیبائی تھا
نقش دیوار ہوا دیکھ کے ہر ایک اس کو مل کے غازہ کو وہ جب محو خود آرائی تھا
سختیاں عشق بتاں میں نہ اٹھاؤ شاداں کون جوڑے گا اسے دل جو تمہارا ٹوٹا
اس طرف دھوم سے ساون کا مہینا آیا اس طرف یار لئے ساغر و مینا آیا
بھلی لگے ہے کسے سیر بوستاں تنہا نہ جاؤں باغ کو بے یار باغباں تنہا
جس طرح بحر میں حباب رہا اپنا اس طرح سے شباب رہا
راہبر ہو تو تجھے تا سر منزل پہنچائے راہ تو دور ہے اور پیچ ہیں، ہو ٹوٹے تیتھم
کام رستم کا کرے جو اسے کہئے رستم وہ زبردست ہے جو ہاتھ سے توڑے تیتھم

ہو تیرا سہارا تو پہنچے کاہ سے آہن — ہمراہ بگولے کے چڑھے سنگ ہوا پر
ٹھہرا کے رہ گئی وہیں موسیٰ کی چشمِ شوق — نور اسکا جلوہ گر جو ہوا کوہسار پر
بہار ایسی کبھی چھائی نہیں دیکھی گلستاں پر — گماں ہوتا ہے جنت کا زمینِ کوئے جاناں پر
ہوتا ہے کون عاشقِ ناشاد کی طرف — سارا جہاں ہے اُس ستم ایجاد کی طرف
کیا رنگ رنگ کی ہیں طرحدار صورتیں — کچھ تو نگاہ کیجیے ایجاد کی طرف
باقی نہ رہا حرفِ دوئی پیشِ رخِ یار — آئینہ کو دیکھا تو نظر آئے ہمیں ہم
وہ پوچھتے ہیں جو ہم کو شاداں — تم کہدو کہ جاں نثار ہیں ہم
جنہوں کو کشف ہوتا ہی عیاں ہوتا ہی سب اُنپر — دِوانے بھی کہیں دنیا میں دانشمند ہوتے ہیں
برنگِ بوئے گل رہتے ہیں گل میں اور جدا اس سے — جو ہیں آزاد دنیا میں وہ کب پابند ہوتے ہیں
صنم وہ جس گھڑی کھولے ہے منہ پر اپنے بالوں کو — کھلاتا ہے دو طرفہ ہاتھ میں لے کے کالوں کو
اپنے ہاتھوں سے پلاتا ہے پیا بھلے ساقی — آج توڑا اک ہی بیٹھی ہوئی پیمانوں کی
آنکھ سے پردہ نکر پڑے کا گھر یہ بھی تو ہے — تو تو دیکھے ہم نہ دیکھیں طرفہ تر یہ بھی تو ہے
چھپکے اُسکو دیکھنا چاہیں تو دیکھیں کس طرح — دیکھتے دیکھے نہ کوئی ہم کو ڈر یہ بھی تو ہے
سُنا نہ تم نے یہ گفت و شنید یوں ہی گئی — ملے نہ تم سے ہم اب کی بھی عید یوں ہی گئی
خدا کا شکر کہ شاداں امید بر آئی — جو تھی رقیب کے دل میں امید یوں ہی گئی
بہار لے کے بہانہ سے ہی گھر میں آئی ہے — گھٹا بھی عیش کی چاروں طرف سے چھائی ہے
صفحۂ دل پر میں کھینچوں شکلِ جاناں تو سہی — اے مصور لکھ کے دکھلادوں گلستاں تو سہی
یوں چاہتا ہوں سینہ سے سینہ لگا رہے — انگشتری میں جیسے نگینہ لگا رہے
گر وہ نہیں ہے یار تو پھر یار کون ہے — اُس میں وفا نہیں تو وفادار کون ہے
زاہد کرے ہے زہد گنہگار ہے خجل — دیکھیں کرم کا اُس کے سزاوار کون ہے
تک لینی تھی مجنوں کی خبر دشتِ جنوں میں — افسوس یہاں صاحبِ محمل نے کمی کی

آنکھیں ہوں تو کوئی اس کو دیکھے — آنکھوں ہی کے پردے میں نہاں ہے
اے پری وش تو نے پائی ہے وہ صورت دلفریب — آدمی کا ذکر کیا آئینہ بھی حیراں ہے
کر دیا دل تنگ غنچہ کو دہانِ یار نے — آگ پھولوں میں لگائی آتشِ رخسار نے
قطرہ دریا کی جدائی سے کرے جب اضطراب — ابرِ رحمت قطرہ کو اک آن میں دریا کرے
آنکھ سے نیند بھی راتوں کو اچٹ جاتی ہے — دل میں کھٹکا جو ترا آٹھ پہر رہتا ہے

تیری الفت نے کیا لپیٹا ہے — مثل موج گھر سمیٹا ہے
ہماری یار سے اچھی بنے گی — چھنیگی اس سے اور گاڑھی چھنیگی
ہزاروں تجھ سے شیدا ہیں قمر سے — کروروں تجھ سے غلطاں ہیں گہر سے
تشکل ہستی سراب کی سی ہے — بے ثباتی حباب کی سی ہے
جلوہ گر وہ جو بام پر ہے آج — چاندنی ماہتاب کی سی ہے

چھپا نہ راز محبت کا بوئے گل کی طرح — جو بات دل میں تھی وہ درمیاں نکل آئی
اچٹ گئی مری آنکھوں سے نیند اے ہمدم — حدیثِ عشق کی جب داستاں نکل آئی

رباعی
سو طرح سے کرکے جبہ سائی دیکھی — ہر رنگ میں شانِ کبریائی دیکھی
کچھ اور تو آیا نہ نظر شاداں کو — جو کچھ دیکھا تری خدائی دیکھی

مخمس
اللہ رے اس کی کبریائی — بندے کو نہیں وہاں رسائی
شاداں یہ خدا کی ہے خدائی — کرتا ہے وہ سب سے جو بھلائی
حمد اسکی نہ طاقتِ بشر ہے

شاداں

شاداں منشی بساون لعل شاداں قوم کائتھ میر منشی نواب امیر خاں بہادر والئی ریاست ٹونک یہ منشی صاحب بہت ذہین اور ذکی شخص تھے کتاب امیرنامہ یعنی سوانح عمری نواب موصوف کی انکی تصنیفات سے ہے اور ایک فارسی مثنوی بھی انہوں نے نواب ممدوح کے امیروں کے حالات میں لکھی تھی۔ ہندی کی شاعری میں بھی قاصر نہ تھے۔ ایک دن امیر خاں نذر باغ کی سیر کر رہے تھے

منشی جی بھی آئے نواب صاحب نے فرمایا کہ دیکھو گلاب کیا پھول رہا ہے۔ عرض کیا کہ حضور کے قدموں کی برکت ہے اور فکر کر کے یہ رباعی فی البدیہ موزوں کی۔ نواب صاحب ٹہلتے ہوئے اُنکی طرف آئے تو کہا سنئے۔

گل گلاب نے خوبی عجب دکھائی ہے — بہار جامۂ گل گوں پہن کے آئی ہے
جو پوچھئے تو یہ ہے برکتِ قدومِ حضور — وگرنہ گل نے یہ خوبی کہاں سے پائی ہے

شاداں

شاداں — عندلیب چمن زار شیریں مقالی۔ گلچین بوستان نازک خیالی۔ جناب منشی ٹھاکر پرشاد متخلص بہ شاداں لکھنوی آپکے والد لالہ منولال قوم کایستھ۔ رؤسا کے طبقہ میں ممتاز تھے۔ اسی خاندان میں لالہ لالچند "محرر شاہی" نواب سعادت علیخاں کے زمانہ میں تھے۔ لالہ لالچند ابن لالہ سکھانند و سدابرتی" نے لکھنؤ محلہ مشک گنج میں طرحِ اقامت ڈالی۔ نواب کیطرف سے انہیں اخبار نویسی۔ کارخانہ جات ظاہر خانہ کے خدمات سپرد کئے گئے۔ رائے نشاط رائے نے اپنی ہمت ذاتی سے غازی الدین حیدر کے عہد میں آسمان سے باتیں کرنیوالی عمارتیں بنائیں۔ اپنے اقبال کی تاریخ کو دوبارہ دُہرایا مگر ہنگامہ غدر میں انقلاب کے ظالم ہاتھوں نے انکو ڈھا دیا۔ منشی صاحب نے ان تمام حالات کو نظم کا لباس پہنایا ارشاد فرماتے ہیں ؎

مکان ہائے مشک گنج کے ہوئے مسمار — یہ شاہ گردی سے پایا نتیجہ آخر کار

اب یہ خاندان محلہ حسین گنج میں آباد ہے۔ منشی صاحب کے پسر سوم بابو شنکر دیال صاحب ابھی حیات ہیں جو پرتاب گڑھ اودھ کی عدالت میں وکیل ہائیکورٹ ہیں۔ گو شاعر نہیں مگر شعرا کے قدردان ہیں۔ اور وہاں کے مشاعروں میں شرکت فرماتے ہوئے دادِ سخن دیتے ہیں منشی شاداں کا دیوان ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوا ہے۔ جو خیالات عجیب مضامین غریب کا گلدستہ ہے طبیعت قیود و متروکات کی پابند نہیں۔ قدیم زبان بولتے ہیں۔ طبع کی روانی میں کبھی ایسے صاف اور عمدہ شعر کہہ جاتے کہ خود بھی احساس نہیں ہوتا ہم نے کیا کہا۔ باایں ہمہ آپ نیچرل شاعر ہیں مگر علم بیان و معانی کو ادائے بیان میں ملحوظ رکھتے ہیں۔ قدیم مشرقی ادب کے شیفتہ۔ صنائع بدائع کے فریفتہ۔ ناظرین آپکی قابلیت کا اندازہ ایک رقعہ سے کر سکتے ہیں جو طبابت کے تلاذمہ میں اپنے بھائی منشی سالک رام کو

لکھا ہے۔ اسکو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے بزرگ اُردو زبان کی انشاپردازی فارسی زبان سے کسقدر مشابہ بنانا چاہتے تھے۔ چند جملے یہ ہیں۔

نبض شناس درون سینہ ریشاں۔ باعث تندرستی خویشاں۔ سامی نامہ سعادت آگیں کہ جس کے الفاظ خاصیت نوشدارو۔ ہر حرف فوائد میوۂ اتحاد سے ہم پلۂ ترازو۔ سنبل الطیب سے رو برو سرنگوں۔ عبارت پرپیچ سے نافہ بطن آہو میں آمادۂ صحرائے جنوں۔ نکتوں کو مصری کی ڈلی یا دانۂ سلسل انار شیریں یا بیدانہ طراوت آگیں سے مناسبت یا دانۂ عناب ولائتی سے مشابہت دیجئے۔ فقروں کو قاش سردۂ کابلی طرحدار یا خوشہ کیلہ خوشگوار کہئے۔ عین انتظار میں سایہ فگن ہوا۔

افسوس ہے کہ آپکا دیوان کاتبوں کی عنایت سے اکثر جگہ غلط چھپا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

جام جم جاتا رہا طشت زمیں باقی رہا
کاسۂ چرخ کہن بھی ویسا کورا رہ گیا

رخ و زلف سیہ سے ہے شبانہ روز اک وحشت
شب ہجرت کٹی "جیوں تیوں" تو آیا روز شامت کا

طوطیٔ خوش مقال سے خالی قفس رہا
دل بستگی کو ہائے یہ تارِ نفس رہا

کبھی راتیں وہ تھیں حاصل کہ بینا ہی کا قلقل تھا
نشوں کی تھی چڑھائی اور سرور عیش بالکل تھا

بغل میں اکطرف ساقی تھا اور تھی چاندنی چھٹکی
مئے الفت میں سرخوش تھا کہ سرتا پا تغافل تھا

فلک کو رشک یہ آیا کیا برباد سب جلسہ
کہے سے پیر مغاں اٹھ اٹھ یہاں شیشہ وہاں قلقل تھا

باطن کے دانت اور ہیں ظاہر کے اور ہیں
سچ ہے مثل کہ ہاتھی کے ہیں دو رقم کی دانت

چشم بددور کہ ہیں آپ قمر کی صورت
حوریں پا بستگی کہاں لیے بشر کی صورت

گھر میں آرام جو ہے وہ نہیں غربت میں کہاں
ایک ہی تو ہے سفر اور سقر کی صورت

ملکِ ہستی میں کہاں دیکھوں گھر کی صورت
ہاں عدم سے کوئی مل جائے خبر کی صورت

زر سے شاداں نہیں کوئی شہ زور
سب پہ بالا ہوئے ہیں زر کے پیچ

دہن میں اسکے یوں سرخی نمایاں
شفق میں جس طرح ہو مہر انور

ہے شب ہجراں میں رونے سے مرے بیزار شمع
میری حالت دیکھکر گھٹتی رہی ہر بار شمع

سانپ کاٹے تو ہو دوا ممکن
زلف کاٹے تو کیا کرے تریاق

یاد آئی اُس لبِ رنگیں کی سرخی یک بیک
اشکِ سرخ آنے نکل روتا رہا میں دیر تک

اُس کے کوچہ میں جو چلتی ہے نسیمِ عطر بیز
کیا عجب ہوں شگفتہ اسکی سب جا کے دیر پھول

وحشت اُس گلرو کو ہے اس درجہ میرے نام سے
قبر پر جا کر نہ ٹھہرا۔ واپس آیا دھر کے پھول

قصر میں اور سقف در میں اسکے ہیں گلکاریاں
گلشنِ فرخار پر خنداں ہوں اُسکے در کے پھول

روشنی یادِ حق دل میں ہوئی جب آشکار
دل منور ہوگیا اور طور آنکھیں ہوگئیں

تجھکو کہئے یا فرشتہ یا کہ غلمانِ بہشت
نور کا سارا بدن اور حور آنکھیں ہوگئیں

بے حجابانہ کریں وے بات غیروں سے یونہی
ہم سے کہنے کیلئے رکھتے ہیں پردہ کان ہیں

نور اسکا ہے دہر میں چھایا
ہے شجر میں حجر میں ہر شے میں

عیاں ہے میری یہ شورِ شرر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
یہ آہ سوزاں وچشم تر ہے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

تم جو آؤ نعمتیں سب جمع ہوں محفل میں خوب
ابرو بادہ جام و ساقی شمع جو سر آئینہ

عکس آئینہ کی مانند ہیگا یہ کارِ جہاں
گور میں کب لے گیا اپنی سکندر آئینہ

جو دیکھے چہرہ ترا گل تو بیکلی ہو جائے
جو دیکھے ہو پری دیکھے باؤلی ہو جائے

داغ چیچک کے جو اُس مہ کے جبیں پر ہیں عیاں
دن کو معلوم یہ ہوتا ہے کہ اختر نکلے

باغباں غافل نہ ہو بادِ خزاں کا خوف کر
ایک دن دیکھے گا تو پھولوں کو مرجھاتے ہوئے

سلائی سُرمہ کی مرعوب چشم یار کو ہے
عصا ضرور ہو بیمارِ ناتواں کیلئے

جو دیکھے مہر کو واں اسکی برتری ہو جائے
پڑے جو سایہ زمیں پر تو وہ پری ہو جائے

شاداں

شاداں — خان بہادر مولوی سید زین العابدین خاں پنشنر سبارڈنیٹ جج و رئیس علیگڑھ انکے والد مولوی محمد حسین مرحوم جونپور کے قدیمی عمائد میں تھے۔ مگر انہوں نے سر سید احمد خاں مرحوم سے ایک جہتی و دلی اختصاص کے باعث علیگڑھ میں اقامت اختیار کی اور وہیں ۲۰ برس کی عمر میں انتقال کیا

مولانا نعمی کے گہرے دوست تھے۔ غالباً فن سخن میں بھی انہیں سے مشورہ ہوگا۔ راقم تذکرہ کو بھی آپ سے نیاز حاصل تھا۔ اُنکے بیٹے ڈپٹی زین الدین مین پوری میں کلکٹر ہیں۔ یہ چند شعر تبرکاً درج ہیں۔

طلب عیش میں تن سے طلب یار میں روح	کیا عجب تن سے جدا ہو اسی تکرار میں روح
جان ہے تن سے جدا اس سے نہ الفت چھوٹے	گور میں جسم ہے اور کوچۂ دلدار میں روح
خواب میں ڈھونڈنے کے واسطے اس یوسف کو	گھر سے راتوں کو نکل جاتی ہی بازار میں روح
میں بھٹکا تھا تیری نصیحت سے واعظ	ملا اُس صنم سے خدا کرتے کرتے

شاداں

شاداں۔ مہر سپہر شاعری خورشید فلک سخنوری ناظم رطب اللسان۔ شاعر معجز بیان مرزا حسین علیخاں المتخلص بہ شاداں دہلوی خلف اصغر نواب زین العابدین خاں عارف نبیرۂ مرزا قاسم جان سہراب جنگ (جنکے نام سے ابتک قاسم جان کی گلی دہلی میں مشہور ہی) مرزا زین العابدین خاں عارف۔ نواب الٰہی بخش خاں معروف کے نواسہ اور مرزا غالب کی حقیقی سالی کے لڑکے تھے اور بچپن سے انہیں کے زیر سایہ پرورش پائی۔ مرزا ہی کی تعلیم و تربیت کے زیر اثر رہ کر رموز و نکات شاعری حاصل کیے۔ فارسی کی استعداد نہایت عالمانہ تھی۔ اُردو میں بھی پُرگو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ چنانچہ دو دیوان اُردو کے موئف ہذا کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ گو عام طور پر انکی شہرت نہیں ہی۔ زین العابدین خاں عارف نے عنفوان شباب میں انتقال کیا۔ انکا مفصل ذکر ردیف (ع) کی جلد میں آئے گا۔ دو بچے۔ مرزا باقر علیخاں کامل اور مرزا حسین علیخاں شاداں اپنی یادگار چھوڑے۔ ان دونوں کو مرزا غالب نے نہایت ناز و نعم سے پالا اور دونوں کو اپنا متبنیٰ کرلیا۔ مرزا کی وفات کے بعد مرزا باقر علیخاں کامل نے ریاست الور میں بہ عہدۂ وکالت سلسلہ ملازمت اختیار کیا اور مرزا حسین علیخاں ریاست رام پور میں مرزا غالب کے تعلق قدیمانہ کی وجہ سے بزمرۂ شعرائے دربار ملازم ہوئے۔

مرزا شاداں کو زمانہ طفلی میں اکثر حضرت غالب کے تلامذہ چھیڑا کرتے تھے کہ تم کو جب شعر ہی کہنا نہیں آتا تو تم مرزا کی فرزندی کا کیا دعوے کرتے ہو یہ سنکر خاموش ہوجایا کرتے تھے۔ ایک دن کا

واقعہ ہے کہ مرزا شاداں پتنگ اڑا رہے تھے طبیعت نے جوش جو مارا تو ایک شعر موزوں ہو گیا فوراً مرزا قربان علی بیگ سالک کے پاس آئے اور کہا کہ آج ہم نے ایک شعر کہا ہے آپ اسے درست کر دیجئے۔ یہ کہکر یہ شعر پڑھا ؎

دل مضطرب کا ہے اپنے قصور
نشانہ جو انکا خطا ہو گیا

اسوقت مرزا شاداں کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی حضرت سالک اور تمام سامعین سنکر حیران ہو گئے۔ اسی طرح فغان دہلی کی تحریر کے وقت بھی انکی عمر تیرہ چودہ برس کی ہو گی کہ متعدد شعرا کے شدید تقاضے سے عاجز آکر کہ استاد کے بیٹے ہو کچھ تو کہو۔ انہوں نے دہلی کا مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

مٹ گیا خوب ہوا نام و نشان دہلی
میری پاپوش سے بنے مرثیہ خوان دہلی

رامپور میں انکو پہلے تیس روپیہ ماہوار ملتے تھے مگر پھر ساٹھ روپیہ ملنے لگے۔ نواب کلب علی خاں خلد آشیاں کا دربار اسوقت مرجع اہل کمال ہو رہا تھا۔ امیر و داغ کی شاعری کا پورا پورا شباب تھا۔ یہ بھی اسوقت انہیں کے ہم صحبت تھے مگر متواتر شعر کہنے کا ابھی وقت تک اتفاق نہ ہوا تھا۔ مگر ایک مرتبہ نواب صاحب نے ان سے لہجہ طنز میں کہا کہ مرزا غالب کی تنخواہ تو لیتے ہو شعر بھی تو انکا سا کہا کرو۔ چنانچہ ایک مرتبہ مشاعرہ ہوا۔ ع۔ جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں اسی بحر اور اسی قافیہ ردیف کی طرح تھی۔ مرزا شاداں نے بھی اس زمین پر گلکاری کی اور سچ تو یہ ہے کہ نہایت سیر غزل لکھی۔ شریک مشاعرہ ہو کر اور اپنی اس پہلی غزل سے سامعین کے دلوں کو ہلا دیا۔ آخر زمانہ میں انکو مالیخولیا ہو گیا تھا جسکی وجہ یہ خیال انکے ذہن نشین تھا کہ شاعر کے لئے دبلا ہونا نہایت ضروری ہے۔ مرزا ارشد گورگانی جو انکے جگری دوست تھے ان سے مرزا شاداں کہا کرتے تھے کہ داغ کو کبھی شعر کہنا نہ آئے گا کیونکہ شاعری اور فربہی سے بہت بعد ہے۔ یہ ہوتے ہوتے یہ جنون یہاں تک بڑھا کہ پانی بھی پینا بہت کم کر دیا۔ ایک چھوٹی سی سیپ کی ڈبیہ میں احتیاط کی وجہ سے پانی پیا کرتے تھے۔ حکیم غلام رضا خاں مرحوم نے انکو خمیرہ کا ایک نسخہ لکھدیا۔ اب غذا

بھی بالکل ترک ہوگئی تھی۔ یہ معمول کرلیا کہ دس بارہ آنے کے پیسے جیب میں ڈال کر بازار میں آکر کھڑے ہوگئے اور دو دو چار چار پیسوں کا خمیرہ لیکر کھانا شروع کیا جب سب پیسے ختم ہوگئے مکان پر آکر لیٹ رہے۔ اب نقاہت اس درجہ بڑھی جس نے جان ہی لیکر چھوڑا۔ آخر ۲۷ برس کی عمر میں مرض توہم میں مبتلا رہکر اس دار فنا سے عالم بقا کو رخصت ہوگئے۔ شاداں نے مرزا کی وفات کے بعد کمتر مولانا حالی سے اور بیشتر نواب مرزا قربان علی بیگ سالک سے مشورۂ سخن کیا۔ مرزا شاداں کی طبیعت میں بچپن سے شوخی و شرارت بھری تھی، ایک دن کا قصہ ہے، کوئی تیرہ چودہ سال کی عمر ہوگی کہ انہوں نے مرزا غالب سے کہا کہ نانا جان ہمیں پچاس روپیہ کی ضرورت ہے ابھی دیدو۔ مرزا نے کہا بیٹا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے تمکو کہاں سے دوں، شاداں بضد ہوئے اور کہا ہم تو لیکر ہی ٹلینگے اسپر غالب نے جواب کہ روپیہ تو نہیں ہے میری بوٹیاں کاٹ لو یہ سنکر مرزا شاداں چھری لیکر کھڑے ہوگئے اور کہا نانا جان آپکی ایک ایک بوٹی بھی تو پچاس پچاس روپیہ کو بک جائیگی۔ مجھے جگہ بتا دیجئے کہ کہاں سے کاٹوں۔

سبحان اللہ کسقدر پُرلطف شوخی تھی۔ اور اسی شوخی کے باعث کلام بھی نہایت درجہ شوخ نظر آتا ہے۔ مجموعہ کلام انکی وفات کے بعد انکے اعزا و احباب کی غفلت سے تلف ہوگیا۔ اکمل الاخبار ان ایام میں جاری تھا۔ اسکے پرانے فائلوں اور بعض دہلی کے مشاعروں کی غزلیں بجد کاوش و جستجو سے ملیں وہ درج ذیل ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سجاد۔ میرزا ارشد۔ نواب احمد سعید خاں طالب۔ منشی بہاری لال مشتاق انکے ہم صحبت و ہم مشق تھے۔ جودت فکر اور نازکخیالی اور مضمون آفرینی کیطرف طبیعت کا رجحان زیادہ تھا۔ اپنے والد گرامی قدر کی طرز شاعری کے اسیر تھے۔ زندہ رہتے اور عمر وفا کرتی تو لوگوں کو ان سے امیدیں تھیں کہ انکا نام خوب روشن کرتے کلام ہدیۂ ناظرین ہے۔

ہے مژدۂ وصل اب بھی پیغام قضا کا	عادی ہوں غم و رنج کا خوگر ہوں جفا کا
خلوت میں زلیخا سے چھٹا دامن یوسف	اوچھا جو ذرا ہاتھ پڑا بخت رسا کا

چھوٹے نہ غم و رنج سے ہم بعد فنا بھی
نازک ہے وہ کتنا کہ تصور میں بھی میرے
یاں ضعف سے رنگ اُڑ نہ سکا اور وہ سمجھا
ہے فتح ہزیمت بھی بتوں کی کہ جہاں کو
وہ معنیٔ روشن کی تجلی ہے کہ شاداں
نازکرنا تو ذرا اُس سے سمجھکر کرنا
آئینہ توڑکے کہتا ہے وہ مغرور جمال
تری لافِ نازکی کا مجھے اعتبار ہوتا
تری ہر ادا پہ مرتا ترے ہر سخن پہ جیتا
انہیں سیجا بیاں تھیں مری بیخودی کے باعث
مری خاک ہو تسلی ترے وعدۂ غلط پر
مدد اے بخت کہ سب کام بنے جاتے ہیں
مژدہ اے یاس کہ پھر آئی مصیبت دل پر
غیروں پہ ہیں وہ لطف کہ مرتے ہیں ہمیشہ
ذوقِ نظارہ سے نہیں باقی ادب کا نام
شاداں نے دل لگاکے بتوں سے بُرا کیا
آئینہ دیکھ کے کہتے ہیں یہ منہ پھیر کے وہ
پردہ اُٹھا ہوا ہے رُخِ پُر جمال کا
میری نگاہ شوق پھر آئی مگر کہیں
ایسا نہ کچھ ضعف کے اُس در کی راہ میں
ہیں اہل بزم ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے

ہے تعزیتِ عشق تو ماتم ہے وفا کا
آنکھوں سے اٹھایا نہ گیا پردہ حیا کا
ہے رنگ کچھ اچھا ہدفِ تیرِ قضا کا
پھر ناصحِ مژگاں کا ہے پیغام قضا کا
باطن ہے ہر اک شعر مرا اہل صفا کا
آپکی طبع سے نازک ہے سوا دل میرا
اور بھی کوئی جہاں میں ہے مقابل میرا
ترا تیر او ستمگر جو نہ دل کے پار ہوتا
مجھے موت زندگی پر اگر اختیار ہوتا
کبھی آپ میں نہ آتا جو میں ہوشیار ہوتا
تجھے گر ہنسی نہ آتی مجھے اعتبار ہوتا
گر یوں ہی کچھ اثر نالہ و فریاد رہا
حسرت اے دل کہ انہیں وعدہ پھر یاد رہا
ہم پر یہ ستم ہے کہ سوا ہو نہیں سکتا
سر مجھسے زیرِ تیغ جھکایا نہ جائے گا
اُس سے یہ رازِ عشق چھپایا نہ جائے گا
کوئی کھینچے لئے جاتا ہے اُدھر دل میرا
اُڑتا ہے آج رنگ ہمارے خیال کا
نظارہ ساز غیر ہے اُسکے جمال کا
دم ٹوٹ جائے غیر کے گھر پر خیال کا
کچھ ذکر آگیا تھا وہاں میرے حال کا

خاموشی اک بیاں ہے میری رازِ عشق کو
رنگِ شکستہ آئینہ ہے میرے حال کا

عالم نہ مجھ سے پوچھئے میرے خیال کا
آئینہ بنگیا ہوں کسی کے جمال کا

واں خامشی نے قفلِ دہن لگا دیا
یاں شوق سے ہجوم ہی لب پر سوال کا

بھڑکے اگر چراغ تو ہستی تمام ہو
ہر چیز کا کمال ہے باعث زوال کا

شاداں کو کچھ گرا ہوا سمجھو نہ اہلِ بزم
یہ شخص بھی جہاں میں ہوا اب کمال کا

میرا ہی لاغری سے نہ پایا نشاں مگر
کیا کیا نہ تنگ میرے لئے پیرہن ہوا

نہ جاگا روزِ ہجر ابھی بھی خواب شیریں سے
ہنوز طالع خفتہ ہے نوجواں میرا

محشر کو سنے گا نہ کوئی صور کی آواز
ہے شور جو یہ ہی مری نالوں کی صدا کا

پایا نہ فروغ آگے شبِ ہجر کے ہرگز
چمکا نہ ستارہ سحرِ روزِ جزا کا

اُس گل کا تصور تھا جو آنکھوں میں دمِ نزع
گویا دمِ آخر مرا جھوکا تھا صبا کا

جس کے نقشِ پا پہ شاداں ہوتے ہیں فتنے نثار
ہو کہاں سکتا ہے محشر اسکی ٹھوکر کا جواب

حشر تک ہوتا نہ دیدارِ رخِ جاناں نصیب
آئینہ ہوتا اگر میرے مقدر کا جواب

عکس سے اُس سنگدل کے صورتِ دل ٹوٹ جائے
آئینہ بنجائے گر سدِ سکندر کا جواب

بھول جاؤگے سب خوشی شاداں
کسی غمگین سے جب ملینگے آپ

کس جا ہے ہوا میرے تصور کا گذر آج
آتی نہیں جو اپنی حقیقت بھی نظر آج

اس موت پہ قربان کروں زندگی خضر
اُس کوچہ میں پہونچی مرے مرنیکی خبر آج

کل ہو کے دوچار اُس نگہِ شوخ سے یارب
آنکھوں میں ٹھہرتی ہی نہیں میری نظر آج

وہ دیکھنے آتے ہیں مرے حالِ زبوں کو
اچھا ہے جو بڑھ جائے میرا دردِ جگر آج

برسوں میں نظر آئی ہے شامِ شبِ عشرت
یارب رہے کچھ دور گماں سے بھی سحر آج

یاں جنبشِ لب کی بھی نہیں ضعف سے طاقت
مشتاق ہے گو میری دعاؤں کا اثر آج

دیکھا ہے مری بیخودیٔ شوق کو تو نے
قاصد نہ رہے گی تجھے اپنی بھی خبر آج

پڑ جائے اگر سرو قدِ یار کا سایہ
گڑ جاتے ہیں آہستہ نزاکت سے وہ لیکن

وہ خوگرِ غم ہوں کہ بھر آئے وہیں آنسو
کل تک بھی سمجھتے تھے تب کچھ نہ کہی شاداں

دل مضطرب بھی ہے پہلو میں قاتل
شب وعدہ اُسنے نہ پہچانا مجھکو

یہ بھری ہوئی تھی شوخی کہ تمہارے گھر سے یہانتک
ہوئی دوچار اپنے عکس سے وہ پیش آئینہ کوئی صورت

شب ہجراں میں یہ تڑپا میں سحر ہونے تک
رفتہ رفتہ رخِ تاباں سے اٹھا دو پردہ

تم تو آتے ہی رہے بہر عیادت اور رہم
دیکھیں وہ اچھے ہیں یا شمع ہی اُنسے اچھی

مژدۂ وصل ہی لاتا ہو اگر قاصد
وہ یہ کہتے ہیں جو کرتے ہو دعا بھی کر لو

جلد شاداں کی خبر لے کہیں ظالم ورنہ
جس آرزو کا مقدر میں تھا نہ بر آنا

پھرتی ہے کوئی چیز آنکھوں میں
ہر لحظہ سدِ راہ جو میرے فغاں کے ہیں

اے ضعف دیکھ بھال کے مجھکو گرائیو
کس نازکی سے آتے ہیں میری خبر کو وہ

میں ناتواں ہوا اور وہ نازک شبِ وصال

آ جائے مری نخلِ تمنا میں ثمر آج
دوڑی ہوئی جاتی ہے خوشی عیر کے گھر آج

مجھ پر تبسم جو ہوا زخمِ جگر آج
آتے ہیں وہ سُنتے کو مرا دردِ جگر آج

ذرا پانوں سینہ پہ رکھنا سنبھل کر
خوشی نے دیا رنج صورت بدل کر

کہیں نامہ بر کے منہ پر نہ تُر کا جواب ہرگز
کہ تنگئی تھی نگاہِ شوخ اُنکے حق میں اُنکی نقابِ عارض

مل گیا خاک میں اُس بت کو خبر ہونے تک
چاہیئے عرصہ مجھے تاب نظر ہونے تک

مر گئے چارۂ آزارِ جگر ہونے تک
رنگ کھلجائے گا اُس کا بھی سحر ہونے تک

کیا بچوں گا ترے آنے کی خبر ہونے تک
ہم مزا تم کو دکھا دینگے اثر ہونے تک

گذرے گا جان سے وہ تیر اگذر ہونے تک
وہی ہوئی دلِ ناکامیاب میں واخل

یہ میرے بخت کا تو خواب نہیں
سینہ میں یہ بھرے ہوئے ارماں کہاں کے ہیں

نزدیک دشمنوں کے بھی گھر اُس مکاں کے ہیں
گویا قدم یہ مجھسے کسی ناتواں کے ہیں

پڑے کبھی نہ اٹھیں گے جو درمیاں کے ہیں

جاگا ہے پاسباں درِ یار رات بھر
لُٹے لٹے اثر نصیب میں میرے فغاں کے ہیں

دیکھا ہے میں نے خوب مریدوں کو شیخ کے
اچھے وہی ہیں یار جو پیرِ مغاں کے ہیں

روتے ہیں آکے قبر پہ غیروں کے ساتھ وہ
کیا کیا مٹانیوالے ہمارے نشاں کے ہیں

میں اپنی داستانِ محبت جو کہہ چکا
وہ پوچھتے ہیں مجھسے وہ نازک کہاں کے ہیں

پہلو میں میرے اور یہ پیدا ہوا رقیب
آثارِ عشق رُخ پہ میرے رازداں کے ہیں

کیا اُن سے اٹھ سکیں گی نہ باتیں رقیب کی
میں بھی تو دیکھوں ایسے وہ نازک کہاں کے ہیں

غم ایک میرے دل میں زمانے کے بھر گئے
دل ایک زلف میں تری سارے جہاں کے ہیں

بدنامی اسکی کیوں کی مری دردِ آہ نے
پردے میں اب تو مجھ پہ ستم آسماں کے ہیں

گھر سے گئے ہیں یا کہیں باہر گئے ہیں
کچھ ہوش آج گم مرے پاسباں کے ہیں

شاداں چھپائے لاکھ چھپتے بھی ہیں کہیں
آثار اُس کے چہرہ پہ عشقِ نہاں کے ہیں

[illegible]

بیخودی کام آگئی آخر
کرتا نہیں مجھ سے کچھ حجاب نہیں

اُس نے پوچھا تو کیا بتاؤں گا
حسرتوں کا میری حساب نہیں

خیر ہو آج بزم کی شاداں
کہ وہ آتے ہیں اور نقاب نہیں

آفت کا توڑ ہے ترے تیرِ نگاہ میں
پیدا اثر کہاں سے ہو عاشق کی آہ میں

خنجر اپنے ہاتھ سے دیتے ہیں بار بار
ملتی ہیں راحتیں مجھے کیسی گناہ میں

سمجھے ہیں وہ کرکے مری خاک کا گماں
اُڑتی ہوئی جو دیکھتے ہیں گرد راہ میں

شرماتے ہو کہ نیند کا آنکھوں میں ہے خمار
کل کی سی بات ہی نہیں طرزِ نگاہ میں

میں ان بتوں کے عشق میں یاں تک سبک ہوا
اب خود نہیں سماتا ہوں اپنی نگاہ میں

دیکھی ہوئی ہے تیری درازیِ شبِ فراق
کیوں آگئے بروزِ حشر ہماری نگاہ میں

آمد جفائے تازہ کی آتی ہے چرخ سے
جاتا ہے میرا نالہ تو رکتا ہے راہ میں

یہ ناتواں ہوا ہوں کہ اب کوئی یار تک
نالہ بھی میرا جائے تو سستا کے راہ میں

کیا بھید ہے کہ روز وہ آکر یہ کہتے ہیں
ہے کس بھروسہ پر تمہیں شاداں امیدِ وصل

کہتے ہیں عہد شکن سمجھے ہو کیا تم مجھکو
پوچھتے ہیں کہ تمنا تو بتاؤ کیا ہے

ناتوانی نے کیا ہے یہ سُبک نظروں میں
نالہ و آہ سے ہو رنجشِ جاناں منظور

کہتے ہیں دیکھتے ہیں آئینہ یونہی ہم بھی
اتنو حالت مری پہونچی ہو کچھ ایسی شاداب

تم بھی آجاؤ یکایک تو خبردار نہوں
بیقراری مری یہ انکی ہی شوخی وہ سمجھ

میں جو کہتا ہوں کوئی چارہ گر آئی یارب
ساقیا جام کے بدلے دے کوئی خم مجھکو

کوئی ہنگامہ ہی یا گھر سے وہ نکلیں ہیں کہیں
ایک وہ ہیں کہ جو دل چاہے وہ کہتے ہیں مجھے

حسرتِ گریہ گئی ہی نہ کبھی جائیگی
ساقیا اس تیرے میخانے میں کھا کیا ہے

کوئی سُنتا نہو اسکی بھی ذرا فکر رہے
نزاکت سے زیادہ ہے تجلّی

الہی نازکی بڑھ جائے اتنی

کام کیا ہم کو تری رہ میں کسی رہبر کے ساتھ
لاگ اس ظالم کو ہے سرِ عاشقِ مضطر کیساتھ

بتلا تو کچھ اثر بھی ہوا تیری آہ میں
ہے نالہ میں اثر نہ ہے تاثیر آہ میں

وعدہ کے ساتھ جو آتا ہے تبسّم مجھکو
جانتے ہیں کہ نہیں تاب تکلم مجھکو

پتلیاں پھیرتے ہیں دیکھ کے مردم مجھکو
مار ڈالیگی غلط فہمیِ مردم مجھکو

جس طرح دیکھتے ہو آٹھ پہر تم مجھکو
خود وہ کہتے ہیں کہ آتا ہے ترحّم مجھکو

بیخودی نے شبِ عشرت یہ کیا گم مجھکو
میں تمہیں دیکھ سکوں گا نہ کبھی تم مجھکو

زخم بھی دیکھ کے کرتے ہیں تبسّم مجھکو
تا کہ اُس بزم میں ہو تابِ تکلم مجھکو

آج آتی ہے نظر کثرتِ مردم مجھکو
ایک میں ہوں کہ نہیں تابِ تکلم مجھکو

سخت شدّے رونے کو یارب کوئی قلزم مجھکو
خمِ گردوں کے برابر دے کوئی خم مجھکو

شکوۂ غیر سُناتے ہو اگر تم مجھکو
وگرنہ تم تو نظروں سے نہاں ہو

کہ اُن کو نازکی بھی گراں ہو

جب تصوّر آگئے ہو دلِ مضطر کے ساتھ
گردشیں گردونِ دُوں کی ہیں ہمارے سر کیساتھ

اُن سے نازک کو نکلنے دے نہ قابو سی مرے
اپنی مرگ و زیست پر ہوتا جو ہمکو اختیار
نعش پر منہ ڈھانکنے کا ہے بہانہ ورنہ ہیں
خدمت اُس بُت نے بلا گردانیونکی دی مجھے
ہے وہ نازک خواب میں پہونچے نہ مجھ تک گر نہو
ہو چکی شیشے میں سے مجھ تک جو آیا دورِ جام
بتنیوں پر آ گئی صورت پرستوں کو نظر
ظرف سے اپنی کہیں ساقی نکل جائے نہ مے
بیخودی نے ضعف میں مجبور ایسا کر دیا
اضطرابِ دل نے اس رہ میں بڑھایا وہ قدم
پہنچ نجائیں دلِ عیسیٰ میں کہیں یارب
وہ خاک رحم کریں نازکی سے ہیں مجبور
کسی کی سُن سکے نہیں کیا یہ ناتوانی ہے
یہ بار بار جو پیکاں کو دیکھتے ہو تم
اُٹھکر درِ جاں سے کہو کوئی کدھر جائے
ڈر ہے کہ وہ تکفین کو اُسکی نہ چلے جائیں
ساغر کشِ میخانۂ توحید ہوں ناصح
کیونکر نہ بڑھے لطفِ شبِ وصل عدو کا
دیدار میں وہ لطف جسے دیکھکے ہو زیست
رنجوریٔ الفت کا مری پوچھ نہ انجام
آرائشِ ہر دم سے نہو ٹے جسے فرصت

اے طبیعت ہاں اُلجھ اچھی طرح دلبر کیساتھ
ہر ادا پر اُنکی مرتے جیتے ہر ٹھوکر کیساتھ
رنجشیں در پردہ وہ ہی عاشقِ مضطر کیساتھ
گردشِ تقدیر سے نکلا مگر چکر کیساتھ
جذبِ دل میرا خیالِ قامتِ دلبر کیساتھ
گردشِ قسمت تھی اپنی گردشِ ساغر کیساتھ
وہ جو اک نسبت دلِ شیریں کو تھی پتھر کیساتھ
گردنِ مینا جھکائے رکھ ذرا ساغر کیساتھ
آپ میں آتا ہوں یادِ شوخیٔ دلبر کیساتھ
نقشِ پا تک بھی نہیں میرا مرے رہبر کیساتھ
کہ میرے سینے میں ارمان سما نہیں سکتے
کہ ہاتھ میرے ستم سے اُٹھا نہیں سکتے
کہ بات کا بھی مزا ہم اُٹھا نہیں سکتے
نکل گئی کوئی کیا آرزو میرے دل کی
جی سے نہ گذر جائے تو دنیا سے گذر جائے
یارب نہ عدو میری شبِ وصل میں مر جائے
وہ نشہ نہیں مجھکو جو باتوں میں اُتر جائے
عارض پہ ترے زلفِ پریشان جو بکھر جائے
رفتار میں وہ قہر جو دیکھے وہ مر جائے
آغاز میں وہ درد ہے جو حد سے گذر جائے
شاداں کی پریشانی پہ کیوں اُسکی نظر جائے

مرجاؤں گا اک روز فغاں کرتی ہی کرتے
پورا نہ کہا جائے گا حالِ تپِ ہجراں
محبت نے مجھے کھینچا کہاں سے
سنو پُر درد ہے حالِ دلِ زار
بس اب خاموش کیا کیا لکھ چکے ہو
تم اپنا رنگ آئینہ میں دیکھو
بہت سی خاک چھانی تم نے شاداں
دل کسی شخص آ جائے تو کچھ حال کھلے
نشانہ دل ہے بسم اللہ کیجئے

حالِ دلِ بیتاب بیاں کرتی ہی کرتے
گذرے گی شبِ وصل بیاں کرتی ہی کرتے
کہیں آیا زمیں پر آسماں سے
مزا پاؤ گے تم اس داستاں سے
نکلجائے نہ کچھ میری زباں سے
تمہیں کیا کام رنگِ عاشقاں سے
قدم باہر نہ رکھو اب مکاں سے
آپ کیا جانیں کہ عاشق کی طبیعت کیا ہے
اگر کچھ شوق ہے تیر و کماں سے

شاداں

شاداں ۔ مولانا مولوی سید اولاد حسین صاحب شاداں بلگرامی ابن مولوی سید تفضل حسین صاحب انکا بیان ہی کہ انکا نسب ۳۳ واسطہ سے امام علی نقی تک پہنچتا ہے ۔ انکے اجداد میں سید جلال بخاری و سید نظام الدین اولیاء جہانیاں جہاں گشت ہیں ۔ بعد غدر انکے دادا مولوی سید فدا حسین آرہ میں وکالت کرتے تھے اور انکے والد بھی وہیں رہتے تھے ۔ اس وجہ سے آپکی ولادت وہیں یکم ربیع الثانی ۱۲۸۶ھ کو ہوئی تین برس کی عمر میں اپنے دادا کے ہمراہ بلگرام میں تشریف لائے اور وہیں کے قصباتی اسکول میں تعلیم پائی چودہ برس کی عمر تک ہاں فارسی پڑھتے رہے اسکے بعد لکھنؤ میں تحصیل علوم انگریزی و عربی میں مصروف ہوئے ۔ ۱۸۹۱ء میں انٹرنس تک انگریزی پڑھکر ترک تعلیم پر مجبور ہوئے اور قلت معاش نے نوکری پر مجبور کیا ۔ سہارنپور ۔ مصطفیٰ آباد وغیرہ میں مدرسی کرتے رہے ۔ مگر آپنے زمانۂ تدریس میں بھی طلباء کیساتھ پنجاب یونیورسٹی کا امتحان اسپیشل ٹسٹ انگریزی کیساتھ دیا اور اسمیں کامیاب ہوئے اور ۱۸۹۶ء میں آپنے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا ۔ اسی وقت درۂ نادرہ کی شرح لکھی ۔ آپ سنہ ۱۹۰۱ء میں ریاست رامپور تشریف لائے اور جناب نواب سید النظیر احسن صاحب خلف اصغر لکھنوی کی سعی و کوشش سے مدرسہ عالیہ میں فارسی پڑھانیکے واسطے مقرر

ہوگئے۔ اس زمانہ قیام میں ریاست رامپور شعرا کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ رسا۔ بزم۔ کمال۔ آغا مظہر۔ صمیم طپش وغیرہ کا شمار درباری شعرا میں تھا۔ اور اردو کا ایک ماہوار رسالہ نیرنگ کے نام سے جاری تھا شاداں صاحب نے رسالۂ مذکور میں فن تنقید کا سلسلہ شروع کیا۔ مثنوی میر حسن اور گلزار نسیم کے محاکمہ میں زبردست حصہ لیا۔ شعر کے حسن و قبح پر گہری نظر ڈالنے اور اسکے عیوب اور نقائص کو دکھانے میں آپکو بڑی مشاقی تھی مگر نقادان سخن میں بعض اعتراضات کو اسلئے وقعت حاصل نہوئی کہ آپنے جہاں عیوب شعری کو دکھایا وہاں مشہور اور مسلم الثبوت اساتذہ کی خوبیوں پر پردہ ڈالنے کو ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا تھا اسمیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ رسالہ عدم توجہی سے بند ہوگیا۔ آپنے سنہ ۱۸۹۱ء میں فن شعر میں جناب سید محمد مصطفیٰ صاحب عروج رشید لکھنوی سے تلمذ حاصل کیا۔ آپ غزل گوئی میں لکھنؤ والوں کی شاعری کو ناپسند کرتے ہیں قدیم اساتذہ دہلی کے معتقد ہیں کلام غالب کے عاشق ہیں اور مرزا صاحب کے اشعار پڑھکر جھوم جھوم کر مزے لیتے ہیں۔ جن اشعار میں درد ہوتا ہے وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتے ہیں نیچرل شاعری کے شائق ہیں۔ آپکا انداز سخن رندانہ شوخی اور متانہ مضامین سے مبرا ہے۔ شرح درہ نادرہ۔ شرح معمائے حدائق البلاغت۔ شرح معمائے جامی۔ شرح نورتن ظہوری۔ آپکی قیمتی تالیف ہیں۔ عرفی کے بعض اشعار کا خوب حل کیا ہے۔ انکو اپنے اس مطلع پر بڑا ناز ہے ؎

غلط ہے یہ مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں
یہ لوگ کیوں نہیں میری نظر کو دیکھتے ہیں

اسمیں شک نہیں کہ اس شعر میں ایک لطیف و نازک خیال کو پیدا کیا گیا ہے اور دیدار محبوب کا عجیب و غریب حیلہ نکالا گیا ہے مگر اس مطلع کے دونوں مصرعوں میں یہ اور کیوں نہیں کی تعقید نے تمام معنوی خوبیوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ کاش اس شعر میں جیسے عمدہ معانی پیدا کئے گئے ہیں اسیطرح ادائے بیان میں بھی تعقید کا الجھاؤ نہ ہوتا تو اسکی خوبی دوبالا ہوجاتی دوسرا شعر یہ ہے

نگاہ لطف تمہاری جدھر کو دیکھتے ہیں
تمہارے چاہنے والے ادھر کو دیکھتے ہیں

جدھر اور ادھر کا قافیہ ناجائز ہے تعجب ہے کہ ایسے محقق کے کلام میں ایسی کمزوری کیوں

موجود ہے۔ شاید یہ اوائل عمری اور نومشقی کے زمانہ کا کلام ہو۔ انتخاب کلام بہم رسیدہ یہ ہے

مرے ارمان نکل جائیں مرے دل سے فغاں ہو کر
اب اتنی بھی نہیں امید مجھکو ناتواں ہو کر

وہ بگڑنا کسی کا دم بدم
بھا گئی ہمکو یہ ادائے ستم

گالیاں دینا کوسنا پیہم
سنتے ہیں انکو چھیڑ چھیڑ کر ہم

کس مزے سے عتاب کی باتیں

میرا کیا بگڑا جو وہ زلفیں بنانے میں رہے
دوست کا جو دوست ہو دشمن اسے کیونکر کہیں

مر گیا میں مشکلیں سب میری آساں ہو گئیں
الفتیں غیروں کی پھر کیوں آفت جاں ہو گئیں

امتحاں کے لئے سینہ پہ رکھا اس نے ہاتھ
یہ بتائے کہ نہ آنا شب فرقت کیا ہے

اب تڑپ کس لئے تجھ میں دل ناشاد نہیں
اے اجل انکی طرح تیری بھی عادت کیا ہے

یوں تو کہتا ہوں کروں گا میں شکایت ان سے
سامنا ہو تو ہو معلوم شکایت کیا ہے

آپکے ظلم کی اے جان بس اب ہو گئی حد
وقت آخر بھی نہ پوچھا تری حسرت کیا ہے

قید ہستی سے جو چھوٹیں تو رہائی پائیں
قیدی کنج قفس کے لئے مدت کیا ہے

اک جگہ مجمع عشاق کا ہو جانا ہے
حشر کہتے ہیں کسے اور قیامت کیا ہے

شاداں **شاداں** ۔ لالہ درگا پرشاد صاحب ساکن پھلی بھیت شاگرد قاضی ممتاز حسین ممتاز مرحوم۔ مندرجۂ ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اختراع پسند طبیعت پائی ہے۔ بندش الفاظ بھی چست ہوتی ہے مگر قوت مشق کم معلوم ہوتی ہے ؎

زخم کھاتا ہوں مزے سے اور نہیں بھرتی ہے نیت
میں تو ہوں غمخوار اور غم اسکا مردم خوار ہے

آ گیا کیا حسن قاتل کا نمک تلوار میں
ہڈیاں غم نے نہ چھوڑیں میرے جسم زار میں

شاذ **شاذ** ۔ ملک محمد صادق خانصاحب خلف شیخ فضل الدین صاحب ککے زئی۔ آپ سجانپور ضلع گورداسپور پنجاب کے باشندے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے انٹرنس کے درجہ تک تعلیم پائی ہے۔ اب تعلقات کے دفتر وزارت میں کلرک ہیں۔ ابھی ابتدائے مشق ہے

مگر کلام سے ترقی کی جھلک نمایاں ہے۔ راقم تذکرہ کو جو کلام روانہ کیا ہے اسکا انتخاب مندرجہ ذیل ہے ؎

بتوں کی آرزو مدت سے ہے پر بت نہیں ملتے
خدا کی آرزو کرتے تو اب تک مل گیا ہوتا

سوزِ دل سے جو بھرے ہیں ترے نالے بلبل
برگِ گل پر کہیں پڑ جائیں نہ چھالے بلبل

چلی جب تیغ رک رک کر تو قاتل نے بھویں تانیں
ہمارے قتل کرنے کو نئے خنجر نکالے ہیں

اے منکر و نکیر پھر آنا کبھی کہ اب
ذوقِ خیالِ یار سے ہوں محوِ خواب میں

اب انحصارِ زیست ہے خط کے جواب پر
یعنی ہماری جان کفِ نامہ بر میں ہے

ذرا تم شمع و پروانہ کو دیکھو کیا تماشہ ہے
کہ اک عاشق کا اک معشوق کے کاندھے پہ لاشہ ہے

ہم صفیروں کی زبانی یہ خبر پائی ہے
کہ چمن میں وہی پہلی سی بہار آئی ہے

اک فقط میں ہی ترا طالبِ دیدار نہیں
سارا عالم ترے جلوہ کا تمنائی ہے

شارق

شارق ۔ منشی محمد جعفر حسین ۔ مولد ریاست بنگن پلی مدراس خلف منشی غلام رسول ۔ انکے بزرگ بیجاپور کے مشاہیر سے تھے "تاریخ ضوابط" کے پڑھنے سے انکے حالات کا پتہ چلتا ہے ۔ آپ صاحبِ جائداد اور مشہور تاجر ہیں ۔ انگریزی ۔ فارسی ۔ اردو سے واقف ہیں ۔ مولانا نمیاں سے فنِ شعر میں استفادہ کرتے ہیں ۔ تیز طبع ہونہار نوجوان ہیں ۔ عشقیہ شاعری سے لگاؤ نہیں نعت میں خامہ فرسائی کرتے ہیں ۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

زور پر کسند پھر جوشِ جنوں ہونے لگا
پانوں کا ہر آبلہ ہمرنگِ گل ہونے لگا

ہجرِ شہِ احمد مختار کی تاثیر ہے
میرا ہر آنسو ابھر کر لالہ گوں ہونے لگا

"قوسین او ادنیٰ" کا تصور ہے رات دن
سدرہ مرا مقام ہے شارق کہاں ہوں میں

طریقِ عشق سے جو آشنائے راز نہیں
کبھی قبول عبادت نہیں نماز نہیں

شاطر

شاطر ۔ مولوی رضا احمد ابن مولوی حکیم نیاز احمد ۔ صدیقی آپ بدایوں کے قدیم معزز شرفا سے تھے ۔ عربی ۔ فارسی میں اچھی استعداد تھی ۔ اپنے والد سے فنِ خوشنویسی میں کمال حاصل کیا تھا

لطیفہ گو نکتہ سنج شاعر تھے سلیس سادہ گو تھے اور شعر میں صفائی کو پسند کرتے تھے۔ بلند شہر سہسوان میں وکالت کرتے رہے پھر اپنے وطن بدایوں میں آکر وکالت شروع کی ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۰ء میں وفات پائی جو دو چار شعر دستیاب ہوئے ہیں درج کئے جاتے ہیں ؎

گیسوئے شبگوں کا سودا ہو گیا	سامنا کالی بلا کا ہو گیا
ساقی تو بھر دے میرے پیالہ کو بھنگ سے	گھری چھنیگی آج کسی سبزہ رنگ سے
گو ضد سے لاکھ بار کرے بیوفائیاں	لیکن خدا قسم تری عادت وفا کی ہے
اے اہل بزم حضرت شاطر کو لیجیو	کیسے چلے ہیں لعلو بنیں نعلین دابکے

شاطر منشی بیلی رام خلف لالہ متھرا داس۔ از خاندان دیوان کروڑی مل امرتسری حال ساکن راولپنڈی۔ شاگرد حلیم کریم بخش نادر قنوجی و خواجہ عشرت لکھنوی۔ ۲۱ جون ۱۸۹۰ء سال پیدائش ہے۔ اکثر مشاعرہ بھی کیا کرتے ہیں آجکل نوشہرہ میں انسپکٹر آف ورکس کے عہدہ پر فائز ہیں طبیعت اچھی پائی ہے۔ فارسی کی استعداد خاصی رکھتے ہیں۔ شعر موزوں اور قریب قریب بے عیب کہتے ہیں۔ انکے کلام کا انتخاب پیش ناظرین ہے ؎

طور پر حضرت موسیٰ کو کیا کیوں بیہوش	ٹالنا تھا تو کسی ڈھنگ سے ٹالا ہوتا
اُٹھ نہ سکے مر کے بھی نہ تری رہگذار سے	مست خمار بادۂ سر جوش نقش پا
پوچھا جو حال شوخی رفتار یار کا	بُت بنکے رہ گئے لب خاموش نقش پا
زندگی زلف کے سودے میں ہماری گذری	قصۂ عمر بھی اک خواب پریشاں نکلا
اُسکے وعدہ کا ہی کیا سہل وفا ہو جانا	جس کو ہر بات میں آتا ہے خفا ہو جانا
دنیا کے مزے اور تو ملجاتے ہیں قاتل	مرنے کا مگر لطف مکرر نہیں ملتا
صحرا ہیں بھریں کیوں نہ ترے چاہنے والے	ان خانہ بدوشوں کو ترا گھر نہیں ملتا
صانع سے کہیں عمر ہی صنعت کی زیادہ	آئینہ تو ملتا ہے سکندر نہیں ملتا
نہ کھینچ دیکھ ستمگر عتاب میں تلوار	کہیں نہ ٹوٹ کے رہجائے داب میں تلوار

خیالِ ابروئے قاتل میں تھی جو آنکھ لگی
تمام رات نظر آئی خواب میں تلوار

پہلے نظر ملاتے تھے ہم فتنہ گر سے ہم
اب جھینپتے ہیں آپ ہی اپنی نظر سے ہم

خلشِ دل کا ہم اسطرح مزا لیتے ہیں
تیر آتا ہے تو پہلو میں بٹھا لیتے ہیں

دل کیا گیا کہ اٹھ گئی امیدِ زندگی
کشتی ہماری ڈوب گئی ناخدا کے ہاتھ

کہتے ہیں عاشقی میں درِ بے بہا ہے صبر
کیا چیز آ گئی دلِ غم آشنا کے ہاتھ

بیخود کیا ہے جذبۂ شوقِ وصال نے
اب اپنی شرم سے ترے شرم و حیا کے ہاتھ

ملتی ہے بعد رنج کے راحت جہان میں
موسیٰ نے لے لیا یدِ بیضا جلا کے ہاتھ

فتنۂ جوشِ جوانی نہیں دائم رہتا
یہ بھی دریا کی طرح چڑھ کے اُتر جاتا ہے

کئے اُسنے مری حسرت بھری تحریر کے ٹکڑے
اڑائے خوب ظالم نے خطِ تقدیر کے ٹکڑے

وہ عیادت کو آئے غیر کے ساتھ
مریں تو کونسی خوشی کے لئے

جی رہے ہیں امیدِ وصل پہ ہم
مر رہے ہیں اسی خوشی کے لئے

مٹ گیا جھگڑا دلِ بیتاب کا
آنکھ لڑنے پر صفائی ہو گئی

مِل کے درباں سے میں پہنچا یار تک
بخت یاور تھا رسائی ہو گئی

گیا بچپن جوانی آئی اُن کی
ستم میں کمسنی سے یہ بڑی ہے

مرنے کے بعد بھی نہ مٹی گردشِ نصیب
ہم دفن بھی ہوئے تو تہِ آسماں رہے

تم نے دنیا پہ جب نظر ڈالی
تہ و بالا زمین کر ڈالی

پتے پتے میں تو نظر آیا
ڈالی ڈالی پہ جب نظر ڈالی

اُٹھ گئے سب حجاب کے پردے
آنکھ والوں نے وہ نظر ڈالی

معجزہ ہے شبِ مصیبت بھی
شام سے ہم نے صبح کر ڈالی

وہ قتل کرتے ہیں تو موت ہنس کے کہتی ہے
کہ فکر آپ کو ہو گی ابھی کفن کے لئے

مجھے بھی ہنسنے سے حیرت وہ مرا کیا ہے
اک آئینہ ہی کا ہی ابھی اُلجھن کے لئے

یقین کامل و حسن عقیدت اسکو کہتے ہیں	برہمن بھی بتوں میں بن گیا تصویر پتھر کی

شاطر

شاطر۔ منشی بلدیو پرشاد صاحب کایستھ سکسینہ وسری تلمیذ حضرت مومن حسن صفی امروہوی بزرگوں کا قدیم وطن دہلی ہے۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ سے آپکے والد متھرا میں پہونچے ۱۹۰۰ء میں قصبۂ سعد آباد ضلع متھرا میں آپکا قیام تھا۔ اور اسی زمانہ میں کچھ کلام بھیجا تھا۔ قصائد و تاریخ گوئی سے زیادہ دلچسپی ہے۔ اُردو غزلیات میں معرفت و تصوف کے جذبات بیان کرتے ہیں علم نجوم میں بھی دخل ہے۔ اُردو ہندی میں صاحب تصنیف ہیں۔ وہ ہروچترا اور بزم حقیقت شایع ہو چکی ہے کبھی کبھی فارسی بھی کہتے ہیں تاریخ کہنے میں مشاق ہیں۔ کلام مرسلہ ریختہ کا انتخاب یہ ہے ؎

کیوں یہ سودائے تعصب شیخ تیرے سر میں ہے	ہے جو کعبہ میں وہی بت خانہ کے پتھر میں ہے
چشم دل سے دیکھ گر ہے تجکو نظارہ کی تاب	نور کس کا شعلہ و مہر و مہ و اختر میں ہے
ہر جگہ ہے ایک ہی دلدار دلبر جلوہ گر	نشۂ مے میں آب گوہر میں شرر پتھر میں ہے
ہیں علیحدہ نام کو کعبہ کلیسا بتکدہ	ایک ہی ہے شمع جس کا نور تینوں گھر میں ہے
مجکو اس سے عشق ہے اُسکو محبت مجھ سے ہے	ہے صنم دل میں مگر شاطر دل دلبر میں ہے

شاطر

شاطر۔ مولوی عبدالرحمن صاحب رئیس مدراس۔ جائے حیرت ہے کہ جس مقام میں لکھنے والے تو کجا چند آدمی صاف اور شستہ زبان کے بولنے والے بھی نہوں وہاں ایسا باکمال زبان دان نشو و نما پائے جسے ماہران زبان اہل زبان کے ہم پلہ ہونے کا سرٹیفکیٹ عطا کریں۔ عالی فکر خوش دماغ سخنور ہیں۔ قصائد کے لکھنے میں خاص ملکہ ہے۔ خواجہ الطاف حسین حالی۔ مولانا شبلی۔ لسان الملک حضرت اکبر جیسے بزرگ انکی شاعرانہ قابلیت کے مداح اور معترف رہے ہیں ؎

ہائے کیوں مرتے ہی آنکھیں بند کر دیتے ہیں یار	اک تغافل کیش کا ہمکو ابھی ہے انتظار
جان حاضر ہے کرینگے تیرے قدموں پر نثار	جلد لے پیک قضا لانا پیام وصل یار
راز الفت کیا چھپے جب دل ہی قابو میں نہو	زور تجھ سے کیا چلے اے گریۂ بے اختیار
بال و پر بلبل کے ہیں اے گل ہوا میں منتشر	مژدہ لاتی ہے سنانے کسکو اب فصل بہار

حسرتیں گن گن کے کٹتی تھیں جو راتیں اب کہاں
کیا ہوا جادو جو تھا تم میں وہ اے شب ہائے تار

کس طرح آساں ہو تیغ و گلو کا مرحلہ
کیا کریں لے تشنہ کامی کُندیٔ خنجر کی دھار

ناخدا کے ناز ہم کب تک اُٹھائیں یا خدا
ڈوب جائیں گے یہیں اچھا نہ پیدا ہو کنار

ہم ہیں شاطر اور ہے طوف حریم میکدہ
رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار

شاعر

شاعر ۔ ناصر پرست عرف میر کلو دہلوی حضرت خواجہ میر درد کے قریبی عزیز اور انہیں کے شاگرد تھے۔ صرف دو شعروں کا ایک قطعہ دستیاب ہوا ہے جس سے انکا زور طبع ظاہر ہوتا ہے۔

تو نہ تھا افسوس ظالم کیا کہیں
حال شاعر ہجر میں کیسا رہا

بیقراری ۔ جاں کنی ۔ بے طاقتی
غم ۔ الم ۔ وحشت ۔ جنوں ۔ سوا رہا

شاعر

شاعر ۔ خواجہ کمال الدین صاحب ۔ یہ بھی حضرت مرزا جانجاناں مظہر کے مرید اور صاحب دیوان شاگرد تھے۔ زیادہ حال انکا متحقق نہیں ہوا اسلئے ہم مجبوراً انکے دیوان سے چند غزلوں کا انتخاب درج ذیل کرتے ہیں انکے شاعرانہ خیالات قدیم زبان اور پرانے رنگ میں ہیں۔ کلام بہت بے تکلف ہے۔ موجودہ عہد کے متروکات پر انکی شاعری میں نظر نہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ اُس زمانے میں یہی الفاظ فصیح سمجھے جاتے تھے۔

کس شاہ ہجر کا اس گھر میں ہوا گذارا
یوں بے چراغ کب تھا یہ ملک دل ہمارا

پھبتا ہے کیا یہ تجھکو اے یار مسکرانا
ٹک واسطے خدا کے اک بار مسکرانا

غنچوں کو اے ستمگر تیرے دہن کے آگے
ہنسنا تو اک طرف ہے دشوار مسکرانا

شاعر ہے پوچھ گوئی اپنی یہ آپ قائل
یارو نہ اس کے سنکر اشعار مسکرانا

کس سے جاکر کروں تری فریاد
تو ہی دے آپ اپنے ظلم کی داد

جائے تو بھی نہ یہ جنوں میرا
رگ جاں کھول دے اگر صیاد

شاعر آکر تری غلامی میں
دونوں عالم سے ہو گیا آزاد

زخموں کی ترقی کا مزا قتل کرے ہے
کھاؤں میں غم ناز ترا یا کہ غم تیغ

عارض پہ اُس کے تِل نہیں دل ہے جلا ہوا
شاعر جو بتوں سے پڑا تھا بکامِ زلف

شاعر آنسو نہ پوچھو ہرگز
میں نے ان بیقرار آنکھوں میں

یار کی نذر کو یہ رکھے ہیں
گوہرِ آبدار آنکھوں میں

کیا کیا اثر دئیے ہیں بتوں کی نگاہ کو
یارب عطا ہو کچھ تو ہماری بھی آہ کو

یار دل کو لئے ہی جاتا ہے
مجھکو بیدل کئے ہی جاتا ہے

ٹکڑے چاکِ جگر تو کر ناصح
جیب کو کیا سئے ہی جاتا ہے

بول اُٹھا دردِ عشق سُن کے طبیب
یہ مرض جی دئیے ہی جاتا ہے

آہ تو کس امید پر شاعر
ہجر میں یوں جئے ہی جاتا ہے

شاعر **شاعر**۔ میرزا ابو القاسم معروف بہ شاعر میرزا ۱۲۶۲ھ میں پنجاب میں ہنگامہ آرائے سخن ہوکر شاعری کی دنیا میں اپنی فصاحت اور بلاغت کے سکے بٹھا رہے تھے۔ فارسی گوئی سے ذوق اور کلام ریختہ سے شوق تھا۔ دونوں زبانوں میں صاحبِ دیوان تھے۔ سادہ گوئی کیساتھ مضمون آفرینی پر قربان تھے انکے شاعرانہ خیالات پرانی زبان میں جلوہ افروز ہوکر شاہدِ اثر کا جلوہ دکھاتے تھے اُدھر نٹلے تئیں ستی۔ اور دیگر متروک الفاظ بے تکلف برت جاتے تھے۔ الفاظ کی تذکیر و تانیث کا بہت کم خیال تھا مگر ہر شعر زیورِ مضمون سے مالامال تھا فعل کے مفرد یا جمع ہونیکی مطلق پرواہ نہ تھی سنگلاخ زمینوں کو پانی پانی کر دینا انکے سخن کا اعجاز تھا۔ شاہ نصیر کی زمینوں میں بھی جولانیٔ طبع دکھاتے تھے انکے رعنائے خیال اور شوکتِ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم معانی و بیان میں اچھی مہارت رکھتے تھے شاہزادہ والاگوہر اور نواب عبدالمجید خاں نبیرۂ نواب مظفر خاں والئی ملتان کے مداحوں میں تھے انہوں نے مولانا غلام رسول صاحب جیسے عالمِ خاص اور مولوی غلام محی الدین جیسے عارف کی صحبت سے استفادہ حاصل کیا تھا۔ انکا دیوان فارسی و اُردو ۱۲۷۲ھ کو مطبع قادری لاہور میں چھپا تھا۔ جو مولفِ تذکرہ کے کتبخانہ میں موجود ہے۔

تو ریب کے پردہ کو اگر دل سے اُٹھا دے
ہو جلوہ نما دیر میں سب نورِ حرم کا

راہ لے بھاگے عدم کو وامق و فرہاد و قیس
تیرے دیوانے نے انکو بھی گریزاں کر دیا

محتسب کچھ تیرے دل میں کیا خدا کا ڈر نہیں
شیشۂ مے پر جو تو نے سنگِ باراں کر دیا

دیکھتے ہی اُس بتِ کافر کو ہے دل میں یقیں
باندھکر زنار زاہد برہمن ہو جائے گا

ہجر میں لیلی ادا کے گر رہے جاری سرشک
غرقِ طوفانِ بلا مجنوں کا بن ہو جائے گا

نظر آیا نہ حرفِ مہر و وفا
دفترِ حسن سر بسر دیکھا

پاکبازی خیالِ باطل ہے
دامنِ چشمِ عشق تر دیکھا

لیگیا دل کو مرے آ ایک بار
ہوشئے گلرخ سمن رخسار

گر کہوں سرو اُس کے قامت کو
سرو باشد چگونہ خوش رفتار

بیوفائی نکر خدا کے لئے
اے بتِ شوخ دلبرِ عیار

دامِ زلفِ سیاہ کا بس ہے
دوستو مجھکو مت کرو زنجیر

اُس محبت کی نہر میں شیریں
خونِ فرہاد ہے بجائے شیر

عشق ہی دیتا جلا آئینہ دل کے تئیں
عشق ہادی عشق رہبر عشق مرشد عشق پیر

دست جنوں نے پرزے پرزے پھاڑ اڑایا وحشت سے
ناحق چاک گریباں میرا ناصح آپ سیتے ہیں

پھرا ہوں گلشنِ گیتی میں لب چمن بہ چمن
نہ دیکھا تجھسا کوئی سروِ گلعذار کہیں

شام و سحر گذرتے ہیں اسکے خیال میں
بے ڈھب الجھ گئے ہیں محبت کے جال میں

دیتے ہیں قدِ یار سے تشبیہ سرو کو
کیا شاعروں نے دیکھی ہے خوبی نہال میں

عیدِ قرباں ہے صنم پہ جان و دل قرباں کرو
حج اکبر ہے طوافِ کوچۂ جاناں کرو

حجرِ اسود خال ہے اور چاہِ زمزم ہے ذقن
شربتِ اجرِ عظیم بوسۂ نوشِ جاں کرو

خدا کے واسطے اے چشمِ گریاں
غبارِ خاطرِ جاناں دُہلا تو

مے پرستوں کو نگاہِ مست دکھلا یار کی
دخترِ رز کی محبت سے چھوڑا دوں تو سہی

اُس بتِ کافر کے جلوہ کو دکھا کر آن میں
زاہد و کعبہ سے میں تمکو پھرا دوں تو سہی

ہجر میں لیلیٰ ادا کے بسکہ آیا ہوں بہ تنگ ۔۔۔ آپ کو مجنوں بنا بن بن پھرا دوں تو سہی
کھود لانی کام کیا ہے پتھروں سے جوئے شیر ۔۔۔ دیدۂ گریاں سے نہر خوں بہا دوں تو سہی

اوج میں بے ہنر اور اہل ہنر نیچے ہیں ۔۔۔ مشتری سعد تو ہے لیک ہے کیواں کے تلے
تار تسبیح کا اور رشتۂ زنار ہے ایک ۔۔۔ زاہدا کفر ہے پنہاں ترے ایماں کے تلے
سر کو رکھ پاؤں پہ روئے تو لگے یوں کہنے ۔۔۔ نہر ہے خوب رواں سرو خراماں کے تلے

اگر دیکھ پاوے پری رُخ کو میرے ۔۔۔ سلیماں بھی بلقیس سے مُنہ کو پھیرے
نہ کیلا گیا ناگ زلفِ سیہ کا ۔۔۔ کئی سر پٹکتے گئے ہیں سپیرے
ہوا عیش پامال اقلیمِ دل میں ۔۔۔ کئے جس گھڑی لشکرِ غم نے ڈیرے

قول و قرار یار کے جتنے ہیں سب درست ۔۔۔ لیکن گلہ ہے اپنے ہی بخت سیاہ سے
لاتقنطو سے چشم توقع ہے اپنی واہ ۔۔۔ ہوں منفعل اگرچہ سراپا گناہ سے
خونیں دلوں کو شاعرِ مزا نہیں غرض ۔۔۔ حرص و ہوائے دہر سے یا عز و جاہ سے

الٰہی یہ کیسا جگر میں قلق ہے ۔۔۔ قلم کی زباں جس کے لکھنے میں شق ہے

شاعر

شاعر - میر نسیم اللہ صاحب شاگرد کرامت علیخاں صاحب فرخ زیادہ حال و کلام دستیاب نہ ہو سکا اشعار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت میں آمد کم اور آورد زیادہ ہے۔ علاوہ اسکے کوئی خاص بات نہیں پائی جاتی۔ یہ نمونہ کلام ہے

نہ سر مست صنم بے حجاب آنکھوں میں ۔۔۔ خدا کا نور ہے ان لاجواب آنکھوں میں
نظر پڑا ہے ترا جب سے چہرۂ روشن ۔۔۔ ہوا ہے ذرہ سے کم آفتاب آنکھوں میں
جسے نہیں ہے مروت وہ آدمی ہی نہیں ۔۔۔ بشر کو چاہئے شاعر حجاب آنکھوں میں

شاعر

شاعر - مولوی علی حسین صاحب بریلوی - آپ حضرت عبداللہ صاحب احرار کی اولاد میں ہیں جو مولانا جامی کے پیر مرشد تھے - مولوی صاحب موصوف ظریف مزاج اور لطیفہ سنج شخص تھے پیرانہ سالی میں جوان طبیعت پائی تھی - آپ کو فن سخن میں نواب عبدالعزیز خانصاحب عزیز بریلوی

سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ فنِ شاعری کے رموز سے واقف تھے مگر پھر بھی ترکیب و بندش چست ہوتی تھی اور صحت لفظی کا خیال بھی نہ تھا۔ فارسی، عربی کے سوا تھوڑی سی انگریزی بھی جانتے تھے۔ بریلی میں بذریعہ معلمی اپنی بسر اوقات کرتے تھے۔ خود ہیں پچیس غزلیں بھیجی تھیں انکا انتخاب درج تذکرہ کیا گیا ۸ - ۱۰ برس ہوئے وفات پائی ہے

یہ شبِ غم کی حرارت ہے کہ ٹھنڈا نہوا
صورتِ شمع کئی بار کٹا سر اپنا

ایک خم ابرو یہ اترا کے وہ یہ کہتے ہیں
تیغ اپنی ہے کماں اپنی ہے خنجر اپنا

جب کہا میں نے شبِ غم کوئی غمخوار نہ تھا
دہنِ زخم پکارا یہ گنہگار نہ تھا

کیوں ڈرے بیٹھے ہو کیا زخمِ جگر دیکھ لیا
تم نے بھولے سے مگر آج ادھر دیکھ لیا

کوئی ایسا نہیں پایا کہ نہ ہو حاجت مند
بے نیازی کا تمہاری یہ اثر دیکھ لیا

قبر سے بڑھ کے نہیں کوئی جگہ بھی دلچسپ
نکلا تا حشر نہ وہ جس نے یہ گھر دیکھ لیا

یہ کہہ کہہ کر ستم کرتا ہے ظالم
سکھاتا ہوں تمہیں فریاد کرنا

بتوں نے وہ ہوا باندھی ہے اب تو
کہ مشکل ہے خدا کو یاد کرنا

نقشِ قبا ہیں ضعف میں لیٹے ہیں برسوں ہم
وہ دن گئے جو گرتے تھے انکی نظر سے ہم

اے بیخودی حواس نہیں اپنے آپ میں
حیران ہو رہے ہیں کہ آئیں کدھر سے ہم

گلے پر چڑھ کے میرے تو بھی عمری دکھاتی ہے
کہے ہے تیغ قاتل سے ذرا ٹھہرو تو چلتی ہیں

اُلجھا دیا ہے مجھے نگہ ناز یار میں
اے ضعف یہ اضافہ کیا حالِ زار میں

کر کے سنگھار سیر کرو لالہ زار میں
تم بھی تو کچھ بہار دکھاؤ بہار میں

چلتی ہوئی بلا کی ہے قاتل یہ تیری تیغ
قبضہ میں آتے ہی نہ رہی اختیار میں

دنیا کے دائرہ میں کسیکو نہیں قیام
مرکز نہیں ہے گردشِ لیل و نہار میں

دلوں کی باتیں ہیں الفت میں قیل و قال نہیں
ہے گفتگو تو ہر اک وقت بول چال نہیں

میں اپنی یاد دلاؤں انہیں تو کیا شاعر
یہی جواب وہ دیتے ہیں کچھ خیال نہیں

رطب و یابس کا ہوا تجربہ اس دنیا میں + خشک لب دیکھ لئے دیدۂ تر دیکھ لیا

پہلے تو مشتِ خاک کو انساں بنا دیا
پھر کھیل سے بگاڑ کے مٹی خراب کی

میں یہ کہتا ہوں کہ میں بوسہ نہ مانگونگا کبھی
وہ یہ کہتے ہیں یہ اندازِ سوال اچھا ہے

وصفِ رخِ جاناں میں قلم توڑ دیا ہے
کچھ بھی نہیں لکھا ہے مگر خوب لکھا ہے

جرم گندم خوردنی کا تھا یہ جرم مینخوری
دانہ آدم کو ملا تھا اب ملا پانی مجھے

ٹھیک جو ہر ایک غم نامۂ چسپاں ہو سکے
کاتبِ تقدیر نے دی ہے پیشانی مجھے

یہ سب وہ دن کی باتیں ہیں جو کچھ کرتے ہیں کر دیتے
کبھی کیا ہو نگے ہم اے چرخ ظالم نوجواں پھر بھی

شاعر - مولوی سید فضل حسین صاحب متخلص بہ شاعر ابن منشی فضل رسول صاحب واسطی تعلقہ دار قصبہ سندیلہ۔ شاگرد ظہور لکھنوی آپ نہایت خلیق اور منکسر مزاج رئیس تھے اپنے والد کی وفات پر تعلقہ کے مالک ہوئے علم موسیقی سے بھی شوق تھا علم دوست اور فیاض رئیس تھے منشی ظہور صاحب شاگرد حضرت اسیر اور منشی سید منصب علی صاحب ہنر مرحوم سندیلوی کے فیض صحبت سے آپکی طبیعت میں قدردانی اہل ہنر اور سخن گستری کا مادہ پیدا ہو گیا چونکہ حضرت ہنر مرحوم بھی باکمال شاعر تھے اس لئے اس زمانے میں مشاعروں کا سندیلہ میں بڑا زور رہا۔ نامی نامی شعرا تشریف لا کر جناب شاعر کے مہمان ہوا کرتے تھے۔ آپکے فرزند ارجمند جناب خان بہادر منشی سید التفات رسول صاحب ہاشمی تعلقہ دار سندیلہ بھی خوش فکر شاعر تھے۔ جناب شاعر صاحب کا مرتب شدہ قلمی دیوان اُنکے بیٹے ہاشمی صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ افسوس کہ حضرت ہاشمی نے ماہ جنوری ۱۹۲۱ء میں انتقال فرمایا۔ جناب شاعر کا پایۂ فکر اعلیٰ اور اندازِ بیان نرالا تھا انکے بیٹے معراج رسول صاحب سری میں ملے تھے اور مفصل حالات اور کلام بھیجنے کا اقرار کیا تھا۔ مگر باوجود یاد دہانیوں کے ایفائے وعدہ کی نوبت نہیں آئی۔ انتخاب ملاحظہ ہو سہ

کل مجھسے پوچھتے تھے وہ دم دیکھے راہ میں
یوسف گرے کنوئیں میں کہو کس کی چاہ میں

سینے میں دل کے ساتھ تمنا بھی ہے اسیر
یوسف کی چاہ سے ہے زلیخا بھی چاہ میں

ہو کسے دم نہ اُس ابرو کا تصور موقوف
سامنے آنکھوں کے ہر دم یہی تلوار رہے

اے غمِ ہجر نہ احسان ملک الموت کا ہو
جان جاتی رہے اے کاش قضا سے پہلے

لٹ گئے راہ میں ہم منزلِ مقصود کہاں
راہ زن ہمکو ملا راہ نما سے پہلے

وہ صورت جو پیشِ نظر ہوگئی
عیاں شامِ غم کی سحر ہوگئی

اگر کٹ گیا سر تو کچھ غم نہیں
مہم عشق بازی کی سر ہوگئی

جوانی کی تھی نیند چونکے نہ ہم
سحر سے جو سوئے سحر ہوگئی

شاعر

شاعر - منشی سید اولاد حسین خلف و شاگرد حضرتِ ذاخر لکھنوی - رسالہ المیزان لکھنؤ کے منیجر ہیں کلام سے پختہ مغز ہونا پایا جاتا ہے - دل میں سوز اشعار میں درد ہے - زبان میں سلاست اور بیان میں لطافت ہے مصرعہ پر مصرعہ خوب لگاتے ہیں جس سے اچھی خاصی مشق ظاہر ہوتی ہے مضمون آفرینی میں زبان کی چاشنی کا ذائقہ موجود ہے - کلام کا انتخاب یہ ہے۔

نزع میں اور بھی بڑھ جائیگی الجھن اُس کی
اپنے بیمار کے آگے نہ پریشاں ہونا

جلانے شمع تربت اسطرح آتا ہے وہ کم سن
کبھی دو گام بڑھ جانا کبھی ڈر کر ٹھہر جانا

جہاں ہمراہِ لاشں آئے ہو اور آتنی کرو تکلیف
ملا لو خاک میں ہم کو تو پھر تم اپنے گھر جانا

رونے والا تھا مرا اے بیکسی زنداں میں کون
حلقۂ زنجیر میں ہاں کچھ دنوں ماتم ہوا

حالتِ فرقت کہی زانو پہ لیکر انکا سر
اتنا روئے پھول سا رخسار آخر نم ہوا

ہوش آیا ختم پیری پر مجھے بعدِ شباب
رات کا جاگا ہوا تھا دن چڑھے سو کر اٹھا

چشمِ بد بیں کور ہو کسکی نظر ہے سوئے دوست
آج بن بن کر بگڑتے جاتے ہیں گیسوئے دوست

شامِ وصلت رحم کر للہ گردوں رحم کر
اور تھوڑی نیند لے لوں ہیں سر زانوئے دوست

زیرِ سر حسرت بھرا آخر خطِ اپنا رکھ لیا
مر گئے ہم اور نہ پایا جانیوالا سوئے دوست

لاغری میں مجھکو رکھ ثابت قدم اے شوقِ دید
دو قدم کا فاصلہ ہے سامنے ہے کوئے دوست

عار اسکو شبِ غم ہے مرے گھر آنے میں
موت کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں سیہ خانے میں

بیٹھے رہنے کا بہانہ ہمیں قسمت سے ملا
منہ برسنے لگا جب آ چکے میخانے میں

عکس سے اہلِ فلک کو صاعقہ کا خوف ہے
دھوپ میں کیوں گردشیں دیتے ہو تم تلوار کو

ناامیدی اس طرح تیرے آنے سے ہوئی
سب لئے بیٹھے رہے شب بھر ترے بیمار کو

اور بھی ارمان شہادت کا مزا دینے لگے
آپ نے تلوار باندھی ہم دعا دینے لگے

یہ نہ سمجھے مجھ پہ کیا گذری ہی کیوں بیہوش ہوں
چارہ گر جھک جھک کے دامن کی ہوا دینے لگے

چارہ سازو۔ خاک اچھا ہو مریضِ عشق یار
تم نے بھیجا نامرض بھی یا دوا دینے لگے

مر جائیگا بیمار شب ہجر تڑپ کر
وہ سورۂ والشمس اگر دم نہ کرینگے

ترے وعدہ کی شب فرقت میں کیونکر چین سے کاٹوں
ترا آنا بھی مشکل نیند کا آنا بھی مشکل ہے

یہ دُزدیدہ نظر سے جستجو بیکار کرتے ہو
جہاں پر ہاتھ تم رکھدو وہیں سمجھو مرا دل ہے

تجھے درمانِ زخم دل کی کوشش چارہ گر کیوں ہے
نکلنا تیر زنگ آلود کا سینے سے مشکل ہے

شاعر

شاعر۔ محمد حبیب اللہ صاحب نایب صیغہ دار محکمۂ نظم جمعیۃ سرکار عالی حیدر آباد۔ دکن خوش فکر اور ذہین ہیں۔ زبان صاف کہتے ہیں۔ انتخاب یہ ہے

نہیں کس دل میں جستجو تیری
نہیں کس لب پہ آرزو تیری

کیوں نہ ہو دل فدا تصوّر پہ
شکل رہتی ہے روبرو تیری

میرے رونے پہ ہنسکے کہتے ہیں
آنکھ کھوتی ہے آبرو تیری

باز آ باز آ جفاؤں سے
یہ بُری ہے بُری ہے خو تیری

خاکِ شاعر غبار میں مل کر
جستجو میں ہے کو بکو تیری

شاعر

شاعر۔ سخنور شیوا بیان سحر زبان۔ شاعر جادو طراز آغا ظفر علی بیگ قزل باش دہلوی۔ قدرت کا منشا تھا کہ یہ شاعری کی دنیا میں نامور ہوں۔ شہرت پائیں۔ دلی کے فصیح محاورات ٹکسالی زبان کو بر ہیں۔ طبیعت لڑکپن ہی سے چلبلی اور شوخ تھی۔ نواب احمد سعید خاں طالب کے فیض خدمت اور مرزا شجاع الدین خاں صاحب تاباں کی حوصلہ افزائی نے انہیں اور بھی چار چاند لگا دئے۔ آپ دہلی کے مشاعروں میں اپنی خوشگوئی کی داد لینے کے بعد حضرت داغ کے تلامذہ میں داخل ہوگئے اور خط و کتابت کے ذریعہ سے انکو اپنا کلام دکھانے لگے۔ ابتدا میں طبیعت کی تیزی۔ روانی کا یہ حال تھا کہ ایک

ایک دن میں چار سو پانچ سو اشعار کہہ لیتے اور وہ مشاعروں میں اپنے شاگردوں کو تقسیم کر دیتے۔ شعر گوئی کے آغاز ہی سے انہوں نے دہلی میں اپنا علمِ اُستادی بلند کیا تھا اور انکے ماننے والوں کی تعداد کافی تھی۔ رفتہ رفتہ بعض غزلیات اربابِ نشاط کے کوٹھوں اور گلی کوچوں میں گائی جانے لگیں اور اُسوقت کے اساتذہ مثلاً مولنا حالی۔ ظہیر۔ مجروح۔ طالب۔ ثاقب۔ راسخ۔ برتر وغیرہ اُنکی ذہانت طباعی سلاستِ بیانی کو معترف تھے۔ بندش کی خوش اسلوبی اور اندازِ بیان کی ندرت مضمون کی شوخی سے مل کر مزا دوبالا کر دیتی ہے اور مشاعرہ میں آپکی غزل خوانی قابلِ شنید ہوتی ہے۔ اسی عرصہ میں اخبار وکیل امرتسر سے انکا تعلق ہوگیا اور اسمیں ایک فسانہ شایع ہونے سے اُنکی ادبی حلقوں میں شہرت ہونے لگی۔ مگر اخبار نویسی اور مضمون نگاری کا سلسلہ تھوڑے ہی روز میں جاتا رہا۔ دہلی سے بتلاش معاش حیدرآباد تشریف لیگئے۔ اُس زمانہ میں فصیح الملک مرزا داغ کی شاعری کا آفتاب سپہر نظم پر تاباں تھا دکن کے مشاعروں میں اُنکی شاعری کا طوطی بولنے لگا۔ بعض حسّاد اور تنگ نظر شعرا نے انہیں اپنے علم و فضل کے اثر سے دبانا چاہا لیکن ذہن کی خوبی اور طبیعت کی خوش اسلوبی خصوصاً زبان کی روانی سے انپر کوئی غالب نہ آسکا اور ہمیشہ بزمِ سخن میں انکا وقار قایم رہا۔ اسی عرصہ میں یہ مہاراجہ کشن پرشاد و راجہ امانت ونت کے ہاں زمرۂ شعرا ملازم ہوگئے مگر قسمت نے وہاں بھی نرہنے دیا۔ جوانی کا زمانہ تھا شباب کے دن سن طبیعت عشق آشنا۔ خیالات شوریدہ آخر کار ناٹک کمپنیوں تک پہونچے اور ڈراما نگاری کے ذریعہ سے کلکتہ میں بسر اوقات کرتے رہے۔ دو تین سال تک بیگم صاحبہ مرشد آباد کے داماد نواب نصیر الملک سفیر ایران کی مصاحبت میں رہے وہیں سے "افسر الشعرا" کا خطاب پایا ہم اس موقعہ پر حضرتِ داغ کی جانشینی کا مسئلہ چھیڑنا نہیں چاہتے ورنہ دنیا کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ آغا شاعر کو اُستاد مان لے لیکن یہ ضرور کہینگے کہ طبع رواں کے جوہر تغزل کی اصل شان۔ عاشق و معشوق کی گفتگو روزمرہ کے دلفریب اسلوب اور بے تکلفانہ محاورات جو داغ کی شاعری کا زبردست عنصر ہیں آغا شاعر کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ گو جذباتِ فطرت اور تخئیل کی بلندی نے داغ کی شاعری کا زمانہ ختم کر دیا ہے۔ مگر جبتک دنیا میں اُردو زبان کا وجود ہے گا محاوراتِ داغ زندہ رہینگے۔ اسوقت آپکی عمر ۵-۵۵

بر سکی ہوگی۔ جو شوخی اور بانکپن انکے کلام میں ہے اُسکی نظیر موجودہ شعرا کے ہاں کم ملتی ہے۔ آغا صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں جسمیں قتل نظیر نے بہت شہرت پائی ہے۔ فسانہ نگاری میں یگانہ اور ڈراما نویسی میں فخر زمانہ ہیں علم مجلسی اور اخلاق میں فرد۔ آزادیِ ہند کے حامی اور قلم کے مرد ہیں۔ آپنے ریاست جھالا واڑ سے ایک رسالہ "آفتاب" کے نام سے نکالا تھا۔ آپ مہاراجہ صاحب جھالا واڑ کے درباری شعرا میں دس برس سے منسلک ہیں آپنے فصیح اردو میں کلام مجید کا ترجمہ نظم کیا ہے۔ مزیدار شعر کہتے ہیں انکا یہ شعر۔

حشر میں انصاف ہوگا بس یہی سنتے رہو　　کچھ یہاں ہوتا رہا ہے کچھ وہاں ہو جائیگا

حوادث زمانہ سے چوٹ کھائے ہوئے دل کا مرقع اور کسقدر دلفریب ہے۔ دیوان اول "تیر و نشتر" کے نام سے مخزن پریس میں شایع ہو چکا ہے۔ دوسرا دیوان بھی تیار ہے۔

بہ تحریک اپنے محسن مہاراجہ سر بھوانی سنگھ والئی جھالا واڑ جنہیں علم و دانش کا پتلا کہنا زیبا ہے رباعیات عمر خیام کا فصیح ٹکسالی اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے اور اب اُسے چھپوانے کا ارادہ کر رہے ہیں راقم تذکرہ سے عرصہ تیس سال سے انکے نہایت خوشگوار مراسم ہیں کئی مرتبہ میرے مکان پر مشاعروں میں شریک ہوئے ہیں اور مشاہیر عصر مثل راجہ محمود آباد۔ نواب امداد امام سر علی امام کو کلام سنایا اور اُنسے داد لی ہے۔ مذہبًا شیعہ ہیں اور مرثیہ کہتے بھی ہیں اور پڑھتے بھی۔ دو تین مرتبہ ریاست خیرپور سندھ ایام عشرہ میں بلائے گئے اور رئیس وقت کیطرف سے آپکی قدردانی بھی کیگئی۔ شاگردوں کی تعداد دو تین سو سے کم نہیں جیسے برق دہلوی۔ مائل دہلوی۔ ہاشم۔ نسیم۔ شوق وغیرہ اچھا کہنے والوں میں ہیں عرصہ سے آپ اپنا تازہ کلام راقم تذکرہ کو بھیجتے رہتے ہیں اسلئے کلام کا بہترین حصہ شائقین اور قدردانان سخن کی ضیافت طبع کیلئے پیش کیا جاتا ہے پڑھیں اور مزے لیں ؎

انتخاب

دم نہ نکلا صبح تک شامِ الم　　حسرتوں نے رات بھر بھرا دیا

گر یہی رنگِ سخن ہے شاعرِ رنگیں بیاں　　تو بھی اکدن طوطیِ ہندوستاں ہو جائیگا

شوقِ نظارہ اسے کہتے ہیں اللہ اللہ　　پتلیاں جم گئیں عارض پہ ترے تل ہوکر

میری آنکھیں ہیں جو موجود انہیں فرش کریں　　میرے پہلو میں رہیں آپ مرا دل ہوکر

دن جوانی کے جو آئے انہیں پردہ سوجھا
خون ہو ہو کے بہے لختِ جگر آنکھوں سے
جستجو میں تری ہستی کو مٹا کر چھوڑا
کعبے سے دیر۔ دیر سے کعبہ
دل کی قیمت نہ چکی تھی کہ نگاہیں بھی پھریں
جل جل کے گُل کیا تو فضائی چراغ داغ
نہ چھیڑو اب شکستہ خاطروں کو
بچایا ہر طرح سے ناخدا نے
ٹھیس لگتے ہی ٹوٹ جائے گا
بس خدا کے واسطے بس چار آنکھیں ہو گئیں
اس محبت کا بُرا ہو کچھ نہ اُن سے کہہ سکے
تم کیا سنو گے واہ ستمگر سے کیا کہیں
دامن پہ اُنکے خون ہے مجھ بے گناہ کا
پھرتا نہیں کبھی جو کسی طرح دن پھریں
فقرے کسو نہ غیر کی خاطر سے بزم میں
ایسا ہو جو بلائیں بھی لے اور خط بھی دے
شاعر ہمارا کوچ مقدر کی بات ہے
تم تک آ بھی نہ سکوں تمکو بلا بھی نہ سکوں
نقشِ ہستی ہر ادم بھر میں فنا ہوتا ہے
میٹھی میٹھی وہ خلش دی ہے ترے تیروں نے
یہ نیا ظلم ہے بیداد بھی ہے تھم تھم کر

کھنچ گئے آہ وہ تصویر کے قابل ہو کر
دو گھڑی بھی نہ بہی درد کے شامل ہو کر
ٹھوکریں کھائیں غبارِ رہِ منزل ہو کر
مار ڈالے نہ راہ کی گردش
تم تو رکھتے ہی نہیں طالبِ دیدار سے ربط
لیکن بہار پر ہی رہا رنگ باغ داغ
کوئی غم سے اٹھائیگا کہاں تک
گئی ہے جب مری کشتی بھنور تک
شیشۂ دل حباب ہے بالکل
سب کھلے جاتے رہے جب چار آنکھیں ہو گئیں
مر مٹا میرے جگر کے پار آنکھیں ہو گئیں
ہاں کوئی اہل درد ہو تجھ سے کیا کہیں
شرمندہ ہیں کہ داورِ محشر سے کیا کہیں
یہ بھی تری نظر ہے مقدر سے کیا کہیں
دل میں اُترتے جاتے ہیں نشتر سے کیا کہیں
بیچارہ جانور ہے کبوتر سے کیا کہیں
تاباں سے کیا گلہ کریں شیر سے کیا کہیں
یہ تو کچھ ایسی دہری ہے کہ اُٹھا بھی نہ سکوں
تیری حسرت تو نہیں کہ مٹا بھی نہ سکوں
دل میں رکھ بھی نہ سکوں جان سے جا بھی نہ سکوں
چین لے بھی نہ سکوں اتنا کہا بھی نہ سکوں

ہلکی ہلکی وہ پلا ساقی کہ ہوش مجھکو
مست رہ بھی نہ سکوں ہوش میں آ بھی نہ سکوں

تمکو اکسیر مبارک رہے دولت مندو
میں وہ ہوں خاک جو نظروں میں سما بھی نہ سکوں

صفحۂ دہر سے کس طرح مٹے گریۂ خوں
حرفِ غم ہے کہ جو کاغذ سے مٹا بھی نہ سکوں

شکوۂ ظلم بھی اسقدر گراں ہے شاعر
راز کیطرح زباں تک جسے لا بھی نہ سکوں

روز فرماتے ہیں ہم چاہیں تو مٹ جاؤ ابھی
دیکھنا کیا مری تقدیر بنے بیٹھے ہیں

کلیجہ مرا چھد گیا۔ تیر بر سے
اسیطرح او فتنہ گر دیکھتے ہیں

محفل میں چین بھی ہے تجھے فتنہ گر کہیں
دل ہی کہیں خیال کہیں ہے نظر کہیں

عارض پہ مر مٹا کبھی گیسو میں جا پھنسا
دل کی ہمارے شام کہیں ہے سحر کہیں

بس چلو ہو چکا اتنا نہیں بنتے توبہ
دیکھنا رات گذر جائے نہ سامانوں میں

ماشاء اللہ رقیبوں کا یہ جمگھٹ آہا
آج تو شمع بنے بیٹھے ہو پروانوں میں

ہم تمہیں یاد بھی آئیں تو کبھی بھولے سے
تم ہمیں بھول بھی جاؤ تو بہت یاد کریں

پہلے یہ حکم تھا آواز نہ نکلے منہ سے
اب یہ ضد ہے کہ تڑپتی ہوئی فریاد کریں

جھلملاتا ہے مرا داغِ جگر آہوں سے
تیز جھونکے نہ کہیں شمع کو برباد کریں

دل پہ مرتے ہیں یہ پیکاں تیرے
ایک جاتا ہے تو دو آتے ہیں

جب کبھی ہم نے بلایا اُن کو
یہی کہتے ہیں کہو آتے ہیں

آدمی آدمی سے ملتا ہے
بات کرنی تو کچھ گناہ نہیں

بس مجھکو داد ملگئی محنت وصول ہے
سُن لے غزل یہ بلبلِ ہندوستاں کہیں

وہی خاک میں مل گئے سب سے پہلے
جنہیں حسن و خوبی کے دعوے کڑے ہیں

نام کو بھی کبھی تسکین دلِ مضطر میں نہیں
موت ہی آئے جو تم میرے مقدر میں نہیں

نگہِ مست سے پھر مجھکو پلا دو بیخود
کیا مئے ہوش ربا آپکے ساغر میں نہیں

تم نہ سمجھے تھے کہ مایوسیاں کیا کرتی ہیں
ہم نہ کہتے تھے کہ بیمار گھڑی بھر میں نہیں

ایک دن جان مری کاوشِ مژگاں میں نہیں
آپ چاہیں تو ابھی دن مرے پھر جاتے ہیں
او جنوں ہوش کی لے دست درازی کب تک
اور بل کھا گئیں کھلتے ہی لٹیں شانے پر
روح کو تن سے نکلتے ہوئے موت آتی ہے
چار دن کی ہے جوانی اِسے کیا سمجھے ہو
ابھی دو دن ہوئے شاعر تو بھلا چنگا تھا
کس کو امید اسکی ہوتی تھی میرے مولیٰ
قطرے کو آبِ شے کر گوہر بنا دیا ہے
سوزِ فرقت نہ بجھے گا کسی پہلو دل میں
پھر وہی ٹیس وہی درد وہی بےچینی
میں بھی نہیں ٹلنے کا جو دشمن نہیں مرتا
جب میں نے یہ کی عرض چلا لیجئے مجھکو
جاتی رہی پہلو میں رہا کرتی تھی اک چیز
اچھوں پہ بُری بنتی ہے شاعر یہ سُنا ہے
کبھی آنکھوں میں اترتے ہیں کبھی دل میں رہتے ہیں
اُدہر جو دیکھتا ہے وہ اِدہر بھی دیکھ لیتا ہے
تیرے کوچے میں بھی سفاک عجب عالم ہے
وہ راہ میں ہیں سُنا ہے۔ اب آئے کہ آئے
کبھی اِن آنکھوں سے مرتے جلائے جاتے تھے
ملنا نہ ملنا یہ تو مقدر کی بات ہے

یہ کھٹک وہ ہے کہ جو تیر کے پیکاں میں نہیں
کونسی بات ہے جو آپکے امکاں میں نہیں
دیکھ لے اب تو کوئی تار گریباں میں نہیں
کونسا پیچ تری زلفِ پریشاں میں نہیں
یہ وہ قیدی ہے اذیّت جسے زنداں میں نہیں
روز جوبن پہ کوئی پھول گلستاں میں نہیں
سانس کا کھیل ہے بس کچھ بھی تو انساں میں نہیں
بگڑی بنانے والے قربان تیرے جاؤں
عزت بڑہانے والے قربان تیرے جاؤں
کاش آنکھوں سے برسنے لگیں آنسو دل میں
چارہ گر آگ لگا دے کسی پہلو دل میں
اُٹھ جاؤں جو تم کہتے وہ پردہ تو نہیں میں
ہنسکر کہا اے شخص مسیحا تو نہیں میں
تر بھر نہ ہوں کچھ آپ سے کہتا تو نہیں میں
صد شکر کس بات میں اچھا تو نہیں میں
بڑے بےچین ہیں ہم تو بڑی مشکل میں رہتے ہیں
تری تصویر بن کر ہم تری محفل میں رہتے ہیں
سینکڑوں چاک گریباں چلے آتے ہیں
کدہر کا قصد ہے او جان بے قرار نہیں
انہیں میں آج مروت نہیں ہے پیار نہیں
تم خوش رہو۔ رہو میری پیاری جہاں کہیں

جاتے کدھر ہو تم صفِ محشر میں خیر ہے
دامن نہ ہو خدا کے لئے دھجیاں کہیں

میکش ہوں وہ کہ پوچھتا ہوں اُٹھ کے حشر میں
کیوں جی شراب کی ہیں دکانیں یہاں کہیں

جاؤ سدھارو تم سے نبھی ہے نہ نبھ سکے
لیتے ہیں دل میں بیٹھ کے یوں چٹکیاں کہیں

پہرہ بٹھادیا ہے یہ قیدِ حیات نے
سایہ بھی ساتھ ساتھ ہے جاؤں جہاں کہیں

اب تو ہم جتنی منگائیں تو دیئے جائے فروش
پھر حساب اگلے برس ہو جائیگا برسات میں

پی بھی لو شاعر سمجھ رکھی ہے توبہ آپ کی
چھوڑ سکتا ہے کوئی مردِ خدا برسات میں

بہت رونا مجھے آتا ہے غنچوں کے تبسم پر
فقط کھلنے ہی کی ہے دیر ساری کھل کے گھڑی ہیں

کس طرح اُس شرر سے کسیکو ضرر نہو
بندہ تو بندہ جس کو خدا کا بھی ڈر نہو

وہ خود ہیں بیقرار لگی کے لگاؤ سے
یہ بھی ہے کوئی بات اِدھر ہو اُدھر نہو

تا صبح کسیکی آنکھ جو لگ جائے بزم میں
تیرے فرشتہ خاں کو بھی اُسکی خبر نہو

للہ جب عروج پہ مشتِ غبار ہو
اُس بت کی ٹھوکروں میں ہمارا مزار ہو

دھل جائیں سب گناہ جو رحمت برس پڑے
پردہ ہمارا سایۂ دامانِ یار ہو

جھلکی دکھائی سامنے آئے چلے گئے
یادش بخیر تم بھی عجب پردہ دار ہو

ہم سے نہ ملئے آپ نے تو کہدیا مگر
وہ کیا کرے غریب جو بے اختیار ہو

کس ناز سے وہ پوچھتے ہیں مجھکو دیکھکر
شاعر مزاج کیسا ہے کیوں بیقرار ہو

ترے گیسو مٹادینگے پریشانِ محبت کو
بلا کی الجھنیں رہنے لگیں کافر طبیعت کو

بڑے مجبور ہیں کس طرح چھوڑیں اپنی عادت کو
بتوں پر ٹوٹ کر آنا سکھایا ہی طبیعت کو

جہاں تم مسکرائے دوڑ کر ہم پیار کر لینگے
لگانا ہاتھ پیچھے پہلے سُن لو دل کی قیمت کو

یہی رفتار کے انداز ہیں تو کیا ٹھکانا ہے
خدا جانے کہاں چھپنا پڑے جا کر قیامت کو

کوئی ہم سی زیادہ لذتیں کیا لیگا دنیا میں
کلیجے سے لگائے پھرتے ہیں دردِ محبت کو

ہر بات چھانٹ لیتے ہیں مشکل تراش کے
پیکاں نکالتے ہیں مرا دل تراش کے

دل میں ہے درد - درد میں ارماں بھرے ہوئے
سینے میں تیر تیر میں پیکاں بھرے ہوئے

اُسکا جواب دیر و حرم میں کہیں نہیں
جس دل میں ہوں خزانۂ ارماں بھرے ہوئے

کانٹے کسطرح دل میں کھٹکتے ہیں موت کے
پھولوں سے بھر رہے ہیں جو داماں بھرے ہوئے

اک دن برس پڑو گے ہمیں پر یہ کھل گیا
کب تک پھرو گے روز مرہ یہاں بھرے ہوئے

دل میں گھر کر گئی اس طرح محبت تیری
ذرہ ذرہ سے جھلکنے لگی صورت تیری

تاڑ لیتے ہیں نظر باز شباہت تیری
لاکھ پھولوں میں بھی چھپتی نہیں رنگت تیری

بیڑیاں کاٹ کے شمشیر رکھی گردن پر
کہتے ہیں خیر گھٹا دیتے ہیں مدت تیری

وہ بھی دن ہوں کہیں اللہ غریبوں کی سنے
ہر سحر اُٹھکے میں دیکھا کروں صورت تیری

تجھکو کیا ہو گیا شاعر جو مٹا جاتا ہے
اس کو ضد ہے وہ نہیں دیکھتا صورت تیری

غضب دیکھو خیال ابروئے خمدار میں آئے
گلے ملنے لگے تلوار سے یہ پیار میں آئے

ملتوں کی حکومت ہے تو شوخی کا زمانہ ہے
نگاہِ یار میں آئے مزاجِ یار میں آئے

نگاہِ یار کی برچھی غضب کی دل نشیں نکلی
کھٹکنے میں نہیں چکی تڑپنے میں نہیں نکلی

ہمارا ہی جگر ہے یہ ہمارا ہی کلیجہ ہے
جگر نے نیمچہ مارا زباں سے آفریں نکلی

نہیں سنتا کسی کی ان صدوں کا کیا ٹھکانا ہے
قیامت آگئی لب جب تری منہ سے نہیں نکلی

ہمارے پاس بیٹھو اور دشمن پر بھی نظریں ہوں
کھٹکتی تھی جو دل میں پھانس وہ ابتک نہیں نکلی

سوالِ وصل بس اتنا کہا تھا بس بگڑ بیٹھے ہو
ابھی تو بات بھی پوری مرے منہ سے نہیں نکلی

خلیلِ عصر کہلایا مجھے بھی مل گئی جنت
لبوں سے پھول برسائی جو آہِ آتشیں نکلی

خدا کی شان کیا تقدیر آئی ہے بگڑنے پر
ہماری بات بھی اب تمکو گالی ہوتی جاتی ہے

قدم کو پھونک کر رکھے کوئی کیسا ہی تنہا ہیں
نہیں رکتی کسی سے ہونیوالی ہوتی جاتی ہے

شرر اُڑنے لگے سوزِ دروں کی لاگ ہے شاعر
ہماری آہ بھی پھولوں کی ڈالی ہوتی جاتی ہے

ابرو ہیں دونوں دل کے خریدار دیکھئے
آپس میں چلنے والی ہے تلوار دیکھیے

آہستہ چلئے ایسی بھی جلدی کہاں کی ہے
ٹپکتا ہے برستا ہے یہی اندازِ قاتل سے
یہ ان کو رات دن افسردگی تھی اپنی بسمل سے
خدا جانے کہاں کی دل لگی تھی درد کی دل سے
بسر ہو جاتی ہے ہر طرح منعم خاکساروں کی
قیامت میں خدا کے سامنے کیا منہ دکھاؤ گے
سنورتے زلف کے حلقے جو ہر زنجیر ہو جاتے
تماشا بن گئیں تھیں ہجر میں بیتابیاں اپنی
جدا ہونا تھا ہو نکلے خفا ہونا تھا ہو نکلے
کہاں ہیں حضرتِ شاعر ذرا آنکھیں ملا لیتے
قیامت بنکے ہر شوخی تری رفتار سے نکلی
کہیں انکار سے نکلی کہیں اقرار سے نکلی
لہو ٹپکا بجائے اشکِ غم عبرت کی آنکھوں سے
خدا جانے یہ کیا ہی سیدھی باتیں الٹی ہوتی ہیں
کیا ہمیشہ کوئی دنیا میں جواں رہتا ہے
سمجھے فرماتے ہیں شاعرِ بستا او دیکھو
بہار آئی ہے پھر چمن میں نسیم اٹھلا کے چل رہی ہے
وہ آن پہنچے وہ جی اٹھا میں عدو کی امید ہاتھ جھاڑی
تمہارا دل دو دل نہ دل کہو تو عجیب نازک معاملہ ہے
تڑپ رہا ہوں یہاں میں تنہا وہاں عدو وہ ہم بغل ہیں
دکھائی یار کی تیغِ نظر میں کیوں نہ رہے

دل پس نہ جائے دیکھئے سرکار دیکھئے
رنگیلا آج ہولی کھیلنے نکلا ہے بسمل سے
چڑھائے قبر پر دو پھول بھی تو کس بُرے دل سے
ابھی چونکا دیا پھر کیا لگی تھی آنکھ مشکل سے
فقیروں کو غرض کیا ہے تری خورشید منزل سے
نہ اتراؤ ذرا مہندی رچا کر خونِ بسمل سے
بگڑتے آپ جس پہلو مری تقدیر ہو جاتے
ہمیں تم دیکھتے آکر اگر تصویر ہو جاتے
سبھی کچھ ہو چکا اب کیا مری تقدیر ہو جاتے
کہ وہ بھی آنکر اس گنجفہ میں میر ہو جاتے
یہاں سایہ پڑا گو یار کی دیوار سے نکلی
نہیں کیا تھی چھری بنکر زبانِ یار سے نکلی
زلیخا جب گدائی کے لئے بازار سے نکلی
کہاں کی لاگ شاعر چرخِ کج رفتار سے نکلی
ہوش میں آؤ یہ جوبن ہی کہاں رہتا ہے
ہونٹ دُکھ جاتے ہیں بوسہ کا نشاں رہتا ہے
ہر ایک غنچہ چٹک رہا ہے گلوں کی رنگت بدل رہی ہے
عجب تماشا ہے دل لگی ہے قضا کھڑی ہاتھ مل رہی ہے
ادھر تو دیکھو نظر ملاؤ یہ کسکی شوخی مچل رہی ہے
کسی کے دل پر بنی ہوئی ہے کسی کی حسرت نکل رہی ہے
چھری سی اک مرے زخمِ جگر میں کیوں نہ رہے

اُدھر یہ شوق تلوّن کو بے حجاب پھروں
زباں سے جلے جو ترے تیر کی شکایت ہو
غمِ رقیب میں چھپ چھپ کے ہم سے رو لینا
برائی بات جو اپنی بھی ہو برائی ہے
کھٹکتی رہتی ہے اِک اِک خطا جو شاعر کی
قسمیں دے دے کر دلِ زار کو سمجھایا ہے
آپ اُٹھتے تو ہیں پہلو سے خدا خیر کرے
منہ برستا ہے برس دیدۂ پرخوں تو بھی
جلوہ دکھا کے آپ جو روپوش ہو گئے
اب کیا ہماری یاد زمانہ گذر گیا
بُت ہو گئے وہ سُن کے مری داستانِ غم
کل کی یہ بات ہے کہ ہمیں سے تھا ربط ضبط
وہ مسکرائے تھے تیوری بدل گئی کیسی
طراوت آگئی دل کی نکل گئی کیسی
مجھی یہ بات بنا کر وہ آئے تھے لیکن
جوانی آئی پھر آ کر سدھارنے بھی لگی
تمہارے قد نے قیامت اُٹھائی کیا کیا کچھ
کسی کے سامنے جا کر بھی کچھ نہیں کہتا
تمہیں جتا ہی دیا عشق موت آ ہی گئی
تمہارے آتے ہی اِک چین آگیا دل کو
ابھی زباں سے نکلی کہ لے اُڑیں پریاں

ادھر یہ ضد ہے کہ پہنچی نظر میں کیوں نہ رہے
یہ دل میں کیوں نہ رہے یہ جگر میں کیوں نہ رہے
عجیب لطف ہے پھر دو سر میں کیوں نہ رہے
مری زباں دہنِ نامہ بر میں کیوں نہ رہے
گناہ گار ہے تیری نظر میں کیوں نہ رہے
آج بھی تم جو نہ آئے تو قیامت ہو گی
دیکھیے کیا دلِ بیتاب کی حالت ہو گی
دل سنبھل جائے گا آنکھوں میں طراوت ہو گی
ایسی چڑھی ہمیں وہ ہیں بے ہوش ہو گئے
برسوں ہوئے کہ تم کو فراموش ہو گئے
ایسا مزا ملا ہمہ تن گوش ہو گئے
اللہ ایسے زود فراموش ہو گئے
ہنسی ہنسی میں یہ تلوار چل گئی کیسی
ہے جو اشک طبیعت بہل گئی کیسی
خدا کی شان وہ ادرو نہیں ڈل گئی کیسی
عجب شراب تھی پل بھر میں ڈھل گئی کیسی
تمہاری چال کلیجے مسل گئی کیسی
مری زباں مری آہوں سے جل گئی کیسی
یہ دل کی بات تھی منہ سے نکل گئی کیسی
تمہارے جاتے ہی دنیا بدل گئی کیسی
تمہارے ہاتھ سے شاعر غزل گئی کیسی

نہ دینگے نہ دینگے دل اپنا نہ دینگے — چلو جاؤ بس خوب سمجھا ہوا ہے
پھرے در و سر لیکے بزم عدو سے — یہاں بھی کبھی حال بیکا ہوا ہے
وہ زہرہ جبیں تجھپہ مائل ہے شاعر — نصیبا ترا یار چمکا ہوا ہے

نہیں غیر تم سے جدا ہونے والے — یہی زہر کے بیج ہیں بونے والے
تم آئینہ لیکر دکھا دو جہاں کو — کہ یوں ایک سے دو ہوئے ہونے والے
ادھر زلف بکھری ادھر دم سدھارا — سحر شام سے سو گئے سونے والے

یہ کسنے کہا قتل کیا تم نے ادا سے — کچھ خبر ہے سنبھلو ذرا اڑتے ہو ہوا سے
اب نیم نگاہی میں بھی ہے برق کا عالم — کیا جانئے کہا کیا تری شوخی نے حیا سے
بوسہ کا اگر دھیان بھی آجائے کسی کو — چھپ جائیں وہ تصویر کے پردہ میں حیا سے

ٹھہر تو ذرا چال چل جانیوالے — نگاہیں بدل کر نکل جانے والے
غریبوں کے مرقد کو ٹھکرانے والے — سنبھل جانیوالے سنبھل جانیوالے

چار آنکھیں کبھی ہوتی ہیں آتے جاتے — نظرِ لطف کہاں چشم مروت کیسی
خوب تڑپایا ہے اٹھ اٹھ کے تسلی کیلئے — درد نے کی ہے تلافی شب فرقت کیسی

حسنِ رفتہ کا اب ملال ہی کیا — عارضی چیز تھی رہی نہ رہی

تم کہاں وصل کہاں وصل کی امید کہاں — دل کے بہلانیکو اک بات بنا رکھی ہے

چھری پھیر کے آپ تڑپایا مجھکو — مجھی سے پھر الٹا گلا ہو رہا ہے

فائدہ خاک نہیں علم و ہنر ہونے سے — زندگی خوب بسر ہوتی ہے زر ہونے سے

کس طرح دن کٹینگے ترے انتظار کے — کیونکر اٹھینگے ناز دل بیقرار کے
صیاد نے چمن کی ہوا تک نہ دی ہمیں — آئے بھی اور چلے بھی گئے دن بہار کے

پڑے چین سے قبر میں سو رہا ہوں — نیا آسماں ہے نرالی زمیں ہے

عدو کا ذکر شب وصل واہ کیا خوب ہے — چلو ہٹو یہ کلیجے میں چٹکیاں کیسی

کبھی نمک ہے کبھی تیر ہیں کبھی جر کے
کسے یقیں ہے تم دیکھنے کو آؤ گے

تم کبھی آتے تو ہم تک حشر ہوتا تو کہیں
تازیانے کی ضرورت گیسوئے مشکیں تو ہیں

پھولوں کو چھوڑ کر مرے پہلو میں آرہے
ناکامیوں میں کوئی نہ کوئی تو راز ہے

لایا ہوں سی کے پھر جگرِ زخم زخم کو
تاکہ اک صاف ہی دل بھی تو پاک ہو

اُس کی خشکی سی چھٹا سینے میں تیر اُن میں تھا
خارِ حسرت چبھ نہ جائے دل نہ لو

تم نہیں ہو تو مجھے خار ہے ایک ایک کلی
داغ کے بعد نہیں لطفِ غزل کا شاعر

ملی ہیں زخم جگر مُنہ بھرائیاں کیسی
اخیر وقت مگر انتظار اور سہی

کچھ تو ہم کو داد ملتی داد کی بیداد کی
اپنے دیوانے کو چھڑیاں مارتے شمشاد کی

بلبل جو پائے زخم جگر کی ہوا کبھی
مایوس کیوں ہوں میں کہ خدا کارساز ہے

پھر انکو اپنی نیم نگاہی پہ ناز ہے
زاہد خدا کے واسطے یہ کیا نماز ہے

کیا ٹھکانا تو نے کاٹے پلے تو دیکھو تیر کے
پھول توڑے بھی تو کانٹا دیکھ لے

ہائے یہ پھولوں بھرا باغ ہے یا جنگل ہے
یوں تو کامل ہے کوئی اور کوئی اکمل ہے

آنکھیں نہیں جو دیکھیں خالی ہیں داغ اُنکے
دروازے پہ اُس بُت کے سو بار ہمیں جانا

اے ابروئے جاناں تُو اتنا تو بتا ہمکو
ٹوٹے مٹتے بھی محبت کا نشاں رہتا ہے

کسی کے روکنے سے کب ترا دیوانہ رکتا ہے
ڈال دو مُنہ پر کفن آلودۂ عصیاں ہوں میں

وصل کی صورت نہ نکلی آجتک میرے لئے
مثلِ بلبل یادِ عارض میں تڑپ جاتا ہوں میں

آنکھ لگتی ہے خیالِ نوکِ مژگاں ہیں کہاں

اندھیر ہے دنیا میں منصف نہ کوئی جج ہے
اپنا تو یہی کعبہ اپنا تو یہی حج ہے

کس رُخ سے کریں سجدہ قبلہ میں ذرا کج ہے
گھٹتے گھٹتے بھی سرِ شمع دھواں رہتا ہے

بہار آئی چلا ہیں یہ وہی ہیں بیڑیاں میری
شرم آتی ہے خدا کے سامنے جاتے ہوئے

ایک بھی گردش نہ کی تو نے فلک میرے لئے
کیا بتاؤں کیا ہے پھولوں کی مہک میرے لئے

برچھیاں کھاتی ہیں جھپکائی پلک میرے لئے

[illegible]

چارہ گر بیزار ہیں چارہ سازی سے تری
اس واسطے کہا تھا نہ شاعر سے روٹھئے
ہمارے جیتے جی ہرگز نہ سمجھا حرص کا دامن
ہزاروں سے سُنے وہ لفظ لیکن لفظ تھی خالی
یہ سچ کہا ہے کسی نے ضرور ہوتا ہے
اب جوانی میں چھپا لو منہ چھپا لو شوق سے
مرگیا ہوں یادِ مژگانِ بتِ سفاک میں
ہر تصور میں رواں ہیں اشکِ خونی اس لئے
ہمیں تو ایسی کچھ عادت نہیں ہے بادہ نوشی کی

جب مزا ہے زخمِ دل پر ہو نمک میرے لئے
اب کیا وہ آنے والی ہیں سرکار بس گئے
یہی سنتے رہے ہم تو یہاں تک ہی وہاں تک ہی
تمہاری بات کی شوخی تمہاری ہی زباں تک ہے
نظر سے دور جو ہو دل سے دور ہوتا ہے
سینکڑوں بوسے لئے ہیں چاند سی تصویر کے
خاکِ تربت سے مری پیکاں اُگینگے تیر کے
زینتیں ہیں یہ بھی دامانِ خیالِ یار کی
بہار آئی ہے زاہد اس لئے پی لی ہے تھوڑی سی

انتخاب دیوان ثانی

چھریاں چلنے لگیں لو اور قیامت دیکھو
نزع میں دیکھنے آئے ہیں مری داغ جگر
بس ایک ہی نظر کی تمنا تھی آپ سے
شاعر میں بھی اُن کو کھینچ تو لایا تھا خواب میں
زرد چہرہ وہی ساغر میں گلابی ہوگیا
خالِ مشکیں بھی عجب کافر ہے سب سے بڑھ گیا
تم سدا ہارے گریہ خوں نے دکھائی یہ بہار
ہاتھ رکھکر سوئے ہو گیسو چھپے ہیں کیا ہوا
اُسکی قسمت پر منہ خورشید کو بھی رشک ہے
دل دیا ہم نے جگر اپنا دیا
کہتے ہیں وہ اشکِ گلگوں دیکھکر
حق شناسی۔ انکساری عقل۔ علم

بات کرنے کا بھی اب تم سے تو پہلو نہ رہا
پھول کملا گئے جب اُن کو حسن یاد آیا
لو پھیر دو چھری مرا ارماں نکل گیا
افسوس میرے ہاتھ سے داماں نکل گیا
تیری آنکھیں دیکھ کر میں بھی شرابی ہوگیا
حسنِ عارض پر یہ نقطہ انتخابی ہوگیا
اس قدر رویا مرا دامن گلابی ہوگیا
کیوں تمہارا پھول سا رخسار آبی ہوگیا
لو خدا کی شان شاعر تو ترابی ہوگیا
آپ بھی تو منہ سے پھوٹیں کیا دیا
رنگ ان پھولوں میں کچھ ہلکا دیا
آدمیت نے ہمیں کیا کیا دیا

نغمۂ مے بن گیا شورِ غنا دل ہو گیا
نالۂ دل چٹکیاں لینے کے قابل ہو گیا

مسکن بھی کوئی قبر سے بہتر نہیں ملتا
آرام کہیں گھر کی برابر نہیں ملتا

اِک جہاں کو شغل ہے نالہ و فریاد کا
نام نکلا ہے خدا رکھے تری بیداد کا

مرحبا شاعر تری خوش قامتی کو دیکھکر
واہ کیا موزوں ہے یہ مصرعہ کسی اُستاد کا

یہ کس نے روزنِ دیوار سے ہنسکر مجھے جھانکا
کہ شعلہ بھر گیا آنکھوں میں میرے برقِ سوزاں کا

نہ پوچھو بیخودی کی جب وہ لمبے بال سونگھے ہیں
چڑھا ہے زہر کیا کیا مجھکو مارِ سنبلستاں کا

دنیا میں کوئی دوست کسی کا نہیں ہوتا
اپنا بھی بُرے وقت میں اپنا نہیں ہوتا

کس طرح جوانی میں چلوں راہ پر ناصح
یہ عمر ہی ایسی ہے سوجھائی نہیں دیتا

جگر تھام کر آپ بیٹھیں تو پہلے
ہنسی کھیل ہے کچھ تڑپنا کسی کا

گلِ رنگیں ہے نہ یہ خونِ دلِ مضطر ہے
آگیا ہے سرِ مژگاں یہ جگر کا ٹکڑا

حُسنِ رخسار سے ہے کان کی بجلی روشن
مہر کے ساتھ چھلکتا ہے قمر کا ٹکڑا

منائیں تو اب جان دیکر منائیں
قیامت ہے یہ رُوٹھ جانا تمہارا

بتاؤ تو نیچی نظر آج کیوں ہے
یہ کیوں وار پڑتا ہے اوچھا تمہارا

خدا کے لئے ہاں نہیں کچھ تو کہدو
کہ مُنہ تک رہی ہے تمنا تمہارا

کہاں اُٹھکر چلے ہم بھی تو اُٹھتے ہیں ذرا ٹھہرو
گھڑی ساعت کے ہیں اب کیا بھروسا زندگانی کا

چمن میں قمریوں نے نالۂ دل کی روش سیکھی
اُڑایا بلبلوں نے رنگ میری خوش بیانی کا

ہائے اس کہنے کے صدقے کیوں نہ مرجائے کوئی
مرمٹا کوئی تو پھر احسان ہم پر کیا ہوا

صبحِ پیری جو ہوئی آہ کے شعلے نکلے
کیا بھڑکتا ہے چراغِ سرِ منزل اپنا

جس خاک میں ہوں چاند کے ٹکڑے ہزار ہا
نسبت ہے آسمان کو پھر اُس زمیں سے کیا

بجلی کیطرح آئے ہوا کی طرح گئے
کیا تم بھی کوئی دل ہو کسی بے قرار کا

کیا لینگے آپ شاعرِ خستہ کو پوچھکر
جس حال میں ہے شکر ہے پروردگار کا

شیخ کو جو پارسا کہتا ہے اُس کو کیا کہوں
شاعرِ نازک طبیعت ہوں مرا دل کٹ گیا
دامن سے ہے آسماں پہ ہمارے خیال کا
مسافرانِ عدم کس طرف کو جاتے ہیں
عجب چیز تھی شاعر شباب بھی کیا تھا
لگی ہوئی تھی مرے منہ وہ لاجواب شراب
کسطرح اُٹھ جاؤں تیرے پاس سے ای لالہ رو
کسی کے رخ پہ ہیں زلفیں کہ آفتاب میں شب نہاں
کچھ تمہیں یاد بھی ہے رات کی بات
اَن بن ہوئی جہاں وہیں ہم بھی الگ ہوئے
لیگیا ضعف اُڑا کر مجھے قیدِ غم سے
دو اجازت تو کلیجہ سے لگا لوں رخسار
عمر بھر آنکھ سے اوجھل نکروں پردہ نشیں
دل مسلتا ہے کوئی پاؤں کے نیچے ظالم
کچھ نہ کچھ عالمِ ایجاد نے بخشا ہم کو
مر کے بھی چین نہیں لے دلِ دیدار طلب
زیبِ رفتار ہیں اس وقت ہزاروں فتنے
ایسی بے رحمی صیاد کہ گھر سے لاکر
چمن کا ہے تصور کہ قفس میں بھر دوں
تو اگر بخشدے رحمت سے نہیں تو خالق
نمود و بود کو اک دعوے باطل سمجھتے ہیں

کوئی اپنا نہیں اس دہرِ فنا میں شاعر، ہم نے اک اک کو باندازِ نظر دیکھ لیا

میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا وہ میخانے میں تھا
ساقیا لینا کہ شاید بال پیمانے میں تھا
زیبا ہے اس قبا میں گریباں ہلال کا
کسی کا گور سے آگے پتہ نہیں ملتا
ہزار عیش ہیں پردہ مزا نہیں ملتا
پکارتا گیا کوثر پہ بھی "شراب شراب"
لہلہاتا پھول کیونکر چھوڑ جائے عندلیب
خدا کی شان کہ رہتے لگا نقاب میں سانپ
تم بگڑنا نہیں ہے بات کی بات
ہم سے کبھی بنا نہیں بگڑا ہوا مزاج
ایک پرچھائیں سی پھرنے لگی دیواروں پر
سینک لوں چوٹ جگر کی انہیں انگاروں پر
دل میں رکھ لوں تری چاند سی صورت لیکر
خاک میں تو نے ملا دی مری دولت لیکر
خالی ہاتھ آئے تھے اب جائینگے حسرت لیکر
حسرتیں آج اُڑی جاتی ہیں تربت لیکر
گھر سے نکلے ہو خدا رکھے قیامت لیکر
ذبح کرتا ہے مجھے باغ کی دیوار کے پاس
ڈالیاں جھومتی ہیں مرغِ گرفتار کے پاس
اور توبہ کے سوا کیا ہے گنہگار کے پاس
جو اپنا نقص سمجھے ہم اُسے کامل سمجھتے ہیں

یہ دل سی چیز لیکر تم ہمیں واپس بھی کروگے
نظر پہچانتے ہیں ہم تمہارا دل سمجھتے ہیں

زلف و گیسو چھوڑ دو لیلیٔ شب کا کوچ ہے
چاند کو دیکھو نہ دیکھو چاند سی تصویر کو

اپنی ہستی کا اگر روشن نہ ہوا انجام کار
شمع ... رو کر نہ دیکھے خندۂ گلگیر کو

چار دن کے بعد غنچہ پھولوں کا ہم شکل تھا
رنگ دیتے ہیں تو نہیں تصویر سے تصویر کو

اک تبسم زیر لب کی یاد میں مرتا ہوں میں
قبر میں پھولوں سے بھر دینا مری تصویر کو

بدل دی انقلاب دہر نے تاثیر مینخانہ
یہ آنکھیں رہ گئیں اتری ہوئی تصویر مینخانہ

اثر اتنا تو ہو آنے لگے بوئے شراب اُس سے
کہ جس کاغذ پہ کوئی کھینچ دے تصویر مینخانہ

خرابات جہاں میں ایک ہی بدبخت ہوں میں بھی
اٹھا کر لے گئے ہیں بار ہا رہ گیر مے خانہ

نہ نکلا منہ سے کچھ نکلی نہ کچھ بھی قلب مضطر کی
کسی کے سامنے میں بن گیا تصویر پتھر کی

کلیجے میں ہزاروں داغ دل میں حسرتیں لاکھوں
کمائی لیچلا ہوں ساتھ اپنے زندگی بھر کی

لحد میں انکے جسم نازنیں پر کیا گذرتی ہے
سحر تک جن کو چبھتی رہی ہے شکن بستر کی

سنبھلکر دیکھنا آرائشوں کے بعد آئینہ
یہ آئینہ نہیں ہے اب یہ ٹکر ہے برابر کی

بزم دشمن سے اب آئے ہو مزے لوٹے ہوئے
ہوش میں آؤ کہیں جڑتے ہیں دل ٹوٹے ہوئے

چاہنے والے تری فرقت میں جی سکتے نہیں
زندگی سے ہیں خفا دل کے جی چھوٹے ہوئے

دلفریبی لالہ رویوں کی نہیں مٹتی کبھی
یہ ستمگر خاک ہو کر بھی تو ہیں گل بوٹے ہوئے

اپنی سوزش کا کیا ہے شمع نے اچھا علاج
رکھ لئے ہیں دل میں پروانوں کے پر ٹوٹے ہوئے

یہ غیسے بال کھولے ہیں یہ کیوں صورت بنی غم کی
تمہارے دشمنوں کو کیا پڑی تھی میرے ماتم کی

کوئی ایسا ہو آئینہ کہ جسمیں تو نظر آئے
زمانہ بھر کا جھوٹا کیا حقیقت ساغر جم کی

شمع ساں خاموش ہوں لیکن پر فریاد سے
اب بھی اکثر پھول جھڑتے ہیں لب فریاد سے

عشق صادق کا نتیجہ ہے وصال انجام کار
شمع کی مٹی میں بھی خاک پر پروانہ ہے

حشر میں بھی حضرت شاعر کی سج دھج دیکھئے
شیشۂ مے ہے بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہے

میں کہتا ہوں مجھ میں تو نہیں کوئی ہنر بھی
دل کہتا ہے خاموش کسی کو ہو نظر بھی

نالے کئے کیا کیا تری دیوار کے نیچے
دل ہل گئے لیکن نہ ہلا پردۂ در بھی

اب بھی جو گذر جاتی ہے چلتی ہوئی مورت
دل کھنچتا ہے دم کھنچتا ہے کھنچتی ہے نظر بھی

گری گر کر اٹھی پلٹی تو جو کچھ تھا اٹھا لائی
نظر کیا کیمیا تھی رنگ چہروں سے اڑا لائی

خدا کے واسطے سفاکیاں یہ کس سے سیکھی ہیں
نظر سے پیار مانگا تھا وہ اِک خنجر اٹھا لائی

فرشِ زمیں سے موجِ ہوا پر بلند ہے
اب آدمی بھی ایک طرح کا پرند ہے

بلبل کو ایک مشتِ پرِ استخواں سمجھ
گل کیا ہے دستۂ ورقِ چند چند ہے

لو آؤ میں بتاؤں طلسمِ جہاں کا راز
جو کچھ ہے سب خیال کی مٹھی میں بند ہے

وہ صاف دل ہوں کوئی بات پیچدار نہیں
اس آئینہ میں کہیں نام کو غبار نہیں

میری چتون صاف ہی پایں تری ابرو پہ بل
آئینہ موجود ہے اسکی صفائی کے لئے

شاعر - منشی شرف الدین احمد شاعر خلف محمد یحییٰ سنہ ۱۳۰۲ھ مطابق سنہ ۱۸۸۵ء شہر بنارس میں پیدا ہوئے اصلی وطن مچھلی شہر ضلع جونپور ہے۔ پانچ چھ سال تک مولوی علی حسن صاحب اختر سے فارسی پڑھتے رہے۔ اسکے بعد سنہ ۱۸۹۵ء میں شاعری کا شوق پیدا ہوا اور مولوی صاحب معصوف سے اصلاح لیتے رہے۔ ۷ مارچ سنہ ۱۹۰۲ء کو حضرت ظہیر دہلوی مرحوم کے شاگرد ہوگئے۔ حضرت ظہیر ہی کا عطیہ کلام درج تذکرہ کیا جاتا ہے جو انہوں نے سنہ ۱۹۰۲و۰۳ء میں ارسال کیا تھا۔ بلا کی طبیعت داری اور ذہانت ظاہر ہوتی ہے۔ ابتدائے شباب میں تحصیل سردھنہ ضلع میرٹھ میں ملازمت کر لی تھی اور وہیں سکونت تھی اُسکے بعد کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ اُنکی خوش کلامی اور شانِ تغزل کا نمونہ درج ذیل ہے۔

کیوں بیاں تجھ سے کریں کون ہے تو او ناصح
ہم نے جو چاہا کیا خوب کیا دل اپنا

آج آئینہ سے شرمائے ہوئے بیٹھے ہیں
نظر آیا ہے انہیں مدِ مقابل اپنا

آئینہ لیکے ذرا دیکھئے اپنی صورت
ڈھونڈتی پھرتے ہیں کیوں آپ مقابل اپنا

حورِ فردوس کی تعریف جو واعظ سے سُنی
آگیا یاد ہمیں حورِ شمائل اپنا

نہ کروں چاہ بتوں کی تو کروں کیا واعظ
دوسرے کام کے قابل ہی نہیں دل اپنا
اُسکو یہ ضد ہے نہ ہو آئینہ دم بھر بھی جدا
مجھکو یہ رشک نہ ہو جائے وہ مائل اپنا
اُسکے کوچہ میں عجب سیر نظر آتی ہے
سر لئے ہے کوئی ہاتھوں میں کوئی دل اپنا
بتوں پر جان جاتی ہے حسینوں پر فدا دل ہے
مری مٹی میں خاکِ کشتگانِ عشق کا گل ہے
لیا ہے جس نے دل میرا وہ کوئی اور ہی ہوگا
چرایا ہی نہیں جب چور کیوں پھر آپکا دل ہے
فراہم دل میں ہوں لینے تو وہ انداز شوخی کے
دکھا دینگے تمہیں ہم بھی تمہارا اک مقابل ہے
وہاں لطف و غضب دونوں یہاں ہے قہر ہی تنہا
خدا سے عشق آساں ہے بتوں سے سخت مشکل ہے
شبیہ غیر لیکے دیکھنا تو دیکھ سکتا ہوں
قیامت ہے یہ سننا پیار کر لینے کے قابل ہے
زمیں پر لوٹ کر دل نے کہا حسرت سے ای شاعر
نگاہِ یار سے گر کر سنبھلنا سخت مشکل ہے

غم نہیں اس کا جو ہم جان سے ایجان گئے
خیر عاشق تو ہیں آپ کا سب جان گئے
جستجو ہی میں رہے سب نہ ملا تیرا پتا
برہمن دیر میں کعبہ میں مسلمان گئے
بت پرستی کو نہ چھوڑینگے نہ چھوٹیگی کبھی
بندۂ عشق ہیں مدت ہوئی ایمان گئے
دیکھو شوخی کہ ہوئیں حشر میں جب چار آنکھیں
کہتے ہیں کون ہوں میں تم مجھے پہچان گئے

شاغل

شاغل۔ واقفِ رموزِ شاعری کاشفِ اسرارِ سخنوری منشی آغا مرزا شاغل مرحوم دہلوی خلف آغا تراب علی بلبل بوستان خوشنوائے حضرت داغ دہلوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ نہایت خوش فکر ذہین اور طباعی میں فرزانہ تھے۔ غدر کے بعد سے ریاست رامپور جائے قیام رہا اور سرکار نواب کے دعاگو رہے گاہ گاہ دہلی آنے کا بھی اتفاق ہوتا تھا مزاج میں استغنا اور بے پروائی زیادہ تھی کلام جمع نہیں کیا اکثر مشاعروں میں ایسی غزل پڑھتے تھے کہ بڑے بڑے اُستاد اُسے سنکر دنگ رہجاتے تھے۔ باایں ہمہ انکسار کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنی خوش کلامی پر ناز نہیں کیا۔ منکسر مزاج۔ زبان دانی میں طاق سخنوری میں شہرۂ آفاق، جدت طرازی پر فریفتہ حسن بیان کے شیفتہ کہیں عشق کا افسانہ پُر تاثیر ہے کہیں حسن کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ طائر فکر رسا نے بام عرش پر آشیاں بنایا اور کمند خیال نے صیدِ مضامین کو اسیر کیا ہے

محاورات کا استعمال مناسب حال سُست بندش کا نام نہیں پیچیدہ ور مغلق استعارات سے انکو کام نہیں جلوۂ سخن پر آفتاب اور تازگی تراکیب پر گل شاداب نازاں ہے۔ انتخاب کلام گوش نواز سامعاں ہے۔ ۴۹ برس کی عمر پائی افسوس کہ کلام اکثر ضایع ہوگیا شہرت نصیب نہوئی ہزار ہا کاوشوں سے یہ چند غزلیں دستیاب ہوئیں جنہیں سالہا سال کی کوشش کا نتیجہ کہنا چاہئے۔ دکن میں انکے بیٹے مراد صاحب تھے۔ اب انکا بھی انتقال ہوگیا ہے

لاشہ پہ دن کو دھوپ پڑی شب کو چاندنی
تم سے بڑھکر نہیں دل لیلو مگر ڈرتا ہوں
درد بیچارہ بھی دق ہے میری ہمدردی سے
کیوں سی رہا ہے زخموں کو قاتل کہ روز حشر
سر شار ہے کہ چال تمہاری اڑائی ہے
سکتہ ہے گردبینوں میں اُس کی نگاہ کا
اے دل نہیں سبب بھی کچھ اس آہ کا
ظلمت سے قدرِ نور اگر ہے تو ہے کرم
اپنے خیال جلوۂ رُخ کو بھی رو گئے
جرم وفا پہ دیتے تو ہو تم سزا مجھے
خاطر شکن سمجھ کے ستم گر کہ اصل میں
واعظ خدا کے واسطے کہوا نہ بھید کی
شاغل تری بلا کو غم بازپرس ہو
اللہ رے نازکی کہ دمِ عرضِ مدعا
حسدن سے آپ کا گذر آنکھوں میں ہوگیا
کہیں دکھلا رہی ہے تیغ ابرو بانکپن اپنا

دو چادروں کا ہم کو میسر کفن ہوا
کم سنی ہے کہیں بھول اٹھو گے کھو جائے گا
میں نہوں گا اسے آرام تو ہو جائے گا
روکے گا منہ تمام کے کس کس گواہ کا
کچھ تو سبب ہے لغزشِ پائے نگاہ کا
جھنڈا ہے عاشقوں میں ہماری بھی آہ کا
تیرا قصور ہے کہ ستم اُس نگاہ کا
ہر خوش نصیب پر ہے مرے بختِ سیاہ کا
کیا کام غم کدہ میں میرے نورِ ماہ کا
ڈر جائے دل نہ بوالہوس بے گناہ کا
یکساں ہے دل فقیر کا اور بادشاہ کا
واں ہے مزا کرم کا یہاں ہے گناہ کا
تو ہے غلام آلِ رسالت پناہ کا
انکو ہے اک پہاڑ اُٹھانا نگاہ کا
کیا رکھ رکھاؤ ہے ہمیں اپنی نگاہ کا
کہیں پھیلا رہی ہے جال زلفِ پرشکن اپنا

بتائیں کس زباں سے ہم خزانِ دیدہ وطن اپنا
نہ اُجڑے یوں کسی کا جس طرح اُجڑا چمن اپنا

بنایا ہم نے وقتِ مرگ تک دیوانہ پن اپنا
بنایا قطع کرکے دامنِ صحرا کفن اپنا

نہ ہو کیونکر گماں تم پر پرائے دل چرانے کا
کہ عادت ہے تمہیں اکثر چرالتے ہو بدن اپنا

مقامِ عشق کی ہم پہلی چوکھٹ اُسکو کہتے ہیں
جسے سمجھے عبادت خانہ شیخ و برہمن اپنا

جہاں گردی میں صورت آشنا جب کوئی ملتا ہے
نظر پڑتے ہی پھر جاتا ہے آنکھوں میں وطن اپنا

عجب سرکارِ حسن و عشق میں انصاف ہوتا ہے
مزے شیریں اُڑائے خوں بہائے کوہکن اپنا

سُبک ہوتا ہے شاغل آدمی اظہارِ مطلب سے
رہے جبتک کہ منہ میں لاکھ من کا ہے سخن اپنا

مرا حال زبوں ہے باعثِ تفریحِ عالم سے
مجھے جو دیکھتا ہے بھول جاتا ہے محن اپنا

چار پیسے گرہ میں ہوں شاغل
اپنے بیگانے سب لپٹنے لگے آپ

مالکِ خلد بنے بیٹھے ہیں کیا ممبر پر
دیکھنا واعظِ بے خوف و خطر کی صورت

رشکِ خوں پی لئے غم کھا لیا اور شکر کیا
اُنکو مدت سے ہے یہ اپنی بسر کی صورت

غیر کے دل میں ہی آنکھوں میں ہی تقدیر میں ہے
پھر دعا جا کے کہاں دیکھی اثر کی صورت

نامہ بر دیکھ نہ مجھ خستہ جگر کی صورت
پتے کچھ کہدے مرے یار اُدھر کی صورت

شرمِ عصیاں سے کہیں منہ نہ دکھایا کہیں
خاک اِسپر اِدھر کی نہ اُدھر کی صورت

رات دن فکرِ زیارت ہے تجھے کیوں شاغل
خود بلا لینگے جو آقا کو بلانا ہوگا

مجھ سے کیا پوچھتے ہو روزِ جزا کیا ہوگا
کیا کہوں دیکھ ہی لوگے جو تماشا ہوگا

دل کدھر لیچلے یاں آئے قیمت سننے
مفت کا مال مگر آپنے سمجھا ہوگا

اُنسے مطلب کی تصور میں بھی جب کہتا ہوں
وہم کہتا ہے کہ چُپ رہ کوئی سنتا ہوگا

قصۂ عشقِ زلیخا کو وہ سنکر بولے
آپنے خواب کوئی رات کو دیکھا ہوگا

کثرتِ ضعف بھی ہے تو بس اے شوق
اُسکو دشوار تصور میں بھی لانا ہوگا

بھید اور غیر کے دل کا جسے کھولیں پھر آپ
وہ بھی کیا راز محبت سے جو افشا ہوگا

کوہکن لایا تو جوئے شیر پر
پڑ گئے پتھر تری تقدیر پر

دل لگی زندان وحشت میں بھی ہے
ہنس رہا ہوں نالۂ زنجیر پر

دیکھکر ہم شکل کیوں دیکھا مجھے
ہاں تمہیں کو فوق ہے تصویر پر

قول فیصل کس طرح ایسے سے ہو
پیار آئے جس کی ہر تقریر پر

شمع پروانے کے جلنے پر ہنسی
مجھکو غصہ آگیا گلگیر پر

جرم سجدہ ہیں مرے بندہ نواز
منفعل ہوں کونسی تقصیر پر

جانکر ہمدرد اکثر قید میں
رو دیا ہوں نالۂ زنجیر پر

اپنے ہاتھوں آپ شاغل تم مٹے
رکھتے ہو الزام چرخ پیر پر

صورتیں یہ دو ہی مرنے کی ہیں ۔ آپ پر یا آپ کی تصویر پر

بیٹھا تھا میں اور غیر یوں اُس وقت محفل کے پاس
ہو نقطۂ حق تحریر میں جس طرح باطل کے پاس

ظالم سوالِ وصل پر قیمت کی ہے تکرار کیوں
نقدِ وفا موجود یا جان ہے سائل کے پاس

شوقِ مقام یار میں ایسے چلے مدہوش ہم
آیا خیالِ راہبر جب آگئے منزل کے پاس

ہوتے ہیں قاتل سنگدل دنیا میں پر ایسے نہیں
پھر کر نہ دیکھا دور سے آنا تو کیا بسمل کے پاس

لے لے جگر مہمان کو کر حق ہمسایہ ادا
آیا ہے چلکر دور سے پیکانِ قاتل دل کے پاس

ہم بزمِ دشمن یار ہے یہاں لب پہ ہے ہر بار ہے
اے چرخ تو مختار ہے دو شخص بیٹھیں دل کے پاس

اللہ رے ہمت قیس کی ہر گام پر کہتا تھا یہ
اے شوق گو ہوں ناتواں پہنچوں مگر محمل کے پاس

تاثیر صحبت سے کہیں پتھر پگھل کر موم ہو
حاضر ہے دل کیا عذر ہے رکھئے پر اپنے دل کے پاس

ہوں لاکھ ظاہر میں جدا لیکن جدا دم بھر نہیں
وہ دور سمجھیں آپکو میں دیکھتا ہوں دل کے پاس

غارتگرانِ دیر سے ملنے لگے تھے غیر سے
کہتے ہیں نقدِ دل نہیں پھر حضرت شاغل کے پاس

ہمیں تو ہے ثوابِ حج طوافِ کوئے دلبر میں
مگر یہ آسماں کیوں پڑ گیا ناحق کے چکر میں

کہاں سے زور ہو آہِ دلِ بیتاب و مضطر میں
کہ گنجائش نہیں اب ضعف کی بھی جسم لاغر میں

ہیں اپنی سخت جانی کی نہ کھوتا آبروئے قاتل
جو پہلے سے سمجھتا ہے یہ پرش تیری خنجر میں

کوئی تڑپے کوئی سسکے کسی کے دم پہ بنجائے
مزے سے چین سے آرام سے تم تو رہو گھر میں

کوئی ہمسا نہ ہوگا محوِ نظارہ زمانہ میں
نگاہِ شوق کا گویا ہے گھر اُس روزنِ در میں

تمہاری بے نیازی ہی جو ثابت کرتے خدائی ہے
وگرنہ بات کیا ہی کون سا جوہر ہے پتھر میں

سیاہ خانہ مرے دل کا ہوا ہے داغ سے روشن
چراغ آکر جلایا عشق نے اللہ کے گھر میں

ترا عاشق عدم کو اس طرح بشاش جاتا ہے
سفر کے بعد آتا ہے مسافر جس طرح گھر میں

گنہ ثابت کریگا بعد میرے قتل کے قاتل
ابھی تو جرم لکھا ہے نہ میرا نام دفتر میں

الٰہی خیر سے پہونچے امانت اس ستمگر کی
کہ خط کے ساتھ دل باندھا ہی بازوئے کبوتر میں

دمِ فریاد اُس کا سر جھکے میدان محشر میں
ندامت یہ بھی لکھی ہی مگر میرے مقدر میں

الٰہی کچھ یہاں ہو کچھ مرا انصاف محشر میں
ہزاروں فیصلہ کرنے پڑینگے تجکو دن بھر میں

نہیں بے وجہ مئے نوشوں کی یہ بیباکی و مستی
مگر گھر کر گئیں ساقی کی نظریں چشمِ ساغر میں

جدھر کروٹ بدلئے ہجر میں برچھی سی چبھتی ہے
تصور اُسکے مژگاں کا ہی یا کانٹے ہیں بستر میں

دوبارہ پھر ذرا کہنا کہ ہم تجھسے نہ بولیں گے
سُنا ہے لطف بڑھ جاتا ہے الفاظِ مکرر میں

میں قربان اس تجاہل کے سرِ نعش آکے کہتے ہیں
یہ کیا ہے کیوں پڑے ہو منہ لپیٹے آج چادر میں

مرا حلق بریدہ چھوڑتا ہے اسکو کب ثابت
ابھی مجھ میں تو دم ہی گر نہیں ہی تیرے خنجر میں

زمانہ گر موافق ہو تو شاغل تو مزہ غافل
بھروسہ کیا ہے دم کا کچھ سے کچھ ہوتا ہے دم بھر میں

مرے ارمان ہیں یا ہیں ترے پیکان قاتل
کہ نکلنا تو کہاں دل سے اُبھرتے بھی نہیں

جس سے ملتے ہو بنا لیتے ہو عاشق اپنا
رسمِ اخلاق کو اتنا کوئی برتے بھی نہیں

ہاں شوخ نگاہی چلی انداز حیا ہو
دے اب وہ جواب انکو جسے ہوش ربا ہو
بیمارِ غمِ ہجر کو کیا خاک شفا ہو
پھر لذتِ دردِ جگری بھی نہ ملے گی

آپس کی لڑائی میں کسی کا تو بھلا ہو
لو پوچھتے ہیں مجھسے کہ تم چاہتے کیا ہو
جو جان کا دشمن ہو اسے پاس وفا ہو
اے دل نہ بہت اُنسے طلبگار جفا ہو

تم پاؤں زمیں پہ تو رکھو سوچتے کیا ہو — کچھ فرض بھی ہے کہ قیامت ہی بپا ہو
صد حیف کہ بیمارِ غمِ ہجر کی اپنے — تم لو نہ خبر اور خبر گیر قضا ہو
درماندہ و مجبور زمانے میں بتوں کے — ہم ایسے ہیں جیسے کہ کسی کا نہ خدا ہو
قرض لیلینگے کسی سحر نگہ سے ہم بھی — گم ہوا ہے جو زمانہ سے اثر ہونے دو
منہ شبِ وصل میں زلفوں سے چھپاؤ اچھا — ہم بھی راضی ہیں بلا سے نہ سحر ہونے دو
یہ نئی طرزِ جفا ہے کہ بگڑ بیٹھے ہیں — خود بخود جان کے مایوسِ ترحم مجھکو
پھول کملائے ہوئے کھل گئے سب تربت کے — آگیا یاد کسی کا جو تبسم مجھکو
وہی کوچہ وہی قاتل وہی دشمن وہی رشک — لیچلے کس طرف اے حضرتِ دل تم مجھکو
ہائے شاغل دمِ رخصت وہ کسی کا کہنا — دیکھو پچھتاؤگے چھیڑوگے اگر تم مجھکو
حسن کا عشق سے پردہ کہیں ہو سکتا ہے — نگہِ شوق کا دیکھوں نہ گذر ہونے دو
شکوہ ہو کہ ہو شکر گلہ ہو کہ دعا ہو — کچھ ہو مگر اے دل اثر انگیز ذرا ہو
یکتا ہو حسینوں میں تو شیوہ بھی نیا ہو — چاہے جو تمہیں دل سے اسے آپ بھی چاہو
کیا جرم محبت کی ہے تعذیر میں لذت — کہتی ہے میرے لیے گنہ بھی کہ سزا ہو
منزل ہے کڑی چھوٹ گئے قافلہ والے — اے شاہِ امم شاغلِ بیکس کو نبا ہو
جب اسنے کہا زلفِ معنبر کو سنگھا دو — بولے تمہیں کچھ ہوش ہے بس جاؤ ہوا ہو
مشتاقِ سخن مر گئے لاکھوں مگر اس بت — کیا دخل جو تیرا لبِ جاں بخش ہلا ہو
اے قاتلِ بے مہر کہے دیتے ہیں اتنا — پیدا نہیں انسان برا ہو کہ بھلا ہو
ہر روز جدائی ہے یہاں روزِ قیامت — سچے ہو تو بس وعدہ دیدار وفا ہو
کچھ یاس سے تسکین ابھی دل کو ہوئی تھی — پھر چھیڑ دیا ہائے تمنا کا برا ہو
چھوٹے عشقِ شہرہ ای دل کہ ہے ضرب المثل — چلئے اس رستے سے بچکر جہیں کانٹا کہیں ہو
واعظ تری حوروں کے ابھی ہم ہیں خریدار — کچھ ملتی ملاقی تو شباہت ہو کسی کی

دل لیجئے اب جان کے خواہاں وہ ہوئے ہیں
میری دعا نے فرشتوں کے کان کھائے ہیں
دل تو کہتا ہے کہ وہ آیا مسیحا دیکھئے
اس طرف پہلے دمِ عرضِ تمنا دیکھئے
ابتدائے عشق میں حیرت ہے کیا کیا دیکھئے
نیچی نظروں سے نہ ہر اک کو خدارا دیکھئے
تھے کہاں آئے کہاں جائینگے کس جا دیکھئے
دیکھتے ہیں دیکھنے والے بہر صورت اُسے
ایسے بیچینوں کی گنجایش تیرے گھر میں نہیں
کہتے ہو دن بھر طبیعت آج برہم ہی رہی
دیکھتے ہیں اپنے بیگانے مرے دل کی تڑپ
حضرت واعظ نہ چھیڑیں ہم سے میخواروں کو آپ
آجتک تو آپ کے اقرار سب پورے ہوئے
لکھدیا ظالم نے اتنا بس جوابِ خطِ شوق
جب ہر اک انداز پر سمجھوں گا قادر آپ کو
کیا کہوں گا داورِ محشر نے گر اتنا کہا
گو تڑپتا ہے وطن جانیکو دل شاغل مگر
لڑ گئی جس کی وہی تقدیر میں تقدیر ہے
اپنی دانائی پر انساں بھول کر نازاں نہو
پاس رسوائی کسیکا زندگی کی وجہ ہے
دیکھنا اس چھیڑ کو شاغل کہ فرماتے ہیں وہ

اچھی کہی لے کوئی امانت ہو کسی کی
فلک پوچھتے پھرتے ہیں یہاں اثر بھی ہے
موت کہتی ہے کسی کا اب نہ رستا دیکھئے
شوق سے پھر آئینہ میں روئے زیبا دیکھئے
دل کا آنا دیکھئے یا جی کا جانا دیکھئے
خاک میں ملجائے گا سارا زمانہ دیکھئے
ایک مشتِ خاک کا چکر میں آنا دیکھئے
طُور پر جا جا کے جلوہ آپ موسیٰ دیکھئے
حضرتِ دل اور کوئی اب ٹھکانا دیکھئے
اور اُٹھکر صبح کو منہ ہر کسیکا دیکھئے
آپ بھی اپنی نگاہوں کا کرشمہ دیکھئے
قصد تھا توبہ کا لیجے ابر چھایا دیکھئے
کیا قیامت لائے اب امیدِ فردا دیکھئے
آپ پہلے اپنی قسمت کا نوشتا دیکھئے
پھر اُسی دن کی طرح مجکو دوبارا دیکھئے
لیجئے یہ نامۂ اعمال اپنا دیکھئے
دیکھی ہے جسکی بہار اُسکی خزاں کیا دیکھئے
بن پڑی جس کی وہی تدبیر میں تدبیر ہے
جو موافق ہو وہی تدبیر میں تدبیر ہے
کیا کہوں کس کی مری تشہیر میں تشہیر ہے
اب تو تیری آہ بے تاثیر میں تاثیر ہے

نظروں میں سبک ہوں تو یہاں جی یہ گراں ہے
اس دل کا ٹھکانا نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

وہ صورت رعنا تو بہر شکل عیاں ہے
اے چشم نظر باز ترا دھیان کہاں ہے

آخر کوئی حد بھی تری اے عمر رواں ہے
ہر دم کا سفر اب تو مسافر پہ گراں ہے

کیا پوچھتے ہو دل ترے پہلو سے ہوا کیا
کیونکر کہوں میں کس پہ مجھے انکا گماں ہے

قاصد ابھی خط لیکے گیا ہی نہیں اور ہم
کہتے ہیں اسی سے کہ بتا خیر تو واں ہے

کیا فرض ہے ان سنگدلوں کیلئے مرنا
اے دل تجھے کچھ صبر بھی ہے تو جہاں ہے

ق

کیا پوچھتے ہو حال غریب الوطنوں کا
کیا خاک بتائیں کہ کہاں اپنا مکاں ہے

شرم آتی ہے اب نام بھی لیتے ہوئے اُسکا
گو نام کو بدبخت کا اب تک تو نشاں ہے

دلی جسے کہتے ہیں وطن ہے وہ ہمارا
تھی رشک جہاں پہلے وہ اب صرف خزاں ہے

تھے اہل کمال اُس میں کبھی منتخب دہر
یا بے ہنری میں وہی مشہور جہاں ہے

بس شاغل ناکام نہ کر دل کو پریشاں
ہم سمجھے کہ اُس شہر کا تو مرثیہ خواں ہے

شاغل

شاغل ۔ جناب حکیم علی محمد صاحب رئیس بہٹی تلمیذ حضرت تائب شاہجہانپوری۔ کلام بیشتر بے عیب ہوتا ہے۔ زبان لکھنے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں اور زبان کیساتھ مضمون بھی اکثر اچھا لکھ جاتے ہیں۔ سوز و گداز کی البتہ کمی ہے۔ کئی چھوٹے چھوٹے دیوان بھی شایع کر چکے ہیں۔ اکثر غزلیات گلدستوں میں شایع ہوا کرتی ہیں۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ انکے کلام کا انتخاب ہے۔

الفت نہیں قصور محبت نہیں خطا
تمکو اگر کسی نے کیا پیار کیا ہوا؟

بگڑی ہوئی ہے عادت اہل زمانہ کیا
کیا روبرو بیان ہو اور غائبانہ کیا

ترک اُن کی محبت ہو تو کسطرح ہو ناصح
میں ہوتا ہوں راضی تو مرا دل نہیں ہوتا

لڑ جھگڑ کر یا خوشامد سے ہیں پلے ہو رکے
حق سے لیلوں گا تمہیں ورنہ قیامت دیکھنا

اس بندہ پروری کے قربان جاؤں یا ز
اسکو بھی تو نہ بھولے بھولے جو نام تیرا

فریاد ستم حق سے کرتا میں تو کیا ہوتا
تیری ہی سنی جاتی تیرا ہی کہا ہوتا

چلمن سے جو تم جھانکے تو حشر کیا برپا
بے پردہ دکھا دیتے دیدار تو کیا ہوتا

ہونیوالی تھی قیامت ہوگئی رفتار سے
حشر برپا کرنیوالا حشر برپا کر گیا

دکھاتا ہے عجب کیفیت اہل بزم کو ساقی
تری متوالی آنکھوں سے مرا مسرور ہو جانا

آگئی شوخی نگاہ ناز میں
بھولی صورت کا مزا جاتا رہا

گر دیکھنا ہو تم کو تماشائے روز حشر
کیا دیکھتے ہو منہ سے الٹ دو نقاب آج

عالم میں ترے چاہنے والے تو ہیں بہت
پر وہ ہی خوش نصیب کری جسکو تو پسند

نام ہی حور پری کا ہے جہاں میں لیکن
شیفتہ حضرت شاغل ہیں ترا نازکس پر

میں اور عدو دونوں سر بزم ہیں لیکن
پڑتی ہے نظر انکی ادھر اور ادھر اور

چشم پرفن طاق ہے ہر بات میں
مکر میں چھانسے میں رمز میں گھات میں

کیا داد خواہ داد طلب روز حشر ہوں
تیور وہی حسینوں کے پیش خدا بھی ہیں

ہنس ہنس کے دے رہے ہیں محبت سے گالیاں
مجھپر وہ مہرباں بھی ہیں اور خفا بھی ہیں

تمہارے وعدۂ فردا سے تسکین دل کیونکر ہو
یہاں جب تم نہیں ملتے تو ملوگے کیا قیامت میں

سارے عالم سے نرالی ہے طبیعت انکی
جو نہیں یاد کرے اسکو بھلا دیتی ہیں

اللہ رے کوئے یار میں رہنے کا اشتیاق
میں تو اٹھا مگر مرے اٹھتے قدم نہیں

خاک سے خلق ہوا خاک میں ملجانیکو
سب ہیں انسان مگر پھر بھی کچھ انساں نہیں

محبت میں برائی کون سی ہے
اگر ہو پاک دل اچھی نظر ہو

وصل کی شب شوخیوں کو آنکھ میں آنے بھی دو
روٹھتے ہو کیوں حیا جاتی ہے تو جانے بھی دو

مدتوں جو دشت الفت میں نہ کھائے ٹھوکریں
خاک اسکو زندگانی کا مزا حاصل نہ ہو

فراق یار میں ہے زندگانی تلخ اے ساقی
پلادے زہر قاتل بادۂ انگور کے بدلے

کیا پئیں اور کیا پلائیں حضرت زاہد کو ہم
مفلسی میں آج تھوڑی سی شراب آئی تو ہے

یہ پتلا وہ ہے جا کر لامکاں کی سیر کر آیا
فرشتے کیا کمال حضرت انساں نہ پائیں گے

دبی زبان سے کیا جب سوالِ وصل اُن سے
وہ بولے ہو کے خفا کیا کہا کہو تو سہی

ملتے بھی ہو ہم سے تو ستانیکی غرض ہے
خالی نہیں مطلب سے ملاقات تمہاری

کہا میں نے جو مرتا ہوں تو بولے کس ادا سے وہ
جسے ہے شوق مرنیکا وہ اب تک جی رہا کیوں ہے

چُھپا رکھا ہے دل میں راز کی مانند عشق اُسکا
الٰہی پھر مری الفت کا چرچا جا بجا کیوں ہے

وہ خوب جانتی ہے جیسا ہوں میں حُسن پرست
بدل کے حور کا بھیس آئے گی قضا میری

لیگئے ہوش و خرد دے گئے یاس و حرماں
سامنے سے مرے بن ٹھن کے گذرنیوالے

کرتا ہوا افسوس بہاتا ہوا آنسو
بیٹھا ہے دمِ نزع کوئی آکے سرہانے

صورت بہت اچھی تھی مری جان تمہاری
دی ہوتی مروّت بھی جو تھوڑی سی خدا نے

ملانا زہر شربت میں بُرا ہے
نہ دو گالی لبِ شکر فشاں ہے

قصہ رقیب کا شبِ وصل چھیڑئے
پہلو نکالئے نہ خوشی میں ملال کے

تکینگے مُنہ مرا روزِ قیامت لوگ حیرت سے
خدا سے جب میں اُنکو مانگ لونگا حور کے بدلے

کس طرح کرسکیگا اب انکار وصل سے
ہم منہ میں ہیں زبان ستمگر لئے ہوئے

بچپن میں چال فتنۂ محشر سے کم نہیں
ہو کر جوان دیکھئے کیا کیا کرے کوئی

ظلم ہے قہر ہے ترا ملنا
تجھسے اچھی ہے آرزو تیری

جلسے ہیں نئے روز ملاقات نئی ہے
معشوق نیا لطف نیا بات نئی ہے

ہلچل مچائی ہے مرے نالوں نے اسقدر
خیر آسمان والے مناتے ہیں جان کی

اب ہنسو بولو چلو غم ہو چکا
مرگِ دشمن پر بہت کچھ رو چکے

خفا ہو گئے جب خفا ہونے والے
مقدر کو روتے رہے رونے والے

جدا ہو گئے سامنا ہے غضب کا
لپٹ کر گلے سے مرے سونے والے

بڑھ کر لگاؤ ہاتھ کہ جھگڑا تمام ہو
کیا سوچتے ہو ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے

خیر دل کا مرے چور اور ہی کوئی ہو گا
کس لئے آنکھ چراتے ہیں مکرنیوالے

شاگر

شاکر۔ منشی محمد شاکر صدیقی اعظم پور کے رہنے والے درویشانہ زندگی بسر کرتے علم نجوم میں اچھی مہارت تھی۔ آبرو ناجی نامی شعرائے قدیم کے ہم عصر اور ہم زبان تھے۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ سے چند شعر جو دستیاب ہوئے ہیں انکی صفائی روزمرہ کے شاہد ہیں۔ نساخ نے اپنے تذکرہ میں انہیں محمد علی حشمت کا شاگرد لکھا ہے۔ انتخاب یہ ہے ؎

رو رو ترے غم میں شب سحر کی
تیں آ کے مری بھلی خبر لی

کچھ اس میں بھی فائدہ نہ دیکھا
فریاد و فغاں بھی ہم نے کر لی

گلچیں تجھے کیا تیری بلا سے
گُل توڑ کے تو نے جیب بھر لی

شاکر نے تمام ڈھونڈا متھرا
سب کہتے ہیں راہ بج نگر لی

شاکر

شاکر۔ کسی عطار پیشہ کا تخلص ہے جو حافظ عبد الرحمن خاں احسان کا شاگرد تھا اور ۱۲۶۱ھ میں بعمر ۳۰ سال حیات تھا ؎

تجھ بن یہ رات کو مری حالت تباہ تھی
فریاد تھی زباں پر اور لب پہ آہ تھی

خسرو کو عشق میں ہوسِ عز و جاہ تھی
یاں سینہ کوبی سینہ زنی اور آہ تھی

دل تو کہتا ہے کہ خط بھی اُسے لکھا کیجئے
پر نہ تقدیر میں لکھا ہو تو پھر کیا کیجئے

شاکر

شاکر۔ منشی عبد السبحان ولد قاضی اکبر علی مرحوم ساکن کلکتہ۔ مولوی عصمت اللہ صاحب انیخ کے فیض تلمذ سے بہرہ یاب مذاق سخن اچھا تھا۔ نمونۂ فکر یہ ہے۔

تڑپتے ہیں ترے کوچہ میں قاتل نیم جاں کیا کیا
تماشے مرغِ بسمل کے دکھاتے ہیں عیاں کیا کیا

کاہیدگیِ جسم کا ممنون کیوں نہوں
پہونچا ہیں کوئے یار میں بادِ صبا کیساتھ

ق

کہنے لگا وہ شوخ یہ جھنجلا کے ناز سے
دیکھا جو ہم کو اور کسی مہ لقا کے ساتھ

دو دن میں حال آپ کا کچھ اور ہو گیا
کیا خوب ہم سے پیش تم آئے وفا کیساتھ

نہیں معلوم کس منزل پہ یہ جاکر اُترتے ہیں
یہاں سے قافلہ ہر روز یاروں کا روانا ہے

شاکر

شاکر۔ محمد حسن خاں ۳۰ برس سے زیادہ عرصہ ہوا کہ شاہجہانپور میں زندہ و سلامت موجود تھے کلام

سے انکی خوش کلامی ہویدا ہے ؎

تھرایا عرش خوف سے قدسی جھجک گئے
دو چار تیر آہ جو سوئے فلک گئے

شعلہ رخوں کے عشق کی تاثیر ہو گئی
انگارے اپنے مجمرِ دل میں دہک گئے

اکثر ہمارے نالوں سے آیا ہے زلزلہ
کانپی زمین مکان ہلے در چٹک گئے

اللہ ری نازکی کہ نہانے سے ہار کے
گردن میں موج بوجھ سے آئی لچک گئے

مضموں ملا نہ کوئی بھی معدوم کے سوا
شاکر دہان یار یہ کیا کیا نہ تھک گئے

شاکر — سخنورِ با خبر مرزا محمود شاہ خلف مرزا منجھو نبیرۂ شاہ عالم ثانی۔ آپ ابو ظفر بہادر شاہ ثانی کے نواسے اور مرزا صابر مرحوم کے شاگرد ہیں چند سال سے شاہزادہ اسکول دہلی میں مدرس ہیں کلام استعارات سے مزین۔ زبان پر لطف ہے۔ انتخاب یہ ہے ؎

جان پہچان کا کب ساتھ کوئی چھوڑتا ہے
دل نکل آیا جو ہیں تیر کا پیکاں نکلا

ایک عالم تھا جسے صبح قیامت سمجھا
غور سے دیکھا تو عاشق کا گریباں نکلا

آنے سے میرے کہنے لگے کچھ رقیب بھی
دم اپنا اُنکے واسطے تلوار ہو گیا

چاہا تھا اپنی دید کا ارماں نکالئے
غیر آ کے سامنے مرے دیوار ہو گیا

ایک بوسہ میں مزا پایا ہے ہم نے چار کا
دل لگی کا دل ہی کا دل کھلے کا پیار کا

غربت میں اپنی اسکو سینہ سے ہوں لگائے
ہے داغِ ہجر گویا تحفہ مجھے وطن کا

سمجھا یہ ہر اک آیا جو وہ گھر سے نکل کر
محشر یہ چلا عرصۂ محشر سے نکل کر

آ گیا اتنا مزا فریاد میں
لطف پاتے ہیں تری بیداد میں

سختیٔ بے مہرِ قاتل دیکھکر
بال آیا خنجرِ فولاد میں

غریقِ بحرِ الفت کی نہیں جا پہ گری ممکن
کہیں ڈوبے ہوئے موجِ تبسم کے ابھرتے ہیں

ایک تم ہو کہ کسی بات کا اقرار نہیں
ایک ہم ہیں دل و جان دینے سے انکار نہیں

جلوہ آرا ہوا جب مصرِ محبت میں وہ شوخ
کھوٹے داموں کوئی یوسف کا خریدار نہیں

ہائے جا کر وہ رہے ایسے مکاں میں اب کے
دیکھنے کو بھی جہاں روزنِ دیوار نہیں

تم اپنے دل سے بہرِ خدا بدگماں نہ ہو
الفت وہ شے نہیں کہ یہاں ہو وہاں نہ ہو

آج اُسکے واسطے ہو توکل اپنے واسطے
دیکر کسی کو رنج کوئی شادماں نہ ہو

تیر کا پیکاں آہن دل مرا آہن رُبا
کیونکہ چھوٹے تیر تیرا دل کو اور دل تیر کو

شاکر

شاکر۔ جناب پنڈت شیوناتھ صاحب کشمیری لکھنوی۔ خلف پنڈت کاشی ناتھ صاحب کول لکھنو اور اجمیر میں تعلیم پائی۔ پنڈت شوراج ناتھ صاحب آپکے بڑے بھائی ہیں۔ آپ بڑے ذہین طباع، قناعت پسند، منکسر المزاج شاعر ہیں۔ وجیہہ خوش خلق آدمی ہیں۔ انگریزی زبان میں بخوبی مہارت حاصل ہے۔ انگریزی انشاپردازی میں بھی اچھی طرح ماہر ہیں۔ فارسی زبان میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتے ہیں۔ مثنوی مرات الخیال خود آپکی تصنیف ہے اسمیں معرفت اور قدرت کے جلوؤں کو بہت پسندیدہ طرز پر نظم کیا ہے بعض بند تو فی الواقع لاجواب ہیں۔ آپ سب سے پہلے راج بنارس میں ملازم تھے اور وہاں نایب دیوان کے خدمات کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرتے رہے ہیں اور انکی خوش اخلاقی اور دیانت داری سے تمام عملہ خوش تھا۔ بنارس کے قیام میں آپ مرزا قیصر بخت فروغ دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ اب ریاست گوالیار میں سپرنٹنڈنٹ چنگی و آبکاری ہیں۔ آپ عارف اور خدا پرست شخص ہیں سنہ ۱۹۱۰ء میں آپکی عمر ۳۵-۴۰ برس کی تھی۔ صرف چند شعر ہاتھ آئے ہیں جو درج ذیل ہیں ؎

نظر نے پھوٹ مچائی وہ خانۂ تن میں
کہ دل بھی صاف اُڑا لے گئی جگر کیسا

سے چلے جو تیر فرقت ترے چھوڑ کر اُن کو
تو پھوٹ پھوٹ کے روئے دل و جگر کیسا

ملا ہے حسن تمہیں عشق لازوال مجھے
تمہیں ہے اسمیں کمال اسمیں کمال مجھے

بہت ہی تنگ ہے وحشت میں وسعت عالم
الٰہی اس قفسِ تنگ سے نکال مجھے

دل کے آئینہ میں ہے صورت بت بے پیر کی
اس مرقع میں جگہ ہے یار کی تصویر کی

جادۂ دشت جنوں روشن ہے مثل کہکشاں
پانو میں گردش ہے پھیرا آسمان پیر کی

اس خموشی میں بھی سو باتیں نکلتی ہیں صنم | عین گویائی ہے خاموشی تری تصویر کی
پاؤں کے چھالوں سے ہوں مجبور اے زمیں | آدمی گردش بانٹ لوں میں آسمان پیر کی

شاکر

شاکر ۔ جناب محمد عبدالقادر صاحب ؔ ایم پاڑوی ضلع مدراس پختہ کلام اور ماہر زبان شاعر ہیں قصہ بہار اور چندر بدن بہت پاکیزہ زبان میں نظم کیا ہے ۔گلزار شاکر اس مثنوی کا نام ہے۔ کلام میں بجد پختگی ہے ۔ رعایت لفظی کیساتھ سلاست بیان اور لطف زبان قابل داد ہے ۔استعارات سے کلام کو بے مزہ نہیں ہونے دیتے ۔مضامین آفرینی کیطرف طبیعت زیادہ مائل ہے مگر محاورہ اور زبان کا بھی لحاظ رکھتے ہیں ۔ ۱۳۱۴ھ میں دیوان شاکر طبع ہو چکا ہے ۔تلمذ کا حال معلوم نہیں مگر کلام اسکا شاہد ہے کہ کسی ماہر فن زبان سے استفادہ کیا ہے ۔کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے ۔

اڑا کے لے نہ گیا ہو وہ گیسوؤں والا | تلاش سے بھی تو ملتا نہیں پتا دل کا
بیچتا ہوں نگہ لطف کے بدلے دل و دیں | آگے بس اے بت کافر ترا ایمان رہا
ابھی یہ دیکھ رہا تھا کہ میں ہوں انکے گھر | کھلی جو آنکھ تو وہ گھر نہ تھا وہ خواب نہ تھا
مے دو آتشہ ساقی مجھے پلا دینا | جگر میں آگ لگی ہے اسے بجھا دینا
آئینہ سامنے رکھدو جو کرو ذبح مجھے | دیکھوں پھر کس طرح سے ہے حلق پہ خنجر پھرتا
غم ہستی نے عدم کا مجھے مشتاق کیا | دکھی تکلیف سفر کی تو وطن یاد آیا
اہل نظر کے واسطے عبرت کا ہے مقام | دم بھر کی زندگی پہ ابھرتا حباب کا
ہوائے گل سے دم نکلا قفس میں | صبا لائی تھی پیغام قضا کا
شہید ناز نے مانگا نہ پانی | بجھی تھی زہر میں تیغ ادا کیا
اس سے تو اور تشنگی شوق بڑھ گئی | اچھا اثر ہے شربت دیدار یار کا
یوں جامۂ حیات کو بدلا ہے روح نے | گویا لباس تھا کہ بدن سے نکل گیا
رشک عیسیٰ تمہیں کہتا ہے زمانہ لیکن | نہیں پاتا کوئی بیمار شفا کیا باعث
ستم سہہ سہہ کے انکو قاتل عالم بنایا ہے | الٰہی خون کس کا رہیگا میری گردن پہ

کھوتی ہے آبروئے بشر زر کی احتیاج
ذلت ہے عمر بھر کی گھڑی بھر کی احتیاج

لاگ ہوتی ہے تو ہو جاتا ہے آپسمیں لگاؤ
آبلے جائیں کہاں خارِ مغیلاں چھوڑ کر

اُس شکر لب نے لیا ہونٹوں میں زلفوں کو دبا
مصریوں کا دانت پہونچا کشورِ تاتار پر

دانت کلیاں ہیں ہتیلی کی تو گلبرگ ہیں ہونٹ
اے گلِ گلشنِ خوبی ہے گلستاں عارض

نامہ بر کو دیکے خط جب بھیجتے ہیں سوئے دوست
آگے آگے اشک پیچھے پیچھے خود جاتے ہیں ہم

دیکھا ہے میں نے تمکو آغوشِ آرزو میں
آؤ تو مل کے سوچیں تعبیر خواب ہم تم

گن گن کے بوسے لینا ای کاش ہو میسر
پھر بھولتے بھی جائیں اس کا حساب ہم تم

نظر سے سینۂ عاشق میں کرتے ہیں سوراخ
نئے طریق سے وہ دل میں راہ کرتے ہیں

اُس کا منہ کیا ہے کہ آنکھ اُس مہِ کامل سے ملائے
نہ خط و خال نہ خورشید کے رُخ پر گیسو

وہ سرِ زلف کو ہونٹوں سے دبائے ہیں مگر
چشمۂ خضر لب اُن کے ہیں سکندر گیسو

اِک نگہ میں دل کو لے اُڑنا نئی ایجاد ہے
اس تری چشمِ عنایت پر مرا بھی صاد ہے

کہتے ہیں ترکِ ملاقات کا شکوہ بھی نہو
یہ نئی شرط ہوئی شرطِ وفا سے پہلے

ہوا عکسِ آئینہ حیرت فزا
نہیں آج اپنی نظر ہو گئی

دردِ شکر دل میں آنا چھوڑ دے
جان ہو کر جی جلانا چھوڑ دے

کر چکا برباد میری قسمت بھی
اشتو ظالم خاک اُڑانا چھوڑ دے

دیکھ لینے دے کبھی دیدار بھی
دل میں رہ کر منہ چھپانا چھوڑ دے

دلِ خوں گشتہ شاید بہہ چلا ہے
لہو آنے لگا کیوں چشمِ تر سے

میری قسمت کا اندھیر مٹا کر بھی
شمعِ تربت کو تمنا ہی رہی جلنے کی

خیال اسکو جو اپنے کشتگانِ غم کا آیا ہے
کفِ افسوس ملکے رنگ مہندی کا اڑایا ہے

نہیں اتنک پڑھا اور دل کھلا جاتا ہے فرحت سے
یہ کس کا نامۂ جاں بخش قاصد لیکے آیا ہے

اے جنوں دستِ درازی کا مزا تو جب ہے
نہ سلامت رہے دامن نہ گریباں رہے

قاصد کے پاس خط ہی مرے لیں جوشِ اشک | دوڑا رہا ہے ساتھ دلِ بدگماں مجھے

شاکر

شاکر۔ مسٹر پیارے لال صاحب۔ باشندہ میرٹھ مقیم لکھنؤ شاگرد حضرت شوکت میرٹھی۔ مذہباً عیسائی مگر زبان اُردو کے اچھے ماہر اور انشا پردازی کے دلدادہ ہیں پہلے مختلف رسالوں میں مضامین نظم و نثر ایک مدت تک شایع کراتے رہے۔ پھر رسالہ ادیب الہ آباد میں دو سال کے قریب اڈیٹر رہے جب رسالہ بند ہو گیا تو خود لکھنؤ سے العصر نامی ایک باتصویر رسالہ جسکو ادیب کی تمثال کہا جائے شایع کرنا شروع کیا وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ چلا۔ رباعیات کہنے کی خوب مشق کی ہے۔ کلام میں شوخی اور متانت دونوں موجود ہیں۔ اب مجاز سے حقیقت کی طرف بڑھ رہے ہیں اور طبیعت کی ترقی کر رہی ہے کہ کچھ دن میں مدارجِ ارتقا تک پہنچ جائینگے رباعیاں بیشتر اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ مدتوں منشی نوبت رائے نظر سے دوستی اور رفاقت رہی اور کلام میں بھی اُنسے مشورہ کرتے رہے۔ بہترین کلام کا انتخاب نذرِ ناظرین ہے ؎

رباعی

دنیا کو عجب طرفہ تماشا پایا | اک حال پہ قائم نہیں جاشا پایا
جب نظروں میں تولا اسے ہمنے شاکر | تولہ کہیں پایا کہیں ماشا پایا
آنکھوں سے خمارِ ذوقِ مستی اُترا | خاطر سے غبارِ اوج و پستی اُترا
پہنا جو کفن تو سر گرانی نہ رہی | ہلکے ہوئے ہم کہ رختِ ہستی اُترا
ناتوانی کا بھلا ہو یہ احساں اُس کا | اُس کے کوچہ سے جو اٹھتا ہوں گرا جاتا ہوں
وصل کے وعدے رقیبوں سے وفا ہوتے ہیں | میں ہی بدبخت ہوں محروم رہا جاتا ہوں
پشتِ خم مجھکو پڑا ہے نہیں سمجھے کوئی | بارِ عصیاں سے زمیں میں جھکا جاتا ہوں
اس دارِ محن میں آہ! خورسند ہے تو | او خاکِ نشیں! زمیں کا پیوند ہے تو
دل دولتِ فقر سے غنی کر منعم | کیوں حرصِ زر و مال میں پابند ہے تو
منہ مانگے درِ یگانہ دے گا تجھکو | سو طرح سے آب و دانہ دیگا تجھکو
غمِ رزق کا کھا رہا ہے کیوں اے غافل | دیتا ہے جو سب کو کیا نہ دیگا تجھکو

غیر و نیہ بھروسہ ہی تو یہ گت ہوگی — عزت ہی نہ حاصل کبھی دولت ہوگی
تم اپنی کرو آپ مدد اے شاکر — ہر طرح کی پھر رفع شکایت ہوگی

یکساں نہیں ہیں ظاہر و باطن جنکے — چنوائیگی اُن کو یہ دو رنگی تنکے
گر دل میں نہیں چور تمہارے شاکر — کیوں رکھتے ہو ڈر ڈر کے قدم گن گن کے

دل بجھ گیا ہے دل کے داغ اتنک نہ بجھے — سوزِ الم فراغ اتنک نہ بجھے
تھی سینہ میں جو ہوس ہوا بنکے اُڑی — محفل کے مگر چراغ اتنک نہ بجھے

دکھلا کے یہ سبز باغ بجھ جائینگے — سینے کے لحد میں داغ بجھ جائینگے
ہو جائیگا نظروں میں زمانہ تاریک — آنکھوں کے جو شب چراغ بجھ جائینگے

دنیا کی بلا سر سے ہٹی جاتی ہے — میعاد اسیری کی گھٹی جاتی ہے
ہونیکو ہے قطع سلسلہ ہستی کا — جو پاؤں کی بیڑی ہے کٹی جاتی ہے

شاکر **شاکر** ۔ مولوی سید شاکر حسین صاحب خلف مولوی سید عنایت حسین صاحب کنتوری وکیل ریاست چرکھاری بندیل کھنڈ۔ آپکے حقیقی چچا مولانا کرامت حسین صاحب جج مرحوم الہ آباد ہائیکورٹ میں جج پر ممتاز تھے۔ شاکر صاحب ریاست چرکھاری کیطرف سے نوگانوں چھاؤنی ایجنسی میں وکیل ہیں۔ آپکے حقیقی ماموں خان بہادر سید اصغر علی صاحب کوثر ریاست چرکھاری میں مدار المہام ہیں اور خوش فکر، عالی خیال شاعر ہیں۔ شاکر صاحب کی طبیعت بھی بہت شوخ اور چلبلی واقع ہوئی ہے مشورۂ سخن دوستانہ طور پر مولوی سید نذیر حسن صاحب فدا سندیلوی سے کرتے ہیں علم عروض اور عربی فارسی۔ انگریزی میں قابلانہ استعداد ہے۔ انکو استاد کے دئیے ہوئے چند شعر درج ذیل ہیں ؎

عشق کرلیں ابروئے خمدار سے — زندگی کے دن کٹیں تلوار سے
سخت جانی نے مجھے نادم کیا — قتل گہ میں یار کی تلوار سے
چشم میگوں دیکھتے ہی یار کی — مست دوڑے سے خانۂ خمار سے

سو جاؤں نہ کیوں غم سے کہ پیرانہ سری ہے	جو آہ کا جھونکا ہے نسیم سحری ہے

شاکر

شاکر ۔ محمد محمود حسن صاحب جبیور کے رہنے والے ہیں۔ مڈل اسکول روسہ میں ہیڈ مولوی ہیں مولانا عباس وتسکین پھپھسری کے تلامذہ سے ہیں اُردو فارسی سے واقف ہیں نمونہ کلام یہ ہے۔

قیامت سی قیامت ہو رہی ہے بزم دشمن میں	کہ وہ ڈالے ہوئے ہیں ہاتھ اپنے اُسکی گردن میں
ہزاروں مدعی دل کے ہیں اور دل ایک ہی تن میں	الہی کسکو دوں کسکو نہ دوں ہوں سخت اُلجھن میں
ضرورت شمع کی ہرگز نہیں بعد فنا مجھکو	اُجالا ہو رہا ہے شمع داغ دل کا مدفن میں
خدا ہی تجھسے چرخ تفرقہ پرواز سمجھیگا	چھوڑایا تو نے مجھسے دلربا کو تیر ساون میں
نہیں معلوم شاکر تمکو کیا کیا خلق کہتی ہے	ہوئے بدنام ناحق الفت طفل برہمن میں

شاکر

شاکر ۔ عبد الغفور صاحب عظیم آباد پٹنہ کے رہنے والے ہیں ۱۹۱۸ء میں عمر تخمیناً تیس سال تھی۔ فارسی اور عربی میں عمدہ لیاقت رکھتے ہیں۔ لکھنؤ میں کچھ دنوں مطب بھی کیا ہے حافظ محمد عبد الرحمن صاحب سنساروی بہاری کے شاگرد ہیں۔ غزل کے علاوہ ٹھمری وادرہ بھی کہتے ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

نرگسیں آنکھیں ثمر نوخیز دو اُبھرے ہوئے	ہے گلستان جوانی میں بہار آئی ہوئی
دے رہی ہے خانۂ دشمن سے آنیکا پتہ	یہ نظر چھپی ہوئی یہ آنکھ شرمائی ہوئی
راستہ اسکو نکلنے کا کہیں ملتا نہیں	حسرت دل پھرتی ہے سینہ میں گھبرائی ہوئی
میکدہ میں کل تھی۔ آئی محفل رندوں میں آج	دختر رز کس بلا کی تو بھی ہرجائی ہوئی
کس بت نوخیز پر دل آگیا شاکر ترا	ان دنوں کیسی اداسی رخ پہ ہے چھائی ہوئی

شاکی

شاکی صاحب عالم میرزا انجا ورشاہ خلف الرشید ظل سبحانی بہادر شاہ ثانی میرزا الٰہی بخش کے داماد اور قطب الدین منیر کے شاگرد تھے۔ غدر میں بعمر ۲۲ سال نشانہ تفنگ اجل ہوئے اور ایک فرزند مرزا مبارک شاہ نامی اپنی یادگار دنیا میں چھوڑ گئے۔ فکر سخن کے متعلق اسی قدر کہنا کافی ہے کہ زبان تو خاص انکے گھر کی ہے جب دوسرے انکی صحبتوں سے استفادہ حاصل کرتے تھے۔ پھر

انکے لطف بیان اور سلاست کا کیا کہنا۔ افسوس ہے کہ زیادہ کلام دستیاب نہ ہوسکا صرف دو شعر کوشش بلیغ سے بہم پہونچے وہ ہدیہ ناظرین ہیں ؎

لائے اے آہ جگر تو اُسے یا نالۂ دل — کون دونوں میں کرے جلد اثر دیکھیں تو
ایک پر زخم ایک پر ہے داغ — دل تو وہ کچھ ہے اور جگر یہ کچھ

شاکی

شاکی۔ جناب سید احمد حسن صاحب مرحوم فارسی میں "فرقانی" اُردو میں شاکی و باکی تخلص کرتے تھے ۱۲۵۱ھ مطابق ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۴۷ برس کی عمر میں ۱۸۸۳ء میں دنیا کو خیرباد کہی۔ اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے اور اپنے چچا منشی سید عمر دراز علی کے زیر سرپرستی پرورش پائی۔ طبیعت میں خداداد جودت اور ذکاوت تھی۔ دماغ علم ادب اور شاعری کیلئے پیدا ہوا تھا علوم و فنون کو اہل کمال سے عموماً ذاتی شوق اور مطالعہ کتب سے خصوصاً حاصل کیا تھا۔ آپ معنی بیان۔ لغت۔ عروض۔ قافیہ اور صنایع سے ماہر تھے۔ آپنے عالم شباب میں علما، فضلا یکتائے روزگار اشخاص کی صحبتیں اٹھائیں اور اپنی فطرتی قابلیت سے فارسی زبان کے اُستاد مانے گئے۔ سات برس کی عمر میں شعر کہتے تھے اور انہوں نے کبھی اپنے کلام کو کسی کے سامنے بنظر اصلاح پیش نہ کیا۔ حافظہ بلا کا تیز تھا آپ ایک مرتبہ جو مشکل شعر سن لیتے اُسکو فوراً حل کر دیتے ایک دفعہ کے سُننے سے دو تین ورق یاد ہو جاتے۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں برجستہ شعر کہتے تھے ایکبار مرزا مشغل شاگرد مرزا دبیر لکھنوی میرٹھ میں وارد ہوئے اور انہوں نے ممبر پر بیٹھکر اپنے اُستاد کا یہ سلام پڑھا ؎

مجرئی ہے سوگوار ماہ حیدر چاندنی — اشک ہیں شبنم بکا کرتی ہے شب بھر چاندنی

لوگوں نے کہا یہ سلام بے مثل ہے اور اسکا جواب نہیں ہوسکتا۔ آپنے قلم برداشتہ اسکے جواب میں سلام کہا جس کا مطلع یہ ہے ؎

شہ کے جسم پاک پر تھی جلوہ گستر چاندنی — مجرئی کیا نور تھا تھی چاندنی پر چاندنی

متقدمین عرب و عجم کے تمام اساتذہ کا کلام آپکی نگاہ سے گذرا تھا تحقیق اور تنقید سخن کی

تمام کتب مطالعہ میں رہتی تھیں۔ آپکے انتقال کے بعد ایسی کتب خانہ میں بہت ایسی کتابیں نکلیں جنپر یادداشت مطالعہ درج تھی اور مضامین کے سقم وصواب کو بیان کیا تھا۔ آپ ۱۸۶۸ء میں حضرت غالب سے ملے اور وہ آپکا کلام سنکر نہایت خوش ہوئے۔ سید مہدی علی مرحوم کا بیان ہے جب مرزا صاحب نے آپ کا یہ قصیدہ سنا ؎

شد وقت کہ در طرۂ سنبل شکن افتد		باغنچۂ گل لالہ چو در مقترن افتد

آپنے نہایت تعریف کی اور اثنائے داد میں یہ فرمایا کہ "غنچہ" کا لفظ کم سے کم تین دن کر تلاش میں ملا ہوگا۔ انہوں نے مرزا کی تشخیص کو مان لیا اور انکی وسیع النظری پر متعجب ہوئے میرزا دبیر مرحوم سے اور ان سے دوستانہ ربط ضبط تھا۔ آپ مرزا صاحب کی مرصع خیالی شوکت الفاظ۔ بلندیِ مضامین کے قایل تھے اور انکی مدح میں ایک قطعہ لکھا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

نہ ہے نظم مصائب یگانہ در آفاق شنیدہ ایم کہ بر آسمان دبیری ہست		علم بمرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی ندیدہ ایم بروئے زمین ترا ثانی

آپ کا کلیات آپکے فرزند اصغر سید کرار حسین روحانی سابق ڈپٹی کلکٹر صدر بجات تنخواہ نے شایع کرایا ہے۔ راقم تذکرہ سے انکے دوستانہ مراسم تھے انہیں کے عطا کردہ دیوان سے اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ سید کرار حسین اساتذہ سلف کے اچھے یادگار تھے بارہ تیرہ برس ہوئے دہلی میں انتقال کیا کلیات کے قصائد۔ غزلیات۔ رباعیات۔ قطعات پڑھنے سے آپکی قادر الکلامی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ فارسی انشاپردازی کا اعلیٰ نمونہ انشائے فرقانی ہے جو کلیات کیساتھ موجود ہے تہذیب النسا۔ انشائے میور۔ آداب الطلاب۔ طاق کسریٰ وغیرہ اردو انشاپردازی کے ذیل میں مشہور ہیں۔ اردو زبان کے ماہر اپنے رنگ میں خوب کہتے تھے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

اس تجمل سے مرے قتل کو قاتل آیا بلا سے جان گئی کوہکن مگر تو نے		کہ مجھے خندۂ بیجا دمِ بسمل آیا بنائے قصرِ محبت کو استوار کیا

کیوں عرضِ تمنا کا تقاضا نہیں ہوتا
کیوں نیچی نگاہوں سے کچھ ایما نہیں ہوتا

ہوں میں وہ سبک سیرِ بیابانِ محبت
آگاہ مرا آبلۂ پا نہیں ہوتا

درد اُٹھتا ہی رہے سینہ میں ایسا نہیں اُٹھتا
ہوتا ہے جگر چاک پر اتنا نہیں ہوتا

کیا جانے چشمِ مست نے کیا سحر کر دیا
یہ بھی مجھے خبر نہ ہوئی حشر کب ہوا

سبک سری کا بُرا ہو کہ مرے قتل کا حکم
ملا رقیب کو تسلیم میں بجا لایا

نیاز و ناز کا ہنگامہ کم نہ تھا لیکن
ترے زمانہ میں رنگ آسماں نیا لایا

تابِ نگاہِ گرم نہ لایا جمالِ یار
نظارہ حسن کو پرِ پرواز ہو گیا

نہ داد جور نہ فریاد خوں بہا لایا
ترے شہید کو محشر عبث اُٹھا لایا

نہ تو نے بات کبھی بدنصیب کی پوچھی
نہ وہ زباں پہ کبھی حرفِ مدعا لایا

فلک نے بارِ محبت سے ہار دی ہمت
یہ آدمی تھا کہ سر پر اُسے اُٹھا لایا

جسکو ہم جانتے تھے ولولۂ ناز و نیاز
وہ بھی اک شعبدۂ گردشِ دوراں نکلا

تم آئے نہ آئی تو نہ ہمیں موت آئی
تجھ سے کیا کام کسی کا شبِ ہجراں نکلا

تیری نظر جو صورتِ تقدیر پھر گئی
کافی ہمارے واسطے کیا آسماں نہ تھا

اک دیدۂ پُر آب کی کیا بُو د کیا نمود
ساغر حریفِ گردشِ چشمِ تیاں نہ تھا

جب التفات ستم ہائے روزگار کیا
تمہارے غم سے کو عنوانِ یادگار کیا

بتائیں کیا نہ کیا اور کیا نثار کیا
سوائے یار جو کچھ تھا فدائے یار کیا

ہنسے صبح کو ترا نشان اے شبنم
کہ تو نے دیدۂ بلبل کو اشکبار کیا

یہ بیقراریِ دل بے سبب نہیں ہوتی
ضرور غیر سے کچھ آپنے قرار کیا

زاہد نہ پوچھ حسن کی عالم فریبیاں
انسان تو آدمی ہے فرشتہ پھسل گیا

روئے نورانی کو تیرے دیکھکر
چودھویں کا چاند آدھا رہ گیا

شیخ مے خانہ سے بستر لے گئے
اک پُرانا سا مصلا رہ گیا

نہ لو نام دلِ گم گشتہ میری جان جاتی ہے
رسوائے روزگار ہیں سودائیانِ عشق
امید وعدۂ دیدار سے ہے گرم ہنگامہ
بھرے مکاں ہیں سراپائے لامکاں دیکھا
غبارِ غم کو ہم تائے گردِ رہ پایا
تشنہ ہر جزوِ بدن ہے ترے پیکانوں کا
کسی مذہب میں کسی قوم میں یہ رسم نہیں
کھوئی اثبات وہاں فکرِ یار میں عمر
دلِ یعقوب حزیں چشمِ زلیخا بے خواب
اب رُو بقضا ہیں غلط انداز نگاہیں
غمزہ کو ملا حکم پریشانیٔ عالم
کیا کیجئے بدآموزیٔ غماز کا شکوہ
پہلی ہی نظر سلسلہ جنبانِ جنوں تھی

اب ان باتوں سے کیا حاصل مجھی بھی یاد وہاں تھا
ہو جس کو پاسِ ننگ وہ عاشق ہے نام کا
اسی حجت سے ثابت ہو گیا آنا قیامت کا
کہاں کہاں تجھے ڈھونڈا کہاں کہاں دیکھا
ہوائے عشق کو صرصر کا ہم عناں دیکھا
دان زبانیں ادھر انبوہ زباں دانوں کا
چرخ پیتا ہے لہو اپنے ہی مہمانوں کا
باندھنا راس نہ آیا ہمیں پیمانوں کا
کیا ٹھکانا ہے محبت ترے طوفانوں کا
سر پیٹ لے اے شوقِ پریشاں نظر اپنا
اور وعدۂ انصاف رہا حشر پر اپنا
سچ یوں ہے مٹانا ہی تھا مدِ نظر اپنا
کیا سوچئے آغاز میں نفع و ضرر اپنا

اُلٹے قضا نے جب ورقِ دفترِ وجود
رنگ لائی بدگمانیٔ قیس کی
سچ کہو تھا کس طرف روئے خطاب
آئی اک موجِ صبا زلف چلیپا ہو کر
مدتوں سایہ صفت چرخ مرے ساتھ پھرا
بے حجابی سے مٹا حرفِ شکایت شبا کی
کیا توقع ہمیں زمانہ سے
ہائے دشمن کی نامرادی ہائے

سو بار لاکھ بار وہی منتخب ہوا
پردۂ رنگین محمل دیکھ کر
کیوں ہنسے سوئے عنادل دیکھ کر
بے نصیبوں کے پھرے دن شبِ یلدا ہو کر
برسوں قدموں میں رہا آبلۂ پا ہو کر
خود گلے لگ کر ہوئے محو تماشا ہو کر
صبح کو خود امیدِ شام نہیں
کہ مجھے فکرِ انتقام نہیں

کبھی انسان نے آئینہ بنایا ہوگا
آپ انسان کو آئینہ بنا دیتے ہیں

بس چھوڑ دے خدا پہ مجھے اے چارہ گر
بھرنیکے میرے زخم جگر عمر بھر نہیں

بھرتے ہو دم جفا کا مگر یہ نہیں جفا
توبہ ستم سے کرتے ہو کیا یہ ستم نہیں

ہر روز غم سیاہ شبِ گور سی سوا
ہر صبح ہجر شام قیامت سے کم نہیں

کوتاہیٔ نظر نے دکھائی رہِ دراز
کیا بتکدہ میں لطف حریم و حرم نہیں

اُسے لذتِ وصل کی قدر کیا
جسے ذوقِ آزارِ ہجراں نہیں

راتیں نہ ہجر یار کی کاٹیں پہاڑ سی
کاٹا پہاڑ عقل لڑی کوہکن کہاں

اندیشۂ عزت کبھی اندوہِ ملامت
ہوتے ہیں عجب رنج محبت میں بشر کو

آئندہ سب خیال گذشتہ تمام وہم
صوفی پسند اسلئے کرتے ہیں حال کو

قاصد غلط عریضہ غلط مدعا غلط
لو آؤ دیکھ جاؤ تمہیں میرے حال کو

نہ کھینچا منتِ برقِ طپاں کو
مرے نالے نے پھونکا آشیاں کو

مے گلگوں کے پیمانہ سے اے خضر
بدل لیں ہم تو عمرِ جاوداں کو

فریاد تیرے جور سے اے دورِ شام غم
اندھیر ہے کہ عمر بسر ہو سحر نہ ہو

انکو بھی آج میری طرح شوق وصل ہے
یہ بات ہی جدا ہے کہ تقدیر سے نہ ہو

کسے روئیں جن اشکوں کو تری فرقت کا رونا ہو
کسے دیکھیں جن آنکھوں نے تری صورت کو دیکھا ہو

نگاہ یار گلشن میں اگر گرم تماشا ہو
وفورِ شرم سے ہر شاخ پر [illegible] ہو

ذرا آہستہ ہو پیر تک لے خونِ رگِ بسمل
کہیں ایسا نہ ہو قاتل کے نازک دل کو ایذا ہو

چلے ہم تو دلِ ناکام لیکر خلق سے شاکی
ہمیں کیا بعد مر جانیکے عیسیٰ [illegible]

ہماری ناتوانی غم اٹھانے سے غلط ٹھہری
تمہیں عذرِ نزاکت ہے تو اتنے سر گراں کیوں ہو

زلیخا اب نہ کنعاں میں ہے اور یوسف نہ زنداں میں
ہجوم اشکِ حسرت کا رواں [illegible] ہو

ہمیں بھی اسکی ماہیت بتاؤ ماجرا کیا ہے
کہ تم اے مچھلیو دریا میں کیوں [illegible]

نگاہِ برق میں یکساں ہیں وہ ناہو کہ ہو خرمن
اجل قیمت شناسِ قامتِ پیر و جواں کیوں ہو

سرِ محفل نقابِ عارضِ تاباں اگر وا ہو
نظر پروانہ ہو پروانہ گل ہو گل تماشا ہو

شاکی کے انتقال سے کتنے وہ خوش ہوئے
پر سیر ہے اگر یہ خبر معتبر نہ ہو

کس طرح تیرے رُخ کا نظارہ کرے کوئی
حائل ہیں دو رقیب حیا بھی نقاب بھی

چشمِ طپش کی ایک جھپک مدتِ حیات
چلتا ہوں تیز گامیِ عمرِ شرار سے

تسبیح پر نہ بھولیو زاہد کہ زند بھی
سو سے اگر بُرے ہیں تو اچھے ہزار سے

کس نامراد کا تیری چتون نے خون کیا
دشمن بھی آج پھرتے ہیں کچھ سوگوار سے

ہم نہ دردِ کشِ پیمانۂ دیدار ہوئے
ساغرِ چشم مئے ذوق سے سرشار ہوئے

سچ بتاؤ ہمیں تم رات کہاں تھے شاکی
آج مذکور تمہارے سرِ بازار ہوئے

زیرِ نقاب حسن کے جوہر عیاں رہے
فانوس میں بھی شمع کے شعلے زباں رہے

اپنی ہوس میں آپ ہی پروانہ جل بجھا
عشقِ ہوس فروش کا انجام نار ہے

نسیم کان میں گل کے ضرور کہہ دینا
کہ جانِ بلبلِ رنگیں نوا نکلتی ہے

اُسنے جو گرم جانبِ دشمن نگاہ کی
میں نے فلک کو دیکھ کے اِک سرد آہ کی

ہو جائے کچھ یہ عالم اے لذتِ طپیدن
قاتل کو میں دعا دوں قاتل مجھے دعا دے

شاکی

شاکی۔ آغا سید الحسن عرف سید امیر حسن شاکی۔ قصبہ سلون ضلع رائے بریلی۔ وطن ہے۔ کلام سے جدت کی جھلک نمایاں ہے۔ کسی کے شاگرد نہیں۔ نمونۂ فکر یہ ہے

اس سے کیا تسکینِ مشتاقِ شہادت ہو سکے
زخم اوچھا ہی ابھی قاتل تری شمشیر کا

غنچۂ لب پیشِ تصویر تھا عبث محوِ سکوت
ہم نے بوسہ لے لیا منہ کھل گیا تصویر کا

شاکی

شاکی۔ سید عبد الرسول رضوی عرف سید محمد جواد۔ ۱۰ جون ۱۸۶۸ء کو مٹیا برج کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ انکے نانا نواب انتظام الدولہ احمد علیخاں مصنف تحفۂ احمدیہ۔ واجد علیشاہ بادشاہ کے اُن رفقا میں سے تھے جو ترکِ وطن کر کے شاہ مغفور کے ہمرکاب کلکتہ گئے تھے اور تمام عمر بادشاہ کی

رفاقت میں بسر کردی حتیٰ کہ اپنے آقائے نامدار کیساتھ آج بھی خاک بنگال پر میٹھی نیند سوتے ہیں۔ شاکی کے جد امجد میر مصطفےٰ شاہ علوم عربیہ کے ماہر اور مسلم الثبوت استاد تھے۔ انہوں نے اپنی شادی سید ابوالحسن عرف ابو صاحب مجتہد العصر کی ہمشیرہ کے ساتھ کی اُنسے انکے والد پیدا ہوئے۔ انہوں نے بھی علم و فضل میں خاصی شہرت حاصل کی۔ انفراغ علوم کے بعد سید محمد جواد کا عقد سید محمد باقر صاحب مجتہد کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوا جب کچھ دنوں کے بعد انہوں انتقال کیا تو نواب انتظام الدولہ کی دختر کیساتھ عقد ثانی ہوا جن سے جناب شاکی پیدا ہوئے۔ دینیات کی تعلیم پاکر انگریزی زبان سیکھنے کا شوق ہوا تو سات برس کی مسلسل تعلیم کے بعد سینیر کیمرج کا امتحان پاس کیا۔ اردو میں طبع آزمائی کی ہے اور کلام میں فارسی ترکیبوں کے باوجود دلکشی اور درد دونوں چیزیں موجود ہیں۔ یزدانی مرحوم جنکا وطن پنجاب تھا اور شیراز میں رہکر زبان فارسی کی تحصیل کی تھی اور آخر میں کلکتہ میں بود و باش کرلی تھی اور فارسی کے زبردست ماہر تھے اُنسے جناب شاکی کو فخر تلمذ حاصل ہے۔ ٹیا برج کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے ہیں اور شاعری کو قابل تعظیم فن تصور کرتے ہیں۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب نذر ناظرین ہے

بلائے عشق میں سید فریاب مبتلا ہوتا
علاج درد دل ہوتا جو وہ درد آشنا ہوتا

بہ انداز طپش گر آتش غم مشتعل ہوتی
تو دل جلکر دھواں ہوتا دھواں اڑکر ہوا ہوتا

نہ پھرتا وادیٔ وحشت میں گر سر پھوڑ کر اپنا
سر شوریدۂ شاکی ترے در پر دو سرا ہوتا

ساقیا اتنی پلائی تھی نہ بزم غیر میں
میں تو تنہا بیہوش تیرے ہاتھ میں پیمانہ تھا

مرنیوالے کی جو بالیں پر کھڑے تھے رو دئے
مرنیکا وہ ایسے ہیں پر درد آشنا تھا

غمزدوں کی ہیں حکایات پرانی پر لطف
آپ کی بات نئی آپ کا افسانہ جدا

عشق میں ہے موسیٰ عمران ہی یہاں لکو سکون
طور کا ذکر جدا جلوۂ جانانہ جدا

روشناس خلق دیوانہ ترا آخر ہوا
سب کی نظریں پڑتی ہیں چاک گریباں دیکھکر

گر ہم نہیں تو گرمی بازار بھی نہیں
اے حسن خود فروش خریدار بھی نہیں

دل کو دزدیدہ نگاہیں لیکے پنہاں ہوگئیں
حسرتیں زلفوں کی اجڑ کے پریشاں ہوگئیں

مصحف رخ پر ترے زلفیں پریشاں ہوگئیں
رشتۂ شیرازۂ اجزائے ایماں ہوگئیں

اے مہ کنعاں ذرا آنکھیں اٹھا کر دیکھ تو
کسکی آنکھیں روزن دیوار زنداں ہوگئیں

پہلی منزل پر سبکباری نے پہونچایا ہمیں
اپنی بے سامانیاں آخر کو ساماں ہوگئیں

وعدہ ہی سہی تم آؤ گے کبھی ہاں کبھی ہیں لوں
سمجھا دو دل کو بھی کہ اسے اعتبار ہو

میری ہمت مرا جگر دیکھو
دل زخمی کو اک نظر دیکھو

جب تصور کمال کو پہونچے
دیکھ لو یار کو جدھر دیکھو

جسے بیگانہ سمجھے تھی یگانوں سے وہی اچھا
تعلق آجتک سبزے کو ہے گور غریباں سے

یہ پاس پردہ داری ہے کہ باہر جا نہیں سکتی
صدا زنجیر خانے سے نظر سوراخ زنداں سے

مرنا تو مقدر تھا۔ مر جانے کو کیا کہیے
سمجھانے سے کیا حاصل دیوانے کو کیا کہیے

اللہ رے آبادی پھر ویسی ہی بربادی
دل تھا کہ بھری بستی ویرانے کو کیا کہیے

جب دل نہ ہوا اپنا پھر تم سے شکایت کیا
اپنا نہ ہوا اپنا بیگانے کو کیا کہیے

اے آنسوؤں کے تار رہے سلسلہ قایم
آتے ہیں مدد کرنے کو اب لخت جگر بھی

داغ دل۔ داغ جگر و قید میں سوزاں لیچلا
دونوں پہلو میں یہ دو شمعیں فروزاں لیچلا

کرکے روشن داغ وامندۂ ہجراں لیچلا
تیری محفل سے چراغ زیر داماں لیچلا

شائق

شائق۔ شیخ نبی میاں ساکن بریلی روہیلکھنڈ سخنور خوش فکر تھے طبع میں رسائی اور مضمون آفرینی تھی۔ مولانا احمد علیخاں عاصی شوخ بھی بریلوی کے تلامذہ سے تھے۔ ظرافت کے مضامین خوب لکھتے تھے۔ پونا میں کسی تاجر کے ملازم تھے وہیں انتقال کیا۔

جہاں میں بیتاب ہو رہا ہوں دل انتہا میں مضمون سو کو
مسیح وقت اپنے عہد میں گویا ہے دم میرا

بگڑ کے بیٹھے ہیں بھی بتا ہوں میں لوح عکس کی صورت
شگفتہ دل ہوں پر زیادہ ہے سب سے پیچ و خم میرا

میں وہ بلبل ہوں جس سے طائر سدرہ بھولا گیا
لئے بیٹھے ہیں رضواں آجتک باغ ارم میرا

کبھی تو اے فلک ہم پر بھی ہوگا مہرباں کوئی
کبھی تو دل پھرے گا غیر سے اُس آفت جاں کا

آغاز جوانی میں ستم ڈھائے ہوئے ہیں
اُٹھتے ہوئے جوبن پہ وہ اترائے ہوئے ہیں

ڈرتے ہیں وفا کرتے ہوئے حضرت شاکی
یہ لوگ حسینوں سے دغا پائے ہوئے ہیں

شان ۔ نواب میرزا محمد صادق علیخاں صاحب بہادر بیرسٹر ایٹ لا۔ نواب باقر علیخاں تخلص محل صاحب کے بڑے صاحبزادہ ہیں۔ انگریزی۔ فارسی۔ عربی میں اچھی مداخلت رکھتے ہیں آپ ۱۸۹۸ء میں بی۔ اے پاس کرکے ولایت تشریف لیگئے تھے وہاں ۱۹۰۱ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ آپ کو رفاہ عام کاموں اور سیاسی معاملات سے بڑی دلچسپی ہے۔ شاعری کا بھی مذاق ہے۔ خیر آباد ضلع سیتا پور میں اُنکی تعلقہ داری ہے عرصہ ہوا کلام بھیجا تھا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

رازِ الفت مرا نہاں نہوا
اسکا چرچا کہاں کہاں نہوا

لوگ خورشید حشر و کھینگے
گرمیِ آہ کا دھواں نہوا

تھامے اپنی کلائی بیٹھے ہیں
ذبح آخر سخت جاں نہوا

عید ہے آج اُنکا ہے دربار عام
نذر دینے نقد دل جاتے ہیں ہم

کبھی تو اُس بت کافر کو ہم پر رحم آئے گا
یہی کہہ کہکے ہر دم اپنے دل کو شاد کرتے ہیں

قفس میں بیٹھے بیٹھے کیا چمن کو یاد کرتی ہیں
فقط کچھ غم غلط ہم اے دل ناشاد کرتے ہیں

مہک پھولوں کی بھر آنے لگی شاید بہار آئی
اسیرانِ کہن گلزار کو پھر یاد کرتے ہیں

کچھ ایسا بڑھ گیا ہے ہمکو اُنکا خوف رسوائی
لبوں پر دم ہے تب بھی ضبط ہم فریاد کرتے ہیں

ہزاروں زخم کھائے سخت جانی دیکھئے اے شان
دعائیں دم نکلنے کی مرے جلاد کرتے ہیں

ہمیں خوف عصیاں نہ دہشت کسیکی
کہ بیٹے پہ اپنی ہے رحمت کسیکی

اگر بوسہ مانگا وہ جھنجھلا کے بولے
کہیں کہلے آئی ہے شامت کسیکی

مرے نالے سنکر وہ فرماتے ہیں
نہ آئے کسی پر طبیعت کسیکی

چھپاتے ہو کیا گردِ پائے حنائی
پوچھتے کیا ہو ترا ہجر میں نقشہ کیا ہے
ہے تو قسمت سی ہے تم سے مجھے شکوہ کیا ہے
شب ہوئی یار کہاں کوٹھے پہ کیوں جاتی ہو سنان

ابھی روند آئے ہو تربت کسی کی
ہم نہ ہوں گے فقط اور وہ ہونا ہوا نا، کیا ہے
اپنی آنکھوں سے میں روتا ہوں تمہارا کیا ہے
لٹ چکی دولتِ دیدار تمہیں ملنا کیا ہے

شاہ شاہ۔ منشی شاہ علیخاں دہلوی مرزا رفیع السودا کے ہمعصر اور نواب سراج الدولہ و نواب عالیجاہ میر قاسم خاں ناظم بنگالہ کی سرکار میں بزمرۂ شعرا منسلک تھے انجام کار دکن جاکر انتقال کیا انکی یہ غزل اکثر ارباب نشاط محفلوں میں گاتی ہیں ؎

ارمان وصل کا دلِ نالاں میں رہ گیا
پائی رہائی یوسفِ دل نے نہ قید سے
ہم تو مر ینگے یار کی دیوار کے تلے
کعبہ گیا نہ دیر گیا اور نہ کربلا
جلوہ دکھایا یار نے کوٹھے پہ آن کر

میں عمر بھر تمہاری تہیں ہاں میں رہ گیا
زلفوں سے چھوٹا چاہِ زنخداں میں رہ گیا
مجنوں کو تھا جنوں جو بیاباں میں رہ گیا
گھر سے نکل کے کوچۂ جاناں میں رہ گیا
جیسے نکل کے چاند بدخشاں میں رہ گیا

شاہ شاہ۔ میرزا داؤد شاہ گورگانی خلف مرزا محمود شاہ ابن مرزا بابر خلف اکبر شاہ ثانی انکے بیٹے مرزا شجاع کو ریاست حیدرآباد دکن سے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار بطور وظیفہ ملتا ہے مشق سخن کم تھی تاہم رنگ طبیعت اچھا تھا۔ مرزا مجاہد الدین شاہی نے کچھ کلام دیا تھا جسمیں سے دو شعر انتخاب ہوئے ؎

وہ پھلا پھولا جہاں میں جو شجر پیدا ہوا
موجود تھے وہاں سب حسرت ہی دلمیں

ایک نخلِ دل ہمارا بے ثمر پیدا ہوا
محفل میں اسکی میں ہی اک دلفگار ہوتا

شاہ شاہ۔ شاہ عالم کسی قدیم شاعر کا یہ شعر ہے۔ تذکرہ فرا۔ صاحب سے نقل ہوا۔ کیا تعجب کہ شاہ عالم بادشاہ کا ہو ؎

کل کا وعدہ نہ کرو جی مرا بیکل نہ کرو
کل پڑے گی نہ مجھے مجھسے یہ کلکل نہ کرو

شاہی

شاہی ۔ مرزا انور الدین گورگانی نبیرۂ صاحبعالم مرزا سلیمان شکوہ برادر اکبر شاہ ثانی شاعر چرب زبان و خوش نفس خواجہ آتش کے شاگرد تھے۔ انکی شاعری کا رنگ بہت اچھا تھا اور سنہ ۱۸۴۷ء کے بعد کبھی ترتیبہ لکھنؤ سے دہلی آئے بہادر شاہ ثانی کے مزاج میں بہت دخل پیدا کر لیا تھا چنانچہ شاہی روزنامچہ میں اکثر انکا ذکر آتا ہے انہیں کی صحبت کے طفیل بادشاہ کے خیالات شیعہ مذہب کیطرف زیادہ رجوع ہو گئے تھے۔ رسالہ موسوم بہ علم حیدری انکی تصنیف سے ہے اور راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ کلام اگرچہ سوز و گداز سے خالی ہے مگر بلاغت زیادہ پائی جاتی ہے فکر صائب ہے بڑے بڑے مضامین کو مختصر لفظوں میں ادا کر جاتے ہیں۔ زبان کا لطف بھی موجود ہے اور سلاست بیان بھی اچھی خاصی ہے ؎

ملو گلے سے تو جاتا رہے گلہ دل کا
تمہارے وصل پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

نہ کیوں کہوں ترے ابرو میں عیرت شمشیر
کیا ہے ایک اشارے میں فیصلہ دل کا

قرۃ باولے سے پرستو میکدہ کا در کھلا
خم سر شیشہ کھلا شیشہ سر ساغر کھلا

رنگ لائی ہے عجب ہمت مردانۂ عشق
داغ پر داغ دیئے فرض ہے شکرانۂ عشق

روش فرش گل ہے دل دیوانۂ عشق
رشک صد فصل جنوں ہمت ویرانۂ عشق

رونق باغ جہاں سبزۂ بیگانۂ عشق

غیرت قصۂ ملقیس ہے افسانۂ عشق
کسطرح قصر سلیماں ہو نہ ویرانۂ عشق

کیوں نہ زیبا ہو اسے شوکت شاہانۂ عشق
کیوں نہ قبضہ میں ہو میراث پریخانۂ عشق

خلف الصدق جنوں ہے دل دیوانۂ عشق

شاہی

شاہی ۔ فروغ دودہ شاہی چراغ خانوادہ گورگانی مرزا مجاہد الدین شاہی خلف الرشید مرشدزادہ مرزا ظہیر الدین عرف مرزا مغل بہادر خلف پنجم حضرت ظل سبحانی بہادر شاہ ثانی خاتم خاندان گورگانی۔ حضرت شاہی زمانۂ غدر میں سات سال کے تھے کہ فلک کجرفتار نے روز بد دکھایا اور انہیں داغ یتیمی نصیب ہوا یعنی انکے والد مرزا مغل بہادر ایک ظالم سفاک زشت خو فوجی لفٹنٹ ہاڈسن نامی کے ہاتھ سے بلا تفتیش جرم مارے گئے۔ اسکے بعد انہوں نے اپنی دادی نواب شرافت محل صاحبہ

سے کے دامنِ عافیت میں پرورش پائی اور علوم رسمیہ کی تکمیل کی۔ مرزا قادر بخش صابر گورگانی کے فیضِ صحبت سے شاعری کا شوق دامنگیر ہوا۔ چنانچہ اس فن شریف میں انہیں سے تلمذ رہا۔ اُنکی وفات کے بعد امراؤ مرزا انور دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ پھر چند غزلیں نواب مرزا خانصاحب داغ دہلوی کو بھی دکھائی تھیں۔ آخر میں جو کچھ کہتے تھے اُسمیں مرزا ارشد دہلوی سے مشورہ کر لیتے تھے۔ کئی سال اجمیر میں مقیم رہکر دہلی واپس آئے اور انجمن تیموریہ کے سکرٹری بھی رہے تھے۔ زبان میں صفائی اور طبیعت میں متانت ہے۔ رعایت لفظی اور استعارات کے گورکھ دہندوں سے انکے کلام میں پیچیدگی کا دخل نہیں الفاظ نہایت ستھرے اور بندش نہایت چست ہوتی ہے۔ منکسر مزاج اور نہایت شریف صاف گو راستباز انسان تھے۔ مرزا عبد الغنی ارشد سے جو انکے رشتہ میں بھانجے ہوتے تھے بہت محبت کرتے تھے اور اُنکے کمال شاعری کے معترف تھے کئی مرتبہ فیروز پور اُنکے پاس جا کر رہے اور اُنکے کلام کو مرتب کیا۔ راقم تذکرہ سے بھی انہیں بڑا اُنس تھا۔ ہنگام قیام دہلی روزانہ تشریف لاتے تھے۔ حیدر آباد دکن سے ساٹھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ ہوگیا تھا اُسپر بسر اوقات تھی آخر ساٹھ سال کی عمر ۱۹۰۶ء میں بمقام دہلی انتقال کیا۔ انہیں کے قلمی عطیہ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

غضب کا نشہ ہے ساقی کی چشم میگوں میں	ادھر نگاہ ملی اور اُدھر سرور آیا
دروازہ میرا لوگ بتا دیں خدا کرے	پھرتا ہے کوئی غیر کا گھر پوچھتا ہوا
بعد فنا بھی اُنکا جلانا تو دیکھئے	رکھا چراغ گور پہ میری بجھا ہوا
وہ آجاتے تو ٹلجاتی قضا کیا	ذرا ہم دیکھ لیتے اور تھا کیا
اس ستم پرور پہ کیسا کیا	اک جہاں کے گھر میں دل پیدا کیا
جان و دل دیکر لیا رنج و الم	عمر بھر میں ہم نے یہ سودا کیا
کبھی علاجِ دل داغدار ہو نہ سکا	مٹائیں ہاتھ سے اپنے بہار ہو نہ سکا
سوئے تو اپنا طالع خوابیدہ جاگ اُٹھا	آنے کا اُنکے خواب میں ہمکو گماں نہ تھا
جلتا وہ جوشِ آتشِ گل سے بہار میں	گلزار میں بھلے کو میرا آشیاں نہ تھا

اس پہ بھی سایہ پڑ گیا کیا میرے اضطراب کا
کھلتا نہیں ہے حال کچھ زلف کے پیچ و تاب کا

کوئی پوچھے تو پتہ خاک بتاؤں شاہی
کہ وطن کا ہی نشاں یاد نہ گھر کی صورت

جان شوقِ دید میں اب تک نکل جاتی مگر
زندگی عش ہے تمہارے عشق کے بیمار پر

قاصد سے یہ کہا مرے خط کے جواب میں
مطلب کا ہوش خوب رہا اضطراب میں

میں تو آزادی میں بھی گویا قفس میں بند ہوں
فکرِ گلچیں ہے گھڑی صیاد ہر دم تاک میں

آچکے اک روز محشر ہو چکے جھگڑا تمام
سنتے سنتے واعظوں کی آگیا دم ناک میں

دل کو ہم تیرِ حوادث سے بچا سکتے نہیں
ہاتھ سے قسمت کے لکھے کو مٹا سکتے نہیں

آرزوئے غیر پر پھیر دو گے پانی خاک تم
آتشِ فرقت تو اے اشک بجھا سکتے نہیں

اپنی رحمت سے خدا اگر بخشدے تو بخشدے
نامۂ اعمال تو اپنا دکھا سکتے نہیں

داں کا بھی لکھا نہ شاہی ان بتوں کے عشق نے
داورِ روزِ جزا کو منہ دکھا سکتے نہیں

یہ اتفاق ہے پڑتا ہے اُنکا اوچھا ہاتھ
کہیں وہ اپنی طرف سے قصور کرتے ہیں

کہیں نہ منہ سے اُنہیں اپنی بات کی پچ ہو
وہ دل میں یاد نہیں بھی ضرور کرتے ہیں

محبت میں عدو کی بے خبر مجھ سے سوا تم ہو
کہ پاسِ آبرو تمکو نہ پابند حیا تم ہو

برا کہتے ہیں ناحق چرخ کو دشمن کو قسمت کو
اگر سچ پوچھئے تو بانیٔ جور و جفا تم ہو

کونسی بات ہے شاہی جو نہیں کی تم نے
ایک توبہ ہی رہی جاتی ہے یہ بھی کر لو

مغبچوں نے خوب سمجھا شیخ کی توقیر کو
ریشِ قاضی کر دیا عمامۂ تزویر کو

ہے لڑکپن ہی میں وہ آفت کا پتلا فتنہ گر
اور ابھی تو خیر سے عہدِ شباب آنے کو ہے

روئے انور کو کسی کے تک رہا ہے دیر سے
اب کوئی دم میں زمیں پر آفتاب آنے کو ہے

خدا کرے کہ مرا حال یونہی تباہ رہے
مجھے جو دیکھ لے اسکو نہ تیری چاہ رہے

یہ بڑھا یا گریہ نے مرتبہ کہ فلک بھی دیکھتا رہ گیا
وہ جو گھر تھا اب ہے وہ لامکاں یہ ہے عرش سے بھی مقام

جو ہی عیش بخت رقیب میں مجھے چاندنی سی کیا غرض
اُسے بادہ پینا حلال ہے مجھے زہر کھانا حرام ہے

مری بات کا شنقیں کیا کہو پھر گیا کہ نہ پھر گیا
سر بزم اُنسے نہ چھپ سکا مجھے دیکھتے ہی یہ کہدیا

وقف ہے خارِ مغیلاں پر مرا پیراہن

مجھسے پوچھو کہ نقش ہیں یا دیپ

کیا کریں شکوۂ جفا شاہی
آدمی ہو تو کچھ گلہ کیجئے

اک زمانہ ہے مدعی اپنا

دل کی پرسی کو آئے بیٹھے ہیں
لے چکے دل تو جان کی ہے طلب

ستم ایجاد آپ ہم غم دوست

شاہی آپ اور عشق سے توبہ
ہمت یہ کہ رہی ہے کہ دیدیجئے جان بھی

کیا جانے کسکا جلوہ نظر میں سما گیا
شاہی فلک کی چالوں کیا فکر کیجئے

آتشِ حسن سے نہ جل جائے
سخت جانی غضب کیا تو نے

نہیں جائز بیت کافر کے قدم پر سجدہ
شاہی میں کیونکہ مان لوں تم جا سکو گے واں

دل میں الفت غیر کی مٹھی میں میری جان ہے
یہ تو ہم سمجھے ہوئے بیٹھے ہیں پہلے روز سے

حرفِ مطلب الٰہی آیا ہی زباں پر ابھی

وہی غیر جسکو کہا باوفا تمہیں ناز تھا کہ غلام ہے
وہی آپ چاہنے والے ہیں وہی شاہی آپکا نام ہے

کہ گریباں لئے جاتا ہے تو داماں کوئی

خوبیاں ہیں جفا ئی کی
اپنی عادت نہیں برائی کی

تیرا کیا بختِ نارسا کیجئے
کس سے اظہارِ مدعا کیجئے

نذر اب جانِ مبتلا کیجئے
کیا کسی سے معاملہ کیجئے

روز مجھ پر ستم نیا کیجئے
اجی حضرت خدا خدا کیجئے

شرطِ وفا نہیں ہے کہ دل جا دم رہے
کعبہ کہ دیر دونوں سے بیزار ہم رہے

وہ سروری رہی نہ وہ جاہ و حشم رہے

غیر کو دور رکھئے محفل سے
کیا ندامت ہوئی ہے قاتل سے

ہم سمجھتے ہیں مگر دھیاں کہاں رہتا ہے
جس جا گذر نسیم و صبا نہو سکے

اور کیا اسکے سوا ہے رازدانی آپکی
نذر ہوگی ایک دن یہ زندگانی آپکی

ہنس کے فرمایا کہ سن لی سب کہانی آپکی

کوچۂ جاناں تو واعظ دیکھتے ہیں آنکھ سے
اور وصفِ خلد سنتے ہیں زبانی آپ کی

زخم اچھے ہو گئے لیکن نشاں تک کے رہے
شکر ہے تن پر رہی کچھ تو نشانی آپ کی

آپ ترکِ عشق کا غیروں کو دیں ناصح سبق
بوالہوس ہیں وہ کریں گے قدردانی آپ کی

بتوں کے حسن میں بھی ایک نور ہوتا ہے
خدا کی شان کا سب میں ظہور ہوتا ہے

یہ بے سبب نہیں آتی ہیں ہچکیاں پیہم
کہیں تو ذکر ہمارا ضرور ہوتا ہے

تمہاری اس میں خطا کیا خدا کی قدرت ہے
حسیں جتنے ہیں سب میں غرور ہوتا ہے

سمجھ گئے تری باتوں سے تجھکو ہم ناصح
پڑھا لکھا بھی مگر بے شعور ہوتا ہے

جفائیں سہنے کی عادت جو ہو گئی ہے ہمیں
تو بے ارادہ بھی ہم سے قصور ہوتا ہے

سُنے ہیں وعظ کی مجلس میں حسن کے اوصاف
تمہارا ذکر تو اب دور دور ہوتا ہے

ملکہ وکٹوریہ کے مرثیہ کا قطعہ تاریخ رقت آمیز لکھا تھا وہ تاریخ نقل ہے

تحیر تھا شاہی کہ کیا بات ہے
یہ اتواپ نے کیوں ہلا دی زمیں

گیا کون سا شاہ دنیا سے آج
کہ جو ایک سو ایک توپیں چلیں

سلامی کی توپوں نے ملکر کہا
شہنشاہ وکٹوریہ اُٹھ گئیں

۱۹۰۱ = ۱۸۰۰+۱۰۱

شائق

شائقؔ پیر محمد قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں نہایت قابل مستعد اور خوشگو شاعر تھے۔ شعر و سخن میں چند غزلیں ہاشمی کو بھی دکھلائی تھیں۔ آخر اٹھارویں صدی میں شباب کا عالم تھا سلام خوب کہتے تھے اور زبان کی طرف بھی توجہ تھی۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔

گھر شیخ و برہمن دیر اور کعبے کو گئے ہیں
رہِ دل سے ہیں غافل تو نہیں وہ ڈھونڈتے ہیں

تماشا دیکھ تو جراح کے مرہم لگانے کا
ہرا ہونے لگا زخم [illegible]

جو لیکر جان عاشق کی طلب ہو جان ہندوستاں
سمجھا مت گراں شائق انہیں تو ابھی [illegible]

ظلم کا شیوہ سکھا اس ظالم کو ایسا یاد ہے
ہر گھڑی ہر لحظہ اک تازہ ستم ایجاد ہے

تپنے لگا ہو کر بیٹھتے اک دم نہیں طفلِ اشک
چشمِ گریاں کی بھی کتنی ناخلف اولاد ہے

جائیے کعبے کو یا کیجئے صنم خانہ کا طوف	حضرت دل آپ کا اب کیا ہمیں ارشاد ہے

شایق

شایق - منشی نظر الدین ساکن بریلی۔ فراسو صاحب کے تذکرہ میں ایک اچھا شعر نظر سے گذرا درج کیا گیا۔ غدر سے ۳۰ برس پیشتر زندہ تھے ؎

گر اسی طرح سے ہمیشہ کو تیرے غم سے چشم تر رہی	تو مزارعوں کو یہ مژدہ دو کہ تمہاری کھیتی ہری رہی

شایق

شایق - عزیز الدین شایق خلف الصدق غلام محی الدین سرہندی۔ زیادہ حال معلوم نہوا۔ کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پرانے زمانے کے شاعر ہیں کیونکہ متروکات انکے کلام میں بیشتر پائے جاتے ہیں ؎

گلشن میں اگر ناز سے ہووے وہ خراماں	غنچہ بھی کریں اپنے گریباں کے ٹکڑے
نہ اس حسن پہ مغرور رہے گل	یہ سن لے ہر کمالے را زوالے
کبھی تو وصل کا وعدہ وفا ہو	کہاں تک دو گے جاناں ٹالے بالے
لگے ہے طرح دلبر داغ ہجراں	پڑے ہیں مجھ کو اب جینے کے لالے
اگر شایق تو چاہے لذت عشق	بتوں سے بھاگ اور راہ خدا لے

شایق

شایق - حافظ الٰہی بخش خلف شیخ محمد حاجی باشندہ کانپور۔ سید وارث علی سیفی کے تلامذہ میں گذرے ہیں۔ مشاق اور پرگو تھے ۱۲۹۵ھ کا چھپا ہوا دیوان موسوم بہ گلزار منظوم مطبوعہ نظامی میرے کتب خانہ میں موجود ہے اسکا انتخاب درج ذیل ہے۔ فن تاریخ گوئی میں آئینہ تاریخ انکی تصنیف ہے۔ انتخاب یہ ہے ؎

سب بارگاہ عشق میں یکساں ہیں دوستو	یہاں فرق کچھ نہیں ہے امیر و فقیر کا
سوا تیری محبت ماسوا کی دل سے اٹھ جائے	الٰہی درد دے دل میں تو ایسا اپنی الفت کا
جس کو سمجھے تھے باوفا یارو	کیا غضب ہے کہ بے وفا نکلا
کیا پرزے پرزے جو نامہ ہمارا	خطا انکی کیا ہے کہ لکھا ہمارا
ظلم ہی سمجھے تو کچھ خبر	لطف تم کو اگر نہیں آتا

معشوقوں سے یہ کہدو کہ نہ توڑیں دل عشاق
سب ملتے ہیں پر چاہنے والا نہیں ملتا

کیا کہوں الفت نے مجھے کیا کیا
دل کو شعلہ آنکھ کو دریا کیا

قتل کرکے قتل گہ میں تا بدیر
بسملوں کی سیر وہ دیکھا کیا

زلف کا اُسکی رہا سودا مجھے
سانپ سا سینہ پہ لہرایا کیا

ہزاروں شخص ہاں ہونگے نیجان قاصد
یہی ہے کوچۂ جاناں کا بس نشاں قاصد

شہیدوں کا بہا ہے خون ایسا کوئی جاناں ہیں
شفق ہے چرخ پر شرمندہ اور لالہ گلستاں میں

خانہ بدوش جو کہ ہیں انکا ہے یہ کلام
غربت میں وہ مزہ ہے کہ یادِ وطن نہیں

پان کی سُرخی گلے سے جب نظر آنے لگی
سب شراب سُرخ سمجھے شیشۂ بلور میں

خشم جاناں دفع ہو رونے سے میری کسطرح
شعلۂ رخسار کو پانی کا ڈر ہوتا نہیں

جو قسمت سے کبھی ہم کوچۂ دلدار میں آئے
نئے جلوے نظر ہمکو در و دیوار میں آئے

دشتِ وحشت نے کیا ہے چاک پیراہن میرا
پھاڑ ڈالوں دامنِ کوہ و بیاباں تو سہی

نہ ملنا تھا تجھے گر ہم سے اے بت
قسم کیوں کھائی تھی تو نے خدا کی

محبت میں ہماری تم تو پہلے
نہ سنتے تھے عزیز و اقربا کی

اب ایسے ہو گئے بے مہر صاحب
ذرا باتیں کرو یاد ابتدا کی

وہاں سرمہ کی آنکھوں میں تری تحریر پھرتی ہے
دلِ عشاق پر گویا یہاں شمشیر پھرتی ہے

تجکو ہم اپنا اویت پرفن بنا ئینگے
سارے جہان کو جان کا دشمن بنائینگے

واعظا بہر خدا کر کوئی ایسی تدبیر - تجکو فردوس ملے مجھکو ملے کوئے صنم + کچھ کسیکو نہ رہا دیر و حرم سے مطلب - شیفتہ تجھپہ ہوئی کافر و دیندار تمام

شایق

شایق - ناظم بیمثال شاعر شیریں مقال جناب منشی سید حسن صاحب شایق رئیس قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی - شاگرد جناب فصاحت صاحب لکھنوی - آپ منشی سید فضل رسول خان بہادر واسطی تعلقہ دار سندیلہ کے خلف اصغر ہیں اور اپنے والد ماجد مغفور کے علاقہ سے معقول گذارا پاتے ہیں - اردو فارسی میں خاصی دستگاہ ہے - سترہ سال کی عمر تک اپنے خالو منشی عبد العلی صاحب کے پاس لکھنؤ میں تعلیم پاتے رہے اسی وجہ سے آپ کی زبان لکھنؤ کی زبان ہے

اہل کمال اور فصحائے لکھنؤ کیساتھ نشست و برخاست رہتی تھی۔ اس پاکیزہ صحبت نے یہاں تک آپ پر اثر کیا کہ آپکی شاعری کا چرچا ہونے لگا کلام کا رنگ نکھر رہا ہے کہ آپ اپنے اُستاد کیلئے باعث فخر ہیں۔ منشی سید التفات رسول خاں بہادر ہاشمی جو آپکے حقیقی برادر زادے تھے۔ ہر سال ایک عظیم الشان مشاعرہ سندیلہ میں کیا کرتے تھے جمیں ہندوستان کے بڑے بڑے مشہور شعرا شرکت فرماکر سامعین کو محظوظ کرتے تھے۔ آپ اُن مشاعروں کے سکرٹری ہوتے تھے اور گلدستہ کی ترتیب اور انتخاب بھی آپ ہی کے ذمہ تھا۔ آٹھ دس سال تک یہ سلسلہ قایم رہا پھر ہاشمی صاحب مرحوم کا داغ جگر دیجانے پر یہ سلسلہ درہم برہم ہوگیا۔ رعایت لفظی کی قید اور تشبیہ و استعارہ کی پابندی سے آپ کا طائر خیال آزاد ہے۔ ہر شعر میں ایک بات پیدا کرتے ہیں لطف زبان کیساتھ متانت اور سنجیدگی بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ عمر تخمیناً ۵۰۔۵۴ سال کی ہوگی مگر طبیعت بہت شوخ اور چلبلی ہے۔ آپکے دوست سید نذیر حسن صاحب فتنہ نے انکا کلام منگا کر دیا۔ شایق صاحب نہایت نیک طینت اور صاف باطن خلیق اور منکسر مزاج ہیں اپنی وضع کے پابند اور اپنے بزرگوں کی روش کے کاربند ہیں۔ آپکے کلام کا انتخاب نذر ناظرین والاتمکین کرتا ہوں ؎

اس ادا سے کھنچکے اُس قاتل کا خنجر رہ گیا
خونِ مشتاقِ شہادت جوش کھا کر رہ گیا

کوند کر بجلی گری جب آشیانہ پر مرے
پتہ پتہ ہر شجر کا ہاتھ مل کر رہ گیا

ڈوب کر دریا میں بھی مجھ وحشی عریاں کیلئے
خوب پردہ سیل اشک پانی کی چادر رہ گیا

عمر بھر کی شرح غم اور وہ بھی اتنی مختصر
ایک قطرہ خون کا ٹپکا کے خنجر رہ گیا

سُن چکے تم۔ کہہ چکا میں ماجرا سوز دل
دیکھلو اک آبلہ پڑکر زباں پر رہ گیا

پھیر کر منہ دیکھ لے او جانے والے اِس سے
راہ میں شایق کا دل پامال ہوکر رہ گیا

پردہ اٹھا چمک سی ہوئی غش سے کلیم
ادنیٰ یہ اک کرشمۂ برق جمال تھا

آخر کو آنسوؤں میں لہو بنکے بہ گئیں
جن حسرتوں کا دل سے نکلنا محال تھا

قابو نہ رکھ سکے دل بے اختیار پر
مُنہ سے نکل گیا جو ترے دل کا حال تھا

مجھے غش میں وہ انکا گیسوئے مشکیں سنگھا دینا
ستمگر کیا یہی اک شان ہے اٹھلا کے چلنے کی
دہان زخم شکوہ کچھ نہ کرنے پائیں قاتل کا
یہ سن رکھ اے صبا شکوہ جو وہ پردہ نشیں آئے
یہ کہکر سونیوالے سو رہے ہیں قبر میں جاکر
یہ شہر ملی اور اسیری عدو کے جان شایق ہے
کسی کے جھوٹے وعدوں پر کسی کی یوں بسر ہونا
تڑپنا آہ کرنا ہجر کی شب نوحہ گر ہونا
کئے دیتا ہے تازہ واقعات طور موسیٰ کو
نہیں معلوم اس میں کونسی حسرت کہاں پہنچی
مریض ہجر کو آنا ادھر اک آخری ہچکی
نکل آیا کوئی پردے کے باہر سے چھپا بانہ
رہے جو دل میں مخفی راز کہتے ہیں اسے شایق
رات کو چھپ کے نکلنا وہ کسی کا گھر سے
کہاں سرگوشیاں کچھ کر رہی ہے تیغ قاتل سے
مریض ہجر تنہائی میں کیا باتیں کرے دل سے
دل خوں گشتہ کا جب فکر آیا اہل منزل سے
ابھی تو دل بھی ہے اور دل میں ہیں ارمان بھی لاکھوں
چمک اٹھے غبار قیس کے ذرے بیاباں میں
کہاں تک جذب ہوتا کوئی خونریزی کی حد بھی تھی
وصال یار میں بھی یہ دھڑکا لگا رہا شب بھر

وہ کچھ پڑھ پڑھ کے دم کرنا وہ قرآں کی ہوا دینا
لحد جو سامنے آئے اسے ٹھوکر لگا دینا
مناسب ہے مجھے اے بخیہ گر ٹانکے لگا دینا
ترا احسان ہوگا شمع تربت کی بجھا دینا
ذرا اے صور محشر وقت پر ہم کو جگا دینا
ذرا پھر آنکھ نیچی کر کے ظالم مسکرا دینا
سحر سے شام ہونا شام ہو کر پھر سحر ہونا
نہ دل کا درد کم ہونا نہ آغاز سحر ہونا
کسی کا بام پر وہ مسکراتے جلوہ گر ہونا
سمجھ کر میرے دل کے پار اے تیر نظر ہونا
ہوا سے جھلا کر گل ادھر شمع سحر ہونا
غضب تھا میرے مرنے کی خبر کا مشتہر ہونا
زباں تک بات آنا اور عالم میں خبر ہونا
اور وہ چاہنے والوں کو خبر ہو جانا
جدا ہو لے ہجوم ناامیدی دامن دل سے
دہن کھلتا ہے دقت سے زباں ملتی ہے مشکل سے
اڑے کچھ سرخ ذرے سرزمین کوئے قاتل سے
جب اٹھینگے تو دامن جھاڑ کر اٹھینگے محفل سے
وہ پھیلی چاندنی سر شو وہ نکلا چاند محمل سے
ابل آیا لہو آخر زمین کوئے قاتل سے
فلک نہ دیکھے تھے آپس میں گفتگو کرتے

جگا دیا یہ غضب کیا کیا دلِ بیتاب
زخم گہرا چارہ گر کتنا دلِ بسمل کا ہے
کون آیا۔ کون بیٹھا۔ کون رو کر اٹھ گیا
خونِ ناحق کی ملیگی داد شایق روزِ حشر
کہاں تک غم کروگے مرنیوالے روز مرتے ہیں
بُرا میں ہوں بُرا دل ہے۔ بُرا سارا زمانہ ہے
یہی کہنا تو انکا چھیڑ پر کرتا ہے آمادہ
جگر کے زخم شاید رس رہے ہیں آج اے شایق
کھینچتے ہیں دل مرا وہ ساتھ اپنے تیر کے
پوچھتے ہو کیا ہوئے پیکاں ہمارے تیر کے
دل کو بھلایا کیا زنداں میں لعل وحشی ترا
جو پسند آئے تمہاری تم اٹھا لو شوق سے
آمد آمد موسمِ گل کی جو گلشن میں ہوئی
چمن کا شوق نہ حسرت ہے آشیانے کی
تیار ہے ہیں نفس کے یہ آخری جھٹکے
غضب تھا آنکھ پھرانا کسی ستمگر کا
کھلی ہوئیں ہیں دمِ نزع شوق میں آنکھیں
بڑھی ہے جوششِ سودا ہیں چھٹنی آزادی
چمن میں شاخ وہی باغباں نے کاٹی آج
ستم کرینگے جفا کرینگے۔ وفا نہ یہ بیوفا کرینگے
نہ بوئے گل ہے نہ سیرِ گلشن جفائے صیاد ہر گھڑی ہے

ہم اُنسے خواب میں کچھ اور گفتگو کرتے
اتنو قاتل تو بھی زورِ بازوئے قاتل کا ہے
کچھ خبر بھی ہے تمہیں کچھ ہوش بھی محفل کا ہے
بسملوں کا بھی وہی ہے جو خدا قاتل کا ہے
کہیں ایسا نہو دکھ جائیں نازک ہاتھ ماتم سے
تمہیں اچھے تمہیں اچھے تمہیں اچھے ہو عالم سے
بگڑ جائیں گے ہم دیکھو اگر بولا کوئی ہم سے
ٹپکتے ہیں گلابی اشک میری چشمِ پُرنم سے
کھینچ لیں اب کھینچنے والے مری تصویر کے
آؤ تم خود دیکھ لو میرا کلیجہ چیر کے
نقشے دیواروں پہ کھینچے طوق کی زنجیر کے
اطراف میں دل کے ٹکڑے اطراف میں تیر کے
جُڑ گئے ٹوٹے ہوئے حلقے مری زنجیر کے
قفس سے دیکھ رہا ہوں روش زمانے کی
کہ ٹوٹنے کو ہے زنجیر قید خانے کی
نظر میں پھرنے لگیں گردشیں زمانے کی
ہے دل کو آس کسی بیوفا کے آنے کی
ہٹی ہیں اتنی ہی دیواریں قید خانے کی
کہ جس سے آڑ تھی بلبل کے آشیانے کی
جو دل لیا تھا تو کیا کیا تھا جو جان لینگے تو کیا کرینگے
ہے اس سے بہتر کہ جان دیدیں قفس میں کبتک گھٹا کرینگے

وہ انکا باتوں ہیں ٹالدینا وہ میرا گھبرا کے پھر یہ کہنا — کہ رات تھوڑی سی رہ گئی ہے یہ عہد و پیماں ہوا کرینگے
خفیف ہونا پڑے نہ شایق وہ جھوٹ تحفہ ہوں کے لایق — پڑے ہوں ناسو چیں لاکھوں وہ ایسا دل لگی کیا کرینگے

اشارے ہیں کسی تیرِ نظر کے — جگر پر جا لگینگے دل میں اُتر کے
یہ جوشش گریۂ غم تھا شب ہجر — نکل آئے کئی ٹکڑے جگر کے
روانہ سینکڑوں نامے ہیں کئے شایق — زمانہ ہو گیا قاصد کو بھی گئے شایق
نہ پوچھو ہجر میں کس واسطے جی شایق — رُکے ہیں ابھی تک اسی لیے شایق
لگا ہے آسرا خط کے جواب آنے کا

شایق ۔ مسٹر جان برنارڈ فانتوم عرف جانی صاحب انکا خاندان عرصہ سے دہلی میں سکونت پذیر تھا۔ اور طرز معاشرت بالکل ہندوستانی اسلامی وضع کی کر لی تھی۔ زبان بہت صاف ہے نازک خیالی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ زیادہ تشبیہات اور استعارات سے کام نہیں لیتے جس کے باعث ہر شعر میں آمد معلوم ہوتی ہے۔ تلمذ کا حال معلوم نہ ہوا سنہ ۱۸۹۰ء کے زمانہ کا کلام درج ذیل ہے۔

ہم نے دل سو جگہ لگا دیکھا — کوئی تجھسا نہ دلربا دیکھا
کان رکھکر سنا نہ اُس گل نے — حال دل بارہا سنا دیکھا
گر نہ پہنو گا تم عاشق ہیں پوشاک سیاہ — سرمگیں آنکھوں سے وہ آنسو بہانا چاہئے
شمع کی پروانگی پروانہ کو کب ہے منظور — بن بلائے محفل جانا نہیں جانا چاہئے
اسقدر رنجش نہ تجکو مجھسے جانی چاہئے — ہر گھڑی ہر لحظہ پھیر مہربانی چاہئے
کہنے سے اغیار کے گر تم ہو مجھ پر خفا — سخت بیجا ہے نہ ایسی بدگمانی چاہئے

شایق ۔ منشی محمد بدر الاسلام صاحب شایق فرزند مولوی محمود الحق صاحب سنہ ۱۸۸۵ء میں تحصیل بیتی ضلع پرتاب گڈھ اودھ میں تحصیلدار تھے فن سخن میں اپنے چچا سیف الحق ادیب کے شاگرد تھے پرگو زیادہ معلوم ہوتے ہیں مگر کلام بے نمک ہے زیادہ تر فرسودہ مضامین نظر آتے ہیں۔ انتخاب پیش ناظرین ہے۔

واعظ نہ پند وعظ کی تکلیف کیجئے
کیجئے نہ خوف کشتۂ پاس وفا ہوں میں
ناحق قصوروار نہ ٹھہرائیے ہمیں
واں جو عدو سے مشغلۂ دور گل ہوا
فلک سے چرخ میں جوں کشتی طوفاں وہ یا تہ
ہے آج شام وعدہ نہ آئے تو دیکھنا
ادھر خنجر سے نادم ہوں ادھر اس سے خجل باز
غذائے رنج و غم وہ سیر ہو کر میں نے کھائی ہیں
کونسا موقعہ حجاب ہے آج

عشق بتاں کو جی سے بھلایا نہ جائیگا
محشر میں حال زار دکھایا نہ جائیگا
پوچھیں گے گر سبب تو بتایا نہ جائیگا
یاں تاب ضبط صبر کا ہجراں میں قُل ہوا
مگر طوفان بپا ہے آج اشکوں کی روانی کا
اپنا چراغ عمر کوئی دم میں گل ہوا
مجھے کس کس سے شرمایا برا ہو سخت جانی کا
نہ شرمندہ ہوں وانے کا نہ کچھ ممنون پانی کا
وصل میں منہ پہ کیوں نقاب ہے آج

فصل گل میں ہم ہیں اور ظالم قفس کی تیلیاں
بیطرح جی میں تقاضا ذوق نظارہ کا ہے

جوڑتا صیاد ہے اگلے برس کی تیلیاں
اسکے چلوں میں لگیں تا قفس کی تیلیاں

نشانی جو مانگی تو ہنسکر وہ بولے
گر یہی طرز دلربائی ہے
آؤ منت بھی غیر کی کر لیں
تن ہے مسجد میں پر یہیں ہے روح
دل لیا اور خبر نہیں ہوتے
آج انکا وعدۂ دیدار ہے
اس تغافل پہ یہ دعوئے وفا
ہوا جہاں سے معدوم قصۂ مجنوں
ہزار دل جان گنوائیں گے مثل پروانہ

یہی داغ دل ہے نشانی ہماری
تو اجل غیر کی بھی آئی ہے
یہ بھی اک قسمت کی آزمائی ہے
نام کی شیخ پارسائی ہے
واہ کیا خوب دلربائی ہے
صبح سے ہیں منتظر ہم شام کے
کیا ستم ہوتا جو ہوتے کام کے
رہی تو الفت شایق کی گفتگو باقی
رہیگا کون تیرے آگے شعر گو باقی

شایق ۔ احمد حسن خاں المعروف بہ کالیخاں ولد نواب محمد حسن خاں ۔ نواب احمد سعید خاں صاحب شایق

بہادر طالب مرحوم کے پاس رہ کر بسر اوقات کرتے تھے اور انہیں کے تلامذہ سے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہوگیا۔ ذہین طبیعت دار مگر کم استعداد شخص تھے۔ مشکل زمینوں میں کہنا کثرت مشق کا ثبوت ہے جس سے قدرت کلام کا اندازہ ہوسکتا ہے ؎

جو آیا اسکو ہوئی فکریاں سے جانیکی
یہ جلسے ستمنوں کے یہ صحبت احباب
کہاں ہیں قیصر و فغفور انکو گرد ڈھونڈو
بتوں کے ظلم سے اک روز ہم بھی اے شایق
ہر روش پر پل بنائے ہیں جو تونے باغباں
دیکھکر اغیار جلتے ہیں شب مہتاب میں
موت تھی دامن کشاں اور زندگی تھی دست کش
رات دن بدمست رہتے ہیں شراب ناب سے

عجیب سیر ہے کچھ ہر یاں زمیں کے تلے
دکھائی دینگے یہ ساماں کہاں زمیں کے تلے
ملے نہ نام کو نام و نشاں زمیں کے تلے
بسائینگے کوئی جاکر مکاں زمیں کے تلے
توڑ دینگے اپنے آنسو ایکدم میں پل کے پل
سامنے بیٹھے اگر ہم اس مہ کامل کے تل
ہاتھ میرے قتل پہ جس دم گئے قاتل کے تُل
ہر جگہ برپا ہوئے ہیں اُس کے مرنے غل کے غل

شایق - مولوی سدید الدین عباسی بدایونی۔ نہایت ذہین طباع صاحب استعداد تھے۔ پہلے بدایوں کے قابل وکلا میں انکا شمار تھا۔ وکالت کی سند ضبط ہوجانیکے بعد مختلف قانونی کتابیں لکھتے رہے سنہ ۱۸۹۲ء میں اخبار انتخاب عالم نامی جاری کیا۔ فن سخن میں حضرت افضل لکھنوی سے تلمذ تھا۔ ۶۴-۶۵ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎ شایق

سلام

ماتم شاہ شہیداں میں عزادار ہے آنکھ
بادۂ حب علی کے ہیں عجب کیف و سرور
لخت دل حضرت زہرا کا لہو میں جو ہو تر
اشک غم خون جگر یاد میں شہ کے ہیں رواں
گوہر نظم پرو کہتے ہیں سخنداں شایق
دست سفاک جو دم بھر ٹھیرے

تار اشکوں کا جو توڑے تو گنہگار ہے آنکھ
بیخود و مست ہے مدہوش ہے ہشیار ہے آنکھ
خون اشکوں میں نہ آئے تو خطاوار ہے آنکھ
گوہر و لعل کا کھولے ہوئے بازار ہے آنکھ
اہل بینش کا یہ سودا ہے خریدار ہے آنکھ
دیدہ بازی تہ خنجر ٹھیرے

جب کبھی وادیٔ وحشت میں گئے
دو قدم قیس سے بڑھکر ٹھہرے

بل بہت کرتی ہے وہ زلف رسا
دیکھئے دوش پہ کیونکر ٹھہرے

رند مشرب ہوئے شایق مشہور
واہ کیا آپ کے جوہر ٹھہرے

شایق

شایق۔ مولوی سید اعظم علی تلمیذ ڈاکٹر احمد حسین خاں مائل حیدر آبادی۔ کلام سے خوش فکری کا اندازہ ہوتا ہے۔ زیادہ حال معلوم نہیں ہے

قتل گہ میں ہاتھ قاتل کا پڑا خنجر پہ جب
ایک گردش میں نگہ کی سب کا قصہ پاک تھا

لیکے دل واپس نہ آیا چھپکے وہ ہوگا علیحدہ
تھا تو وہ کم سن مگر ہشیار تھا چالاک تھا

منہ سے اُنکے بات نکلی دل پہ کندہ ہو گئی
کیسا عمدہ تھا نگینہ واہ کیا حکاک تھا

نہ مانی تو نے کیوں میری نصیحت
ہوا آخر گرفتار بلا دل

شایق

شایق۔ مولوی شمس الدین سابق ایڈیٹر رفارمر لاہور۔ طبیعت بہت دشوار پسند پائی ہے ایک ہی قافیہ میں زیادہ طبع آزمائی کیا کرتے ہیں۔ کلام میں لطف اور وجد موجود ہے۔ مضمون آفرینی کی شان انکے اشعار سے پیدا ہے۔ آپ ۱۸۹۵ء میں لاہور کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ انتخاب درج ذیل ہے

جنوں سے ہو سکا ہمسر نہ حسن اس آفت جاں کا
بہت سا منہ چڑھایا ہاں کئے چاک گریباں کا

الگ کرتا ہی جو وحشت کے ایک جھٹکے میں
رگ جاں سے ہی کیا رشتہ مرے چاک گریباں کا

الٰہی شکر اس نے ہی دیا ہنسنا اپنے ہاتھوں سے
مبارک آج ہنسنا ہو گیا چاک گریباں کا

گلے ملکر وہ رخصت ہو رہی زلفوں سے لپٹ جا کے
کبھی الجھاؤ کام آئے کسی تار گریباں کا

پڑے ہیں ہاتھ اس خورشید رو کے میری گردن میں
ستارہ ان دنوں ہے اوج پر بخت گریباں کا

بہار آئی ہے اب ضعف اتو ملنے کی اجازت دے
کہ ہے دست جنوں خواہاں ملاقات گریباں کا

کریں قطع تعلق اہل دنیا خوش لباسی سے
جو مثل اضلوں میں ہو نقش مرے چاک گریباں کا

نہ رکھا ہاتھ دل پر یار نے اے وائے ناکامی
مدام آغوش خالی ہی رہا چاک گریباں کا

شایق

شایق۔ نواب باقر علیخاں عرف بنن صاحب لکھنوی۔ آپ نواب اقتدار الدولہ بہادر کے پوتے ہیں مشتاق لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ ابتدائے عمر سے شاعری کا شوق ہے اپنے مکان پر بھی مشاعرے کرتے رہتے ہیں۔ اپنی خداداد طبیعت سے مشکل سے مشکل زمین پانی کر دیتے ہیں کلام میں گل و بلبل کے مضامین اعتدال کیساتھ برتتے ہیں۔ سیدھی سادی ترکیبیں شستہ خیالات قابل داد ہیں۔ دیوان مرتب ہو گیا ہے۔ اکثر کلام گلدستوں میں شایع ہوتا رہتا ہے۔ یہ کلام ہے۔

ستنے ہیں دیکھ کے وہ سر اُٹھاتا جوبن کا — اداکو مژدہ کہ گذرا زمانہ بچپن کا
یہ کس نے خاک اُڑائی پس فنا آکر — غبار اُٹھ کے نہ بیٹھا جو میرے مدفن کا
چلا جا او چراغ قبر انجمن سے اندھیرے میں — رخ روشن کا صدقہ واسطہ زلف پریشاں کا
پیا ٹینگے دل پہلوئے شتاق سے کیونکر — جادو تری آنکھوں کو اگر یاد نہ ہوگا
پگھلے گا کبھی تو دل سخت او بت کافر — کب تک اثر گرمی فریاد نہ ہوگا
ایک جب ہو گئے ہم تم نہ رہا شوق وصال — حد سے گذری جو محبت کوئی ارماں نہ رہا
صیاد کے گھر میں اسے اک عمر ہوئی ہے — اب بلبل نالاں کو چمن یاد نہ ہوگا
ابھی آئے ہیں زخم قلب عاشق — ذرا لیں آپ انگڑائی سمجھ کر
وفا میں اپنی رسوائی سمجھ کر — جفا کرتے ہو شیدائی سمجھ کر
کیا کھلے حال غریق یم الفت ان پر — ہر زبان موج کی ساکت ہے لب ساحل خاموش
چاک دامن کا لگا دیگی زلیخا دھبا — پارسائی تری لے یوسف کنعاں کبتک
توڑ ڈالے نہ کہیں چھیڑ کے مضراب فنا — نغمہ ہائے طرب اے تار رگ جاں کبتک
چھوڑ دو زلفوں کو ایجاں ہے اگر برہم مزاج — گر اُلجھتی ہے طبیعت بال سلجھاتے ہو کیوں
کسی پہلو نہیں آرام لینے دیتی یاد اُن کی — مسیحا ہیں مگر وہ دردمندوں میں رہتے ہیں
ادھر ابرو بلا تیرا اُدھر مطلب کو ہم سمجھے — اشارے تیری چتون کے ہمارے دل میں رہتے ہیں
اک مقدر انکا جو ہوں ارباب بزم یار — اپنی اک قسمت کہ برسوں خدمت درباں کریں

زیر زمیں بھی دل جو بہل جائے کیا عجب
گستاخیاں یہ سینہ پہ جوشش بنفش کی ہیں
گلے سے کیوں جدا ہوتا ہی وقت ذبح بسمل ملکر
وہ چاہتے ہیں مجھسے نہ شکوا کرے کوئی
الٹ کر نقاب آکے میت پر بولے
بنجائیگا وہ طائر جاں کو پر پرواز
انگڑائی جولی ناز سے اٹھلا کے کسی نے
چھپائیگا کہاں تک وہ ہوکے خون دامن سے او قاتل
فقط دو داغ ہیں اب پہلوؤں میں
جگر ستمگر کا دل آہن کا نصل گل ہیں کھلتے ہیں
سر بزم آج جنبش دے رہے ہیں تیغ ابرو کو

باشندے سب وہاں بھی ہمارے وطن کے ہیں
ٹوٹے ہوئے جو بند ترے پیرہن کے ہیں
مروت بھی ذرا او خنجر چلا دکرتے ہیں
منہ سے نکل ہی جائے تو پھر کیا کرے کوئی
سحر ہوگئی چونک او سونے والے
عاشق کے جگر میں جو ترے تیر کا پر ہے
دل تھام لیا ہاتھوں سے ٹھہرا کے کسی نے
زبان تیغ پر بسمل کے مرنیکی خبر ہوگی
نشانی ایک دل کی اک جگر کی
اسیران قفس کی بیقراری دیکھنے والے
اشارہ پر ہماری جاں نثاری دیکھنے والے

شایق

شایق - صاحبزادہ یوسف علیخاں شایق شاگرد صاحبزادہ احمد سعید خاں ساکن ٹونک - شاعر خوش بیان ہیں قریب پچاس سال کے عمر ہے - کچھ دنوں حضرت داغ سے بھی اصلاح لی ہے نہایت خلیق و منکسر مزاج آدمی ہیں طبیعت میں شوخی کیساتھ متانت بھی ہے - حضرت ظہیر نے ایک غزل بھیجی تھی اسکا انتخاب درج تذکرہ ہوا -

لذت درد سے ہنس ہنس کے لب زخم لیئے
ہائے مجبوریٔ الفت کہ ہم اپنے آگے
کیوں کوئی جان دے اپنی کوئی مجبور ہو کیوں

حوصلہ اور بھی قاتل کا بڑھا دیتے ہیں
بات بگڑی ہوئی غیروں کی بنا دیتے ہیں
ڈھال کر غیر پہ وہ مجکو سنا دیتے ہیں

شایق

شایق - خواجہ منیر الدین صاحب ملکہ پوری - بیان میں شوخی - زبان میں سادگی ہے طبیعت مضمون کیطرف دوڑتی ہے - نمونہ کلام یہ ہے

مریض عشق کے صحت کی پھر امید ہی کیا ہے
کسیدن یہ نہ پوچھا تو نے اسکا حال کیسا ہے

ہمارا نقدِ دل لیکر دئے غم سینکڑوں تو نے
ذرا انصاف کر ظالم لیا کیا ہے دیا کیا ہے

کھڑے ہیں صاف یہ بندِ قبا ٹوٹے ہوئے
غیر کی محفل سے آتے ہو مزے لوٹے ہوئے

شکوہ بے اعتنائی تھا تقاضہ شوق کا
کس لئے ہوتے ہو برہم خیر ہم جھوٹے ہوئے

کیا کسی بدمست و ساقی میں ہوئی ہے کشمکش
کیوں پڑے ہیں خم کے خم ٹوٹے ہوئے پھوٹے ہوئے

شایاں

شایاں - منشی طوطا رام شایاں خلفِ منشی آتما رام لکھنوی - آپنے امیر حمزہ کی داستان و الف لیلیٰ منظوم کی تھی اور مہابھارت کا بھی منظوم ترجمہ منشی نول کشور کی فرمایش سے کیا تھا - پرگو اور مشاق کہنے والے تھے مگر زبان میں سلاست و طرزِ بیان میں روانی اور دلکشی نہ تھی - تذکرہ گلزارِ سخن مصنفہ ڈپٹی جگن ناتھ پرشاد میں دس بارہ غزلیں بھی نظر سے گذریں بہ مشکل یہ چند شعر انتخاب ہوئے سُنا ہے کہ قصہ خوانی میں مشہور تھے بعرصہ دراز تک منشی نولکشور کے مطبع میں ملازم رہے ہیں - پندرہ برس سے کچھ حال معلوم نہیں ہے

فی الحقیقت ہر دمیں ہمدرد آجاتا ہے یاد
کوہِ فرقت جب اٹھایا کوہکن یاد آگیا

آئی نہ نظر خواب میں بھی یار کی صورت
دیکھی نہ کبھی طالعِ بیدار کی صورت

دھوم ہے جب سے تمہارے حُسن کی
مصر میں یوسف کا ہے بازار بند

بام پر بیٹھو نہ کھڑکی کھول کر
راستہ ہو جائیگا اے یار بند

چلو میں مئے ناب پلا دے مجھے ساقی
رکھتا نہیں میں ساغرِ بلور کی خواہش

کیا عجب اے باغباں بلبل جو ہو جلکر کباب
آتشِ گل تیز ہے اور آشیاں نزدیک ہے

بزمِ ساقی میں ہمیشہ دورِ ساغر چاہئے
کوئے قاتل میں سبیلِ آبِ خنجر چاہئے

دلسوزی پروانہ جلاتی ہے مراجی
جل جاؤں سرِ بزم یہ لو دل سی لگی ہے

شایاں

شایاں - سید نور الحسن شاہ صاحب بیلوی برادرزادہ جناب فرمان - صاف اور سادہ شعر کہتے ہیں - چند شعر درج کئے جاتے ہیں -

نہ سنبھالے سے کسی کے بھی یہ سنبھلا ہرگز
جب مچلنے پہ ہمارا دلِ مضطر آیا

دیکھلے تیری اگر شب رنگ کاکل آفتاب
روز کھائے پیچ و خم مانند سنبل آفتاب
شام کو تھا وصل کا وعدہ وفا فرمائیے
ہوگیا اب تو غروب اے ماہ وش کل آفتاب
زلف و رُخ دیکھ کے اوسان رہیں تو جانیں
شیخ گو شام و ظیفہ میں سحر کرتے ہیں
جو وہ چودہویں شب چڑھی بام پر
خجل روشنی قمر ہوگئی

شباب **شباب** - نواب احمد حسن خانصاحب شباب بریلوی - شاگرد جناب عزیز مولی خلکر کے شاعر ہیں تین شعر منتخب ہوئے - زیادہ حال معلوم نہیں ؎

گلۂ جور و جفا میرے نہ لب پر آیا
پھر بھی تجھ کو نہ کبھی رحم ستمگر آیا
دیکھ لیں قاتل تجھے اور ایک نگاہ یاس سے
ذبح کرنے میں اگر دو چار دم تاخیر ہو
وفائے عہد ہو یا تن سے سر جدا ہو جائے
ہمارا آپ کا بس آج فیصلہ ہو جائے

شباب **شباب** - سید ولدار حیدر - شاگرد صفدر - باشندۂ قدیم قصبہ سانڈی ضلع ہردوئی - حال فرخ آباد - ۱۲۶۳ھ میں پیدا ہوئے - کلام در خیز ہے - انتخاب یہ ہے ؎

ہیں بس میں یوں وہ کئے دل ناداں کے ترس میں
اس پر یہ قیامت ہے نہیں تو بھی ہے بس میں
صیاد خدا کے لئے دے حکم رہائی
ہے اب تو بُرا حال اسیران قفس کا
چاہت وہ روگ ہے جو کسی بت پہ آئے دل
تم بھی کبھو پکڑ کے کلیجہ کہو ہائے دل
پیستے ہیں ہم بھی نعیر بھی وقت خرام ناز
پامال کر رہے ہیں وہ اپنے پرائے دل
بزم و چمن میں بلبل و پروانہ ہیں گواہ
اے شمع رونہ جھوٹ سمجھ ماجرائے دل

شباب **شباب** - جناب سیف الدین پنجابی شاعر ہیں - غزل گوئی کا شوق نہیں نیچرل نظمیں لکھتے ہیں - الفاظ میں قدرت کے عجائبات کی تصویر دکھاتے ہیں - اکثر رسائل و اخبارات میں کلام شایع ہوتا رہتا ہے - رسالہ مخزن ۱۹۰۸ء سے ذیل کی نظم نقل کیجاتی ہے ؎

ہستی

اے شمع زندگانی آخر لب اجل نے
اک بار جل بجھی تو اس طرح تجھکو پھونکا
ممکن نہیں کہ روشن پھر یہ شرارہ تیرا
اس تیرہ خاکداں میں کیونکر گذر ہو میرا

اے نخلِ زندگانی پائے قضا نے تجھکو
افسوس بیخ و بن سے پامال کر کے چھوڑا
ممکن نہیں کہ پھر تو سرسبز بارور ہو
جو نخل سوکھ جائے دشوار ہے کہ تر ہو
اے وجہ زندگانی تلخیِ مرگ نے یوں
ہم کو کیا دوپارہ جوں لفظ ہوں شکستہ
فی الاصل ایک تھے ہم جب ہو چکی جدائی
بے جان ہو کے قالب باقی نہیں رہیگا

شباب

شباب ۔ منشی کشن دیال کلرک ڈرائینگ کلب تلمیذ حضرت رسا ۔ شاعر دربار رامپور اوسط درجہ کے شاعر ہیں زبان صاف ہی ۔ یہ انکا کلام ہے ؎

مسجد کو گئے بھول تو ساقی کے گھر آئے
یہ حضرت واعظ بھی کدھر سے کدھر آئے
آئے نہ شباب آپ کے گھر وہ کبھی تنہا
یوں غیر کے ہمراہ تو شام و سحر آئے
یہ تو مجھے خوشی ہے کہ دیں تم نے گالیاں
غم یہ ہے دشمنوں کو خوشی انتہا کی ہے
ہے لاکھ لاکھ شکر نہ گھبراؤ اے شباب
کچھ ان مصیبتوں میں بھی رحمت خدا کی ہے

شباب

شباب ۔ جناب صاحبزادہ میرزا محمد اختر یار خانصاحب خلف صاحبزادہ مرزا برکت علیخان صاحب گلشن آبادی برادر خالہ زاد نواب غوث محمد خاں والئی جاورہ جناب میاں شاہ نظام الدین صاحب خلف جناب میاں نصیر الدین صاحب عرف میاں کالے صاحب کے ہاں انکی ننہیال تھی ۔ مرزا عبد القادر بیگ دہلوی داروغہ تسبیح خانہ وجواہر خانہ اکبر ثانی و بہادر شاہ آپکے حقیقی نانا تھے ۔ شجرہ نسب و سلسلہ حسب مظہر ہے کہ آپ شریف خاندان ہیں اور آپکے بزرگوں نے کار ہائے نمایاں کئے ہیں ۔ آپکے دادا مرزا غلام چشتی خاں صوبہ دار چھاؤنی مہدپور شاہ نظام الدین کے خلیفہ تھے صاحبزادہ صاحب موصوف جاورہ کی پیدائش ہیں ۔ پیدائشی نام نیکو اختر ۱۲۹۰ھ اور یہی سال ولادت ہے آپنے مولانا عبد الرحمن صاحب دہلوی سے فارسی کی تعلیم پائی اور خوشنویسی کی مشق فرمائی ابھی علوم رسمیہ کی تکمیل کا وقت بھی نہ آیا تھا کہ انکو نوعمری میں شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا ۔ لڑکپن سے آپ ذہین اور طبیعت دار تھے اور آخر ۱۳۰۵ھ میں اختر تخلص کیا ۔ اور صاحبزادہ مرزا محمد شرف یار خانصاحب شرف جو انکے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے انکے تلامذہ میں داخل ہوگئے ۔ کچھ دنوں بعد شوق نے پھر

دل میں گدگدی پیدا کی اور اختر کے بجائے شباب تخلص اختیار کیا اور شاہدان سخن کی اداؤں پر نثار ہونے لگے۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں جناب داغ مرحوم کے سرچشمۂ تلمذ سے فیض یاب ہوئے ہنستے کھیلتے شعر کہتے، شگفتہ زمینوں میں زور طبع دکھایا۔ قصائد میں ہمیشہ شاہزادہ مرزا عبدالغنی ارشد سے اصلاح لیتے رہے آپکا ایک قصیدہ جو تحفۂ احباب در مدح نواب سر امیر الدین خاں کے نام سے طبع ہو چکا ہے، اسپر حضرت جلال لکھنوی مرحوم نے نہایت عمدہ ریمارک کیا ہے۔ آپ غزل گوئی کے سوا قصائد اور نیچرل نظمیں بھی لکھتے ہیں۔ ریاست مالیر کوٹلہ و رجاورہ کے جلسوں میں آپ سخنوران باکمال سے داد پا چکے ہیں اور سب نے آپکی تیغ زبان کے جوہر کو مانا ہے۔ صاحبزادہ صاحب موصوف ریاست جاورہ میں عرصہ تک مختلف شعبوں میں ملازم رہے ہیں۔ ہز ہائنس نواب محمد اسمٰعیل خاں مرحوم سابق والی جاورہ آپکو نہایت عزیز رکھتے تھے اور آپکے خدمات کی قدر کرتے تھے۔ آپ مشہور مقامات ہند کی سیر و سیاحت کر چکے ہیں مہاراوت اودے سنگھ کی ہمراہی میں ڈیولہ پرتاب گڑھ میں بھی رہ چکے ہیں۔ علم موسیقی سے دلی ذوق۔ مرثیہ خوانی کا بہت شوق ہے۔ آپنے ایک تمثیلی ڈراما بھی تصنیف کیا ہے جسمیں نظم و نثر کے دلکش نمونوں کو پیش کرنے میں سحر بیانی کے کرشمے دکھائے ہیں۔ ٹھمری اور فارسی غزل بھی کہہ لیتے ہیں۔ چند قصائد تحفۂ احباب۔ نور سحر۔ ثواب حج کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ طبیعت کا بانکپن اور شوخی اکثر اشعار میں اپنی جھلک دکھا جاتا ہے۔ سنہ ۱۳۰۶ھ میں بعمر ۱۹ سال انکی شادی نواب قاسم جان کے خاندان میں نواب محمد حسین خاں کی دوسری بیٹی سے دہلی میں ہوئی اسکے بعد بارہا نواب نصیر الدین احمد خاں برادر نواب صاحب لوہارو (جو انکے ہمزلف بھی ہیں) کے پاس امرتسر۔ لاہور۔ بھوانی رہے۔ لوہارو اور کوٹلہ میں سنہ ۱۸۹۶ء میں نواب سر امیر الدین احمد کے مصاحب رہے اور کئی ریاستوں میں بطور معتمد بھیجے گئے اور نواب صاحب انکی خدمات سے راضی و خوش رہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں آپکے والد کا انتقال ہو گیا اور اعزا کے اصرار سے جاورہ میں مستقل قیام ہو گیا۔ انکے متعلق ایک عجیب اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپنے بلا کسی قسم کی سابق شناسائی کے اپنا پورا قلمی دیوان جسمیں دو ہزار سے زیادہ شعر ہیں راقم تذکرہ کو بھیج دیا۔ اور پھر جب کبھی کسی غزل یا قصیدہ کی ضرورت ہوئی تو اسمیں سے نقل منگا لیتے رہے

سال خط و کتابت رہی پھر سلسلہ مسدود ہو گیا۔ سالہا سال بعد نواب سر امیر الدین احمد خانصاحب والئی لوہارو سے انکے ذکر پر معلوم ہوا کہ جوان انتقال کر گئے۔ افسوس۔ کلام فصاحت التیام ملاحظہ ہو ؎

گرویدہ ہو کسطرح نہ عالم ترے دم کا
ہے ڈہنگ ہی کچھ اور ترے طرز کرم کا

بیتی ہوئی کہتا ہوں اثر اس کا پڑے گا
دل تھام کے بیٹھو یہ ہے قصہ شب غم کا

کس صفائی سے لے گئی دل کو
تیری ترچھی ادا نے کام کیا

گر مفت کی ملے تو ہے قاضی کو بھی حلال
اے شیخ خوب مسئلہ چھانٹا جواز کا

کیوں ہو گئی آج پاؤں میں زنجیر غم پڑی
آیا جو ہاتھ سلسلہ زلفِ دراز کا

شمع جمالِ حسن رخ یار سرد ہو
عالم جو دیکھ لے مرے سوز و گداز کا

ہاں اے فشارِ ضعف ذرا دیکھ بھال کر
دل ہے پلا ہوا کسی آغوشِ ناز کا

جو سجدہ ہائے کوچۂ جاناں میں لطف پائیے
کعبہ میں بھی مزہ وہ نہ آیا نماز کا

میری شبِ فراق سلامت رہے شباب
قصہ ہزار طول ہو زلفِ دراز کا

آپ ہیں ایسے پریشاں کیوں شباب
کیا ہوا کہئے تو کیا جاتا رہا

کیا پوچھنا اُسکی انتہا کا
بگڑا ہوا ہو جو ابتدا کا

ارمان بھری نگہ نے تیری
دل کو مری جان خوب تاکا

نہ گذری پہر رات بھی ہمنشیں
ابھی سے وہ "بیٹھے" بتانے لگا

درازی شبِ ہجر کی دیکھ کر
کلیجہ مرا منہ کو آنے لگا

یہی کہدو تو صبر آجائے
حشر کے روز فیصلہ ہوگا

کوئے جاناں میں ملے شباب اپنا
کوئی تو صورت آشنا ہوگا

جب مرے نام سے نفرت ہے انہیں
کیوں پڑھا کرتے ہیں دیوان میرا

محفلِ غیر میں کن انکھیوں سے
اُسنے گردن جھکا کے دیکھ لیا

ہاں دیکھنا شباب کی حالت بگڑ گئی
لینا خبر کہ چاہنے والا بگڑ گیا

رہے تمبر

بحر الفت میں سہارا ہے تمہارا درکار
کوئی ڈوبا ہوا مدت کا ابھر جائیگا

سینہ خراشیاں ہیں کبھی سینہ کوبیاں
بیٹھے بٹھائے کیسی مصیبت میں پڑ گیا

لو مبارک ہو تمہیں بھی ناصح
وقت آیا مری رسوائی کا

جیتے ہیں اسی امید پر ہم
یہ چرخ کبھی تو یار ہوگا

جب تک نہ کروگے قتل مجھکو
کس طرح تمہیں قرار ہوگا

ہم دیکھ رہے ہیں راہ انکی
واں غیر کا انتظار ہوگا

آئینہ دیکھتے ہی تھام لیا دل اپنا
شکر ہے دیکھ لیا مدمقابل اپنا

جو صحبت میں پیر مغاں کی رہا
وہ زاہد بڑا مرد کامل ہوا

تبسم کیا میرے زخموں نے جب
وہ غنچہ دہن پھول سا کھل گیا

چلا آتا ہے جھگڑا ان سے دل کا
بڑا ہے یہ قصہ آج کا کیا

شباب اک ماہوش سے ہم بغل ہیں
ہمارے حال کا اب پوچھنا کیا

شرم سے نیچی نگاہ ہو نہیں وہ کہتے ہیں شباب
لو چلے آؤ دکھادیں تمہیں جوبن اپنا

اٹھاتے ہیں ہم روز کی بدمزاجی
یہ دل ہے ہمارا کلیجا ہمارا

بزم میں دیکھوگے تم ہنسکر جو غیروں کی طرف
ٹکڑے ٹکڑے رشک سے میرا جگر ہو جائیگا

واعظو تقریر یہ کرنی ہے کہ رد نظر
پہلے رکھدو سامنے خم یا وہ انگور کا

ہے مثل مشہور صورت ہے فقیروں کی سوال
پوچھتے کیا حال ہو مجھ خستہ دل رنجور کا

کچھ اپنے جبر نہیں صبر کر دل ناداں
ہے اختیار انہیں آنے کا نہ آنے کا

کیا جو اسنے سر بزم شکوہ بیداد
بجھا کے شمع کہا اب نہیں جلانے کا"

ہزاروں آبلے ڈالے ہیں آتش غم نے
یہ دل نہیں ہے خدا کی قسم دکھانے کا

وہ دن گئے وہ زمانہ گیا وہ دل نہ رہا
رہے نہ دوست نہ چرچا وہ دل لگانے کا

خدا میں انہیں پڑی ہی عجیب ضد آکر
اسے بنانے کا شوق اور انہیں مٹانے کا

سکھا دو اپنے منانے کے کچھ ہمیں بھی گر　　تمہیں تو یاد ہے ڈھب غیر کے منانیکا

نشیلی آنکھوں نے اُنکی بنا دیا مدہوش　　دکھایا آنکھوں میں نقشہ شراب خانیکا

تمہارے ذکر پہ وہ اے شباب کہتے ہیں　　خدا بچائے وہ اک رند ہے زمانیکا

کہنا کسی کا ہائے وہ ہنسکر دم وصال　　ارمان نکل چکا دلِ امیدوار کا

آگئی پھر مرے دل کی شامت　　پھر ترا طرزِ ستم یاد آیا

دل کو کس طرح سے وہ دیں تمکو　　اور اگر مجھکو کبھی یاد آیا

افسوس کہیں ہم کو وہ تنہا نہیں ملتا　　دو باتیں کریں وقت بھی اتنا نہیں ملتا

سُنکے میرا حال دل کہنے لگے　　ذکر چھوڑو اُس خدائی خوار کا

کُشتہ ہے شباب اک بتِ غارتگر دیں کا　　افسوس کہ اُسنے اسے رکھا نہ کہیں کا

قفس بلبلو آشیاں ہوگیا　　کہ صیاد خود باغباں ہوگیا

سنبھالے سے بھی اب سنبھلتا نہیں　　تجھے کیا دلِ ناتواں ہوگیا

نہ جانے دو یا غیر کے بھیس میں　　مرا رشک خود پاسباں ہوگیا

مزا برسات میں ہے مے کشی کا　　نکالو حوصلہ تم بھی کسیکا

جو یاد آتا ہے اُنکا مسکرانا　　تو میں منہ چوم لیتا ہوں کلی کا

شبِ وعدہ کہاں تم نے گذاری　　نہیں ہے رنگ ہونٹوں پر مسی کا

پلادے ساقیا ہم کو ذرا سی　　مزا ہے آج منہ کا پھیکا پھیکا

جوبن یہ کھِل رہا ہے کسی گل عذار کا　　اب آگیا قریب زمانہ بہار کا

دستِ جنوں اگر ہے گریباں کی تاک میں　　دامن پہ میرے دانت ہے ہر نوک خار کا

پوچھتے کیا ہو کہ کیا جاتا رہا　　اعتبار اک شخص کا جاتا رہا

تھا دعویٰ ضبط کس بلا کا　　دل ہوگیا ایک ہی ادا کا

خوگر نہ بنا مجھے جفا کا　　آنے نہ لگے مزہ خطا کا

اُنکے آنے کی خبر سُنلی ہے
آکے دیکھے کوئی ساماں میرا

پُرانے ہوگئے انداز ظلم کرنے کے
نیا نکال کوئی ڈہنگ اب ستانے کا

ہے مقابل آج اُنکے آئینہ فولاد کا
ہو رہا ہے سامنا جلاّد سے جلاد کا

رنج اور رنج بھی جدائی کا
اب تو ہنسنا ہے بے حیائی کا

حسرتِ دید کو دل بھر کے نکلنے نہ دیا
جلوۂ طور نے موسیٰ کو سنبھلنے نہ دیا

بنا ہے زلف کی تصویر سہرا
کسے پہنائے گا زنجیر سہرا

تھی بھری ہوئی طبیعت یہ بہانہ مل گیا بس
نہ وہ اس قدر ہنساتے نہ میں اشکبار ہوتا

کیا عجب گر تم کو دے ڈالے مجھے روزِ جزا
پوچھ لو احوال موسیٰ سے خدائی داد کا

جس کا جی چاہے پئے ہم کیوں پلائیں آپ سے
اُسنے میرے سامنے یہ کہہ کے ساغر رکھدیا

کہا میں نے دکھا کر آئینہ میں اس پہ مرتا ہوں
تو کہہ اُٹھے کہ دعوے تھا اسی منہ سے محبت کا

اک اُمید پہ صورت کوئی وعدہ گر وہ کرتا
تری حسرتوں کا اے دل نہ کوئی شمار ہوتا

ایسی باتوں کے نتیجے بھی کہیں نکلے ہیں
دیکھو اچھی نہیں یہ روز کی "کل کل" کرنا

گو اُنکی تو عادت ہے دل لیکے دغا کرنا
ہم اپنی طبیعت سے مجبور ہیں کیا کرنا

ہاتھ اپنے کلیجہ پر دیکھو تو ذرا رکھکر
آسان نہیں پہلو سے کچھ دل کا جدا کرنا

دل تیری جدائی سے رہتا ہے تپاں ہر دم
یہ گوش گذار اُسکے اے بادِ صبا کرنا

دم مارنا مشکل ہے اے راہروئے اُلفت
یہ عشق کا کوچہ ہے اُف تک نہ ذرا کرنا

چاہا تمہیں گر دل نے کیا اسمیں قصور اسکا
"منہ دیکھی" نہ تم کہنا انصاف ذرا کرنا

کچھ اپنے پرائے کی تمیز نہ ہو جس کو
بے سود ہے پھر اُس سے اظہارِ وفا کرنا

بیداد کے ہوتے ہو تم داد طلب مجھسے
اس ظلم کی کچھ حد ہے انصاف ذرا کرنا

جبتک کہ رہے آپے میں ہم تب تک رہے بُھولے اپنے کو
جب آپے کو بھول گئے اپنی تب آپکو آپ ہی میں پایا

لن ترانی کی کھلی تم پہ حقیقت موسےٰ
جلوۂ حسنِ رخِ یار کو دیکھا نہ گیا

نوکِ مژہ کا درد رگِ جاں میں رہ گیا
یا دل اُلجھ کے تیر کے پیکاں میں رہ گیا

لطف پینے کا ہے جب ای دلِ بیتاب شراب
چڑھ کے سینہ پہ پلا وے کوئی نایاب شراب

دیکھکر چشمِ فسوں ساز کی گردش ساقی
ہوگئی دیکھتے ہی سینہ میں بیتاب شراب

زہر کے گھونٹ ہوا کرتے ہیں ہمراہ عدو
کیوں پلاتے ہیں مجھے وہ شبِ مہتاب شراب

دَیر میں آتے ہیں کعبہ کو مسلماں چھوڑ کر
سب ہوئے جاتے ہیں کافر دین و ایماں چھوڑ کر

ہائے پچھتاتا ہوں بعدِ مرگ کیونکر جی اٹھوں
یوں نکل جائے کوئی گورِ غریباں چھوڑ کر

درد دل میرا کہ اُن کی زلف ہو
ہے گھٹا اک چاند سے رخسار پر

اللہ رے خوشی تیری کبوتر تہِ خنجر
غنچے کی طرح کھل گیا ہر زخم تہِ خنجر

آئینۂ رخسار میں ابرو کا پڑا عکس
آیا نظر اک اور بھی خنجر تہِ خنجر

مری تصویر بنوائی ہے اُسنے سنگِ مرمر پر
میں ہوں تصویرِ تحیر کی کہ ہے تصویر پتھر پر

رہا نہ آپے میں اپنے کوئی بیاں ہو کیا آب و تابِ عارض
بنا دیا اُسنے محو سب کو اٹھا دیا جب حجابِ عارض

پڑی نگہ جس کی پھر نہ اُٹھی رہی وہ بنکر نقابِ عارض
ہمارے ہی واسطے ہماری بنی ہیں نظریں حجابِ عارض

گلی میں اُسکی ہزاروں عاشق اسی غرض سے پڑے ہوئے ہیں
کہ اک جھلک دیکھ پائیں اُسکی کھلے جو بندِ نقابِ عارض

جہاں میں اک حشر ہوگا برپا کھلے جو بندِ نقابِ عارض
یہ شور ہوگا قیامت آئی عیاں ہوا آفتابِ عارض

نہ دیکھتا دل کے آئینہ میں کبھی اُٹھا کر نقابِ عارض
گر گئی بجلی کی طرح دل پہ تجلیٔ آفتابِ عارض

کہاں وہ جائینگے ہم سے بچکر نہ اتنا اے دل ہو تو مکدر
اُٹھیگا اک دن حیا کا پردہ کھلینگے بندِ نقابِ عارض

کیا مستِ چشمِ ناز ہوں اللہ ری بیخودی
ساغر کو دیکھتا ہوں میں مدت سے خواب میں

کیا کیا مزے اُٹھاتے ہیں ہم اُنکو چھیڑ کر
کھل جاتے ہیں خدا کی قسم وہ عتاب میں

حیران ہوں لکھدیا اُنہیں کیا اضطراب میں
پرزے اُڑا کے بھیجے ہیں خط کے جواب میں

کرتا ہوں اُنکا جب میں تصورِ شبِ فراق
وہ چونک چونک اُٹھتے ہیں راتوں کو خواب میں

ہر اک یہ سمجھتا ہے اِدھر دیکھ رہے ہیں
اے بندہ نواز آپ کدھر دیکھ رہے ہیں

رہ گئے سارے ترے تیر کے پیکاں دل میں
ڈر ہے یہ بھی کہیں بن جائیں نہ ارماں دل میں

ولولے اٹھتے ہیں کیا کیا شب ہجراں دل میں
بگڑے بیٹھے ہیں ترے وصل کے ارماں دل میں

ہوں بشکل درد سر سے قدم تک بنا ہوا
کیا پوچھتے ہو درد کہاں ہے کہاں نہیں

تمہاری بات کا کیونکر یقیں ہو
تمہارا دل کہیں ہے تم کہیں ہو

حیرت سے دیکھتا ہوں اس قوت نظر کو
ہوتے ہی چار آنکھیں ٹکڑے کیا جگر کو

ہوتی نہیں دعا بھی مقبول اب ہماری
کیا ہو گیا دعا کو کیا ہو گیا اثر کو

اللہ رے ڈھٹائی دل لینے پر اڑے ہیں
در دنے پر کھڑے ہیں روکا ہے رہ گذر کو

ستم سے پاسباں کے۔ درد دل کی بیقراری سے
کراہا اس گلی میں رات بھر آہستہ آہستہ

تماشہ دیکھنا منظور ہے گر اپنے بسمل کا
چلے تھم تھم کے خنجر حلق پر آہستہ آہستہ

کہیں ٹلتا ہی نہیں عمر رواں کا تلوا
پھرتی رہتی ہے سدا گردش ایام کے ساتھ

کیوں چھوڑا اسکو دل بھی ہے حاضر جگر کے ساتھ
تیغ ادا کا وار ہو تیر نظر کے ساتھ

کوستا انکا مرے حق میں دعا ہوتا ہے
اس برائی کا نتیجہ تو بھلا ہوتا ہے

زلف جاناں سے الجھنا نہیں اچھا اے دل
کہ برے کام کا انجام برا ہوتا ہے

کچھ نہ پوچھو مجھے کس درجہ خوشی ہوتی ہے
جب کوئی زخم دل زار ہرا ہوتا ہے

ہلال نکلے بنا بدر بدر سے خورشید
یہ چودھویں ہی برس میں کمال کیسا ہے

مجھے دیکھا تو بولے پاسباں سے
یہ صاحب آئے ہیں پوچھو کہاں سے

خواب میں آتے ہی انکے میری آنکھیں کھل گئیں
قسمت خوابیدہ پھر بیدار ہو کر رہ گئی

کچھ اس انداز سے جلوہ نمائی ہوتی جاتی ہے
کہ اس بت کیطرف ساری خدائی ہوتی جاتی ہے

اس نے جب قتل پر اٹھائی تیغ
ہاتھ باندھے ہوئے قضا آئی

ساری محفل کو چکا چوند سی آجاتی ہے
کام کر جاتی ہے بجلی کی چمک سہرے کی

عالم فکر میں بستا ہے بلائیں کوئی
صاف کہتی ہے یہ کلیوں کی چٹک سہرے کی

آنکھ بھر کے تجھے پڑتی ہے	چشمِ بد دور کیا جوانی ہے

شباب

شباب ۔ منشی محمد یوسف صاحب وارثی۔ باشندۂ دہلی حویلی میر افضل شاگرد مولوی نذیر حسین صاحب فتنہ۔ خوش فکر نوجوان ہیں طبیعت میں روانی ہے۔ ابتدائے عمر سے شاعری کا شوق ہے۔ زبان شستہ اور خیالات پاکیزہ ہیں۔ انکے کلام کا انتخاب نذرِ ناظرین ہے ؎

پوچھا جو اُن سے کیا ہوا بچپن کا التفات	کہنے لگے اجی وہ زمانہ بدل گیا
جب اُس نے آکے بام پہ رُخ سے ہٹائی زلف	ثابت ہوا کہ چاند گہن سے نکل گیا
دلِ مایوس مدفن ہے ہزاروں رنج و ارماں کا	گماں ہوتا ہے سینے میں مجھے گورِ غریباں کا
مثالِ مہر داغِ دل شبِ ہجراں میں روشن ہیں	ہلالِ شامِ فرقت چاک ہے میرے گریباں کا
شباب اپنی جوانی کے بھی دن کیسے گذرتے ہیں	یہاں پہنچے وہاں پہنچے اُسے تاکا اُسے جھانکا
لگا دیگی زلیخا نقدِ جاں تک	بڑھیگی قیمتِ یوسف کہاں تک

شبنم

شبنم ۔ منشی محمد امتیاز احمد خاں صاحب راز کے کسی شاگرد کا تخلص ہے۔ طبیعت کا رنگ مندرجہ اشعار سے ہویدا ہے ؎

وصل میں چین نہ تجھکو دلِ مضطر آیا	ہاتھ کس کا مرے سینے کے برابر آیا
کششِ عشق نہیں یہ تو بھلا اچھا کیا ہے	ہو کے مضطر وہ مری قبر پر اکثر آیا
میرے قاتل نے کئے آج جگر کے ٹکڑے	شکر صد شکر کہ ارمانِ دلی بر آیا
تو نے کیا کیا نہ ستم مجھپہ کئے اے ظالم	کبھی شکوہ بھی ترا میری زباں پر آیا
آپکی یاد کے صدقے کہ بہت یاد آئی	آپ کے دھیان کے قربان کہ اکثر آیا
دیکھکر یار کو شبنم سے کہا دشمن نے	آپ چلیے کہ وہ مہرِ منور آیا

شبلی

شبلی ۔ فخر المتقدمین شرف المتاخرین مبصر و محقق و مورخ نثار باکمال ناظم بے مثال شمس العلماء تاج الفضلا حضرت مولانا شبلی نعمانی اعظم گڈھی سرسید احمد خاں کی نظرِ انتخاب اُن پر پڑی اور انہوں نے انہیں مدرسۃ العلوم علیگڈھ میں فارسی زبان کا پروفیسر مقرر کیا۔ آپ اس زمانے کے بڑے مشہور

معروف عالم تھے۔ تبحر علمی آپکا ضرب المثل ہے۔ فن تاریخ میں آپکو ید طولیٰ حاصل تھا فلسفہ اور الہیات پر بھی بڑی وسیع نظر تھی۔ انشا پردازی میں دستگاہ کامل حاصل تھی بہت سی معرکۃ الآرا کتابیں آپکی شایع ہوکر مقبول اہل علم ہوچکی ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور تصنیفات آپکی یہ ہیں۔

الفاروق۔ المامون۔ الغزالی۔ سیرۃ النبی۔ سفرنامہ یورپ علاوہ انکے اور بھی بہت سی ضخیم کتابیں تصنیف و تالیف فرمائی ہیں۔ شعرا العجم کا ایک تذکرہ بھی چار جلدوں میں تالیف فرمایا ہے علیگڑھ سے استعفیٰ دیکر آپ ندوۃ العلماء کے ناظم مقرر ہوے اور اسکی ترقی میں نمایاں حصہ لیا اسلامی مشاغل میں آپکو زیادہ انہماک تھا اور اپنی قوم کی بہبودی رات دن مد نظر تھی بقیہ زمانہ سے بیخبری تھی علیگڑھ کالج کا نصاب تعلیم بھی درست کیا ان جملہ خدمتوں اور سیرۃ النبی کی تالیف کے صلہ میں سرکار نظام اور بھوپال سے آپکا تین سو روپیہ وظیفہ مقرر تھا۔ آپکی خطوط نویسی کا خداداد ملکہ۔ انداز اور اسکی روانی مکاتیب شبلی کے ملاحظہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔ اسمیں سے ایک خط نقل کرتا ہوں جس سے حضرت مولانا مرحوم کی انشا پردازی کی مہارت ظاہر ہے۔ مندرجہ ذیل خط آپنے مولوی محمد سمیع صاحب کو اپنے منجھلے بھائی مہدی کی وفات پر تحریر فرمایا تھا جس کے ایک ایک جملہ سے آپکے درد دل اور سچی محبت کا اظہار ہوتا ہے اور بے ساختگی اور بے تکلفی کا لطف ملاحظہ فرمایئے۔

لو بھائی ہم میں کا ایک عنصر کم ہوگیا عزیزی مہدی نے جان دی اور کس حالت کے ساتھ کہ کلیجے کے ٹکڑے اڑ گئے۔ میں بدبخت پاس تھا اور اس لئے جتنے تیر پھینکے سب میری ہی جگر پر لگے۔ ہائے اسکی جواں مرگی! ہائے کیا معلوم تھا کہ وہ اسقدر جلد دنیا جائیگا ورنہ مجھ پر لعنت اگر میں اس سے ناراض رہتا۔

ہائے سب بھائیوں پر وہ سب سے اچھا تھا۔ آج چوتھا دن ہے لیکن خدا کی قسم اسوقت تک دل نہیں ٹھہرتا سو بار رو چکا ہوں اور دل نہیں ٹھہرتا۔ اسکی ایک محبوب یادگار ہے جس کو وہ بہن کہتا تھا یعنی شائفہ۔ اس سے بار ہا لپٹ کر رو دیا ہوں لیکن کچھ بھی تسلی نہیں ہوتی۔ اسکو تسلی دینا چاہتا ہوں لیکن خود بیقرار ہو جاتا ہوں۔ ایک اور اسکے

لے مہدی مرحوم [illegible]

نام سے وابستہ بدقسمت ہی جو پہلے چھوٹی بھاوج تھی لیکن اب پیاری بہن ہے۔
تم لوگ غم سے باہر ہو۔ ہاں آفت زدوں کو سنبھالنا میرے سر چھوڑا ہے
ہائے مہدی، وائے مہدی۔ بدبخت ازلی شبلی نعمانی ۲ جولائی سنہ ۱۹۰۷ء اعظم گڈھ

آپکی وفات سنہ ۱۹۱۹ء میں ہوئی ساٹھ سال سے زاید عمر پائی۔ فن شاعری میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا مگر غزلیات فارسی اردو کا ذخیرہ زیادہ نہیں۔ قومی۔ تاریخی اور ملکی نظمیں زیادہ پائی جاتی ہیں اور فی الحقیقت یہ رنگ مقبول ہوا۔ واقعات نویسی میں جو کمال اور سحر بیانی آپکو حاصل تھا اسکی مثال پیش کرنی آسان نہیں۔ آپکی مختلف نظموں کا مجموعہ کلام شبلی کے نام سے شایع ہو چکا ہے آخر عمر میں ٹانگ میں گولی لگ جانے سے اپاہج ہو گئے تھے اور اپنے وطن اعظم گڈھ میں دار المصنفین نامی ایک ادبی انجمن قایم کر کے مختلف ریاستوں سے اسکے اخراجات کیلئے رقوم حاصل کی تھیں۔ چنانچہ آج تک وہ سلسلہ جاری ہے۔ کلام شبلی کا انتخاب نذر ناظرین کرتا ہوں ؎

پوچھتے کیا ہو جو حال شب تنہائی تھا
رخصت صبر تھی یا ترک شکیبائی تھا

شب فرقت میں دل غمزدہ بھی پاس نہ تھا
وہ بھی کیا رات تھی کیا عالم تنہائی تھا

میں تھا یا دیدۂ خونبانہ فشاں تھی شب ہجر
اُنکو واں مشغلۂ انجمن آرائی تھا

پارہ ہائے دل خونیں کی طلب تھی پیہم
شب جو آنکھوں کو مری ذوق جگر آرائی تھا

رحم تو ایک طرف پایہ شناسی دیکھو
قیس کو کہتے ہیں مجنون تھا صحرائی تھا

خون رو رو دیئے دو ہی قدم میں چھالے
یاں وہی حوصلۂ بادیہ پیمائی تھا

کون اس راہ سے گذرا ہے کہ ہر نقش قدم
چشم عاشق کی طرح اسکا تماشائی تھا

خوب وقت آئے نکیرین جزا دیگا خدا
لحد تیرہ میں کیا عالم تنہائی تھا

ہم نے بھی حضرت شبلی کی زیارت کی تھی
یوں تو ظاہر میں مقدس تھا پہ شیدائی تھا

تیس دن کے لئے ترک مے و ساقی کر لوں
واعظ سادہ کو روزوں میں تو راضی کر لوں

پھینک دینے کی کوئی چیز نہیں فضل و کمال
ورنہ حاسد تری خاطر سے یہ بھی کر لوں

اے نکیرین قیامت ہی پہ رکھو پرسش / میں ذرا غمِ گذشتہ کی تلافی کر لوں
کچھ تو ہو چارۂ غم بات تو یکسو ہو جائے / تم خفا ہو تو اجل ہی کو میں راضی کر لوں
اور پھر کس کو پسند آئے گا ویرانۂ دل / غم سے مانا بھی کہ اس گھر کو میں خالی کر لوں
دل ہی ملتا نہیں سفلوں سے وگرنہ شبلی / خوب گذرے فلکِ دوں سے جو یاری کر لوں

یار کو رغبتِ اغیار نہ ہونے پائے / گل تر کو ہوسِ خار نہ ہونے پائے
اسمیں در پردہ سمجھتے ہیں وہ اپنا ہی گلہ / شکوۂ چرخ بھی زنہار نہ ہونے پائے
فتنۂ حشر جو آنا تو دبے پاؤں ذرا / بختِ خفتہ مرا بیدار نہ ہونے پائے
ہائے دل کھول کے کچھ کہہ نہ سکے سوز دروں / آبلے ہم سخنِ خار نہ ہونے پائے
باغ کی سیر کو جاتے تو ہو پر یاد رہے / سبزہ بیگانہ ہے، دوچار نہ ہونے پائے
جمع کر لیجیے غمزوں کو مگر خوبیِ بزم / بس وہیں تک ہے کہ بازار نہ ہونے پائے
آپ جاتے تو ہیں اس بزم میں لیکن شبلی / حالِ دل دیکھیے اظہار نہ ہونے پائے

ایک صحابیہ کا صبر

کافروں نے یہ کیا جنگِ احد میں مشہور / کہ پیمبر بھی ہوئے کشتۂ شمشیر دو دم
ہو کے مشہور مدینہ میں جو پہونچی یہ خبر / ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدۂ حسرت و غم
ہو کے بیتاب گھروں سے نکل آئے باہر / کودک و پیر و جواں و خدم و خیل و حشم
وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پردہ نشینانِ عفاف / جس میں تھیں سیدۂ پاک بھی با دیدۂ نم
ایک خاتون کہ انصار نکو نام سے تھیں / سخت مضطر تھیں نہ تھے ہوش و حواس انکے بہم
موقعہ جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا / کیا کہیں تجھسے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم
تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی / تیرے والد بھی ہوئے کشتۂ شمشیر ستم
سب سے بڑھکر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید / گھر کا گھر صاف ہوا لوٹ پڑا کوہِ ستم
اس عفیفہ نے یہ سب سنکے کہا تو یہ کہا / یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ امم
سب نے دی اسکو بشارت کہ سلامت ہیں حضور / گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم

بڑھ کے اُس نے رخِ روشن کو جو دیکھا تو کہا
تُو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہے سب رنج و الم

میں بھی، اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

جزائے احسان

مدتوں حضرتِ عباس بھی تھے شاملِ کفر
کم سے کم یہ کہ رسالت پہ نہ تھا اُن کو یقیں

"بدر" میں آکے لڑے اور گرفتار ہوئے
بس کہ تقدیر میں تھی خانۂ زنداں کی زمیں

قیدیوں کے لئے جو گھر کہ ہوا تھا تیار
اتفاقات سے تھا خانۂ مسجد کے قریں

رات کو حضرتِ عباس کراہے اکثر
قید کرتے ہوئے لوگوں نے جو مشکیں تھیں کسیں

دیر تک سرورِ عالم کو رہی بے خوابی
کروٹیں لیتے تھے اور نیند نہ آتی تھی قریں

وجہ پوچھی جو صحابہؓ نے تو یہ فرمایا
آتی ہے کان میں عباس کی آوازِ حزیں

جب سُنا یہ تو وہیں کھول دیئے ہاتھ اُنکے
چین سے حضرتِ عباس نے راتیں کاٹیں

تھا انہیں حضرتِ عباس کا پوتا منصور
جو کہ ایوانِ خلافت میں ہوا تخت نشیں

ایک دن حکم دیا اس نے کہ اولادِ رسول
ایک جا جمع کئے جائیں جو مل جائیں کہیں

پھر دیا حکم کہ ان سب کو پنہا کر زنجیر
کہدو ان سے کہ بنیں خانۂ زنداں کے مکیں

ایک دن سیر کو اس شان سے نکلا منصور
پابہ زنجیر تھے سادات یسار اور یمیں

ساتھ ساتھ آتے تھے پیدل جگر و جانِ رسول
اور منصور تھا زیبِ حرمِ خانۂ زیں

ایک نے مجمعِ سادات میں بڑھ کر یہ کہا
گرچہ اس لطف کے شکوہ میں ہم خاک نشیں

غزوۂ بدر میں لیکن جو کیا ہم نے سلوک
وہ تو کچھ اور تھا ہی یاد بھی تم کو کہ نہیں؟

عدلِ جہانگیری

قصرِ شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گذر
اک دن نور جہاں بام پہ تھی جلوہ فگن

کوئی شامت زدہ رہ گیر اُدھر آ نکلا
گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن

غیرتِ حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا
خاک پر ڈھیر تھا اک کشتۂ بے گور و کفن

ساتھ ہی شاہِ جہانگیر کو پہنچی جو خبر
غیظ سے آگئے ابروئے عدالت پہ شکن

حکم بھیجا کہ کنیزانِ شبستانِ شہی
جا کے پوچھ آئیں کہ سچ یا غلط ہی ہے سخن

نخوتِ حسن سے بیگم نے بصد ناز کہا
ہاں مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں
اسکی گستاخ نگاہی نے کیا اسکو ہلاک
مفتیِ دین سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا
مفتیِ دین نے یہ بیخوف و خطر صاف کہا
لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اُٹھے
ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جا کر
پھر اسی طرح اُسے کھینچ کے باہر لائیں
یہ وہی نور جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی
اسکی پیشانیِ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ
اب نہ وہ نور جہاں ہے نہ وہ اندازِ غرور
ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع
خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام
مفتیِ شرع سے پھر شاہ نے فتویٰ پوچھا
وارثوں کو جو دیے لاکھ درم بیگم نے
ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص
ہو چکا جب کہ شہنشاہ کو پورا یہ یقیں
اُٹھکے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم
دفعتاً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا

میری جانب سے کرو عرض آیئنِ حسن
مجھ سے ناموسِ حیا نے یہ کہا تھا کہ "بزن"
کشورِ حسن میں جاری ہے یہی شرعِ کہن
کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن
شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اُڑا دو گردن
پر جہانگیر کے ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن
پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن
اور جلاد کو دیں حکم کہ "ہاں تیغ بزن"
تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہِ زمن
جا کے بن جاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن
نہ وہ غمزے ہیں، نہ وہ عربدۂ صبر شکن
ایک بیکس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن
خون بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امرِ حسن
بولے جائز ہے، رضا مند ہوں گر بچہ و زن
سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہِ زمن
قتل کا حکم جو رکجائے تو ہے مستحسن
کہ نہیں اس میں کوئی شائبۂ حیلہ و فن
تھی جہاں نور جہاں معتکفِ بیتِ حزن
تو اگر کشتہ شدی، آہ چہ میکردم من

شبیر — شبیر۔ نازک خیال، عدیم المثال، تازگی بخش مذاق کہن منشی شبیر حسن صاحب ولد بشیر احمد خاں بشیر مرحوم۔ آپکا وطن ملیح آباد ہے۔ رسالدار فقیر محمد خاں گویا مرحوم آپکے اجداد میں تھے۔ پہلے آپ کا

شبیر تخلص تھا اب "جوش" ہے دور حاضر کے نامور شعرا میں شمار ہے علیگڑھ کالج میں آپنے بی اے تک تعلیم پاکر خانہ داری کے بار کو اپنے ذمہ لیا اور خوش اسلوبی سے جائداد کے انتظام کے ساتھ ساتھ آم اور اسکی قلموں کی تجارت کا مشغلہ بھی رکھتے ہیں۔ غزل میں واقعہ قدرت اور مناظر فطرت کو حسن و خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ لکھنو کی شاعری کا جو رنگ پلٹا ہے اسمیں دیگر شعرا کے نام کے سوا آپکا نام بھی لیا جاتا ہے۔ آپ تعلیم یافتہ اور قابل نوجوان ہیں۔ بندشوں کی خوبصورتی ترکیبوں کی صفائی، الفاظ کی نشست قابل داد ہے۔ بعض اشعار مشرقی تخئیل کی نوعیت سے آزاد ہوکر مغربی استعارات کا جامہ پہن لیتے ہیں جنہیں بعض اشعار کے مضامین کی تصویریں کھینچکر ادبی دنیا کے سامنے پیش کیگئی ہیں جس طرح یورپ میں عمر خیام کے خیالات نئی نئی گلکاریوں کیساتھ آئے دن شایع ہوتے رہتے ہیں۔ آپکو نیچرل نظمیں کہنے کا زیادہ شوق ہے غزل میں علم و حکمت معرفت کے مضامین خوب لکھتے ہیں فلسفہ کے مشکل مسائل کو سادہ طور پر بیان کرتے ہیں۔ انکے کلام کی باریکیوں پر نگاہ رکھتے ہوئے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوجاتی ہے کہ مغربی خیالات کی آمیزش نے اردو شاعری کو کس درجہ پر پہونچادیا ہے اور آیندہ شعرا کی تخئیل کونسی راہ اختیار کریگی آپکے قدیم و جدید کلام کا مجموعہ اس دو برس میں مقبول عام ہوچکا ہے خمخانۂ جاوید کی دوسری جلد میں "جوش" تخلص والے تمام شعرا درج ہیں مگر ترتیب جلد ثانی کے وقت آپ شبیر تخلص کرتے تھے۔ اسلیئے ہم جیم کی ردیف میں آپکے حالات و کلام درج نہ کرسکے۔ آٹھ سات برس ہوئے دہلی آکر مؤلف تذکرہ سے بھی ملے تھے اور واپس جاکر اپنا کلام بھی بھیجا تھا اسمیں سے کچھ اور مطبوعہ دیوان میں سے اکثر منتخب ہوکر نقل ہوا۔ ناظرین تراوش طبع گہر سنج کو ملاحظہ کریں ؎

اشکوں میں رہنے والے آنکھوں کے سامنے آ — اے رازِ دل سراپا افشائے راز ہوجا
یوں مسکرا کہ گم ہو صبح ازل کا جلوہ — اے حسن بے نیازی خورشید ناز ہوجا
کیفِ شگفتگی دے افسردہ خاطری کو — ہوجا ذرا ادھر بھی او عشوہ ساز ہوجا
گدازِ دل سے باطن کا تجلی زار ہوجانا — محبت اصل میں ہر روح کا بیدار ہوجانا

جب فضائے قدس میں پرچم اُڑا تقدیر کا
عقل سجدہ میں گری سر جھک گیا تدبیر کا

دیدۂ گریاں میں غلطاں ہے ترا عکسِ جمال
میرا آنسو ہے کہ شیشہ ہے تری تصویر کا

ہم جن تصورات میں رہتے ہیں رات دن
کتنوں کو اس جنوں نے بیکار کر دیا

درد نے دل میں چمک کر طرفہ ساماں کر دیا
پیکرِ تاریک کو فانوسِ عرفاں کر دیا

ہم نے پھولوں کو چھُوا مرجھا کے کانٹے ہو گئے
تم نے کانٹوں پر قدم رکھا گلستاں کر دیا

چاہنے والی کی آنکھوں سے حجاب آ ہی گیا
جب نگاہیں لڑ گئیں مجھ سے وہ شرما ہی گیا

سینے کو جگمگا دے لذت فروز ہو جا
اے روح مشتعل ہو لبریز سوز ہو جا

نتیجہ جن کا ہے خوش ہوتے ہی محروم ہو جانا
کہیں بہتر ہے ان لذات سے محروم ہو جانا

اب کیا ہمارے پاس ہے کیا دیں کسی کو ہم
لے دے کے ایک دل تھا وہ تم نے چُرا لیا

بھلا پہلے وہ کب تھے ایسے بد خو
اپنے پہلو پہ کی نظر ہم نے
دیکھتے ہی انہیں وہ حال نہ تھا

ہمیں تو یاد ہے بچپن کسی کا
جب کسی کا کسی پہ دل آیا
مجھ کو جیسے کبھی ملال نہ تھا

جلوہ گاہِ ناز کے پردہ کو جنبش ہو چلی
اور تھوڑی سی کشش اے طالبِ دیدارِ دوست

دنیا کی گردشوں کو حسرت سے دیکھتے ہیں
ہر شے کو اہلِ باطن عبرت سے دیکھتے ہیں

نظر فریاد کرتی ہے نگاہیں تھرتھراتی ہیں
محبت ہے وہ افسانہ جسے آنکھیں سناتی ہیں

کہاں دل کی رسائی سرمدی جلووں کے تاروں میں
نظر الجھی ہوئی ہے حسنِ فانی کے نظاروں میں

جس زندگی پہ نازاں یہ صاحبِ ہوس ہیں
وہ کیا ہیں "فی الحقیقت" گنتی کے کچھ نفس ہیں

صبر کی طاقت جو کچھ دل میں ہے کھوتا ہوں میں
جب کوئی ہمدرد ملتا ہے تو رو دیتا ہوں میں

مجھے بیساختہ تیرا تبسم یاد آتا ہے
لبِ دریا شبِ مہتاب میں جب پھول کھلتے ہیں

مرے حواس تری شانِ حسن میں گم ہیں
کہ اک نگاہ اٹھائے ہیں سو تبسم ہیں

ٹھنڈی سانسیں ہیں گرم آہیں ہیں
جب سے ہم پر تری نگاہیں ہیں

جان لینگے فلسفہ ہر چیز کا — پہلے ہم اپنی حقیقت جان لیں
صدر ہے یہ کون بزمِ حشر میں — اِک ذرا صورت تو ہم پہچان لیں

یاد آتی ہیں جب تری باتیں — ہم کلیجہ پکڑ کے روتے ہیں

ایک طوفان ہوں اِک تلاطم ہوں — میں یہ کس کے خیال میں گم ہوں

دل دھڑکتا ہے اشک بہتے ہیں — ہائے ہم کس بلا میں رہتے ہیں

بات رہ جائے اس پہ مرتے ہیں — ہم جو کہتے ہیں کر گذرتے ہیں

تم نہیں "میں ہوں" میں نہیں تم ہو — صاف کہدوں تو اِک تلاطم ہو

زمیں روز سجاتی ہے جسکو ذروں سے — پڑہو درود کہ پیشانیٔ نیاز ہے وہ

میرے رونے کا جس میں قصہ ہے — عمر کا بہترین وہ حصہ ہے

موت سے قبل زندگی کیسی — جی رہا ہوں ابھی خوشی کیسی

سُنکے یوں عرضِ وصل پر بولے — جو نہ پوری ہو یہ وہ حسرت ہے

مجھ وفادار سے اور ایسی خطا توبہ کر — داورِ حشر سے پھر کیسکی شکایت تیری!

کچھ سوچ کے ہر ایک طلبگارِ فنا ہے — کیا راز مرے بعد زمانے پہ کھلا ہے

انجامِ عشق لوح پہ لکھو نہ دوستو — دنیا وفا کے نام سے بیزار ہو نہ جائے

سازِ عشرت کی دلفریب صدا — ہمسرِ گریۂ سحر نہ ہوئی

رات دن مسجد کے گنبد میں رہوں — حضرتِ واعظ یہ کوئی بات ہے

دُور اے خیالِ وضع پھر اُس در پہ جا پڑیں — آ اے سیاہ رات کہ تو پردہ پوش ہے
پھر لہر سبزہ زار کی دوڑی ہے خون میں — پھر رو رہا ہوں دامنِ صحرا لئے ہوئے
پھر بارگاہِ عشق میں پہونچا ہوں سر بکف — زخموں سے پاش پاش کلیجا لئے ہوئے

جلوۂ شامِ طرب سے ہو کے برہم روئے — خندۂ صبحِ ظفر مثلِ شبنم روئے
برق کی صورت تڑپے لوٹے دل کیطرح — شمع کی مانند جلے مثلِ شبنم روئے

روکے ہوئے ہیں گو کہ تحمل کی قوتیں
اے جوش یہ کلام میں ہوتیں نہ گرمیاں

صبر کی دنیا ہمارے ضبط سے آباد ہے
اُف یوں ہی گو زعریاں سی گذر جاؤگے کیا

جفائے زندگی کو مختصر کرنا ہی بہتر ہے
صفائی نفس کی خاطر سکونِ خواب کے بدلے

ہزاروں تجربوں کے بعد میں یہ بات کہتا ہوں
گن گن کے دل نے ٹھٹے ساماں مری خوشی کے

جا کے گوشہ میں کسی صحرا کے رو لیتا ہوں میں
ذوقِ کرم نہیں ہے تاب جفا نہیں ہے

خوشی سے اجنبی ہوں جان کا کھونا ہی آتا ہے
میری حالت تری فرقت میں سنبھل جائیگی

بڑھی نمود سے دنیا میں وہ ابھرتا ہے
ترے جمال سے میری حیات مشتق ہے

اِس اعتقاد میں پنہاں عجیب حکمت ہے
شامیانہ بن گیا ہے دل کی آہوں کا دھواں

آرہی ہے باغ سے مالن وہ شرماتی ہوئی
فتنۂ دوشیزگی نازک ادا کافر جمال

خوش نما گردن میں اک ہلکا سا خم پیدا کئے
بوئے کاکل سے جھٹکتی ہر قدم پر عطر سا

پانوں رکھتی ناز سے شبنم کے قطروں کی طرح
رگ رگ تڑپ رہی ہے دلِ ناصبور کی

تم نے کبھی کسی سے محبت ضرور کی
دل حریف آہ ہے لب دشمنِ فریاد ہے

وہ کسی کا روکے کچھ کہنا بھی تم کو یاد ہے
مرے نزدیک اس جینے سے تو مرنا ہی بہتر ہے

سحر کے نور میں آہوں کا سحر کرنا ہی بہتر ہے
خوشی کے نام سے انساں کو ڈرنا ہی بہتر ہے

جینے کا اب مزا کیا اب کیا کروگا جی کے
یاد آتی ہے جو اپنے گھر کی ویرانی مجھے

بزدل کو زندگی کا کوئی مزا نہیں ہے
مجھے لو دیکھ کچھ آتا ہے تو رونا ہی آتا ہے

کیا یہ دنیا ہے کہ دو دن میں بدل جائیگی
جو کارخانۂ قدرت میں فکر کرتا ہے

مرا وجود مرے واسطے اک سحق ہے
کشادہ روئی سے ملنا بھی اک عبادت ہے

اک اُداسی ہے ہماری قبر پر چھائی ہوئی
مسکراتے ہیں لبوں سے پھول برساتی ہوئی

سینکڑوں رفتار سے ہر گام پر بل کھاتی ہوئی
دونوں ہاتھوں سے گھنی زلفوں کو سلجھاتی ہوئی

نقش پا سے ہر روش پر رنگ دوڑاتی ہوئی
سبزۂ خوابیدہ گلشن کو چونکاتی ہوئی

ہار گردن میں لپیٹے مانگ پھولوں سے بھری
بال بکھرائے جبیں سے رنگ برساتی ہوئی

بار بار آنکھیں اٹھاتی سانس لیتی تیز تیز
باغ کی ٹھنڈی ہوا سے دل کو گرماتی ہوئی

پیار سے رنگین غنچوں پر نگاہیں ڈالتی
رنگ سا اک مدبھری آنکھوں سے چھلکاتی ہوئی

نصف آنکھیں بند کر کے سونگھتی پھولوں کے ہار
رس جوانی کا سیہ پلکوں سے ٹپکاتی ہوئی

کاکلوں سے دیکھنے والوں کی نظریں پیچ میں
تازہ ارمانوں کی کلیاں دل میں چٹکاتی ہوئی

درد پیدا کر رہی ہے نغمۂ رفتار میں
دل فسردہ پتیاں زیر قدم گاتی ہوئی

پھول پر ہوتی ہیں پر افشاں کبھی رخسار پر
جھٹ پٹے میں تتلیاں شاخوں پہ تھراتی ہوئی

ہائے کیا گوری کلائی میں ہے کنگن دلفریب
ہائے کیا سینہ کی ہیکل ہے غضب ڈھاتی ہوئی

کاش پوچھے کوئی اس کافر ادا مالن کا نام
آ رہی ہے جوش کے دل کو جو تڑپاتی ہوئی

کیا روح فزا جلوۂ رخسار سحر ہے
کشمیر دل زار ہے فردوس نظر ہے

ہر پھول کا چہرہ عرق حسن سے تر ہے
ہر چیز میں اک بات ہے ہر شے میں اثر ہے

ہر سمت بھڑکتا ہے رخ حور کا شعلہ
ہر ذرۂ ناچیز میں ہے طور کا شعلہ

لرزش وہ ستاروں کی وہ ذروں کا تبسم
چشموں کا وہ بہنا کہ فدا جن پہ ترنم

گردوں پہ سپیدی و سیاہی کا تصادم
طوفان وہ جلووں کا وہ نغموں کا تلاطم

اڑتے ہوئے گیسو وہ نسیم سحری کے
شانوں پہ پریشاں ہیں یا بال پری کے

وہ پھیلنا خوشبو کا وہ کلیوں کا چٹکنا
وہ چاندنی مدھم وہ سمندر کا جھلکنا

وہ چھاؤں میں تاروں کے گل تر کا مہکنا
وہ جھومنا سبزے کا وہ کھیتوں کا لہکنا

شاخوں سے ملی جاتی ہیں شاخیں وہ اثر ہے
کہتی ہے نسیم سحری عید سحر ہے

جہاں زمیں پہ رگڑ کا نشاں ہویدا ہے ۔۔۔ دلیل اسکی ہے سانپ اسطرف سے گذرا ہے
نشانِ ہلال نما راہ کا بتاتے ہیں ۔۔۔ کہ تھوڑی دور پہ آگے سوار جاتے ہیں
غبارِ راہ نشاں ہے کسی تگ و پو کا ۔۔۔ یقیں ہوتا ہے نقشِ قدم سے رہرو کا
ٹپک کے جھاڑیوں سے خوں یہ بتاتا ہے ۔۔۔ کہ زخم کھا کے ادھر سے شکار بھاگا ہے
صنم تراش نہ ہو تو صنم نہیں بنتا ۔۔۔ قدم نہ ہو تو نشانِ قدم نہیں بنتا
یوں ہی یہ گردِ سرِ راہ خوش نما تارے ۔۔۔ رواں ہیں کسکی جبینوں سے حسن کے دھارے

زمیں کا نور ہیں اور آسماں کی زینت ہیں
کس کی شوخیِ رفتار کی علامت ہیں!!!

جھٹ پٹا وقت ہے۔ لبِ دریا ۔۔۔ ایک مندر میں جل رہا ہے دیا
روشنی روح کو لبھاتی ہے ۔۔۔ بہ کے لہروں میں مسکراتی ہے
موجیں تھم تھم کے ہو رہی ہیں رواں ۔۔۔ قطرہ قطرہ ہے مشعلِ ایماں
حسن کی روح ہے نمودِ چراغ ۔۔۔ کاکلِ پرشکن ہے دودِ چراغ
چرخ پر ہے شفق کی گل کاری ۔۔۔ ہر طرف اک سکوت ہے طاری

شبیر

شبیر ۔ عالیجناب صاحبزادہ محمد شبیر علیخاں صاحب بہادر عرف ننھے صاحب تلمیذ حضرت داغ دہلوی۔ نواب کلب علیخاں مرحوم والئی رامپور کے چھوٹے صاحبزادہ ہیں۔ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۲ء تک دہلی میں مقیم رہے اور دوران قیام میں جناب بیخود سے مشورہ سخن فرماتے رہے۔ اکثر اپنے مکان پر بھی بزم مشاعرہ منعقد کرتے تھے۔ اب کئی برس سے پھر رامپور جا رہے ہیں اور سرکار نواب صاحب سے ڈھائی سو روپیہ وظیفہ کے علاوہ مجسٹریٹی کا عہدہ بھی ملگیا ہے بہت شریف طینت اور منکسر مزاج رئیس زادہ ہیں۔ راقم تذکرہ سے برابر خط کتابت رہتی ہے۔ شاعری کا ذوق ابتدائے عمر سے ہے اب کہتے کہتے طبیعت بہت رسا ہو گئی ہے۔ زبان میں شستگی اور شگفتگی ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

تم یہ کہتے ہو کہ ہم جا کے پشیماں ہوئے ۔۔۔ ہم یہ کہتی ہیں کہ گھر غیر کے جا ہی نہ تھا

کیوں ستم جھوٹے ہوئے یاد دلائے اسکو
ایسے سوتے ہوئے فتنہ کو جگانا ہی نہ تھا

تو نے خود کی ہے قیامت ہیں قیامت برپا
شور محشر تجھے سوتوں کو جگانا ہی نہ تھا

تیغ کے پھل کا نہیں کوئی خریدار مگر
نقد جان دیکے ہمیں لینگے یہ سودا قاتل

جب تو نہیں ہے پاس تو کیا خیال وصل
ہم سے خفا ہے تو تو تری آرزو سے ہم

وہ آرزو ہی مٹ گئی انکار سے ترے
کوچے میں تیرے آئی تھی جس آرزو سے ہم

پوچھتے ہو کیا کہ جاتے ہو کہاں
جس جگہ لیجائے وحشت کیا کہوں

جفائے تازہ کیا ایجاد ہو گی
نئی ٹیسیں ہیں پھر زخم کہن میں

رہے سب منتظر انکے مگر وہ
نہ آنا تھا نہ آئے انجمن میں

نہیں ہیں باغباں گلشن میں کلیاں
قفس میں بلبلیں دل ہیں چمن میں

نہ پوچھو حال سوز ہجر شبیر
لگی ہے آگ سارے تن بدن میں

ہمیں کیا گر ہمارا ذکر ہو سارے زمانہ میں
کبھی تیری زباں پر نام اپنا ہو تو ہم جانیں

ہماری طرح اک دن بیوفائی غیر سے کر لو
محبت کا اگر پھر اسکو دعوی ہو تو ہم جانیں

کہا جب میں نے فرقت میں نکل جائیگا دم میرا
تو وہ بولے کسیکو مرتے دیکھا ہو تو ہم جانیں

کسی سے تم نے اے شبیر پھل الفت کا پایا ہے
کہ تم تو سب کے ہو کوئی تمہارا ہو تو ہم جانیں

ستم کے بعد جو قول و قرار ہوتے ہیں
یہ تیر اور کلیجہ کے پار ہوتے ہیں

نگاہ پڑتی نہیں ہے کبھی بھلائی پر
برائی دیکھنے والے ہزار ہوتے ہیں

سحر کچھ قطرے سی نکلے اشک افشانی کیساتھ
خون پانی ہو کے کیا بہنے لگا پانی کیساتھ

اب بھی ناخوش ہو کے وہ جائیں تو اسکا کیا علاج
دل تک آگے رکھدیا سامان مہمانی کے ساتھ

فلک کے نیچے بنانے کو گھر زمیں نہ ملی
وہ بدنصیب ہوں راحت مجھے کہیں نہ ملی

مزا ہی کیا ہے تڑپنے کا اے دل مضطر
کہ جب زمیں سے فلک چرخ سی زمیں نہ ملی

جگر کے چھالوں کو دیدۂ تر ہرا تو رکھنا برس برس کے
کہیں نہ بن جائیں داغ کالے یہ سوز غم سے جھلس جھلس کے

ہمارے دل میں بھی حسرتیں تھیں ہمیں بھی حاصل مسرتیں تھیں
وہ مٹ چکیں اب جو عادتیں تھیں یہ تذکرے ہیں کبھی برس کے

نہ اب ہے ساقی نہ اب ہے ساغر وہ دن گئے عیش تھا میسر
ہمیں رلایا ہی خون شب بھر گھٹا نے شب کو برس برس کے

مٹائیں غمخواریوں کی راہیں دکھائیں کیوں یاس کی نگاہیں
عبث بھی ہیں یہ نئے سفر آہیں کہ اُڑ گئے ہوش ہمنفس کے

کبھی چمن کے تھے رہنے والے کبھی تھے آزاد رنج و غم سے
نہ پوچھ صیاد وہ فسانے کہ اب تو قیدی ہیں ہم قفس کے

نگاہ شبیر سے جو پھیری تو تو نے ساقی پلائی کیوں تھی
یہ بیرخی ایسی بیوفائی نہ پھر چکھائی لگا کے چسکے

غبار قیس اُڑ کر نجد میں لیلےٰ کے دھوکے میں
ہر اک ناقہ سے ملتا ہے ہر اک محمل سے ملتا ہے

سیاہ کاروں کو راہ جناں بتا یارب
یہ حکم ہو کہ چراغ آفتاب لیکے چلے

تو برس کر ٹھہر جاتا ہے یہ تھمتی ہی نہیں
ابر تیری کیا حقیقت چشم تر کے سامنے

توبہ کی تھی شراب سے لیکن
دی جو اُس شوخ نے پئے ہی بنی

وضعداری نے کر دیا مجبور
بیوفا سے وفا کئے ہی بنی

وصل کی شب نہ بس چلا اُن کا
جو کہا میں نے وہ کئے ہی بنی

شبیر

شبیر ۔ شبیر احمد صاحب تلمیذ حضرت عزیز لکھنوی ۔ خوش فکر ذکی الطبع شاعر ہیں نتیجۂ فکر یہ ہے ۔

ہو گیا ہوں اسقدر محو جمال روئے دوست
مجھکو اپنے پیرہن سے آرہی ہے بوئے دوست

حوصلہ خنجر کا شوق اپنا ہر ارمان نکال
اے مرے مشکل کشا اے قوت بازوئے دوست

مشکلوں پر رو دیئے اُس غمزدہ مایوس کے
چھوڑ دے جو ایک آہ سرد بھر کر سوئے دوست

آ کے دشمن نے خطائیں بخشوائیں اُف رے جذب
ایسی مایوسی سے میں نے آج دیکھا سوئے دوست

شجاع

شجاع ۔ شاہ شجاع الملک والئی کابل ۔ احمد شاہ دُرّانی کے تیسرے بیٹے تھے ۔ اپنے برادر اکبر شاہ زمان کے انتقال کے بعد اُنکے جانشین شاہ محمود کو قید کر کے خود مسند نشین تخت کابل ہوئے مگر انتظام حکومت کا مادہ نہ ہونیکی وجہ سے سرداروں نے شور و شر قائم رکھا اور تمام ملک میں بدنظمی پھیل گئی اور سرداران افاغنہ کے ہاتھوں ایسے دق اور مجبور ہوئے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں پہلے کشمیر آ کر رہے اور پھر لاہور کی سکونت اختیار کی ۔ اسی زمانہ میں کوہ نور ہیرا اور دیگر بیش بہا جواہرات مہاراجہ

موصوف کی نذر کئے انہوں نے مبارک حویلی رہنے کو عنایت کی اور ایک لاکھ سالانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا تعظیم و تکریم مساوات عمل میں آئی کئی سال بعد انگریزوں سے استمداد کی امید پر انگریزی علاقہ لدہیانہ میں چلے آئے۔ اور چونکہ سرکار کو انکی حمایت منظور تھی اسلئے افواج انگریزی کی ہمراہی میں درہ بولان سے قندہار۔ غزنی۔ کابل فتح کر کے پھر تخت حکومت پر فائز ہوئے مگر سردار اکبر خاں نے چند ہی ماہ بعد ایسی سرکشی اختیار کی کہ بالاحصار میں انہیں قتل کر ڈالا اور انکے خاندان کو دوبارہ جلاوطن ہونا پڑا۔ ہندوستان کے قیام کے زمانہ میں ہندی شاعری کا بھی چسکا پڑ گیا تھا۔ چنانچہ انکے کلام میں سے چند اشعار منتخب ہو کر درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

اے کہ مست از مے نابی مجھے معلوم نہ تھا
تیری آنکھیں ہیں گلابی مجھے معلوم نہ تھا

تا نشنے بر دل من میزنی و میدانم
مائل چنگ و ربابی مجھے معلوم نہ تھا

خواستم بوسہ ز لعل تو گزیدی لب خویش
باز در خشم و عتابی مجھے معلوم نہ تھا

شد شجاع از پس اندوہ غم عشق تپاں
دائما دیدہ پر آبی مجھے معلوم نہ تھا!

شجاعت ۔ شیخ بہادر علی شجاعت شاگرد ناسخ ۔ اپنے استاد کے رنگ میں شعر کہتے تھے تشبیہات اور استعارات کو کام میں زیادہ لاتے تھے ؎

تجلی رخ تاباں پہ میں نے دی ہے جان
لگا دو طور کے پتھر کا قبر پر تعویذ

چمن پہ کھودا ہے فرہاد شکل شیریں کو
بنے گا سنگ وہی تری قبر پر تعویذ

اک ایک پھول سے ہے ترا رنگ جلوہ گر
ہر گل کو باغ میں ہے تری بو سے ارتباط

جو مری قبر پہ وہ شمع رو جلائے چراغ
تو روح صورت پروانہ ہو فدائے چراغ

یعقوب سے یوسف کو زلیخا نے چھڑایا
جذب دل عاشق سے کھنچے جاتے ہیں معشوق

شرر ۔ سید علی رضا ساکن بلگرام ضلع ہردوئی ملک اودہ شاگرد خواجہ آتش لکھنوی صاحب دیوان تھے مگر ایام غدر میں غیر مطبوعہ مکمل دیوان تلف ہوگیا ۱۲۹۴ھ میں گزرائے نالم جاودانی ہوئے بمشکل دو شعر دستیاب ہوسکے وہ درج ذیل ہیں ؎

ذبح تیغ نگاہِ قاتل تسکل بسمل پھڑک رہا ہے — لبوں پہ دم ہی کھلی ہیں آنکھیں اجل رسید سسک رہا ہے
فدا تھا گئے ہیں گل سحر نرخ کا اب عشق آنکھونکو ہیتی مرہ کا — گئی وہ ہمسری ہوائے گلشن نگہ یہ کانٹا کھٹک رہا ہے

شرر

شرر۔ میر آغا حسن ولد آغا محمد فیض آبادی مقیم لکھنؤ صاحبِ دیوان۔ شاگرد خواجہ حیدر علی آتش۔ شاعر آتش زبان۔ زبان اور بندش میں اپنے اُستاد کی روش پر چلتے ہیں۔ خیالات میں متانت اور سنجیدگی کے جوہر نمایاں ہیں ؎

کچھ بھی مجھے نظر نہیں آتا سوائے دوست — عالم کو دیکھتا ہوں جو وحدت کی آنکھ سے
ظاہر میں جو ذلیل ہے باطن میں ہے عزیز — ادنیٰ کو بھی نہ دیکھ حقارت کی آنکھ سے
جتنی عمارتیں ہیں نظر آئیں مقبرے — اے بےخبر جو دیکھیے عبرت کی آنکھ سے
بھولے سے بھی نظر نہیں کرتے وہ اس لئے — ڈرتے ہیں مبتلائے مصیبت کی آنکھ سے

شرر

شرر۔ میر حافظ مرحوم نبیرۂ حافظ محمد اشرف دہلوی۔ شاعری کا فن ورثہ پایا تھا اور اصلاح کا کمال اپنے اسلاف کی روح سے ہاتھ آیا تھا۔ بسا اوقات شعر گوئی پر مائل اور اصلاح کے متعلق اپنے بزرگوں سے روحانی فیض کے قائل تھے ؎

تم جانتے تو تھے کہ مروت نہیں ذرا — مرنا تمہیں بتوں پہ شرر کیا ضرور تھا
یہ بیخودی ہے شرر کو کہ جانتا ہی نہیں — زمیں ہوتی ہے کیسی اور آسماں کیسا
اللہ اللہ ترے ابرو کا اشارہ قاتل — سر عشاق گرے بزم میں کٹ کر لاکھوں
اللہ اللہ رے سجدہ کی تمنا مجھکو — اُسکے ہر نقش کف پا پہ جھکا جاتا ہوں
یہاں تک داغ کھائے ہیں سنے دل پر — کہ سینہ بن گیا رشک گلستاں

شرر

شرر۔ مرزا غیاث الدین مرحوم خلف مرزا قمر الدین شہید نبیرۂ شاہ عالم ثانی ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ غدر سے پہلے کوچہ بلاقی بیگم کے قریب ایک باغیچہ میں رہتے تھے۔ وضعداری میں طاق ملنساری میں شہرۂ آفاق ۴۵ برس کی عمر تھی اور اُستاد ذوق سے تلمذ تھا کہ غدر میں پھانسی لگ گئی۔

دعوے ہے محبت میں جنہیں مہر و وفا کا — وہ تجھسے گلہ خاک کریں جور و جفا کا

پہونچائے اگر خاک میری کوچہ میں اُسکے
احسان نہ بھولوں میں کبھی بادِ صبا کا

تجھے دکھا دوں تماشا میں بیوفائی کا
پہ کیا کروں کہ مجھے منہ ہے آشنائی کا

چشم دریائے خوں ہے یا طوفان
کیا بلا ہے یہ ماجرا نہ کھلا

دل میں تجھے رکھ لیجیے کہ آنکھیں تجھی دیکھیں
تُو ایک ہے تو اور شوق ہی کیا کیا نہیں ہمکو

ہر جفا کو تری وفا کہئے
یہ نہ کہئے تو اور کیا کہئے

شرر ہیں جبہ سا بتخانے میں آج
نظر آتے تھے کل تو با خدا سے

شرر۔ منشی محمد یعقوب علیخاں۔ انکے والد حسن علیخاں نواب احمد علیخاں والئی رامپور کے مصاحبوں میں تھے۔ یہ خود میر احمد علی رسا کے شاگرد اور ۱۲۹۰ھ میں ۳۴ برس کے تھے اور رامپور میں موجود تھے۔

عاشق کی بعد مرگ بھی مٹی خراب ہے
پروانہ کو نصیب نہ گور و کفن ہوا

نہ آؤ مگر کہہ تو دو آئیں گے
اسی دھیان میں کٹ جائیگی رات

شرر۔ صاحبزادہ محمد بشیر علیخاں صاحب شرر۔ عزیز والئی ٹونک۔ پہلے سید اصغر علی آبرو سے تلمذ تھا پھر منشی سلیمان خاں اسد سے استفادہ کیا۔ ۲۵-۲۶ سال کی عمر ہے۔ ناظم علاقہ سرونج متعلق ریاست ٹونک۔ بڑے خوش رو۔ وجیہ نوجوان ہیں طبیعت رسا اور فکر صائب ہے۔ ذی علم اور منکسر مزاج ہیں۔ یہ انکا کلام ہے ؎

صہبائے جوانی ہے۔ نرالا ہے سرور اسکا
کہ ایسے بیٹے مست ہوئے زاہد و عالم ہو

شرر تم حال دل اپنا عبث ہم سے چھپاتے ہو
تمہاری طرز کہتی ہے کسی پر مبتلا تم ہو

چپ چاپ ہے دل اسطرح کہ گویا کہ زباں مجھ میں نہیں
بت تجھ کو کسی خموشی نے بیمار کیا ہے

آج پھانسیگا کوئی بلبل شیدا کو ضرور
دام صیاد نے پھولوں میں چھپا رکھا ہے

بدگمانی مری دنیا سے نرالی ہے شرر
حال اپنا دل [illegible]

شرر۔ محمد مرتضیٰ علی صاحب کاکوروی نائب تحصیلدار شاہ آباد ضلع ہردوئی شاگرد فصیح الملک حضرت داغ دہلوی آپ قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ کے [illegible]

اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ آپنے ۱۸۸۰ء میں فیض آباد کالجیٹ اسکول سے انٹرنس پاس کیا اور وہیں کتاب ارمغان اودہ تصنیف فرمائی تعلیم حاصل کرنیکے بعد آپ سرکاری ملازمت میں داخل ہوگئے۔ عرصہ تک اضلاع اودہ میں نائب تحصیلداری کرتے رہے پھر ملیح آباد۔ شاہ آباد مقامات پر تحصیلداری کے فرائض ادا کئے صیغہ آبکاری میں بھی کچھ دن رہے۔ سہارنپور۔ دہرہ دون مرادآباد وغیرہ مقامات میں بھی برسرکار رہ چکے ہیں ۱۸۸۸ء میں جب آپنے اُستاد کو اصلاح کے واسطے کلام بھیجا تو انہوں نے رنگ طبیعت کو دیکھکر شرر تخلص قرار دیا۔ آپکی تصنیفات و تالیفات میں سے مضامین ایڈیشن۔ مثنوی ارمغان احباب۔ ارمغان اودہ۔ شام شملہ صبح وصل سیر ہمالیہ۔ یادگار شرر نظمیں شایع ہوچکی ہیں نیچرل نظموں کے کہنے میں خاصے مشاق تھے۔ رفتار زمانہ سے بخوبی واقف تھے شعرائے انگلستان کے خیالات کو اردو زبان میں ادا کرنیکی قابلیت رکھتے تھے اور یادگار شرر سے آپکے حسن لیاقت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

ہندوستان میں نیچرل شاعروں کا خاصہ مجمع ہے اور ملک میں ایسے باکمال پیدا ہوتے جاتے ہیں جو شعر کو فلسفیانہ نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں اور اُسکی سادگی کو زندہ جادو مانتے ہیں مگر شرر نے تھوڑی سی عمر میں جو زبان اور ملک کی خدمت فرمائی وہ ایسی نہیں جو ادبی دنیا کے دل سے فراموش ہوجائے۔ اصلی نیچرل شاعر وہی ہوسکتا ہے جو پہلے ایشیائی شاعری میں اچھا ملکہ پیدا کرے اور اُسکے بعد ادہر توجہ کرے جو لوگ قدیم شاعری سے متنفر ہوکر جدید خیالات کی جولانگاہ میں قدم رکھنا چاہتے ہیں اُنکی بندشیں بھونڈی ہوتی ہیں خودساختہ الفاظ کے ذریعہ سے نظم کو بدمزہ اور پھیکا بنا دیتے ہیں۔ شرر نیچرل نظموں میں بھی واقع کے ادائے بیان کا لحاظ رکھتے تھے۔ وہ قدرت کی خوبصورتی اور انسان کے اندرونی جذبات کے ادا کرنے میں نہ استعارات کی خار دار جھاڑیوں میں اپنے دامن کو پھنساتے تھے اور نہ غامیانہ تشبیہات کی جانب رُخ کرتے تھے اور نہ اُلجھی ہوئی ترکیبوں کو استعمال کرتے تھے بلکہ اُنکی سادہ بیانی میں اثر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ غزل قصیدہ نظم جو کچھ کہتے۔ اسمیں وہ دوازکار مبالغہ اور شوکت الفاظ کے بجائے نیچر کے حقیقی مرقع کو پیش نگاہ رکھتے

انکی نظم بابسی ہار کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے اور اُنکے اکثر اشعار زبان زد خاص و عام ہیں
انکی غزل کا شعر یہ ہے ؎

وہ ہوجانا دلوں کا نیم بسمل　　وہ اُٹھ جانا نگاہِ شرمگیں کا

نگاہ شرمگیں کا اُٹھنا - دل کا نیم بسمل اور بیقرار ہوجانا معمولی بات ہے اور اس مضمون پر مختلف شعرا اپنے کرشمۂ خیال کی طاقت دکھا چکے ہیں - الفاظ بھی عامیانہ ہیں مگر " وہ " کے اشارے نے شعر میں جان ڈالدی ہے اور ایک سیدھی سی ادائے معشوقانہ کو گرمی ہنگامہ بنا دیا ہے - لفظ (وہ) گذشتہ نظر بازیوں کی یاد کو دلوں میں تازہ کردیتا ہے اور سامع پر عجب کیفیت طاری ہوجاتی ہے اسی طرح شررؔ کے اکثر اشعار میں بھی میٹھی چھریاں موجود ہیں جو دلوں کے زخموں کو چھیڑتی رہتی ہیں - انہوں نے عین عالم شباب میں اپنی موت کی خیگاری سے دوستوں کا دل جلایا مگر منشی مظفر حسین خاں شاہ آبادی نے انکے اوراق پریشاں کو جمع کرکے سوختہ دلوں کے لئے مرہم کا کام کیا - انتخاب یہ ہے

عجب تھا حال شب کو اُس حسیں کا　　اُڑا تھا رنگ روئے آتشیں کا
غبارِ خاکِ عاشق ہو نہ برباد　　بنے پردہ کسی محمل نشیں کا
جگر میں ہے جلن تو دلمیں سوزش　　اثر ہے ہمنشیں پر ہمنشیں کا
شررؔ کو کھو دیا دونوں جہاں سے　　نہ رکھا ہائے دل تو نے کہیں کا
جو رنج دیتے ہیں اللہ انکو خوش رکھے　　ہم اپنے منہ سے کسیکی کریں بُرائی کیا
نہیں آتا یقیں وعدوں کا مجھکو　　ملا ہے رنگ کچھ ہاں میں نہیں کا
چلے بدنام ہو نے حضرتِ دل　　ہُوا دیکھو ارادہ پھر وہیں کا
بُرا کون کہتا ہے تجھکو محبت　　مگر تیرا انجام اچھا نہ دیکھا
ستم کر گئیں تیری نیچی نگاہیں　　کہ دیکھا تو اس طرح گویا نہ دیکھا
سُنا مر گئے اُن پہ اغیار لاکھوں　　نکلتے جنازہ کسیکا نہ دیکھا
یہ کیا موقعہ ہے آنیکا ہم آغوشی ہے خلوت ہے　　کہو شرم و حیا سے جائیں پردہ ہو نہیں سکتا

یہ حضرت شرر ہیں زمانے کے چالے
پس فنا ہوئے یوں لطف وصل کے حال
یاد پھر اگلی محبت کی ہے یہاں دل میں
یا وہی اپنی خدا کے لئے لیتے جاؤ
میرے مرنے سے ہوا حسن تمہارا مشہور
ہو بات نئی تیرے ہر انداز و ادا میں
کہتے ہیں وہ آنچل کو اُڑا دیتی ہے کمبخت
کچھ شغل جو باقی ہے شرر شغل یہی ہے

آخر لگا ہی لائے اُسے اپنی راہ پر
مزا ہم سے لپٹتا رہا مزار سے ہم
ہر طرف آج قیامت کے ہیں ساماں دل میں
کہ بہت صبر و تحمل ہیں پریشاں دل میں
پھر بھی ہوتی نہیں شرمندۂ احساں دل میں
شوخی بھی مچلتی رہے آغوشِ حیا میں
ہے بات بڑے عیب کی یہ بادِ صبا میں
پی تھوڑی سی اور بیٹھ رہے یادِ خدا میں

شیخ جی میکدے سے نکلے ہیں
فریاد میں اثر دلِ خانہ خراب ہو
چہرہ کا سرخ رنگ عجب دلفریب تھا
نہیں معلوم کسکی یاد میں اک نزاکت سی
ابھی تک انتظارِ یار باقی ہے لئے شاید
نہ گھبرا دلِ زار اب غم کرتے کرتے
نہ آیا ہمیں ہوش اللہ ری غفلت
شرر چلکے دیکھو بتوں کا تماشا
تیرے نقشِ قدم بھی کہتے ہیں
پھرے جاتے ہیں کیوں گھر تک آکر
الٰہی آج دعائیں قبول ہو جائیں
ہم رندِ خرابات ابھی دامنِ تر کو
کہتے ہیں رو کے نقش یہ تنہا ہو خواب میں

کچھ بغل میں دبائے جاتے ہیں
وہ خود دعا کریں کہ شرر کامیاب ہو
اللہ۔ پھر کسی پہ تمہارا عتاب ہو
کلیجہ مل رہی ہے۔ بار بار آہستہ آہستہ
نکلتی ہے لبوں سے جانِ زار آہستہ آہستہ
وہ اب تھک گئے ہیں ستم کرتے کرتے
تھکے وہ دعاؤں کو دم کرتے کرتے
ہوئی دیر سیرِ حرم کرتے کرتے
ہم ہیں چلتے ہوئے زمانے کے
ستم کرتے ہیں وہ کرم کرتے کرتے
مچل رہی ہیں بڑی دیر سے اثر کیلئے
جاتے ہیں سکھلائیں گے جنت کی ہوا سے
ہم بھی تمہارے دل سے فراموش ہو گئے

اچھا نہیں ہے ذکر مے و جام روز کا / واعظ کو دیکھئے کہ وہ مینوش ہو گئے

آج اُن کو منا کے چھوڑیں گے / گدگدا کے ہنسا کے چھوڑیں گے

بزم رنداں میں آئی کیوں تشریف / شیخ تجھکو پلا کے چھوڑیں گے

چار ہونگی نہ وصل میں آنکھیں / آپ پردے حیا کے چھوڑیں گے

ہار

آج جس دم صبح کو مرغ سحر نے دی صدا / آنکھ میری کھل گئی میں اپنے بستر سے اُٹھا

تھا سہانا وقت چلتی تھی نسیم مشکبو / اور ہی کچھ اُس گھڑی تھی باغ عالم کی ہوا

از سرِ نو پڑ گئی تھی عالم فانی میں جان / پھر صدائیں آ رہی تھیں شب کو سناٹا نہ تھا

نیند پوری ہو چکی تھی جمع تھے ہوش و حواس / ہاتھ منہ دھو کر برائے سیر میں گھر سے چلا

تھے ابھی تک میری دل میں خواب شیریں کے خیال / کر رہا تھا غور اُن پر تھا عجب اُنکا مزا

جا رہا تھا میں اسی حالت میں پہونچا اک جگہ / بام کے نیچے جہاں سے آ رہی تھی یہ صدا

تھی عجب آواز دلکش اُٹھ گئی میری نظر / اپنے دل کو تھام کر میں غور سے سننے لگا

ہار کچھ باسی پڑے تھے اِک طرف دیوار پر / با زبانِ حال می کردند ایں مطلب ادا

دیدۂ عبرت سے دیکھیں سب ہمارا حالِ زار / پہلے کیا تھے ہم ہماری قدر کیا تھی اب ہیں کیا

باغباں کی کوششوں سے اور امیدوں کیساتھ / پہلے کلیوں سے ہوئی شاخوں میں اپنی ابتدا

پیارے پیارے خوبصورت خوشنما غنچہ تھے ہم / تھا گماں ہر ایک کو ہم پر دہانِ یار کا

سادگی کے ساتھ سبزی اور سفیدی ہم میں تھی / سبزہ فامی نور آنکھوں کی صباحت دلربا

تھی قیامت سادگی سو شوخیاں جن پر نثار / تھی کلی یا سیم تن دوشیزۂ ناکتخدا

تازگی اُسکی چمک گلگونۂ روئے شباب / دیکھنے والوں کے دل سے پوچھئے اسکا مزا

موسم گل کے سبب سے تھا نمو ہر چیز میں / اس لئے لحظہ بہ لحظہ اپنا قد بڑھتا گیا

دستِ گلچیں خود بخود جنبش میں آئے دیکھکر / یہ ہماری خوشنمائی نے اثر پیدا کیا

مالیوں نے قدر دانوں کے لئے توڑا ہمیں / اپنی شاخوں سے جدا ہونا نہایت شاق تھا

خشک ہو جاتے اگر ہوتا نہ کوئی قدرداں
رشتۂ الفت میں ہم سب اک جگہ گوندھے گئے
حسن۔ خوبی۔ خوشنما ترتیب جب آئی نظر
کھل کھلا کر ہنس پڑیں کلیاں مہک پیدا ہوئی
جن کا غنچہ نام تھا اب انکو گل کہنے لگے
خوشنما پہلے سے تھے جو باس اب پیدا ہوئی
ہو چکے تھے حسن انسانی سے واقف باغ میں
تھا حسینوں تک پہونچنے کا نہایت اشتیاق
مول ہمکو لے لیا اک نوجواں نے دیکھکر
تھا ضرورت سے زیادہ شادیہ رنگیں مزاج
تھا عیاں اسکی نگاہوں سے بلا کا اشتیاق
خانۂ دل محشرِ صد حسرت و صد آرزو
تھا وہ نوشہ پہلی شب کا گھر میں آئی تھی دلہن
ہر طرف جوشِ مسرت ہر جگہ جوشِ طرب
وہ شبِ مہتاب وہ تاروں کی کم کم روشنی
بام تھا خلوت کدہ حسرت نکلنے کی جگہ
جتنی چیزیں تھیں وہاں سب سادہ سادہ صاف صاف
ایک ہلکی سی مسہری اُسپر اک زہرہ جبیں
تھا عرق اسکی جبیں پر شرم سے آنکھیں تھیں بند
اُس پسینہ سے کھلا تھا اور بھی رنگِ شباب
اُف وہ اُسکا حسن اُسکی کمسنی اُسکا شباب

خیر قصہ مختصر اُس نے ہمیں یکجا کیا
لطف یکجائی جو پہلے تھا وہی حاصل رہا
بوسے لینے کو بڑھی کس شوق سے بادِ صبا
کھل کے ہر غنچہ دہانِ یار کی صورت کھلا
ہو گئے وہ تھوڑی ہی مدت میں دیکھو کیا سے کیا
ہو گئے وہ تھوڑی ہی مدت میں دیکھو کیا سے کیا
ہم میں سے نرگس نے دیکھا ہم سے سوسن نے کہا
خوبیٔ تقدیر سے آخر ہمیں موقعہ ملا
عشق اور جوشِ جنوں جسکے گلے کا ہار تھا
کھو رہا تھا صاف ہنسنا بے سبب ہر بار کا
سامنے کیا پیاری امیدوں کا تھا نقشہ کھنچا
حسرتوں کے مضطرب ہونے سے وہ بیچین تھا
وہ عروس مہ لقا تھا حسن خود جس پر فدا
اہتمام جشن ہر سو اور چرچا عیش کا
ہو نہیں سکتی زباں سے اسکی کیفیت ادا
تھی دلہن اسپر عروس مہ جبیں خوشنام تھا
واہ کیسا صاف فرش پرتوِ مہتاب تھا
سرو قامت سیمتن گل پیرہن نازک ادا
شوخیوں سے بھی زیادہ دلربا طرزِ حیا
ایک تو کندن پھر اُس کندن پہ یہ تازہ جلا
دل مسلنے کے لئے جوبن وہ گدرایا ہوا

راستی قامت کی اعضا کا تناسب بے بدل — سُرمگیں آنکھیں لب رنگیں وہ نازک دست و پا

قہر تھی اس حسن پر وہ شرم اسکی خامشی — سحر تھی نیرنگ تھی افسوں تھی اُسکی ہر ادا

اس سمی کو دیکھکر ہر ایک شے بیتاب تھی — لوٹنا بیجا نہ تھا کچھ پرتوِ مہتاب کا

جی میں آتا تھا کہ خود اُڑ کر گلے میں جا پڑیں — لٹتے میں وہ نوجواں جو ہم کو لایا تھا اُٹھا

پہلے دیکھا روئے گلگوں کیطرف پھر شوق سے — لے لئے دو چار بوسے اور ہمیں پہنا دیا

سب سے پہلے ہم ہوئے اُس گلبدن سے ہمکنار — سب سے پہلے ہم نے لوٹا اُسکے جوبن کا مزا

مل گئی بوئے عروسی سے ہماری بھی مہک — منتشر خوشبو ہوئی فردوس کا در کھل گیا

زینتِ آغوش تھے ہم اور سینہ کی بہار — رنگ تھا اپنا کہ سونے پہ سہاگا ہوگیا

ہمکناری کی کشاکش نے کیا کیا کیا ستم — دبگئی پس پس کے ہم پر اور نہ کچھ منہ سے کہا

بھول جائے لاکھ کوئی یاد ہوگا ماہ کو — کیا ہوا برتاؤ ہم سے اور ہم نے کیا کیا

رات بھر ہم سے اُٹھایا لطف جب آئی سحر — اور ہم میں سے ہر اک کُملا گیا ملدل گیا

توڑ کر پھینکا ذرا پروا نکی اس بات کی — یہ گلے کا ہار تھا اسکو جدا ہم نے کیا

وہ تو کہئے خادمہ نے قدر دانی اتنی کی — اپنے جوڑے سے لپٹایا یہ کرم ہم پر کیا

الغرض خوشبو رہی جبتک ہماری قدر تھی — ہم ہیں یا دیوار ہے کوئی نہیں اب پوچھتا

ہائے دیکھے تھوڑی سی مدت میں کیا کیا انقلاب — رنگ ہی تغیر ہے اس عالم ایجاد کا

گر پڑینگے خاک پر مل جائینگے ہم خاک میں
ہونے والا ہی یہی اک دن نتیجہ عشق کا

شرر

شرر ۔ نواب حاجی سید سلطان علیخاں خلف نواب سید قاسم علیخانصاحب لکھنوی ۔ آپ ذی علم اور عالی خاندان تھے ۔ سرکار انگلشیہ کیطرف سے کچھ وثیقہ مقرر تھا ۔ ذکی الطبع ۔ روشن خیال ہونیکے سوا منکسر المزاج اور خلیق تھے ۔ فن شاعری میں دستگاہ کامل تھی ۔ زبان کی لطافت اور بندش کا حسن دونوں مل کر کلام میں مے دو آتشہ کا لطف دیتے ہیں ۔ ٹکسالی محاورات باندھتے

تھے۔ آپ حضرتِ جلال لکھنوی کے عزیز شاگرد تھے۔ باوجود گوشہ نشینی انکے مشاعروں میں حضرتِ جلال خود شریک ہوا کرتے تھے۔ کچھ دن ہوئے کہ انتقال ہوگیا پچاس یا ۵۵ برس کی عمر پائی۔ کلام یہ ہے ؎

پھر خیالِ ستم او بانیِ بیداد آیا — کچھ تو باعث ہے کہ ہیں آج تجھے یاد آیا
نصیب ہوگا نہ دیدارِ گل بھی بلبل کو — لیا اجارہ جو گلچیں نے اب کے گلشن کا
غصہ بھی عنایت بھی لگاوٹ بھی ادا بھی — دل لینے میں تمسا کوئی استاد نہ ہوگا
پسِ فنا بھی نہ کچھ سوزِ عشق کام آیا — چراغ اس سے ہماری لحد کا جل نہ سکا
رنگ لائی ہے مری مہر و وفا میرے بعد — ترک ظالم نے کئے جور و جفا میرے بعد

ذرا پیکاں سے کہدے اپنے قاتل — رہے دل میں ہمارے گھر سمجھکر
مذمت مے کی آگے میکشوں کے — ذرا واعظ سرِ منبر سمجھکر
جھکا پڑتا ہے ساقی دل ہمارا — نشیلی آنکھ کو ساغر سمجھکر

سر پھرا جاتا ہے سن سن کے نصیحت تیری — مجھکو سمجھائیگا اے ناصحِ ناداں کب تک
قفس کے چاک شاید نہ اب صیاد کردیں — کہ مرغانِ قفس جی کھول کر فریاد کرتے ہیں
نہ آئی کوئی ہچکی بھی کبھی صحرائے غربت میں — ہمارے ہم وطن دیکھیں ہمیں کب یاد کرتے ہیں
دل بیتاب سے میرے وہ کہتے ہیں شبِ فرقت — ٹھہر تدبیر تیری ہم بھی اے ناشاد کرتے ہیں
نہ خلوت میں مقام انکا نہ وہ محفل میں رہتے ہیں — خدا جانے کہاں رہتے ہیں کسکے دل میں رہتے ہیں
کبھی چہرہ سے ہو جاتے ہیں ظاہر گاہ آنکھوں سے — نہاں رازِ محبت کب کسی کے دل میں رہتے ہیں
الجھائینگے تجھے ابھی دستِ جنوں بہت — باقی جو چند تار مرے پیرہن کے ہیں
آتی نہیں ہے نیند شبِ ہجر یار میں — آنکھوں کو کیا یہ روگ لگا انتظار میں
کرے جو سینہ کے اندر جگر کے سو ٹکڑے — سوائے تیغِ ادا یہ کسی کا کام نہیں
دیتے ہو کس کو تسلی سینہ پر تم رکھ کے ہاتھ — آنسوؤں میں خون ہو کر بہ گیا اب دل کہاں

یہ کہہ کے اور مرا دل دکھائے دیتے ہیں — کسی سے دل نہ لگانا جتائے دیتے ہیں

ادھر تیر آپ نے جوڑا کماں میں — ادھر تھا مرغ جاں صید آشیاں میں

کچھ اس ادا سے گلے پہ چلا ہے بسمل کے — دعائیں زخم جگر دے رہا ہے خنجر کو

دیکھیے اپنے تماشائی کی حیرت اک نظر — دیکھوں تو پھر دیکھتے ہیں آپ کیونکر آئینہ

شیشہ ساقی کی بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہے — ناز معشوقانہ ہیں ہر اک ادا مستانہ ہے

بعد میرے بزم مے نوشاں میں اُڑتی ہوگی خاک — مجھ خراباتی کے دم سے رونق میخانہ ہے

کہتی ہے ہمت بٹھا دیتی ہے جب منزل میں پا — دو قدم بس اور باقی یار کا کاشانہ ہے

نہ مٹانے سے مٹا بخت کا لکھا اپنے — آستاں پر ترے کی لاکھ جبیں سائی بھی

آنکھ اٹھا کر ترے بیمار نے دیکھا نہ کبھی — حور بنکر سر بالیں جو قضا آئی بھی

تیرے پیکاں نے کیے سینہ میں رہ کر دو کام — کاہش جاں بھی ہوا دل کی توانائی بھی

کیا گلہ ناز و ادا سے جو کیے قتل اُسنے — لب جاں بخش میں ہے اُنکے مسیحائی بھی

اُف ری بیدردی عجب انداز معشوقانہ ہے — درد دل کہتا ہوں میں تم کہتے ہو افسانہ ہے

لگاؤ تیر اک ایسا نجائے جس کی خلش — کوئی تو دل کے بہلنے کا مشغلہ ہو جائے

فرقت میں تیری تڑپے نہ نالہ کرے کوئی — اچھا تو ہی بتا دے کہ پھر کیا کرے کوئی

جب خوں بہا طلب دل خوں گشتہ کا کیا — بولا کہ جا کے حشر میں دعوے کرے کوئی

دعوے یہ کیوں کرے کہ مسیحائے وقت ہوں — بیمار عشق کو جو نہ اچھا کرے کوئی

نہ لائی کچھ خبر اُس بے خبر کی — بڑی غفلت ہے آہ بے اثر کی

حضرت دل نذر دلبر ہو چکے — ہاتھ اپنی جان سے ہم دھو چکے

شمر

شمرؔ۔ صاحبزادہ وجیہ الدین خاں مرحوم۔ از خاندان نواب جاورہ۔ جوان شگفتہ طبع نازک خیال شاعر تھے حسن ظاہری کے سوا خلیق بھی تھے۔ فن شعر میں حضرت داغ دہلوی سے تلمذ تھا۔ افسوس ہے کہ عین عالم شباب میں انتقال کیا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

جان ہے یہ دتی والوں کی خدا رکھے اسے — داغ کے دم سے ہی اب شہرہ جہاں آباد کا
سخت جاں ہوں یہ تقاضا ہی مری فریاد کا — حلق پر رکتا ہوا خنجر چلے جلاد کا
میرے نالہ پہ ہنس رہے ہو یہ کیا — کہیں یہ کارگر نہ ہو جائے
میں نے ناحق وفا کا نام لیا — اب کوئی میرے سر نہ ہو جائے

شرر

شرر۔ سخن سنج صاحب ہنر مولوی علی بخش خانصاحب شرر ولد سلطان بخش مرحوم۔ مولوی اکرام اللہ محشر بدایونی مصنف تاریخ روضۃ الصفا آپکے اجداد میں تھے۔ آپنے اپنی ذکاوت۔ قدرتی ذہانت کی وجہ سے سرکاری ملازمت میں عہدۂ صدر اعلیٰ حاصل کیا۔ پھر پنشنر ہو گئے۔ کچھ دنوں علم جفر۔ رمل نجوم۔ وغیرہ سے بھی شوق رہا۔ پھر اس شغل کو شرع اسلامیہ کے مطابق ناجائز سمجھکر چھوڑ دیا۔ سرسید احمد خاں مرحوم سے دینی عقائد میں اختلاف تھا۔ انکی رد میں بھی کئی کتابیں لکھی ہیں جو اہل مناظرہ اور صاحبان مباحثہ میں مشہور ہیں۔ ایک عاشقانہ دیوان مطبع اسعد الاخبار آگرہ میں شایع ہوا تھا۔ مگر اسکے بعد عشقیہ شعر گوئی سے متنفر ہو گئے۔ دنیاوی جاہ و منزلت و ثروت کے لحاظ سے آپ اپنے خاندان میں مقتدر اور اپنے قصبہ کے اُن اشخاص میں سے تھے جنہوں نے ذاتی ہمت و قابلیت سے عزت اور ناموری حاصل کی ہو۔ ۱۸۸۱ء کے قریب انتقال ہوا۔ متقدمین شعرا کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ مگر کلام لطف سے خالی نہ ہوتا تھا۔ زبان میں صفائی اور سادگی تھی۔ لیکن طبیعت بلند۔ فکر رسا تھی۔ مولوی یعقوب بخش راغب آپکی قابل یادگار ہیں۔ انہوں نے جو کلام روانہ کیا ہے۔ اسکا انتخاب درج ہے

جلوہ ہے لب بام جو اُس رشک پری کا — خورشید یہ عالم ہے چراغ سحری کا
غم کھانے سے دل سیر ہمارا نہیں ہوتا — تھوڑی سی غذا اپنا گذارا نہیں ہوتا
ہم اور رقیبوں کی شب و روز خوشامد — کیا کیا تری خاطر سے گوارا نہیں ہوتا
ہے فکر کہ پھر مشق جفا کس پہ کرینگے — مرنا بھی مرا اُن کو گوارا نہیں ہوتا
لطافت اُسکے بدن میں ہی آئینہ سے سوا — کہ دل کا راز بھی ہے دور سے عیاں ہوتا

پیر مغاں نے مجھکو پلائے ہیں خُم کے خُم
حقیقت کھل گئی جب وہی چُلکی ہیں ہوا خالی
لینے پائے تھے زباں سے نہ ترا نام تمام
نامہ بر جا نہ سکا ختم نہ تقریر ہوئی
عجب نہیں ہے جو عزت پہ اُنکی حرف آئے
خماری انکھڑیاں جھپکیں نہ کیونکر پاس عارض کے
خفا ہیں آدمی بھی اُنکے جب جاتا ہوں کہتے ہیں
تہ ابرو جو دنبالہ ہے اُسکی چشم کیفی میں
کیا ہے خواب و بیداری میں وعدہ کسنے آنے کا
شرر بدمست ہوں منکر نکیر آئے ہیں مرقد میں
قیامت آئے جو مسجد میں وہ قیام کریں
اگرچہ وعدہ کیا زلف و رخ دکھانے کا
غضب ہے ہم تو جلیں شمع ساں کھڑی جھپکو
میکدہ میں بن کے بیٹھا ہے شرر پیر مغاں
مہرباں یار رہے کام کسی سے کیا ہے
ضعف سے پاؤں پہ سر آیا ہے آہ
کیا چھپے آنکھوں سے وہ رُخ اور زلف
گرد اُن آنکھوں کے جو ہیں وہ مژہ
میکدہ کو جو کوئی جائے شرر
لیا تھا بوسہ کبھی اُسکی مست آنکھوں کا
خیالِ خالِ سے آنکھوں میں روشنی آئی

مرشد نے ظرف دیکھ لیا ہے مرید کا
ہمارا زخم دل ہنسنے لگا ظرف نمکداں پر
لب تک آنے بھی نہ پایا کہ ہوا کام تمام
عمر گذری نہ ہوا وصل کا پیغام تمام
نہ پوچھو ہم سے جہاں ہم شرر کو دیکھتے ہیں
قریب صبح اکثر مردم بیمار سوتے ہیں
چلو رخصت ابھی فرصت نہیں سرکار سوتے ہیں
حرم میں پاؤں پھیلائے ہوئے میخوار سوتے ہیں
کہ سو سو بار ہم اٹھتے ہیں سو سو بار سوتے ہیں
وہ اپنا مغز خالی کرتے ہیں اور یار سوتے ہیں
نماز پڑھ لے جو زاہد تو ہم سلام کریں
مگر یہ دیکھئے کب تک وہ صبح و شام کریں
رقیب آپکی محفل کا انتظام کریں
جائے مسجد میں ابھی تو پارسا معلوم ہو
اے حضرت شرر ناصح کو خفا ہونے دو
ہو گئے نالوں سے ہم اپنے تباہ
دیکھتا ہے مجھکو یہ روزِ سیاہ
آئی ہے کعبہ کو بھی گھیرے سیاہ
شیخ سے مستی میں وہ پوچھے ہے راہ
تمام عمر اسی کار ہا شمر در سے مجھے
ہوا ہے یار کا تل پتلیوں کا نور مجھے

غیر ممکن ہے کہ اُس بت سے جدائی ہوجائے | اسمیں گو ہم سے خفا ساری خدائی ہوجائے
اُلجھ پڑے ہیں جو زاہد شراب خواروں سے | ہوئی ہے کیا حرکت ان بزرگواروں سے
ہوتے ہیں ناحق وہ خفا دیکھئے | دیکھا ہے کب ہم نے بھلا دیکھئے
ساقی تو بھر دے میرے پیالے کو تنگ سے | گھری چھٹے گی آج کسی سبزہ رنگ سے
ہمارے دل میں ہے داغِ آتشیں بھی ضرور | چراغ چاہئے اک خانۂ خدا کے لئے
ہے غضب غیر نہیں میرے دلِ سوزاں پر | گھر کسی کا جلے اور دیکھے تماشا کوئی

شرر

شرر۔ منشی محمد ایوب شرر دہلوی تلمیذ راسخ دہلوی زبان میں شیرینی اور کلام میں شوخی و رنگینی ہے۔ چند اشعار انکے درج ذیل ہیں ؎

لے عدو کو جو قاتل میں اگر جائے گا | کانپ اٹھیگا دل جائے گا مر جائے گا
چھپایا میری نظروں نے کسی کے روئے روشن کو | الٰہی آتشِ حسنِ بتاں لگ جائے چلمن کو
ہمارے دل میں کیا ممکن خیالِ غیر آجائے | غضب ہے انجمن میں آپکی ہو دخل دشمن کو
چرخ نے پھینکا سنبھالا یار نے | صدقے ایسی گردشِ ایام کے
کٹیں گے کسطرح پر زیست کے دن سخت مشکل ہے | نہ تیری تیغ ملتی ہے نہ تو بسمل سے ملتا ہے
یہ ہوس ہی نہ تمنا ہے نہ ارماں ہے مجھے | مری تربت ترے قدموں تری ٹھوکر میں رہے
تم سے تو وضعدار تمہارا خیال ہے | اس بیکسی میں ساتھ نچھوڑا کمال ہے
ابھی آئے ہو ذرا ٹھہرو چلے بھی جانا | ہر گھڑی تم کو تو جانیکی پڑی رہتی ہے

شرر

شرر۔ جناب منشی عزیز احمد خانصاحب عرف پھول خاں صاحب شرر خلف منشی گلاب خانصاحب متوطن ریاست چرکھاری ملک بندیل کھنڈ۔ پہلے احقر تخلص تھا اب کچھ عرصہ سے شرر ہی۔ ریاست چرکھاری کے شعرا میں پرگو اور مشاق سمجھے جاتے ہیں۔ غزل پڑھنے کا انداز نہایت دلکش ہے۔ مولانا سید نذیر حسن فتنہ سے تلمذ ہے۔ کلام میں سلاست و متانت کیساتھ زبان بھی موجود ہے۔ تعقیدات اور حشو سے اجتناب کرتے ہیں۔ منتخب کلام

صاف اور اچھا ہوتا ہے۔ بارہ پندرہ برس سے شعر کہتے ہیں۔ فی الحال ریکارڈ ہاؤس جرکھاری میں کلرک ہیں۔ کلام یہ ہے

ہو گیا ہے اُس پری پیکر سے یارانہ مرا
دل کا دیوانہ ہوں پیارا ور دل ہے دیوانہ مرا

مجھسا محروم ازل ہوگا نہ کوئی دردمند
مدتوں روئے فلک سُن لے جو افسانہ مرا

شمع ساں جلتا ہے داغ ہجر جاناں کا چراغ
اس سیہ بختی میں بھی روشن ہے کاشانہ مرا

عشق میں خانہ خرابی گریوں ہی بڑہتی گئی
قیس و لیلےٰ سے بھی بڑہ جائیگا افسانہ مرا

لینا ہے گر تو لے بھی لے باغ سخن کے پھول
گلچیں کو پھر ملیں گے نہ میرے چمن کے پھول

اِک گلبدن کے عشق میں مرکر بھی ہے بہار
اوپر کفن کے ہار ہیں اندر کفن کے پھول

صحن چمن میں پڑہتی جو ہیں بلبلیں درود
ہیں آج کس شہید غریب الوطن کے پھول

زخم جگر رہے ہیں ہمیشہ ہرے بھرے
کملائے آج تک نہ ہمارے چمن کے پھول

بتوں کی بیوفائی نے یہاں تک پانوں پھیلائے
نہیں ثابت قدم رکھا کسی کے عہد و پیماں کو

پہلی دشت میں جب دم مجھے وحشت میری
پانوں پڑنے لگی زنجیر کے قسمت میری

اُس نے جب پیار سے چھیڑا ہے عدو کو سر بزم
پھوٹ کر روئی ہے ناکامی قسمت میری

جب کہیں ساغر ملا ہاتھوں سے گر کر چور تھا
ہر جگہ ناکام کیا پھوٹی ہوئی تقدیر نے

زندگی و مرگ اب احقرؔ اسی کے ہاتھ ہے
کوئے قاتل تک تو لا پہنچا دیا تقدیر نے

شعر ر۔ جناب منشی عبد الکریم صاحب پھلپوری الہ آبادی شاگرد جناب امیر مینائی۔ صاف اور سیدھا شعر کہتے ہیں۔ بناوٹ اور تصنع کا نام نہیں۔ اچھی طبیعت ہے

تو حُسن میں خوبی میں کہیں اُس سے سوا ہے
دیکھا ہے تجھے حضرت یوسف کو سُنا ہے

اس ابر میں پرہیز تجھے مے سے ہے زاہد
پی لے ارے کمبخت کہ اِسمیں میں روا ہے

کچھ دوست سے امید نہ اندیشۂ دشمن
ہوگا وہی جو کچھ مری قسمت میں لکھا ہے

شعر ر۔ جناب منشی سید عبد العلیم صاحب ۱۸۷۰ء میں شہر ترچناپلی احاطہ مدراس میں پیدا

ہوئے آجکل چکل گوڑا سکندرآباد میں رہتے ہیں۔ آپکے والد بزرگوار ۳۸ رجمنٹ مدرسہ میں مدرس تھے۔ ۲۰ برس کی عمر میں شعرگوئی کی جانب راغب ہوئے۔ ابتدا میں مولانا تسنیم مدراسی کو اپنا کلام دکھایا پھر ترکی صاحب کی وساطت سے حضرت ظہیر دہلوی مرحوم کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوگئے اور اب انکے ارشد تلامذہ سید نادر علی برتر کو اپنا کلام دکھاتے ہیں غزلیات کا انتخاب یہ ہے

آئینہ کی طرح صورت آشنا ہی ہر کہیں
یہ بدگمانیٔ الفت بھی کیا بری شئے ہے
کرم سے ہو کسی بدنصیب کو کیا فیض

اللہ ری شوخی جوانی
شوخی نے کیا جو انکو بے باک
وہ کوسنے دے کے مجھے دلے

صیاد کیوں خفا ہے ابھی سے ہزار پر
وہ مستِ ناز مستِ نشۂ حسن و جوانی ہو
یہ کس سیہ چشم کی قسمت جگائی رات بھر تو نے
نہ دو چھینٹے نہ دو کوثر کے مجھکو حضرت واعظ
تمنا لیکے جاتے ہیں نہ حسرت لیکے جاتے ہیں
بنا ہے یہ تحیرگاہ عالم آئینہ کس کا
تصدق میں اس تیری وریادلی کے
مری آہ پر چیخ اٹھتا ہے کوئی
کا ہشوں پر بھی ترقی ہو ہجوم و یاس کی
انہیں شوخی ہے پھر مشق جفا کی

ہر دل صافی میں جلوہ ہے جمال یار کا
جو بے حجاب ہوئے تم مجھے حجاب ہوا
شرر نہ آب سے پر کاسۂ حباب ہوا

چلتا نہیں زور کچھ حیا کا
منہ تکنے لگی حیا خنا کا
اب ہوگا اثر تری دعا کا

نکلے قفس میں ہیں ابھی دو تین چار پر
نظر آتی نہیں توبہ کی خیر اب پینے والوں میں
یہ کیسے نیل کے دھبے پڑے ہیں گورے گالوں میں
خبر بھی ہے تمہیں ڈوبا ہوا ہوں کن خیالوں میں
فقط اپنے سینے میں اپنے داغِ فرقت لیکے جاتے ہیں
جو دل دینے کو آئے تھے وہ حسرت لیکے جاتے ہیں
یہ تھوڑی سی کیوں ساقیا مل رہی ہے
کہ یا رب اثر سے دعا مل رہی ہے
رنج و غم دل میرا امیدوں سے سوا ہونے لگے
کس نے میرے جینے کی دعا کی

شرر

شرر۔ مولوی رضی احمد صدیقی خلف مولوی رفیع احمد صاحب عالی وکیل بدایوں ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۱ء سے پولیس کے صیغہ میں ملازم ہو گئے۔ قیام شاہجہانپور میں شاعری کا شوق ہوا مگر اصلاح کسی سے نہیں لی مذاق سلیم خود رہبر ہو گیا۔ اب ضلع اناؤ اودھ میں کورٹ انسپکٹر ہیں۔ خندہ رو۔ خوش سلیقہ ہیں۔ معاملات میں سوجھ بوجھ اچھی ہے اور فن سراغ رسانی میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت ہے۔ شعر پُرلطف اور بامزہ کہتے ہیں۔ کلام میں صفائی زبان کا خیال رکھتے ہیں اور مضامین بھی دلستاں ہیں اور بندشیں شستہ اور دلنشیں ہیں۔ جو غزلیات راقم تذکرہ کو ہنگام نظر ثانی تذکرہ بھیجیں اُنکا انتخاب ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کش ہے

وہ وعدہ ہائے امید آفریں قیامت ہیں / خوشی تو کیسی غم جاوداں نہیں ملتا
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں عہدِ عیش ماضی کو / وہ دن وہ وقت وہ رت وہ سماں نہیں ملتا
صبر آزما جو حوصلۂ ضبطِ راز تھا / پیغامِ مرگ ہر نفسِ جاں گداز تھا
کعبہ کی قیدِ وسعتِ مشرب نے توڑ دی / ہر ذرہ سجدہ گاہِ جبینِ نیاز تھا
دیوانگیِ عشق نے ڈھانکے تمام عیب / دامن کا چاک پردۂ اخفائے راز تھا
تھا ذرہ ذرہ مرکزِ جذبِ نگاہِ شوق / کیا دلفریب نقشِ طلسمِ مجاز تھا
یہ پردہ شوخیِ برقِ تجلی کا غنیمت ہے / رہے گا ہوش پھر کسکو اگر تو بے نقاب آیا
جلوہ دکھا دو حسنِ حقیقت طراز کا / کب تک رہے گا پردہ طلسمِ مجاز کا
رہتا نہیں ہے عشق میں فرق امتیاز کا / محمود بندہ ہے خمِ زلفِ ایاز کا
بزمِ حسن و عشق کا نقشہ بدل کر رہ گیا / شمع بجھکر رہ گئی پروانہ جل کر رہ گیا
نابلدِ منزل سے حسرت پانوں غلبۂ شوق کا / دو قدم میں ساتھ ہر رہرو کی چل کر رہ گیا
کون ہے زنداں میں اب آزاد کرتی ہو جسے / ایک ڈھانچہ ہڈیوں کا تھا کہ گل کر رہ گیا
عروجِ شانِ عاشق ہے ذلیل و خوار ہو جانا / محبت کیا ہے پابندِ رضائے یار ہو جانا

دمِ عرضِ تمنا اے نگاہِ شوق کام آنا
زبانِ التجا بنا لبِ گفتار ہو جانا

فلک سے انتقامِ کج ادائی آج لینا ہے
ذرا دم بھر کو سیدھی اے نگاہِ یار ہو جانا

یہ کیا ہے سامنے سے آئینہ دم بھر نہیں ہٹتا
کہیں خود ہی نہ محوِ جلوۂ رخسار ہو جانا

بے کہے شمع صفت سوزِ دروں ظاہر ہے
کام دیتی ہے خموشی مری گویائی کا

یادِ جاناں ہے رضی انجمن افروزِ خیال
بزمِ فردوس ہے گوشہ مری تنہائی کا

موت ہے نشۂ ہستی کا سوا ہو جانا
زندگی کیا ہے محبت میں فنا ہو جانا

شعلۂ طور کو ہے جلوہ فروشی کی ہوس
چاہتا ہے ترا نقشِ کفِ پا ہو جانا

بزمِ دشمن سے تم اور رات کو اٹھکر آتے
وقت کی بات تھی نالہ کا رسا ہو جانا

وجہ جمعیتِ خاطر ہے پریشاں ہونا
سر و ساماں ہی مرا بے سر و ساماں ہونا

سخت جاں ہوں میں چھری کند ہے قاتل نازک
سخت مشکل مری مشکل کا ہے آساں ہونا

سیدھی بھی کی نگاہ تو بسمل بنا دیا
آنکھوں نے اور بھی تمہیں قاتل بنا دیا

تیغ کھنچنے بھی نہ پائی تھی کہ بسمل ہو گیا
میں شہیدِ خنجرِ اندازِ قاتل ہو گیا

تم کو تو شوخیوں سے نہیں ایک جا قرار
کس پر پڑے گا صبر دلِ بے قرار کا

آتا ہے وہم رات کو جاگے نہ ہو کہیں
کچھ چشمِ شرمگیں میں اثر ہے خمار کا

ذرہ ذرہ میں فروغِ جلوۂ جانانہ تھا
دیدۂ حق بیں میں یکساں کعبہ و بتخانہ تھا

شرحِ رازِ دردِ دل تھی حالتِ ہنگامِ نزع
اک نگاہِ حسرت آگیں میں تمام افسانہ تھا

قید کیا دیر و حرم کی مشربِ عشاق میں
جس جگہ تھی شمع گرمِ سوختن پروانہ تھا

مجھے طرزِ ادائے شوخیِ قاتل پسند آیا
کہ اسکو شیوۂ بیتابیِ بسمل پسند آیا

قطع تقریبِ عیادت کی بھی امید ہوئی
ہو گیا اور بھی بیمار میں اچھا ہو کر

کچھ دمِ سرد ہے کچھ نالے ہیں کچھ آہیں ہیں
ہیں غرض ایسے ہی ٹکڑے مرے افسانے میں

اختلافِ نظرِ شیخ و برہمن کا ہے فرق
ورنہ کعبہ میں جو ہے وہ ہی ہے بتخانے میں

نہ چھٹکا شمع کے گرد آکے چھوٹے سی بھی پروانہ
اُسے بھی وہ ہو یا ر و روکے ماتم کے بہانے سے

امید و آرزو شوق و تمنا حسرت و ارماں
تمہیں جو جان کہا مدعی نے کیا سمجھے؟

مری تسلی کو پیغام بر نہ کہتا ہو
دل جو ابرو میں ہیں وہ خنجر براں میں نہیں

صبر کی ہوتی ہے عاشق کو شب غم تاکید
ٹھہرنا آنکھ مشکل ہے فروغ حسن کے باعث

سنا کرتے ہیں آئیگی قیامت آ نہیں سکتی
دل ترے صدقے کہ ایجان مرا ولدار ہو تو

کوئی نیرنگ محبت کا تماشا دیکھے
کچھ دیر نہیں لگتی نظر پھیرتے تم کو

ہم حشر میں خوش ہیں کہ وفا ہوتا ہے وعدہ
گالیاں لب پہ وہ ہم ذبح ہوں تکبیر کیساتھ

جی بہلنے کی شب ہجر یہی صورت ہے
ذرہ ذرہ کو ترے جلوہ کا مظہر پایا

بدلہ دنیا ہی میں لے لیتا ہے عشرت کا فلک
اے عدو لطف ہو دو دن کو اگر مل جائے

صلائے عام ہے صیاد و برق و صرصر کو
قفس تک آئے جو اڑکر چمن سے کچھ تنکے

ہوش گم کر دیئے ایسے تری زیبائی نے
کچھ نہ دیکھا ترے جلوہ کے تماشائی نے

اُٹھایا پردہ رخسار جب سے تم نے محفل میں
ہمارے خون کا دھبا تھا جو دامان قاتل میں

بسی ہے عشق کی دنیا مری اُجڑے ہوئے دل میں
یہ مدعا ہے تمہارا کچھ اعتبار نہیں

وہ اور آئیں یہاں مجھکو اعتبار نہیں
نوک جو تیر مژہ میں ہے وہ پیکاں میں نہیں

آپ اُس بات کو کہتے ہیں جو امکاں میں نہیں
تمہاری بے حجابی کو بھی ہم پردا سمجھتے ہیں

اُسے بھی ہم تمہارا وعدہ فردا سمجھتے ہیں
دل کے ہیں صدقے کہ ہے تیری تمنا دل میں

دل تری زلف میں ہے زلف کا سودا دل میں
قسمت ہو پلٹتے ہیں بدلنے میں ہوا ہو

وہ کہتے ہیں ہم اب بھی مکر جائیں تو کیا ہو
تیز ہاں تیغ زباں بھی رہے شمشیر کیساتھ

رات بھر رہتی ہیں باتیں تری تصویر کیساتھ
ہر ورق میں نظر آئی تری تصویر مجھے

خواب میں خواب کی ملجاتی ہے تعبیر مجھے
میری تقدیر تجھے اور تری تقدیر مجھے

کسطرح ڈال رہا ہوں میں آشیانے کی
نظر میں پھر گئی تصویر آشیانے کی

دیر تک لا کے ملا دی ہے حرم کی سرحد
پرتو مہر جمالِ یار عالم گیر ہے
کچھ تو آتا ہے شبِ غم میرے بستر پر نظر
ہے بقا کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہستی مری
سوزِ دل سے ہر نفس شمع جہاں افروز ہے
اک نگاہِ ناز کی گردش خمار آموز ہے
اُٹھ گیا یہ پردۂ حائل بھی جب میں اُٹھ گیا
دلائے ساقیٔ کوثر میں دل کو جوشِ مستی ہے
نئی ایک ایک دنیا دل کے ہر ذرہ میں بستی ہے
ملا ہے لامکاں کا صحن بھی اسی وسعتِ ہمت
کبھی اے مسکرا کر جانے والے اس طرف ہو جا
سرِ محفل نقاب الٹی ہے کس نے روئے روشن سے
سکونِ ضبط میں پوشیدہ اندازِ فغاں تک ہے
ستم ہے مجھکو تیرا گر کسی کا ناز سے کہنا
غرض کیا دیر سے مجھکو حرم سے مجھکو کیا مطلب
نہ پوچھو جوشِ خونباری اسیرانِ ستم کش کا
اسی سے اوجِ شانِ مرتضیٰ معلوم ہوتا ہے
بجا ہے کوچۂ دشمن میں شب کو تم نہیں آئے
مصیبت میں ہاتھوں دل دیکھ تو میں ہی حضرتِ ناصح
فلک کو یہ سلیقہ ظلم کرنے کا کہاں توبہ
قصہ اتنا تو [illegible] شبِ وصل

تیری خود رفتگیٔ شوق جبیں سائی نے
جتنے آئینے ہیں سب میں ایک ہی تصویر ہے
دیکھ تو اے ضعف میں ہوں یا مری تصویر ہے
بیخودِ ذوقِ فنا ہوں اے خوشا مستی مری
قدر لازم ہے تجھے اے محفلِ ہستی مری
بے نیازِ دورِ ساغر ہے سیہ مستی مری
اک حجابِ جلوۂ محبوب تھی ہستی مری
تصدق جس پہ ہو تقوی وہ مری مے پرستی ہے
یہ دو حرفوں کا مجموعہ کتابِ رازِ ہستی ہے
پئے ذوقِ تماشا گم فضائے بزمِ ہستی ہے
کہ مری قبر دو پھولوں کو مدت سے ترستی ہے
الٰہی آج کیوں برہم نظامِ بزمِ ہستی ہے
مری حد خموشی وسعتِ حسنِ بیاں تک ہے
ذرا ہم بھی تو دیکھیں ضبط کی طاقت کہاں تک ہے
مری معراجِ سجدہ تیری سنگِ آستاں تک ہے
رواں اک سیلِ اشکِ خوں قفس سے آشیاں تک ہے
وہ بندہ ہے نصیری کو خدا معلوم ہوتا ہے
ذرا دیکھو یہ کس کا نقشِ پا معلوم ہوتا ہے
تمہارا کیا ہے تم کو کیوں برا معلوم ہوتا ہے
پسِ پردہ کوئی کافر ادا معلوم ہوتا ہے
نکلے ابرو سے جو بل زلفِ معنبر میں رہے

مسل کر کچھ دمِ گل گشت ابھی چھینکا ہی چکی ہو
کیا آسودۂ ذوقِ تن آسانی نقاہت تو

موج زن دل میں ہے اک جذبۂ ناکام ابھی

تم اٹھا دو جو نقاب اپنے رخِ روشن سے
دیکھی جائیگی سحرِ حشر جو کل گذرے گی

دمِ آخر ہے انہیں دیکھ لوں کچھ کہ سن لوں

اک نوائے دردھی آہنگِ سازِ زندگی
شمع سے سن قصۂ سوز و گدازِ زندگی

حسرتِ جلوۂ عارض نے نہ دی رخصتِ دید

ہوں محوِ ذوق غرقِ فنا بر سبیل سیر
تاب آزما ہے حوصلۂ انتظارِ شوق

دلِ شوق پائے بوسی میں پھر سجدہ ریز ہے
یوسف کو عشق لایا ہے بازارِ مصر میں

ہے پردہ سوزِ چشمِ تماشا فروغِ حسن
سازِ آہنگ شکایت ہوں نہ چھیڑو مجھکو
جان ہی تن سے نکل جائے تو شاید نکلے

زندگی موت سے ہے شرمندۂ احساں ہوکر
موت ہے اپنے لئے مایۂ عمرِ جاوید

حشر میں تاب کسے جلوۂ رخسار کی ہے
کچھ تو ٹوٹا ہے صدا مست جو جھنکار کی ہے

تم ہی کہو کہ دیکھ کے یہ حسنِ دلفریب

وہ کہتے ہیں کہ غنچہ ہی ہیں کہتا ہوں "مرا دل ہے"
جہاں ہم گر گئے تھک کر سمجھتے ہیں کہ منزل ہے

لے ٹھہرنے کا نہ اے جوشِ تپش نام ابھی
خلوتِ خاص بنے جلوہ گہِ عام ابھی

زندگی تلخ نہ کر اے غمِ انجام ابھی
دم لے اے موت کہ ہے مجھکو بہت کام ابھی

بعد مرنے کے ہوا معلوم رازِ زندگی
یہ زبانِ راز میں ہے شرحِ رازِ زندگی

یوں مرے سامنے آیا کہ آیا کوئی
کشتی کو نذرِ موجۂ دریا کئے ہوئے

محوِ فریب وعدہ فردا کئے ہوئے
داغِ جبیں کو نقشِ سویدا کئے ہوئے

ساماں شرحِ خوابِ زلیخا کئے ہوئے
نظارہ کو نقابِ تجلی کئے ہوئے

لب تک آجائے نہ بیداد کا شکوا کوئی
یوں تو نکلی ہے نہ نکلے گی تمنا کوئی

ہو نہ منت کشِ اعجازِ مسیحا کوئی
کون طالب ترا اے آبِ بقا ہوتا ہے

دھوم ہی دھوم فقط وعدۂ دیدار کی ہے
شیشۂ مے تھا کہ توبہ کسی میخوار کی ہے

کوئی اگر کرے نہ تمہیں پیار کیا کرے

صیاد پر شکستہ ہو جو بلبل اسیر
وہ بدنصیب حسرت گلزار کیا کرے

یہ رنگ ابر مست کا ساقی کی اس پہ ضد
توبہ اگر نہ توڑے تو مے خوار کیا کرے

بہاتا آکے چار آنسو لحد پر کون تھا ایسا
مرے مرقد سے روئی ہے لپٹ کر بیکسی مری

اے برق نظر سوز کسے تاب نظارہ
یہ جلوہ نمائی تری پردہ سے سوا ہے

ہے قطع راہ شوق میں اس درجہ بیخودی
یہ بھی خبر نہیں کہ ارادہ کدھر کا ہے

وعدہ کے روز شام سے دونوں ہیں بیقرار
دھڑکا ہے انکو رات کا ہمکو سحر کا ہے

کیا دیکھا دیکھنے کی ہوس دل میں رہ گئی
بجلی سی ایک کوند کے محفل میں رہ گئی

جانا ہی تھا تو ساتھ لئے جاتے اپنی یاد
یہ کیا کہ تم تو چل دئے یہ دل میں رہ گئی

کہتا ہے جان الفت مژگاں میں جا لگی
ناصح کی بات چبھ کے مری دل میں رہ گئی

ہوتیں نہ چھائیاں تو ترے رخ کا تھا جواب
اتنی ہی بس کسر مہ کامل میں رہ گئی

شوخی ہے چشم شعبدہ گر میں بھری ہوئی
ہیں بجلیاں ہر ایک نظر میں بھری ہوئی

پیدا کچھ اشک شوق نے رنگ اثر کیا
نوک مژہ ہے خون جگر میں بھری ہوئی

مثل حباب بیخود ذوق فنا ہوں میں
کس کی ہوائے شوق ہے سر میں بھری ہوئی

کچھ تتلیاں کہ فاختہ خواں ہیں بہار میں
ہیں دامن نسیم سحر میں بھری ہوئی

کاہیدہ لاغری نے کیا مثل خس مجھے
طوفان ہے تموج باد نفس مجھے

ہے غم میں خضر راہ عدم ہر نفس مجھے
بانگ شکست شیشۂ دل ہے جرس مجھے

(مطلع)

شکر ہے قصۂ غم خواب فراموش ہوا
کم جوانی کا خمار ہے سرخوش ہوا

بیخودی دور ہوئی آنکھ کھلی ہوش ہوا
حرف ارباب نصیحت گہر گوش ہوا

خضر توفیق نے کی راہ نمائی میری
ہو گئی کوچۂ گیسو سے رہائی میری

اب نہ بیہودہ مشاغل ہیں نہ وہ باتیں ہیں
نہ وہ چھپ چھپ کے حسینوں سے ملاقاتیں ہیں

رُوسیاہی کے نہ وہ دن ہیں نہ وہ باتیں ہیں　　اپنے اللہ سے ہر وقت مُناجاتیں ہیں

رہ نما جذبۂ توفیق خداداد ہے اب
حلقۂ شرع ہے اور گردن آزاد ہے اب

اب وہ وحشت نہ رہی سر میں وہ سودا نہ رہا　　جاں ستانِ سوزِ غم حوصلہ فرسا نہ رہا
قاضی و محتسب شہر سے جھگڑا نہ رہا　　دامن آلودۂ مئے جامۂ تقوےٰ نہ رہا

آسرا کوئی بجز لطفِ خداوند نہ تھا
خیر گذری کہ درِ توبہ ابھی بند نہ تھا

شرر شرر۔ ناظمِ باکمال ناثرِ عدیم المثال منشی کندن لال صاحب ناظر عدالت سکرواری ریاست گوالیار۔ سہارنپور کے باشندے اور گوالیار میں ملازم تھے نظم کے علاوہ ہر قسم کی نثر لکھنے پر قادر تھے۔ ہندوستان کے اخبارات و رسائل میں آپکے مضامین نکلتے رہے ہیں منشی نبلوری لال شعلہ کے عزیز اور اُنہیں کے شاگرد تھے۔ مولانا راسخ دہلوی کے یارِ صادق اور اُنکے ظریف اخبار کے قلمی معاون تھے۔ صرف موزوں طبع شاعر نہ تھے بلکہ مشاہیر میں انکا شمار تھا مضامین لطیف اخلاق آموز۔ زبان صاف اور برجستہ تراکیب و تشبیہ اور اسلوب بیان قابل تعریف تھا شیریں زبانی کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔ افسوس کہ جوانی میں انتقال کیا۔

قطعہ

شیخ دیوانہ ہے جنت کی سُنی باتوں پر
ہائے گھبرا کے کس انداز سے آپہنچا قتل
خموشی خوبیِ غنچہ دہن سے
نقاب روئے رعنائے سخن ہے

مر ہی جائیگا اگر کوچۂ جاناں دیکھا
کبھی خنجر نظر کی کبھی داماں دیکھا
سخن آموز چشم سحر فن ہے
وفورِ شوق اہل انجمن ہے

زبانِ حال کی تقریر ہے تُو
کہوں کیا بولتی تصویر ہے تُو

نرالی تو نرالے تیرے انداز　　ادا ہر اک بجائے خود ہے آواز

ستم ہے داد کیونکر پائیں جانباز — کہ محشر میں بھی چپ ہیں صاحب ناز

لب پان خوردہ کی دمساز ہے تو
شریک قاتل طناز ہے تو

متانت بنکے ہے توقیر میں تو — معین رائے ہے تدبیر میں تو
نہاں ہے عالم تسطیر میں تو — مضامین بنکے ہے تحریر میں تو

جھکے آنکھوں میں تجکو دے رہے ہیں
مزے ہم دل ہی دل میں لے رہے ہیں

دلہن آئی مسرت کے نشاں ہیں — ادھر گھیرے ہوئے ہم جولیاں ہیں
دلہن کچھ بولے اس پر ہم زباں ہیں — ترے جلوے وہاں بھی دلستاں ہیں

عروس نو کا جھومر بنگئی تو
حیا کا اور زیور بنگئی تو

کہا اک روز امید وفا پر — کہاں تک یہ جفائیں لے ستمگر
لگی چپ شکوۂ بیداد سنکر — نہ ہوں ہاں ہی بنے بیٹھے ہیں پتھر

یہاں بیتابئ دل صد زباں ہے
وہاں اک خامشی قفل دہاں ہے

یوں ہی جل بجھتی ہے شمع منور — کبھی لائی نہ سوز دل زباں پر
بصد غم خاک پروانہ یہ شب بھر — سرشک افشاں رہی با دیدۂ تر

نہ اُف کی تا دم آخر زباں سے
گئی خاموش بیچاری زباں سے

برشگال

آتے ہی جہاں میں فصل برسات — جی اُٹھے زمیں کے سب نباتات
دم بھر میں فلک بدل گیا طور — کچھ اور ہے ابھی تھا کچھ اور

چلنے لگیں دل کشا ہوائیں
اُٹھنے لگیں جھوم کر گھٹائیں

دلچسپ ہیں رنگ بدلیوں کے
مستانہ ہیں ڈھنگ بدلیوں کے

امنڈے ہیں عجیب بیچ کے بادل
برسے وہ گرج گرج کے بادل

شاداب نہال و نخل و اشجار
پُر آب تمام حوض و انہار

ہر ایک حباب نقشِ تسخیر
موجوں میں نظر ہے پائے زنجیر

باغوں میں گڑے ہوئے ہنڈولے
آموں میں پڑے ہوئے ہیں جھولے

تانیں وہ ملار کی فسوں ساز
دلکش وہ صدائے نغمہ ساز

رخنہ گرِ دل نوائے نے ہے
غارت گرِ صد شکیب سنے ہے

کوئل کی صدا پپیہوں کا شور
پر کھول کے ناچتے ہوئے مور

بیخود نہ ہوں کیوں بہار میں دل
رہ سکتا ہے اختیار میں دل

کہسار میں آبشار کے لطف
سرچشمہ و جوئبار کے لطف

دریا کا چڑھاؤ زور کے ساتھ
پانی کا بہاؤ شور کے ساتھ

ہر سین پہ شیفتہ مرا دل
قدرت پہ فریفتہ مرا دل

برسات کے ہیں نرالے ایام
طرفہ ہے سحر عجیب ہے شام

بیتیں

زمینِ ہند بیشک تو کبھی جنت نشاں ہو گی
تری ہستی جہاں میں انتخابِ دو جہاں ہو گی

ترا ہر کوچہ گلشن ہر گلی رشکِ جناں ہو گی
بجا ہے حسنِ تمکیں میں جوابِ آسماں ہو گی

شرف حاصل تھا تیرے آدمیوں کو فرشتوں پر
گُلِ خنداں ترے دامن میں ہنستے تھے بہشتوں پر

یہ مانا عالمِ امکاں کی ہستی اک مشیت تھی
خصوصاً ہند کی خلقت نمودِ حسنِ قدرت تھی

بجز اس سرزمیں کے اور کس میں آدمیت تھی
حقیقت جلوہ گر ہندوستاں میں فی الحقیقت تھی

کھلے تھے کچھ یہیں والوں پہ عقدے رازِ عرفاں کے
ہوئے ہیں حل باطن کو نظارے رازِ پنہاں کے

تقدس میں تھا اعلیٰ تر یہاں کا عالمِ نسواں
پتی ورتاؤں کے افسانے سنکر عقل تھی حیراں

زن و شوہر میں تعلق ایسا جیسے ربطِ جسم و جاں — وفاداری میں تھیں ثابت قدم ہست دھرم تھا ایماں
خواتینِ حیا پرور یہ عصمت ناز کرتی تھی — جلالِ پاک دامانی پہ عصمت ناز کرتی تھی
اسی طبقہ میں تھی اک نامور خاتون دمینتی — برار اک قطعہ زرخیز تھی واں کی شہزادی
فروغِ روئے روشن میں ضیا تھی شمعِ قدرت کی — کمالِ صنعتِ صانع کا لاثانی نمونہ تھی
زمیں کو فخر تھا نقشِ قدم کے ہاتھ آنے سے — فلک کو آرزوئے جبہ سائی آستانے سے
روایت ہے کہ دادِ عاشقی دی ہے زلیخا نے — جہاں میں آبروئے عشق رکھ لی قیس و لیلیٰ نے
نظیرِ عشق قائم کی ہے وامق اور عذرا نے — رہیں گے تا قیامت خسرو و شیریں کے افسانے
حدیثِ حسن و عشقِ نل و من افسونِ الفت ہے — سراسر درد آگیں سرگذشتِ رنج و راحت ہے
شناسا حسنِ دلجو کی نہ تھی چشمِ تماشائی — وہ دونوں طالب و مطلوب تھے نادیدہ شیدائی
یہاں بیتابیِ دل واں طبیعت وقفِ ناشکیبائی — دو طرفہ ہم نشیں کی درد افزا چارہ فرمائی
یہاں جو حالتِ دل تھی وہی واں عالمِ دل تھا — بظاہر امتیازِ عاشق و معشوق مشکل تھا
بہت سے تاجور دلدادۂ حسنِ دل آرا تھے — بہت شوریدہ سر سودائے زلفِ چلیپا تھے
بہت یوسف لقا گرویدۂ رشکِ زلیخا تھے — سوئمبر میں بصد شانِ تجمل رونق افزا تھے
بصد انداز دمینتی نے بزمِ رشکِ گلشن میں — حیا سے ڈالدی جے مال* راجہ نل کی گردن میں
وہ آوارہ وطن پھرتا رہا وادیِ غربت میں — بدا تھا چار دن سے آب و دانہ جسکی قسمت میں
ترقی روز افزوں تھی بلائے رنج و آفت میں — شریکِ درد تھی ایک دمینتی رفاقت میں
اٹھائیں سختیاں اس نازنیں نے دشت گردی کی — خوشی کے ساتھ جھیلیں کلفتیں صحرا نوردی کی
بہت سمجھایا دمینتی کو نل نے اس مصیبت میں — نہ دے جاں اپنی اے آرامِ جاں راہِ محبت میں
بسر کر باپ کے گھر رہ کے اطمینان و راحت میں — کبھی مل جائیں گے ملنا اگر لکھا ہے قسمت میں
ستم ہے دشت پیما اس طرح نازوں کے پالے ہوں — قیامت ہے کہ رہ پر خار ہو تلووں میں چھالے ہوں
لگی اک چوٹ سی اس نازنیں کے قلبِ نازک پر — کہا آنکھوں میں آنسو بھر کے نل سے اس وفا پرور

بلائے ہجر جاں فرسا ہے ان آفات سے بڑھ کر * مجھے تکلیفِ صحرا ہے اس آرام سے بہتر ۔ زہے قسمت کہ سیوا کیلئے حاضر ہوں خدمت میں * یہی راحت ہے وہ جو چاہئے دمینتی کی قسمت میں

*نوٹ: مالا جو خوش نصیب امیدوار کے گلے میں ڈالی جاتی ہے

شمر

شمر سخنور سحر نواز منشی احسن میرزا شمر عرف منے مرزا صاحب خلف میرزا سجاد حسین عرف شہزادے مرزا لکھنوی انکے جد اعلیٰ مٹیا پور کے رہنے والے تجارت پیشہ فیروزہ فروش تھے دلی کی بربادی اور تباہی کے بعد یہ خاندان میر انیس کے بزرگوں کی رفاقت میں دلی سے فیض آباد چلا گیا۔ اور وہاں سے میر انیس لکھنؤ گئے تو یہ بھی ساتھ تھے۔ حضرت شمر کے والد گھوڑے پر خوب سوار ہوتے اور مرثیہ خوانی کا بھی ذوق تھا محرم میں مستورات کی مجالس میں ہر روز دو دو تین تین گھنٹے تک مرثیہ پڑھتے وقت آنسوؤں کی لڑیاں بندھی رہتیں مستورات کو غش پر غش آتی رہتے مگر وہ مرثیہ بغیر ختم کئے ہوئے ہاتھ سے نہ رکھتے۔

میرزا شمر نے ابتدائی تعلیم و تربیت پاکر جب ہوش سنبھالا تو منشی گوبند پرشاد صاحب صبا لکھنوی سابق ملازم ریاست رامپور سے فارسی اور علم حساب شروع کیا۔ منشی صاحب کا سن اُس زمانہ میں نوّے سال کا تھا اور فارسی دانوں میں درجہ امتیاز رکھتے تھے اور انکے مکان کے قریب ٹھاکر گنج۔ نواب گنج میں فروکش تھے۔ اسی دوران میں آپنے انگریزی بھی شروع کی تھی لیکن فارسی اور عربی کی طرف میلان خاطر تھا اسلئے اسکو چھوڑ دیا۔ اردو شاعری میں نظم آغا سے تلمذ اختیار کیا۔ منشی گوبند پرشاد صاحب کے فیض صحبت سے آپنے فارسی زبان میں شعر گوئی کا آغاز کیا تھا۔ جناب موصوف کے انتقال فرمانے پر مشہور مصنف خواجہ عزیز الدین عزیز مرحوم کو اپنا کلام دکھایا۔ خواجہ صاحب نے مرثیہ گوئی اور اردو غزل گوئی میں کافی استعداد اور قابلیت دیکھکر یہ رائے دی کہ فارسی کہنا ترک کردو جس کا یہ انجام ہوا کہ دور موجودہ کے عمدہ اردو کہنے والوں میں آپکا شمار ہے۔ انجمن معیار کے معزز اراکین میں گنے جاتے ہیں۔ مجالس محرم میں عرصہ تک جناب نفیس کی پیش خوانی کرتے رہے ہیں۔ رؤسائے عظیم آباد کے ہمراہ بلوچستان۔ افغانستان۔ خراسان۔ طہران وغیرہ کی سیر و سیاحت اور نجف کربلا کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ عظیم آباد۔ ریاست حیدر آباد۔ بنگال۔ بانس بریلی وغیرہ میں ذاکر رہ چکے ہیں۔ نواب بہرام الدولہ بہادر کے یہاں حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کی مجالس محرم میں آنکو شاہی شاعری کے معاملہ میں لکھنؤ اور

دہلی کی طرفداری کو برا جانتے ہیں۔ ایک کتاب "فلسفہ صرف ونحو" کے نام سے تالیف کی ہے جس میں عربی صرف ونحو کے دقیق مسائل کو آسان اور فصیح زبان میں لکھا ہے۔ نثر ونظم دونوں میں دستگاہ ہے۔ آپنے جو تقریظ حصہ اول تذکرہ پر لکھی تھی وہ قابل دید ہے اور حصہ اول کیساتھ چھپ چکی ہے اور اس سے آپکی قدرت نثر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اب ۴۳ برس کی عمر ہے اور کلکتہ میں مقیم ہیں تذکرہ کی نظر ثانی کے وقت مؤلف کو جو حالات وکلام بھیجے اسکا انتخاب نذر ناظرین ہے

ہزاروں طرح زلفیں دوش پر بکھرائی جاتی ہیں
مری آنکھوں نے قدرت سے عجب تعلیم پائی ہے

فریب حسن جس کو عالم اسباب کہتا ہے
سر میں سودا ہے اگر حسن کی رعنائی کا

انتہا حسن کی معلوم اگر ہو جاتی
اے شعر حسن جسے کہتے ہیں ناواقف راز

سجا گیا ہے شہیدوں سے حشر کا میداں
یہ ادائیں کر رہی ہیں کہ شباب آرہا ہے

وہ ستم کی مست آنکھیں کہیں دل نہ چور کردیں
میں تو اسکی بزم سے بہت مضطر اٹھا

اک مجسم نور آیا شب کو میرے سامنے
سانس اکھڑی۔ روح نکلی۔ دل نے چھوڑا سب کا ساتھ

ہمت فروش کب دل فرزانہ ہوگیا
پردے دماغ وچشم کے سب دل کے کام آئے

آفتاب عشق کے پرتو سے غم پایا ہوا
غم کو سمجھینگے خوشی اور بیقراری کو سکوں

تکلف دید نی تھا شام وعدہ میری مہماں کا
ہے دو لفظوں میں مضمر فلسفہ کوہ وبیاباں کا

وہ اک رنگین پردہ ہے ہمارے طاق نسیاں کا
دل کو آئینہ بنا چشم تماشائی کا

تجکو الزام نہ دیتا کبھی یکتائی کا
اک جلسہ ہے حقیقت میں خود آرائی کا

سنا ہے آج وہ سرگرم گفتگو ہوگا
رہے کیوں نہ آئینہ میں اسے انتظار اپنا

ترے واسطے ہے کافی سر پر خمار اپنا
کیا خبر کس نے اٹھایا کب اٹھا کیونکر اٹھا

جب تصور کی حدیں طے کر کے میرا سر اٹھا
بادباں کھولا گیا کشتی چلی لنگر اٹھا

جب فکر حد سے بڑھ گئی دیوانہ ہوگیا
آراستہ مکاں سے جانانہ ہوگیا

دل ہے سینہ میں کہ ہے اک پھول مرجھایا ہوا
اپنے قابو سے کہیں جا ملے ہے دل آیا ہوا

اپنی خلوت کے فدا اپنے تصور کے نثار
سامنے بیٹھا ہے جیسے کوئی شرمایا ہوا

اپنے عاشق کی لحد غصہ سے کیوں ٹھکراؤ تم
سو رہا ہے چین سے برسوں کا دکھ پایا ہوا

اٹھ نہیں سکتے ہیں جن سے اس دل مردہ کے پھول
ہائے یہ کعبہ انہیں ہاتھوں کا ہے ڈھایا ہوا

اس اندھیری میں جسے پنہاں ہوئی لی چھپ کے مہ
میکدہ پر آج ہے ابر سیہ چھایا ہوا

دل کو دکھلا دی ہے کسکی یاد نے اپنی جھلک
کچھ ضرورت سے سوا ہے آج گھبرایا ہوا

مے پرستوں کی طلب میں بھی ہے کیا حسن قبول
جام اٹھا کر جب دعا مانگی سحاب آ ہی گیا

بے ثباتی دہر کی ہر چند چونکاتی رہی
غافلوں کے سر پہ لیکن آفتاب آ ہی گیا

جب اٹھائی آنکھ پردہ بن گئی حد نگاہ
دیکھنا چاہا تجھے جس نے حجاب آ ہی گیا

دل لینے کے انکار میں ہیں لاکھوں ادائیں
شہرہ ہے زمانہ میں ترے حسن طلب کا

دل آتے ہی معذور ہوئے ہوش و خرد بھی
صد حیف برے وقت کوئی کام نہ آیا

دونوں کے دامنوں پہ ہیں بدنامیوں کے داغ
منعم رہا نہ کچھ کف سائل میں رہ گیا

یوں تھم کے دیکھا ناقۂ لیلیٰ کو قیس نے
تار نگاہ پردۂ محمل میں رہ گیا

تغافل کی طرح سے ناامیدی بڑھتی جاتی ہے
سنبھلنا اب ہے مشکل آپکے بیمار ہجراں کا

فریب حسن ہے وہ سمجھتے ہیں سکوں جسکو
برا ہوتا ہے دل کا مضطرب بنکر ٹھہر جانا

یہ کیسی آگ بھڑکی مری آہوں سے فرقت میں
جلا جاتا ہے اب تو سینۂ سوزاں میں دم میرا

اٹھ گئے یہ کہہ کے میرے پاس سے سب چارہ ساز
ہے دوائے انتہائے درد دل پہلوئے دوست

کیا کہوں کیا ہو گیا الٹی جو چہرہ سے نقاب
آنکھ ملنا تھی کہ مجھ پر چل گیا جادوئے دوست

قابل نازش ہے وہ دل ہے جو وقف دوستی
دید کے لائق ہیں وہ آنکھیں جو دیکھیں سوئے دوست

حاصل عمر رواں کیفیت بزم وصال
لذت سرمایۂ عیش و طرب پہلوئے دوست

گردش جام مے گلگوں نظر کی گردشیں
ساغر صہبائے عشرت نرگس جادوئے دوست

سورۂ اخلاص کی تفسیر ہے خال سیاہ
مصحف اسرار اخلاق و محبت روئے دوست

کس طرف جاؤں شرر خاموش ہوں اس سوچ میں
اس طرف کعبہ کا رستہ اس طرف ہے کوئے دوست

چاہیں جتنا غم کہے کو آنکھیں خوں چکاں کریں
ورا رنگیں خونِ دل سے عنوانِ بیاں کریں

بہت مشکل ہوا اک شیشہ بنا تھا آبلہ دل کا
ارادہ تھا کہ محفوظ اسمیں اجزائے فغاں کریں

تماشا ہو کہ بیٹھے ہیں کہ اپنے دو دل کی حالت کو
نہ بند آنکھیں کرو یہ قصۂ حیرت بیاں کریں

ہوئی ہے تنگ دنیا ضبطِ کیفیاتِ باطن سے
اجازت دے ترا جلوہ تو آنکھیں کچھ بیاں کریں

جو نوائے بربطِ صبحِ گلستاں ہمکو بھول جائے
یہ حسرت ہے ترے نغموں کے پردہ میں فغاں کریں

جنھیں ہے دیکھنا انکو شبستانِ محبت میں
وہ مثلِ شمع سوزِ غم سے روشن استخواں کریں

شرر میں کم سخنداں آج کل ور مدعی لاکھوں
مناسب ہے یہی لب بند ہم اپنی زباں کریں

اے فلک گر تجکو اس دل کی خوشی ہے ناپسند
تو اجازت جسکی دے اب ہم وہی ارماں کریں

شمع کی بیچینیوں کو کم سنی کا پاس ہے
وہ جو بالیں سے سرک جائیں بڑا احساں کریں

دنیا بھی ہے عجیب طلسمی قفس کہ یاں
میں قید بھی نہیں ہوں گرفتار بھی نہیں

کیا کہیں ورد محبت کیسا ظالم درد ہے
اور ظاہر ہو جو اس کمبخت کو پنہاں کریں

مختصر یہ ہے کہ دردِ ہجر ایسا درد تھا
عمرِ رفتہ گر ملے تو پھر غمِ ہجراں کریں

بے مزا زیست ہے گر وصل کا ارماں نہیں
جس کے دل میں نہ محبت ہو وہ انساں نہیں

حال پوچھو نہ اسیری کا اب اے ہم نفسو
قید سے چھوٹ کر آیا ہوں مگر جان نہیں

ہو گیا معدوم مجھسا نیم جاں کوئی نہیں
انکے ترکش میں خدنگِ امتحاں کوئی نہیں

اک تماشا گی ہے بے ثباتی شباب
سب جو آئی ہیں جواں ہیں پھر جواں کوئی نہیں

منحصر اسکی خوشی پر زندگانی ہے مری
وہ نہیں راضی تو پھر مہرباں کوئی نہیں

خواب کے عالم میں جب ہر چیز آتی ہے نظر
پھر یہ دعوی کون کرسکتا ہے بیداری نہیں

دل کے خاکستر کو تم کبتک کریدے جاؤگے
سوزِ غم اس راکھ میں ہے کوئی چنگاری نہیں

حیف ہے گر بیوفائی کا لگے الزام و دل
دیکھتا ہوں میں تو خود مجھ میں وفاداری نہیں

جان کو راحت سکوں دل کو غشی طاری نہیں
مری افسردگی ہو نا سحر کا شمع کا بجھنا

اے ضبط گریہ موت کی تدبیر چاہئے
ہجر میں انکو فراہم جو کیا بھی میں نے

ہے جوانی کے ہی عالم میں یہ ہنگامۂ عشق
ہمیں تجھ زندگی پر انکی رشک آتا ہے اے واعظ

سواد چشم سے دیکھے بہت مناظر حسن
انقلاب عیش کی صورت کبھی ایسی نہ تھی

تیرے شیدائی لحد میں ہیں بہت آرام سے
قدم قدم پر گرے کیوں نہ کوئے جاناں میں

کھا رہے ہیں ابھر ابھر کے حباب

دیکھکر شکل مریض غم ہوئے یوں بدحواس
اے شرر نادم ہوا بے حد دل ہمت پسند

کالی کالی یہ گھٹا باعث سودا ہوگی
جس کے باعث ہیں کل ساغر کو ثریا ؤں

جنہیں الفت کے سبب جذب و کشش تھی باہم
صبر لازم ہے غم و رنج و تعب میں تا زیست

مجمع عام میں کرنا جو بڑی بات سے مجھے
نہ سر و پا کی خبر ہے نہ دل و دیں کا ہوش

ہو کے مجبور محبت میں یہ دل کہتا ہے
خلاصہ شرح تمنا کا اس نگاہ میں ہے

آپ جبتلک پاس ہیں کوئی بھی بیماری نہیں
دم رخصت یہ کیفیت بھی دم بھر دیکھتے جاؤ

ان آنسوؤں میں زہر کی تاثیر چاہئے
کبھی ٹکڑے دل بیتاب کے باہم نہ رہے

چار دن بعد نہ دل ہوگا نہ ارماں ہونگے
کچھ لیے بے تکلف ایک جا میخوار بیٹھے ہیں

عجیب روشنی اس نقطۂ سیاہ میں ہے
اب زمانہ کی ہو جو حالت کبھی ایسی نہ تھی

غم زدوں کے واسطے راحت کبھی ایسی نہ تھی
ہمارے ساتھ دل بیقرار راہ میں ہے

نقش بر آب زندگانی ہے

لوگ اسکو زہر کے بدلے دوا دینے لگے
جب مجھے میری وفا کا وہ صلہ دینے لگے

اور دیوانہ بنا جائیگی برسات مجھے
وہ عمل آج بتا پیر خرابات مجھے

کر گئے آج پریشان وہ ذرات مجھے
یہی معلوم ہو سو بات کی اک بات مجھے

کیا پسند آئی قیامت کی ملاقات مجھے
محو رکھتا ہے تصور ترا دن رات مجھے

اے شرر چاہئے غیروں کی مدارات مجھے
نتیجہ قلب کی کیفیتوں کا آہ میں ہے

ولیں تیرا گلہ کیا میں نے
ہاں خلافِ وفا کیا میں نے

فکر اُس درد کے علاج کی ہے
جسکو خود لا دوا کیا میں نے

دل میں کی عشق سے کشش پیدا
کاہ کو کہربا کیا میں نے

کھینچکر کوہِ طور کا سُرمہ
چشم کو حق نما کیا میں نے

رباعیاں پیری کے حال میں

جینے کا مزا عمرِ رواں سے چھوٹا
سب لطفِ حیات ناتواں سے چھوٹا

کیا جلد گیا جوشِ شباب اے پیری
معلوم ہوا تیر کماں سے چھوٹا

پیری میں کسی وقت بھی مسرور نہیں
ہو جائیں جو اب گوشہ نشیں دور نہیں

سلام

کھینچکر تا دیر روئے مصطفیٰ دیکھا کیا
اپنی قدرت کی حدیں خود کبریا دیکھا کیا

تھا زبانِ حال سے رن میں یہ اصغر کا بیاں
کوئی آنسوؤں میں پلا دے بوند بھر پانی مجھے

کھینچکے نقشہ بول اُٹھا اکبر کا اے صلِّ علیٰ
دیکھنے والے کہینگے احمدِ ثانی مجھے

جب زباں سوکھی دکھائی شہ نے اکبر سے کہا
اسطرح تم مانگو اور ممکن نہو پانی مجھے

قطعہ

اخلاق نتیجہ ہے وجودِ بشری کا
آفاق میں باعث ہے یہی ناموری کا

مغرور ہیں کیوں عیب نہو کج نظری کا
بدلا یہ ملا ہے اُسے شوریدہ سری کا

کج خلق کوئی شہرۂ آفاق نہیں ہے
انسان نہیں جو صاحبِ اخلاق نہیں ہے

پالان اسپ

وہ سر بلند کوئی کہ دشوار ہے بیاں
پالان سے تا بگوش عجب زینتیں عیاں

لٹکی ہوئی وہ دونوں طرف سبز ڈوریاں
وہ اُنمیں سرخ پھول کہ حیراں ہو کہکشاں

آرائشیں ہوئی تھیں عجب آب و تاب کی
کلیں تھیں گویا سرو میں شاخیں گلاب کی

ہر سُو وہ زنگلوں کی صدائیں بہت بلند
پہونچے نہ جنکی وجہ سے راہوں میں کچھ گزند

اُودی و سرمئی وہ مہاریں وہ فرق بند
گھیتے وہ زرد زرد وہ پالان دل پسند

کہتے تھے خود سجے ہوئے ناقے پکار کے
لگتے ہوا یہ آئے ہیں ابرِ بہار کے

سرکردۂ لشکر ہے حشم کہتا ہے اُسکا
جھک جائینگے سرکش بھی یہ خم کہتا ہے اُسکا

کھا جائیگی فوجوں کو شکم کہتا ہے اس کا
چھوڑیگی نہ خون جسم میں دم کہتا ہے اسکا

اونچی ہو نظر خوف سے یہ تاب نہیں ہے
ہیروں کی ہے دامن میں چمک آب نہیں ہے

اب کھلیں بھی تو کھلیں باغ میں کیونکر کلیاں
دب رہی ہیں جو ہیں غنچوں کی برابر کلیاں

گل نہاں لاکھوں ہیں پوشیدہ ہیں اکثر کلیاں
پھول میں پھول ہیں اور پھولوں کے اندر کلیاں

اور کلیوں میں ہے بو۔ بو کا اثر باہر ہے
جس طرح آنکھ کے پردوں سے نظر باہر ہے

کثرت گل کا کوئی یوں نہ اگر ہو قائل
پھول میں پھول کا اثبات نہیں کچھ مشکل

آنکھ دکھلا کے کہو اس سے کہ دیکھا و جاہل
ہے سپیدی میں سیاہی تو سیاہی میں ہے تل

پھر جو پوچھے کہو کس طرح نظر باہر ہے
کہد و جس طرح ترے دل سے اثر باہر ہے

کیوں گلوں کی ہو نہ کثرت کہ ہے رحمت اسکی
پھول میں رنگ تو کلیوں میں ہے نکہت اسکی

ایک جز سے ہے یہ کل دیکھئے قدرت اسکی
ایسی کثرت میں نظر آتی ہے وحدت اسکی

غنچے باغوں میں چٹکتے ہیں تو کیا کہتے ہیں
سننے والا ہو تو سب صل علی کہتے ہیں

ہاں ساقیا علاج دل مبتلا کا ہو
شیشوں کی آب و تاب میں جلوہ خدا کا ہو

جام و سبو بنا ہوا خاک شفا کا ہو
ساغر ہوں کاظمین کے خم کربلا کا ہو

شامل نہ کوئی چیز مگر اس طرف کی ہو
بصرے کا ہو گلاب تو صہبا نجف کی ہو

ساقی جو داروئے دل مضطر ہے وہ شراب
جو وجہ قوت تن لاغر ہے وہ شراب

صہبائے معرفت کی جو ہمسر ہے وہ شراب
جس کا خمار طاہر و اطہر ہے وہ شراب

اہل ولا میں آب بقا جس کا نام ہے
جس کے بغیر عمر دو روزہ حرام ہے

ساغر میں جسکے لطف حیات و ممات ہے
جس کا خیال شربت قند و نبات ہے

ہر قطرہ جس کا ساغر آب حیات ہے
موقوف جس پہ بادہ کشوں کی نجات ہے

جس کے بغیر حسن عمل بے حصول ہے
اعمال بے اثر ہیں عبادت فضول ہے

ساقی وہ پھول ہو جو عروس بہار ہو
جو باعث سکون دل بیقرار ہو

ساغر وہ مے کہ حسنِ ازل آشکار ہو / حاصل سرورِ معرفتِ کردگار ہو
جنت میں جاؤں جام کے لب چومتا ہوا / تربت سے روزِ حشر اٹھوں جھومتا ہوا
ہو قابلِ قبولِ عبادت وہ مے پلا / بن جاؤں جس سے لائقِ رحمت وہ مے پلا
معدوم ہو تصورِ کثرت وہ مے پلا / جس میں ہو لذتِ مئے وحدت وہ مے پلا
رائج ہوئی جو ساقیٔ کوثر کے ہاتھ سے / شیشہ ملا ہے جس کا پیمبر کے ہاتھ سے

جائیگا انکے دل سے نہ تا زیست اضطراب / تم جنکو اپنے حسن کی جھلکی دکھا چکے
حقیقت میں جو دیکھو حسن ہی ہے عشق کا باعث / جلانے روشنی جاتی ہے جب پروانہ آتا ہے
پتہ پتہ سے ہوا پھر جوشِ قدرت آشکار / رنگ بدلا آسماں کا آئی پھر فصلِ بہار
تھے جو ویرانے وہ اب جوشِ نمو سے سبز ہیں / کل جو تھے سنسان صحرا آج ہیں وہ لالہ زار
ہیں ہرے سب خشک جنگل جھاڑیاں ہیں پُر ثمر / ندیاں ہر سمت جاری ہیں رواں ہیں آبشار
عاشق و معشوق میں ہے وصل ایسی فصل ہے / سرو پر قمری تصدق گل پہ ہے بلبل نثار
سبزہ خوابیدہ لبِ جو ہے ہوائے سرد سے / بھر گیا ہے نرگسِ شہلا کی آنکھوں میں خمار

سبز ہے ساری زمیں فصلِ نمو کا جوش ہے
آسماں رنگِ شفق سے آجکل گلپوش ہے

شرر - بابو بھولا ناتھ دہلوی ملازم پوسٹل ڈیپارٹمنٹ راولپنڈی شاگرد راسخ دہلوی۔ عمر ۵۵ سال کے قریب ہے۔ زبان میں صفائی اور سلاست ہے۔ یہ کلام کا انتخاب ہے ؎ شرر

دل جلایا گئے ہم سوزِ دروں سے لیکن / نالۂ آہ شرر بار سے نکلنے نہ دیا
شور ہے کنجِ قفس میں داد کا فریاد کا / خوب طوطی بولتا ہے اندنوں صیاد کا
بوسہ گر مانگا تو یہ کہنے لگے / منہ کی تم کھاؤ گے ہو کس دھیان میں
ہاں تیرِ ستم دیکھیو چھٹ کر نہ چلی جائے / ایسا نہ ہو کمبخت مرا زخمِ جگر بھر آئے

شرر - منشی صدیق حسن صاحب شاگرد استاد داغ و ظہیر صرف دو شعر ملے۔ درج ہیں ؎ شرر

خدا کی شان ہے منت سے جو نہ آتے تھے
وہ آج آئے ہوئے بن بلائے بیٹھے ہیں
چلا کہاں دلِ آفت نصیب تو خوش خوش
وہ تجھ سے خاک میں لاکھوں ملائے بیٹھے ہیں

شرر

شرر۔ جناب صاحبزادہ مصطفےٰ علیخاں صاحب مرحوم سابق پرائیویٹ سکرٹری نواب صاحب رامپور خلف صاحبزادہ محمود علیخاں صاحب۔ موجودہ نواب صاحب کے عہد میں انہیں کی دلچسپی اور کوشش کی وجہ سے مشاعروں کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے ذاتی صرف سے بھی ایک عام مشاعرہ کیا تھا جسمیں مشاہیر شعرا کو مدعو کیا گیا تھا۔ شاعری میں حضرت مضطر خیرآبادی کے شاگرد تھے۔ ہمیشہ شعرا کیساتھ مراعات کرتے تھے۔ رامپور سے علیحدہ ہونیکے بعد نینی تال چلے گئے تھے۔ مگر ہز ہائینس نواب صاحب رامپور نے کمال خوش اخلاقی سے انکو دوبارہ پرائیویٹ سکرٹری کے خدمات سپرد کئے کہ اچانک یہ فالج کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور وہیں انتقال ہو گیا۔

طرح داروں نے تیری ساری دنیا لوٹ لی ناز
یہ کس نے کہہ دیا تجھ سے کہ تو انسان پیدا کر
قیامت ہو گیا سامانِ عشرت ہجر ساقی میں
شراب ناب کی موجیں نہیں تلوار شیشے میں
دلِ شیدا شرابِ عشق کی موجیں قیامت ہیں
پری کو بند کرنا ہے بہت دشوار شیشے میں
یہ متوالے قیامت ہیں اڑا لیتے ہیں نظروں میں
ذرا اے دخترِ رز رہنا بہت ہشیار شیشے میں
گلے سے مے اتر کر حال سارا کھول دیتی ہے
یہ کہئے بند ہیں انسان کے کردار شیشے میں
میں کیا کروں کہ آپ بھر آتا ہے دل مرا
اپنے کسی ارادے سے روتا نہیں ہوں میں
حقیقت کھل گئی داغِ دلِ پرخوں سے گلشن کی
مری آنکھوں نے کھو دی آبرو ابر و رو کے ساز کی
زانو پہ عدو کا سر قدموں پہ مرا سر ہے
وہ اس کا مقدر ہے یہ میرا مقدر ہے
ہم نے درِ جاں پہ ٹکرا کے یہ حالت کی
اب کوئی نہیں کہتا یہ سر ہے یہ پتھر ہے
تم بھول گئے وعدے میں بھول گیا شکوہ
یہ عشق کا شیوہ ہے وہ حسن کا جوہر ہے
کس ناز سے کہتا ہے ہم اور تجھے چاہیں
کہنے کو یہ فقرہ ہے دل کیلئے نشتر ہے
ایسے فرہاد میں کیا لعل لگے ہیں شیریں
کوہکن نام اسی کا ہے جو پتھر کاٹے

الفت زلفِ رخِ یار میں یکساں گذری	ہم نے اس عمر کے دن رات برابر کاٹے

شرر

شرر۔ مولوی عبدالحلیم صاحب۔ آپ نسبتاً شیخ ہاشمی و عباسی ہیں اور دورِ حاضر کے مشہور فسانہ نگار۔ جدید انشاپردازی کے آسمانِ شہرت کی اخترِ تاباں آپکی ذات ہے۔ اصلی وطن کرسی ضلع لکھنؤ ہے۔ ۱۸۵۶ء میں جب سلطان عالم واجد علیشاہ بعزم انگلستان کلکتہ کو روانہ ہوئے ہیں تو آپکے نانا منشی قمرالدین صاحب بھی انکے ہمراہ تھے۔ مولانا شرر ۱۸۶۰ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم بھی لکھنؤ میں ہوئی۔ مگر سات آٹھ برس کی عمر میں انکے والد نے کلکتہ بلالیا۔ شاہزادہ میرزا جہاں قدر بہادر کے استاد۔ ملا باقر سے عربی پڑھی۔ آخر زمانہ حیات شاہ جمجاہ دیکھکر لکھنؤ آئے تو اساتذہ فرنگی محل سے معقول کی کتابیں پڑھیں پھر دہلی تشریف لائے۔ مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کے مدرسہ میں قیام پذیر ہوکر اُنسے حدیث پڑھنی شروع کی۔ انگریزی کی استعداد خاصی ہے انگریزی کتب ادب و تاریخ کے ترجمے کی انکی اکثر تصانیف ممنون ہیں۔ منشی احمد علی کسمنڈوی مرحوم جو اودھ پنچ کے لایق اور قابل نامہ نگار تھے انہوں نے آپکو ایک عمدہ مضمون نگار بنانیکی کوشش فرمائی اور انہوں نے اس میدان میں اپنے قلم کی جولانیاں دکھاکر اپنے طرزِ تحریر کا رنگ جمایا۔ اور پبلک کے سامنے اپنا پہلا ناول دلچسپ پیش کیا ۱۸۸۷ء میں رسالۂ دلگداز شایع کیا۔ ملک میں انکی انشاپردازی کا ڈھنگ مقبول ہوا۔ شہرت اور قسمت کی یاوری نے حیدرآباد تک پہنچایا۔ نواب وقار الامرا بہادر کے صاحبزادہ کے ساتھ آپ انگلستان تشریف لیگئے۔ انگلینڈ سے واپسی کے بعد آپ نے جو کتابیں لکھی ہیں انہیں کسی قدر آزادی کی روح سرایت کئے ہوئے ہے۔ عام طور پر انکے ناول مذہبی فضیلت اور تعصب کے اظہار سے بری نہیں کہے جاسکتے۔ بلاضرورت ایسے مضامین جن سے کثیر التعداد فرقہ کی دل آزاری کا پہلو نکلے جابجا پائے جاتے ہیں۔ خلقی طور پر شوخ نگاری اور ظرافت کا مادہ انہیں فیضانِ قدرت سے نہیں ملا۔ اسلئے انتہائی سعی و کوشش سے بھی سرشار کا سا حسنِ قبول نصیب نہوا تاہم آپ ایک عمدہ ناولسٹ اور نثار ہیں۔ کسی زمانہ میں شعر گوئی کا مذاق تھا اور آپ اس فن میں سید حیدر علی صاحب طباطبائی نظم کے شاگرد تھے لیکن

شرر کی طرح انہیں شاعری کی دنیا میں عظمت حاصل نہوئی۔ اور گلزار نسیم" جیسی بے مثل مثنوی پر اعتراضات کرنے سے انکے تعصب اور سخن پروری کی شہرت دو دنی ہوگئی مگر ارباب سخن میں کوئی درجۂ امتیاز حاصل نہوا بلکہ اودھ پنچ نے انکی ناموری کو نقصان پہنچانے میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی اور جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ مسلمہ مقبول کاملوں کی تصانیف پر حملے کرتے ہیں تو دنیائے ادب کے انصاف پندار اکین ان سے بدول ہوگئے۔ کتابوں کی فروخت سے معقول معاش کرلی ہے۔ سرکار رامپور کے بھی کئی سال نمک خوار رہے ہیں۔ ۶۵ برس کے قریب عمر پاکر ابھی حال میں انتقال کیا۔ چند اشعار بطور نمونہ کلام پیش کئے جاتے ہیں ؎

اُلجھے تھے دم وعظ وہ واعظ سے نشہ میں
کروڑوں آرزوئیں نوحہ خواں تھیں ساتھ میت کے
نرالی چھیڑ ہے وہ پوچھتے ہیں ہم سے رہ رہ کر
شرر کی شکل پر کچھ ان دنوں وحشت برستی ہے
مرا دمہ جو ہو فکر عقبے تو حضرت واعظ
لیا دل گیسوئے پر پیچ نے کن کن کرشموں سے
یارب مجھے ہے داغ تمنا بہت عزیز
یہ شوخیاں یہ ناز و ادا یہ لگاوٹیں
تم اور وفا کرو یہ نہ مانونگا میں کبھی
کیا کیا شرر ذلیل ہوئے آبرو گئی

سنتے ہیں نکالے گئے مسجد سے شرر آج
ہزاروں حسرتیں سر پیٹتی ہیں میرے مدفن پر
مرے سر کی قسم کہدو فدا ہو کس کے جوبن پر
مٹے ہیں آجکل حضرت کسی کافر کی چتون پر
کسی دن دو گھڑی کو بیٹھ جاؤ بادہ خوار دنیں
کبھی مو باف میں لپٹے کبھی پھولوں کے ہار دنیں
پہلو سے دل جدا ہو مگر یہ جدا نہو
کیا چیز تم ہو ہائے اگر بے وفا نہو
اس کو فریب دو جو تمہیں جانتا نہو
ایسا بھی عاشقی میں کسیکو مزا نہو

صدمۂ فرقت ہوش ربا ہے
رات اندھیری کالی بلا ہے
درد کے مارے رو رو دینا
چرخ پہ بسنے والے تارو

غم کا سماں آنکھوں میں بندھا ہے
ہُو کا عالم رنج فزا ہے
آفت جاں ہے سانس کا لینا
پیارے پیارے چمکنے والو

آنکھیں پھاڑ کے دیکھتے کیا ہو	دم بھر کو تو سو لینے دو
حاصل اک جلنے کو جلانا	سینے کے اندر آگ لگانا
لذتِ وصل اٹھانے والو	دل پر قابو پانے والو
کوئے یار میں جانے والو	گھر میں کسی کو بلانے والو
دل میں تمہارے اور ٹھنی ہے	کیا جانو جو ہم پہ بنی ہے
آئی کتنی رات خدایا	اب تک کچھ نہیں سننے میں آیا
کتوں نے شور الگ ہی مچایا	ہر جانب سناٹا چھایا
چپ ہیں سارے محلے ٹولے	برقنداز بھی آج نہ بولے
میکشو وقتِ صبوحی آیا	مہوشو جاؤ نہانے گنگا
برہمنو لو دیر کا رستا	طائرو نکلو چھوڑو بسیرا
واعظو رات فنا ہوتی ہے	دیکھو نماز قضا ہوتی ہے
پچھلی رات کے سونے والو	صبح وطن کے کھونے والو
کلفتِ غم کے دھونے والو	او بیدار نہ ہونے والو
آنکھیں ملتے اٹھ اٹھ بیٹھو	کھوٹی ہوتی ہے منزل جاگو
چرخ پہ کچھ کچھ چھایا اندھیرا	کوئی کوئی ستارہ چمکا
چڑیاں ڈھونڈ رہی ہیں بسیرا	کووں نے اک شور مچایا
دیکھتے ہی دو وقتوں کے ملتے	موت کے خواہاں اٹھ اٹھ بیٹھے
شور ہوا ہر سمت اذاں کا	برہمنوں نے سنکھ بجایا
بجنے لگا ہر دیر میں گھنٹا	تارا شام کا ہر جا چمکا
دوسری جانب دنیا پلٹی	چرخِ فلک نے کروٹ بدلی
آئی رات ہوئی اندھیاری	چرخ پہ تاروں کی گلکاری

کیسی رات مبارک ساری
اب پازیب بڑھاتے ہونگے
سامان وصل کا کرلیں آؤ
پھر گزک کچھ جلد منگاؤ
اُٹھو جاکر شمع جلا دو
جام و صراحی و میناکاری
عطر آگیں ہے باد بہاری
غم غلط آج ہمارا ہوگا
ٹھہرو کس کی آہٹ پائی
دیکھو کس نے جھلک دکھلائی
اُٹھو دوڑ کے بوسہ لے لو
آئے اور کس ناز سے آئے
سینہ اُبھارے سر کو جھکائے
کمرہ میں ہم کو بیٹھا پا کر
رُک رُک کے وہ کسی کا آنا
بیٹھتے ہی باتوں کا بنانا
ہائے غضب ڈھانا وہ کسی کا
روٹھ گئے لو بیٹھے بیٹھے
آخر کچھ کہئے تو ہم سے
کہتے ہیں جب کچھ زیادہ چھیڑو
خود ہی دل میں رحم بھی آیا

اچھی اچھی پیاری پیاری رہی
تھوڑی دیر میں آتے ہونگے
شیشے مے سے بھرلیں آؤ
اچھی پلنگڑی لا کے بچھاؤ
سارے کمرے میں پھول بچھادو
سرخی مے کی سہانی پیاری
انکے آنے کی ہے تیاری
پہلو میں کوئی پیارا ہوگا
چپ ہو چلنے کی چاپ سی آئی
سنبھلو دور ہوئی تنہائی
دوڑو جان کو صدقے کردو
سہمے گھبرائے شرمائے
نیچی نظر آنچل لٹکائے
جھینپ گئے دروازہ پہ آکر
چپکے چپکے پانوں اٹھانا
باتوں باتوں میں شرمانا
دور سرک جانا وہ کسی کا
کون خطا تھی جس پر بگڑے
لیٹ رہے کیوں منہ کو چھپا کے
نیند آئی ہے ہم سے نہ بولو
دھانی دوپٹہ منہ سے ہٹایا

پیارا پیارا ہاتھ اٹھایا	ڈال کے گردن میں فرمایا
کیوں! پھر ایسی بات کہو گے	وصل کا پھر ارمان کرو گے

شریر — تخلص کسی شاہجہان آبادی آشفتہ خاطر، عاشق فراج کا تھا جو ۱۲۷۵ھ میں زندہ تھا اُردو شاعری کے سوا بھاشا زبان پر بھی عبور رکھتا طبیعت میں سوز وگداز زبان میں تاثیر تھی۔ اس نے نظیر اکبرآبادی کے جوگی نامہ پر جو مصرعے لگائے ہیں وہ عوام الناس میں نظیر ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ بازاری کتب فروش بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور وہ نظیر کو خمسہ کا مصنف قرار دیکر کئی کئی ایڈیشن چھاپتے رہتے ہیں مگر مولوی کریم الدین پانی پتی نے جو ایک تذکرۂ گلدستۂ نازنیان" کے نام سے ۱۲۶۱ھ میں شایع کیا تھا اُسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خمسہ مذکورہ شریر کا نتیجہ فکر ہے۔ ناظرین اسکا انتخاب ملاحظہ فرمائیں اور شوخی طبع کی داد دیں ؎

یاد اُس شوخ کی کیا کیا ہی ستم لاتی ہے	جان بیچینی سے تن میں مرے گھبراتی ہے
آہ کرتا ہوں تو بجلی سی نکل آتی ہے	جب میں روتا ہوں تو آنکھوں سے برس جاتی ہے
کبھی ساون کی جھڑی اور کبھی بھادوں کی بھرن	
وحشت اور کوہ میں وحشی سا پڑا پھرتا ہوں	برق کی طرح سے بیتاب سدا پھرتا ہوں
میں غرض تجھسے صنم جب سے جدا پھرتا ہوں	رات دن ہجر میں جوگی سا بنا پھرتا ہوں
بیقراری سے ترے نام کی جپنا سمرن	
عشق میں جوگی ہوئے جب سے ہمیں بھائی بھبوت	بیٹھے در پر ترے اور گرد بھی پھیلائی بھبوت
دیکھ ٹک آن کے کس روپ میں انگ لائی بھبوت	پیرہن گیروا اور تن کے اُوپر چھائی بھبوت
سر سے پاؤں تلک خاک ملی سو سو من	
گھور کعبہ پہ پیشانی کو اپنی گھسنا	گاہ مسجد میں میاں مانگنا جا جا کے دعا
انکساری سے کبھی دیر میں ہر دم جا جا	دم بدم آہ کی پونگی سے بجانا یہ سدا
دیکھئے کون سے دن پھر ہمیں دینگے درشن	

دیکھا جو میرے تئیں تن کے اوپر گل کھائے — اور کپڑے بھی اُنگے گیروا تن پر پائے
دیکھ یہ حال تعجب سے بشر گھبرائے — کوئی کہتا ہے کہ جوگی جی کدھر سے آئے
سچ کہو کون سی نگری میں تمہارا ہے وطن

ہمکو جوگی جی بتا دیجئے احوال اپنا — تم جو بیراگی بنے اسمیں نفع کیا ہے بھلا
اور مرشد سے تمہارے ہی تمہیں کیا پہونچا — نام کیا جوگ میں ہے تم کو گرو نے بخشا
دھیان کیا رکھتے ہو کس گیان کا رکھتے ہو چلن

کس لئے جوگ لیا اور رنگا کپڑوں کو — کس پہ عاشق ہو دیا رنج یہ کس نے تم کو
کیونکر اوقات بسر ہوتی ہے ہم سے تو کہو — کیا اہل کھاتے ہو اور کس کی طلب رکھتے ہو
دھونی جل پان بھی یا یوں ہی کروگے لنگن

ہم نے دنیا میں اجی سینکڑوں دیکھے جوگی — ہر برن اور ہر اک رنگ کے نرالے جوگی
پر غرض تم سے نہیں دیکھے ہیں ہم نے جوگی — تم تو آتے ہو نظر ہمکو نئے سے جوگی
سچ کہو جوگ لیا تم نے یہ کس کے کارن

کیا غرض تجکو جو پوچھے ہے تو احوال مرا — جوگ کی پوچھے تو بس عشق میں یہ جوگ لیا
اور اسکی ہی جدائی میں پھریں ہیں ہر جا — اور وطن پوچھے ہے ہمارا تو یہ سن رکھ بابا
یا گلی دوست کی یا یار کے گھر کا آنگن

دیکھ نیرنگی زمانہ کی ہوئے گل ورگل — اور ملا تن کو بھبوت اپنے گئے خاک میں رل
کپڑے رنگنا تو یہ تو آسان نہ جان او غافل — رنگ وہ رنگتے ہیں جس رنگ کا رنگنا مشکل
روپ وہ بھرتے ہیں جس روپ کا بھرنا ہے کٹھن

رنگے کپڑوں سے نکر ہم پہ تو جوگی کا گمان — ہم نے کیا جانے کیا کس لئے ایسا سامان
گر تو عاقل ہے تو بس پردہ سے اپنی پہچان — ہم میں اور جوگی کی صورت میں بڑا فرق ہے جان
کہاں جوگی کی ادا اور کہاں عاشق کی پھبن

آتشِ عشق میں جب سے ہے جلایا دل و جان
تب یہ اکسیر ملی ہمکو تو فقط اسمیں نجان

تو تو عاقل ہے بس اب عقل سے اپنی پہچان
خاک ہے یار کے کوچہ کی بھبوت اسکو نجان

ہم نے یہ راکھ بنائی ہے جلا کر تن من

خواہش زر نکریں نے کسی سے کچھ مانگیں
تخت اور چتر کی بھی کچھ نہیں پرواہ ہمیں

گوکل اور متھرا میں رہنے کی بھی نہ حرص رکھیں
جا پڑیں یار میں اُس شوخ کی جب بستی میں

وہی گوکل ہے ہمیں اور وہی بندرابن

خاطرِ آشفتہ میں پھرتا ہوں حزین و دل گیر
عشق میں اسکے سبھی کھو چکا عزت و توقیر

پھرتا ہوں گلیوں میں دیوانہ سا ہر روز شریر
کیا لکھوں اسکو جو کچھ مجھپہ گذرتی ہے نظیر

دل من داند و من دانم و داند دل من

شریر — شریر۔ منشی عبدالغفار خلف منشی حسین بخش ساکن ریاست جے پور۔ قریباً ۳۰ سال کی عمر ہے۔ کرنال میں رکن الدولہ نواب رستم علیخاں شمشیر جنگ بہادر کے یہاں ملازم تھے۔ سید نذیر حسن صاحب فتنہ سے تلمذ حاصل ہے۔ شاعر خوش فکر اور طبیعت دار ہیں۔ مضمون آفرینی کیساتھ زبان بھی اچھی ہے غزل پڑہنے کا ڈہنگ خاصہ ہے۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب پیش ناظرین ہے ؎

ہوا نہ غم کہ خوشی کا خیال بھی نہ رہا
ہمیں تو یاد وہ لطفِ وصال بھی نہ رہا

یہ کس زباں سے کہا تھا کہ ہم نہ بولیں گے
حضور کو تو ہمارا خیال بھی نہ رہا

ملا میں خواب میں اُنسے اگر وہ یوں نہ ملے
ہوا نہ وصل تو میں بے وصال بھی نہ رہا

شریر قدر کمینوں کی اب ہے عالم میں
شریف کا کوئی پرسانِ حال بھی نہ رہا

برنگ تیر گیا اور برق وار آیا
جو دل میں صبر بھی آیا تو بے قرار آیا

غضب ہی عشق بھی جو آیا تو زود بر و اسکے
جگہ تڑپنے کی جو تھی وہیں قرار آیا

ہے اپنی آنکھوں پہ احسان گریہ حسرت
وہ ایک بار نہ آئے یہ لاکھ بار آیا

کسی پہ محو ہوا کوئی میں ہوا بیخود ؎
ذرا کسی نے کہیں پی مجھے خمار آیا

دیکھنے بھی نہیں دیتیں تری آنکھیں کچھ بھی
کوئی ڈالے کہیں پڑتی ہے نظر آنکھوں پر

تو نے مارا نہیں مارا ہے نگاہوں نے تری
تجھپہ دعویٰ نہیں دعویٰ ہے مگر آنکھوں پر

کیا سے کیا ہو گئی حالت تری اب دیکھ شریر
ہم نہ کہتے تھے کہ کمبخت نہ مر آنکھوں پر

شرابی

شرابی ۔ محمد نظیر ملازم تھانہ رائکوٹ متوطن ہاپور شاگرد جناب فدا۔ زیادہ حال معلوم نہوا۔

کیا رخِ یار کو سمجھا ہے مقابل اپنا
داغ تو دیکھ لے پہلے مہِ کامل اپنا

گر رحم مسیحا تجھے کرنا نہیں آتا
کیا جان سے بھی ہمکو گذرنا نہیں آتا

عاصی تو اسی کے ہیں وہی بخشیگا اے شوخ
ہاں ہم تو شرابی ہیں مکرنا نہیں آتا

شرابی کو نہ چھیڑو عشق میں شعلہ بھبوکا ہے
جلا دیگی عدو کا گھر جو آہِ آتشیں نکلی

شرف

شرف ۔ صاحبزادہ محمد عبد الرحیم خاں بہادر نبیرۂ نواب محمد امیر خاں بہادر شمشیر جنگ بانی ریاست ٹونک سادہ بیانی میں طبیعت کے رنگ کا اظہار فرماتے ہیں۔ یہ کلام ہے۔

پھول ہیں خندہ زناں گریہ کناں ہے شبنم
نالے بلبل کے بھی کیا طرفہ اثر رکھتے ہیں

اور پھولوں سے نہ کیونکر ہو گلِ سرخ عزیز
قدر دنیا میں اُنہیں کی ہے جو زر رکھتے ہیں

اُسکی رزّاقی سے ملتا ہے شرف رزق ہمیں
ورنہ فن یاد ہے کوئی نہ ہنر رکھتے ہیں

شرف

شرف ۔ شیخ شرف الدین۔ انکا اصلی وطن لاہور تھا مگر انکے والد احمد شاہ بادشاہ کیوقت میں دہلی آن رہے تھے۔ احمد شاہ ایرانی کے حملوں سے جب دہلی تباہ ہوئی تو انہوں نے غلام حسین خاں کروڑی کی رفاقت اختیار کی اور لکھنؤ چلے گئے۔ شرف نے سودا سے تلمذ اختیار کیا اور اُنکی وفات کے بعد سید ہاشم علی کو اپنا کلام دکھایا۔ بڑے پُر گو اور خوش کلام شاعر تھے۔ آخر اٹھارویں صدی میں لکھنؤ میں حیات تھے متین و مہذب اور نکتہ سنجی میں انوکھے شخص تھے اُس زمانہ کا خیال کر کے زبان کی شستگی قابلِ داد ہے۔ محاورات پر کم نظر رکھتے تھے مضمون آفرینی زیادہ ملحوظ تھی۔ یہ اُنکا کلام ہے ؎

آج تک دیکھا ہی نہیں کوئی دشمن کا ہو دوست کہیں
ایک شرف ہی کو ہیں دیکھا دوست ہو اپنے دشمن کا

دُرِ دنداں ہیں یہ تیرے لبِ خنداں کے بیچ
یا کہ الماس کے معدن ہیں بدخشاں کے بیچ

پہنچے کب اُسکی حلاوت کے تئیں سیب بہی
جو حلاوت ہے تری سیبِ زنخداں کے بیچ

شمع سوزاں شیشہ گریاں چشم ساغر ہے پُر آب
حیف یوں ساقی چلا تو انجمن کو چھوڑ کر

ایک تو ہے رگِ گل رشتۂ پائے بلبل
تس پر صیاد یہ چاہے ہے کہیں باندھوں پر

ہمدموں ہے یہ تمنا میری اُس قاتل کے
ہووے خنجر بکف اور سر ہو میرا پاؤں پر

جیوں ہی چلا چمن سے وہ دامن کو جھاڑ کر
گل گر پڑے زمیں پہ گریباں کو پھاڑ کر

لُوٹے چمن میں گل کو خزاں یوں بہار حیف
او رعندلیب تو رہے جیتی ہزار حیف

میں تو اب ہار گلے کا ترے ہوں گا ظالم
دیکھیں جاتا ہے کہاں اب تو مجھی مار کے پھول

اُس رشکِ چمن کو ہوا آہنگِ گلستاں
پرواز ہو سنتے ہی وہاں رنگِ گلستاں

اُس رشکِ چمن کے ہے یہ چہرہ پہ خط سبز
یا گرد میں ہے ثبت یہ فرہنگِ گلستاں

وہ اُٹھ گئے گل جن سے شرف یاوی تھا گلشن
ایک خار رہا میں بھی سو ہوں ننگِ گلستاں

نہ سیر دریا سے فائدہ کچھ نہ دل کو دے آب تا گلشن
جو وہم ہے اپنا حباب آسا تو پھر ہے نقش بر آب گلشن

نہیں یہ شبنم پڑے نرگس تری تصور میں لف رخ کی
مدام شام و سحر ہے ہے تو نہیں چشم پر آب گلشن

مانند مرغ قبلہ نما گرچہ مضطرب
پھرتا ہوں اپنے گھر میں یہ عزلت گزیدہ ہوں

امرت سے زیادہ تر ہے مری حق میں تو اجل
زہر غم فراق زبس میں چشیدہ ہوں

غربت میں مجھ غریب کو چھوڑو نہ ہمرہو
رہزن بہت ہیں راہ میں اور میں جریدہ ہوں

شرف منشی شرف الدین حسین ولد شہاب الدین حسین باشندہ علیگڑھ۔ حضرت رشک لکھنوی کے شاگرد قبل از غدر واجد علیشاہ کے زمانہ میں کانپور میں تھانہ دار تھے۔ استعارہ بندی میں ہوشیار ماہر۔ قدیم تخیل کے دلدادہ۔ سراپا سخن میں سے کلام منتخب ہو کر درج ہوا۔ شرف

یہ سبز پیرہن نہیں فانوس شمع ہے
اُس گل کا نام لینے کے قابل نہ ہو کبھی

ہے شمع جسم شمع کی لو ہے اگر زباں
بلبل گلاب و عطر سے دھوئے اگر زباں

مانگی دعا مگر نہ ملے لب سے لب کبھی	اللہ کرے کہ لال ہو یہ بے اثر زباں
کل عاشقوں کو عالم حیرت دکھا دیا	دانتوں میں اس پری نے شرف دابکر زباں
نیچی نظر جبیں پہ عرق رہتا ہے مدام	کیا باحجاب آنکھیں ہیں کیا شرمگیں جبیں
نظر پڑا نہ کوئی تجھسا دوسرا سفاک	لڑائیں ہم نے بھی جاکر کہاں کہاں آنکھیں
قتل کو اپنے رہا کرتی ہے خنجر کی تلاش	یاد آتے ہیں جو قاتل ترے خمدار ابرو

شرف

شرف ۔ نواب میر محمدی خلف نواب سید جعفر خاں صوبہ دار مرشدآباد برادرزادہ نواب خان دوران خاں۔ تاریخ مرشدآباد سے انکا میر جعفر کا بیٹا ہونا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ غالبًا بھتیجے یا بھانجے تھے۔ طرز بیان سادہ اور زبان صاف ہے۔ قدیم خیال بندی کے نمونے کلام میں ہیں۔ آزاد منش صاف گو امیرزادے تھے۔ انتخاب یہ ہے

قزاق نہیں کہ لوٹ لاتے ہیں ہم	رباعی	نوکر بھی نہیں کہ روز پاتے ہیں ہم
کیا پوچھتے ہو اپنی حقیقت یارو		اللہ دیتا ہے "میٹھے کھاتے ہیں ہم"
اک صفائی قلب بس ہے بہر تسکین جہاں		خاتم دست سلیماں ہے نگین آئینہ
صاف دل کا مرتبہ ہے عرش و کرسی سے بلند		جلوہ گر ہے آسماں زیر زمین آئینہ
توتیائے چشم مردم خاکساری کیوں نہو		فی الحقیقت خاکساری نسخۂ اکسیر ہے

شرف

شرف ۔ ناظم مرصع خیال۔ شاعر جادو مقال جناب میر سادات حسین خاں عرف آغا مجو صاحب مرحوم۔ میرزا حامد علی کوکب ولیعہد واجد علیشاہ کے خسر تھے اور ولی عہد کے لڑکے بڑے میرزا اور ننھے میرزا انہیں کی بیٹی کے بطن سے تھے۔ ۱۲۸۰ھ میں جبکہ اودھ کا خاندان شاہی اپنے اقبال کی داستان ختم کر چکا تھا اور کلکتہ کے مٹیا برج میں رہتا تھا یہ بھی ولیعہد کے ہمراہ موجود تھے۔ انہیں ولی عہد کے جوان گذر جانے کا دلی صدمہ تھا جو کلام سے ظاہر ہوتا ہے معنی بند خوش فکر شاعر تھے۔ فن سخن میں حضرت آتش کے شاگرد رشید تھے۔ زبان سلیس۔ بیان میں لطف ہے۔ بندشوں میں تشبیہات کی دل آرائی۔ ترکیبوں میں استعارات کی زیبائی۔ انکی

مشاقی پرواں ہے یکسالی زبان باندھتے ہیں۔ ذہن صائب کی جدت طرازی قابل تحسین۔ فکر باریک بین کی رسائی لائق آفریں ہے کلام یہ ہے ؎

جہاں میں حسن پرستوں کی جان لینے کو
نکھر نکھر کے نکلتے ہیں خوبرو کیا کیا

ٹپک ٹپک کے کہیں گل بنا کہیں لالہ
چمن میں رنگ نہ لایا مرا لہو کیا کیا

زباں جو انکی شرف نشہ میں بہکتی ہے
مزے مزے کی وہ کرتے ہیں گفتگو کیا کیا

پھڑک کے جان نہ دیتا تو آہ کیا کرتا
قفس سے اور نکلنے کی راہ کیا کرتا

جو دم نکل لے تو چھری روکیو تو اے قاتل
سانس ہے مجھ میں ابھی ہاتھ نہ اپنا ٹھہرا

قریب مرگ ہوں للہ آئینہ رکھدو
گلے سے مرے لپٹ جاؤ پھر نکھر لینا

دعا کو ہاتھ میں اس شرط سے اٹھاتا ہوں
کروں جو عرض تو اُسکو قبول کر لینا

اندیشۂ اجل سے نہ مہلت کبھی ملی
جو لطف زندگی تھا وہ حاصل نہ کر سکا

اُس شمع رو کی بزم کا اللہ رے انتظام
پروانہ تک بھی شامل محفل نہ ہو سکا

تری تلاش تھی ہمکو ادھر بھی آ نکلے
ارم کا شوق نہ تھا اشتیاق حور نہ تھا

کمال ربط دل بے قرار میں دیکھا
کہ غم بھرا اُسے پہلوئے یار میں دیکھا

چہار سمت مجھے تو ہی تو نظر آیا
اُٹھا کے آنکھ جدھر انتظار میں دیکھا

ضعیف ہو کے زمانہ کی ٹھوکریں کھاتا
بھلا ہوا کہ میں دنیا سے نوجواں اُٹھا

قیامت آئی ہوا آفتاب حشر بلند
گناہ گاروں کے لشکر کا وہ نشاں اُٹھا

جا کے جمعیت محشر جو پریشاں دیکھی
عشق بازوں کی میں اُجڑی ہوئی محفل سمجھا

اے شرف حسن پرستی کا مزا تھا مجھکو
دل دیا اُسکو جسے پیار کے قابل سمجھا

شمار کون کریگا تمہارے کشتوں کا
یہ بے حساب ہیں انکا حساب کیا ہوگا

ہر وقت وہ موجود رہا باغ جہاں میں
لیکن نہ کسیکو صفت بو نظر آیا

مجنوں نے میرا داغ جگر سر پہ رکھ لیا
یہ گل وہ ہے جو طرۂ دستار ہی رہا

بولے وہ میری قبر جھروکے سے جھانک کر | یہ شخص مر کے بھی پسِ دیوار ہی رہا
ٹوٹا گیا فقط ترے سودائی رہ گئے | یوسف رہے نہ مصر کا بازار ہی رہا

جہاں میں حسن پرستوں کا کارواں نہ رہا | مٹے ہوؤں کا کہیں منزلوں نشاں نہ رہا
قفس میں پائی وہ آسائش اے شرف ہم نے | چمن کو بھول گئے یادِ آشیاں نہ رہا

نہ ہم سے پوچھو کہ کرتے ہیں ہم ستم کیسا | تمہیں بتاؤ تمہیں چاہتے ہیں ہم کیسا

شاخِ گل جھوم کے گلزار میں سیدھی جو ہوئی | پھر گیا آنکھ میں نقشہ تری انگڑائی کا

بہار آنے سے خوشدل ہوں قفس میں چہچہاتا ہوں | اسیری میں یہ خوشیاں ہیں رہا ہوتا تو کیا ہوتا
جسے دیکھو وہ سیرِ شہرِ خاموشاں پہ مرتا ہے | خدا جانے یہ ویرانہ بسا ہوتا تو کیا ہوتا

واہ ری تقدیر ہم جب پہنچے بزمِ یار میں | شمعیں سب گُل ہو چکی تھیں دم نہ پروانوں میں تھا

حسن آئینہ میں دیکھ کے اپنے شباب کا | کھل کھیلینگے وہ نام نہ لینگے حجاب کا

شمع رو خاموش تھے بہتے تھے آنسو شمع کے | رات کو ماتم ہمارے دل کا پروانوں میں تھا

ملے گا خاک میں اک دن طلسم دنیا کا | یہ کارخانہ ہے مشتِ غبار سے پیدا

کہے سنے سے حسینوں کو دل جو دیجئے | ہماری جان پہ بنتی کسی کا کیا جاتا

دو روزہ ہی بہارِ عمرِ انساں باغِ عالم میں | غرض یہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے عالم جوانی کا

گلوں کی شکل بھی ہم نے نہ آنکھ سے دیکھی | بہار آتے ہی ہم کو اسیر ہونا تھا
رما کے دھونی جو بیٹھا ہوں تاک میں اسکی | اسی لکیر پہ مجھکو فقیر ہونا تھا
ہمیں جو نزع میں دیکھا تو رو دیا اس نے | اک اور صدمہ یہ وقتِ اخیر ہونا تھا

صرف شیرازہ جو ہوتی رگِ جانِ بلبل | پھر گلستاں کا نہ مجموعہ پریشاں ہوتا
اسقدر موسمِ گل میں ہے مجھے ضعف ملال | دونوں ہاتھوں سے نہیں چاک گریباں ہوتا
تجھکو بربادیِ عالم جو نہ ہوتی منظور | کیوں ہرا باغ بھرا گھر کوئی ویراں ہوتا

آہ ہم کرتے ہیں اے یار کی محفل والو | دونوں ہاتھوں سے جگر تھام لو اپنا اپنا

پوچھتے ہیں جو کوئی نام مرا لیتا ہے
جانتے ہیں وہ مجھے عاشقِ شیدا اپنا

رخسار ہے کہ پھول کھلا ہے گلاب کا
غنچہ نہ میں کہوں تو کہوں پھر دہن کو کیا

ہو جاتی شبیہ آپکے کشتہ کی جو بیرنگ
جلاد لہو بھرنے کو تصویر میں آتا

دیدار کی خاطر مجھے تڑپانیکو اُس نے
جھانکا تو جھروکے سے مگر سر نہ نکالا

وحشت میں مجھے دیکھنے آئے جو پری زاد
کس کس نے شرف جیب سے پتھر نہ نکالا

ایسی بیرحمی سے صیاد نے بازو توڑے
عمر بھر قابلِ پرواز کوئی پر نہ ہوا

امید میں دیدار کی آیا ہوں یہاں تک
ارمان بھرا ہوں مجھے ناشاد نہ کرنا

آخر کو ہوا حیرت و حسرت کا یہ نقشہ
مٹی کے کھلونے کو بھی تصویر میں سمجھا

دل کو بچاؤں یار کی ترچھی نظر سے کیا
پہلو تہی کروں میں قضا و قدر سے کیا

قسمت میں داغ تھے سو ملے باغ عشق سے
پھولوں سے کام کیا ہمیں مطلب ثمر سے کیا

کیا ٹھہری تم سے اُن سے ملاقات کی شرف
پیغام ادھر سے کیا گئے آئے اُدھر سے کیا

چھپتا ہے گل رخوں میں دل مجھ نحیف تن کا
پھولوں میں تل رہا ہے کانٹا مرے چمن کا

جاری ہوا ہے کب سے داغِ وفا جہاں میں
موجد ہے کون اسکا سکہ ہے کس چلن کا

پروانہ بھی تو جا کر اُبھرتا نہیں ہاں سے
کیونکر کھلے کسی پر حال اُسکی انجمن کا

کیا لگاوٹ تھی کہ دل کھینچ لیا پہلو سے
ہاتھ اس ناز سے اُس گل نے کمر پر رکھا

زلف اُلجھی گی تو شانہ سے سلجھ جائیگی
دل جب اُلجھیگا تو کوئی نہیں سلجھانے کا

اے شرف بلبلِ ناشاد کا ہوں میں ہمدرد
داغ ہوگا مجھے ہر پھول کے مرجھانے کا

اے پری رو دیکھکر عالم ترا
کیا بتاؤں دل کا کیا عالم ہوا

عمر بھر رہ رہ کے اُٹھا دل میں درد
صدمہ پر صدمہ مجھے پیہم ہوا

خیال دل کی تباہی کا آ گیا مجھکو
کسی غریب کا اُجڑا ہوا جو گھر دیکھا

شوق میں ذوق میں کیا کیا نہ مرادیں پائیں
کوئی ارمان محبت میں نہ نکلا دل کا

پانی ہو جانے کو یہ ہے وہ لہو ہونے کو
روزِ ازل سے غنچۂ دل میں بسا ہے تو
کچھ بس نہ میری گردشِ قسمت سے چل سکا
تنکے مری تلاش میں صیاد نے چنے
ڈبویا جب مجھے دریائے غم میں یاس و حسرت نے
جل جائیو بجھ جائیو پروانوں میں اے دل
بارش کبھی ہوتی ہے تو بھر جاتے ہیں جل تھل
کہا اشاروں سے میں نے کہ تمہیں چاہتا ہوں
بڑوں بڑوں کو لگایا نہ منہ کبھی میں نے
میں وہ دیوانہ ہوں مجنوں گرد پھرتا ہے مرے
جل بھی جاؤنگا تو تیری بزم کا ہونگا چراغ
سراپا نور ہے جلوہ نظر آتا ہے قدرت کا
نشو و نما جو کر کے مجھے بے نشاں کیا
ہم نے دل دیکے انہیں داغ ہزاروں پائے
ہمیشہ ہم نے شرف وجد و حال کو ڈھونڈا
باغباں کے ظلم سے تنکے گلستاں میں چنے
کوئی پھرتا تو خبر ہم رفتگاں کی پوچھتے
جگر کا درد جو معشوق دلربا سے کہا
مری طرح سے کلیجہ پکڑ لیا اس نے
جب سے ہوا ہے عشق ترے اسم ذات کا
موجد جو نور کا ہے وہ میرا چراغ ہے

نہ بھروسا ہے جگر کا نہ بھروسا دل کا
پھر چھپے بوئے گل کس طرح کیوں نہاں رہا
چکر میں لاکھ طرح آسماں رہا
دیوانہ جستجو میں مرے باغباں رہا
نہ کوئی آشنا نکلا نہ کوئی ناخدا نکلا
زندہ کبھی اُس شوخ کی محفل سے نہ پھرنا
لیکن کبھی رونے سے مرا دل نہیں بھرتا
جو نطق بند مرا اُنکی گفتگو سے ہوا
وہ ظرف ہوں کہ نہ واقف کبھی سبو سے ہوا
کرتی ہے لیلیٰ طواف آکر مری زنجیر کا
میں وہ پروانہ ہوں تیرے حسنِ عالمگیر کا
ہمارا دل بنا ہے آئینہ کس خوبصورت کا
کیا جانے اُس نے میری طرف کیا گماں کیا
ایک غنچہ کے عوض میں ہمیں گلزار ملا
کہیں پتا نہ سنا اسکی انجمن کے سوا
بازوؤں کو توڑ کر صیاد نے بے پر کیا
کون سی منزل پہ اترے ہیں کہاں بستر کیا
کوئی بتائے کہ بیجا کہا کہ وہ جا ہے سچ کہا
فسانہ دردِ جگر کا جس آشنا سے کہا
آنکھوں میں پھر رہا ہے مرقع نجات کا
پروانہ ہوں میں انجمنِ کائنات کا

تیرا دیوانہ بسا تھا جاکے جس ویرانہ میں
کون سا عالم وہ تھا جو اُس بیاباں میں نہ تھا

چھری مجھ پر اسیری سے جو پہلے تیز کرتا ہے
خدا معلوم گلچیں نے جڑی صیاد سے کیا کیا

اُنہیں آغوش میں لینے کی حسرت جب میں کرتا ہوں
لپٹتی ہے تمنا آ کے مجھ ناشاد سے کیا کیا

کبھی جو شاخِ گل لاکر قفس کے پاس رکھدی ہے
تو بلبل نے کئے ہیں چوچلے صیاد سے کیا کیا

روح رخصت ہے جگر خون ہے دل ہے پُرزے
آج شیرازۂ ہستی ہے پریشاں اپنا

نہ آئیگا وہانتک خون تو کیوں سر کا جاتا ہے
الگ میں تو تڑپتا ہوں ترے دامن سے کیا مطلب

بے نیازی پر انہیں ناز مرے دم تک تھا
لن ترانی کی نہ پھر آئی صدا میری بعد

شیشۂ دل بھی گم اندر کے اکھاڑے سی نہیں
اسمیں معشوق اُترتے ہیں پری رو ہو کر

چمن کے سایہ سے بھاگتا ہوں اُسی بھی صیاد جانتا ہوں
بہار قیدِ دل اُلٹے یاہی گماں قفس کا ہے آشیاں پر

وہ مشتاقوں میں جب آئے تو آئے جانِ جاں ہو کر
چھپے آنکھوں کے پردوں میں ہی دل میں نہاں ہو کر

تربتِ قیس سے کہتی ہے لپٹ کر لیلےٰ
ہم تڑپتے ہیں پڑے تمکو خبر کچھ بھی نہیں

آنکھوں سے بہہ رہی ہیں لہو ہو کے حسرتیں
شاید ہے کشتِ فتوں دلِ خانہ خراب میں

اک اک سے پوچھتے ہیں وہ آئینہ دیکھکر
معشوق پاؤں پیار کے قابل تو کیا کروں

رستے ہیں بند بھیڑ سی ہے بھیڑ ہر طرف
محشر میں اُسکو ڈھونڈنے کی راہ کیا کروں

"چند راکے" مجھکو بولے وہ آخر جو شب ہوئی
فق ہو گیا ہے رنگ کسی کا سحر نہیں

جہاں تک جسقدر عالم ہوا اُسپر اسقدر کم ہے
دیا ہے کم سنی نے ہاتھ اسکا دستِ قدرت میں

حسینوں کو خدا نے حسن کے سانچے میں ڈالا ہے
حقیقت میں یہ سب آئینہ رُو تصویر سکتے ہیں

ہوں بہت بیتاب رونے دو نہ سمجھاؤ مجھے
صبر کی اسوقت گنجائش مرے دل میں نہیں

انقلاب اُس کے تلوّن کا مرقع ہے شرف
جس کی الفت میں سوا مٹنے کے کچھ حاصل نہیں

کسی سے عشق میں یارب نہ آنکھ ہو نیچی
کلیم طور پر جائیں میں عرش پر جاؤں

حسرت ہے خوب جور و ستم خوبرو کریں
وہ بے نیازیاں کریں ہم آرزو کریں

چھری اوچھی لگانے سے یہی منشا تھا قاتل کا
کبھی تڑپوں کبھی بسکوں رہوں میں نیم جاں سوں

خیانت کی نہیں ہوتی جو نیت خاکساروں کی
زمیں بھی انکی رکھتی ہے امانت استخواں سوں

کیا خدا ہیں جو بلائیں تو وہ آ ہی نہ سکیں
ہم یہ کہتے ہیں کہ آجائیں تو جا ہی نہ سکیں

شعلۂ دل کو وہ چاہیں تو ابھی گل کردیں
کچھ جہنم یہ نہیں ہے جو بجھا ہی نہ سکیں

داغ ہجراں جگر و دل میں نہاں رکھیں گے
آپ کا حسن نہیں ہے جو چھپا ہی نہ سکیں

اسکو حیرت ہے ادھر مجھکو ادھر سکتا ہے
یار تصویر ہے آئینہ دیوار ہوں میں

تری گلی میں جو دھونی رمائے بیٹھے ہیں
اجل رسیدہ ہیں مرنے کو آئے بیٹھے ہیں

فریفتہ ترے اس ترچھی چتون کے
چھری کلیجوں میں اپنے لگائے بیٹھے ہیں

ہمارے دفن و کفن کی بس اب کرو تدبیر
خبر بھی ہے تمہیں ہم زہر کھائے بیٹھے ہیں

شب وصال سے بہتر وہ دن گذرتا ہے
کبھی کبھی جو ترا منہ سحر کو دیکھتے ہیں

اس مرے سودے کا دنیا میں ٹھکانا ہی نہیں
جان کا گاہک جو ہے اسکے خریدار نہیں ہیں

راحتیں سمجھے حسینوں نے جو ایذائیں دیں
پیار آیا تو پسند ان کی جفائیں آئیں

غم تو کہتا ہے کہ مانگو جان بچنے کی دعا
ہمت دل کہہ رہی ہے التجا اچھی نہیں

نوجوانی میں تھی کیفیت بہار عمر کی
ابتدا ہی میں مزا تھا انتہا اچھی نہیں

پوچھتے ہو جو حقیقت مری بیتابی کی
آؤ میں تم کو کلیجے سے لگا لوں تو کہوں

کیا کہوں کیسی ہے اس شوخ کی ترچھی چتون
اک چھری اپنے کلیجے میں لگا لوں تو کہوں

مار ڈالا ہے جو بے جرم قضا نے ہمکو
داد دینے کو بلایا ہے خدا نے ہمکو

رہ گئے دیکھ کے سکتے میں ہم انکا جلوہ
بیخودی نے نہ دیا ہوش میں آنے ہمکو

اک بات اس میں پائی جو شوخی یار کی
ہم نے بھی اپنی جان لڑا دی قضا کیساتھ

نکل رہا ہے مرا دم ہراس ہے دل کو
اداس صاحب خانہ ہی میہماں کے لئے

پہونچ کے قتل ہوئے کوئے یار میں عشاق
قیامت آگئی منزل پہ کارواں کے لئے

شکار ہوں گے عنادل لٹیں گے غنچہ و گل
بہار آئی ہے صیاد و باغباں کے لئے

جھروکے سے جھلک ظالم دکھا جا شام ہوتی ہے
ترے دیدار کا مارا تڑپتا ہوں میں دن بھر سے

ذرا دم لینے دو منکر نکیر آرام کرنے دو
تھکے ماندے مسافر ہیں چلے آتے ہیں باہر سے

ترس کھا کر کہیں بہلا دو طفل اشک کو مردم
نکلتا ہے جنازہ لخت دل کا دیدۂ تر سے

ہم جو کہتے ہیں نقاب الٹو تو گھبرا دیکھیں
ہنس کے کہتے ہیں تمہیں تاب نظر کب ہوگی

مرتے ہیں بیان صدمۂ ہجراں نہیں کرتے
کیا درد مزے کا ہے کہ درماں نہیں کرتے

تمام عمر نہ بیٹھے کہیں ٹھکانے سے
لئے پھری ہمیں دن رات جستجو تیری

صورت جو چشم یار نے پکڑی غزال کی
چیتوں نے بے چھری مری گردن حلال کی

کیا اس کے رخ سے چودھویں کا چاند بچتا
نازاں وہ جس پہ تھا وہی شب تھی زوال کی

ہمیں جو ہجر میں پیستے ہو یہ جانتے ہو کہ کیا کرینگے
خدا نے چاہا تو سرمہ ہو کر تمہاری آنکھوں میں جا کرینگے

ملا ہے آرام آشیاں کا نہیں کچھ اندیشہ باغباں کا
رہا بھی ہوں گے تو آ کے اکثر ہم اس قفس میں رہا کرینگے

حسرت سے اس لئے میں اترتا ہوں قبر میں
ملتی ہے جان دیکھ کے یہ دو گز زمیں مجھے [1]

بھینچے گی کیا سرشت مری بھی اسی سے ہے
آغوش کھول کے لیگی زمیں مجھے

پلکیں بھی نہ ہمیں آنکھ اٹھا کر دیکھا
سرمہ بھی ہو کے نہ ظالم کی نظر تک پہنچے

ڈبڈبانے کو ہیں آنسو چشم تر ہونے کو ہے
دل بھر آتا ہے کیا پانی جگر ہونے کو ہے

زخم ہیں یا رونے کو ہم دم توڑنے کے واسطے
دل لہو ہونے کو ہے ٹکڑے جگر ہونے کو ہے

کنج لحد میں مجھکو سلا کے پوچھتے ہیں وہ لوگوں سے
نیند نہیں اب آ گئی کیونکر کیا ہوئی خوش خوابی کی

شرف

شرف — وقار الاعظم صاحبزادہ مشرف یار خاں صاحب نکتہ سنج شوخ رقم شاعر پاکیزہ خیال واہل تمیز۔ نواب صاحب بہادر والئی جاورہ کے عزیز۔ میرزا محمد اسد یار خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ کارخانہ جات ریاست کے فرزند سعید اور داغ دہلوی کے تلمیذ رشید ہیں۔

آپکے آباؤ اجداد میں میر حیدر بیگ خاں بخاری اور میر حسن برلیچ خاں جاگیردار

[1] میر انیس کی رباعی سے مضمون لڑ گیا ہے۔

دہمار و (واقع افغانستان) دلاوری اور شجاعت میں مشہور تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ میرزا شرف ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں جاورہ میں پیدا ہوئے۔ جاورہ کے ہائی اسکول۔ رتلام کے سنٹرل کالج میں تعلیم پائی۔ خوش قسمتی سے مسٹر ہربرٹ اور مسٹر رضا حسین خانصاحب ایم۔ اے جیسے شفیق اساتذہ ہاتھ آئے۔ ۱۶ سال کی عمر میں مہاراجہ سر رنجیت سنگھ بہادر والئی رتلام کے مصاحب ہوئے۔ ۱۸۸۸ء میں ۲۲ برس کی عمر تھی صاحبزادہ عبید اللہ خاں نے ریاست ٹونک میں بلا کر پرائیویٹ سکرٹری کے عہدہ پر مقرر کیا۔ مگر چند ماہ بعد جاورہ آکر پہلے نائب تحصیلدار مقرر ہوئے۔ پھر مجسٹریٹی کے عہدہ تک ترقی کی۔ جاورہ کے مشہور تجربہ کار اہلکار۔ قحط اور حفظان صحت کے متعلق قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ نظم و نثر میں دستگاہ کامل ہے ڈائمنڈ جوبلی ۱۸۹۷ء اتالیق قیصری ۱۸۹۷ء۔ زراعت مالوہ آپکی تصنیف ہیں۔ دل بیقرار موسوم بہ دیوان شرف حسن و عشق کا نگارخانہ ہے۔ تخمیناً ۲۷ سال سے شعر کہتے ہیں۔ تغزل کی حقیقت اور جامعیت سے بخوبی واقف ہیں مشاق اور قادر الکلام سخنور ہیں۔ شاگردان داغ میں ممتاز ہیں۔ غزل کے علاوہ قصیدہ تاریخ ہر صنف سخن میں دخل رکھتے ہیں۔ جذبات محبت جو انکے اشعار میں نظر آتے ہیں وہ استاد کی شاعری کا پورا چربہ ہوتے ہیں۔ زبان میں خداداد شوخی ہے۔ شباب۔ انتظار۔ حسن۔ شاہد و مینا کے مضامین جس خوبی سے ادا کرتے ہیں وہ اپنے رنگ میں لاجواب ہیں۔ روزمرہ محاورات کی تہ میں بذلہ سنجی اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ سوز و گداز دلوں میں چٹکیاں لیتا ہے طرز بیان میں انتہا کا لطف ہے اور اسی رنگینی کی وجہ سے ہر شعر دل میں گدگدی پیدا کر دیتا ہے۔ شریف الطبع خلیق شخص ہیں۔ افسوس ہے کہ آپکے بڑے صاحبزادے کا حال میں انتقال ہو گیا۔ ہنگام نظر ثانی کلام عنایت کیا جس کا انتخاب ناظرین کی تفریح اور دلچسپی کیلئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؎

ملو دشمن سے بھی ہم سے کبھی ایسا ہو نہیں سکتا یہ وضع عشق مارے ڈالتی ہے ورنہ اے ظالم	ہماری بندگی یہ ہم سے جھگڑا ہو نہیں سکتا وہ جب کیا ہو نہیں سکتا تھا اب کیا ہو نہیں سکتا

صدمہ کب تک سہیں جدائی کا
اتنو جیتنا ہے بے حیائی کا

صلح کے نام پر بگڑتے ہو تم
صلح کیا نام ہے لڑائی کا

شوق اور شوق خود آرائی کا
تو بھی دشمن ہے تماشائی کا

ہے حسن یہ ایک آدمی کا
کیوں نام بتائیں ہم کسی کا

لیے موسیٰ کا دل ہی جانتا ہے
کہ آیا طور پر اُن کو نظر کیا

بہت کھوئے گئے مذکور دل پر
یہ کہتے ہی زہے کیا۔ کدھر کیا

اک نہ اک غم لگا ہے سب کے ساتھ
ساری دنیا کو مبتلا دیکھا

کچھ سوا اپنی نارسائی سے
رنج ہے غیر کی رسائی کا

ہو رہی ہے ستم سے کیوں توبہ
یہ بھی پہلو ہے دلربائی کا

دل بھی ہے دل میں درد بھی ہے اللہ کا دیا
"اپنی کہو تو" کہ ہمیں تم نے کیا دیا

اے شمع دل کا درد تو ہم سے بیان کر
کمبخت تیری بے سخنی نے جلا دیا

مدفن پہ میرے خاک بھی ڈالی نہ ڈھنگ سے
دامن جھٹک کے خاک میں تم نے ملا دیا

دل بیچنے گئے تھے حسینوں میں کل شرف
دامن کسی نے ہاتھ کسی نے بڑھا دیا

جلوۂ جاناں بہت پھیلا ہے میرے دل کیا تھا
روز پردہ توڑ ڈالا روز پردہ کر لیا

دل کے اندر تم ہی تم ہو دل کے باہر تم ہی تم
کیا دکھانے کو کسی کے تم نے پردہ کر لیا

ترک مے کے بعد بھی بھولے نہ راہ میکدہ
جب چلے گھر سے اُدھر کا ایک پھیرا کر لیا

صبح تک آنسو بہائے انتظار یار میں
رات بھر میں موتیوں کا ہار پورا کر لیا

اُنکے آگے اشک بھر لائی آنکھوں میں شرف
آپ چپکے چپکے ہی خفگی کا شکوہ کر لیا

نظر ڈالی ہے تم نے غیر پر کیا
بری ہے تم سے بھی میری نظر کیا

لگا ہے قفل دروازے میں اُس کے
ہمدم کے گھر گیا ہے "گھر کا گھر کیا"

دل سے کہیں دل کے ارمان سے کیا مطلب
تم جان سے پیارے ہو تو جان سے کیا مطلب

بتخانہ میں کافر ہوں کعبہ میں مسلماں ہوں
تم سے مجھے مطلب ہے ایمان سے کیا مطلب

توحید کا دریا بھی سرچشمۂ راحت ہے
سرچشمۂ راحت کو طوفان سے کیا مطلب

خوبرویوں پر پڑی ہیں چھٹیاں
تم نکل آؤ ہمارے نام پر

دم اور ذرا سا دلِ مضطر میں ہے قاتل
تیرِ نگہِ ناز کی ایک چوٹ وہیں اور

ہر بات پہ آجاتا ہے مذکور عدو کا
گو مجھ سے مخاطب ہیں مگر دل ہے کہیں اور

یہ آج رخ پر نقاب کیوں ہے یہ وصل کی شب حجاب کیوں ہے
کہ پردہ پکڑے کھڑی ہے آگے تجلیِ آفتابِ عارض

کرے بہانا نہ کیوں غشی کا دھرا ہے زانو پہ سر کسی کا
سنگھا رہی ہیں وہ مشکِ گیسو چھڑک رہے ہیں گلابِ عارض

سماں تھا دمِ وداعیں دیر تک
رہے غش مرے ہم نشیں دیر تک

مزا دے گیا بوسۂ آستاں
نہ سرکی ہماری جبیں دیر تک

شرف روزنِ در سے جھانکا کیا
تجھے ایک پردہ نشیں دیر تک

عجب مدعا تھا دلِ زار کا
کہ کہکر نہ سمجھے ہمیں دیر تک

نئی عمر ہے نئی چاہت نیا حسن
نئے ہم ہیں نئے تم ہو نیا دل

چہرہ پہ ادھر ڈالیں ادھر زلفیں اٹھالیں
گویا کہ شبِ وصل نہیں دیر سحر میں

پھر پوچھنا تم ہاتھ مرے سینہ پہ رکھکر
کم بخت کہاں درد ہے دل میں کہ جگر میں

بیمارِ غمِ عشق ادھر ہو کہ ادھر ہو
تم دیکھ تو لو فیصلہ ہے ایک نظر میں

کسی کا پوچھنا انجان بنکر
شرف تم مبتلا ہو کس بلا میں

سرور افزائے دل ہیں جسقدر دل کے چھالے ہیں
مے الفت بھری ہے انمیں یہ مے کے پیالے ہیں

کیا انہیں نمک کم ہے نمکداں کو جو دیکھیں
منہ انکا مرے زخمِ جگر دیکھ رہے ہیں

منتیں مان رہی ہیں وہ دمِ نزع شرف
کیوں نہ مر جائے کہ جینے کی دعا دیتے ہیں

وہ غیر کی الفت میں پشیماں ہیں کیا کیا
ہم اپنی دعاؤں کا اثر دیکھ رہے ہیں

بیچین ہیں وہ جذبِ محبت سے کسیکے
مڑ مڑ کے خدا جانے کدھر دیکھ رہے ہیں

دل لائیے بس آنکھ نہ ہم سے چرائیے
ہم اپنے دل کا چور پکڑ لیں ہزار ہیں

کچھ دیر میں دیکھا نہ کچھ اللہ کے گھر میں
جو اپنی نظر میں ہے وہ ہے اپنی نظر میں

اس درد محبت کو سو کھیل کھلاتے ہیں
چھٹتا ہی جو پہلو سے سینہ سے لگاتے ہیں

جنت کا بیاں کرکے حوروں کی جتاتے ہیں
یہ حضرتِ واعظ بھی کیا دور کی لاتے ہیں

منہ موڑ کے جاتے ہو دل توڑ کے جاتے ہو
عاشق کی تمنائیں اس طرح مٹاتے ہیں

مُردوں کا جلانا تو دستور میں داخل ہے
اللہ رکھے انکو جیتوں کو جلاتے ہیں

وہ کون کہ دل آرا میں کون کہ دلدادہ
دل کون کہ شیدائی۔ پھر دل کو ستاتے ہیں

بات کیا ہے وہ ان حسینوں میں
بے وفا ہو کے یاد آتے ہیں

نزع میں ہم سے یہ ہوا شکوہ
ہم تو آئے ہیں آپ جاتے ہیں

ہیں مردن بھی میرے ضعف سے تصور سے
کہ اٹھتا ہے مرا مشت غبار آہستہ آہستہ

تو ہے قاتل تری ہر تیغ ادا قاتل ہے
چشم بد دور نظر جس پہ پڑی بسمل ہے

ہاں ذرا خون جگر اور ٹپکنا کہ کوئی
کہہ رہا ہے یہ کسی سے "یہ مرا بسمل ہے"

ربطِ دشمن یہ سمجھے جی سے اُتر نے نہ دیا
کس قدر ٹوٹ کے آیا ہوا گھبیر دل ہے

سُنکے قصہ وصل کی شب وہ مرے اندوہ کا
بولے نیند آنے لگی کیا خوب یہ افسانہ ہے

کہاں لیجائیگی اسے بے قراری
اُٹھا جاتا نہیں مجھ ناتواں سے

سنبھالے نہ سنبھلی طبیعت کسی کی
بُری چیز ہے اچھی صورت کسی کی

سمجھائیں گے رو رو کے دل کی لگی کو
کلیجا اسی طرح ٹھنڈا کرینگے

ہائے قاصد سے بصد ناز وہ کہنا۔ کیا ہے؟
اور خط دیکھ کے پھر پوچھنا لکھا کیا ہے

جان اُسکی ہے دل اُسکا ہے جگر اُسکا ہے
ہم بھی اُسکے ہیں خدا جانے ہمارا کیا ہے

میں فدا تم پہ مری جان تم اُس پر شیدا
سمجھے کیا تم سے بھی ہے غیر کی قسمت اچھی

چلو حضرت دل حسینوں سے ملنا
کہ کہا نہ سے منتی لگا ئیں تمہاری

غم کھاؤں کیا کہ غم کو مرے دل نے کھالیا
حیران ہوں کہ کھاتی ہے میری غذا مجھے

دردِ دل سے وہ بنی ہے جان پر
بات کرتا ہوں کلیجہ تھام کے

شر ہے شرف کے نام میں یہ اعتراض ہے
رکھنا پڑے گا نام کوئی دوسرا مجھے

عشق کی راہ ہے مجنوں نہ کوئی منزل ہے
تو جہاں ہے وہیں لیلیٰ ہے وہیں محمل ہے

آپ کے نام پہ آتی ہے ہنسی ہم کو شرف
کون سی بات یہ حضرت کو شرف حاصل ہے

بتوں کی محبت میں دنیا گئی
ارے کیسی دنیا کہ عقبیٰ گئی

مجھے کوستے تھے وہ صبحِ وصال
جو آنکھیں ملیں تو ہنسی آگئی

خدا کی جدائی تو سہہ لی شرف
بتوں کی جدائی مگر کھا گئی

یہ عداوت ہے یا محبت ہے
لپٹی جاتی ہے تیغ بسمل سے

عشق پروانوں کا ہے کچھ الٹا
جلتے ہیں یہ چراغِ محفل سے

"مجھکو بے چین کردیا مجنوں"
یہ صدا آرہی ہے محمل سے

آج بیتاب ہوں بہت قاصد
کچھ نہ کچھ کہدے جوڑ کر دل سے

یاد کرتے ہی آگئے وہ شرف
ہے مثل دل کو راہ ہے دل سے

ہر سانس میں دردِ آرزو ہے
ہر گھر کے اسی کی جستجو ہے

خنجر ہو ترا کہ بادۂ ناب
جو کھنچ گیا اسکی آبرو ہے

اُبھرے ہوئے سینہ سے وہ بادو
دل میں مرے دردِ آرزو ہے

دوپٹہ کسی کا کدھر کا کدھر ہے
جوانی کا عالم بھی کیا بے خبر ہے

مسل ڈالا گلشن میں لالے کو کسنے
کسی نے کہا تھا یہ میرا جگر ہے

مزے لوٹتی ہیں ہماری نگاہیں
تمہیں کیا خبر ہے جو ہمکو خبر ہے

زمانہ کی پڑتی ہیں تم پر نگاہیں
تمہاری بھی آخر کسی پر نظر ہے

ضبط کبتک شعارِ عاشق ہو
صبر کب تک کہ آدمی ہی تو ہے

اب تبکدے کی سیر کرو چل کے ای شرف
کعبے میں رہتے رہتے تو مدت گذر گئی

اس عشق میں بتوں کے کچھ بھولے نہ بھولے
بھولے ہیں ہم خدا کو ہم کو خدا نہ بھولے

ظالم بری گھڑی تھی صبح مفارقت کی
بھولے ہیں تیرا آنا جانا ترا نہ بھولے

خدا تم کو توفیق دے اب وفا کی
امیدوں میں پھر جان ڈالی ہے ہم نے

دھرا کیا ہے پیر فلک کی گرہ میں
شرف جو پڑی ہے اٹھا لی ہے ہم نے

تم سلامت رہو کس بات کا شکوا ہے مجھے
بیوفائی کا گلہ اور گلہ کیا ہے مجھے

اے منجم کبھی تو دیکھ ستارا میرا
کیا ابھی اور اسی حال میں جینا ہے مجھے

اٹھ کے پہلو میں وہ کروٹ تو لوا دیتا ہے
آخر اس درد سے اتنا تو سہارا ہے مجھے

تمہیں سوچو کہ کس امید پہ انسان جئے
نہ تسلی نہ تشفی نہ دلاسا ہے مجھے

وہ بھی مقام دوست ہے یہ بھی مقام دوست
دیر و حرم کا تفرقہ اک دل کی بات ہے

سامان آخرت میں یہاں ہے خدا کا نام
یہ کائنات سے تو بڑی کائنات ہے

جلوے کہاں وہ روئے تجلی نقاب کے
یوں سینکڑوں ورق ہیں خدا کی کتاب کے

پھر اے شرف کہاں یہ زمانہ بہار کا
دو گھونٹ اور بیٹھ کے پی لے شراب کے

ہمیں راہ بتاں میں مل گئے ہیں حضرت ناصح
خدا جانے کہاں تک یہ مصیبت ساتھ جائیگی

شرف اعمال کر اچھے کہ جو عقبیٰ میں کام آئیں
وہاں جنت نہیں دنیا سے جنت ساتھ جائیگی

عیسیٰ جو تم نے مردے جلائے تو کیا مجھے
اس درد دل کی کوئی بتا دے دوا مجھے

تصویر اپنی اس نے شرف مجھ سے چھین لی
کہتا ہے اعتبار نہیں آپ کا مجھے

دیر و حرم کا ہم اسے پابند کیوں کریں
مختار ہے جہان کا چاہے جہاں رہے

حسن صورت ہی نیا روز کا آئینہ میں
مجھ کو پہچانو گے اپنی تمہیں پہچان بھی ہے

شرف

شرف - حافظ محمد ابو شرف نام شرف تخلص خلف شاہ محمد معصوم صاحب مجددی آپ اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہتے ہیں شعر گوئی میں پہلے آپ نے حضرت امیر مینائی لکھنوی

مرحوم سے فیض تلمذ حاصل کیا تھا بعد وفات اُنکے جانشین حضرت جلیل سے مشورہ لیتے رہے ہیں زبان صاف ہے۔ پروفیسر حامد حسین قادری نے کلام بھیجا تھا اُسکا خلاصہ درج ذیل ہے ؎

اس نے تو آسمان و زمیں ایک کر دیئے — اللہ رے اضطراب دل بے قرار کا
گل فشانی آج کیوں ہوتی نہیں گلزار میں — کیا کوئی کانٹا لگا بلبل تری منقار میں
لب پہ کچھ ہے اور چتون کہہ رہی ہے اور کچھ — مل رہا ہے کیا مزا اقرار کا انکار میں
وہ حسن دیکھ کے مبت بن گیا دل بیتاب — نئی ہے سیر کہ بجلی کو اضطراب نہیں
اُن کو آئینہ دکھایا کیسی نادانی ہوئی — وہ بنے تصویر مجھکو اور حیرانی ہوئی
چومنے پائے نہ ابرو مار بیٹھا وہ چھری — وائے قسمت حج سے پہلے اپنی قربانی ہوئی
قضا بنکر ادا نے جان عاشق کی نکالی ہے — جمال یار میں اللہ کیا شان جلالی ہے
لگی ہے آگ گلشن میں بنے ہیں پھول انگارے — جلے دل سے یہ کیسی آہ بلبل نے نکالی ہے
ابھی وہ منزلوں ہے دور اور ہلچل ہے عالم میں — قیامت ہے قیامت بھی کہ تیری چال اُلٹی ہے
دوپٹہ آسمانی لے اُڑا ہے اُس ستمگر کو — دماغ اُسکا نہ پوچھو اب تو گردون سے بھی عالی ہے
مرے ہی دل میں گھر کرنا مری ہی آنکھ سے چھپنا — حیا اُسکی انوکھی ہے ادا اُسکی نرالی ہے
دل کو پکڑ کے بیٹھ گئے وہ سر مزار — بولے یہ قبر ہائے مرے باوفا کی ہے
ہاں سچ ہے تم سے چھٹ کے بتو جائینگے کہاں — بس اک تمہیں تلک تو خدائی خدا کی ہے
زنجیر عرش بن گئی ہے جا کے عرش پر — اللہ کیا پہنچ مری آہ رسا کی ہے

شرف

شرف ۔ جناب سید محمد نذر صاحب رئیس سرسی تلمیذ حضرت راز لکھنوی بہت مشاق شاعر ہیں۔ مصرعہ پر مصرعہ خوب لگاتے ہیں۔ استعارہ اور تشبیہ کلام میں بقدر مناسب استعمال کرتے ہیں۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے ؎

چھائی حیرت جو نقاب رخ زیبا اُٹھا — پڑ گیا اور یہ پردہ جو وہ پردہ اُٹھا
آج پہلو میں مرے درد کچھ ایسا اُٹھا — کبھی تڑپا کبھی لوٹا کبھی بیٹھا اُٹھا

دستِ نازک سے جو شمشیر گلے پر نہ پھری
بے طرح آج وہ بگڑے ہیں خدا خیر کرے
سینکڑوں گر گئے موسیٰ کی طرح غش کھا کر
تھی یہ امید کہ تربت پہ چڑھائینگے وہ پھول

ہنسکے سینے سے مرے وہ ستم آرا اُٹھا
اب کوئی آئی بلا اب کوئی فتنہ اُٹھا
آج کس کے رخِ پُر نور سے پردہ اُٹھا
فاتحہ کو بھی شرف ہاتھ نہ اُن کا اُٹھا

شرق

شرق - میر غلام عباس خلف سید غلام رضا باشندۂ لکھنؤ۔ آپ میر وزیر علی صبا کے شاگرد و صاحب دیوان تھے۔ قدیم رنگ کا کلام ہے۔ غدر سے پیشتر زندہ تھے۔ کلام درج ذیل ہے ؎

مجھسے نہ کیجئے مری جاں اس قدر دماغ
اک بوئے زلف نے تو یہ آشفتہ کر دیا
آتا ہے غش پہ غش مجھے اب بات بات میں
اس حسنِ عارضی پہ یہ نخوت خدا سے ڈر
باتیں غرور کی وہ کسی اور سے کریں
اے شرق سب سے جھک کے برابر ملا کرو

کچھ خبر ہے بشر سے کرے یوں بشر دماغ
پیدا کرے نہ اور کوئی دردِ سر دماغ
فرقت میں یہ ضعیف ہوا ہے جگر دماغ
اے بُت نہ اپنے چاہنے والوں سے کر دماغ
ہم سے تو اُٹھ سکے گا نہ یہ عمر بھر دماغ
رکھتا ہے آدمی کو سبک عمر بھر دماغ

شرق

شرق - محمد وزیر خاں خلف محمد اکبر خاں پٹھان۔ آپکے بزرگ ولایت نزارہ سے ہندوستان میں آئے اور قصبہ باری ریاست دھول پور میں قیام کیا۔ آپ کے جدامجد مرتضیٰ خاں چین پوری علاقہ بھوپال میں تحصیلدار تھے۔ انکے والد علاقہ بھوپال سے دھول پور میں چلے آئے۔ یہ خود ریاست گوالیار میں عرصہ تک ملازم رہے ۱۸۹۵ء سے ریاست دھول پور کی عدالت میں وکالت کرتے ہیں۔ فنِ سخن میں حضرت داغ دہلوی سے تلمذ ہے۔ متروکات کے پابند نہیں ہیں۔ سادہ زبان میں شعر کہتے ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

جھوٹے وعدوں پہ وصل کی امید
جس کو پالا تھا ناز سے ہم نے
آپ ہی جور کریں آپ ہی شکوا اُلٹا

کیا خبر ہے ہوا ہوا نہ ہوا
وہی دل اپنا آشنا نہ ہوا
کیا قیامت ہی زمانہ کا ہی نقشا اُلٹا

سخت جاں ہوں میں غضب ہے مرا قاتل ناداں | ابھی خنجر کو سمجھتا نہیں سیدھا الٹا
آنکھ کے تل میں نظر آگئی قدرت اُس کی | کیا کہوں طالب دیدار نے کیا کیا دیکھا
منہ شب وصل میں عاشق سے چھپانا ہے غضب | او حیادار تری شرم و حیا نے مارا
نہ چین دل کو نہ صبر جی کو بڑی مصیبت میں جان دیکھو | فراق جاناں میں جل رہا ہوں لگی ہیں شعلے بدن کے اندر
چلے ہیں ہستی سے ہاتھ خالی خدا کے آگے ہے شرم محشر | حجاب عصیاں سے منہ کو اپنے چھپا لیا ہے کفن کے اندر
زمانہ میں اندھیر برپا کریگی | ترے رخ پہ زلفیں پریشاں ہو کر
غضب آیا بلا ٹوٹی قیامت ہو گئی برپا | ہمارے قتل کا وہ غیر کو ارشاد کرتے ہیں
کر دیا دل کو جگر کو مرے پارہ پارہ | بڑھ کے اس تیغ نظر سے کوئی شمشیر نہیں
روکا جب غیر کو میں نے تو کہا ظالم نے | میرا یہ گھر ہے تمہاری کوئی جاگیر نہیں
رخسار گل ہے غنچہ دہن چشم نرگسیں | شیدا ہوں جس پہ میں وہ گلستاں تمہیں تو ہو
گردوں سے بڑھ کے موجد بیداد ظلم و جور | محشر میں بھی کہوں گا کہ ہاں ہاں تمہیں تو ہو
قربان جس کے ناز پہ صدقہ ادا پہ ہوں | ایسے عزیز مجھکو مری جاں تمہیں تو ہو
کیوں شرق منہ کو پھیر کے پیتے ہو بار بار | ہاں شیخ جی سے بڑھ کے مسلماں تمہیں تو ہو
دعائیں مانگیں نہ کیوں بادہ خوار ساون کی | گھٹا وہ کھاتی ہے کیا کیا بہار ساون کی
حال فرقت کہا تو یوں بولے | زہر ہی کیوں نہ کھا لیا تم نے

شرقی

شرقی ۔ منشی سید ابو الحسن خلف سید تصدق حسین باشندہ باندہ ۔ منشی رشید محمد صاحب رشید سے تلمذ ۔ اردو فارسی کی استعداد معقول تھی سنہ ۱۸۸۰ء کے قریب شملہ میں کسی صیغہ میں ملازم تھے ۔ وہاں سے ریاست جودھ پور میں آکر سب انسپکٹر پولیس ہو گئے سنہ ۱۹۲۰ء میں بعمر ۶۵ سال انتقال ہو گیا ۔ انکا ایک دیوان غیر مطبوعہ تھا جو چوری ہو گیا ۔ منشی جمیل احمد طاہر نے کچھ کلام بمشکل حاصل کیا انتخاب حسب ذیل ہے ؎

جو درد و الم باقی ہیں پیش آئینگے شرقی | تقدیر کے لکھے کو مٹایا نہیں جاتا

خط لکھوں اُس بُتِ نوخط کو جو مضطر ہو کر
نامۂ شوق اُڑے میرا کبوتر ہو کر

کیا خدا کو بھی ہے منظور بتوں کی خاطر
اُلٹی پھر آئی دعا چرخ سے اکثر ہو کر

دن کو آہوں کے شرارے جو اُڑے تھے شرقی
رات کو چرخ پہ چمکے وہی اختر ہو کر

رکھنا امید وفا کی نہ بتوں سے شرقی
دوست کس کے یہ بھلا دشمنِ ایماں ہونگے

شریف

شریف ۔ تخلص منشی نبایک پرشاد نام ہے ذات کے کایستھ ہیں موضع کھتولی ضلع بنارس وطن ہے آپ کی پیدایش ۱۸۴۹؁ء میں ہوئی اور اٹھارہ برس کی عمر میں تحصیل علم ضروری سے فارغ ہو کر سرکار بنارس میں اپنے موروثی عہدۂ نظامت پر ملازم ہو گئے۔ تخمیناً ۴۰ برس پیشکاری کا کام انجام دیکر پنشن لے لی شعر و سخن سے طبعی دلچسپی ہے۔ اندراج تذکرہ کیلئے کچھ مختصر کلام بھیجا ہے جس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

چبھیگی نوکِ مژہ کسی کی جو دلمیں میری خدنگ ہو کر
تو آہ زبالے بھی کام اپنا کرینگے تیر و تفنگ ہو کر

جب اُنکی آنکھیں لڑیں تو دل پر چلا یا پنجۂ مژہ ذکی
یہ وہ ہیں آہو جو چوٹ کرتی ہیں بائے قمعہ پلنگ ہو کر

صباحتِ رُخ کو دیکھکر دل چلا ہے زلفِ سیہ کی جانب
حبش کو جیسے کوئی روانہ ہوا ہے ملکِ فرنگ ہو کر

مرے لئے تم جگہ نکیرین اپنے دلمیں بنائے رکھنا
عجب نہیں کثرتِ گنہ سے رہے مری گور تنگ ہو کر

شریف حصہ میں عاشقوں کے پڑی ہے رسوائی و فضیحت
اگر ہوا بھی تو کیا کریگا خیالِ ناموس و ننگ ہو کر

بانکپن جھک جھک کے کرتا ہے سلام
اپنے ابرو جب وہ خم ہیں دیکھتے

ہو کے سائل ہاتھ پھیلاتے نہیں
ہمتِ اہلِ کرم ہیں دیکھتے

خاک میری لاکھ پابوسی کرے
پر وہ کب زیرِ قدم ہیں دیکھتے

شریف

شریف ۔ شیخ شریف الزمان خانصاحب صدیقی۔ شاگرد حضرت امیر مینائی لکھنوی۔ ذکی الذہن اور روشن طبع ہیں۔ شعر میں لطف پیدا کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ زبان کی صفائی کا خیال بھی ملحوظ ہے۔ استعارات اور دور از قیاس تشبیہوں سے اپنے کلام کو بچاتے ہیں۔ زیادہ حالات باوجود کوشش معلوم نہوئے۔ یہ انتخاب ہے ؎

کرنے لگے بل ابروئے خمدار کیا ہوا
بیٹھے بٹھائے کھچ گئی تلوار کیا ہوا

کیا پوچھتے ہو حال دلِ بے قرار کا
بندہ نواز شکر ہے پروردگار کا

ہم زخمیوں کے زخم بھی پورے بھرے نہیں
لو خیر سے پھر آگیا موسم بہار کا

شامِ قیامت آگئی اسکی ہوئی نہ صبح
اللہ رے طول میرے شبِ انتظار کا

سات پردوں میں چھپی رکھی نہ ہو تصویرِ غیر
آنکھ میرے سامنے کیوں آپکی ہوتی نہیں

کچھ اثر رکھتی ہے الفت سبزہ رنگوں کی اگر
شاخِ نخلِ آرزو پھر کیوں ہری ہوتی نہیں

ہے سنورنے سے بھی بڑھ چڑھ کر بگڑنے کی ادا
بات کوئی بھی اِن اچھونکی بُری ہوتی نہیں

باز آیا میں محبت سے مرا دل پھیر دو
نازبرداری یہ مجھسے روز کی ہوتی نہیں

گھونٹ بھر پانی پلایا جسکو تیری تیغ نے
بھول کر اُس کو کبھی پھر تشنگی ہوتی نہیں

عشقِ دلدار و غمِ ہجر کو مونس سمجھ
یہی غمخوار ہیں مٹی میں ملانے والے

آنکھ غیروں سے لڑاتے ہو خبر بھی ہے تمہیں
دل میں گھر کرتے ہیں آنکھوں کے لڑانیوالے

راستہ روک کے وہ بُت جو کھڑا ہو جائے
سوئے بتخانہ پھریں کعبہ کے جانے والے

خدا کے خوف سے کب میکشی رندوں کی خالی ہے
دعائے توبہ لب پر ہاتھ میں مے کی پیالی ہے

لہو میں تر ہیں آنکھیں سینہ داغوں سے چراغاں ہے
مزا ہے اسکے ساتھ ہی ساتھ ہولی اور دوالی ہے

غضب کا رس بھرا ہے چشمِ میگوں میں تری ساقی
بلوریں جام میں گویا شراب پرتگالی ہے

وصل میں بڑھتے ہوئے دیکھا جو میرا دستِ شوق
بڑھکے جوبن کی نگہباں جبیں پیشانی ہوئی

الٰہی خیر پھر اُسنے شکن ابرو پہ ڈالی ہے
سنبھل او مرنیوالے تیغ قاتل نے سنبھالی ہے

شبِ فرقت میں بیکس ہوں مسیحا مجھسے ہے غافل
کہاں ہو اے اجل لے آ میداں خالی ہے

تدبیر نے کچھ وصل کے پہلو جو نکالے
بل اور اُلجھ کر مری تقدیر نے ڈالے

بیٹھے ہیں مرے دل میں مری جان کے دشمن
قسمت نے کیا ہے مجھے قاتل کے حوالے

جی بھر کے نظارہ دمِ آخر تو ہمیں کر لوں
تھم تھم کے چھری پھیر گلا کاٹنے والے

شریف

شریف ۔ خواجہ محمد صادق ۔ مدراس کے عمائد میں انکا شمار ہے ذاکر امام بھی ہیں اور مدراس میں جو شعر شاعری کا چرچا ہے ایسے ہی دو چار نفوس کے دم قدم کی برکت ہے ۱۳۳۳ھ میں ۶۵ برس کا سن تھا ۔ کلام اچھا ہوتا تھا ۔ یہ انتخاب ہے ؎

دو عدم کے بیچ میں ثابت ہے تکرار وجود
ہر نہاں پیدا ہے ہر پیدا نہاں ہو جائیگا
خوشا یہ گمشدگی اپنی خاکساری کی
کھنچا شریف نہ مانی سے بھی مرا خاکا
اب سنبھلنے کی جنوں میں کوئی تدبیر نہیں
بیڑیاں پاؤں میں منت کی ہیں زنجیر نہیں

شریف

شریف ۔ مولوی محمد شریف احمد فاروقی انکے والد مولوی نیاز احمد رؤسائے گوپا مؤ سے ہیں علمی استعداد رسمی ہے مگر طبیعت نہایت شوخ اور چلبلی واقع ہوئی ہے ۔ مولوی سید نذیر حسن صاحب فتنہ سے اصلاح لیتے ہیں ۔ مرثیہ پڑھنے کا بھی شوق ہے ۔ ابھی نوجوان ہیں ۔ انکے استاد فتنہ صاحب نے جو کلام منگا کر دیا اسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

جلوہ گر ہر شے میں ہے لیکن نظر آتا نہیں
تو ہی پردے کیلئے یا خود نمائی کے لئے
جب تماشا دیکھنا تک بھی تمہیں آتا نہ تھا
اب تماشا ہو تمہیں ساری خدائی کے لئے
ہم سے اچھے ہوں تو ہم جانیں وہ اچھے ہیں شریف
پھر کہیں کیا گر وہ اچھے ہیں خدائی کیلئے
گھر میں رہے کہ رات کہیں مہمان رہے
وعدے پہ کیوں نہ آئے کہاں تھے کہاں رہے
چاہینگے ہم تو چاہنے والوں کو آپ کے
جو دوست کے ہوں دوست وہ دشمن کہاں رہے
اے سکھ نہیں وہ دکھ سہی آخر دیا تو کچھ
یہ کس طرح کہوں کہ وہ نامہرباں رہے

شریف

شریف ۔ جناب محمد حسین صاحب ساکن بلہاری تلمیذ جناب احمد ۔ رسالہ تحفۂ خوشتر میں انکا کلام شایع ہوتا رہتا ہے ۔ انتخاب یہ ہے ؎

تقدیر سے جو وصل میسر ہو یار کا
مٹ جائے اضطراب دل بیقرار کا
آہٹ پہ کان ۔ در پہ نظر ۔ دل میں وسوسہ
کیا ہو بیان حال ترے انتظار کا
ساقی پلا دے بادۂ گلفام اب ہمیں
ہے گلستان دہر میں موسم بہار کا

کیا فائدہ ہو چارہ گری سے طبیب کی
ممکن نہیں علاج دلِ بے قرار کا

شریفی

شریفی ۔ شریف الحسن صاحب وکیل ریاست قرولی ملک راجپوتانہ ۔ موزوں طبع معمولی درجہ کے شاعر ہیں ۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

قصہ گویوں سے نہ سنئے داستانِ اہلِ درد
ہے بیانِ درد کو لازم زبانِ اہلِ درد

واہ کیا تاثیر ہے جذبِ دلِ عشاق میں
ڈھونڈتے پھرتے ہیں وہ خود آستانِ اہلِ درد

ترا حسن حیرت نما ہو رہا ہے
مرے سامنے آئینہ ہو رہا ہے

شریفی اٹھا پردۂ خوابِ غفلت
ذرا دیکھ دنیا میں کیا ہو رہا ہے

ششدر

ششدر ۔ مرزا روشن الدولہ گورگانی خلف مرزا آغا جان مضطر ولد مرزا سلیمان شکوہ ۔ برادر اکبر ثانی اور دوسرے رشتہ سے اکبر شاہ کے نواسے ۔ داستان گوئی میں فرد تھے ۔ مرزا رحیم الدین حیاؔ سے تلمذ تھا ۔ عمر کا زیادہ حصہ لکھنؤ میں بسر کیا مگر جبتک قلعہ آباد تھا دہلی بھی آتے رہے ۔ کلام کی لطافت زبان کی فصاحت قابل دید ہے ۔ جو کچھ کلام فراہم ہو سکا نذر احباب ہے ؎

جنوں یہ دست درازی کی ہے عبث تہمت
کہ اپنے ہاتھ گریبان سے تار تار کیا

کام تو کچھ بھی نہیں ہے حشر میں اپنا مگر
آن نکلیں گے تری خاطر اگر آنا ہوا

الٰہی کس کے مژگاں کا تصور ہے یہ ششدر کو
کہ جوں نشتر کھٹکتا ہی نفس ہر دم رگِ جاں میں

ستم کا یہ مزا ہے دل کو الفت ہے کہ اے ظالم
لئے پھرتے ہیں ہم سر بر سد اگر دوں سے دشمن کو

ششدر

ششدر ۔ محمد نور اللہ صاحب ساکن مرزا پور ۔ حضرت وسیم خیر آبادی کے شاگرد ہیں ۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

کالی گھٹا ہو اور ہو موسم بہار کا
ساقی ہو اور دورِ مئے خوشگوار کا

بعدِ فنا بھی سوزِ دروں کا یہ ہو اثر
جلتا رہا چراغ ہمارے مزار کا

کچھ آسماں مٹائے تو کچھ وہ اسے مٹائے
باقی رہے نشاں نہ میرے مزار کا

بعدِ فنا بھی دل کی تڑپ سے یہ خوف ہے
تختہ الٹ نہ جائے ہمارے مزار کا

اقرار وصل کیجئے ہو جھوٹ ہی نہ کیوں	دل توڑئے نہ خستہ امیدوار کا

شعاع

شعاع ظل سبحانی ابو النصر معین الدین اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی حضرت شاہ عالم ثانی کے دوسرے فرزند تھے۔ باپ کی حیات میں مرزا جہاندار شاہ جواں بخت ولیعہد کے انتقال کر جانے سے یہ وارث تخت و تاج شاہی ہوئے۔ ۷ رمضان ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۵۹ء کو مکند پور ریوان میں بروز چہار شنبہ پیدا ہوئے اور ۷ رمضان ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء کو تخت سلطنت پر بیٹھے ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء میں ۸۰ برس کی عمر پاکر عالم جاودانی کو رستہ لیا اور درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے قریب اپنے پدر والا قدر کے پہلو میں آرام کیا۔ مرقد منور پر حضرت ظفر کی تاریخ کندہ ہے ؎

شاہ اکبر فروغ بخش جہاں	منخسف گشت از قضا چوں بدر
پئے سال وفات گفت ظفر	عرش آرام گاہ عالی قدر

موزونی طبع ظل سبحانی کی موروثی ہمدم تھی لیکن فکر سخن کیطرف توجہ کم بلکہ برائے نام تھی لیکن قدر دانی فن بطریق شاہانہ مرکوز خاطر تھی۔ فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون۔ غالب علیخاں سید۔ شاہ نصیر انکے شعرائے دربار میں تھے۔ شہر دہلی میں انگریزوں کی حکومت تھی مگر قلعہ معلیٰ میں بدستور قدیم حکمراں تھے۔ لڑکوں میں مرزا ابو ظفر جو بادشاہ ہو کر بہادر شاہ مشہور ہوئے اور مرزا سلیم مرزا جہانگیر مرزا جہاں خسرو مرزا بابر نام آور ہوئے ہیں ؎

تجھ زلف کے سودے سے یہ دل کیونکر بر آوے	تا حشر نہ چھوٹے یہ بلا جس کے گھر آوے

شعاع

شعاع منشی سید وقار علی مرحوم کی زندگی کا بڑا حصہ آگرہ میں صرف ہوا اور وہیں تکمیل علم کے بعد مرزا حاتم علی بیگ مہر مرحوم کے فیض صحبت سے شاعری کی ابتدا ہوئی۔ ذہانت خداداد کے باعث بہت جلد اس فن میں استعداد معقول حاصل کی چنانچہ مہر مرحوم انہیں ارشد تلامذہ میں سمجھتے تھے۔ ۲۸ سال کی عمر میں عالم شباب میں ہیضہ کرکے راہی ملک بقا ہوئے منشی کفایت علی رسوا انکے چھوٹے بھائی نے چند غزلیں ہنگام ترتیب تذکرہ ارسال کیں۔ اُس میں سے چند اشعار حوالہ قلم ہوئے ؎

موج زن ہے سیلِ اشکِ چشمِ گریاں تا کمر
دستِ قاتل کی صفائی کے ہیں حسرت تن نثار
آبروئے چشمِ نم تر دامنی سے بڑھ گئی
بے قراروں سے فروغِ حسنِ روئے یار ہے
اسکو نظارہ کی عادت اسکو خود بینی کا شوق
صحبتِ اسفل سے برہم ہوتے ہیں نازک مزاج
ہمسری کرکے ہوئی سکتہ کی حالت اے شعاع

دامنِ دریا ہوا ہے اپنا دامان تا کمر
سر سے جب اتری تو پہنچی تیغِ براں تا کمر
ابرِ رحمت سر تک آیا سیلِ عصیاں تا کمر
ہوتی ہے سیماب سے افزوں ضیائے آئینہ
آئینہ اس پر فدا اور وہ فدائے آئینہ
جب گرے پتھر پہ بیشک ٹوٹ جائے آئینہ
خاک اس آئینہ کو منہ دکھائے آئینہ

شعاع — مولوی ضیاء الرحمن خلف مولوی محمد حسین باشندہ حیدر آباد دکن۔ آپکے آبا و اجداد دکن کے مشہور و معروف علما میں سے تھے۔ حضرت شعاع ۱۶ رجب سنہ ۱۳۰۰ھ کو پیدا ہوئے بچپن میں ہی ذہین اور ہونہار تھے۔ فارسی عربی کے علاوہ کچھ انگریزی بھی جانتے ہیں۔ میر محبوب علیخاں فاخر کی توجہ سے شعر و سخن کا شوق ہوا مگر حضرت داغ کے کمالِ شاعری نے انہیں اپنی جانب کھینچا چنانچہ اُنسے افادہ کیا۔ نیچرل جذبات کو نئے پیرایہ میں دکھاتے ہیں۔ سحر مقال سخن طراز ہیں۔ اُردو میں غیر مطبوعہ دیوان موجود ہیں سنہ ۱۹۱۸ء میں حال اور کلام بھیجا تھا اسمیں سے حسبِ ذیل انتخاب درج کیا جاتا ہے ؎

ہمراہ قافلہ ہے درد و غم و الم کا
بلبل چمن میں تیرا دوچہرے اگلوں کو
صحرا میں خاک میری اڑتی پھرے گی ہر سو
اب وہ رونق ہے نہ محفل میں ضیا میرے بعد
بھولی ادا سے ہائے وہ کہتی ہیں دل میں
پتھر بھی ہو تو سنکے پگھل جائے گا شعاع
چلنے آتے ہیں دل میں کارواں کاروانِ غم کے

آباد آج بھی کیا ملکِ عدم نہ ہوگا
حسرت نصیبِ دل پر قسمت سے کم نہ ہوگا
جوشِ جنوں یہ میرا ہرگز بھی کم نہ ہوگا
باغ میں خاک اڑاتی ہے صبا میرے بعد
تم کیا کروگے ہم سے اگر روٹھ جائیں ہم
دردِ جگر کا حال جو اسکو سنائیں ہم
جگہ تھوڑی ہے لاکھوں روز مہماں ہوتے جاتے ہیں

نہ بھولینگے کبھی یادِ ستم اے فتنہ گر برسوں — رہے گا یادگارِ عاشقی داغِ جگر برسوں

ہوش اُڑتے ہیں دیکھکر اُن کو — بُت بھی کیا لاجواب ہوتے ہیں
حضرتِ دل کہیں سُنا بھی ہے — خط کے پُرزے جواب ہوتے ہیں
تُو عدو اور آسمان دشمن — مفت میں ہم خراب ہوتے ہیں

بہار آئی گھٹا چھائی ہے ساقی جوشِ مستی ہے — خدا آباد رکھے میکدہ رونق پرستی ہے

خیالِ یار کی سرکار سے رخصت نہیں ملتی — پھر آنا اے اجل مرنے کی اب فرصت نہیں ملتی
شجاعِ زار کا کیا خاک دل بہلے حسینوں میں — کسی سے ہائے اُسکی چاند سی صورت نہیں ملتی

غمِ فرقت میں اب جانِ حزیں مہمان ہے اک دم کی — کہ لب پر میرے ہے دودِ نفس تصویر ماتم کی
جنازہ تیرے کشتہ کا اٹھا کس شان و شوکت سے — الم کا ہے نشان آگے تو پیچھے فوج ہے غم کی
کرشمہ جو نہ ہوتا اس میں تیری خودنمائی کا — فرشتے کرتے کیوں سجدہ حقیقت کیا تھی آدم کی

مرنے والے ہائے تم پر مر چلے — آئے تھے جس کام کو وہ کر چلے
زندگی تھی اپنی جب تک تھی امید — نامرادی کا بُرا ہو مر چلے

ابرو بھی دونوں ملتے ہیں آنکھیں چرانے سے — چلتی ہے ساتھ تیر کے تلوار دیکھئے

بعد مردن بھی رہی بیتابیِ دل اسقدر — میرے مرقد کی زمیں کو زلزلے آنے لگے

مری بربادیِ دل سے تجھے اے یاس کیا حاصل — کسی کی یاد ہے اسکے سوا کیا دل میں رکھا ہے

خدائی میں خدا کی تم سے بڑھکر کوئی کیا نکلے — حسینوں میں حسیں ہو کر عجب شانِ خدا نکلے
ہوا ہوں اسقدر ایذا طلب ذوقِ محبت میں — ستم تو وہ کئے جائیں مری دل سے دعا نکلے
تصور میں بھی آتے ہیں تو کیا انداز میں اُنکے — ابھی وہ جا چھپے دل میں ابھی آنکھوں میں آ نکلے

طلب میں حور و جنت کی عبادت کر رہا ہے زاہد — اسی مُنہ پر تمہیں دعوے ایزد پرستی ہے

شجاع — جناب شجاع لکھنوی۔ نام اور حال معلوم نہو سکا۔ کلام سے خوش فکر اور روشن
خیال معلوم ہوتے ہیں۔

بلا کس کس کے سر آتی ہے دیکھیں
کھلے ہیں بال آئے ہیں نہا کے

کیا بدنام مر کر نامِ الفت
چلا ہوں قبر میں منہ کو چھپا کے

اُدھر غیروں کو بخشے جام پر جام
ادھر مے پھینکدی ہم کو دکھا کے

پھنسا جو پھر نہیں ممکن رہائی
بلا کے پیچ ہیں زلفِ رسا کے

شعاع مضطرب پر رحم کھاؤ
بٹھا لو پاس محفل میں بلا کے

شعاع

شعاع ۔ جناب سید مصطفےٰ علی صاحب سندیلوی خلف منشی باقر علی صاحب حقانی مرحوم انگریزی اُردو میں اچھی لیاقت ہے طبیعت بھی بہت شوخ اور چلبلی پائی ہے۔ ابھی نوعمر ہیں بچپن سے شاعری کا ذوق ہے۔ سید نذیر حسن صاحب فتنہ اپنا عزیز بتاتے تھے۔ یہ کلام کا انتخاب ہے

کچھ انتہا کا ہے نازک تعلق الفت کا
کہ بات بات میں پیدا ملال ہوتا ہے

ہمارے شیشۂ دل کو نہ توڑ او ظالم
کہ اسکا ٹوٹ کے جڑنا محال ہوتا ہے

خرام ناز سے اُو پھول روندنے والے
خبر ہے یہ بھی کہ دل پائمال ہوتا ہے

کھنچی ہوئی نظر آتی ہے سامنے تصویر
کبھی شعاع جو محو جمال ہوتا ہے

شعلہ

شعلہ ۔ پنڈت امرناتھ پسر پنڈت داتا رام کشمیری لکھنوی۔ نواب سبحان علیخاں کنبوہ کی سرکار میں متعلق تھے موزونی طبع سے شعر کہتے تھے طبیعت کا رنگ ان اشعار سے ظاہر ہے

غم اسیروں کی بھی ہے کچھ اندمال زخم کا
باغباں پھول ایک دو رکھ لے قفس کے چاک میں

تھے نہ سیماب ہوس نے طلا زر گر کے ہم
کیا سمجھکر چرخ نے ہمکو ملایا خاک میں

غبار راہ ہیں پر ہے ہوائے عالم بالا
فلک پر ایکدن پہنچینگے ہم اس خاکساری کر

شعلہ

شعلہ ۔ منشی نراین داس بدایوں کے متوطن اور ایک نہایت ہوشیار لائق اور آتش زبان بزرگ تھے شعر بھی خوب کہتے تھے۔ افسوس کلام نہ ملا۔ یہ کلام ہے

دو قالب ایک جان کہتے ہیں جسکو وہ ہمیں تو ہیں
ہمارا حال اُنسے انکا ہم سے کیونکر نہاں کیوں ہو

رہوں گا جب تلک نزدیک نہ گونگا کبھی بو سہ
دہن اُسکے نہیں ہے انکو عاشق کی زباں کیوں ہو

ہماری آہ وگریہ سے یہ ہے قایم جہاں ورنہ — زمیں پانی پہ کیوں ہوا ور زمیں پر آسماں کیونکر

شعلہ

شعلہ - مولوی محمد یحیٰی علوی سب انسپکٹر پلیس خلف مولوی محمد ابراہیم کاکوروی کوتوال شہر و مجسٹریٹ ریاست چرکھاری ملک بندیل کھنڈ مضمون آفرینی کے ساتھ متانت اور سنجیدگی کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں - مولوی سید نذیر حسن صاحب فتنہ رئیس سندیلہ کے عزیز اور شاگرد ہیں - جو کلام انکی وساطت سے دستیاب ہوا وہ نذر ناظرین ہے ۔

جا نکر کاکل پیچاں کے گنہگاروں میں — پا بزنجیر پھرایا مجھے بازاروں میں
ہے کسی عاشقِ ناشاد کی تربت کی تلاش — بلبلیں پھول لئے پھرتی ہیں منقاروں میں
غم کونین سے آزاد ہیں پینے والے — فکر آتی نہیں بھولے سے بھی میخواروں میں
آتشیں رُخ پر ترے مرتے ہیں اغیار اگر — جھونک دے سب کو دہکتی ہوئی انگاروں میں

شعلہ

شعلہ - ٹھاکر شیولال صاحب رئیس و تعلقدار ڈبائی ضلع بلند شہر سیدھا سادھا شعر کہتے ہیں کسی قسم کی نوبت نہیں ہوتی - زبان صاف ہے - یہ کلام ہے ۔

ہماری سخت جانی کھولیگی دم میں سب جوہر — ذرا ہم بھی دیکھیں آپ کی تلوار کیسی ہے
تبسم برق ہے - آفت ادا ہے - قہر غمزہ ہے — قیامت ناز ہے لیکن نگاہ یار کیسی ہے
جدہر دیکھو ادہر عالم میں اک شور قیامت ہے — تری چال آج کل اے چرخ کج رفتار کیسی ہے
ہمیشہ راست گوئی آپکا شیوا تھا اے شعلہ — خلافِ شان مگر یہ آج کی گفتار کیسی ہے
نیند آنکھوں نہ آئے گی اگر میری بلا سے — مجھکو بھی کوئی تازہ کہانی نہیں آتی

شعلہ

شعلہ - لالہ امراؤ سنگھ صاحب خلف لالہ دیو کی نندن وکیل مرحوم دہلوی تلمیذ راسخ دہلوی علم موسیقی سے خاصہ ذوق تھا اور مختاری کی سند بھی حاصل کر لی تھی - میونسپل کانفرنس دہلی کے سکرٹری بھی ہوئے تھے پچپن برس کی عمر میں دو برس ہوئے انتقال کیا ۔

مرتے مرتے بھی رہی دل میں مرے یاد بتاں — ہائے میں دنیا سے چھاتی پر یہ پتھر لیچلا
ہاتھ لے مشاطہ مت باندھ اس سراپا ناز کے — کیا ہوا دزدِ حنا گر دل چُرا کر لیچلا

ترے کوچے کی ہوا بھی نہ میسر تھی جنہیں	وہی وہ اب تو رہا کرتے ہیں اندر باہر
خاک ہی اپنی اُٹھیگی تو اُٹھیگی وہاں سے	ہم ترے کوچے سے بس نکلینگے مر کر باہر
ابھی ہے دُور شعلہ منزل عشق	دیا دل چھوڑ کیوں تم نے یہیں سے

شعلہ۔ شمع بزم سخن دانی۔ صدر نشین محفل معانی منشی بنواری لال صاحب خلف منشی موتی لال ناظر۔ آپ قوم کے کایستھ اور حصار کے رہنے والے تھے۔ مگر علیگڑھ میں قیام تھا۔ پیشہ وکالت سے معقول آمدنی تھی۔ نازک خیال سخنور اور نکتہ سنج شاعر تھے۔ شعرائے علیگڑھ ہی میں نہیں بلکہ دُور دُور شاعری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ فن شعر میں مرزا تفتہ تلمیذ مرزا غالب سے تلمذ تھا۔ مرزا حاتم علی مہر اور مرزا عنایت علی ماہ کے ہمعصر اور اُنسے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ طبیعت میں جدت کلام میں سنجیدگی اور متانت تھی۔ مکروہ الفاظ اور عامیانہ خیالات سے پرہیز کرتے تھے۔ غزل میں تصوف اور اخلاق کے مضامین زیادہ باندھتے تھے۔ عالم باطن کے مناظر کو عجیب و رنگین اسلوب سے بیان کرنے میں خداداد ملکہ تھا۔ باریک بینی اور نزاکت خیال انکا حصہ تھی۔ شعر کو تشبیہات کے زیور سے بھی سجاتے تھے۔ کلام میں استعارات کی مرصع کاری بھی ہے۔ مگر کہیں مضمون کی اصلیت اور حقیقت کو اس نمایش کے پردہ میں نہیں چھپایا ہے۔ کلام میں پختگی بھی ہے اور سوز و گداز بھی اور درد بھی خوشگوئی اور پاکیزہ خیالی نے علیگڑھ ہی میں نہیں بلکہ صاحبان مذاق سلیم کے دلوں میں آپکی استادی کے ڈنکے بجادیئے تھے۔ یوں تو آپکے تلامذہ کی کافی تعداد تھی مگر منشی کندن لال شہر سہارنپوری سب میں بہترین تھے۔ نازک طبعی کا نمونہ اسطرح دکھایا ہے ؎

خط کو پیدا کیا اللہ نے رخساروں پر	کانٹے رکھدیتے ہیں سب باغ کی دیواروں پر

باغبان پھولوں کی حفاظت کیلئے باغ کی دیواروں پر کانٹے بچھا دیتا ہے۔ محبوب کے گل رخسار کا محافظ سبزہ خط ہے۔ کانٹے اور پھولوں کی مناسبت۔ پھر خیال کی جدت شعر میں سحر آفرینی دکھاتی ہے۔ دیوان اور مثنوی بزم خیال ان میں اچھے اچھے دلکش سین نہایت خوبی اور دلچسپی سے نظم کئے ہیں۔ جو لائق دید ہیں کئی بار چھپ چکے ہیں۔ اسیطرح آپکے دیوان مطبوعہ میں جدت خیال

کے اکثر دلکش نمونے نظر آتے ہیں۔ کیا بےمثل مطلع فرمایا ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

میں جبہ سا ہوں اُس درِ عالی مقام کا
کعبہ جہاں جواب نہ پائے سلام کا

یاں اور آرزو ہے وہاں اور آرزو
دل میرے کام کا ہے نہ میں دل کے کام کا

خنجر سنبھالئے پئے تسلیم خم ہیں ہم
گردن جواب لیکے اُٹھیگی سلام کا

نکلے گی روح توڑ کے ایک ایک بند کو
ثابت کہیں اُترتا ہے جامہ حیات کا

فرصت شگفتگی کی نہ پائی کہ مٹ گیا
غنچہ تھا میں بھی کس چمنِ بے ثبات کا

ناتوانی میں سخت جانی ہائے
ضعف بھی طاقت آزما نکلا

کیا کروں اسکا کچھ علاج نہیں
غیر بھی درد آشنا نکلا

میں وہ گناہ گار ہوں پہنچا جو دیر میں
رحمت لپٹ کے کہنے لگی تو کہاں رہا

دل بھی گیا جگر بھی گیا جان بھی گئی
میں پھر بھی دیکھتا ہی تری شوخیاں رہا

محشر بھی کوئی درد ہے جو اُٹھ کے رہ گیا
شکوہ بھی کوئی غم ہے جو دل میں نہاں رہا

غیر! اور دید طلب مثلِ کلیم
کہیں باتوں میں نہ آجائیگا

شعلہ کچھ بات بھی ہے طعنۂ غیر
یوں ہی مرنا ہے تو مر جائیگا

بیوفا! نقش ہیں جی پر ترے ساری انداز
بے مروت! مری نظروں میں ہے شیوا تیرا

دیکھ ہم صحبتیٔ غیر سے اک دم میں ہوا
روز پہروں کی ملاقات کا چرچا تیرا

دل میں کچھ عشقِ صنم تل کی برابر ہی سہی
کفر اتنا بھی نہ ہو جس میں مسلمان کیسا

ہر برگ خزاں دیدہ بنا ہے کفِ حسرت
گلشن میں سنے رنگ سے شیون ہے ہمارا

وہ چھپتے پھرتے ہیں گھبرائے کیا قیامت ہے
یہ کون عرصۂ محشر میں بیقرار آیا

تکلیف ذرا جنبشِ ابرو کی اُٹھا دو
باتوں سے علاجِ دلِ بسمل نہیں ہوتا

ہجر میں اور بھی مشکل ہے نکلنا دم کا
میں اسی بات پہ مرتا تھا کہ آساں ہوگا

کیا شبِ ہجر میں پھر درد کا درماں ہوگا
دل کا آرام سے رہنا قلقِ جاں ہوگا

اک قدم چل کے دو عالم کو کر گئے پامال
جگر آنکھوں سے ٹپکا اور دلِ شیدا نکل آیا
اے جنوں ہے گلشنِ ایجاد ویرانہ مرا
میں وہ کشتِ نامرادی ہوں زمانہ بھر میں
باغ میں بندِ قبا آپ سمجھکر کھولیں
مہوشوں کو ہے مرے گھر سے کچھ ایسی نفرت
بتِ بیباک محشر میں بھی تو نادم نہیں ہوتا
خود رفتگی نہ پوچھئے گم کردہ عشق کی
یاں ایک ہو رہی میں جہاں سے گذر گئے
پڑتی رہی عدو پہ نگاہِ غضب غلط
اے دل کچھ انکا پاسِ نزاکت بھی چاہئے
واعظ کا ربط ضبط چھپاؤں کہاں تلک
ڈھونڈو گے پھر بھی مشقِ ستم کے لئے مجھے
کیا لئے جاتے ہو چپکے سے چھپا کر ہاتھ میں
ہزاروں کروٹیں بدلیں نہ آیا دل ہی قابو میں
ابھی سے بیٹھ گئے تھک کے قافلے
وابستگی کا کلِ خمدار ہے ہمیں
اے ضعف اب تو جان بھی گرانبار ہے ہمیں
پسندِ طبع آرائش نہیں وحشت پسندوں کو
دمِ ذبح ہے کیا صیاد کا اندازِ بے رحمی
نہ نکلے دم اگر تم پہ لگے آگ ایسے مرنے کو

پاؤں رکھو گے جہاں گنجِ شہیداں ہوگا
میں ایک آنسو ہی سمجھا تھا یہاں کیا کیا نکل آیا
کس کا دیوانہ ہوں اک عالم ہے دیوانہ مرا
برقِ خرمن سوز کا مشتاق ہے دیوانہ مرا
دمِ بلبل نہ نکل جائے کہیں بُو ہو کر
چاندنی تک نہیں پڑتی مری دیواروں پر
وہی دم خم ہے ابرو میں وہی شوخی ہے چتون میں
میری تلاش میں ہے مرا راہبر ہنوز
اور واں کسی ستم سے نہیں درگذر ہنوز
ناوک فگن کے تیر گئے سب کے سب غلط
ہیں بیقراریاں تری او بے ادب غلط
توبہ کی بات پہنچی ہے پیرِ مغاں تلک
دشمن جفا سہیگا تمہاری کہاں تلک
دل نہیں ہے گر تو کیا ہی بندہ پرور ہاتھ میں
خدا نے کوٹ کر بھر دی ہے بجلی دل کے پہلو میں
ابھی تو دور ہے منزل چلو بڑھو بھی کہیں
پھانسی بھی دیجئے تو سزاوار ہی نہیں
اک لاکھ من کا بوجھ دلِ زار ہے ہمیں
کبھی دیکھا بھی ہے سرمہ کسی نے چشمِ آہو میں
دبائے بال و پر مٹھی میں اور منقار چٹکی میں
مٹے ایسا کفن یا رب پڑے خاک ایسے مدفن میں

ادائیں ناز میں غمزہ میں یکتا ہیں تری آنکھیں
بیخودی میں نہ کھلا کچھ کہ خدائی کیا ہے
اپنے پر اپنی ہی منقاریں نوچے میں نے
دل خراشی سے ہے کیا کوہ کنی کو نسبت
نہ نکلے سینہ سے باہر کچھ آرزو تو نہیں
رہنے دو۔ بُرائی ہے اگر میری وفا میں
یارانِ رفتگاں سے وہ کیا روشناس ہو
تم بھی دکھاؤ جلوۂ عالم فروز کو
دل سکھائے گا اگر جور و جفا یاد نہیں
خدا کرے کہیں آجائے دامن ہاتھ میں
ابھی سے ہو جو ہے روزِ شمار ہونیکو
ہزار میں مجھے تم ایک ہو خدا کی قسم
برا ہو آرزوئے وصل کا تحد نے سے مجھے
رہے نہ عشق میں اے شعلہ دین دنیا کے
آفریں وقتِ تصور آہ کی تاثیر کو
دیکھ او ناوک فگن شوقِ دمِ نخچیر کو
تمہیں دل ہو تمہیں جاں ہو تمہیں جینے کی امید
بات سچی ہو تو محشر ہی کی امید کریں
قابو میں دل رہے تو ہے عشقِ بتاں کا لطف
کب تک دکھائے جائیے زخمِ جگر انہیں
کشمکش بعدِ فنا بھی نہ گئی دنیا کی

جو کہو گا سر محشر اُسکو پہلے تم بیٹھ کے تنہا سن لو

غضب کے دل چلے ہیں وسپاہی ساری لشکر میں
دکھیکر بت کو یہ بھولے کہ خدا یاد نہیں
کیا کروں تابِ فراموشی صیاد نہیں
ناخنِ غم سے فزوں تیشۂ فرہاد نہیں
لگا ہوا ترے پیکاں کے منہ لہو تو نہیں
جانے دو شکایت ہی سہی شکرِ جفا میں
جو آنکھ نقشِ پائے سر رہ گذر نہیں
موقوف حشر میری ہی فریاد پر نہیں
ہم بنا لینگے اگر تم ستم ایجاد نہیں
وہ کھیل سمجھے ہیں بے اختیار ہونے کو
وہ ہو چکے بھی جو ہے ایک بار ہونے کو
میں ایک ہوں تمہیں مجھسے ہزار ہونیکو
بغل میں کھینچ لیا ہم کنار ہونیکو
ملے بتوں سے خدائی میں خوار ہونیکو
کروٹیں لاکھوں بدلوائیں تری تصویر کو
حسرتِ زخمِ جگر کھا گئی ہے تیر کو
تمہیں جب غیر کے ٹھیرے تو ہمارا کیا ہو
جھوٹے وعدے ہوں تو مرنیکی تمنا کیا ہو
گویا طوافِ کعبہ ہو بیت الصنم کے ساتھ
کب تک نباہے جائیے اہلِ ستم کے ساتھ
ایک کے ہاتھ سے چھوٹے تو پڑے چار کے ہاتھ

شراب پینے میں اے شعلہ حجتیں کیا ہیں
کچھ آپ کو ہے اپنی نزاکت کی خبر بھی
نگاہِ ناز یہ بیڈھب دل و جگر میں چلی
مل جائے بیٹھ رہنے کو تھوڑی جگہ کہیں
دل اور ایک بوسہ کو انصاف کیجیے
ہو کے پابندِ قفس طاقتِ پرواز بڑھی
اب کیا ہی جوشِ گریہ میں دل کو بھی کھو چلے
میں آپ پر فدا ہوں فدا آپ غیر پر
دل ایک اور خون کے پیاسے ہزار ہا
نگاہ چہرہ پہ دل زلفِ پُرشکن میں ہے
وہ ذکرِ وحدتِ حق ہے کہ ہر سخن میں ہے
کھینچ خنجر سے رگِ گردن کہ بیڑا پار ہو
خمارِ ہستیٔ ناپائدار دیکھ چکا
اُس دہانِ تنگ میں دانتوں کے ہونے سے کھلا
کیوں نہ ہوں ہنگامۂ محشر مری بیداریاں
ہجر میں یہ بیقراری وصل میں یہ اضطراب
دل پھینک دوں نکال کے سینہ سے جب کہو
اپنا ہی ایک غم ہے سو کیا کم ہے ہم نشیں
چھپا ہوا سا ہے طرزِ حجاب شوخی میں
آئینہ خانہ ہوئی عشق میں حیرت میری
چھوڑ دو تھوڑی جگہ او سونے والو گور کے

تمام شہر میں تُو دیندار باقی ہے
زلفوں کو سنبھالو نہیں جاتی ہے کمر بھی
الٰہی خیر کہ تلوار گھر ہی گھر میں چلی
کعبہ اگر نہیں ہے تو بیت الصنم سہی
اس پر بھی یہ گراں ہے تو کچھ اور کم سہی
پر جو توڑے مرے صیاد نے شہپر نکلے
ہم تو بُرے کی جان کو پہلے ہی رو چکے
میرا اور آپ کا تو کچھ افسانہ ایک ہے
سو رندِ بادہ نوش میں پیمانہ ایک ہے
قفس کا رستہ بھی نکلا ہوا چمن میں ہے
مثالِ رشتۂ تسبیح سو دہن میں ہے
فرق اک دو ہاتھ ہی کا کشتی و ساحل میں ہے
چلا ہوں جوش میں پھر ساغر و سبو کیلئے
سر پہ پھر منشیٔ تقدیر دوانہ ہے
دفترِ روزِ قیامت مرا اک افسانہ ہے
دل کی ہر اک بات میں اک طرزِ سیمابانہ ہے
حسرت مگر نہیں ہے مرے اختیار کی
دل میں جگہ کہاں ہے غمِ روزگار کی
کھلی کھلی ہوئی شوخی ترے حجاب میں ہے
تیری صورت میں نظر آتی ہے صورت میری
اُٹھ کے بیٹھو اور اک خانہ خراب آئینہ کو ہے

گوشۂ دل میں خیالِ بے نقاب آئینکو ہے
ذرہ کی خلوت سرا میں آفتاب آئینکو ہے

جنوں کا سلسلہ در پردہ نکلا حُسنِ نہاں سے
حجابِ یار رسوا ہے مرے چاکِ گریباں سے

غلط یہ ہے کہ خوفِ خوں بہا سے گھر میں چھپ بیٹھے
نگر ہاں پاک دامن بیگئے خونِ شہیداں سے

خدا سے مانگ رہا تھا تمہیں جفا کے لئے
قدم اثر نے اتر کر مری دعا کے لئے

مژدہ اے جانِ حزیں سے ستم ایجاد آیا
ہاں مبارک سرِ شوریدہ وہ جلاد آیا

[illegible]

کدھر ہے ساقیِ بزمِ شبِ ماہ
کھلا بندِ نقابِ حُسن دلخواہ

صدائے نغمہ کی افسوں گری ہے
عجب در پردہ سازِ دلبری ہے

فلک جلوہ فروشِ ماہِ تاباں
زمینِ برج بن گسترہ داماں

شبِ ماہتاب فرشِ چادرِ نور
بیاباں در بیاباں جلوۂ طور

مجلا نور تھا ہر اک طبق میں
زمیں لپٹی تھی چاندی کے ورق میں

شکن موجِ ہوا سے آسماں میں
جھلک سیماب کی ریگِ رواں میں

زمیں پر فرش تھا کل چاندنی کا
مہ تاباں تھا اک گل چاندنی کا

ملمع تھا ہر اک گل پر سنہرا
نظر آتا تھا ہر پتہ روپہرا

معطر دشت تھا عطرِ حنا میں
لپٹ کافور کی موجِ ہوا میں

عجب شفاف دریا کی روانی
بھرا نکھرا ہوا چاندی کا پانی

یہ آب و تاب تھی انوارِ مہ میں
جھلکتی تھی زمیں جمنا کی تہ میں

رگِ تارِ نظر پائی نظر تھی
نظر کو بھی نظر آتی نظر تھی

نباافشاں تھا ہر تابندہ کوکب
مہِ انور تھا اک خالِ رخِ شب

وہی تھی روشنی جو طور میں تھی
عروسِ شب مستغرق نور میں تھی

مہ گردوں عجب جلوہ فشاں تھا
زمیں پر جو گرا سایہ کتاں تھا

بھرا تھا نور مہ سے تا بماہی
بنی تھی چاندنی ظلِ الٰہی

نمونہ دشت تھا حسنِ جہاں کا | نقاب الٹا تھا روئے مہ وشاں کا
بہارِ حسن کا تھا جوش بن میں | شجر باہم تھے ہم آغوش بن میں
لبِ جو کنج کی ٹھنڈی ہوائیں | خمیدہ برج بن کی تھیں لتائیں
چمک تھی ہر رگِ برگِ شجر میں | چکاچوند آ رہی تھی دشت و بر میں
پئے سیرِ بہارِ حسنِ صحرا | شبِ مہتاب و موجِ آبِ دریا
دل و جاں۔ دلربا۔ دلبر۔ دل آرام | چھبیلے چھیل۔ بانکے چھب سری شیام
سراپا عشوہ گر سر تا قدم ناز | برنگِ حسن خود طاؤس طناز
ہوا یوں جلوہ فرما برج بن میں | بہارِ ناز جوں صحنِ چمن میں
دھری مرلی ادھر گردھر نے چھب سے | بھرے سر شیام نے اعجاز لب سے
صدائے نغمہ نے غارت ہوش | دو عالم بیخودی سے خود فراموش
قیامت زا عجب اندازِ نے تھا | لبِ جاں آفریں دم سازِ نے تھا
ہوا تھا سوز سے بیتاب پانی | بنا تھا آگ پر سیماب پانی
تھمی رک رک کے لہروں کی روانی | جما چلتا ہوا جمنا کا پانی
سمٹ کر رات سانچے میں ڈھلی تھی | شبِ مہتاب چاندی کی ڈلی تھی
کہیں سوز اور کہیں جلوہ کا تھا ساز | ادھر چھائی ادھر مرلی کی آواز
تلاشِ دل میں ہر نغمہ رواں تھا | بندھا مرلی کی دھن کا اک سماں تھا
غرض جو عالمِ ایجاد میں تھا | برنگِ نے عجب فریاد میں تھا
ہر اک آوازِ پیغامِ بشارت | ہر اک انگلی میں تھی رمزِ اشارت
سپئے بوسے دئے پیغام لب کے | پکارے جنتری میں نام سب کے
کیا بے چین ساری گوپیوں کو | پکارا پریم پیاری گوپیوں کو
یہ کہکر سب نے تن من دھن بسارا | چلو دیکھیں کہ ٹیڑھے کا منھ پیارا

دفورِ شوق سے رعشہ بدن میں — نہ جان تن میں نہ تن تھا پیرہن میں
روانہ سوئے بن از خود فراموش — پری رُویان متھرا دوش بر دوش
بھرا جادو تھا بنسی کی صدا میں — ہزاروں گر گئیں رنخے خیا میں
نہ سُدھ گھر کی نہ سدھ تن کی نہ من کی — ہوا سر میں بھری تھی برج بن کی

شعلہ۔ مولوی محمد امیر صاحب خلف مولوی عبدالحمید صاحب شوق نگراسوی۔ آپ علوم عربیہ کی تکمیل کے بعد سہارنپور میں تجارت کرتے ہیں۔ ۳۰ سال کی عمر ہے۔ کاتب تذکرہ کے عزیز ہیں ؎

عشق شامل ثواب میں دیکھا — ہجر داخل عذاب میں دیکھا
اپنے جانی کا خوں روا رکھنا — یہ تو شیوہ جناب میں دیکھا
دل کو فوراً ہی اپنا کر لینا — چشم فتنہ مآب میں دیکھا
جائے پانی کی خونِ دل پینا — عشق خانہ خراب میں دیکھا
سونگھی تھی اُسکے گیسوئے مشکیں کی بو کبھی — نافہ اسی خطا میں ختن سے نکل گیا
پھر کیا رہیگا لطف چمن میں بہار کا — جھونکا خزاں کا جب کوئی سن سے نکل گیا

قطعات و تقاریظ

حصہ چہارم

تقریظ تراوید ۂ قلم گہر بار ہز ایکسیلینسی راجہ راجان مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر شاد مدار المہام و پیشکار و رئیس اعظم حیدرآباد دکن

شاد نواز۔

تذکرۂ خمخانۂ جاوید جلد اول و دوم یک یک جلد و ضمیمہ یادگار داغ کی دو جلدیں آپکی مرسلہ وصول ہوئیں جنکا شکریہ نہ صرف زبان و زبان قلم ہی سے بلکہ دل سے ادا کیا جاتا ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ خمخانۂ جاوید یا تذکرہ ہزار داستان اردو پبلک کیلئے ایک غیر معمولی بلکہ غیر مترقبہ نعمت ہی۔ اسکے جس پہلو پر نظر ڈالی جائے حیرت سے خالی نہیں۔ اگر تعداد شعرا پر نظر ڈالی جائے تو یقیناً آجتک کوئی تذکرہ اسکی مثال میں پیش نہیں کر سکتے جس میں سیکڑوں سے نمبر متجاوز ہو۔ اور لطف یہ کہ صرف نام اور تخلص ہی نہیں بلکہ ہر شاعر کا تھوڑا بہت حال بھی درج ہے جو بہ مناسبت کتاب دلچسپی سے خالی نہیں۔ اگر انتخاب کلام کیطرف دیکھا جائے تو آپ کو فنائی الشعر کہنا بیجا نہوگا۔ کیونکہ صدہا شعرا کے گرم و سرد اشعار میں سے ایسا لاجواب انتخاب کرنا کہ جس سے شاعر کی قدر و وقعت عام دلوں میں زیادہ ہو۔ نکتہ چینوں کو عیب بینی اور عیب بینوں کو نکتہ چینی کا موقع نہ ملے۔ یہ بات معمولی شوق یا سرسری نظر سے کبھی پیدا ہونی ممکن ہی نہیں تاوقتیکہ انسان محویت تامہ نہ حاصل کرے۔ اور جس کام کو شروع کیا ہے اسی کا ہو رہے۔ اگر اظہار حالات و واقعات و منصفانہ انتخاب کو بچشم غور دیکھا جائے

ے یہ تقریظ ۱۹۱۸ء میں موصول ہوئی تھی جبکہ حصہ چہارم چھپنے کی تیاری ہو رہی تھی مگر کچھ ایسے حادثات پیش آتے رہے کہ آٹھ برس بعد اسکی اشاعت کی

تو آپکی بے تعصبانہ طبیعت کی جیتی جاگتی تصویر نہ اہل دہلی کی خواہ مخواہ جنبہ داری نہ اہل لکھنؤ سے بیجا تعرض اگر لکھائی چھپائی کاغذ وغیرہ کو دیکھیں تو وہ بھی آپکی اولوالعزمی اور فراخ حوصلگی کا قابل قدر نمونہ جو اتنی اتنی بڑی ضخیم متعدد جلدوں کے پیرائے میں اپنی شان آپ ہی دکھا رہا ہے۔ اگر طرز بیان کیطرف خیال کریں تو سلاست فصاحت متانت سے مالا مال اور اسقدر جید دلکش و دلچسپ کہ پڑھنے والوں کے دل و دماغ کو اپنی برقی قوت سے متاثر کرکے آئینہ حیرت بنائے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتی۔ غرض یہ کہ تذکرہ حسن سیرت و حسن صورت دونوں میں لاجواب ہے۔ جلد خوشنما اُس پر طلائی نام ٹائٹل پیج رنگینی و گلکاری سے صحن چمن۔

آپکے ابتدائی شوق یعنی ۱۸۹۲ء اور زمانہ اشاعت یعنی ۱۹۰۶ء کی دل آویز تصنیفیں زبان حال سے پکار رہی ہیں کہ بیمثل ذخیرہ آپکی اُس چاردہ سالہ کوشش کا نتیجہ ہے کہ جسکو آپنے باوجود انہماک مشاغل خانگی و خدمات سرکاری اپنے انتہائی ذوق و شوق کے ہاتھوں معراج تکمیل تک پہنچایا۔ للہ الحمد کہ آپکی اس محنت شاقہ اور سعی مالایطاق کا سب سے پہلا اور مبارک نتیجہ یہ نکلا کہ اسکی سرپرستی محبوب دکن سلطان قلم و سخن حضرت آصف سادس غفران مکان طاب اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ نے قبول فرماکر اور بھی چار چاند لگا دئے۔

الغرض جس طرح آپنے اسپنے اور اس فقیر کے جد اعلیٰ راجہ ٹوڈرمل بہادر کی روح کو تازہ کیا ہے اسیطرح آپ بھی اپنے نہال شفقت سے کامیابی کا ثمرہ حاصل کریں۔ ۱۰ فروری ۱۹۱۸ء سے سفر میں ہوں ایکماہ پانچ روز بمبئی میں اعلیٰحضرت کے ہمرکاب قیام کرنیکے بعد ۱۲ مارچ کو وہاں سے روانہ ہوکر ۱۵ مارچ کو گلبرگہ پہنچا۔ اب یہاں سے امروز فردا میں روانگی حیدرآباد کا عزم ہے۔ باقی خیریت ہے۔ فقیر کشن پرشاد

تقریظ از نتائج طبع گہربار مستغنی الالقاب مسیح الملک محبی و مخدومی حکیم اجمل خانصاحب رئیس اعظم دہلی

خمخانہ جاوید۔ یہ تذکرۃ الشعرا جسکی چوتھی جلد زیور طبع سے آراستہ ہوکر آپتک پہنچ رہی ہے میرے دوست قدیم لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی تالیف سے ہے۔ لالہ صاحب موصوف

نے اس بیش بہا تالیف کے لیے بہت کچھ صرفِ زر کرکے ایک ایسا اچھا قیمتی کتب خانہ فراہم کیا جس میں سینکڑوں اُردو کے نایاب دیوان موجود ہیں۔ اسکے علاوہ انہوں نے جسقدر شوق محنت اور سلیقہ کیساتھ اُردو علم ادب کی خدمت انجام دی ہے اسکا اندازہ انکے وہ دوست اچھی طرح کرسکتے ہیں جنہوں نے انکی گذشتہ برسوں کی مسلسل اور اَن تھک کوششوں کو دیکھا ہے۔

سینکڑوں گمنام شعراء کا اُردو علم ادب کے شائقین کے ساتھ تعارف کرانا اور اُنکے بہتر کلام کو منتخب کرکے اُن کے ضروری حالات کیساتھ "خمخانہ جاوید" کی صورت میں منظرِ عام پر لانا ایک ایسی جلیل القدر خدمت ہے جسے اہل دہلی اور دوسرے ملک کے سخن فہم حضرات کبھی بھول نہیں سکتے۔ میں اپنے دوست کو صدقِ دل سے اس جلد کی تکمیل پر مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ باقی جلدیں بھی ان کے ہاتھوں سے جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں۔ تاکہ ہندوستان کی اردو داں دنیا اس میدان کے ہزاروں شہسواروں سے واقفیت حاصل کرسکے۔ مجھے امید ہے کہ ملک کے قدردان حضرات جلد سے جلد اس مفید سلسلہ کیطرف خاص توجہ فرمائینگے۔ تاکہ لالہ صاحب ممدوح "خمخانہ جاوید" کی بقیہ خدمت کو آسانی کے ساتھ انجام تک پہنچا سکیں۔

محمد اجمل خاں

تقریظ چکیدۂ قلم مسیحا دم شفیقی و مکرمی ارسطو فطرت جالینوس حکمت حکیم محمد احمد خاں صاحب خلف اکبر حاذق الملک حکیم عبد المجید خاں صاحب مرحوم دہلوی

مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم کی "آبِ حیات" کے بعد لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی کتاب "خمخانہ جاوید" ایک ایسی کتاب ہے جو اُردو شاعری کی تاریخ کو دورِ حاضرہ تک مکمل کرتی ہے۔ اور اگر "آبحیات" نے آزاد مرحوم کو حیاتِ جاوید کا درجہ دیا ہے تو "خمخانہ" نے لالہ سری رام صاحب کے نام کو اس قابل بنا دیا ہے کہ جبتک دنیا میں اُردو کا نام زندہ ہے یہ نام بھی زندہ رہیگا۔ "خمخانہ جاوید" کا یہ چوتھا اور وسطی حصہ ہے جو اسوقت پبلک کے سامنے ہے۔ اور اس نے لالہ سری رام کے قلمی جد و جہد کا سفر ایک حد تک ختم کردیا ہے جسمیں وہ چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ ہوا کہ مشغول

ہیں۔ اور اس کامیابی پر وہ نہ صرف اردو کی دنیائے ادب بلکہ تمام علمی دنیا کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں جب میں انکی لگاتار محنتوں اور جانکاہیوں کا خیال کرتا ہوں جنمیں گویا انہوں نے اپنا عہد شباب ختم کر دیا تو بے اختیار آپکی عزت کا ایک ایسا احساس قلب میں پیدا ہوتا ہے کہ الفاظ میں انکا اظہار دشوار ہے "خمخانۂ جاوید" کی تدوین اور تالیف کے بعد لالہ سری رام اب دنیا کے تاریخی لوگوں میں ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اردو زبان اپنے اس محسن کے نام کو کبھی نہ بھولیگی جس نے اس کتاب کی تیاری میں جوانی اور جوانی کی مسرتیں قربان کر دیں اور جس کام کو اردو کے کروروں قدردان نہ کر سکے لیلئ اردو کے اس مجنوں نے اپنی تنہا ذات سے پورا کر دیا۔

اجرش دہد خدا کہ کردہ است یاوری ۔۔۔ بہ آں کسے کہ یاور و ناصر ندا شتند

آج کے ہندوستان میں ایسی ہستیاں کہاں ہیں، جو لالہ سری رام صاحب کی طرح اپنی زندگی کے بہترین ایام و سال ایک زبان کی خدمت پر نثار کر دیں محض اس لئے کہ وہ زندہ رہے انہوں نے صرف اردو شاعری اور اردو شعرا کو پیش نظر رکھا ہے اور کوئی امتیاز مذہب و نسل گوارا نہیں کیا ہے، ہزاروں مسلمان اور بہت سے ہندو شاعر ہیں جنکا اس کتاب میں تذکرہ ہے اور انکے کلام کا انتخاب اس حسن انتخاب اور سلیقہ سے کیا ہے کہ اس سے بہتر وہ خود بھی کیا لکھ سکتے تھے۔ یہ معمولی کام نہیں ہے اسکی دشواریوں کو صرف وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس قسم کی تالیفات کے میدان میں بادیہ پیمائی کی ہو۔ یا لالہ سری رام صاحب کے قریب رہ کر ان کی جانکاہ اور مسلسل مشغولیتوں کو دیکھا ہو۔ انہوں نے اپنا وقت اور اپنا روپیہ اس کام پر اسطرح بے دریغ صرف کر دیا ہے گویا خدا نے انہیں اسی کام کیلیے پیدا کیا تھا اور انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ میرا مقصد زندگی یہی ہے۔ اس پر میں سمجھتا ہوں کہ تمام ہندوستان اور دنیا کے تمام علمی طبقات کی طرف سے وہ شکر گذاری کے مستحق ہیں۔ کاش اردو کے قدردان جنکی تعداد لاکھوں نہیں کروروں ہے سمجھیں کہ لالہ سری رام صاحب نے تو اپنا کام کر دیا۔ اب ہمارا فرض ان کی شکر گذاری کے سلسلہ میں کیا ہے؟

محمد احمد فروری سنہ ۱۹۲۶ء

قطعہ عطیہ مکرمی و محبی خان بہادر قاضی شوکت حسین رئیس و آنریری مجسٹریٹ اوآباد

اہلِ فن اسکو بنا لینگے گلے کا تعویذ
تذکرہ ہے شعرا کا یہ دلاویز کتاب

بے پئے مست ہوں جس سے یہ وہ خمخانہ ہے
نہ یہاں حاجت ساغر ہے نہ پروائے شراب

ساقی بزم سر یرام سے دریا دل ہیں
تشنۂ لطف سخن آکے یہاں ہوں سیراب

طبع کی اُسکے ہے پُرکیف یہ شوکت تاریخ
حصۂ چارم خمخانہ ہے دُرِ نایاب
۱۹۲۶ء

تقریظ و قطعات تاریخ از نتیجہ فکر شاعر نازک خیال سخنور عدیم المثال حاجی مرزا سید محمد خان متخلص بہ حاجی میر منشی پشتو پیچر و میر مشاعرہ بزم سخن صدر الپنڈی

قطعہ اول بقاعدہ توشیح

ہاں اتر آئی جناں خمخانۂ جاوید میں
بھر گئیں سب جھولیاں خمخانۂ جاوید میں

اللہ اللہ کسقدر زاہد کو بھی ہے اس سے شوق
جسم مسجد میں ہے جاں خمخانۂ جاوید میں

میں گرا سجدہ میں ساغر لیا جھک کر رکوع
وہ صراحی کی اذاں خمخانۂ جاوید میں

درج ہیں اسمیں سخن سب شاعران ہند کے
دیکھ لو ہندوستاں خمخانۂ جاوید میں

اسمیں ہیں سب شاعرانِ حال و ماضی کے سخن
جمع ہیں پیر و جواں خمخانۂ جاوید میں

ساری دنیا کی ہے اسمیں سیر آؤ دیکھ لو
ساری دنیا ہے نہاں خمخانۂ جاوید میں

چل ہمارے ساتھ تو بھی اے دلِ حسرت زدہ
جمع ہے سارا جہاں خمخانۂ جاوید میں

دلنشیں ہے دلنشیں ایک حصہ دلنشیں
جاں نشیں ہے داستاں خمخانۂ جاوید میں

ذرہ ذرہ کی تمنا ہے بنوں میں خاک ب
ٹھہرنا ممکن کہاں خمخانۂ جاوید میں

صفحہ نقطے حرف بولے مجھ سے کیا دیکھا اِدھر
چاند تارے آسماں خمخانۂ جاوید میں

جائیں وہ جائیں جنھیں رہنا ہے انہیں ہم کو الگ
گھر بنا لیں میکشاں خمخانۂ جاوید میں

کیوں نہ ہو قربان تجھ پر اے سر یرام انتخاب
[illegible] گلستاں خمخانۂ جاوید میں

تیری سب جہاں ہیں جہاں میں	تو نہا ہی میزبان خمخانۂ جاوید میں
دیکھ لو آئینہ ای حاجی ابھی تاریخ طبع	لو جو حیواں کی زباں خمخانۂ جاوید میں
۱۳۳۵ھ صدر عروض ۱۹۱۷ء	ابتدا منقوطہ و ضرب منقوطہ = ۱۹۱۷ء

نوٹ۔ مندرجہ بالا نظم سے پانچ تاریخیں تین ہجری اور دو عیسوی بدیں تفصیل پیدا ہوتی ہیں۔

(۱) حروف اول صدر سے ۱۳۳۵ھ

(۲) حروف اول صدر و حروف آخر عروض سے ۱۹۱۷ء

(۳) حروف اول ابتدا سے ۱۳۳۵ھ

(۴) حروف اول ابتدا منقوطہ و حروف آخر ضرب منقوطہ سے ۱۹۱۷ء

(۵) چودھویں شعر کے مصرعۂ ثانی سے بہ صنعت تعمیہ خارجی و داخلی ۱۳۳۵ھ

قاعدہ۔ د × د = و۔ و، ی
ا × ا = ۱۰۰
ل × ل = ۹۰۰ ظ
ی × ی = ۱۰۰ ق
ل × ل = ۹۰۰ ظ

[illegible]

د =	۶
ی =	۱۰
ظ =	۹۰۰
ق =	۱۰۰
ظ =	۹۰۰
	۱۹۱۷ء

جناب سری رام یکتائے عالم
کتاب انکی یہ بے بدل ہے بے بدل ہے

آئینہ تو الٰہی سے سن طبع ہے نایاب ۱۳۳۵ھ
منقوطہ سے کرتا ہے مہ سال کو روشن

ہم کہے دیتے ہیں کہنا صاف اچھا تذکرہ ۱۳۳۵
دل میں پیدا ہو اگر تاریخ مفصل کا خیال

کم ہے جتنی داد دیں اس تذکرہ کی اہل فن

دیگر
ہر اک فن میں کامل ہر اک فن ہیں کامل
لکھو حاجی تاریخ اس کی دلائل ۱۹۱۷ء

دیگر
تاباں سر اختر سے ہے تاریخ کا خورشید
نایاب سری رام کا خمخانۂ جاوید
۱۳۳۵ھ　۱۹۱۷ء　۱۳۳۵

دیگر
جب سن ہجری کا ای حاجی کہیں مذکور ہو
یک قلم اعدا کا اس تذکرہ سے دور ہو ۱۳۲۲

دیگر
اسکی جا لکھا ہی ہیں اک عمر مصنف کھپ گئی

نوٹ۔ ۱۹۱۷ء میں [illegible] رہے کہ اب تک اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔

میں نے ای حاجی جو پوچھا دل سے اسکا سالِ طبع	یہ کہا اس تذکرہ کی جلد چوتھی چھپ گئی ۱۹۱۷ء

اقتباس از تحریر و قطعۂ تاریخ از ماہر کامل فن محقق منورِ سخن سید محمد نذیر حسن نسیم ابو العلائی ہلسوی عظیم آباد

مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ خمخانۂ جاوید کے معتد بہ اوراق جناب کی زبان فصاحت ترجمان سے میں نے سنے ہیں۔ اور میں اس سامعہ نوازی کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب کی یہ نادر تالیف محتاجِ تعریف و توصیف نہیں۔ ع حاجتِ مشاطہ نیست روئے دل آرام۔ رہا ادب اردو میں ایسا گراں قدر اور بیش بہا اضافہ ہر طرح ایک خاص قدر دانی کا مستحق ہے۔

یکتائے دہر لالہ سری رام کیوں نہوں	یہ صاحبِ کمال ہیں یہ واقفِ ہنر
علامۂ زماں ہیں تو یہ ماہرِ زباں	فاضل ہیں علم و فن سے ہیں آگاہ و باخبر
لکھا سخنوروں کا وہ بے مثل تذکرہ	ہے آج جس کا ذکر جہاں میں ادھر اُدھر
یہ ملک و قوم دونوں کے حق میں مفید ہے	یہ اہلِ شوق کے لئے گویا ہے راہ بر
دلچسپ و دلفریب دل آرام و دلربا	ہیں اسمیں خوبرویوں کے اوصاف سر بسر
تحقیق کی تلاش کی کیا داد دیجئے	پڑھیئے اسے تو کہیئے بہر حال معتبر
جو مر چکے تو از سرِ نو زندہ ہو گئے	معجز نما ہے طرزِ نگارش بھی کس قدر
جو زندہ ہیں وہ از سرِ نو زندہ ہو گئے	اب ہیں فنا سے دور فنا اُن سے دور تر
کیوں پڑھ کے یوں نہ داد مؤلف کو دیجئے	یہ شوق یہ تلاش یہ تحقیق یہ نظر
یہ لطف۔ یہ زباں یہ اسلوب یہ روش	یہ سحر یہ بیان یہ تاثیر یہ اثر
تعریف اس کتاب کی لکھنی محال ہے	دل کی یہی صلاح ہے کہ اسکی نہ فکر کر

برجستہ ہے یہ مصرعہ تاریخ لکھ نسیم
احسان خاص یہ بھی ہے اردو زبان پر
۱۳۱ ۱۳ھ

از جناب سید رحمت علی صاحب ماہر بدیری منشی فاضل ہیڈ مولوی بی آکوٹ ڈلہ ضلع آگرہ

ایسا جامع تذکرہ اردو زبان میں کیا بلکہ دوسری زبانوں میں بھی اس بسط کیساتھ نہ لکھا گیا ہوگا۔ خدائے تعالی اس کا اجر آپ کو عطا فرمائے میں آپکو اس بیمثل کام کی مبارکباد دیتا ہوں یہ تذکرہ شعرا کے لئے ایک استاد کامل ہے اور اہل کلام کیلئے قائد و رہبر۔ اگر شائقان بادہ معرفت کے لئے خمخانہ جاوید ہے تو سرگشتگان ظلمت جہل و سفاہت کے لئے بمنزلہ خورشید۔ آپکی محنت و جانفشانی کی داد دینے میں زبان قاصر ہے اور ملکہ انتخاب کی مدح سرائی میں دل و دماغ کی کوتاہی ظاہر ہے

للہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر میخواست	آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

اقتباس از تحریر فاضل اجل ادیب اکمل مولوی مولینا نجم الغنی صاحب رامپوری مصنف تاریخ ریاست رامپور

آپنے ہزارہا اہل کمال کو زندہ جاوید بنا دیا۔ اس لئے ہر شخص کا جو اس فن کے خدمت گذاروں میں سے ہے یہ فرض ہے کہ اس کام میں وہ آپکا ہاتھ بٹائے۔ آپکی عرق ریزی اور طبع وقاد کا ہر شخص معترف ہے آپنے ایسا بڑا کام کیا ہے کہ اسمیں بڑے سے بڑے ماہر سے ہزاروں فروگذاشتیں ہوئیں حق یہ ہے کہ آپکا تذکرہ بہت صاف ہے آپکا طرز انتخاب نہایت لاجواب ہے۔ واللہ آپنے بڑے بڑے سخن فہموں کو راستہ انتخاب بتا دیا ہے۔

اقتباس از تحریر منشی محمد حنیف صاحب عجب

میرے نزدیک جو شخص بھی آپکی اس اپنی نوعیت میں لاجواب تصنیف کو دیکھیگا بیساختہ آپکی جدوجہد اور کامیاب سعی و تلاش پر آفریں پکار اٹھیگا۔ اردو زبان اور اسکے حامی آپکے اس

گرانقدر التفات کو ہمیشہ بنظر استحسان دیکھینگے بلکہ منت پذیری کا اعتراف نکرنا کفران نعمت خیال کرینگے۔ جزاک اللہ۔ ع مردان چنیں کنند آفریں باد۔ زمانۂ حال کے شعرا یا موزوں طبع حضرات کے نام اور کلام فراہم کرنے میں واقعی آپنے بیحد محنت سے کام لیا۔

ریختہ کلک ادیب نامور پنڈت سکھدیو پرشاد مہر سابق ڈپٹی انسپکٹر مدارس ریاست بھرت پور

واقعی آپکا تذکرہ لاجواب ہی اور آپکا احسان اُردوداں پبلک پر ایسا ہو رہا ہے کہ جس کا شکریہ ادا کرنا آسان کام نہیں آپ ایسے صاحب ہمت کا کام ہے کہ ایسے بڑے کام کو شروع کرنا اور اس کی تکمیل میں ہر طرح کی کوشش فرمانا اسقدر بڑے تذکرہ کا ترتیب دینا کوئی آسان کھیل نہیں یہ آپکا احسان اُردوداں پبلک کیلئے ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہی۔ فخر ملک۔ مجھے آپکے تذکرہ سے سچی ہمدردی ہے۔ چند قطعات تاریخ مختلف سنوں کے برائے جلد چہارم ارسال خدمت ہیں۔

اہلِ سخن نے اور بھی لکھے ہیں تذکرے
کیسا مبالغہ یہ خدا لگتی بات ہے
اس منصفی کے آپکے قربان جائیے
واللہ انتخاب کا بھی انتخاب ہے
گمنام شاعروں کا بھی چمکا دیا ہے نام
اُردو زباں کے آپ بھی خواہ ہیں بدل
اُردو زباں کی دہلی ہے ٹکسال واقعی
ہے مستحق داد عرق ریزی آپ کی
آپ ہر سے آپنے شاید لکھا ہے یہ
پبلک کو چاہیئے کہ کرے قدر آپ کی

لیکن یہ تذکرہ ہی زمانہ میں لاجواب
بے لاگ منصفی سے کیا خوب انتخاب
جانِ غزل کیا ہے ہر اک شعر انتخاب
بیجا نہیں ہی کہنا اسے عطرِ انتخاب
روشن ہوا نام آپ کا مانند آفتاب
اللہ آپکو کرے اس فن میں کامیاب
کہا ہیں یہ میری بات ہی حساد پیچ و تاب
پیدا ہوا نہ ہوگا نہ ہے آپکا جواب
ہے تذکرہ ہی یا گوہر نایاب کیسی آب
اسکے صلہ میں بخشے گو زشتہ بھی خطا

للہ جلد کیجئے اب ختم تذکرہ ‌‌ ‌‌ ‌‌ ہے انتظار جلد چہارم میں اضطراب
اسکا گواہ مصرعۂ تاریخ مہر ہے ‌‌ ‌‌ ‌‌ یہ تذکرہ ہے لالہ سری رام لاجواب ۱۳۴۵ ہجری

دیگر

مولف کی لگی محنت ٹھکانے ‌‌ ‌‌ ‌‌ ہر اک آغاز کا ہے مہر انجام
چہارم جلد ہے لو نذر پبلک ‌‌ ‌‌ ‌‌ پھلا اب باغ تالیف سری رام ۱۳۴۵ ہجری

دیگر

دن رات غرق رہ کے مولف نے فکر میں ‌‌ ‌‌ ‌‌ بحر سخن سے اونکالی ہے مہر یہ
رکھی ہے آج نذر یہ پبلک کے روبرو ‌‌ ‌‌ ‌‌ اس تذکرہ کی جلد چہارم ہے مہر یہ ۱۳۴۵ ہجری
دیکھکر اسکو تشفی ہو گئی ‌‌ ‌‌ ‌‌ کھل گئی خود مہر کے شک کی گرہ
پھر سن یہ غیب سے آئی ندا ‌‌ ‌‌ ‌‌ ہے چہارم جلد قلب تذکرہ ۱۹۲۶ء

مصرعۂ تاریخ ع اس تذکرہ کی جلد چہارم ہو مبارک ۱۳۴۵ ہجری

از نتائج افکار گہربار جناب منشی محمد احسان حسن خانصاحب احسانؔ رئیس چھوپارہ ضلع مظفرپور بہار

للہ الحمد مرآں چیز کہ خاطر میخواست ‌‌ ‌‌ ‌‌ آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

مجھے عرصہ سے ایک جامع تذکرہ شعرائے اردو زبان کی تلاش تھی جسمیں ہر طبقہ کے مشاہیر اور غیر مشاہیر شعرا ہوں للہ الحمد کہ اب وہ تمنائے دلی تذکرہ ہزار ملقب بہ خمخانہ جاوید کی صورت میں جلوہ آرا ہوئی۔ ہفتہ عشرہ گذرا کہ میں نے اسکی جلد اول اور جلد دوم دلی سے منگوائی ہیں اور نہایت ذوق شوق سے مطالعہ کر رہا ہوں میں نے اس کے اعلیٰ محاسن اور پاکیزہ اوصاف اکثر احباب سے سنے تھے۔ فی الحقیقت جس قدر اسکی تعریف کیجائے بجا اور درست ہے تقریظیں بھی بہت سے ذی قلم باکمال اصحاب نے لکھی ہیں۔ اسکی مدح سرائی میں خامہ فرسائی کیگئی ہے وہ اسکے لئے شایاں ہے اسکے مولف جناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے سابق منصف و رئیس دہلی ہیں۔ آپ خود باکمال اور لائق شخص ہیں اس پر اس تذکرہ کی تالیف نے آپکے نام نامی اور صفات گرامی میں

چار چاند لگا دیے ہیں۔ طرحداران زبانِ اُردو اسپر جسقدر ناز کریں زیبا ہے۔ میں مولف کو اس گرانقدر تالیف پر تہہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔ واقعی یہ تالیف لطیف آپ ہی کے حصہ کی تھی جناب ممدوح سے اگرچہ مجھے نیاز حاصل نہیں مگر مجھے ممنون کرم ضرور بنا رکھا ہے۔ خمخانہ جاوید کی بقیہ جلدوں کے مطالعہ کا بیحد مشتاق ہو گیا ہوں۔

جناب محترم لالہ سری رام
نہایت قابلیت سے اُنھوں نے
پسندیدہ نہ کیوں ہو ایسی تالیف
نہ کیوں ہو مرحبا کا شور ہر سو
چھپا بھی ہے خوش اسلوبی سے ایسا
جو ڈھونڈا میں نے سال طبع احسان
ہر کہ ایں ذکر شاعراں دیدم
بہر تاریخ طبع سنجیدہ

صداقت میں ہیں یکتا جنکے مکتوب
لکھا ہے شاعروں کا تذکرہ خوب
مضامیں جس کے ہوں دلچسپ و مرغوب
کچھ ایسا ہی نگارش کا ہے اسلوب
نگاہ اہلِ بینش میں ہے محبوب
کہا ہاتف نے لکھ مطلوب مرغوب
۱۳۴۵

دیگر

آفریں از دل و زباں گفتم
یادگار سخنور اں گفتم
۱۳۴۵ھ

یعنی سنجیدہ یادگار سخنوراں
۱۳۴۵ھ

از فکر صایب نقاد سخن جناب رشید احمد صاحب شور قریشی

خمخانہ جاوید آجکل زیر مطالعہ ہے کیا کہوں ایسی متبرک اور دلچسپ کتاب کی میں تعریف نہیں کر سکتا وہ خوبیاں اور باتیں اسمیں پیدا کی ہیں کہ احاطہ تحریر میں لائی نہیں جا سکتیں چھوٹا منہ بڑی بات اوّل تو میں کیا اور میری زبان کیا۔ اگر اسکی زبان کی زبان سے تعریف کروں تو ارباب مذاق و اہل خرد کیلئے مضحکہ کا سامان ہو سکتا ہے لیکن میں تو پھر بھی کہونگا کہ آپنے جو عرق ریزی خمخانہ جاوید میں کی ہے ملک اور اہل ملک میں سے اگر کوئی شخص اسکی تعریف میں لب کشائی کرے تو میرے خیال میں تعریف کا ایک شمہ بھی ادا نہ کر سکیگا۔ آپکی محنت قابل داد اور آپکی قابلیت ملک کیلئے

لائق فخر ہے۔ یا خدا یہ گلشن بقا جس کا دوسرا نام خمخانۂ جاوید ہے اسکا ہر ایک پودا یعنی ہر ایک شعر جس کے لکھنے کیلئے آب حیات نذر دوات کیا ہوگا ہمیشہ پھلے پھولے اور اسمیں بہار رہے۔

تقریظ مولوی سید محمد احمد رضی رئیس سونی پت و پریسیڈنٹ نگین شعبہ سرس لیگ

اتفاقاً جناب کی کتاب مستطاب خمخانۂ جاوید حقیر نے دیکھی جس کی عبارت پڑھکر بیساختہ دل سے داد نکلتی ہے عبارت کی سلاست اور فصاحت کی تعریف تو اس قابل ہی نہیں کہ احاطۂ تحریر میں آسکے۔ دلچسپی میں وہ رتبہ رکھتی ہے کہ شروع کرنے پر چھوڑ دینے کو دل ہی نہیں چاہتا اور ختم کرنیکے بعد بھی یہی دل چاہتا ہے کہ دوبارہ اور سہ بارہ پڑھی جائے۔ جناب لالہ صاحب آپنے اس تاریکی کے زمانہ میں زبان اُردو کو وہ جلا دی ہے جس کا شکریہ اہل ہندو ماہران زبان اُردو سے ناممکن ہے۔

اقتباس از تحریر منشی چنی لال صاحب صوفی وکیل عدالت تحصیل بلاسپور ریاست رام پور

واقعی جناب والا نے نہایت تفصیل و فصاحت و بسط سے حالات شعرا تحریر فرمائے ہیں گویا ہر شاعر کا حال بجائے خود ایک سوانحعمری ہے۔ کلام مردہ کو زندگانیٔ جاوید دی ہے اور قرینہ سے اپنی اپنی جگہ ہر ایک صاحب سخن جاگزیں ہیں۔ ہندوستان میں کسی نے ایسا ضخیم تذکرہ مدون نہیں فرمایا

نتیجۂ طبع وقاد منشی محمد تقی صاحب قمر رئیس و زیرگنج ضلع گیا مولف لغات

میں نے انگریزی اخبار میں دیکھا تھا کہ آپ اُردو کانفرنس دہلی کے صدر نشین ہوئے تھے اس اعزاز کی مبارکباد دیتا ہوں۔ آپکا دم بہت ہی غنیمت ہے۔ آج تک اُردو علم ادب کی ایسی خدمت کسی نے بھی نہیں کی ہے۔ زبان ایک طرف آپنے تحقیق بہت کی ہے شعرا کی زندگیوں کا آپ کو جتنا علم ہے میرے خیال میں اتنا کسی کو بھی نہیں اور اسکا باعث یہی کہ اُنکے پاس آپ جیسے جواہر نہیں ہیں۔ جنکو سرمایہ کہتے ہیں۔

از نتیجۂ قلم جادو رقم محقق والا نظر ماہر ستودہ سیر نواب شمشیر بہادر اخگر رئیس ریاست اجی گڑھ بندیل کھنڈ

پیارے سِر رام -

ندرت طراز شاعر شیوا زباں ہے تو
یکتائے روزگار وحید الزماں ہے تو

نکتہ شناس و نکتہ رس و نکتہ داں ہے تو
ہے سچ تو یہ کہ نازشِ اردو زباں ہے تو

اعجاز ہے قلم میں تو جادو زباں میں ہے
نیرنگِ سامری ترے طرزِ بیاں میں ہے

آپنے تذکرہ لکھکر ہندوستان کے ہندو و مسلمان دونوں قوموں پر برابر احسان کیا ہے جو آپکے احسان کو نہ مانے اُسے انتہا درجہ کا ہٹ دھرم اور بے ایمان خیال کرنا چاہیئے کیونکہ اردو زبان ہندو مسلمان دونوں کی مشترکہ زبان ہے -

اگر آپ میں ذرا بھی تعصب کی بو ہوتی تو آپکا یہ کار عظیم کبھی اپنے ذمہ نہ لیتے بلکہ اردو کو اور مٹا نیکی فکر کرتے - ان باتوں کو نادان نہیں سمجھتے مگر اسپر چلے جاتے ہیں کہ ملک آپکی تعریف کیوں کر رہا ہے اب ان ناسمجھوں سے کون کہے کہ تم بھی وہ کام کرو جسمیں تمہاری بھی تعریف ہو لیکن - ع

کھیل لے ہر کوئی جس کو یہ وہ شطرنج نہیں

البتہ قدرت نے آپ کو ضرور ایسا باہمت - نیک دل - صاحب علم - فرشتہ سیرت انسان بنایا ہے جب تو یہ بار عظیم اپنے سر لیا خدا کرے یہ کار اہم بخیر انجام کو پہونچے -

عیب نکالنے والوں سے ہنر کے دیکھنے والے زیادہ ہوتے ہیں مصنف کے سامنے گو چند حریف عیب نکالیں تو نکالیں مگر پیچھے قیامت تک واہ واہ سننے میں آتی ہے - انسان کی فطرت میں ہے کہ دوسرے کی خوبیاں دیکھ نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ بہت کم اہل کمال کو اپنے وقت میں داد ملی کیسی ہی عمدہ کتاب لکھئے معمولی داد کیساتھ ہی یہ ضرور کہا جائیگا کہ "متقدمین کا کیا کہنا"

حالانکہ جب تک زندہ رہے وہ بھی ابنائے زماں کے شاکی رہے اور یہ حضرات جو آپکے مقابلہ میں اگلوں کی یا غیروں کی تعریف کر رہے ہیں اس خیال سے نہیں کرتے کہ انکا حق سمجھتے ہیں بلکہ آپکی داد میں عیب پیدا کرنا منظور ہے سبب یہ کہ وہ تو اسوقت موجود نہیں اُن سے رشک کا موقعہ نہیں رہا آپکے ساتھ رشک ہی۔

وہ کامل اور نامور شعرا جنہوں نے اُردو میں چار چاند لگائے اور خود بادِ حوادث کے تیز تند جھونکوں سے قعر گمنامی میں جا پڑے اور سسک سسک کر دم توڑ کے رہ نوردِ آخرت ہوئے آپنے آب حیات پلا کر اُن سب کو زندہ کر دیا۔ اُنکی روحیں آپکے ترقی عمر و اقبال کیلئے دعائیں دے رہی ہونگی۔

اللہ جلشانہٗ اس سے زیادہ آپکی ہمت بڑھائے اور خضر کی عمر بخشے تاکہ یہ کارِ عظیم جلد بخیر انجام کو پہنچے اور آپکو اس محنت اور جانکاہی کی داد ملے۔

از جناب سحبان الملک الکلام اُستاد بے عدیم النظیر لسان العصر سید ضمیر احمد صاحب ضمیر بانی انجمن شعر منشی امیر مینائی

حضور اقدس سے نوازش نامہ باعث اعزاز ہوا اُنکا لاہو شکریہ قبول فرمائیں۔ افتخار سیادت کی تمنا آج بر آئی خدا آپکو تا زمانہ دراز باصحت و عافیت رکھے تذکرہ کیطرف توجہ کا موقعہ ملنا ملک کی خوش نصیبی ہے آپنے واقعی یادگار مجموعہ تیار کر کے شعرا کیساتھ مذاق صحیح کو زندہ جاوید و پایدار بنا دیا۔ آپ دنیائے شاعری کے محسن ہیں اسلیے بھی کہ شعرائے دلی و لکھنؤ آپکے برتاؤ سے اور زیادہ قریب پہنچ جاتی ہیں

قطعہ تاریخ ریختہ کلک مکرمی نواب کاظم علیخاں صاحب ذہین رئیس اعظم لکھنؤ

ساقیا موسم بہار آیا　　کچھ عجب حال اب ہے رندوں کا
دختر رز کی یاد ہر دم ہے　　بس اُسی کا وہ پڑھتے ہیں کلمہ
باغ و صحرا پہ ہے عجب جوبن　　سبز پہنے ہے ہر شجر جامہ

کیا زمیں پر بہار دیتا ہے　　ہر جگہ فرش سبز مخمل کا
کیا غضب ڈھا رہی ہیں ندوں پہ　　ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں کالی گھٹا
شاہدانِ چمن کا دیکھ نکھار　　جانفزا ہے فزائے بستاں کیا
ہے چنبیلی پہ کس غضب کی بہار　　چھوٹا بڑا لباس ہے سادا
موتیا عطر کا قرابہ ہے　　سارا گلشن مہک رہا ہے بڑا
ختم ہے آج نسترن پہ بہار　　قابلِ دید آج گل ہے نرگس کا
ہے نزاکت سے کامنی کو یہ خوف　　خندۂ گل اسے نہ دے ایذا
غیرتِ مہ ہے چاندنی کا پھول　　حسنِ گلشن ہے دونے سے دونا
ہمسری نیلوفری کر نہ سکا　　چرخ کا رنگ پڑ گیا پھیکا
ہو اگر آفتاب تجھ میں تاب　　آ کے سورج مکھی سے آنکھ ملا
چشمِ ساقی وہ نشہ میں ڈوبی　　غسلِ صحت ہوا ہے نرگس کا
لالہ ساغر میں ہے لئے مے سرخ　　بلبلوں کے لئے یہ گل پھولا
گل و بلبل کے وصل کا دن ہے　　خوفِ گلچیں نہ کیل کا کھٹکا
بھر گئے غنچوں میں آج عکسِ شفق　　بلبلیں کھیلتی ہیں رنگ اس جا
بولتا ہے پپیہے کا طوطی ہے　　پی کہاں پی کہاں کا غل ہے مچا
چار سو منتظم عنادل ہیں　　عدل و انصاف کی بندھی ہے ہوا
آج گلچیں نے پھول گر توڑا　　دارِ شمشاد پر دیں گے چڑھا
حکم غنچوں کو ہوگا مونہہ کھولو　　کہ شہادت ہو خونِ دل کی ادا
قمریاں گر کریں گی سرتابی　　طوق گردن میں آگئی ہوگا پڑا
کیا مجال آج گل ہو نا فرمان　　حکم ماتے نہ خندۂ لب ہوں کیا
آج شمشاد پر بھی ہوتا ہے　　قدِ موزونِ یار کا دھوکا

[illegible]

قطرے شبنم کے یوں ہیں پتوں پر
موتی قدرت نے جڑ دیے گویا

زردیِ پھولوں کی یہ بتاتی ہے
ہے عروسِ بہار کا مانجھا

قوتِ نامیہ کا ہے یہ زور
خشک لکڑی میں بھی ہے بور آیا

سرو خاموش محوِ حُسنِ بہار
دیکھتا ہے تماشا قدرت کا

باغ پر کیا برس رہی ہے بہار
تو بھی ساقی عرقِ بہار کا لا

سیرِ گلشن سے ہوگیا دل سیر
دختِ رز کا دکھا مجھے جلوا

مینہ برسنے لگا ہوا بدلی
قوس کا رنگ آسمان پر جما

دیکھ رندوں کی طرح میکدہ سے
لڑکھڑاتی نکل رہی ہے صبا

آئی بھر بھر کے دے مئے سرجوش
زندگی بھر جو دوں میں تجھکو دعا

خوش بہ ہر کیف کیفِ مے سے ہوں
ہو میاوا خمارِ بادہ کا

دے وہ مے جسکو پی کے ہوں بیہوش
ڈر نہ واعظ کا ہو نہ خوفِ خدا

ہونا جو کچھ ہو واں وہ یاں ہو جائے
نشہ میں فکرِ نشاتین کجا

تُند ایسی ہو جیسے ہی کھولوں
کاگ اُڑ جائے دن سے بوتل کا

گھنگرج تند جس سے بڑھ کے نہ ہو
پہلے نمبر کی مجھکو دے اکشا

اب نہ پھر مجھ سے ہوگی تقصیر
توبہ کرنے سے میں نے کی توبہ

ہونٹوں پر آئی ہے خمار سے جان
جلد ساقی صراحیِ مے لا

پی کے مے بحرِ نشہ میں ڈوبوں
بطِ مے کو بھی آج دوں غوطا

مے رخشاں ہو مہر کی مانند
کرے مہتاب جس سے کسبِ ضیا

یہ جو واعظ ہیں سمجھے کہ دشمن جان
تو نہ باتوں میں ان کی آجانا

انکی صحبت سے ہی خود بدنام
مے کو بدنام یہ کرینگے کیا

بندگی کر کے اپنی مسجد کو
درِ میخانہ ہم نے ہے تاکا

کیا دکھاتا ہے مجھکو اے واعظ
سبز باغ آج تو یہ جنت کا

جائیں حوریں تری جہنم میں
میں تو ہوں دخترِ رز کا دیوانا

دے نہ لالچ خیالی باتوں کا
خواب میں بھی ہے حور کو دیکھا

خلد میں بھی مجھے ملے جو شراب
غٹ سے پی جاؤں بیدھڑک آیا

شیخ جی کی ہو کرکری شیخی
نہ ملے انکو بھاگتے رستا

پی کے ایسا سماں بندھے ساقی
جس سے دل کی کھلے گویا

تخت پریوں کے سامنے اتریں
صاف نقشہ کھنچے اکھاڑہ کا

پیکے مے بند کرلوں جس دم آنکھ
نظر آجائے قاف کا نقشا

سامنے پریاں ناچتی اتریں
راجہ اندر کی ہو سبھا کا مزا

گو سبو کے سبو رہیں خالی
ہو صبوحی کا ذکر صبح و مسا

مست ہو کر شراب سے ساقی
قطعہ ایسا ہے مجھکو اک لکھنا

جسمیں ہو عیسوی و فصلی سن
بکرمی اور سال ہجری کا

دلدہی دوست کی ہے مدِ نظر
ہیں سری رام جانِ مہر و وفا

عاقل و ہوشیار رنگیں طبع
کامل فن ذکی و بحرِ سخا

بامروت۔ خلیق و نیک سیر
دلی والوں کو ان پہ ناز بجا

کس قدر محنت اور مشقت سے
نام کو شاعروں کے زندہ کیا

کہوں۔ دریا کیا ہے کوزہ میں بند
موتیوں کا ہے یا بنا سہرا

کیا فصاحت ہے کیا بلاغت ہے
جسکو سحباں بھی دیکھ شرمایا

درحقیقت کیا انہوں نے کمال
خوب گوندھا ہے پھولوں کا گجرا

جلد چوتھی بھی تذکرہ کی اب
جسمیں سب کے تقسیم ہو گئی ہر جا

بعد خوض تمام و فکر کثیر
قطعہ تاریخ کا یہ کھ ڈ ا لا

ڈالدی جان بکرمی سن میں
ہے سیری رام کا نوشتہ یہ
سمت اُنیس سو بہتر رکھ

عیسیٰ دم طبع تیرا کیا کہنا
جام جم رشک زہد خمخانا
ہو بہو ہے یہ گلدستا

قطعات تاریخ شاعر یکتا منشی نبید جمیل احمد صاحب طاہر حسنی الحسینی از جودھپور (مارواڑ)

آئیں آئیں ہیں کدھر جوہر شناسان سخن
دیکھ لیں آکر بہاریں نوعروس شعر کی
فرش رہ آنکھیں بنائیں ہیں کہ ہر جلوہ طلب
ہو چکے ہیں پھر بہم اسباب ترتیب مشام
پھر گل تازہ کھلا نیکو ہے تحریک نسیم
اللہ اللہ مدوجزر قلزم امید سے
مائل نغمہ سرائی ہیں عنادل چار سو
بادہ نوش ساغر خمخانہ جاوید ہوں
فکر تاریخ اشاعت حضرت طاہر کیوں
ہیں سخنوران دنوں پھر مست و سرشار سخن
منبجان نظم پھر ہیں رہزن تمکین و ہوش
کم نہیں یہ تذکرہ بھی ساقی مخمور سے
مصرعۂ تاریخ طبع بے تکلف فی البدیہ

زیب عالم پھر ہے خمخانہ بصد حسن حسن
شاہد زیبا ہے حسن نظم کی دیکھیں پھبن
مائل بے پردگی ہے ایک شوخ پُرفتن
مشکباری پر ہے مائل نافۂ دشت ختن
پھر مہک اٹھنے کو آمادہ ہے شاخ یاسمن
نازش گوہر نکلنے کو ہے پھر دُر عدن
عازم گلشن ہے پھر باد بہاری خندہ زن
اس طرف آئیں کدھر ہیں شائقین علم و فن
مہرباں کہہ دیجئے خمخانہ ہے رشک چمن

دیگر

بزم میں پھر دور دور ساغر و پیمانہ ہے
محو انداز و ادا ہر عاقل و فرزانہ ہے
مست چشم مے چکاں ہر بادہ کش دیوانہ ہے
لکھو طاہر جوش دریائے عطا خمخانہ ہے

دیگر

کہاں اسکی سی خوبی تذکروں میں
کہاں اسکا سا ہے حسن و نخواہ
یہ نظم نظم پروین چشم بد دور
یہ نثر نثر انجم بارک اللہ
چمک اٹھے نہ کیونکر بخت اردو
درخشاں ہو نہ کیونکر صورت ماہ

ــہ اس سال میں بھی شائع ہونا مقصود تھا [illegible] ۱۳۴۲ [illegible] مگر [illegible]

مولف اسکے ہیں لالہ سری رام
وہ بیشک نظم اردو کے ہیں محسن
لکھو سال اشاعت تم بھی طاہر
گل خوبی شگفت در گلشن
سن ہجری ہیں یوں ظاہر

دیگر

زبان دان و ادیب و نکتہ آگاہ
نکالی ہے نئی احسان کی راہ
مراد دل سے طرفہ تذکرہ واہ
۱۹　۲۵

قطعہ

مرحبا مرحبا تعال تعال
گویا حسن انتخاب مقال
۱۳

قطعہ

وصف خمخانۂ جاوید بھلا کیا کہئے
جام جمشید ہے یا دیجئے تجھکو تشبیہ
سے کہئے یا بلبل گلزار کلام رنگیں
لکھئے یا روح رواں کالبد معنی کی
حسن نقاشی حسیں تو ہے مثال ارژنگ
نظم پرویں سے تجھے نظم میں لکھئے ہمشکل
تجھکو بے شبہ و شک کان بلاغت لکھئے
اہل فرہنگ کی دانش کا کرشمہ تو ہے
مشرق علم ادب کا تجھے گلشن لکھئے
یا تجھے روکش حسن مہ کنعاں لکھئے
خوب و خوش منظر بے مثل ہے یکتا ہے تو
جس قدر مدح و ثنا کیجئے تیری ہے بجا
جان خوبی ہے سراپا ہے متاع خوبی
شانۂ طرۂ اصحاب تمنا لکھئے
لمعۂ برق تجلی سر طور ہے تو
تیری دیوانے دل و جان سے ہیں شیدائے کلام

میکدہ اسکو ہوش ربا کہئے
یا سکندر کا یہ آئینہ زیبا کہئے
یا سخن کا تجھے طوطی شکر خا کہئے
یا تجھے پیکر معنی کا ہیولا کہئے
صنعت مانی و بہزاد سراپا کہئے
نسر طائر سے تجھے شعر میں مانا کہئے
بیگماں تجھکو فصاحت کا خزینہ کہئے
اور منشی فلک کی تجھے انشا کہئے
مشرق حسن تخیل کا حدیقہ کہئے
یا تجھے طالع بیدار زلیخا کہئے
دلبر و دلکش و دلچسپ و دل آرا کہئے
ہے سزاوار تجھے جس قدر اچھا کہئے
خوبی و حسن کے سر کا تجھے سہرا کہئے
سرمۂ دیدۂ ارباب تماشا کہئے
شعشعۂ مہر ضیا بار و مجلا کہئے
پختہ مغزان سخن کا تجھے سودا کہئے

زیب و زینت میں تجھے غیرتِ جنت لکھئے
حسن و خوبی میں تجھے روکشِ حورا کہئے

مدح مصنوع میں ہے مدحتِ صانع مضمر
چشم وحدت کا نہیں کیا یہ تقاضا کہئے

حضرت لالہ سری رام ہیں اسکے جامع
کوشش و سعی کا یہ سب انکی ہے نتیجا کہئے

انکی تالیف ہے یہ وہ ہیں مولف اسکے
گر چمن اسکو تو انکو چمن آرا کہئے

فلکِ نظم کا لکھئے انہیں مہرِ درخشاں
چمنِ فکر کا انکو گلِ رعنا کہئے

انکے باعث ہوا احیائے زبانِ اردو
جانفزائی میں انہیں رشکِ مسیحا کہئے

نام اسلاف کا زندہ ہوا انکے باعث
انکے الطاف کا ممکن ہے کب احصا کہئے

انکے احسان سے گراں بار رہینگی نسلیں
امرِ حق کا نہیں معیوب چھپانا کہئے

فکر تاریخ اشاعت ہے اگر اے طاہر
صبح نور وزا دیبِ سخن آرا کہئے

لکھئے تاریخ چمکتی ہوئی اسکی طاہر
نور افزائے جہاں عقدِ ثریا کہئے

ہے دل و فہم پہ یہ سالِ اشاعت طاہر
تذکرہ لکھئے اسے سب سے نرالا کہئے
۱۹۶۳

پھر شوق کی تمہید ہے تمہیدِ سری رام
پھر چھپتا ہے خمخانہ تبا سیدِ سری رام

پھر کھلنے لگے نخلِ تمنا میں شگوفے
پھر پھولا پھلا غنچۂ امیدِ سری رام

مشتاقِ حسرت کی پھر امید بر آئی
پھر پردۂ معنی میں ہوئی دید سری رام

پھر پیشِ نظر ہے مہِ شوالِ مسرت
پھر عید سے ملتی ہے گلے عیدِ سری رام

نقادوں کو پھر نقدِ سخن کی ہے بشارت
پھر گرم ہے ہنگامۂ تنقیدِ سری رام

یوں تذکرہ لکھے کوئی مقدور نہیں ہے
آسان نہیں دشوار ہے تقلیدِ سری رام

خمخانہ کی تاریخ اشاعت لکھو طاہر
جامِ مئے خمخانۂ جاویدِ سری رام
۱۹ ۶ ۲۵

اس سے پہلے کون ایسا لکھ سکا
نادر و نایاب و زیبا تذکرہ

[illegible]

کیوں نہ ہو مقبول اربابِ سخن ٭ جانِ اردو ہے سراپا تذکرہ
مردوں کے نام زندہ کر دئے ٭ آبِ حیواں ہے تمہارا تذکرہ
ہے جہانِ نظم جب تک برقرار ٭ یادگارِ فن رہے گا تذکرہ
سال اسکی طبع کا ظاہر لکھو ٭ ہے انہیں دل پہ جو تھا تذکرہ
۱۹۲۵

دیگر

مرحبا لالہ سری رام ایم۔اے ٭ تذکرہ آپ نے بے مثل لکھا
پھول اس باغ میں ہر رنگ کے ہیں ٭ رشکِ فردوس ہے یہ سرتاپا
جب ہوئی فکر کہ لکھوں تاریخ ٭ ہاتفِ غیب نے ایما یہ کیا
مصرعہ سال یہ لکھدے طاہر
واہ خمخانۂ جاوید چھپا
۱۹۲۵ء

تقریظ از نتائج افکار گوہر بار فاضل جلیل شفیقی و مکرمی قاضی محمد خلیل رئیس و زمیندار بریلی

انسانی تاریخ کے پارینہ اوراق شہادت دے رہے ہیں کہ صرف علم ادب کی ہنگامہ افروزی نے ملکوں اور قوموں کو پستی سے اٹھا کر معراج کمال پر پہنچایا ہے خیالات کے تغیر طرز معاشرت کی اختلاف تمدن کے انقلاب میں ادبیات کو جو کامیابی نصیب ہوئی ہے اسکا مقابلہ نہ فلسفہ کی طاقت کر سکتی ہے نہ سائنس کی قوت فلسفہ اگر اشیا کی صرف ماہیت بتاتا ہے تو سائنس محض کیفیت۔ یہ جن اشیا کو دلائل اور براہین سے ثابت کرتے ہیں شاعری اظہار جذبات سے انکا یقین دلاتی ہے نظم فلسفیانہ ہو یا اخلاقی عشقیہ ہو یا تخئیلی سب سے مفید کام لئے جا سکتے ہیں جو چیز شعر میں معرض بحث میں آجاتی ہے اور جن چیزوں کے نتائج بحیثیت شاعرانہ اخذ ہوتے ہیں وہی نہایت گہرے اور کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ ہر دور کے رسم و رواج۔ ہر زمانہ کے خصائل و عادات کا پتہ جب اس دور کی شاعری سے ملتا ہے۔ شاید دوسری طرح نہ ملے اور جس قدر قوی اثر اشعار کا انسانی سرشت پر ہوتا ہے یہ قوت اور چیزوں میں عنقا۔ جو خوشبو پھول میں ہوتی ہے وہ اسکے درخت میں نہیں اسی طرح

جو بات نظم میں ہے وہ نثر میں نہ دار و نفس بھی بالطبع شعر کو نثر سے زیادہ پسند کرتا ہے اور حافظہ بھی اسی کو جلد قبول کر لیتا ہے۔ میمون بن قیس کے کلام میں یہ تاثیر تھی کہ جسکی تعریف کر دیتا قیامت تک نیکنام ہو جاتا اور جس کی برائی لکھدیتا ہمیشہ کو بدنام۔ رمز شناسان بلاغت اور نکات فہمانِ ادب صدیوں سے فیصلہ مختتم کر چکے ہیں کہ شاعری اور انشا پردازی ہی وہ آئینہ ہے جس میں اقوام و ملل کی اصلی صورت نظر آتی ہے۔ ہر جماعت کا بننا بگڑنا اسکی شاعری اور اس کے علم ادب کے حسن و قبح پر منحصر ہے۔

عرب و یورپ وغیرہ میں شعرا ہی قوم کو جس طرف چاہتے جھونک دیتے اور جس بات سے چاہتے روک لیتے تھے شعر سے جس طرح نفسانی جذبات کو اشتعال ہوتا ہے اسی قدر روحانی خوشی بھی زندہ ہوتی ہے یہانتک کہ اسلام میں صوفیۂ کرام کے ایک سلسلہ نے سماع کو جس کا جزو اعظم شعر ہے باعث تزکیہ نفس اور وسیلۂ قرب الٰہی مانا ہے اور بعض مذاہب نے تو جزو عبادت ہی قرار دیدیا ہے نور بائی نے نواب روشن الدولہ کے یہاں حضرت میران سید بھیکا صاحب کو ایک رباعی گا کر سُنائی۔ میران صاحب مرغ بسمل کیطرح تڑپنے لگے اور بمشکل ہوش میں آسکے۔ یہاں یہ نکتہ بھی خیال میں رہے کہ موسیقی جو اقسام حکمت سے ہے بغیر شعر کے نہیں ہو سکتی اور شاعری کو موسیقی کی ضرورت نہیں پر شاعری جزویست از پیغمبری تو صدیوں کا مسلمہ مسئلہ ہے۔

فقط انسانی قانون ہی ترقی کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ خلوتِ اندیشہ کی شمع کو شعلہ بار بنانے۔ گوہر علوم کو آبدار رکھنے۔ جوہر فنون کو عمدہ طور سے برتنے کا نام بھی ترقی ہے۔

یورپ کا ایک محقق کہتا ہے کہ مشاغل دنیوی کے انہماک سے جو قوتیں سو جاتی ہیں شعر ہی انکو پھر جگاتا ہے اور بچپن کے خالص اور پاک جذبات کو جو لوث غرض سے منزہ ہیں تر و تازہ کر دیتا ہے۔

جبتک دماغی قوی میں تلاطم نہ برپا ہو۔ محشرستانِ خیال میں رنگین طرازی کا جوش نہ ہویدا ہو۔ پردۂ ذہنیہ پر قابلیت و استعداد کے نقش و نگار نہ ظاہر ہوں اسوقت تک نہ کوئی قومی جادہ قائم ہو سکتا ہے اور نہ انسان کسی نئی شاہ راہ میں قدم اُٹھا سکتا ہے۔ یورپ میں پولیٹکل مشکلات کے وقت ہمیشہ پوشیدہ

ہی سے کام لیا گیا۔
ایتھنز والے جب جزیرہ سلیمس کیلئے ہزاروں مرتبہ لڑکر تھک گئے اور یہ عہد کرنے پر مجبور ہوئے کہ اب جو شخص لڑائی کا ارادہ کرے یا ذکر بھی زبان پر لائے وہ قتل کر دیا جائے۔
تو مقنن سولیس نے ایک نظم لکھکر عام مجمع میں سنائی جس نے اس قدر زیادہ جوش پیدا کر دیا کہ سب قوم لڑنے کو پھر کھڑی ہو گئی اور جزیرہ کو فتح کر کر چھین لیا۔ شاہ اڈورڈ جب ویلز کی فتح سے بالکل مایوس ہو گیا تو شعرا سے مدد لی اور قوم اشعار سنکر اسقدر زیادہ جوش میں آگئی کہ ویلز فتح کر لیا تو چین آیا۔ امیر نصر بن احمد کو رودکی نے صرف ایک قصیدہ سنا کر ہرات سے بخارا جانیکو اتنا بیچین کر دیا کہ اسی وقت چلدیا۔ معاویہ بن سفیان فرماتے ہیں کہ شعر ہی وہ چیز ہے کہ جس کو سنکر بخیل فیاض نامرد بہادر اور نااہل بیٹا فرماں بردار ہو جاتا ہے۔ فردوسی نے شاہنامہ لکھکر جو فارس پر احسان کیا وہ جلیل القدر علما کی تصنیفوں نقیبوں کی صداؤں یا داعیوں کی دلفریب تقریروں سے نہو سکا۔ عرب کو دیکھئے گوشۂ گمنامی سے نکلکر اور جزریگستانوں سے اٹھکر بڑی بڑی سلطنتوں کو الٹ دیا۔ عالم میں تہلکا ڈالدیا اس انقلاب عظیم کا سبب بھی وہ شاعرانہ رجز ہی تھے جو لڑنے والوں کو مبہوت بناکر حریف کی طاقت و قوت اور جبروت وجمعیت سے بیخبر بنا دیتے تھے۔

اندرونی جذبات واحساسات نے شاعرانہ لباس سے آراستہ ہو کر دنیا کے خط وخال میں جو نمایاں اور روشن تبدیلیاں کیں اُن سے نہ صرف دنیاوی جلیل القدر بارگاہیں متاثر ہوئی ہیں بلکہ نبوت کے مقدس دربار میں بھی شاعروں کو بعزت باریابی حاصل ہوئی اور کار آمد مانے گئے زمانۂ جاہلیت میں جو قصیدہ نادر ہوتا وہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا مسلمانوں کے مقدس پیغمبر نے ابن رواحہ سے ارشاد فرمایا کہ شمشیر اور زبان دونوں وقت پر دیکھتے ہیں مگر شعر دشمن کو تیغ و تبر سے زیادہ سخت ہے۔ حضور اقدس کا اشعار سنکر تبسم فرمانا شعر کی دوبارہ فرمائش کرنا حسان بن ثابت کیلئے ممبر نصب کرانا کعب بن زہیر کو چادر عطا کرنا اور پھر شعر میں صلاح فرمانا نابغہ جعدی کیلئے دعا کرنا سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حدیث پاک میں اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً اور اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا ارشاد ہونا شعر کی نہ ہی

عظمت کی واضح دلیل ہے علامہ صیدلانی اور قفال رحمہما اللہ جو اجلۂ علما میں تھے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ شعر کا کذب کذب نہیں ہے کذب اسکو کہتے ہیں کہ جھوٹا اپنے جھوٹے قول کی تصدیق سے سچ کرنا چاہے اور شعر میں خلاف واقعہ امور سے محض حسن کلام کی خواہش ہوتی ہے نہ اسکی تحقیق جب قرآن شریف نازل ہوا ہے تو اہل عرب اسکی فصاحت و بلاغت سے حیران و ششدر ہو کر بہت سے اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ کہکر ایمان لے آئے اور جنہوں نے کلام الٰہی نہ مانا وہ حضور سرور عالم کو شاعر سمجھنے پر مجبور ہوئے مولانا نظیری فرماتے ہیں ؎

بلبل وحی اند کے اوج فراتر گرفت ورنہ یک پردہ اند آن من و آنِ او

نوبنو نگارستان قدرت کی زنگارنگی نے عالم کو منور کر دیا ہے مرغزاروں کی شادابی ہو یا فلک نما پہاڑوں کی زرین چوٹیاں دیدۂ عبرت نگاہ کو دونوں سبق آموز ہیں مگر ایسی سرزمین پر اگر کوئی شاعر نہ پیدا ہو مورخ وجود میں نہ آئے تو حسن و خوبی کے تمام کمالات اور قدرت کی سب نیرنگیاں گوشۂ گمنامی میں پڑی رہجاتی ہیں اور فطرت کی نکتہ پردازی شعرا کی ترجمانی کے بغیر ارباب گیتی کو اپنے فوائد سے محروم رکھتی ہے عالم ضرور ناپائیدار ہے اور انسان یقیناً فانی پھر اسکے آثار کو قیام اور اسکے نقوش کو کس طرح ثبات ہو سکتا ہے لیکن اس دار فنا میں حوادث روزگار سے مصئون اور دستبرد سے کچھ محفوظ کوئی چیز نظر آتی ہے تو صرف مفید تالیف یا کارآمد تصنیف ۔ مذاہب مختلفہ تناسخ کے قائل ہوں یا خلاف مگر عقل سلیم یہ سوجھا رہی ہے اور چشم باریک بین مشاہدہ کرا رہی ہے کہ اس عالم کون و فساد میں ہر چیز کا صرف ایک ہی قالب ہوتا ہے لیکن روح معنیٰ اور شاہد سخن کے دو ہیں ایک لفظی اور ایک مدادی و کاغذی جب اسکا ایک قالب فنا ہوتا ہے تو دوسرا مثل سابق کے اور موجود ہو جاتا ہے بلکہ یہ خصوصیت اور یہ کرامت کلام ہی کو عطا ہوئی ہے کہ ایک ہی وقت میں سینکڑوں ہزاروں قالب میں حلول کر جائے اور زوال و فنا سے محفوظ رہے ۔ تصانیف کے سیکڑوں اقسام ہیں اور تالیف کے ہزاروں اصناف مگر طغرائے امتیاز جو سوانح نگاری کو حاصل ہے وہ دوسروں کو نہ ملا یہی وہ شعبہ ہے جسکے گذشتہ کارناموں کی ورق گردانی نے مستقبل کو روشن بنا دیا جب پلوٹارک

نے روما اور یونان کے مشہور آدمیوں کی سوانح عمریاں لکھیں تو یورپ کے قالب میں بیداری کی روح گونج اٹھی انگلستان کے مشہور جادو بیان شکسپیر نے جب کبھی انسانی سرشت کی تصویر کھینچی تو قدیم ہی زمانے کے نمونوں کو پیش نظر رکھکر نوک و پلک خط و خال درست کئے مل نے جب کبھی فلسفیانہ مسئلہ پر بحث شروع کی تو متقدمین ہی کے خرمن کا خوشہ چیں بنا۔ مغرب کی موجودہ ترقی کا دیباچہ بھی وہی گذشتہ قوموں کے حالاتِ زندگی ہیں جن سے تہذیب اور اخلاق میں اصلاحیں ہوئیں جاپان جسکو قرنِ اولیٰ میں کوئی وقعت نہ تھی اگلے زمانے کے سات سو آدمیوں کی سوانحعمریاں لکھکر ترقی کا گہوارہ بن گیا اور شائستگی کا مرکز۔

غرض یہ امر فیصل شدہ ہے کہ ملکی ترقی کا راز سوانحعمریاں ہیں اور سوانح عمری کی سب سے مفید اور کارآمد شاخ شعرا کے تذکرے۔ مگر سب سے زیادہ مشکل بھی انہیں کی تالیف ہے ؎

بنگری از گداز دل و جگر آتشے چو سیل   غالب اگر دم سخن رہ بضمیر من بری

عام سوانح نگار کا اہم فرض اسی قدر ہے کہ وہ زندگیوں کے گوناگوں اثرات کو دکھائے مفید واقعات کو پیش کرے مگر تذکرہ نویس کو وقائع نگاری کے ساتھ ساتھ عمدہ اور کارآمد کلام کا انتخاب بھی پیش کرنا ہوتا ہے اور اس کے لئے ایک عظیم الشان سمندر سے گذرنا پڑتا ہے۔

اگرچہ موجودہ زمانے کی صورتِ حاضرہ نے نظم سے نثر کی تصنیفوں کا دائرہ وسیع کر دیا ہے ملک میں ہر قسم کے نثار موجود ہیں جدید طرز کے ناولوں سے کتب فروشوں کی دوکانیں پٹی پڑی ہیں ہر قسم کے افسانے اسٹیشنوں پر مارے مارے پھرتے ہیں کتب فروش انبار اٹھائے ہر گلی کوچے پھیری لگاتے ہوئے نظر آتے ہیں مطبوعہ فہرستیں شائع ہوتی ہیں ہر اخبار ہر رسالہ میں اشتہاراتِ کتب نظر آتے ہیں مگر افسوس کہ انکا زیادہ حصہ غیر مفید بلکہ مضر ہوتا ہے جدید لٹریچر ہندوستانی تقاریب اور رسومات کا اول تو ہو بہو نقشہ کھینچنے سے عاجز ہے۔ پھر اس طرز میں اکثر موقعوں پر ادائے مطالب کے لئے اردو میں الفاظ ہی نہیں ملتے۔

آج کل کے مصنفان امصار و دیار اور دبیران روزگار گنتی کے چند شخص ایسے نکلینگے

جنہوں نے وقائع نگاری کے حق کو کیقدر ادا کیا ہے یا الفاظ کی شوکت عبارت کی دہوم دہام دکھانیکے بجائے اصلی خیالات حقیقی تاثیرات کو قلم بند کر سکے ہیں اور ترتیب واقعات میں عوارض کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ورنہ اکثر تو وہی ہیں جنکی تصنیفوں اور تالیفوں کے معانی و مطالب یہ شور مچا رہے ہیں ع نقش فریادی ہے اسکی شوخیٔ تحریر کا۔ اوراق و سیاہی زبان حال سے چلا رہی ہیں کہ ع کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا۔ ضرورت کا اقتضا تو یہ تھا کہ مختصر تحریروں میں مصوری کی شان ہویدا ہو تو چھوٹے چھوٹے جملوں میں دلنشیں وعظ کی آن پیدا ہو ؎

برائے پاکی لفظے شبے بروز آرم کہ مرغ و ماہی ہمہ باشند خفتہ من بیدار

قدیم انشا پردازی کے مختصر رسالوں میں جو شاذ و نادر مجالس کے کیفیات۔ ہر طبقہ کے مفصل حالات ہر ملک کے خیالات۔ ہر فرقہ کے رسمیات غرض ادنیٰ ادنیٰ جزویات بھی جس تفصیل سے نظر آتے ہیں وہ آج کل کی مطول تصنیفات میں بھی نہیں ملتے تذکرہ اگر قابل تذکرہ نویس کے قلم سے نکلے تو ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست کا مصداق بنکر اکثر مختلف ضروریات کو واضح طور پر ظاہر کر دیتا ہی لیکن اہم مشکل سخت وقت اور بڑی مصیبت یہ ہی کہ اشعار کا انتخاب وہی کر سکتا ہے جو خود قابل ہو مبصر ہو اور وسیع المعلومات ہو ہر بات پر نگاہ رکھتا ہو انسانی فطرت کا گہری نظر سے مطالعہ کر چکا ہو ملک کے عام خیالات و جذبات پر عبور ہو۔ اگر ایک روحانی شاعر کے ذخیرہ سے محض مادی جذبات کو چنا جائے۔ خالق و مخلوق کے گہری تعلقات کو چھوڑ کر صرف وہ اشعار لئے جائیں جو محض نفس پرستی اور حرص و آز کی خواہشات کو زیادہ کریں طبعی پاکیزگی اور اخلاقی امور کو بالائے طاق رکھدیں تو انتخاب کنندہ کے دامن قابلیت پر بدنما داغ نظر آتا ہے مشرقی شاعری ہر قسم کے سرمایہ کی مالک ہے خدا مذہب اور روح کے صفات میں بہت کچھ وضاحت موجود ہے۔ اردو نظم میں۔ مواعظ و نصائح ستائش و ہجا سب کچھ ملتا ہے۔ البتہ پرکھنے والا چاہئے اور پھولوں کو کانٹوں سے چننے والا ابن سیرین کا قول ہے کہ شعر فی نفسہ مذموم نہیں تعلی اور مبالغہ اگر تحسین کلام کے لئے کیا گیا ہو تو ضرر کا موجب نہیں۔ البتہ دشنام دہی اور سخت گوئی فعل قبیح ہے۔ الفاظ پرستی کے علاوہ نتیجوں پر غور کرنا چاہئے

جو شعر شرعاً محمود ہو اسکو اسلامی علما مفہوم حکمت مانتے ہیں اور کذب کا اطلاق اُس پر نہیں کرتے نعت کا قصیدہ بانت سعاد جسکی تشبیب مستانہ اور رندانہ رنگ میں ہے دربار رسالت میں مستحسن ٹھہرا

علامہ ابن خلدون کی رائے ہے کہ جن اشعار میں زبان کی لطافت۔ خیال کی نزاکت۔ محاورات کی خوبی۔ مضامین کی خوش اسلوبی ہو اُنکو پڑھکر ایک بیگانۂ سخن کے دل میں بھی عمدہ شعر کہنے کا سانچہ تیار ہو جاتا ہے۔ اسوقت یورپ کس قدر جستجو۔ کوشش اور تلاش و صرف سے عربی فارسی کی کتابیں شایع کر رہا ہے اور اُنکی اشاعت سے ان غیر زبانوں کے لٹریچر میں زور اور پختگی کا اضافہ ہو رہا ہے۔ زردشت کے وقت سے لیکر زمانہ حال تک کا فارسی لٹریچر یورپ کی الماریوں میں ادبی خزانوں کا سرمایۂ ناز ہے اور وہ اس سے کس قدر مفید کام لے رہا ہے۔

جاپان نئی ترقی کے دور میں جہاں صنعت و حرفت سیاست و پالٹیکس میں تگ و دو کر رہا ہے اُسی کے ساتھ یہ ضرورت بھی محسوس کرتا ہے کہ متقدمین و متاخرین کی چیدہ نظمیں ایک جگہ فراہم کرکے شایع کرے۔ اور تمدن و تہذیب میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔ جاپانی شاعری میں بھی مناظر قدرت جس طرح دکھائے گئے ہیں وہ کسی طرح یورپین مقالوں سے کم نہیں۔

عرب میں شعرا کا وہ اقتدار تھا کہ حکومت بھی اُسکے آگے سر خم کرتی تھی۔ جب کسی قبیلہ میں شاعر پیدا ہوتا جشن منائے جاتے ہر طرف سے مبارکبادیں آتیں۔ سماخ بن ضرار نے عرابۂ اوسی کی تعریف میں ایک شعر لکھکر قیامت تک اُسکا نام زندہ کر دیا۔ قبیلہ نمیر جو عرب میں بہت معزز تھا۔ جریر کے ایک ہجویہ شعر سے ہمیشہ کو ذلیل ہو گیا۔

شعرا کی یہ عظمت تھی کہ شاہان با جبروت اُنکے یہاں گئے تخت پر اپنے برابر بٹھایا راہ میں دیکھکر سواری سے اُتر پڑے کوئی فیلڈ مارشل کسی بڑی حکومت کا مالک بنجائے یا کوئی وزیر اپنے پولٹیکل چالوں سے عالم کو زیر کرلے فرزند دلپذیر خطاب دیا جائے۔ یا آفتاب سلطنت بنایا جائے مگر اپنا ہم مرتبہ سمجھکر ملک الشعراء کے لقب سے شعرا ہی کو موسوم کیا گیا ہے۔ بادشاہ اگر دنیا کا حکمراں ہے تو شاعر قلمرو سخن کا۔ مگر یہ خیال رہے کہ شاعر بھی اُسوقت تک جھوٹی مداحی سے گریز کرتے تھے جبتک

نے سلامہ بن جندل سے درخواست کی کہ مجدنا بشعرک اپنے شعر سے ہماری عزت بڑھاؤ اس نے بلاخوف کہدیا افعلوا حتی اقوال ایسے کام کرکر دکھاؤ تو کہوں۔

مروان بن ابی حفصہ نے معن بن زائدہ کی تعریف میں لکھدیا کہ سخاوت معن پر ختم ہوگئی اس میں کسی قدر مبالغہ تھا۔ اس لیے پھر کسی رئیس نے اُسکو صلہ ندیا اور خود خلیفہ مہدی نے معن کو اپنے دربار سے نکلوا دیا۔ فردوسی باوجود طمع کے بادشاہ کو خیال میں نہ لایا اور ہجو لکھکر صلہ سے ہاتھ دھو بیٹھا حسن میمندی اس دربار کا صدر اعظم تھا اور سب اعیان سلطنت خوشامد کیا کرتے تھے فردوسی نے اسکی نسبت کچھ لکھا تو یہ ؎

چوں فارغم زبارگہ بادشاہ نیز　　سوئے درِ وزیر چرا ملتفت شوم

ہندوستانی شعراء کا تخیل سب سے نرالا ہے اور مشرقی دماغوں نے بھی آئندہ نسلوں کیلئے ایسا قابل وقعت۔ لائق ستائش۔ اور موافق حالت سامان مہیا کردیا ہے جو ہر طرح کی ضرورت اور حاجت کیلئے کار آمد ہے یہاں کے متقدمین نے بھی نظم کو زیادہ موثر اور دل پر نقش ہوجانیوالا سمجھکر ہولناک امراض کے نسخے محض اسلئے نظم میں لکھے ہیں کہ ہمیشہ نقش کالحجر رہیں اور کبھی فنا نہوں یورپ کا ایک نکتہ شناس انشاپرداز نے کالیداس کی تصنیف پر یہ رائے دی ہے کہ اسکی شاعری روحانی اور مادی دونوں قسموں کی خوبیوں کا مجموعہ ہے اور وہ بشری نگاہوں میں آسمانی نظارونکا فوٹو اتار دیتا ہے غرض شاعری اور پھر اُسکے بعد تذکرہ نویسی ایسی ضروری چیز ہے جسکو ملکوں اور قوموں کی بیداری کا قوی محرک مانا گیا ہے۔ شاعری کو ملکی عروج وزوال میں بھی بہت کچھ دخل ہے اور ملکی زوال سے قومی تنزل بھی ہوجاتا ہے۔ ایرانی شاعری جس کا عالم میں ڈنکا بج رہا تھا۔ ذرہ ذرہ امام سخن ہونے کا مدعی تھا۔ اس آخر وقت میں بھی جب حبیب قاآنی یورپ گیا تو اہل فرانس کو تسلیم کرا دیا کہ فارسی بھی ہر قسم کے خیالات ادا کرنے پر قادر ہے۔ مگر افسوس کہ پھر اُس کے بعد اور اہل کمال ایسے پیدا نہوے اور اس فن لطیف کو چھوڑ دینے سے سلطنت کی شان وشوکت بھی مٹ گئی۔

اُردو زبان جس کا نہ کوئی حامی ہے نہ مربی۔ معاون ہے نہ مددگار اسکے واسطے بہت سخت اہم اور

اشد ضروری یہ حاجت ہے کہ مستند اور قابل اہل زبان اُردو کا جامع لغت بنائیں۔ اسکی مستند صرف و نحو مدون کریں مختلف ضروریات کو مدنظر رکھکر کثرت سے نظم و نثر میں کتابیں تصنیف فرمائیں اور سب سے زیادہ یہ کہ متعدد حیثیتوں سے متعدد تذکرے تالیف ہوں لیکن وہ اصحاب اسطرف متوجہ ہوں جو اُردو زبان کے ماہر ہیں اور پھر اُنکی اُردو زبان معتبر بھی ہے۔ اسوقت ہندوستان میں جسقدر زندہ زبانیں ہیں سب سے زیادہ اُردو ہی اس قابل ہے کہ ملکی زبان بنائی جائے۔ اول تو سب سے زیادہ یہی بولی جاتی ہے۔ دوسرے جہاں یہ رائج نہیں ہے وہاں بھی سمجھی جاتی ہے اور وہ بھی ٹوٹی پھوٹی اُردو میں اپنا مطلب ادا کر لیتے ہیں۔ پھر خیالات ادا کرنیکے لئے بھی زیادہ موزوں یہی ہے اسلئے کہ اول تو نسبتاً وسیع ہے پھر اسمیں مہارت پیدا کر لینا بہ نسبت دوسری زبانوں کے آسان ہے۔ سب سے زیادہ یہ بڑی بات ہے کہ اشعار کا ذخیرہ اور زبانوں سے بہت زیادہ اسمیں موجود ہے اور جو شخص ملکی زبان میں تحریری فوقیت حاصل کرنا چاہے یا تقریری بالضرور اسکو شعرا کی زبان کا اتباع کرنا لازم ہوتا ہے۔ اور زبان کا وہی قلیل حصہ جو اشعار میں ادا ہوجاتا ہے فصیح سمجھا جاتا ہے باقی الفاظ و محاورات غریب وحشی اور غیر فصیح سمجھکر کچھ مدت کے بعد متروک الاستعمال ہوجاتے ہیں لارڈ مکالی کا قول ہے کہ ایسا کلام جو عمدہ خیالات کا مجموعہ ہو اُسی زبان میں انسان ادا کر سکتا ہے جسکی نسبت اُسکو یہ بھی یاد نہو کہ کب سیکھی ہے اور گریمر جاننے سے پیشتر اُس زبان میں گفتگو کرتا رہا ہو۔ رُوما کے بڑے بڑے لائق اشخاص نے فرانسیسی زبان میں اشعار لکھے انگلستان کے بہت سے طباعوں نے لاطینی میں دیوان مرتب کئے مگر کوئی مقبول نہوا ملٹن کا دیوان بھی شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ درجے میں شمار نہوسکا۔

اہل زبان اور زباندان یعنی اہل دہلی اور اہل لکھنؤ جو اُردو زبان کے مالک ہیں اور اُنکو یہ بجا فخر و ناز ہے کہ ہمارے روزمرہ کی سب ہندوستان پیروی کرتا ہے۔ اگر اُنہوں نے اپنی زبان کی کچھ روز خبر نلی اور اسکے الفاظ و محاورات کو احتیاط سے فراہم نہ کیا۔ عمدہ نظموں کا انتخاب نہ فرمایا تو یہ مایہ الامتیاز منکر ہوجائیگا اور پھر وہی بُری بھلی اُردو رہجائیگی جو جدید تصنیفات

اور عام اُردو اخبارات ملک میں پھیلا رہے ہیں۔ عربی زبان کو دیکھئے جس کی بقول علامہ ابن خلدون اسپین کے کتب خانہ میں جسکو مستنصر نے قایم کیا تھا آٹھ سو اسّی صفحہ پر صرف اشعار کی مجموعوں کی فہرست تھی۔ ادیب بھی وہی مانا جاتا تھا جسکو متقدمین کے سب سے زیادہ اشعار یاد ہوں پھر عربی کی صرف و نحو کی قواعد اور کلئے منضبط تھی۔ ایک ایک لفظ کی فصاحت اور بلاغت پر معرکۃ الآرا مباحث ہو چکے تھے۔ اصول و قواعد بہت تفصیل کیساتھ موجود تھے مگر جیسے عرب میں ادب سے بے التفاتی اور شعر و انشا کی سرد بازاری ہوئی تو ایسی مٹی اور ایسی خراب ہوئی کہ آج اسکو عربی کہتے ہوئے شرم آتی ہے جو عرب عربا تھے اُنکی زبان اس قدر خراب ہے اور اغلاط سے مملو۔ کہ ہندوستانیوں کی عربی اُنسے زیادہ صحیح اور فصیح ہے اگر زبان کے برباد ہو جانیکا اندیشہ یقینی اور یہ خطرہ واقعی ہے تو اہل زبان کا فرض ہے کہ اُردو کا جامع لغت بنائیں اور اُسکے شعرا کا ایک مبسوط تذکرہ لکھیں جسکو پڑھ کر ملک میں عام جوش اور دلچسپی پیدا ہو شاعر اور شعر کا عام اثر اُنکی طاقت اُنکے کارآمد نتیجے معلوم کر کے عام طبائع جوش میں آئیں۔

اگرچہ اُردو کے متعدد تذکرے اسوقت بھی موجود ہیں مگر بعض ایسے کہ جنمیں محض میری اور سودائی جماعت کے مباحثات پر زور قلم صرف ہوا ہے بعض وہ ہیں جنمیں انیسی اور دبیری اختلافات کو میدانِ کارزار بنایا ہے۔ کچھ وہ ہیں جنمیں دہلی اور لکھنو کی زبان کی ڈھرہ بندی کو فوقیت دی گئی ہے اور اسقدر غلو کیا ہے کہ مشرق اور مغرب میں یگانگت ہو جائے تو ہو جائے مگر ان دونو شہروں کے الفاظ و محاورات کو ایسا ٹکرایا جائے کہ ہندوستان میں ایک متحدہ زبان نہ ہونے پائے۔ تھوڑے وہ بھی ہیں جنمیں شاگردوں نے محض اپنے اُستادوں کے فوقیت دینے کو قلم فرسائی کی ہے اور اپنے سلسلہ کی مدح سرائی میں دوسروں کی عظمت کو کم کرنا چاہا ہے۔

البتہ تذکرہ آبحیات ضرور ایک مفید تصنیف ہے۔ اور بہت سی کارآمد باتوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ مگر اول تو محض چند شعرا کا تذکرہ ہے دوسرے بعض کی مدح اور بعض کی تنقیص ہے وہ بھی خالی نہیں۔ پھر اپنے استاد کی مدح میں تو وہ مبالغہ کیا ہے کہ آسمان پر پہنچا دیا ہے اصلی ذات کو بدل کر غالب کے مصرعہ سو پشت [illegible] پیشۂ آبا سپہ گری کے جواب میں سپاہی زادہ ہی بنا دیا ہے کلام [illegible]

کے انتخاب کرنیکا تو مشکل اور اہم جھگڑا ہی نہ رکھا۔

البتہ شکر صد شکر کہ اس اہم فرض اور سخت ضرورت کو پورا کیا ہے تو صرف خمخانۂ جاوید نے اور مرحبا صد مرحبا کہ اس کمی کی تلافی کی اور تذکرہ نگاری کا حق ادا کیا تو میرے مخدوم شعر کے محسن اردو کے مددگار لالہ سری رام صاحب ایم۔اے منصف نے۔ انگریزی کے اعلیٰ ڈگری یافتہ ہزاروں پاؤگے ایم۔اے سینکڑوں ملینگے مگر ایسا ایم۔اے نہ ملیگا جس نے مغرب کی ترقیوں کے رازوں سے واقف ہو کر غیر قوموں کے کارنامے پڑھکر اپنے ملک کی کمی کو پورا کیا۔ سرکاری عدالتوں میں منصف ہزاروں ملینگے مگر ایسا منصف دہلی کا تنہا ہی پاؤگے جس نے اشعار کے انتخاب کرنے اور حالات کے تذکرہ میں وہ منصفی کی کہ جسمیں ہم وطن اور غیر سب کو برابر رکھا۔ دہلی اور لکھنؤ کا کوئی امتیاز نہ سمجھا جس کا ذکر اُس علمی کچہری کا کمرہ ہے جہاں نفس شعر یا یہ امتیاز نہ محبت و ارتباط یا عداوت و بیر۔ اس تذکرے کے دیکھنے سے ناظر کے دلمیں یہ چند خیالات پیدا ہوتے ہیں اول یہ کہ صرف ایسے ہی تذکرہ سے اردو کی جامعیت کا بین ثبوت ملتا ہے اور یہی تالیف ہے جو ہندو مسلمانوں کے اتحاد میں چار چاند لگا کر اردو کو مشترکہ زبان بنادیگی اور اسکی اشاعت اُن خطبوں تقریروں سے زیادہ موثر ہوگی جو مختلف جلسوں کی رونق۔ کانفرنسوں کی زینت اور انجمنوں کے روح رواں ہوتے ہیں۔ حامی اردو کوئی انجمن بنے کانفرنس منعقد ہو۔ اُنکی کوشش اُنکے جوش۔ اُنکی تقریریں۔ اُنکے ریزولیوشن بھی ضرور طبیعتوں کو اُبھارنیوالے ہوتے ہیں مگر آن واحد کیلئے عقل کو زبان کی اہمیت منوانا و دماغ کو متوجہ بنانا نظر کو ضرورتیں دکھانا بیشک اُنہیں بھی ہوتا ہے مگر جبتک جلسہ رہے صرف اسیوقت تک اُسکے بعد پھر ہانڈی کے اُبال سے آئندہ اُنکو قیام و قرار نہیں رہتا۔ اگر دیرپا اثر اور نہ مٹنے والا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے تو بیجا سے لاگ اور افراط و تفریط سے مبرا تذکروں سے اور شکر ہے کہ یہ بات خمخانہ میں بہت بڑی حد تک موجود ہے

دوم اگر اصمعی نے اگر ایک ایک لفظ کی خاطر تمام عرب کے ریگستانوں کو چھان ڈالا ہے تو اسکے مولف نے بھی راس کماری سے ہمالہ تک اور گذشتہ چھ سو برس سے لیکر اسوقت تک ایک ایک شعر کیلئے کوئی جگہ تفحص سے باقی نہیں چھوڑی تذکروں گلدستوں اور دواوین اور کلیات سے جمع

کرنے میں ہزاروں روپیہ صرف کر دیا تنقید و تحقیق، انتخاب و اجتہاد میں اپنی عمر کا بہترین حصہ لگا دیا بلکہ انتہائی محنت سے اپنی صحت کو بھی کھو دیا، مگر اس عظیم کارنامہ سے عالم پر ثابت کر دیا کہ اُردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو عربی فارسی اور سنسکرت بلکہ اب انگریزی کے سرچشمہ سے بھی سیراب ہو کر متحدہ قومیت کا نظام درست کر دیگی اس تذکرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہونیکا وقت آگیا جو کسی زمانے میں موسیو لی بان مصنف تمدن عرب و تمدن ہند کی تھی کہ اُردو زبان ہی ہندوستان کی تین سو بولیوں پر حاوی ہو کر اتحاد کا سنگ بنیاد رکھے گی۔ اس تذکرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ ہنود آج بھی اُسی طرح اُردو کے حامی ہیں جسقدر عہد ماضیہ میں تھی سوم یہ کہ زبانیں بلاتفریق مذاہب و اقوام تمام ملک کے مطالب پر قابض ہو جاتی ہیں اور اُردو کا وہی درجہ ہے جو یورپ میں اسپرانتو فرانسیسی کا ہے۔ چہارم واقعہ نگاری اور راست بازانہ تذکرہ نویسی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یورپ ہی میں ایسے خود آموز شخص نہیں پیدا ہوئے جنکو محض ذاتی کمال نے پستی سے نکالکر مشاہیر کی قربت میں داخل کیا ہو بلکہ ہندوستان میں بھی یہ صلاحیت ہے کہ معمولی اصحاب کو انکے کمال نے اعلیٰ مدارج پر پہنچا دیئے ہیں اس تذکرہ میں سب سے زیادہ اس بات کی ستائش کرونگا کہ قابل اور ہمہ داں مولف نے اس نازک ضروری اور پھر متضاد فرض کو خوب ادا کیا ہے شان مورخی جسقدر اصلی اور صحیح حالات کے بیان کرنے پر مجبور کر رہی تھی اُسی قدر مروت اور دور اندیشی مانع تھی کہ انکا پردہ نہ کھولا جائے اور انکے اعزہ احباب اور تلامذہ کی دل آزاری نہونے پائے۔ اس سے زیادہ یہ مشکل آپڑی تھی کہ بعض مولفین نے غلط نظیریں قائم کر دی تھیں۔ جو تذکرہ موجود تھے اُن کے مولفوں نے یا اُن حالات ہی کو بالکل چھوڑ دیا تھا یا یہ سخت دیدہ دلیری کی تھی کہ اصلی حالات کی جگہ جھوٹے اور غلط واقعات اپنی طرف سے گھڑ کر لکھدیئے تھے۔ صاحب خمخانہ جاوید لکھا اور سب کچھ لکھا مگر اسطرح کہ مغز سخن کو پرکھنے والے اور نقاد نظریں سمجھ معلوم کرلیں۔ اور عوام یا سطحی نظر رکھنے والے کچھ نہ سمجھیں۔ اسمیں شک نہیں کہ انسانی کارنامہ اور زور آور کی کوشش و جستجو کے سبب سے چند کمزوریاں بھی ضرور نظر آتی ہیں یہ مقصود آگے موجود ہے۔ اور

کہیں حالات زیادہ ہیں تو کلام کم کہیں صرف کلام درج ہے تو واقعات اور حالات ندارد کہیں پر حالات ہیں بھی تو کسیقدر۔ مگر اس الزام کے مورد معزز مولف ہرگز نہیں ہو سکتے انہوں نے حالات کے صحیح صحیح بہم پہنچانے میں اپنی طرف کوئی بات اٹھا نہ رکھی، سفر بھی کئے روپیہ بھی زیادہ صرف ہوا ایک ایک شاعر سے متعدد خطوط لکھکر کلام و حال منگایا اپنے احباب کو بھی تفحص اور تلاش کے لئے مجبور کیا لیکن اس حماقت و جہالت کا کیا علاج اور اس کاہلی اور بے پروائی کا کیا ٹھکانا کہ بعض نافہم اپنے بزرگوں یا اُستادوں کے افکار کو ردّی میں پڑا رکھنا پسند کرتے ہیں اور بعض چالاک اُس کلام کو اپنے نام سے شایع کرنا چاہتے ہیں اور بعض نقلی پسند شوخ چشم تو اصلی حالات پوشیدہ رکھکر جھوٹے اور بے اصل واقعات کو اپنے بزرگوں کے نام سے منسوب کرنے میں نہیں شرماتے۔

ترقی یافتہ ممالک میں ضرور ایسی بلکہ اس سے زیادہ معتبر کتابیں نکلینگی لیکن وہاں ایسی صحیح اور جامع تالیفوں کیواسطے فرد واحد پر تالیف کا بار نہیں ڈالا جاتا بلکہ اس قسم کے مہتم بالشان کام علمی انجمنیں اپنے اہتمام اور نگرانی سے شروع کراتی ہیں۔ لائق سخن شناس اور رمز فہم اصحاب انتخاب کرکے ایسے کاموں پر مقرر کئے جاتے ہیں پھر ملک اُنکی مدد کرتا ہے اور ہمت بڑھاتا ہے۔ اور یہاں تذکرہ صرف میری مخدوم سری رام صاحب کی اکیلی دماغ سوزی تنہا کوشش اور منفرد جانفشانی کا نتیجہ ہے! اس لئے حوصلہ افزائی کا اقتضا یہی ہے اُنپر اعتراض کرنا درست نہیں مجھکو ذاتی طور پر علم ہے کہ اُنہوں نے بعض لائق سخن شناس کو تنخواہیں دیکر بھی رکھا لیکن اُن حضرات نے بالکل کام نہیں کیا اور جو کچھ کیا وہ غلط اور فرضی۔

مجھے امید ہے کہ دنیائے ادب اس تالیف کی قدر کرے گی اور اُردو کی حامی انجمنیں اور کانفرنسیں بجائے تھوڑی دیر کی لکچر بازی اور اخباری بے بنیاد و ثبات نمود و شہرت کے اس اصلی اور واقعی ترقی دینے والی کتاب کو اپنے اہتمام سے اپنا روپیہ صرف کرکے شائع کرینگی اور اپنا وقت نکالکر مولف ممدوح کو مدد دینگی۔ یہ خیال ہے کہ ادبی انجمنیں چند تذکیر و تانیث کے رسالے قواعد کے دو ایک پرچے، عروض و قوافی کے مختصر قواعد شائع کرکے اپنے اہم فرائض سے سبکدوش نہیں ہو سکتیں بلکہ ایسی مفید اور کارآمد کتابوں کو اپنے اہتمام اپنی نگرانی سے چھپوا کر حامیان اُردو

کو شکر کا موقع دیں۔ آخر میں اسقدر اور گذارش کروں کہ مصنف ممدوح یا تذکرہ کے تنقید میں اگر مجھے بلا قصد کہیں کوئی مبالغہ ہوگیا ہو وہ قابل مواخذہ نہیں ہے۔ اسلئے کہ میرے مخدوم نے بھی بصورت اپنی خالص کوشش کو میری طرف مبالغۃً کہیں کہیں منسوب کر دیا ہے۔

از رشحات قلم جادو رقم افسر الشعراء حضرت آغا شاعر دہلوی از ارشد تلامذہ فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ۔ شاعر دربار ہز ہائنس مہاراجہ صاحب جھالاوار۔ راجپوتانہ

حدیث دل بکہ گویم کہ اہل درد نماند　　گسستہ وام شنیدن و گفتنی بسیار

اس قحط الرجال میں جب کہ ادب اُردو گوناگوں مشکلات میں گرفتار ہے۔ اساتذہ ماسبق در گور کلام اُنکے ردی پر چھپے ہوئے کتب فروشوں کی دوکانوں میں بند پڑے ہیں۔ ترقی اُردو کا یہ عالم ہے کہ بڑی سے بڑی علمی درسگاہ میں۔ بھوتان کی وہ چوٹیاں۔ سرطان کی وہ بوٹیاں غلمان کی وہ ٹوپیاں کپتان کی وہ کوٹھیاں۔ جن میں سے نکلے تاجدار۔ بالکل اس قسم کی تک بندیاں بہترین نظم سمجھی جاتی ہے۔ اور صدہا چشمہ پوش۔ بوٹڈ اور سوٹڈ جنٹلمین چیرز کی گونج سے تمام ہال سر پر اُٹھا لیتے ہیں۔ ایسے ہی تضیع اوقات کو بڑے فخر سے ڈائس پر کھڑے ہو کر ظن کیا تھیڑ رہا جاتا ہے۔ ہر بیکار آوارہ گرد ۴۸ صفحے سیاہ کر کے ایک خاص نام اور تخلص سے رسالے پر رسالہ شائع کرتا ہے اور ہر قریئے اور دیہ میں دارالادب قائم کر کے اصلاح کلام کا دعویدار بن جاتا ہے۔ ایسے ہنگامے میں۔ اس طوفان بے تمیزی میں حقیقی مذاق سلیم اور بہترین سخن سنج کا پتہ لگانا کارے دارد۔ چہ جائیکہ گمنام ہستیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر منظر عام پر لانا انکے چیدہ کلام کو یادگار کے طور پر ایک ضخیم تذکرے میں جگہ دینا ہر مصنف کلام پر محققانہ تبصرہ کرنا۔ اور سالہا سال کی مسلسل عرق ریزی کے بعد ایک ایک پرچہ ایک ایک سلک جواہر ریزوں کیطرح ملک کے ہر گوشے میں سے چن چن کر مجلد پر مجلد کی صورت میں بار بار اہل نظر تک بغیر کسی مفاد ذاتی کے پہنچا دینا اک واحد علمی ایثار نہیں تو کیا ہے؟

واللہ یہ مہتم بالشان کام صرف ایک ہی جلیل القدر ہستی کا ہے جسکا نام نامی۔ لالہ سری رام ایم اے

دہلوی سے۔ سچ یہ ہے کہ ایسا ذوق شعر، یہ جامعیت تنقید، یہ قدرت انتخاب صرف آپ ہی کی ذات پر ختم ہے۔ کون نہیں جانتا کہ سنہ ۱۸۹۲ء سے لیکر اسوقت تک کہ سنہ ۱۹۲۶ء حکمرانی کر رہا ہے آپنے اپنا تمام وقت صرف اسی دُھن میں بسر کردیا۔ عہد طفلی شباب تک پہنچا اور شباب نے شیب کی صورت اختیار کی جب جاکر تذکرہ ہزار داستان المعروف بہ خمخانۂ جاوید کی ۳ جلدیں ہزارہا صفحوں کی ضخامت کے ساتھ شائع کرسکے۔ اب حصہ چہارم زیر طبع ہے جو ۷۰۰ صفحوں پر ختم ہوا ہے جسمیں (س) سے (ش) تک شعرا کا کلام بقید حروف تہجی منتخب ہوا ہے۔ آپکی مختصر سوانح اور زاد بوم سے بحث کی گئی ہے۔ حصہ پنجم بھی (ع) تک مرتب ہوچکا ہے مگر افسوس یہ ہے کہ اس انہماک پیہم نے آپکی جسمانی صحت کیساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ آپ پہلے ہی خلقی کمزور تھے اب بار بار امراض کے دورے پڑتے ہیں تاہم اس استقلال کی بھی تعریف نہیں ہوسکتی کہ آپ کھلکھڑ پھلکیڑ اٹھاتے ہیں اور پھر جہاں ذرا سکون ملا اور پھر اُسی شغل میں مصروف کار ہیں۔ راقم الحروف تقریبًا ۲۴ برس سے آپکی اس شاندار جد وجہد کو بنظر استعجاب دیکھ رہا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس کام کیلئے قدرت نے آپ ہی کو خلق کیا ہے۔ اسی عشق نے آپسے سرکاری خدمات کا سلسلہ چھڑایا پبلک لائف سے علیحدگی اختیار کی۔ خانگی معاملات کو تج دیا۔ آئے گئے۔ دوست احباب سوسائٹی کی نقل وحرکت۔ ساری دنیا سے قطع تعلق کیا۔ مگر نہ چھوٹا تو دم بھر کو یہی شغل نہ چھوٹا اب بھی سفر میں حضر میں سواری میں شکاری میں۔ ریل میں موٹر میں جہاں کہیں بھی کسی خاص مدت کیلئے جائینگے خمخانۂ جاوید کے سوادات آپکے ساتھ ہونگے کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ ایک اپ ٹو ڈیٹ جنٹلمین اعلی التعلیم یافتہ اردو شعر کا اسقدر عاشق ہو کہ بلا مبالغہ ہزارہا شعر اُسکے ذہن میں محفوظ ہوں اور کم وبیش ملک کا ہر قدیم وجدید سخن نگار اُسکا بے ضرر ندیم۔ یہاں پہنچکر میں بلا خوف تردید یہ کہنے کو تیار ہوں کہ ادب اردو پر جس قدر احسان لالہ سری رام نے کیا ہے وہ شاید ہی کسی بڑے سے بڑے مقبول عام قلمکار نے کیا ہو۔ میری یہ تمنا ہے کہ قدرت اسقدر فیاض ہوجائے کہ آپ اپنی مجوزہ اسکیم کو حسب دلخواہ مکمل کرسکیں اور خمخانۂ جاوید تمام وکمال کو پہنچکر آپکے سامنے

ہی باصرہ افروزِ عالم ہو۔

یا رب ایں آرزوئے من چہ خوش است	تو بدیں آرزو مرا برساں

عبدہٗ۔ آغا شاعر قزلباش دہلوی شاعر دربار جھالاواڑ ۱۴ جنوری سنہ ۲۶ء

از تصنیفِ لطیف پنڈت دینا ناتھ صاحب از سرینگر کشمیری تلمیذ جناب پنڈت برجموہن صاحب دتاتریہ کیفی دہلوی

ہو سکے تعریف کیا خمخانۂ جاوید کی	آنکھ کس کی دیکھ سکتی ہے ضیا خورشید کی
روح جس سے وجد میں آئے یہ وہ تصنیف ہے	دل میں ہر اک کے جو گھر کر لے یہ وہ تالیف ہے
ہمسرِ اوجِ فلک ہے اس کے شعروں کی زمیں	نورِ معنی سے درخشاں صورتِ مہرِ مبیں
نثر سے اسکی خجل عقدِ ثریا کے نجوم	خوبیوں کی اسکی ہے افلاک پر بھی آج دھوم
حسن و الفت کی کھنچی ہر لفظ میں تصویر ہے	طبعِ روشن کی ضیا پاشی کی یہ تنویر ہے
سطریں گیسوئے صنم ہیں نقطہ اِک اِک خال ہے	مرغِ قلبِ اہلِ بینش کے لئے اک جال ہے
چیز کیا چشمِ خمار آلودہ جانانہ ہے!	اسکی ہر ہائے دو چشمی "رشکِ صد خمخانہ" ہے
دی ہے کیا جی کھول کر اسے رامجی[1] دادِ سخن	نکتہ رس ہے کون تجھسا تجھ سا نقادِ سخن
شاعر اتنک تھے جو گمنامی کے پردہ میں نہاں	انکو بخشی شہرتِ ابدی حیاتِ جاوداں
بارِ احساں سے سبکدوشی اسے حاصل کہاں	یعنی جز "خمخانہ" تھی اردو زباں کامل کہاں

شامِ غم سے اب تعلق ہے نہ صبحِ عید سے
مست ہوں کیفیتِ "خمخانہ جاوید" سے

مرقومہ ۱۲ ستمبر ۱۹۲۵ء ۔ سرینگر کشمیر

تقریظ از تصنیفِ لطیف بلبلِ چمنستانِ کشمیر پنڈت نند لال کول ایم ۔ اے ۔ ادیب فاضل طالب کاشمیری

طبیعت ایک دن تھی شاد میری	کسی کے قلب میں تھی یاد میری

[1] مراد لالہ سری رام جی جاوید سے۔

کسی کا دھیان تھا دل میں سمایا
کسی کی یاد نے تھا گُدگدایا

نظر میں تھا رُخِ انور کسی کا
قدِ رعنا وہ سیمیں بر کسی کا

وہ مستانہ روش، شوخی، شرارت
وہ دل کو چھین لینے کی مہارت

جوانی کی طرح اُٹھنا کسی کا
بڑھاپے کی طرح جُھکنا کسی کا

وہ دزدیدہ نظر وہ عشوہ بازی
وہ آشوبِ جفا جادو طرازی

وہ شوخی میں ادا بانکی کسی کی
حیا سے وہ نظر نیچی کسی کی

وہ دینِ زاہدی و پارسائی
وہ ایمانِ جنون و بینوائی

وہ عشوے دلربا، دلکش کسی کے
وہ جلوے خوشنما ہوشکش کسی کے

کتابِ صنعتِ صانع کی تفسیر
غرض شانِ خدائی کی وہ تصویر

تصور میں مرے پیشِ نظر تھی
نگاہوں میں بصر تن میں جگر تھی

کیا فتنہ بپا اس درجہ من میں
لگا دی آگ میرے تن بدن میں

تڑپ اُٹھا میں مارے درد کے پھر
لگا دم بھرنے آہِ سرد کے پھر

بڑھی بے طرح میری بیقراری
فزوں تھی آہ و زاری اشکباری

بہ رنگِ چرخ بدلی میری حالت
پریشانی بڑھی کاکل کی صورت

مرے دل پر جنوں کا رنگ چھایا
کسی کو ہو پری کا جیسے سایا

کبھی مرہون تھا فرزانگی کا
کبھی ممنون تھا دیوانگی کا

نہ اس عالم میں کچھ دیتا دکھائی
وہی صورت تھی آنکھوں میں سمائی

مجسم بن گئی فوراً وہ صورت
سراپا موہنی کی تھی وہ مورت

نہ عکس و وہم تھا محبوب اپنا
ڈھلا تھا نور کے سانچے میں پتلا

رہے قائم نہ اس کو دیکھ کر ہوش
رہا میں مثلِ بُت بے حس و خاموش

ہوئی رخصت بدن سے طاقت و تاب
وہ بیہوشی تھی یا تھا عالمِ خواب

ہوائے بیخودی جب مجھ پہ چھائی — تو دور دانگیز یہ آواز آئی
سنبھل اے طالب دیدار جاناں — نہ ہو مایوس ہرگز اور ہراساں
سنبھل جا ضبط سے ہاں کام لے اب — نہ کچھ رنج و تعب کا نام لے اب
نہ رہ پابندِ غم آزاد ہو جا — نویدِ وصل سے دلشاد ہو جا
پھر آخر کر کے یوں میری مدارا — کیا اک باغ کی جانب اشارا
دلایا شوقِ گلزارِ معانی — کہا یہ ہے ریاضِ نکتہ دانی
ادھر آ رنج سب تیرا مٹائیں — تجھے راہ اس گلستاں کی دکھائیں
وہاں پائیگا تو سامانِ راحت — کہ ہے وہ باغ رشکِ باغ جنت
پھڑک اُٹھا یہ سن کر تازہ مژدہ — کیا ہمراہی کا اُس کی ارادہ
چلا میں ساتھ اُسکے سایہ آسا — چلے دریا کی جانب جیسے پیاسا
دکھایا پھر مجھے وہ باغ موعود — کرم فرما تھی جس پر ذاتِ معبود
نہ چشمے تھے نہ نہریں اسمیں جاری — کہ آبِ شعر سے تھی آبیاری
چمن تھا پر نہ طائر نغمہ زن تھے — نوا زن شاعرِ شیریں سخن تھے
غرض دیکھا نرالا باغ میں نے — شگفتہ پائے دل کے داغ میں نے
بہت سے تھے لوگ اسمیں جلوہ افگن — ادیب و نکتہ سنج و صاحبِ فن
نہایت شان سے تھے محفل آرا — کمال ان کا سراپا آشکارا
کہیں کرسی نشیں تھے میر[1] و سودا[2] — کہیں سوز[3] اور جرأت[4] درد[5] و انشا[6]
کہیں تھے حاتم[7] و تاباں[8] و ناسخ[9] — کہیں مومن[10] اسیر[11] و برق[12] و راسخ[13]
نصیر[14] و آرزو[15] رنگیں[16] کہیں تھے — حیا[17] و ذوق[18] و غالب[19] ہمنشیں تھے
انیس[20] و آتش[21] و احساں[22] و نور[23] — دبیر[24] و صابر[25] و مشتاق[26] و جوہر[27]
نظیر[28] و شیفتہ[29] و رند[30] و ساقی[31] — زکی[32] مجروح[33] تھے باہم ملاقی

ظہیر[34] و یاس[35] و ارشد[36] تھے کسی جا
وزیر[37] و رشک[38] و رسکی[39] رونق افزا

نسیم[40] لکھنوی بھی جلوہ گر تھے
حسن[41] ۔ سالک[42] ۔ صبا[43] آتے نظر تھے

ادیب[44] و احسن[45] و شوکت[46] تمنا[47]
نسیم[48] دہلوی ۔ معروف[49] یکجا

کہیں آزاد[50] و حالی[51] زیب دربار
امیر[52] و داغ[53] و ابر[54] اور شوق[55] و سرشار[56]

کہیں تسلیم[57] و اکبر[58] تھے خراماں
جلال[59] و ثاقب[60] و شاکر[61] سخنداں

اوج[62] ۔ نوح[63] اور نظر[64] ہم داستاں تھے
سرور[65] و رونق[66] و ناظم[67] وہاں تھے

کہیں اقبال[68] و کیفی[69] حشر[70] و شیدا[71]
کہیں حکمت[72] و بیخود[73] محفل آرا

ریاض[74] و عارف[75] و سائل[76] کہیں تھے
جلیل[77] و ناطق[78] و مائل[79] کہیں تھے

کہیں محروم[80] و طالب[81] اور شاعر[82]
کہیں ارمان[83] ۔ صفی[84] و نظم[85] و ساحر[86]

کہیں بیٹھے تھے وگیر[87] اور حسرت[88] سا
کہیں مجلس نشیں تھے شاد[89] و وحشت[90]

حفیظ[91] جونپوری تھے کسی جا
عزیز[92] لکھنوی بھی تھے کسی جا

غرض اس طرح لاکھوں اور شاعر
زباندانی میں فرد استاد و ماہر

جناب محفل ارباب دانا
تھے اس گلزار میں تشریف فرما

کہاں تک ذکر میں اُن کا کروں گا
ثناخوانی کا انکی دم بھروں گا

تغزل[1] میں کوئی استاد دیکھا
قصائد[2] میں کسی کو شاد دیکھا

کوئی پروانہ تھا شمع سخن کا
لطائف ۔ دل لگی میں کوئی یکتا

تصوف کا کسی میں رنگ گہرا
ظرافت کا کسی کے سر پہ سہرا

کوئی الفاظ کا مشترک والا تھا
کوئی ترکیب کی چستی کی جاں تھا

کہیں شوکت بیانی نازپر تھی
کہیں نازک خیالی جلوہ گر تھی

کوئی علامہ[11] استاد فن تھا
کسی کے ہر سخن میں بانکپن تھا

کوئی استاد[12] ...
کوئی ثنا[13] ... نویسی

کسی[15] کے لطف سے سیراب گلشن
کسی[16] سے ریختی کا نام روشن

کوئی[17] تھا سادگی کا بسکہ شائق
قصیدے[18] میں غزل میں کوئی فائق

کوئی[19] استادِ ادب اور شاعری میں
رموزِ باطنی و ظاہری میں

کمالِ[20] مرثیہ گوئی کہیں تھا
کہیں[21] اسلوبِ بندش دلنشیں تھا

کہیں[22] برجستگی افسونِ دلکش
کہیں[23] فکرِ رسا مضمونِ دلکش

کہیں[24] جوش و خروشِ نوحہ خواں تھا
کہیں[25] نازِ صنم کا نکتہ داں تھا

کوئی[26] تھا شائقِ شستہ بیانی
کوئی[27] تھا مالکِ سلکِ بیانی

کوئی[28] تھا شاہیں شیریں اور خوشگو
کیا[29] زندہ کسی نے پھر سخن کو

کسی[30] کا طرزِ رندانہ ستم تھا
کسی[31] کا جام رشکِ جامِ جم تھا

کوئی[32] استادِ مضموں آفرینی
کوئی[33] تھا صاحبِ باریک بینی

کسی[34] کی خوش مقالی قابلِ داد
کسی[35] کا سوز و حسرت لائقِ صاد

کوئی[36] زیبِ جمالی سے مجلّا
کوئی[37] داغِ نقائص سے مبرّا

کوئی[38] تھا زود گوئی میں سرفراز
کوئی[39] رنگینیِ مضموں میں ممتاز

کوئی[40] استادِ گلزارِ معانی
کوئی[41] دلدادۂ سحر البیانی

کوئی[42] مغلوبِ جذب و درد انگیز
کوئی[43] مفتونِ لطفِ حسنِ نوخیز

کوئی[44] حاضر جوابی میں تھا طرّار
کوئی[45] ناٹک نگاری میں تھا ہشیار

کوئی[46] فیضی فیاضی کا ثانی
کسی[47] کے ہاں سلاست اور روانی

کوئی[48] طبّاعِ محوِ فکرِ عالی
کوئی[49] عرفان و وحدت کا سوالی

کوئی[50] پیچیدہ اسلوبی سے مرعوب
کسی[51] کو نیچرل اشعار مرغوب

تصوف[52] میں کوئی فردِ زمانہ
تغزّل[53] میں کوئی مردِ یگانہ

کوئی[54] نازک خیالی کی تھی تعبیر
کسی[55] کی نظم میں ناٹک کی تاثیر

طبیعت تھی کسی کی بحرِ زخار　　بلاغت کا کسی کے سر پہ سنگار
کوئی شیلا مذاقِ مغربی کا　　کوئی موجد سخن کی تازگی کا
کسی کی طبع میں حاضر روانی　　تھی تیجر کی کسی میں ترجمانی
کسی کا مذہبی تھا رنگ تحریر　　کوئی شستہ مذاقی کی تھا تصویر
قدیمی رنگ تھا غالب کسی پر　　کوئی جدت پسندی کا تھا خوگر
کسی میں مشق طرزِ اہل فن تھی　　کسی سے رونقِ بزم سخن تھی
تخیل میں کوئی نامی گرامی　　کوئی طرزِ قدیم و نو کا بانی
کسی کا مدعا ناٹک نگاری　　صفائی میں کسی کی شہسواری
نئی طرزوں میں کوئی مردِ میداں　　کوئی برجستہ شوخی کا نگہباں
کوئی شیوا بیاں نازک ادا سے　　کوئی ممتاز تھا فکرِ رسا سے
کسی کو اشتیاقِ طرزِ حالی　　کسی میں عشق کے جذباتِ عالی
کسی میں منظرِ قدرت کا ساماں　　نئی رنگت کسی میں تھی نمایاں
کوئی تھا ہم نوائے بلبل ہند　　کوئی تھا آشنائے بلبل ہند
کسی میں حسنِ معنی قابل دید　　کوئی شیدائے چمنستانِ تنقید
کسی میں عارفانہ وجد و حکمت　　کسی میں روز مرّہ کی لطافت
کہیں سنجیدہ غزلوں کی متانت　　کہیں اسباب آرائش ذہانت
کوئی تھا نشۂ وحشت کا مائل　　کوئی سوز و گداز دل کا قائل
کوئی رنگِ تغزل کا تھا مشتاق　　غرض ہر ایک اپنے فن میں تھا طاق
بہت اس بزم کے جب رنگ دیکھے　　نئے طرز اور نرالے ڈھنگ دیکھے
تعجب بڑھ گیا حیراں ہوا میں　　زبس ممنونِ جانِ جاں ہوا میں
کوئی گلزار دنیا میں نہ ایسا　　کبھی دیکھا تھا میں نے یا سنا تھا

میں اس کے حال کا جویا ہوا پھر
اور اپنے یار سے گویا ہوا پھر

ہے بانی کون اس رنگیں چمن کا؟
وہ محسن سرپرست اہل سخن کا؟

کہا اک دہلوی ہیں فخر دوراں
سخن فہم و سخن سنج و سخن داں

رئیس نامور لالہ سری رام
کیا ہے جس نے زندہ شعر کا نام

وہی ہے نخلبند اس گلستاں کا
وہی ہے قدرداں رنگیں بیاں کا

عرق ریزی کا اسکی یہ ثمر ہے
اسی سے تازہ اس کا برگ و بر ہے

بہت کچھ خرچ کر کے مال و دولت
اٹھا کر رنج و غم اور بار محنت

بلائے اہل موجودہ و پیشیں
سجائی محفل ارباب رنگیں

بنے خود میزبان مجلس آرا
ہر اک اہل سخن کو ہے ابھارا

تعجب میرا اس سے بڑھ گیا پھر
یہ سیر باغ پائی غم ربا پھر

جو دیکھا اس چمن کو ابتدا سے
دعا اب مانگ لے طالب خدا سے

الٰہی ان کو تو آباد رکھنا
ہمیشہ خرم و دلشاد رکھنا

رہیں وہ تا ابد مشہور عالم
قبول اہل دل منظور عالم

سدا سرسبز یہ باغ سخن ہو
مسرت بخش انکی انجمن ہو

فہرست اسمائے شعرائے متذکرہ تقریظ خمخانۂ جاوید

(۱) ملک الشعراء مرزا محمد تقی میر
(۲) ملک الشعراء مرزا محمد رفیع سودا
(۳) سید محمد میر سوز
(۴) شیخ قلندر بخش جرأت
(۵) خواجہ میر درد
(۶) سید انشاء اللہ خاں انشاء
(۷) شیخ ظہور الدین حاتم
(۸) میر عبدالحی تاباں
(۹) شیخ امام بخش ناسخ
(۱۰) حکیم مومن خاں مومن
(۱۱) تدبیر الدولہ سید مظفر علیخاں اسیر
(۱۲) نجم الدولہ مرزا محمد رضا خاں برق لکھنوی

اور منشی مہاراج بہادر برق دہلوی۔
(دونوں سے مطلب ہے)
(۱۳) شیخ غلام علی راسخ عظیم آبادی اور مولنا عبدالرحمن راسخ دہلوی (دونوں کی طرف اشارہ ہے)
(۱۴) شاہ نصیر دہلوی اُستاد ذوق
(۱۵) سراج الدین علیخاں آرزو
(۱۶) مرزا سعادت یار خاں رنگین
(۱۷) مرزا رحیم الدین حیا گورگانی
(۱۸) خاقانیٔ ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق
(۱۹) نجم الدولہ دبیر الملک اسداللہ خاں غالب
(۲۰) میر ببر علی انیس
(۲۱) خواجہ حیدر علی آتش
(۲۲) حافظ عبدالرحمن خاں احسان
(۲۳) سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا انور
(۲۴) مرزا سلامت علی دبیر
(۲۵) مرزا قادر بخش صابر گورگانی
(۲۶) منشی بہاری لال مشتاق
(۲۷) لالہ مادھو رام جوہر
(۲۸) شیخ ولی محمد نظیر
(۲۹) نواب مصطفٰے خاں شیفتہ
(۳۰) نواب سید محمد خاں رند
(۳۱) پنڈت جواہر ناتھ کول ساقی
(۳۲) سید محمد زکریا خاں زکی
(۳۳) میر مہدی حسین مجروح
(۳۴) مولانا سید ظہیر الدین ظہیر
(۳۵) مولوی ذاکر حسین یاس
(۳۶) مرزا عبدالغنی ارشد
(۳۷) خواجہ وزیر علی وزیر
(۳۸) میر علی اوسط رشک
(۳۹) آنریبل نواب محمد علیخاں رنگی
(۴۰) پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی
(۴۱) میر غلام حسن حسن
(۴۲) مرزا قربان علی بیگ سالک
(۴۳) میر وزیر علی صبا
(۴۴) مولوی سیف الحق ادیب
(۴۵) سید مہدی حسن احسن
(۴۶) مولانا سید احمد حسن شوکت
(۴۷) منشی رام سہائے تمنا
(۴۸) نواب اصغر علیخاں نسیم ۔ دہلوی
(۴۹) نواب الٰہی بخش خاں معروف
(۵۰) مولانا محمد حسین آزاد
(۵۱) خواجہ الطاف حسین حالی

(۵۲) منشی امیر احمد امیر مینائی

(۵۳) فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ

(۵۴) پنڈت بشن نراین در آبر

(۵۵) منشی احمد علی شوق قدوائی

(۵۶) پنڈت رتن ناتھ در سرشار

(۵۷) منشی امیر اللہ تسلیم

(۵۸) سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی

(۵۹) حکیم سید ضامن علی جلال

(۶۰) مولانا نجم الدین احمد ثاقب

(۶۱) منشی پیارے لال شاکر

(۶۲) منشی دوارکا پرشاد اُفق

(۶۳) منشی سید محمد نوح ۔ نوح

(۶۴) منشی نوبت رائے نظر

(۶۵) منشی درگا سہائے سرور جہاں آبادی

(۶۶) بابو پیارے لال رونق

(۶۷) ناظم دہلوی ثم لاہوری

(۶۸) سر ڈاکٹر محمد اقبال ۔ اقبال

(۶۹) پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی

(۷۰) آغا محمد شاہ حشر

(۷۱) بابو رام رچھپال سنگھ شیدا اور منشی چندی پرشاد شیدا (دونوں کی طرف اشارہ ہے)

(۷۲) پنڈت برج نراین چکبست

(۷۳) منشی سید وحید الدین بیخود

(۷۴) منشی سید ریاض احمد ریاض

(۷۵) مرزا زین العابدین خاں عارف

(۷۶) نواب سراج الدین احمد خاں سائل

(۷۷) حافظ جلیل حسن جلیل

(۷۸) چودہری خوشی محمد ناظر

(۷۹) مرزا محمد تقی بیگ مائل

(۸۰) منشی تلوک چند محروم

(۸۱) منشی ونایک پرشاد طالب بنارسی اور راقم تقریظ خمخانۂ جاوید (دونوں کی طرف اشارہ ہے)

(۸۲) افسر الشعرا آغا شاعر قزلباش شاعر

(۸۳) پنڈت راج نراین ارمان

(۸۴) مولانا صفی لکھنوی

(۸۵) حیدر یار جنگ سید علی حیدر طباطبائی نظم

(۸۶) پنڈت امرناتھ مدن ساحر

(۸۷) شاہ سید نظام الدین دلگیر

(۸۸) مولانا فضل الحسن حسرت موہانی

(۸۹) ہز ایکسلینسی مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد اور شاد عظیم آبادی (دونوں ہی مطلب ہیں)

(۹۰) مولانا رضا علی وحشت

نوٹ :- جہاں دو شاعروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مصنف شعر میں دونوں کی خصوصیات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔
۱ ۲ / حتی الامکان ہمعصر شعرا کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے۔ (طالب کاشمیری)

(۹۱) حافظ محمد علی حفیظ (۹۲) مرزا محمد ہادی عزیز

تقریظ نگاشتہ فاضل اکمل ادیب نامور منشی محمد عمر نور الٰہی صاحب مصنف ناٹک ساگر

جی چاہا کہ خمخانۂ جاوید پر ریویو لکھا جائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ لکھیں تو آخر کیا لکھیں کہ ریویو کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر خامہ فرسائی نہ ہو چکی ہو ظاہر ہے کہ اس ضخیم کتاب کے ضخیم تبصروں میں جو تنوع ہے۔ وہ کسی مزید بحث کا روادار نہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ فاضل تقریظ نگاروں نے مزید تحریر کی گنجائش نہیں رہنے دی ہے۔

حریفاں بادہا خوردند و رفتند ۔ تہی پیمانہا کردند و رفتند

مشاہیر ادب نے اس کے محاسن بیان کرنے میں نکتہ سنجی کی دل کھولکر داد دی۔ ناقدان فن نے سطر سطر کا جائزہ لیا۔ اور بیشتر واقعات کو محک تحقیق پر کس کر مہر توثیق ثبت کی۔ ہندوستان کی ناقدر شناس پبلک نے یہ قدر افزائی کی۔ کہ اب چوتھی جلد شائع ہو رہی ہے۔ لائبریریوں کی تزئین خمخانہ کے بغیر ادھوری مانی گئی ہے۔ پڑھے لکھے اصحاب کی الماریوں کی زینت اسکے سوا ہو نہیں سکتی۔ اور یونیورسٹیاں معترف ہیں کہ جبتک خمخانہ داخل نصاب نہ ہو۔ اُردو کی تعلیم کا مکمل ہونا معلوم۔ بتایئے اس سے بڑھکر قبول عام کیا ہوگا۔ ہر دلعزیزی کا یہ عالم ہے کہ ہندو اس تصنیف پر ناز کر رہے ہیں مسلمان فخر و مباہات کے جذبات سے سرشار ہیں۔ دونوں فریق مصنف کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اپنا اپنا شفع قائم کرنیکی خوش آیند کوشش میں بسا اوقات مضحکہ خیز بن جانے کی بھی پرواہ نہیں رکھتے۔ یہ سعادت اللہ کی دین ہے جسمیں زور بازو کو چنداں دخل ادخال نہیں۔ مادر وطن نے ایسے کتنے خوش نصیبوں کو جنم دیا جنہیں ہندو اور مسلمان دونوں نے یکساں طور پر اپنانا چاہا۔ شاید مصنف اپنی صبر آزما محنت کا اتنا ہی صلہ کافی خیال کریں کہ وہ عرفی کی اس خواب کی تعبیر بن رہے ہیں (اللہ تعالیٰ انہیں عمر خضر عطا کرے) ۔

چناں با نیک و بد عرفی بسر کن کز پس مردن ۔ مسلمانت بزمزم شوید و ہندو بسوزاند

اہل دہلی پھولے نہیں سماتے کہ اس غیر فانی تصنیف کا سہرا ایک دہلی نژاد کے سر ہے اہل پنجاب مزے لیکر کہتے ہیں کہ یہ کتاب جس جامع کی مرہون منت ہے اسکی بالیدگی میں جو حصہ راوی کا ہے۔ وہ جمنا سے کم نہیں جس اتفاق دیکھئے کہ گذشتہ چند سالوں میں دو مطول کتابوں کا اضافہ ہوتا ہے۔ ایک فرہنگ آصفیہ اور دوسری خمخانہ جاوید۔ ان دونوں کتابوں کے مصنف دہلوی ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی سرپرستی شہریار دکن فرماتے ہیں۔ ان دونوں کتابوں کا بیشتر حصہ لاہور میں لکھا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں کتابیں اہل پنجاب کی مساعی جمیلہ سے طبع ہوتی ہیں۔ گویا یہ فقید المثال کتابیں زبان حال سے پکار پکار کر اہل دہلی کو متنبہ کرتی ہیں کہ اگر زبان کو زندہ رکھنا عزیز ہے تو پنجاب اور دکن سے اشتراک عمل کیجئے۔ اسکیلئے یہ کر یہ بیل منڈھے چڑھنے کی نہیں۔ اور اہل ہند سے بانکے پکار سے کہتی ہے کہ اگر وطن کی عزت منظور ہے تو زبان کی خدمت پر کمربستہ ہو جایئے۔ اسمیں اردو اور ہندی کی کوئی تخصیص نہیں کر دراصل یہ ایک زبان کے دو نام ہیں۔ اس التباس سے گمراہ نہ ہو جائے اور ہمیشہ یاد رکھئے کہ اردو کا دشمن ہندی کا دوست اور ہندی کا شترو اردو کا پریمی نہیں ہو سکتا۔ غرضکہ خمخانہ جاوید نے ایک ایسا سنگم کیا ہے جہاں فرقہ سازی اور دو ہراہندی کے اسنڈے ہوئے دریا گلے ملجاتے ہیں۔ اور قدح نوشان خمخانۂ یگانگت اور رواداری کے نشہ میں سرشار ہو کر ہزار داستان کیطرح چہکتے ہیں جس سے اس کتاب کتاب کے دوسرے نام یعنی تذکرہ ہزار داستان کی موزونیت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ اردو زبان میں یہ کتاب سیلیں لٹریس کا بہترین نمونہ ہے جسمیں قومی مذہبی اور وطنی عصبیت کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا ہندو۔ مسلمان۔ سکھ۔ عیسائی اور پارسی بلا تکلف آتے ہیں۔ اور اپنے اپنے نقد سخن کے مطابق اس خمخانہ سے مینائے ابدی خرید لے جاتے ہیں۔

قسمت بادہ باندازۂ جام است اینجا

آبحیات سے شکایت پیدا ہوئی تھی کہ اسمیں ہندو اساتذہ کو نظر انداز کیا ہے اور باکمالان لکھنؤ کے تذکرہ میں بخل سے کام لیا ہے لیکن یہ کتاب ایسے جملہ معائب سے پاک ہے خمخانہ کی

ایک اور خصوصیت قابلِ ذکر ہے۔ کہ اسکی تدوین میں مشرقی اور مغربی اندازِ تذکرہ نویسی کو سمو کر ایک نیا رنگ پیدا کیا گیا ہے۔ عبارت کی رنگینی سے مشرقیت مترشح ہے اور انتقاد کی باریک بینی مغربی اسلوبِ نقد و نظر پر دال ہے۔ پس سو تقریظوں کی ایک تقریظ یہ ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

محمد عمر نور الٰہی سرینگر کشمیر ۱۵ اگست ۱۹۲۵ء

قصیدۂ تہنیت بسالگرہ جناب معلی القاب امیر ابن امیر رئیس ابن رئیس عالیجناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے رئیس دہلی و مؤلف تذکرہ خمخانۂ جاوید دام اقبالہ

پیش کردہ لسان الدولہ قاضی مولوی سید محمد نذیر حسن فتنہ عباسی زمیندار قصبہ سندیلہ

۵ دسمبر ۱۹۲۱ء بمقام کوٹھی ممدوح الصدر نوشتہ شد

بیاں کچھ کر نہیں سکتا جو لطفِ بیکراں دیکھا
کہوں کیا خواب میں کل رات کو کیا کیا سماں دیکھا

گذشتہ دن کو جن یاروں کی دلی میں رہے دن بھر
وہی پھر مجمع اہلِ کمال و نکتہ داں دیکھا

کہیں علامہ آزاد[۹۱] تھے رونق دہ مجلس
کسی جا مصطفےٰ خاں شیفتہ[۹۲] سا خوش بیاں دیکھا

کہیں پر میر قطب الدین خاں باطن[۹۳] نظر آئے
کہیں پر قدرت اللہ شوق[۹۴] کو جلوہ کناں دیکھا

کہیں نواب صدیق حسن خاں[۹۵] جلوہ آرا تھے
کہیں منشی امیر احمد[۹۶] سا مشہورِ جہاں دیکھا

کہیں تھے حضرت نسیم[۹۷] کسی جا میر محسن[۹۸] تھے
کہیں پر صاحبِ بزم سخن[۹۹] کو تر زباں دیکھا

کہیں پر حضرت نساخ[۱۰۰] و قادر بخش و صابر[۱۰۱] تھے
کسی جا پر پریشاں[۱۰۲] سا فصیح خوش بیاں دیکھا

کہیں فضل الحسن حسرت[۱۰۳] کہیں تھے مولوی شبلی[۱۰۴]
غرض دیکھا جسے مجلس میں ممتازِ جہاں دیکھا

بہت سے اور بھی تھے نامیوں میں جن کی شہرت ہے
کہاں تک نام لوں ان سب کے جن کو تھا وہاں دیکھا

یہ سب آپس میں سرگرمِ سخن تھے خندہ رو ہو کر
ہوئے پھر اور بھی خوش بزم میں جب تجھ کو جہاں دیکھا

کہا یوں سب نے ہم آواز ہو کر خوب ہی آئے
کہاں تھے جو بہت عرصہ کے بعد اے مہرباں دیکھا

۹۱ مؤلف تذکرہ آب حیات
۹۲ مؤلف تذکرہ گلشن بے خار
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

یہاں اک بحث یارو نہیں چھیڑی ہے تم بھی کچھ بولو
کہ تم نے بھی ہے ہندوستاں کیا سارا جہاں دیکھا

کہا میں نے کہ کہئے بات کیا ہے کیسی حجت ہے
یہ کیوں ہنستے ہیں سب کیا کوئی کشت زعفراں دیکھا

تو بولے ایک صاحب یہ ہے مجمع ذی کمالوں کا
انھوں نے ہے زمین شاعری کا آسماں دیکھا

ہر اک انمیں کا ہے اپنی جگہ استاد لاثانی
انہیں کو ہر جگہ دیکھا جدھر دیکھا جہاں دیکھا

لکھے ہیں شاعروں کے تذکرے انمیں سے ہر اک نے
نچھوڑا حال اس کا جس کسی کو خوش بیاں دیکھا

مگر اب اسپہ حجت آپڑی ہے یار لوگوں میں
کہ ان سب تذکروں میں کس نے کسکو ولستاں دیکھا

ہر اک کا قول ہے میں نے بہت کچھ جستجو کی ہے
وہیں پہنچا جہاں طیر سخن کا آشیاں دیکھا

کوئی کہتا ہے تحقیق حقیقت میرا حصہ ہے
کوئی کہتا ہے تم نے میرا انداز بیاں دیکھا

کوئی دکھلا رہا ہے منتخب شعروں کے گلدستے
کوئی کہتا ہے تم نے میرا رنگ بوستاں دیکھا

غرض ہے ہر مولف اپنی ہی تالیف پر نازاں
جسے دیکھا خود اپنا آپ ہی کو مدح خواں دیکھا

ابھی تو گفتگو یہ ختم بھی ہونے نہ پائی تھی
کہ اک مرد متین کو اسی جا ناگہاں دیکھا

ہوئی پہلے تو حیرت دیکھکر پھر سب نے یہ پوچھا
کہ حضرت! آپ ہیں کون اور کیا آکر یہاں دیکھا

وہ بولا میر کہکر جس کو تم سب یاد کرتے ہو
انھی استاد عالم کی ہوں میں روح رواں دیکھا

مجھے ہر وقت شاگردوں کی خبریں ملتی رہتی ہیں
کہا تھا جو ملایک سے وہی آکر یہاں دیکھا

یہ کیا جھگڑا مچا رکھا ہے چند اوراق ناقص پر
مکمل تذکرہ دراصل ابھی تم نے کہاں دیکھا

نہیں تم میں سے کوئی مستحق تحسین کا ہرگز
کہیں سے خوب سب کا زور طبع نکتہ داں دیکھا

سنو انصاف کی تو بات یہ ہے میں جو کہتا ہوں
کہیں سے تم سے کچھ بڑھکر ہے نیرنگ جہاں دیکھا

بہت سے تذکرے انکے سوا بھی دیکھے ہوں لیکن
ابھی خمخانۂ جاوید کو تم نے کہاں دیکھا

ولی کی روح اقدس کی قسم کھا کر میں کہتا ہوں
کہ اس میں اور ہی کچھ لطف و انداز بیاں دیکھا

مرے باغ سخن کے طائران خوش نوا سب ہیں
گلوں سے میں نے ہر بلبل کا مملو آشیاں دیکھا

مرے امت کے ہر اک امتی کا کارنامہ ہے
کوئی جادو بیاں دیکھا کوئی شیریں بیاں دیکھا

تمہاری طرح اپنوں کی نہیں انہیں طرفداری
کہ اُسکے ہو رہے بس جسکو اپنا مہرباں دیکھا

تمہیں خمخانۂ جاوید کی لازم زیارت ہے
کہ اُس ہاں جسکو دیکھا نظم کا پیر مغاں دیکھا

یہ سنکر اُٹھ گئے آنکھوں سے سب کی پردے غفلت کے
عجب کچھ اُسکی اس تقریب سے لطف سماں دیکھا

مجھے بھی ایک حیرت ہوگئی اس نام کو سنکر
کہ گویا آئینہ اُس انجمن کے درمیاں دیکھا

پھر اُس سے میں نے پوچھا نام کیا ہے اُس مؤلف کا
کہاں رہتے ہیں وہ اور آپنے انکو کہاں دیکھا

یہ سنکر اُسنے فرمایا سری رام اُن کو کہتے ہیں
ہیں جتنے دلی والے سبنے ہی انکا مکاں دیکھا

علی پور روڈ پر جو سترہ نمبر کی کوٹھی ہے
وہیں پر بارہا میں نے انہیں کو مہرباں دیکھا

تمہیں ملنا جو ہو اُن سے تو یہ موقع بھی اچھا ہے
کہ آج اُنکے مکاں پر اور ہی میں نے سماں دیکھا

گرہ ہر سال اُنکی عمر کے رشتے میں پڑتی ہے
اسی تقریب میں آج اُنکا گھر رشکِ جناں دیکھا

کہیں حوروں کی محفل ہے کہیں پریوں کا مجمع ہے
غرض معشوق جو اُس بزم میں دیکھا جواں دیکھا

رؤسا جتنے ہیں دلی کے سب تشریف لائے ہیں
وہ سب کے میزباں ہیں سب کو انکا میہماں دیکھا

یہ سنکر کھل گئیں آنکھیں تو دیکھا کچھ نہ تھا اُس جا
وہی اپنی مسہری اور وہی اپنا مکاں دیکھا

مگر دل کو یقیں تھا خواب بے ریب سچا ہے
کہ روحِ میر کو اس انجمن کے درمیاں دیکھا

وہ بیشک جنتی ہے اسکا کہنا کیوں نہ ہم مانیں
زمانے کی نگاہوں نے کوئی اُس سا کہاں دیکھا

چلو خمخانۂ جاوید والے سے ملیں چلکر
کہ اُنکی مدح میں اُستاد کو رطب اللساں دیکھا

مگر جلسے میں کب یوں خالی خولی لطف آئے گا
وہاں پھر کیا کروگے جو گروہ شاعراں دیکھا

مناسب ہے کہ کچھ اشعار مدحیہ کروں موزوں
کہ تمکو ہم نے دیکھا نظم ہی پڑھتے جہاں دیکھا

یہ کہکر اُٹھ کے بستر سے لکھا وہ مطلعِ روشن
کہ جس کے سامنے شرمندہ مہر آسماں دیکھا

کبھی گر فکر عالی سے ترا اوج مکاں دیکھا
تو میں نے آسماں اک اور زیر آسماں دیکھا

پریشاں حال دیکھا تیرے اعدا کو جہاں دیکھا
زمیں دشمن نظر آئی مخالف آسماں دیکھا

فلک کو دیکھکر جسنے ترا اونچا مکاں دیکھا
تو اُس نے آسماں کے نیچے اک اور آسماں دیکھا

نگاہِ قدر تیری پست فطرت پر پڑی جس دم
تو ہر اک ذرہ کو ہم اوجِ مہرِ آسماں دیکھا

تو وہ خورشید رو ہے چاند سایہ تجھ پہ کرتا ہی
مثال چتر تیرے سر پہ مہرِ آسماں دیکھا

مسخر کر لئے ارض و سما اخلاق والا نے
زمیں کو یار پایا اور موافق آسماں دیکھا

گرے چلنے میں جس جا پر ستارے تیری جوتی کے
زمیں کا آسماں ٹکڑا میں نے رشکِ آسماں دیکھا

زمینِ قبر پر بھی تیرے دشمن کو نہیں راحت
پئے ایذا وہی مٹی کا سر پر آسماں دیکھا

ترقی کے سنے اشعار تیری بزمِ عالی میں
زمینِ شاعری کو ہم عروجِ آسماں دیکھا

زمیں تیری گلی کی آئنہ بنکر یہ کہتی ہے
یہ حیرت ہے کہ میں نے اپنے نیچے آسماں دیکھا

نظر آیا جو سایہ دوپہر کو قصرِ عالی کا
یہ بولے دیکھنے والے زمیں پر آسماں دیکھا

ترے اوجِ مقدر سے زمیں پر کسکو نسبت ہے
ترا ہمسر اگر دیکھا تو میں نے آسماں دیکھا

جڑے ہیں چاند تارے سقف میں قصرِ معلی کی
زمیں پر بیٹھے بیٹھے ہم نے لطفِ آسماں دیکھا

ترا ایوان عالی بے طرح نازاں ہی رفعت پر
عجب ہے عرش پر میں نے دماغ آسماں دیکھا

بہی خواہوں کے سر پر چتر پایا مہرِ انور کو
عدو کے سر پر اک داغِ جفائے آسماں دیکھا

نظر آتا ہے زیرِ خیمۂ زریں ترا جلوہ
سرِ پُرنور پر سونے کا میں نے آسماں دیکھا

یہ تیری وسعتِ ہمت نے بخشا اوج عالم کو
حبابِ آبجو کو بھی بشکلِ آسماں دیکھا

ترے کوچے میں ہر ناچیز کو معراج ہوتی ہی
کہ جس ذرہ کو دیکھا ہم علوِ آسماں دیکھا

یہ سمجھا کام آئے ہیں تری مسند کی زینت میں
ستاروں سے جو خالی میں نے فرشِ آسماں دیکھا

غرض روئے زمیں پر آج تیری ذات یکتا ہے
ترا ثانی کہیں پر بھی نہ زیرِ آسماں آسماں دیکھا

مسیح و خضر کی تجھکو عطا ہو عمرِ عالم میں
یہی کہتا ہوا ہر ایک کو زیرِ آسماں دیکھا

جشن کے دن کا جلسہ دیکھکر بولے ملائک بھی
کہ آج اس جشنِ عالی کے موافق آسماں دیکھا

بس اب اے فتنہ بندیا ہی خاموش ہو جاؤ
زمینِ نظم کا خوب آج ہم نے آسماں دیکھا

رباعی

مشغول ہیں جو اربابِ سخن بیٹھے ہیں
غنچہ میں حسینانِ چمن بیٹھے ہیں

اے فتنہ نثارِ گلِ مضموں کا ہو وقت	دے نذر کہ سب ماہرِ فن بیٹھے ہیں

راقم سید نذیر حسن فتنہ عباسی سندیلوی متخلص بہ فتنہ ۵ دسمبر ۱۹۲۰ء

ہدیۂ تہنیت سالگرہ مخلص قدیم مشفق صمیم لالہ سری رام صاحب ایم اے مؤلف تذکرہ خمخانۂ جاوید دہلی از تصنیف ابو المعظم مرزا سراج الدین احمد خاں جاگیردار ریاست لوہارو سائل تخلص بتاریخ پنجم دسمبر روز جمعہ ۱۹۲۰ء

روزِ مسعودِ ولادت یہ مرے یار کا ہے	وقت ساقی سے قدح خواروں کی تکرار کا ہے
روز گو ہو چکا شب جزو تو ہے اس دن کی	تیرگی بدلی ہے ہنگام یہ امطار کا ہے
گوشہ گوشہ سے ہے اس گھر کی سعادت کی نمود	عالم اس جلسہ کی رنگینی پہ گلزار کا ہے
وہ ولادت کہ نہ تھی جس کی کوئی اور نظیر	آج تک جس پہ کرم ایزدِ غفار کا ہے
نام مولود کا آخر میں کیا جائیگا عرض	یہ محل حسنِ کمالات کے اظہار کا ہے
قطرتی وصف بھی اس ضمن میں ہو جائیگا درج	مدعا یہ بھی مری نظم کا اشعار کا ہے
یار وہ یار جو چالیس برس کا ہے ہمدم	قدرداں جو مرے اوضاع کا گفتار کا ہے
کھتری نسل کا ممتاز عزائد کا خلف	بہترین پور و نمونہ سلف اخیار کا ہے
شکل و صورت و دل آویز کہ اللہ اللہ	مرد ہونے پہ صورِ دلبرِ دلدار کا ہے
جس طرف بیٹھا ہو محفل میں نظر کہتی ہے	کہ شبہ بھی ایک مطلع انوار کا ہے
قابل مدح حوائج کی ہے خوش خوئی بھی	قول میرا نہیں ہر صاحب ابصار کا ہے
نطق میں ایسی سلاست وہ مزا وہ انداز	کہ مرادف لب گلریز و شکر بار کا ہے
غیظ شامل ہے اگر اس میں تو ہے قربان	نقشہ یا تیر کا یا تیز سم تلوار کا ہے
لطف داخل ہو تو کر دیتا ہو دلکو بیتاب	طرز تقریر میں انداز طرح دار کا ہے
وعدے میں ہوتی ہو دونوں صفتوں کی تکمیل	مختصر یہ ہے مرے دوست کی سرکار کا ہے
دل نے چاہا تو وفا کر دیا وعدہ ورنہ	دھر آگاہ ہے دستور جو سرکار کا ہے

اب رہا ذوق و مدارات و تواضع کا ڈھنگ ۔۔۔ وہ وہ ہوتا ہے جو ایک صاحبِ ایثار کا ہے
علم کا ذوق تو ایسا کہیں دیکھا نہ سنا ۔۔۔ اس کے گھر بھر پہ کرم داور دوار کا ہے
ام اے کا ڈپلوما خود لیکے ہوا تھا منصف ۔۔۔ والد شاعر کا ہے دل باختہ اشعار کا ہے
کارنامہ ہی سخن سنجی کا ایک خمخانہ ۔۔۔ جو مشابہ بہ یقیں دفترِ طومار کا ہے
جس کی ہستی پہ ہی موقوف حیاتِ شعرا ۔۔۔ یہ کرشمہ اسی پُرفہم و خوش اطوار کا ہے
آج لگتی ہے کلاوہ میں گرہ ایسے کے ۔۔۔ جس پہ دعویٰ مجھے بھائی کی طرح پیار کا ہے
تہنیت اسکی اسے اسکی بہو کو دے کر ۔۔۔ عزم احباب سے پھر خیر سے اصرار کا ہے
میں دعا دیتا ہوں آمیں! کہیں سب دل سے ۔۔۔ مذہباً حکم یہی حضرت غفار کا ہے
سو گرہ اس کے کلاوہ میں لگیں اور خدا ۔۔۔ اسی دستور سے جو گنبد دوار کا ہے
ہر برس یوں ہی سرِ بام ہو بہجت اندوز ۔۔۔ رنگِ محفل یہی سائل ہو جو حضار کا ہے

قطعہ تاریخ طبع جلد چہارم تذکرہ خمخانہ جاوید از نتیجۂ فکر آقائے سخن جناب سید عسکری صاحب ضیا و نسیم خیرآبادی مہتمم تحفۂ خوشتر گورکھپور

جامعیت اس میں یہ ہے سراپا انتخاب ۔۔۔ تذکرے دیکھے بہت کوئی نہیں اسکا جواب
از سرِ انصاف ہی یہ طبع کا سال اے نسیم ۔۔۔ مخزنِ اشعارِ اہل فن ہے گویا یہ کتاب
(۱) ۔۔۔ 19 6 26

قطعہ تاریخ طبع از حضرت آغا شاعر دہلوی

ہر تذکرے کو اسکے مقابل میں لائیے ۔۔۔ ہر طرح اس سے کیجئے یعنی موازنہ
شاعر نے سن عیسوی میں سال یوں لکھا ۔۔۔ خمخانہ کی یہ جلد ہے چوتھی۔ موازنہ
19 6 26

(نوٹ) کاتب کی غلطی سے تقریظ کے ساتھ لکھنا رہ گیا تھا لہذا یہاں درج ہوا۔

فہرست اسماء شعرا مندرجہ تذکرہ خمخانہ جاوید جلد چہارم

صحت نامہ حصہ چہارم

صفحہ	سطر	غلط چھپا	صحیح جو پڑھنا چاہئے	صفحہ	سطر	غلط چھپا	صحیح جو پڑھنا چاہئے
١٢	٧	سیمن	سیمین	٢٦٥	١	اماں	آیاں
١٥	١٠	ہے	ہیے	٢٨٨	٢١	کرینگے	کرینکے
٤١	١	چھری	چُھری	٣٠٧	٢٠	المفاعت	المضاعف
٤٣	٢١	ساعر	ساغر	٣٧٩	٧	شاعر	شاعری
٤٤	٣	ہو	ہو	″	″	سخنور	سخنوری
٥٥	١٢	خوشی	خودی	٣٩٥	٥	امین	انہیں
٩٤	٧	میں	ہیں	٤١٢	٢١	وادکیاخوب	وادخوب
٩٦	١٩	پاکیزکی	پاکیزگی	٤١٤	١٣	میں بھی	میں
١٢١	١٩	جائے	جائیے	٤١٦	٥	عجب	عجیب
١٢٩	١٧	روپ	طلاپ	٤٢٥	١٠	برہم تھی	پھر برہم
″	١٨	ہئے	ہے	٤٤٦	١٩	فرا	فراسو
١٤٥	٢١	پسند	مزاج	٤٧٨	٣	گستاخی	گستاخ
١٦٤	٦	کے	سے	٤٨١	١١	ہو	ہو
١٦٨	٨	کہنا	کیا	٤ تقریظ	٤	انکا	اسکا
١٧١	٢١	٤٠	٥٠	″	٨	کے	کسان
٢٠٣	١	ٹکرے	ٹکڑے	″	″	یہ	یا
″	١١	کئے	سے لئے	″	″	خدا	خداسے
٢١٨	١٨	سہ	یہ	١٧	٤	آیا	آہا
٢٢٩	١	ہمسر	پیمبر	١٩	١٠	جبیں	چھین
٢٤٠	١٢	جائے	جائیے	٤٤	١٥	عی	ہی

فہرست کتب نادر الوجود موجودہ دفتر خمخانۂ جاوید شہر دہلی

ضمیمہ یادگار داغ بلبل ہندوستان فصیح الملک نواب مرزا خان صاحب داغ مرحوم دہلوی کی آخری نغمہ سنجیوں کا دلچسپ قابل قدر مجموعہ جسکو لالہ سری رام صاحب ایم اے نے بصرف زر کثیر مرزائے مرحوم کے ورثا سے حاصل کر کے مرتب کیا اس نایاب مجموعہ میں ستر غیر مطبوعہ غزلیں ہیں قیمت فی جلد ۱

تذکرہ ہزار داستان معروف بہ **خمخانۂ جاوید** جو آٹھ جلدوں میں ختم ہوگا

چونکہ یہ تذکرہ فرط شہرت سے کسی تعریف یا توصیف کا محتاج نہیں رہا۔ اسلئے سب طرف سے قطع نظر قیمتوں کی تصریح کر دینی ضروری ہے: **جلد اول** کاغذ و کتابت نفیس ضخامت زائد ۵۰ جز قسم اول مع ضمیمہ اب اسکا کوئی نسخہ باقی نہیں لیکن اگر تین سو درخواست معہ پیشگی قیمت آئے تو پھر چھپ سکتا ہے۔

جلد دوم	(مجلد) قسم اول چار روپیہ آٹھ آنہ (للعہ)	بلا جلد	۱۲/ ع ؁
جلد سوم	(مجلد) پانچ روپیہ آٹھ آنہ (صہ/۸)	بلا جلد	للعہ ؁
جلد چہارم	(مجلد) پانچ روپیہ آٹھ آنہ (صہ/۸)	بلا جلد	للعہ ؁

مہتاب داغ حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کا تیسرا دیوان جو ۱۸۹۳ء میں مرزا داغ مرحوم نے دکن سے شائع کیا تھا اور جسکی قیمت صہ روپے مقرر تھی اور جو عرصہ سے بالکل نایاب تھا۔ اب دوبارہ لالہ سری رام صاحب ایم اے مؤلف تذکرہ خمخانۂ جاوید نے باخذ حق تصنیف زر کثیر خرچ کر کے شائع کیا ہے۔ لکھائی چھپائی صاف و روشن۔ کاغذ سفید چکنا دبیز جس پر کلام بھی نور علیٰ نور ہے۔ قیمت قسم اول ؁ قسم دوم ۸/ع روپے بلا ضمیمہ ؁

نوٹ مندرجہ بالا کتب کی ۴ جلدوں کے خریدار کو عہ فیصدی کمیشن دیا جائیگا زاید کتب کیلئے بذریعہ خط و کتابت فیصلہ ہو سکتا ہے ؁

المشتہر: سری رام۔ ایم۔ اے نمبر ۱۔ علی پور روڈ۔ دہلی